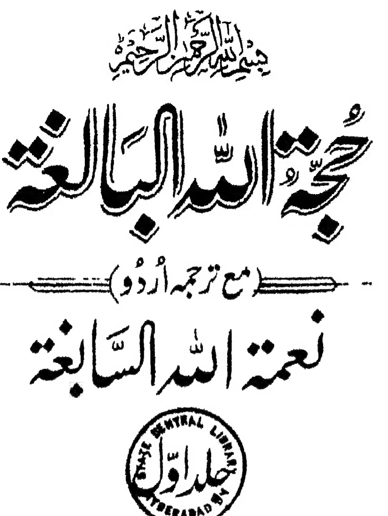


مؤلفہ :- حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

مترجمہ :- حضرت علامہ ابو محمد عبدالحق صاحب حقانی

تزیین :- مولانا محمد عبداللطیف صاحب و معراج محمد صاحب بارق

ناشرین

نور محمد اصح المطالع و کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی

عرضِ ناشر

حضرت علّامہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی عدیم النظیر تالیف "حجۃ اللہ البالغۃ" مع ترجمہ اُردو جناب کے پیشِ نظر ہے یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ ہمارے مخلص احباب نے اس چشمۂ فیض وعلم کی طرف رہنمائی کی اور ان ہی کی سعی بلیغ کا نتیجہ تھا کہ جناب پیر صاحب درگاہ شریف (سندھ) کے کتب خانہ عالیہ علمیہ سے حضرت مولانا ابو محمد عبد الحق صاحب حقّانی کا ترجمہ موسوم بہ "نعمۃ اللہ السّابغۃ" دستیاب ہوا۔ اس سلسلہ میں ہم حضرت پیر محب اللہ صاحب، جناب مولانا عزیز احمد صاحب اور جناب مولانا غلام مصطفیٰ صاحب قاسمی کے بیحد ممنون ہیں۔ فجزاھم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

یہ ترجمہ چونکہ ۱۳۰۲ھ میں مکمل ہوا تھا اس لئے قدیم طرز تحریر میں زینت پیدا کرنے کی خاطر اس پر نظر ثانی کرائی گئی ہے اور اس کتاب کی دینی اہمیت کے پیش نظر ترجمہ کے ساتھ اصل عربی متن بھی قائم کیا گیا ہے تاکہ اہل علم حضرات بھی خاطر خواہ مستفید ہوں ــــــ توقع ہے کہ بزرگان سلف کی ان مساعی جمیلہ سے عقائد و اعمال کی راہ میں شمع ہدایت کا کام لیا جائے گا۔

"مہتمم" اصح المطابع و کارخانہ تجارت کتب کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ مترجم

مجھ سا نادان، پریشان بیان، اس خدائے فیاضِ مطلق کی کیا حمد کر سکتا ہے جس نے عرب کے ریگستان اور خشک پہاڑوں میں اپنی رحمتِ خاصہ کا وہ چشمہ جاری کیا جس کے آبِ حیات نے تشنہ لبانِ ضلالت کو سیراب اور جس کی نہروں اور نالوں نے تمام عالم کو شاداب بنایا اور مجھ سا بے تمیز اس ہادی و نور کی کیا مدح کر سکتا ہے جس نے اپنے فضلِ خاص سے اس وقت جبکہ تمام عالم میں شبِ دیجور کی اندھیریاں چھا رہی تھیں فاران سے آفتابِ عالمتاب کو جلوہ گر کیا، جس کے انوار نے دنیا جہان کو روشنی سے بھر دیا اور جس کے چھوٹے چھوٹے ستاروں اور ذرّوں نے ہر جگہ کو منوّر کر دیا۔ فصلوٰۃ اللہ علیہ وسلامہ ورحمۃ اللہ علیہ وعلیٰ اتباعہ وانعامہ۔

یہ فقیر حقیر ابو محمد **عبد الحق** ابن محمد امیر اُس حکیم روحانی کا کیا شکریہ ادا کر سکتا ہے جس کی تدبیر پُر تاثیر نے عالم کے بگڑے انسانوں کی اصلاح فرمائی اور جس کے قانونِ علاج (قرآن مجید) سے اہلِ فطرتِ سلیمہ نے فلاح پائی یہ اسی اُستادِ کامل کا فیضان ہے جس کے تربیت یافتوں نے ہندوستان جیسے ملکوں کو جہاں صدہا سال سے جنگلیوں نے خدائی اور وحشیوں نے پادشاہی کی، علم و ہنر سے منوّر اور نورِ فطرت سے جلوہ گر بنایا ہر ایک کو روح کی زندہ کرنے والی باتیں سنا کر خوابِ خرگوش سے بیدار اور بادۂ غفلت سے ہوشیار کیا منجملہ اُن کے حضرت **شاہ ولی اللہ** قطب الدین احمد بن عبد الرحیم بن وجیہ الدین فاروقی دہلوی ہیں، جن کی ولادت ۱۱۱۴ھ میں بدھ کے روز چوتھی شوال کو طلوعِ آفتاب کے وقت ہوئی مولانا ممدوح کے کمالات کو بیان کرنا نصف النہار میں آفتاب کو عیاں کرنا ہے مگر بحکم مالا یدرک کلہ لا یترک قدرِ قلیل سامعین کو سناتا بلکہ یہ بات جتاتا ہوں کہ ابھی تھوڑے دن ہوئے کہ جبتک اہلِ اسلام میں ایسے کیسے اولوالعزم اور صاحبِ کمالات پیدا ہوتے تھے مگر اب وہ ترقی معکوس ظہور میں آئی کہ جس کے بیان کرنے سے قلم شرماتا اور دل دُکھتا ہے۔ اُمرا کی یہ حالت، علما کی یہ کیفیت، فقرا کی یہ صورت، اتفاق ایسا نفاق ایسا، تدبیر ایسی، ہمت ایسی، اس پر کاہلی و جہالت۔ اسے تیرے پیالے بھا بیاد اے نوجوانو کان دھر کر سنو اور عبرت پکڑو!

مولانا ممدوح ایک جگہ اپنا حال یوں تحریر فرماتے ہیں کہ پانچویں سال میرے والد نے مجھ کو مکتب میں بٹھلا دیا اور ساتویں سال نماز پڑھوائی اور روزہ رکھوایا۔ یاد پڑتا ہے کہ اسی سال میں قرآن ختم کیا اور فارسی کی کتابیں اور کچھ مختصرات پڑھنے لگا۔ دسویں سال شرح ملا شروع کیا اور کسی قدر مطالعہ سے مطالب

حاصل کرنا آگیا چودھویں سال شادی کی، پندرھویں برس والد سے بیعت کرکے اشغال صوفیہ بالخصوص اشغالِ نقشبندیہ میں مشغول ہوا۔ پھر اسی برس میں دستاربندی کی رسم ادا ہوئی اور تمام فنونِ رسمیہ سے فراغت ہوگئی۔ سترھویں سال حضرت والد صاحب بیمار ہوکر انتقال کر گئے اور فقیر کو بیعت کی اجازت دے گئے۔ بعد ازیں کم و بیش بارہ برس تک کتب دینیہ و عقلیہ کی درس و تدریس میں مصروف رہا۔ کتبِ مذاہبِ اربعہ اور ان کے اصولِ فقہ اور ان احادیث میں جن سے وہ تمسک کرتے ہیں غور و نظر کرنے کے بعد بمددِ غیبی فقیر نے فقہائے محدثین کی روش کو اختیار کیا۔ پھر ۱۱۴۳ھ کے اخیر میں حج و زیارتِ بیت اللہ الحرام سے مشرف ہوا اور ایک سال تک حرمین شریفین کی مجاورت اختیار کی۔ اسی عرصہ میں حضرت شیخ ابوطاہر مدنی سے دوبارہ کتب حدیث کی تجدید کی اور شیخ ابوطاہر کا خرقہ جو جمیع صوفیہ کے خرقوں کو مشتمل تھا پہنا پھر حج ادا کر کے ۱۱۴۵ھ کے اخیر میں وطنِ مالوف کی طرف متوجہ ہوا اور جمعہ کے روز چودھویں رجب کو بصحت و سلامت وطن میں پہنچا" (انتہٰی)۔ اگرچہ مولانا ممدوح ایک بار کتب حدیث اپنے والد ماجد سے پڑھ چکے تھے جن کا سلسلہ بواسطہ میرزاہد ہروی محقق دوانی تک پہنچتا ہے، مگر اسکے بعد حضرت حاجی محمد افضل سیالکوٹی سے جن کا سلسلہ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی تک دو ایک واسطہ سے پہنچتا ہے کتبِ حدیث کی سند لی اور فیوض باطنی سے مشرف ہوئے۔ پھر تیسری بار شیخ ابوطاہر مدنی سے یہ اتفاق ہوا۔

مولانا ممدوح حکمائے اسلام میں سے ہیں۔ حضرت کے مکاشفات اور کرامات و خرق عادات بہت سے ہیں جن کے ذکر کرنے کی یہاں گنجائش نہیں منجملہ مکاشفاتِ حضرت کے یہ ہے کہ آپ نے یہ فرمایا تھا کہ "میری اولاد میں وہ لوگ پیدا ہوں گے جن پر قوتِ ملکیہ نہایت غالب ہوگی اور ان کے سعید ہونے کا میرے خدا نے مجھ سے وعدہ کر لیا ہے، اور ان میں سے دو شخص جن کا سلسلۂ نسبِ مادری مجھ تک پہنچے گا وہ حرمین جا بسینگے اور ایک مدت تک علومِ دینیہ کو زندہ کرینگے"۔ چنانچہ یہ مکاشفہ نہایت صحیح نکلا۔ خدا نے چار بیٹے ایسے دیئے جو اپنے وقت کے قطب تھے اور جن کے فیوض کی نہروں نے اب تک ہندوستان کو سرسبز و شاداب کر رکھا ہے مولانا شاہ عبدالعزیز و شاہ رفیع الدین صاحب جنہوں نے قرآن مجید کا اردو میں ترجمہ کر کے ہر شخص کو اس نعمت دارین سے بہرہ ور کر دیا، شاہ عبدالغنی صاحب جو مولانا شاہ اسمٰعیل صاحب کے والد ماجد ہیں یا۔ وں مولانا ممدوح کے خلفِ رشید ہیں۔ آج کونسا عالم و دانشمند ہے جس کا سلسلۂ تلمذ ان حضرات کی طرف منتہی نہ ہو اور کونسا شہر ہے جہاں ان کا فیض و رشد نہ پہنچا ہو۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے دونوں نواسے جن کا سلسلۂ نسبِ مادری مولانا ممدوح تک پہنچتا ہے، مفسدہ دہلی سے کسی قدر پیشتر ہجرت کر کے حرمین کو تشریف لے گئے اور وہاں حضرت شاہ اسحٰق صاحب اور مولانا مولوی محمد یعقوب صاحب نے حسبِ بشارتِ مولانا ممدوح سالہا سال علومِ دینیہ کی درس و تدریس فرمائی۔ اس وقت جو کچھ حدیث کا سلسلۂ درس و تدریس ہندوستان میں جاری ہے وہ سب مولانا ممدوح کا فیض ہے۔ آپ سے پیشتر جو ہندوستان میں بڑے بڑے محدث گزرے ہیں بالخصوص حضرت شیخ محمد طاہر مصنف مجمع البحار اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی جنہوں نے حدیث کا تخم ہندوستان کی زمین میں بو دیا اور اپنی سعی و ہمت کے پانی سے سینچا جس سے مولانا شیخ نور الحق و مولانا شیخ نور الاسلام

وغیرہ بڑے بڑے شجر بار ور حضرت کی اولاد میں پیدا ہوتے جنہوں نے صحیح بخاری وجامع ترمذی وغیرہ کتب حدیث
شروح وتراجم لکھ کر ہر خاص وعام کو محدث کہلانے کے قابل بنا دیا، لیکن مولانا ممدوح نے دوبارہ اس علم کو
زندہ کیا اور رواج دیا۔

مولانا ممدوح چند علوم کے موجد ہیں، آپ سے پیشتر ان کو کسی نے تدوین نہ کیا تھا۔ ایک علم اسرارِ حدیث
قرآن وسائر احکام، دوم علم کمالاتِ اربعہ یعنی ابداع، خلق، تدبیر اور تدلی، سوم علمِ استعداداتِ نفوسِ
انسانیہ وکمال ومآلِ ہر شخص۔ مولانا ممدوح فرماتے ہیں کہ "فقیر کو وہ حکمتِ عملی جو اس زمانہ میں کار آمد ہے
الہام ہوئی اور کتاب وسنت سے اس کو محکم کرنے کی خدا نے توفیق دی، اور اس بات کا سلیقہ بھی عطا فرمایا کہ
اصل وخالص دینِ محمدی ہیں اور اُن تحریفات میں جو لوگوں نے بڑھا کر دین کی صورت پلٹ دی تمیز کر سکے۔"

مولانا ممدوح بارھویں صدی کے مجدّد تھے۔ آپ کی تصنیفات بہت سی ہیں منجملہ ان کے چند یہ ہیں:۔
ازالۃ الخفا، مصفّیٰ شرح موطا، مسوّیٰ شرح عربی موطا، فیوض الحرمین، انسان العین فی مشائخ الحرمین،
فوز الکبیر فی اصول التفسیر، القول الجمیل، ہمعات، الطاف القدس، (ان دونوں کتابوں میں وہ طریقہ لکھا ہے
اس زمانہ میں قابلِ پیروی ہے)، تاویل الاحادیث، مقالہ وضیہ فی النصیحۃ والوصیۃ، عقد الجید فی احکام الاجتہاد
والتقلید، انصاف فی بیان سبب الاختلاف، شرور المحزون، لمعات، سطعات، المقدمۃ السنیۃ فی انتصار الفرقۃ
السنیۃ، فتح الرحمٰن (ترجمہ فارسی قرآن مجید)، انفاس العارفین، خیر کثیر، شفاء القلوب، فتح الخبیر (مختصر سی قرآن مجید
کی تفسیر ہے)، قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین، البدور البازغہ، الزہراوین۔ ان کے علاوہ چھوٹے چھوٹے رسائل
اربعین، مسلسلات، وغیرہا سینکڑوں ہیں۔

لیکن ان سب تصانیف میں عمدہ یہ کتاب حجۃ اللہ البالغۃ ہے۔ اس کتاب کی خوبی دیکھنے سے متعلق
ہے۔ اس میں مولانا نے بڑا بھاری بوجھ سر پر لیا ہے کہ تمام شریعت کے اسرار کو بیان کیا ہے۔ عبارت وہ عمدہ ہے
اگر فنِ ادب میں بجائے مقاماتِ حریری کے اس کو مقرر کیا جائے تو نہایت مناسب ہے جس فن میں یہ کتاب
ہے آپ سے پہلے کسی نے اس کو ایک جگہ جمع نہ کیا تھا۔ اس فن کا موضوع نظامِ تشریعی محمدی من حیث المصلحۃ
المفیدہ ہے، اور غایت اس کی یہ ہے کہ انسان کو یہ معلوم ہو جائے کہ خدا اور اس کے رسول کے احکام میں نہ کچھ
عیب ہے نہ وہ خلافِ فطرتِ سلیمہ ہیں تاکہ ان پر انسان کو پورا وثوق ہو جائے اور ان کو فطرت پر مبنی باتیں سمجھ کر
دل ان کی طرف کھنچ آئے اور کسی متشکک کے بہکانے سے دل میں شبہہ نہ پڑ جائے۔ اور مدار اس کی یہ ہے کہ یہ وہ
علم ہے جس میں قوانینِ دینیہ اور احکامِ شرعیہ کی حکمت معلوم ہوتی ہے اور مبادی اس کے تمام علوم ہیں۔

مولانا ممدوح کو شعر گوئی میں بھی بڑا ملکہ تھا، چنانچہ عربی میں آپ کا ایک قصیدہ نعت میں نہایت
عمدہ ہے جس کا اوّل شعر یہ ہے ؎

كأنّ نجومًا أومضت في الغياهب　　　عيون الأفاعي أو رؤوس العقارب

وفات آپ کی ۱۱۷۶ھ میں بمقام دہلی ہوئی دہلی دروازہ کے باہر مہندیوں میں حضرت کا مزار پُرانوار ہے
اس کے قرب میں چاروں صاحبزادوں اور بعض مستورات کی قبریں ہیں۔ اسی جگہ ایک چھوٹی سی مسجد ہے اور

اس کی جانب میں ایک حجرہ ہے جہاں حضرت کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم صاحب درس و تدریس فرماتے تھے، مدت تک آپ بھی پرانی دلی میں رہا کئے، پھر ایک امیر شاہی نے آپ کو اندرونِ شہر جیلوں کے کوچہ میں ایک بڑا سا مکان نذر کیا جس کی اب تک کچھ در و دیوار ڈھتی پھوٹی باقی ہیں اور جو مدرسہ شاہ عبدالعزیز کے نام سے مشہور ہے، اب وہ مکان فروخت ہو کر مختلف لوگوں کے قبضہ میں ہے، اور ہر شخص نے اس کو توڑ کر جدا جدا مکانات بنائے ہیں بعض مکانات ہنود کے قبضہ میں بھی ہیں۔ شاہ رفیع الدین صاحب کے پوتوں میں سے بعض شخص دہلی میں موجود ہیں لیکن نہ اس مقام میں نہ اس حال میں۔ افسوس!

مجھ ناچیز کو اس کتاب کا ترجمہ کرنے کی لیاقت تھی نہ مہلت۔ لیکن پچھلے دنوں عظیم آباد پٹنہ جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں جناب مولوی سید قاضی **رضا حسین** صاحب رئیس پٹنہ کی معرفت جن کا مال و جان مسلمانوں کی بہبودگی کے لئے وقفِ عام ہے، جناب معلی القاب سید السند اسلام کے سچے ہمدرد اور مسلمانوں کے خیر خواہ، علم دوست، علماء کے قدردان، سید مولوی **محمد فضل الرحمٰن** صاحب رئیس اعظم عظیم آباد سے ملاقات کا اتفاق ہوا۔ حضرت ممدوح نے کتابِ مذکور کے ترجمہ کا ارشاد فرمایا، اس لئے بمجبوری ترجمہ لکھنے کے لئے قلم اٹھایا۔

ناظرین با تمکین کی خدمت میں التماس ہے کہ بندہ نے حتی الامکان ترجمۂ بامحاورہ کی رعایت رکھی ہے تاکہ اصل مقصد جو ترجمہ سے ہوتا ہے حاصل ہو جائے، اس لئے تقدیم و تاخیر میں اصل کی رعایت ترجمہ میں نہ کر سکا، بلکہ کہیں مطلب کا خلاصہ کر کے لکھنا پڑا، اور کہیں وضاحتِ مطلب کے لئے ترجمہ میں شرح کے طور پر کچھ بڑھا دیا، اور کہیں جو عبارت مکرر تھی تو اس کو گھٹا دیا، مگر تاہم اصل کتاب کی رعایت ہاتھ سے نہ جانے دی، اور جو زیادہ حلِ مطالب کی حاجت دیکھی تو جداگانہ حاشیہ لکھ کر نفس مطالب کو واضح کر دیا ہے اس لئے کہ یہ ترجمہ جداگانہ کتاب نہ ہو جائے بلکہ وہی اصل کتاب کہلائے۔

جو حضرات اس کتاب سے فائدہ اٹھائیں مجھ کو اور سید صاحب کو دعائے خیر سے یاد فرمائیں اور جو کہیں مجھ سے بھول چوک ہو گئی ہو اس کی اصلاح فرمائیں، اِس فقیر کو ہدفِ ملامت نہ بنائیں، فانّ الانسان قلّما ینجو من السھو والنّسیان وھو حسبی ونعم الوکیل۔

فقیر حقیر

ابو محمّد عبدالحق حقّانی

۲۰ ربیع الثانی ۱۳۰۲ھ

تقریظ

(از مولانا ابو الحسنات محمد عبد الغفور صاحب دانا پوری)

چمنستان حمد اس باغبانِ کُن کی ایک پارۂ لحم زبان سے ادا ہونا محال در محال ہے۔ الشان ضعیف البیان دریائے حمد میں رب العالمین کی شناوری کر سکے۔ یہ بیرون از وہم وخیال ہے ؎

عرش سے لے فرش تک جس کا کہ یہ سامان ہے　　حمد گر اس کی لکھا چاہوں تو کیا امکان ہے

وہ خود محمود ہے۔ وَإِنْ مِّن شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ۔ اس کے لئے دلیلِ کامل ہے، قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ۔ چونکہ امتثالِ اوامر فرض ہے۔ دوسرے ادائے حمد بھی فرض، لہٰذا کچھ عبارت کے بغیر چارہ نہیں، الحمد للہ حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ کما تحب وترضیٰ ربنا۔ نعت میں آرائی نقش بیاں کی نا وہ کون ہے جس سے ادا ہو سکے۔ جس کے وجودِ باوجود، رحمتِ امتنان کے بارِ قبول سے کمرِ عالمان ہر لب و مسلمان کا دوتا ہے، جو سراسر رحمۃ للعالمین ہے۔ جس کا مدّاح خود رب العالمین ہے۔ إِنَّكَ لَعَلىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ۔ اس کی نعت ایک مشتِ خاکی کے امکان سے باہر نہیں تو کیا ہے، سچ ہے، لا یمکن الثناء کما کان حقہٗ۔ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلامہ ما دامت الدھور والازمان اور آپ کے جملہ اصحاب واہل بیتِ اطہار وائمہ مجتہدین ومحدثین ومتکلمین ومفسرین وصوفیۂ صالحین ومجددینِ متین پر رحمت ہو الیٰ یوم الدین۔

امّا بعد اسرار شریعت ایک مستقل علم ہے اور یہ کسبی نہیں وہبی ہے۔ تعلیم وتعلّم سے نہیں آتا، بلکہ اللہ پاک جن پر علم لدنی کے دروازے کھول دیتا ہے انہی کو معلوم ہوتا ہے، دوسرے ان کے طفیلی ہوتے ہیں اور یہ علم پاکیزہ ایسا ضروری ہے کہ جس کی وجہ سے حقائق واسرارِ احکام وشرائعِ الٰہی مثل طہارت، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج وغیرہ کے معلوم ہوتے ہیں اور جب اس کے بھید معلوم ہوئے تو اس عبادت میں حلاوت ولذت معلوم ہوگی، بغیر اس کے نماز وروزہ وغیرہ تقلیدی ورسمی ادا ہوا کرتے ہیں۔ پس ایسے علم کی طرف توجہ کرنا اور اس کو معلوم کرنا عموماً کل مسلمانوں کو عام از یں کہ وہ عالم ہوں یا عامل بہت ضروری ہے، خصوصاً ایسے پُرآشوب زمانہ میں جبکہ دہریت ونیچریت کا اکثر میں شور ہے اور دینِ متین کے ہر ہر رکن پر عقلی اعتراضوں کا دور ہے۔ ان کے اسرار وبھید نہ معلوم ہونے پر کفر بکتے ہیں، نماز کو نعوذ باللہ اٹھک بیٹھک سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس علم میں مشغول ہونا اور اس کو حاصل کرنا ویسا ہی ضروری ہے جیسا کہ ان عبادات کا بجالانا، طرفہ تر وتعجب خیز تو یہ ہے کہ اس فن شریف میں آج بارہ سو برس سے جب سے تدوینِ کتب کا اسلام میں رواج ہوا کسی پیشوائے سلف کو اس کی ہدایت نہیں کی گئی، اور کسی نے بہتمام ان کو بطور ابوابِ فقہ کے تحریر نہ فرمایا۔ یہ دولت لاحقین فی السابقین، سند الکاملین، نیّرِ برجِ ہدایت

گوہرِ درجِ ولایت، امام الشریعۃ والطریقۃ، قطب الملّۃ والدین **احمد شاہ ولی اللہ** مجدد مأۃ ثانی عشر محدث دہلوی رضی اللہ عنہ وارضاہ کی قسمتِ با برکت میں تھی جن کی ولادت باسعادت کی بشارت کئی بیبیوں اولیائے کرام نے دی تھی۔ کسی نے یہ وصیت کی کہ قطب الدین نام رکھنا، کسی نے ولی اللہ رکھنے کو کہا۔

آپ کے محامد ومناقب ومقامات وعلوم انسان کی سمجھ سے باہر ہیں۔ "قولِ جلی" و "مآثر الکرام" و "حیاۃ ولی اللہ" وغیرہ وغیرہ مستقل تالیفات آپ کے حالات ومناقب میں آپ کے معاصرین نے تحریر فرمائی ہیں۔ اولیائے امت وکبرائے ملّت نے اپنی اپنی تالیفات میں اس قدر تعریف کی ہے کہ اتنی جمع ہونا مشکل ہے۔ اپنے معاصرین میں اتنے درجہ کا مقبول ہونا بجز سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی وامام الشریعۃ حجۃ العالمین رضی اللہ عنہما کے دوسرے کسی بزرگ کا نشان اس اُمت میں معلوم نہیں ہوتا آپ کے معاصر قطبِ وقت حضرت مولانا فخر الدین فخر جہاں دہلوی رسالہ "فخر الحسن" میں آپ کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں "شیخ صاحب المقامات العالیہ والکرامات الجلیۃ الشیخ ولی اللہ المحدث سلمہ اللہ تعالیٰ وابقاہ" انتہیٰ "اتحاف النبلاء" میں ہے کہ "اگر وجود او در صدر اول در زمانہ ماضی می بود امام الائمہ وتاج المحدثین شمردہ میشد" انتہیٰ۔ ایسے بزرگ صاحب کمال نے اس باب میں بالہام ربانی یہ کتاب **حجۃ اللہ البالغہ** ایسے عالم میں جو محو واستغراق کا تھا تحریر فرمائی۔ یہ ایک دوسری صفتِ الہامی ہے جو شاید کسی دوسری کتاب میں موجود نہیں۔ خطبۂ کتاب میں استخارہ کا حال فرماتے ہیں۔ صرت کالمیتۃ فی ید الغسال۔ اکثر اثنائے کتاب میں علمنی ربی، الہمنی ربی اور ...

جس وقت یہ کتاب تیار ہوئی تو تمام ملکوں میں اس کا شہرہ ہوا، اور نقلیں ہو کر شائع ہونے لگی۔ بادشاہِ وقت کی نظر سے بھی گذری اس نے دیکھ کر پھانسی کا حکم دے دیا۔ وزیر اعظم کسی مہم پر گئے تھے رات کو پہنچے تو یہ خبر معلوم ہوئی۔ اسی وقت بادشاہ کے پاس جا کر دریافت حال کیا۔ بادشاہ نے کہا اس نے بہت سی عجیب عجیب باتیں لکھی ہیں، اور مذہبِ حنفی کے خلاف میں بہت زور دیا ہے۔ وزیر نے جواب دیا کہ جو درجۂ اجتہاد پر پہنچا ہو اس کے لئے خلاف درست ہے۔ اور یہ صرف نام کے ملا نہیں ہیں بلکہ قطبِ شہر ہیں، ان کی ایک آہ کے اثر سے دلّی کی کیا حقیقت ہے دنیا کا تختہ الٹ جائے تو کچھ تعجب نہیں۔ بادشاہ پر عجب حالت متاثر ہوئی اور پھانسی کا حکم منسوخ کیا۔

اس کتاب کی نسبت خصوصًا ونیز دربارۂ "ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء" اور "تفہیمات الٰہیہ" اور "سطعات" وغیرہ علمائے کرام رحمہم اللہ کا مقولہ ہے کہ زمانۂ اسلام میں بے مثل وعدیم النظیر کتابوں میں سے یہ کتابیں ہیں، جن کا مثل پایا نہیں گیا۔ شیخ مصطفٰے مکّی فرماتے ہیں کہ "جب یہ کتاب عرب میں پہنچی تو علماء اسے دیکھ کر حیران ہوگئے۔ مصر میں چونکہ ادب کا مشغلہ زیادہ ہے، ان لوگوں نے ادب کے پیرایہ میں تعمق نظر ڈالی اور دیکھ کر حیرت زدہ ہوئے کہ ہندی کی ایسی تحریر کہ عرب کے کملاء بھی ایسا نہیں لکھ سکتے!" ایسے ہی علما نے متأخرین میں سے مولانا محمد عبد الحی صاحب لکھنوی صاحبِ "تعلیق الممجد" و نواب صدیق حسن خاں صاحب قنوجی بھوپالی صاحب "اتحاف النبلاء" قلم زن ہیں کہ "یہ کتاب عدیم النظیر فی الاسلام ہے"۔

الیبی کتاب فیضِ انتساب کا ترجمۂ اُردو محبّ الفقراء، دستگیرِ مساکین وغربا، حاتمِ زماں، سخیِ دوراں،
نق بالملک المنّان جناب مولوی سیّد فضل الرحمٰن صاحب رئیس اعظم عظیم آباد دام اقبالہٗ نے بہ خیالِ
بیتِ دین وخیر خواہیِ مومنین، بہ صرفِ زرِ کثیر، فضیلت مآب، جامعِ معقول ومنقول، جناب مولوی
محمد عبد الحق صاحب دہلوی پنجابی، صاحبِ "تفسیرِ حقانی" و"عقائد الاسلام" سے کرا کر مجمعِ مکارم واخلاق
ن ذی المجد جناب مولوی محمد صاحب مالک مطبع رحمانی ومطبع احمدی واقع پٹنہ محلہ مغلپورہ کو اس
چھاپنے کی اجازت دی۔ الحمد للہ کہ ۱۶ رجمادی الاوّل ۱۳۱۲ھ کو دونوں جلدیں زیورِ طبع سے
نع ہو کر مزین ہوئیں۔ اللہ پاک ہمارے رؤسا کو توفیق دے کہ وہ اسی طرح کتبِ دینیہ کی ترویج میں کوشاں
ب، اور اس کے مصنف ومترجم وساعی ومہتمم وغیرہم کو اپنی مرضیات میں داخل فرمائے اور تا ابدان کی
ح رواں کو شاد وآباد رکھے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ محمد

وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین الیٰ یوم الدین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین حجۃ اللہ البالغہ مترجم جلد اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مختصر سوانح حیات
حضرت امام شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی

(معراج محمد بارق)

نام و نسب احمد نام، ابوالفیاض کنیت اور ولی اللہ عرف ہے۔ بشارتی نام قطب الدین اور تاریخی نام عظیم الدین مشہور ہے۔ آپ کے والد ماجد شیخ عبدالرحیم ابوالفیض ہیں جو اپنے وقت کے ایک جید عالم اور مشہور بزرگ تھے۔ فتاویٰ عالمگیری کی نظر ثانی و اصلاح میں آپ بھی شریک تھے۔

شاہ صاحب کا سلسلۂ نسب والد ماجد کی جانب سے حضرت عمرؓ تک اور والدہ کی طرف سے امام موسیٰ کاظمؒ تک پہنچتا ہے۔ اس لحاظ سے آپ خالص عربی النسل اور نسباً فاروقی ہیں۔

ولادت آپ بروز چہارشنبہ ۴ شوال ۱۱۱۴ھ ۱۷۰۳ء بوقت طلوع آفتاب دہلی میں تولد ہوئے۔ آپ کی ولادت سے قبل آپ کے والد کو ایک بلند اقبال اور ہونہار لڑکا پیدا ہونے کی بے شمار بشارتیں ہوئیں شیخ عبدالرحیم کی اہلیہ شباب کے تمام مراحل طے کر کے زمانۂ یاس کو پہنچ چکی تھیں اس لئے ان کو گمان ہوا کہ شاید یہ اشارہ بیٹے کی طرف ہیں لیکن کچھ عرصہ بعد انہوں نے شیخ محمد کی صاحبزادی سے عقد کیا اور اس خاتون کے بطن سے آپ پیدا ہوئے اور وہ بشارت یوں پوری ہوئی۔ بعض دیگر بزرگوں کو بھی آپ کے متعلق بہت سی بشارتیں ہوئیں غالباً انہی بشارات کی بنا پر آپ کا نام ولی اللہ مشہور ہوا

بچپن بچپن کے حالات زیادہ معلوم نہیں، لیکن آپ کی طبیعت میں شروع ہی سے سادگی، شرافت اور متانت موجود تھی۔ نہایت ذہین واقع ہوئے تھے۔ بچپن میں آپ کی تمام حرکات اتنی محبوب و دلفریب تھیں کہ ہر شخص ان کا شیفتہ تھا۔ عام بچوں کی طرح آپ بیکار کھیل کود میں وقت ضائع نہ کرتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ چند ہم عمر لڑکوں کے ساتھ کہیں باغ میں کھیل کود کو چلے گئے۔ جب وہاں سے واپس آئے تو والد بزرگوار نے سر پر دست شفقت پھیر کر فرمایا "جانِ پدر آج تم نے کیا چیز ایسی حاصل کی جو تمہارے ساتھ باقی رہے گی تم نے تو یہ پڑھا، یہ یہ لکھا اور یہ یہ عبادت کی؟" والد بزرگوار کی زبان سے یہ الفاظ سننے تھے کہ آپ فرطِ ندامت سے پسینہ پسینہ ہوگئے اور ان کے یہ جملے گویا دل میں ترازو ہوگئے۔ اس کے بعد آپ پھر کبھی سیر سپاٹے اور بیکار کھیلوں میں مشغول نہ ہوئے۔ اس سے آپ کی سعادت مندی اور وفا شعاری کا بخوبی پتہ چلتا ہے

تعلیم و تربیت آپ پانچ برس کے ہوئے تو مکتب میں قرآن مجید پڑھنے بٹھائے گئے۔ ساتویں سال قرآن ختم کر لیا، اسی سال آپ کے والد بزرگوار نے نماز روزہ شروع کرایا اور فارسی کی درسی کتب

پڑھانی شروع کیں، آپ کی "رسمِ سنت" بھی اسی سال عمل میں آئی۔ ایک ہی سال میں فارسی کی تعلیم مکمل کرلی اور صرف ونحو کی طرف متوجہ ہوتے اور دس برس کی عمر میں علم نحو کی معرکۃ الآرا کتاب "شرح ملا جامی" تک پہنچ گئے اور نہ صرف فارسی کی نوشت وخواند میں مہارت پیدا کرلی بلکہ عربی کی صرف ونحو پر بھی عبور حاصل کرلیا اور عربی کتب کے مطالعہ کی استعداد پیدا ہوگئی۔ اس کے بعد معقول کی کتابیں شروع کیں اور تھوڑے سے ہی عرصہ میں ان سے فراغت پالی۔ پندرہ سال کی عمر میں تمام متداولہ درسی علوم کی تکمیل کرلی۔ اور نہ صرف مروجہ نصاب تعلیم مکمل کیا بلکہ طب، حکمت، ہندسہ، حساب وغیرہ کی بھی بعض کتابیں پڑھیں اور اس طرح چھوٹی سی عمر میں ارباب فضل وکمال کے زمرہ میں شامل ہوگئے۔

شاہ صاحب کی تعلیم اکثر اپنے والد بزرگوار کے پاس ہوئی اور جو کچھ اپنے والد سے اکتساب کیا اس کے متعلق خود بیان فرماتے ہیں" **علم حدیث** میں مشکوٰۃ شریف تمام وکمال پڑھی لیکن چند روز کی علالت کی وجہ سے کتاب البیع سے کتاب الادب تک کا حصہ نہ پڑھ سکا۔ صحیح بخاری شروع سے کتاب الطہارۃ تک پڑھی اور شمائل ترمذی اوّل سے آخر تک **تفسیر** میں تفسیر بیضاوی اور تفسیر مدارک کے کچھ حصے باقاعدہ پڑھے اور باقی حصوں کا خود مطالعہ کیا۔ اس کے علاوہ کامل غور وفکر اور مختلف تفاسیر کے مطالعہ کے ساتھ والد ماجد کے درسِ قرآن میں مجھے حاضری کی توفیق ملی اور اس طرح کئی بار میں نے حضرت سے متن قرآن پڑھا اور یہی میرے حق میں "فتح عظیم" کا باعث ہوا والحمد للہ علیٰ ذالک، **علم فقہ** میں شرح وقایہ پوری، ہدایہ کی دو جلدیں، صرف تھوڑا سا حصہ چھوڑ دیا گیا۔ **اصول فقہ** میں حسامی اور توضیح وتلویح کا درس لیا **منطق** میں شرح شمسیہ کامل، اور بعض حصے قطبی کے پڑھیں **علم کلام** میں شرح عقائد کامل، شرح خیالی اور شرح مواقف کے کچھ حصے پڑھے **تصوف وسلوک** میں عوارف المعارف کا بڑا حصہ اور رسائل نقشبندیہ پڑھے۔ **علم الحقائق** میں شرح رباعیات، لوائح، مقدمہ شرح لمعات اور مقدمہ نقد النصوص پڑھا **خواص اسماء وآیات** میں والد صاحب کا ترتیب دیا ہوا ایک مجموعہ پڑھا۔ **طب** میں موجز اور **فلسفہ** میں شرح ہدایۃ الحکمۃ وغیرہ **نحو** میں کافیہ اور اس کی شرح از ملا جامی **علم معانی** میں مطول اور مختصر المعانی اس قدر جتنا ملا زادہ کا حاشیہ ہے اور **ہیئت وحساب** میں بھی بعض رسالے پڑھے۔ اور الحمد للہ کہ اسی تحصیل علم کے زمانہ میں ہر فن سے ایک خاص مناسبت پیدا ہوگئی اور انکے خاص مسائل اور اہم مباحث میرے ذہن کی گرفت میں ...

عقدِ نکاح

شاہ صاحب کی عمر جب چودہ سال کی ہوئی تو شادی کی صورت پیدا ہوگئی۔ آپ کے والد صاحب نے اس معاملہ میں نہایت عجلت سے کام لیا، لیکن سسرال والوں نے سامان شادی تیار نہ ہونے کا عذر کیا تو آپ نے کہلا بھیجا کہ یہ عجلت بے وجہ نہیں، اسکی حکمت ومصلحت بعد میں ظاہر ہوگی۔ چنانچہ شیخ صاحب کے اصرار پر سسرال کے لوگ راضی ہوگئے اور اسی سال آپ کی شادی ہوگئی وہ راز بعد میں اسطرح ظاہر ہوا کہ شادی ہوجانے کے چند ہی روز بعد شاہ صاحب کی خوشدامن کا انتقال ہوگیا۔ پھر تھوڑے ہی دن بعد خوشدامن کے والد کا وصال ہوگیا۔ کچھ ہی دن گذرے تھے کہ شاہ صاحب کے ماموں شیخ ابوالرضا محمد کے صاحبزادے شیخ فخر عالم رحلت فرما گئے۔ اسکے بعد آپکی سوتیلی ماں وفات پاگئیں۔ ان صدمات اور مختلف امراض وضعف کی وجہ سے آپکے والد بھی سخت بیمار پڑ گئے

بیعت ودستار بندی

شادی کے ایک سال بعد یعنی پندرہ سال کی عمر میں آپ نے والد صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی۔ انہوں نے آپ کو علوم باطنی کی طرف توجہ دلائی، اور آپ ان کی زیر نگرانی اشغالِ صوفیہ میں مشغول ہوتے خصوصاً نقشبندیہ میں کہ تمام طرق صوفیہ میں یہ طریقہ بدعات متاخرین سے پاک وصاف ہے۔ اسی سال آپ نے بیضاوی کا ایک حصہ پڑھ کر گویا مروجہ نصاب تعلیم

مکمل کرلیا۔ والد ماجد نے اس تقریب میں بڑے پیمانہ پر خواص وعوام کی ایک شاندار دعوت کی اور دستار بندی کی رسم ادا ہوئی۔

والد ماجد کا انتقال اور بیعت ارشاد کی اجازت

دو تین سال کے عرصہ میں آپ نے علوم باطن میں بھی کمال پیدا کرلیا، پھر آپ کی عمر کے سترھویں سال آپ کے والد ماجد سخت بیمار ہوئے اور اسی حالت مرض میں آپ کو بیعت وارشاد کی اجازت دے دی اور ۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۹ء میں درس وارشاد کی مسند اپنے اس بلند اقبال بیٹے کے لئے خالی کردی۔

درس تدریس اور علمی استغراق

اپنے والد کے انتقال کے بعد آپ ۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۹ء میں مستقل طور پر مسند ارشاد پر جلوہ افروز ہوئے اور درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ کے علم وفضل اور کمالات ظاہری وباطنی کا شہرہ دُور دُور تک پہنچ چکا تھا۔ ہر طرف سے تشنگانِ علوم ومعارف جوق درجوق آتے اور زانوئے ادب بچھاتے۔ تقریباً بارہ سال تک آپ کتب دینیہ اور معقولات کا درس دینے میں مشغول رہے۔

اس دوران میں آپ کو ہر علم وفن میں غور کرنے کا موقعہ ملا۔ اسی زمانہ میں آپ نے مذاہب اربعہ کی فقہ اور ان کے اصولِ فقہ کی کتابوں کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا اور ان احادیث کو بھی بامعانِ نظر دیکھا جن سے یہ حضرات ائمہ اپنے اقوال ومذاہب کی سند لاتے ہیں اور اسی وقت سے "فقہائے محدثین" کا طریقہ بھی آپ کے دلنشین ہوا۔

آپ کا یہ زمانہ نہایت استغراق اور محویت کا گزرا۔ آپ نے نہایت تحقیق وکاوش سے کتابوں کا مطالعہ شروع کیا اور رات دن انتہائی انہماک واستغراق کے ساتھ کتب بینی میں مشغول رہے۔ شاہ صاحب ان دنوں کھانا بھی کم کھاتے اور آرام بھی کم کرتے اور درس وتدریس کے بعد جو وقت ملتا صحبتِ کتب میں صرف کرتے۔

حج بیت اللہ

یہ شوقِ علم وتحقیق اس قدر بڑھا کہ آپ کو حرمین جانے کا خیال پیدا ہوا جس قدر علمِ حدیث کی ضرورت آپ محسوس کرتے تھے وہ دہلی میں حاصل نہیں ہوسکتا تھا۔ اس کی تحصیل وتکمیل کے لئے آپ کو حجاز کا سفر اختیار کرنا ضروری تھا تاکہ وہاں کامل اساتذہ کی صحبت اور اعلیٰ علمی کتابوں کے مطالعہ سے اپنی بصیرت اور روحانیت میں اضافہ کریں۔

چنانچہ اسی ارادہ کے تحت آپ ۱۱۴۳ھ / ۱۷۳۰ء کے اواخر میں حج کے لئے روانہ ہوئے، اس زمانہ میں ذرائع نقل وحمل کی کمی اور راستوں کے غیر محفوظ ہونے کی وجہ سے ایسا سفر کرنا اگرچہ بڑا مشکل اور جان جوکھوں کا کام تھا لیکن اس کے باوجود آپ نے زیارتِ حرمین کے شوق وولولہ اور علم وتحقیق کی لگن سے مجبور ہوکر ان مصائب وتکالیف کو سر پر لیا اور نہایت عزم کے ساتھ حجاز روانہ ہوئے۔

وہاں آپ سب سے پہلے مکہ معظمہ پہنچے اور اسی سال حج سے فارغ ہوکر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ کم وبیش ایک سال تک عالمِ اسلامی کے مختلف علماء ومشائخ سے دلچسپ صحبتیں رہیں اور علوم ظاہر وباطن کا اکتساب کیا۔

فیوضِ حرمین

قیامِ حرمین کے زمانہ میں شاہ صاحب متعدد علماء ومشائخ سے کسب فیض کرتے رہے پہلی مرتبہ شاہ صاحب نے ہندوستان میں شیخ محمد افضل خان المعروف بہ حاجی سیالکوٹی سے

حدیث پڑھی تھی، پھر مدینہ منورہ میں شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم کردی مدنی سے سند حاصل کی۔ شیخ ابوطاہر شاہ صاحب کے بڑے معتقد تھے، اکثر فرمایا کرتے کہ "ولی اللہ الفاظ کی سند مجھ سے لیتے ہیں اور میں معنی کی سند اُن سے لیتا ہوں"۔

شیخ ابوطاہر کے علاوہ شاہ صاحب نے شیخ وفداللہ بن شیخ سلیمان مغربی کی درسگاہ میں بھی شرکت کی اور موطا یحییٰ بن یحییٰ (یعنی موطا امام مالک بروایت یحییٰ بن یحییٰ) اول سے آخر تک سنا، اور اس کے بعد شیخ محمد بن محمد بن سلیمان مغربی کی تمام مرویات کی اجازت لی، شاہ صاحب تاج الدین قلعی حنفی مفتی مکہ کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے اور صحیح بخاری کی سماعت کے علاوہ کتب صحاح ستہ کے بعض مشکل مقامات کی بھی تحقیق کی۔ اس کے علاوہ موطا امام مالک بروایت یحییٰ بن یحییٰ اور موطا امام مالک بروایت امام محمد، کتاب الآثار امام محمد اور مسند دارمی کی بھی سماعت کی۔ شیخ تاج الدین نے خصوصیت کے ساتھ شاہ صاحب کو تحریری اجازت نامہ عنایت کیا۔

شاہ صاحب دیگر بڑے بڑے مشائخ سے بھی مستفید ہوتے۔ شیخ سناوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے بیعت کر کے کسب فیض کیا، شیخ احمد قشاشی سے بھی کچھ فیوض حاصل کئے، ان کے علاوہ سید عبدالرحمن ادریسی، شمس الدین، محمد بن علاء بابلی، شیخ عیسیٰ جعفری، شیخ حسن عجیمی، شیخ احمد علی اور شیخ عبداللہ بن سالم بصری سے بھی اکتسابِ فیض کیا، شیخ ابوطاہر نہ فقط علم ظاہر کے حامل تھے، بلکہ علوم باطن میں بھی ان کا پایہ بلند تھا، شیخ موصوف نے تمام طرق صوفیہ کا جامع خرقہ بھی اسی بابرکت سفر میں شاہ صاحب کو عنایت کیا۔

حج سے واپسی

الغرض وہاں ایک سال کے قیام میں ان علمی صحبتوں اور عمیق مطالعۂ کتب اور احادیث سے آپ نے حدیث و فقہ میں مجتہدانہ کمال پیدا کر لیا پھر اواخر ۱۱۴۴ھ/۱۷۳۲ء میں آپ نے دوسرا حج کیا اور ۱۱۴۵ھ/۱۷۳۲ء کے اوائل میں وطن کا رُخ کیا، پورے چھ مہینے آپ کو آتے آتے راستہ میں لگ گئے اور بتاریخ ۱۴ رجب ۱۱۴۵ھ/۱۷۳۲ء ٹھیک جمعہ کے دن صحیح سلامت وطن مالوف دہلی پہنچے، شہر کے تمام باشندوں اور نامی گرامی علماء و فضلاء نے آپ کا خیر مقدم کیا۔

آپ کے زمانہ میں ہندوستان کی عام حالت

اس زمانہ میں ہندوستان کی حالت ہر لحاظ سے ابتر تھی شاہ صاحب کی ولادت اورنگ زیب کی وفات سے چار سال قبل ہوئی تھی۔ اورنگ زیب کے بعد جو ہند میں طوائف الملوکی پھیلی ہے اس سے کوئی بشر ناواقف نہیں، شاہ صاحب کو تمام عمر میں دس سلاطین دہلی کے دیکھنے کا اتفاق ہوا یعنی ۱۔ اورنگ زیب عالمگیر ۲۔ بہادر شاہ اول ۳۔ معز الدین جہاندار شاہ، ۴۔ فرخ سیر ۵۔ رفیع الدرجات، ۶۔ رفیع الدولہ، ۷۔ محمد شاہ (رنگیلا) ۸۔ احمد شاہ ۹۔ عالمگیر ثانی، ۱۰۔ شاہ عالم ثانی۔

ان سلاطین کے عہد میں ہندوستان کو جن مہیب اور خونی واقعات اور لرزہ خیز حوادث و انقلابات سے گزرنا پڑا وہ سب پر عیاں ہیں: ساداتِ بارہ کا تسلط (جو بادشاہ گر یعنی "کنگز میکر" کے نام سے مشہور ہیں)، فرخ سیر کا ان کے ہاتھوں بصد بیکسی قید میں مرنا، پھر تورانی امرائے دربار کے ہاتھوں ان ساداتِ بارہ کا زوال، مرہٹوں کی بغاوت اور ان کا عروج، سکھوں کا خونی فتنہ، نادر شاہ کی یلغار اور دہلی میں قتل عام، احمد شاہ ابدالی کی

معرکۂ پانی پت میں فتح، روہیلوں کا ہندوستان کی سیاست میں شریک ہونا، ایرانی و تورانی امراء کی باہمی کشمکش، مغربی اقوام کا ملکی سیاست میں بتدریج داخل ہوتے جانا، انگریزوں کا بنگال و بہار وغیرہ پر اقتدار اور عمل دخل نقریباً یہ تمام واقعات شاہ صاحب کی زندگی ہی میں پیش آئے۔

الغرض پورا ملک عجیب بے کلی و بے چینی میں مبتلا تھا، مغلیہ حکومت کا شیرازہ بکھر رہا تھا، مسلمانوں کی سلطنت کا چراغ ٹمٹما رہا تھا، قتل و غارتگری کا طوفان برپا تھا، بدامنی و بدنظمی ہر طرف آشکارا تھی، امراء و سلاطین کبھی رنگ رلیوں میں مبتلا ہوتے اور کبھی فتنوں سے دوچار، زمانہ کی رفتار کچھ سپید بھی نہ تھی، ادھر شاہانِ وقت اپنے اسلاف کی دولت رقص و سرود کی محفلوں اور حسن و جمال کے بازاروں میں لٹا رہے تھے اور اُدھر رعایا بدحال و پریشان، غربت و افلاس کے ہاتھوں برباد، اور ستمگروں کے مظالم سے پامال ہو رہی تھی۔ گویا پوری قوم کو اگر ایک طرف عشرت ڈبو رہی تھی تو دوسری طرف عسرت کھا رہی تھی۔

عوام کی اخلاقی حالت بھی نہایت درجہ گری ہوئی تھی، بدعقیدگی و بدعملی کے تمام جراثیم ان میں پیدا ہو چکے تھے۔ فسق و معصیت ان کی معاشرت کا جزو بن گئی تھی، تمام بدکاریاں اور منکرات ان کی تہذیب میں داخل تھے، اور کھلم کھلا سرِ مجلس ان پر فخر کیا کرتے تھے۔ بے ایمانی، دغا بازی، جھوٹ، مکر و فریب، زنا و بدکاری، دیوثیت شراب خوری، جوا بازی، دریوزہ گری، ظلم و ناانصافی، ٹونے ٹوٹکے، فضول خرچی، ریا و نمود، ترکِ امورِ دین وغیرہ اس قسم کے بیسیوں عیوب ہیں جو شاہ صاحب نے اپنے نصائح میں ان لوگوں کے متعلق بیان فرمائے ہیں۔

دینی لحاظ سے بھی ان کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ کتاب و سنت سے انہیں کوئی واسطہ نہ تھا۔ اہلِ ہنود کے تمام مراسم قبیحہ اور ایامِ جاہلیت کے تمام افعالِ شنیعہ انہوں نے اپنا لئے تھے۔ بے سروپا عقائد ان میں رواج پا چکے تھے، تفرق و تحزب کا جال وسیع تھا اور قسما قسم کے اوہام و شکوک کا دروازہ کھلا تھا۔ محض دنیا پرست، عامی مشرب، تحقیق سے اجنبی، تقلید و جمود میں منہمک، علماء و صوفیہ کا دور دورہ تھا جنہیں نہ دینی امور سے ذوق تھا، نہ دین کا درد، نہ حق کا خیال نہ احقاقِ حق سے واسطہ۔ انہوں نے اپنے علم کو ذریعۂ عزت بنا رکھا تھا، بجائے اسکے کہ عوام ان کے طالب ہوتے وہ عوام کے طالب بن چکے تھے۔ جاہ و حشمت کے لئے بادشاہوں کے آستانوں پر سر خم کرتے اور ان کے حاضر باشِ دربار بننے میں فخر محسوس کرتے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ امت ہدایت سے دور ہوتی گئی غیر اسلامی بدعات و محدثات کو دین سمجھ کر اپنایا گیا، صحیح دینی تعلیمات سے کوئی واسطہ نہ رہا، فرائض و عبادات سے زیادہ خود ساختہ بدعات کی پابندی کی جانے لگی۔ شریعت کی کوئی پابندی نہ تھی، اس کے بے شمار فرائض ایسے عملاً منسوخ و معطل قرار دے دیئے گئے تھے اور بہت سے مستحبات و سنن حرام و متروک۔ قرآن کو ایک چیستان سمجھ کر بالائے طاق رکھ دیا گیا تھا، اس کو عوام کی سمجھ سے بالاتر قرار دے کر صرف چند خاص مواقع پر ثواب بخشنے یا حلف اٹھانے وغیرہ کے کام میں لیا جاتا تھا۔ اس میں غور کرنا باعثِ گمراہی متصور ہوتا تھا۔ اسلام کے تمام شعائر و آداب اٹھ چکے تھے ان کی جگہ دیگر رسوم و آداب نے لے لی تھی۔ اس کے علاوہ ہندی و بدانت، ایرانی تصوف یونانی فلسفہ، حلول، بروز اور وحدۃ الوجود کے عقیدے لوگوں کے دل و دماغ میں رچ بس گئے تھے، عوام وجدان پرستی، پیری مریدی اور خانقاہ پرستی میں پھنسے ہوئے تھے، پیرزادے مذہبی پیشوا بن کر لوگوں کو لوٹ

رہے تھے۔ گدی نشین صوفیہ اور مسند آرا مشائخ سب اسی قسم کی دھڑے بندیوں میں معروف، اپنے اپنے راگ اپنی اپنی منڈلیوں میں الاپ رہے تھے اور جھوٹے فقراء اپنے بزرگوں کے مزاروں پر چراغ جلاتے رہزن بنے بیٹھے تھے۔ متقشف واعظین، خانقاہ نشین اور گمراہ صوفیہ لوگوں کو موضوعات و اباطیل کی طرف دعوت دے کر ان کے مال اور ایمان پر ڈاکہ ڈال رہے تھے۔

اس زمانہ میں مسلمانوں کی علمی و تعلیمی حالت بھی حد درجہ انحطاط پذیر تھی۔ ان کے مدارس میں "درس نظامیہ" کا وہی بے ثمر اور فرسودہ نظامِ تعلیم جاری تھا جو مدت مدید سے ان کے رگ و پے میں جمود و تعطل کے جراثیم داخل کر رہا تھا۔ وہ ساری عمر صرف و نحو اور معانی میں ضائع کر دیتے اور انہی میں سر کھپاتے رہتے اصل علوم (کتاب و سنت) کی طرف انہیں کبھی توجہ نہ ہوتی۔ درسگاہوں میں صدرا قاضی مبارک شمس بازغہ اور شرح مطالع کے شروح و حواشی اس کثرت سے رائج تھے کہ گویا اس کے علاوہ ان کا کوئی نصاب تعلیم تھا ہی نہیں۔ دینیات میں فقہ کے سوا کچھ نہ تھا، فقہائے سالقین کی تفریعات میں ڈوب کر اصل علم کو چھوڑ دیا تھا، حدیث میں صرف بطور تبرک مشکوٰۃ شریف اور مشارق الانوار پڑھا دینا کافی سمجھتے تھے۔ قرآن مجید خارج از نصاب تھا۔ انہوں نے اس کی درس و تدریس میں وقت "ضائع" کرنے کی ضرورت نہ سمجھی۔ دراصل انہیں یونانی علوم کی تحصیل سے ہی فرصت نہ تھی جو اس کی طرف توجہ دیتے —— یہ وہ علوم تھے جن کا اپنے منبع و سرچشمہ یونان میں بھی رواج اٹھ گیا تھا۔ ان فضول اور بے فیض علوم سے ان کی ذہنیتیں مسخ ہو گئی تھیں۔ وہ محض عقائد وغیرہ کے استدلالی مناظرات اور کلامی بحثوں میں الجھ گئے تھے۔

اس سے آپ کو اندازہ ہو گا کہ اس زمانہ میں مسلمانوں کی کیا کیفیت تھی اور کس ماحول میں شاہ صاحب نے اپنی جدوجہد کا آغاز کیا۔

حج سے واپسی پر آپ کے مشاغل

فیوضِ حرمین سے مالا مال ہو کر جب آپ ۱۱۴۵ھ / ۱۷۳۲ء میں دہلی تشریف لائے تو حالاتِ گرد و پیش کا جائزہ لیا اور اپنے عزائم و مقاصد کو عملی جامہ پہنانے کے لئے سب سے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ پرانی دلی میں ایک مقام پر (جو مہندیوں کے نام سے مشہور ہے اور جہاں اب ان بزرگوں کی قبریں ہیں) اپنے والد کے ایک چھوٹے سے پرانے مکان میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور وہ مدرسہ رحیمیہ کے نام سے مشہور ہوا۔ جب آپ کے علمی کمال کا شہرہ بڑھا تو چند ہی دنوں میں اطراف و اکناف سے طلبہ کھنچ کھنچ کر آنے لگے اور وہ جگہ تنگ ہو گئی۔ بادشاہِ وقت سلطان محمد شاہ (رنگیلا) نے یہ کیفیت دیکھ کر شاہ صاحب کو بلایا اور شہر میں ایک عالیشان حویلی دے دی آپ نے یہاں دارالحدیث کا افتتاح فرمایا اور پرانی جگہ غیر آباد ہو گئی۔ یہ نیا مدرسہ بڑا عالیشان اور خوبصورت تھا اور اب یہ ایک بڑا دارالعلوم سمجھا جانے لگا۔ آپ نے بڑی دلجمعی سے یہاں درس و تدریس کا مشغلہ جاری رکھا۔ دور دور سے طلباء آکر یہاں درسِ قرآن و حدیث میں شریک ہوتے اور کسبِ فیض کیا۔ یہ مدرسہ عرصہ تک قائم رہا اور آپ کے بعد آپ کے چاروں صاحبزادوں نے یہی مشغلۂ درس و تدریس یہاں جاری رکھا اور ان کے بعد دیگر اہلِ علم حضرات نے یہ خدمت اپنے ذمہ لی۔ یہ سلسلہ کئی پشت تک اس خاندان میں چلتا رہا۔

بالآخر غدر ۱۸۵۷ء ۱۲۷۴ھ میں یہ مدرسہ تباہ ہوا، لوگ وہاں کے کڑی تختے اُتار کر لے گئے اور صرف مدرسہ شاہ عبدالعزیز کا نام ہی نام رہ گیا۔

حرمین شریفین سے واپسی کے بعد اس تعلیم وتدریس کے زمانہ میں آپ نے اپنے اوقاتِ عزیز کو تین اہم مشاغل میں صرف کرنے کے لئے مخصوص کر لیا تھا (۱) صبح کی عبادات واوراد وظائف وغیرہ سے فارغ ہوکر دوپہر تک حدیث کا درس دیتے۔ (۲) علم حدیث کے اسرار ورموز اور علوم نبوت کے حقائق ومعارف کے علاوہ دین کے دقائق وحقائق اور معرفت وتصوف کے اسرار وغوامض پر بھی تقریر فرماکر سامعین کو مستفیض فرماتے (۳) تیسرا نہایت اہم مشغلہ آپ کا یہ تھا کہ جو وقت ان دونوں مشاغل سے بچتا، اس کا کوئی لمحہ ضائع نہ ہونے دیتے بلکہ کچھ نہ کچھ لکھتے رہتے۔ اس کے بعد آپ نے ہر فن کے لئے ایک شخص تیار کر لیا تھا جس فن کا جو طالب ہوتا اس کو اسی فن کے استاد سپرد فرمادیتے۔ یہ معلّم حضرات آپ ہی کے پروردہ اور تربیت یافتہ تھے۔ اب مدرسہ ان ہی کے سپرد تھا، خود آپ حدیث کے معارف بیان کرتے اور لکھنے کا کام کرتے۔ آپ کی مصروفیت اور استغراق کا یہ عالم تھا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں "آپ اشراق کے بعد جو بیٹھ جاتے تو دوپہر تک نہ زانو بدلتے نہ کھجلاتے اور نہ دہن مبارک سے تھوک پھینکتے"۔

آپ کا طریقہ تعلیم

اس زمانہ کی تعلیمی حالت پر تبصرہ اوپر گذر چکا ہے۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ وہ طریقہ کس قدر نکما اور بے سود تھا۔ شاہ صاحب نے اس طریقہ کو بالکل ترک کر دیا اور وہی طریقہ تعلیم جاری فرمایا جس کی بنیاد آپ کے والد ماجد ڈال گئے تھے۔ اس کا مختصر حال یہ ہے کہ پہلے آپ صرف ونحو کے مختصر تین چار چار رسائل حسبِ استعدادِ طالب علم حفظ کرا دیتے، اسکے بعد حکمت یا تاریخ کی کوئی عربی کتاب پڑھادی جاتی اس طرح اسکے علمِ لغت میں اضافہ ہوجاتا، عربی زبان پر قدرت حاصل ہوجانے کے بعد مؤطا امام مالک کا درس دیا جاتا، قرآن مجید کا ترجمہ بغیر تفسیر کے پڑھایا جاتا، البتہ جہاں کہیں شانِ نزول یا قاعدۂ نحویہ کی کوئی مشکل اسے پیش آتی تو اس کو اچھی طرح حل کر کے آگے درس دیا جاتا۔ اس کے بعد تفسیر جلالین بقدر نصاب پڑھائی جاتی۔ اس سے فراغت کے بعد ایک وقت کتب حدیث مثلاً صحیح بخاری، صحیح مسلم وغیرہ اور کتب فقہ عقائد وسلوک وغیرہ اور دوسرے وقت کتبِ حکمت پڑھائی جاتیں مثلاً شرح ملّا، قطبی وغیرہ۔ یہ طریقہ بڑا مفید اور کامیاب رہا۔ اس سے طلبا کا ذہنی جمود اور قوائے غور وفکر کا تعطّل دور ہوگیا۔ اب وہ اندھے مقلّد ہونے کے بجائے محقق اور صحیح معنوں میں " فقیہ محدث" بن گئے اور ان میں یہ ملکہ پیدا ہوگیا کہ آیات واحادیث میں غور وتدبر کرکے اس کے مطالب سمجھ سکیں۔

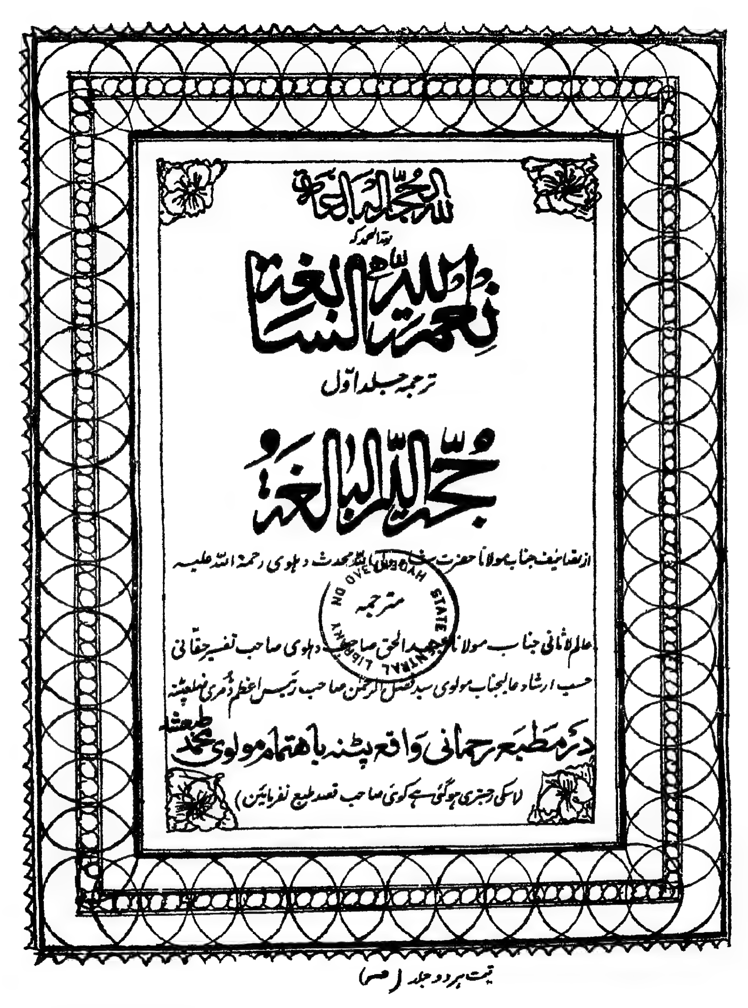
ترجمۂ قرآن مجید اور فتنۂ علمائے سوء

شاہ صاحب کے زمانے میں جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے قرآن مجید کی طرف کوئی توجہ نہ دیتا تھا، اس کو عمدہ ریشمی جزدانوں میں محفوظ رکھا جاتا تھا تاکہ بوقتِ ضرورت فال لینے یا حلف اُٹھانے کے کام آئے۔ عملی زندگی میں اس سے کوئی استفادہ نہ کیا جاتا تھا۔ مراجعت حرمین کے بعد آپ نے یہ صورت حال دیکھ کر ان کی اصلاح کی خاطر قرآن مجید کا وہاں کی مروجہ زبان فارسی میں ترجمہ کرنا شروع کیا۔ سلسلۂ درس وارشاد کے ساتھ ساتھ اس ترجمہ کا آغاز

سنہ ۱۱۵۰ھ (۱۷۳۷ء) میں ہوا اور سنہ ۱۱۵۱ھ (۱۷۳۸ء) میں اس کی تکمیل ہوئی، پھر سنہ ۱۱۵۶ھ (۱۷۴۳ء) میں اس کی تدریس کا سلسلہ شروع ہوا۔
شاہ ولی اللہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے ساڑھے گیارہ سو برس کے بعد سرزمین ہندوستان میں قرآن مجید کا ترجمہ فارسی زبان میں کیا اور اسی کے بعد ترجمۂ قرآن کی بنیاد پڑی، آپ ہی کے تتبع میں آپ کے صاحبزادے حضرت شاہ رفیع الدین نے قرآن مجید کا لفظی ترجمہ اُردو میں کیا اور دوسرے فرزند حضرت شاہ عبدالقادر نے بامحاورہ اُردو ترجمہ لکھا۔ الغرض اس ترجمہ کا باب سب سے پہلے آپ ہی نے کھولا اور اگر غور کیا جائے تو یہ اُمت مسلمہ پر آپ کا بہت بڑا احسان ہے، ورنہ کچھ عجب نہیں کہ ہم ترجمۃ القرآن سے اب تک محروم رہتے لیکن اس زمانے کے علمائے سُو، بجائے آپ کے ممنونِ احسان ہونے اور ہمت افزائی کرنے کے آپ کے مخالف بن گئے اور عوام میں آپ کے خلاف شورش برپا کر دی کہ "اس طرح یہ شخص لوگوں میں گمراہی پھیلانا چاہتا ہے، قرآن کا ترجمہ پڑھ کر لوگ بھٹک جائیں گے۔ اس نے دینِ اسلام میں ایک زبردست بدعت کی بنا ڈالی ہے سلف صالحین نے کبھی ایسا نہیں کیا، ایسا مجرم اور بدعتِ سیّئہ کا مرتکب واجب القتل ہے وغیرہ وغیرہ"
مخالفین نے آپ کے اس فعلِ حسن کو محض اپنے عناد اور دشمنی کی بنا پر عجب رنگ چڑھایا، بہت سے لوگوں کو آپ کے خلاف ورغلایا اور تمام شہر میں اسکے خلاف پروپیگنڈا کیا۔ حتّٰی کہ ایک مرتبہ عصر کے وقت جب شاہ صاحب مسجد فتحپوری سے نکل رہے تھے تو ان معاندین نے چند غنڈوں کو ہمراہ لے کر آپ کو گھیر لیا لیکن آپ کسی طرح بچکر نکل گئے۔ اس کے بعد یہ مخالفت آہستہ آہستہ ٹھنڈی پڑتی گئی اور آج یہ کیفیت ہے کہ ہم اسی کارنمایاں پر آپ کو ہدیۂ تحسین پیش کر رہے ہیں، اور ہمارا خیال ہے کہ اگر آپ نے صرف یہی خدمت انجام دی ہوتی تو یہ آپ کا نام زندہ رکھنے کے لئے بہت کافی تھی۔

آپ کے اصلاحی کارنامے

ابھی ہم آپ کے دو شاندار کارناموں کا ذکر کر چکے ہیں، ایک تو اس زمانہ کے طریقہ تعلیم کو بدلنا اور نئے اسلوب پر درس دینا، اور دوسرے قرآن و حدیث کے تراجم مروّجہ زبان میں کرنا۔ اگر غور کیا جائے تو یہ دونوں کام قوم کی اصلاح کے لئے بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، ان ہی کے ذریعہ ایک قوم کے اندازِ فکر اور زاویۂ نگاہ کو بدلا جاسکتا ہے خصوصاً ترجمۂ قرآن کی بنیاد ڈال جانا ہم لوگوں کے حق میں آپ کی سب سے بڑی خدمتِ اسلام ہے۔ اس کے علاوہ جو خدماتِ جلیلہ آپ نے انجام دیں ان کا مختصر حال حسبِ ذیل ہے:-
آپ نے متعصب فرقہ پرستوں اور مختلف مکتب خیال کے لوگوں کو ایک نقطۂ عدل پر لاکر ان میں ہم آہنگی اور اتفاق پیدا کرنے کی کوشش فرمائی، اس زمانہ میں افتراق و تشتت اپنی انتہا کو پہنچا ہوا تھا، ہر فرقہ دوسرے کو کافر و زندیق گردانتا تھا، کٹر حنفیوں اور متشدد اہل حدیث کے درمیان مدتوں سے جھگڑا چلا آتا تھا ادھر سُنّی و غالی شیعہ باہم دست بگریبان تھے۔ دوسرے فرقے بھی باہمی چپقلش اور جنگ وجدل سے باز نہ رہتے تھے۔ تفرق و تحزب کی ایک ملک گیر وبا پھیلی ہوئی تھی۔ ان حالات میں آپ نے تحریر و تقریر دونوں طریقوں سے اس کے خلاف کوشش کی، ہر ایک کی افراط و تفریط اور لغزش نمایاں فرمائی۔ اور ان موضوعات پر مختلف کتابیں اور رسالے تصنیف کئے، جن سے ہر شخص راہِ صواب کا پتہ چلا سکتا ہے۔ اُمت کی سالمیت اور اسکے



الحجۃ اللہ البالغۃ

نعمۃ اللہ السابغۃ

ترجمہ جلد اول

حجۃ اللہ البالغۃ

از تصانیف جناب مولانا حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

مترجمہ

علامۃ الثانی جناب مولانا عبد الحق صاحب دہلوی صاحب تفسیر حقانی

حسب ارشاد عالیجناب مولوی سید فضل الرحمٰن صاحب رئیس اعظم ڈمری ضلع پٹنہ

در مطبع رحمانی واقع پٹنہ باہتمام مولوی محمد طبع شد

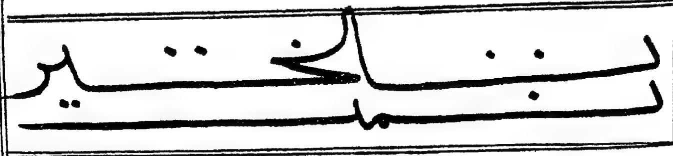
(اسکی رجسٹری ہوگئی ہے کوئی صاحب قصد طبع نفرمائیں)

قیمت ہر دو جلد (عہ)

جناب پیر صاحب جھنڈا (سندھ) کے ہاں موجودہ قدیم نسخہ مطبوعہ سنہ ۱۳۱۲ھ کے صفحہ اول کا عکس

کہ جمہور قرن اول جمہور قرن دوم سے افضل ہے اور اسیطرح سے درجہ بدرجہ۔ اور ملت جو ثابت ہوتی ہے تو نقل
اور توارث سے ہوتی ہے اور توارث بغیر اسکے ممکن نہین کہ اون لوگونکی تعظیم کیجائے کہ جنہون نے مواقع وحی کو دیکھا
اور اوسکی تاویل کو پہچانا اور سیرت نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو مشاہدہ کیا اور اونکے ساتھ نہ تعمق کو نہ تہاون کو
اور نہ کسی اور مذہب کو بلایا۔ اور امت مین جو معتد بہ لوگ ہین اونکا اس بات پر اتفاق ہے کہ تمام امت مین افضل
ابو بکر صدیق پھر عمر ہین رضی اللہ عنہما۔ اور یہ اسلئے کہ امر نبوت کے دو بازو ہین ایک علم کو اللہ تعالیٰ
سے حاصل کرنا۔ دوم اوسکو لوگون مین پھیلانا۔ پس اول امر مین تو نبی صلعم کے ساتھ کوئی بھی شریک نہین اور
اوسکا پھیلانا سو وہ بغیر سیاست و تالیف وغیرہ امور کے پایا نہین جاتا اور اسمین کوئی شک نہین کہ ان امور
مین نبی صلے اللہ کے روبرو اور بعد مین شیخین رضی اللہ عنہما تمام امت سے زائد ہین واللہ اعلم۔ اور پھر ہمنے
اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ مین وارد کرنیکا ارادہ کیا تھا یہہ اوسکا اخیر ہونا چاہیے والحمد للہ تعالیٰ اولاً و آخراً و ظاہراً
و باطناً و صلے اللہ تعالیٰ علے خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین۔

فقیر حقیر ابو محمد عبد الحق بن محمد امیر یہ کہتا ہے کہ الحمد للہ آج بیسوین ربیع الثانی ۱۳۰۲ھ ہجری کو
اس کتاب کے ترجمہ سے فراغت اور اس ذریعہ عقبیٰ کو تمام کر کے سعادت پائی
قلم برداشتہ باوجود مشاغل قویہ اور موانع ظاہریہ و معنویہ کے ترجمہ کیا ہے۔
تصنع اور تکلف کو راہ نہ دیا ہے۔ تقدیم و تاخیر عبارت اصل کو خیال نہ کر کے
اصل مطلب کی توضیح پر نظر رکھی ہے۔ میری لیاقت تو معلوم۔ مگر محض فضل
باری فیض روح القدس جاری ہے۔ اہل بصیرت جو کہین میری خطا یا غلطی
پر اطلاع پاوین بحکم الدین النصیحۃ اصلاح فرماوین اور جو اس سے
فیض اوٹھاوین مترجم اور حضرت مصنف کو دعاء خیر سے یاد فرماوین
و اخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین و الصلوۃ و السلام
علی سید المرسلین محمد و الہ و اصحابہ اجمعین



(عکس صفحہ آخر)

اتحاد کو برقرار رکھنے میں یہ آپ کا جلیل القدر کارنامہ ہے۔
اس زمانہ کا دوسرا فتنہ معقولیین کی خرابی ہے۔ ان لوگوں کے دماغ یونانی فلسفہ اور عجمی افکار باطلہ سے اس درجہ ماؤف ہو گئے تھے کہ اسکے علاوہ کسی دوسرے علم کی طرف توجہ دینا تو درکنار اس کو ذرا بھی وقعت نہ دیتے تھے۔ ان کی ساری عمر منطق، علوم عقلیہ اور الٰہیات کی لایعنی بحثوں میں گزر جاتی، تمام وقت وہ لفظی موشگافیوں، بے معنی خرافات اور فرسودہ فلسفۂ یونان کی تحصیل میں گزار دیتے جو عملی دنیا میں کسی کام کا نہ تھا۔ آپ نے ان کی یہ کیفیت دیکھ کر ایک طرف تو انہیں ان لفظی گورکھ دھندوں اور بے فیض علوم میں تضیع اوقات سے روکا اور دوسری طرف ایک ایسا نیا فلسفہ پیش کیا جو بجا طور پر فلسفۂ اسلام کہلایا جا سکتا ہے اور جس کا انسان کی عملی زندگی سے گہرا تعلق ہے۔ قرآن مجید و احادیثِ نبوی کے نصوص و کلیات کے مطابق ایک صحیح فلسفۂ اسلام مدوّن کرنے کی کامیاب کوشش اب تک صرف آپ ہی نے فرمائی ہے اور یہ آپ کا نہایت قابلِ قدر کارنامہ ہے۔
ایک اور وبا جو آپ کے وقت میں ملک پر مسلط تھی وہ عجمی تصوّف اور اس کی بے سروپا خرافات ہیں۔ اس زمانہ میں متقشف صوفیہ اور گمراہ مشائخ نے اپنے من گھڑت اصول، اجنبی افکار اور مختلف خرافات و اباطیل کو "تصوّف" کا نام دے کر ملک میں رائج کر رکھا تھا۔ آپ نے بزورِ قلم ان کے طلسم وافسوں کی دھجیاں بکھیر دیں اور ان کے مزعومات باطلہ کی تردید کر کے کتاب و سنت کی روشنی میں "احسان" کی واضح اور روشن راہ لوگوں کے سامنے پیش کی اور وقت کے ایک اہم تقاضے کو پورا کیا۔
ایک اور خطرہ جو اس زمانہ میں متوقع تھا وہ فرنگی اقتدار اور مغربی خیالات کی اشاعت کے باعث اسلام کے متعلق شکوک و شبہات پیدا ہونے کا خدشہ تھا۔ اگرچہ بعینہٖ اسی قسم کا دور ارتیاب اس سے قبل بھی آ چکا تھا اور اس زمانہ کے علمائے کرام نے پوری قوت سے مقابلہ کر کے اس کا سدباب کر دیا تھا لیکن اب یہ فتنہ اس سے خطرناک شکل میں آنے والا تھا۔ شاہ صاحب نے اس خطرہ کو بھانپ کر اسکے تدارک و مدافعت کے لئے مکمل دلائل و براہین کا ایک بے بہا ذخیرہ فراہم کر دیا تاکہ آئندہ نسلیں ان سے مرعوب ہو کر صحیح راہ نہ چھوڑ دیں۔
جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے آپ کے زمانہ میں حدیث و قرآن کا ذوق بالکل فنا ہو گیا تھا۔ ان کی جگہ فقہائے متاخرین کے فتاوے اور تفریعات نے لے لی تھی، ہر طرف انہی کا شور و غلغلہ تھا۔ کتاب و سنت کی طرف کسی کی نظر نہ تھی، کتاب و سنت سے تمسک کے بارے میں مجدد الف ثانی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تحریصات و ترغیبات کا اثر بالکل زائل ہو چکا تھا اور وہی فضا پیدا ہو گئی تھی جس سے ان دو بزرگوں کو مقابلہ کرنا پڑا تھا۔ شاہ صاحب نے یہ صورت حال دیکھ کر ان کتب کی "پوجا" ختم کرائی اور علم کے اصل منبع قرآن و حدیث کی طرف توجہ دلائی اور روحِ اجتہاد کو زندہ کیا۔ آپ ہی کی انتھک کوشش اور مخلصانہ جدوجہد کا نتیجہ ہے کہ آج کل ہم اس ملک میں علومِ قرآن و حدیث کا چرچا دیکھتے ہیں۔
اسی بارے میں مصر کے مشہور نقاد علامہ رشید رضا "مقدمہ مفتاح کنوز السنہ" میں فرماتے ہیں "اگر

ہمارے بھائی ہندوستان کے علماء کی توجہ اُس زمانہ میں علوم حدیث کی طرف مبذول نہ ہوتی تو اس علم کے زوال اور فنا کا فیصلہ ہو چکا تھا۔"

اُس زمانہ کے نواب وسلاطین اور عوام کی دینی واخلاقی حالت کا بیان پیچھے گزر چکا ہے، آپ نے ان کو اس خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کے لئے معاشرہ کے ہر طبقہ اور ہر گروہ سے مخاطب ہو کر اس کی خامیوں سے مطلع کیا اور اس کے انجام سے ڈرا کر صحیح راستے پر لانے کی نہایت واضح الفاظ میں تلقین کی۔ ان کے تمام عیوب گنا کر ان کا علاج تجویز کیا اور اس ڈھنگ سے تنبیہ فرمائی کہ اگر کوئی زندہ دل اور حوصلہ مند قوم ہوتی تو یک لخت اپنی غلط راہ وروش سے باز آجاتی۔ آپ کی گراں قدر تصنیف "تفہیمات" میں اس قسم کے مسلسل الارم موجود ہیں جو اس زمانہ کی صورتِ حال کا ایک زندہ مرقع بھی ہیں اور آپ کے مخلصانہ جذبات وعزائم کا ثبوت بھی۔

آپ کی جد وجہد کے نتائج

آپ کے کارنامے تمام تر تحریری وقولی ہیں۔ اس وقت کے حالات کے پیشِ نظر آپ میدانِ عمل میں نہ اُترے اور نہ جہاد کیا، لیکن محض قلم کے ذریعہ آپ نے وہ خدمت انجام دی جو رہتی دنیا تک یاد رہے گی۔ تعلیماتِ اسلام میں جو خرافات اور بے سر پا باتیں شامل کر دی گئی تھیں آپ نے ان کو الگ کیا اور دین کو ایک منظم ومرتب نظام زندگی کی حیثیت سے پیش کیا، معاندین کے اعتراضات کا کما حقہ رد کیا اور مشتبہ مقامات کی صراحت فرمائی، عقل ونقل دونوں اعتبار سے دین اسلام کو مطابقِ فطرت ثابت کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ کتاب وسنت کے احکام عوام تک پہنچانے کا انتظام بذریعہ ترجمہ فرمایا۔ دین کے ہر شعبہ کو باطل کی آمیزش سے پاک کیا اور اس کی اصل صورت لوگوں کے سامنے پیش کی۔

دراصل شاہ صاحب کا جہادِ شمشیر سے گریز کسی بزدلی یا کاہلی کی بنا پر نہ تھا بلکہ اس زمانہ کے حالات قابو سے باہر ہو چکے تھے۔ معاشرہ اپنے انحطاط کی انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ جہاد کے لئے معتمد وتربیت یافتہ کارکنوں اور ہمراہیوں کا ہونا از بس ضروری ہے، اور ایسے حالات کا ہونا لازم ہے جن میں جہاد بجائے اصلاح ودرستی کے ایک وجہ فساد نہ بن جائے، اگر چہ ہمیں یہ علم نہیں کہ کن وجوہات کی بنا پر آپ نے جہاد سے گریز فرمایا اور کیا حالات تھے جو آپ کو اس اقدام سے مانع رہے لیکن آپ کی سیرت کے مطالعہ اور تحریر وتقریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ واقعی کوئی ایسی ہی صورتِ حال ہوگی جو آپ شمشیر زنی اور قتل وقتال سے باز رہے۔ چنانچہ آپ خود "تفہیمات الٰہیہ" میں فرماتے ہیں:

"اگر بالفرض یہ شخص (یعنی خود شاہ صاحب) ایسے زمانے میں پیدا ہوتا کہ اسباب کا تقاضا یہی ہوتا کہ لوگوں کو جنگ وقتال سے درست کیا جائے اور اس کے دل میں ڈالا جاتا کہ تلوار ہی سے دنیا کے نظام کو درست کرے تو یہ شخص پھر بھی کرتا اور الحمد للہ بڑی خوبی سے اس کام کو انجام دیتا اور دنیا دیکھ لیتی کہ رستم واسفندیار بھی اس کے مقابلہ میں ہیچ ہیں بلکہ وہ اس کے طفیلی اور شاگرد بننے کے لائق ہیں۔"

یہی وجہ تھی کہ آپ نے حالات کو جہاد کے ناموافق پا کر اس معاشرہ کے ذہین ومفکر لوگوں کو اکٹھا کیا اور ان کو اپنی تعلیمات، وارشادات سے بہرہ اندوز کر کے اس قابل بنا دیا کہ وہ کسی آئندہ زمانہ

ہیں ان کے مشن کے مطابق ایک انقلاب برپا کرسکیں۔ ان ذی عقل اور صاحب فہم تلامذہ نے آپ سے پورا استفادہ کیا اور کچھ عرصہ بعد ہی آپ ہی کی نسل سے شاہ اسمٰعیل شہید اور سید احمد شہید اٹھے اور شرک و بدعت مٹانے کی خاطر علَم جہاد بلند کیا۔

آپ کے کارنامے وقتی نہیں بلکہ ایک مستقل افادی حیثیت کے مالک ہیں۔ آپ کی تصانیف سے خاص و عام اب تک استفادہ کرتے آرہے ہیں، ملک کی دینی و علمی حالت کا سدھار بہت حد تک آپ ہی کا رہین منت ہے۔ اگر آپ نے اس وقت علم کی شمع روشن نہ کی ہوتی تو نہ معلوم اس وقت جہالت وظلمت کی کیا کیفیت ہوتی آپ ہی کی نکالی ہوئی نہریں اور روشن کئے ہوئے چراغ ہیں جن سے ہم اب تک مستفید ہو رہے ہیں۔

مقام و منصب آپ کی منزلت علمی کے بارے میں کچھ لکھنا گویا سورج کو چراغ دکھانا ہے آپ اسلام کے ان جلیل القدر علماء میں سے ہیں جن کی شہرت وعظمت زمان و مکان کے حدود سے آگے بڑھ چکی ہے۔ آپ کا شمار عبقریین ونوابغ میں ہوتا ہے۔ آپ جیسی عالی پایہ شخصیتیں اور یگانۂ روزگار ہستیاں بہت کم وجود میں آتی ہیں۔ آپ بقول خود زوال وانحطاط کے زمانہ میں پیدا ہوئے ہیں اور اس کو آپ تخریج بر تخریج وتفریع بر تفریع کا دور فرماتے ہیں۔ اس زمانہ کی کچھ کیفیت اوپر بیان ہو چکی ہے اس دور ظلمت وجہالت میں ایسی وسیع النظر، دقیقہ رس اور ژرف نگاہ ہستی کا جنم لینا بجائے خود ایک قابل حیرت امر ہے آپ نے اپنے ماحول سے کوئی اثر نہیں لیا۔ آپ کی ذہنی سطح اور آپ کے علوم و معارف اپنے ہم عصر علماء کی سطح سے بہت بلند ہیں۔ نواب صدیق حسن خاں "اتحاف النبلاء" میں صحیح فرماتے ہیں "اگر وجود او درصدر اوّل درزمانہ ماضی می بود، امام الائمہ وتاج المجتہدین شمردہ می شد"۔ یعنی "اگر آپ کا وجود گزشتہ زمانہ میں صدر اوّل میں ہوتا تو تمام مجتہدوں کے پیشوا اور مقتدا مانے جاتے بلکہ ان کے سرتاج بنائے جاتے اور امام الائمہ کا گرانقدر خطاب پاتے"۔

آپ کے علمی وذہنی کمالات واقعی اسی تعریف وتوصیف کے لائق ہیں۔ اور آج بھی امت مسلمہ آپ کو "حکیم الامت" اور "مجدد ملت" کے القاب سے یاد کرتی ہے، آپ کے خارق عادت علمی کارناموں اور غیر معمولی ذہانت ودینی خدمات جلیلہ کو دیکھ کر آپ کے ہمعصر علماء وفضلاء نے بھی بڑی قدر ومنزلت سے آپ کا ذکر کیا ہے۔ مرزا محمد مظہر جان جاناں فرماتے ہیں:- "حضرت شاہ ولی اللہ محدث رحمہ اللہ طریقۂ جدیدہ بیان نمودہ اند۔ در تحقیق اسرار معارف وغوامض علوم طرز خاص دارند باایں ہمہ علوم وکمالات، از علماء ربانی اند مثل ایشاں در محققان صوفیہ کہ جامع اند در علم ظاہر وباطن وعلم نو بیان کردہ اند، چند کس گذشتہ باشند"

آپ کے ایک اور معاصر مولانا فخر الدین فخر جہاں دہلوی اپنے رسالہ "فخر الحسن" میں آپ کو اس طرح یاد کرتے ہیں:۔ "شیخ صاحب المقامات العالیہ والکرامات الجلیلہ الشیخ ولی اللہ المحدث سلمہ اللہ تعالٰی وابقاہ"

مولانا شاہ محمد عاشق پھلتی جو آپ کے خاص عقیدتمندوں میں سے تھے مقدمہ "خیر کثیر" میں آپ کو اس طرح خراج عقیدت پیش کرتے ہیں:۔

"...... ودریں زماں بایں مقام اسنیٰ ذات، مجمع آیات، مطلع فیض وانوار، منبع علوم واسرار،

ومخزن کنوز کمالات وراثت محمدیہ، معدن نقود رموز وصایت احمدیہ، مجدّد قواعد شریعت، متقن قوا... طریقت، مبیّن غوامض معرفت، محقق دقائق حقیقت، اعظم المحدثین، ولی العصر، لسان اللہ، قطب الد... ابوالفیاض شیخ ولی اللہ است مدّ اللہ ظلال ارشادہ علی العٰلمین الی یوم الدین، کما ہو ثابت عند اہل المعر... والیقین ......"

اس کے علاوہ صاحب "سیر الاخیار" نے بھی آپ کا تذکرہ لکھا ہے اور اس میں آپ کے یکتائے روزہ اور مجتہد عصر ہونے کا اعتراف کیا ہے۔

علاوہ ازیں امیر شاہ خاں کی زبانی مولانا محمد قاسم نانوتوی (بانیٔ دارالعلوم دیوبند) کا ایک واقعہ منقول ہے جس سے شاہ صاحب کی ہند کے علاوہ دیگر اقطار عرب وعجم میں مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ "مولانا نانوتوی کا جہاز دوران سفر حج میں یمن کی کسی بندرگاہ پر رُک گیا۔ مولانا کو کسی کے ذریعہ معلوم ہوا کہ اس شہر میں کوئی معمر بزرگ بھی رہتے ہیں۔ جب ملاقات کی تو ان کے علم سے بہت متاثر ہوتے اور درخواست کی سند اجازت عطا ہو۔ اس پر محدث صاحب نے پوچھا تم کس کے شاگرد ہو؟ انہوں نے اپنا سلسلۂ تلمذ شاہ عبدالعزیز صاحب (شاگرد وفرزند شاہ ولی اللہ) تک بیان کیا تو وہ بزر... بولے "ہاں میں ان کو جانتا ہوں۔ میرے نزدیک شاہ ولی اللہ گویا شجرِ طوبیٰ ہیں، جس طرح جہاں جہاں طو... شاخیں ہیں وہاں جنت ہے اور جہاں اس کی شاخیں نہیں وہاں جنت نہیں ہے، اسی طرح جہاں ... ولی اللہ کا سلسلہ ہے وہاں جنت ہے اور جہاں ان کا سلسلہ نہیں وہاں جنت نہیں۔"

یہ تو آپ کے حلقہ بگوشوں اور عقیدتمندوں کا اظہار خیال تھا۔ ان کے علاوہ مولانا فضل حق خیرآبادی نے بھی آپ کی عظمت کا اعتراف کیا ہے جن کے متعلق مشہور ہے کہ وہ بجائے عقیدت ونیاز کے ... آپ کو علم کے اس سلسلہ اور خاندان کا حریف مقابل سمجھا کرتے تھے۔ چنانچہ ان کے شاگرد رشید مولانا محسن ... اپنی کتاب "الیانع الجنی" میں خود اپنی سنی ہوئی شہادت بیان کرتے ہیں جبکہ وہ الور میں مولانا سے درس ... کرتے تھے۔ فرماتے ہیں:۔

"مولانا فضل حق کے ہاتھ "ازالۃ الخفا" کا ایک نسخہ کہیں سے لگا۔ مولانا اسکے مطالعہ کے بڑے ... خواہشمند تھے، جب بھی درس وتدریس یا دوسرے مشاغل سے فرصت ملتی تو بکثرت اسی کتاب کے مطالعہ میں مصروف رہتے۔ جب مولانا اس کتاب کا بیشتر حصہ پڑھ کر فارغ ہوتے تو آپ نے سب کے سامنے جن میں میں بھی شریک تھا ... جس شخص نے یہ کتاب تصنیف کی ہے وہ تو ایک بحر بیکراں ہے، جس کے ساحل کا پتہ نہیں ..."

خود فہمی

اپنی شان ... ومنصب کا آپ کو خود بھی احساس تھا اور اسی احساس نے آپ کے جذبۂ خود اعتمادی اور بے نیازی ... بڑھا دیا تھا۔ اسی احساس کے تحت آپ نے جو فرمایا نہایت ذمہ داری اور یقین سے فرمایا۔ اپنی عظمت کا اظہار بطور "تحدیثِ نعمت" آپ نے متعدد جگہ فرمایا ہے جن میں سے چند اقتباسات بطور مثال پیش کئے جاتے ہیں:

(۱) "اور مجھ پر اللہ تعالیٰ کے خاص احسانات میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے مجھے اس دورِ آخر کا "ناطق" اور "حکیم" اور "قائد وزعیم" بنایا (اور یہ میں فخراً نہیں کہتا)" (تفہیمات)

(۲) "میرے ذہن میں ڈالا گیا ہے کہ میں لوگوں تک یہ حقیقت پہنچا دوں کہ "یہ زمانہ تیرا زمانہ ہے اور یہ وقت تیرا وقت ہے۔ افسوس اس پر جو تیرے جھنڈے کے نیچے نہ ہو" (تفہیمات)

(۳) "مجھ کو رب نے یہ سمجھا دیا ہے کہ ہم نے تم کو اس طریقہ کا امام بنا دیا اور حقیقت قرب تک پہنچنے کے تمام راستوں کو بند کر کے صرف ایک راستہ کھلا رکھا ہے اور وہ تمہاری محبت اور اطاعت کا راستہ ہے۔ جو شخص تمہارا دشمن ہے اس کے لئے آسمان آسمان نہیں اور زمین زمین نہیں۔ پس تمام اہلِ مشرق و مغرب تمہاری رعیت ہیں اور تم ان کے بادشاہ۔ اس سے غرض نہیں کہ یہ لوگ جانتے ہیں یا نہیں۔ اگر جانتے ہیں تو کامیاب ہوں گے ورنہ نقصان اٹھائیں گے" (تفہیمات)

(۴) "میں نے خواب میں دیکھا کہ میں "قائم الزماں" یعنی اللہ تعالیٰ جب خیر کے کسی نظام کا ارادہ فرماتا ہے تو اپنے اس ارادہ کی تکمیل کے لئے وہ مجھے اوزار یا آلۂ کار کی طرح بنا لیتا ہے۔" (فیوض الحرمین)

(۵) "خداوند تعالیٰ نے ایک وقت میں میرے قلب میں "میزان" پیدا کر دی جس کی وجہ سے میں ہر اس اختلاف کا سبب پہچان لیتا ہوں جو امتِ محمدیہ میں واقع ہوا، اور اس کو بھی پہچان لیتا ہوں جو خدا اور اس کے رسول کے نزدیک حق ہے اور خدا نے مجھ کو یہ بھی قدرت دی ہے کہ امر حق کو دلائل عقلیہ و نقلیہ سے اس طرح ثابت کر دوں کہ اس میں کسی قسم کا شبہ اور اشکال باقی نہ رہے" (حجۃ اللہ)

ایک جگہ اپنے جلائل اعمال کا بالتفصیل تذکرہ اس طرح کرتے ہیں :

(۶) "حق تعالیٰ کا عظیم ترین انعام اس ضعیف بندہ پر یہ ہے کہ اس کو "خلعت فاتحیہ" بخشا گیا ہے اور اس آخری دورہ کا افتتاح اس سے کرایا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں جو کام مجھ سے لئے گئے ہیں وہ یہ ہیں کہ فقہ میں جو "مرضی" (پسندیدہ نظریات) ہیں ان کو جمع کر دوں اور اسکے لئے فقہِ حدیث کی از سرِ نو بنیاد رکھ کر اس فن کی پوری عمارت تیار کی گئی اور آنحضرت صلعم کے تمام احکام و ترغیبات اور ان تعلیمات کے اسرار و مصالح کو اس طرح منضبط کیا گیا کہ اس فقیر سے پہلے اس کا کام عشرِ عشیر بھی نہیں کیا گیا تھا ـــــ نیز سلوک کا وہ طریقہ جو حق تعالیٰ کو پسند ہے اور جو اس دور میں کامیاب ہو سکتا ہے مجھے اس کا الہام فرمایا گیا اور میں نے اس طریق کو اپنے دو رسالوں "ہمعات" اور "الطاف القدس" میں قلمبند کر دیا ہے ـــــ ایک کام مجھ سے یہ لیا گیا کہ متقدمین اہلِ سنت کے عقائد کو میں نے دلائل و براہین سے ثابت کیا اور معقولیوں کے شکوک و شبہات کے خس و خاشاک سے ان کو قطعی پاک کر دیا اور ان کی تقریر بحمد اللہ ایسی کی جس کے بعد کسی بحث کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ علاوہ ازیں کمالاتِ اربعہ ابداع، خلق، تدبیر اور تدلّی کی حقیقت اور نفوسِ انسانیہ کی استعدادات کا علم مجھے عطا فرمایا گیا اور یہ دونوں ایسے علم ہیں کہ اس فقیر سے پہلے کسی نے ان کے کوچہ میں قدم بھی نہیں رکھا اور حکمتِ عملی مجھے بھرپور دی گئی (یعنی تدبیر معاشیات کے اصول اور سیاستِ مدن کے ضوابط وغیرہ) اور کتاب و سنت و آثارِ صحابہ سے اس کی تطبیق و تفصیل کی توفیق بھی نصیب ہوئی ـــــ اس کے علاوہ

مجھے وہ ملکہ عطا فرمایا گیا جس کے ذریعہ میں یہ تمیز کر سکتا ہوں کہ دین کی اصل تعلیم جو فی الحقیقت رسول اللہ صلعم کی لائی ہوئی ہے وہ کیا ہے اور وہ کون کونسی باتیں ہیں جو بعد میں اس میں ٹھونسی گئی ہیں یا جو کسی بدعت پسند فرقہ کی تحریف کا نتیجہ ہیں۔ اگر میرے بدن کا رُواں رُواں زبان بن جائے اور ہر وقت حمدِ الٰہی میں مصروف رہے تو بھی حق تعالیٰ کی حمد کا جو حق مجھ پر ہے وہ ادا نہیں ہو سکتا۔ والحمد للہ رب العالمین"۔ (الجزء اللطیف)

(۷) جب میرا دورۂ حکمت یعنی علم اسرارِ دین پورا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے خلعتِ مجددیت پہنائی پس میں نے مسائل اختلافی میں جمع (وتطبیق) کو معلوم کر لیا۔ (تفہیمات)

یہ اور اس قسم کے بیسیوں اقوال آپ کی تصانیف میں ملتے ہیں خصوصاً "تفہیمات" میں یہ اشارات بکثرت ہیں، لیکن یہ تصریحات بطور تعلّی اور خود ستائی کے نہیں اور نہ فخر و غرور کی بنا پر ہیں بلکہ جیسا کہ بعض مقامات پر خود اشارہ کر دیا ہے بطور "تحدیثِ نعمت" اور تحمیدِ الٰہی کے ہیں، اور ان کے بیان کا خاص مقصد ہے۔ یہ دعوے ظاہر نظر میں اگرچہ بہت بلند بانگ اور حیران کن نظر آتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر آپ کے غیر معمولی کارناموں اور شاندار علمی خدمات کو بنظرِ غائر دیکھا جائے تو گھٹنے ٹیک دینے پڑتے ہیں اور ان کو تسلیم کئے بغیر چارہ نظر نہیں آتا۔

وفات آپ کی آخری عمر میں دھلی پر ایک متعصب شیعہ نجف علی خاں کا تسلط ہو گیا تھا۔ یہ مغل دربار کا آخری امیر تھا، اس نے بہت سے علماء کو دردناک سزائیں دیں۔ امیر شاہ خاں "امیر الروایات" میں بیان فرماتے ہیں کہ "اس نے شاہ ولی اللہ کے پہنچے اُتروا کر ہاتھ بیکار کر دیئے تھے تاکہ وہ کوئی کتاب یا مضمون تحریر نہ کر سکیں"۔ جب آپ کی عمر اکسٹھ (۶۱) سال سے کچھ زائد ہوئی تو مرض الموت نے آلیا اور چند روز کی خفیف سی علالت کے بعد آسمانِ علم کا یہ آفتابِ جہاں تاب ۲۹ محرم ۱۱۷۶ھ / ۱۷۶۳ء کو بوقت ظہر افقِ دہلی میں ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا اور اپنے پیچھے بیشمار کواکب و نجوم کو دمکتا چھوڑ گیا جو اس کی مستعار روشنی سے اب تک منوّر ہیں۔ مصرعۂ تاریخ وفات ع "او بود امام اعظم دیں"

اولاد شاہ صاحب نے اپنے پیچھے چار بیٹے یادگار چھوڑے۔ شاہ عبد العزیز، شاہ رفیع الدین، شاہ عبد القادر اور شاہ عبد الغنی۔ پھر شاہ عبد العزیز اور شاہ عبد القادر کے تو کوئی اولاد نرینہ نہ ہوئی لیکن شاہ رفیع الدین کے چار بیٹے ہوتے محمد موسیٰ، محمد عیسیٰ، محمد مخصوص اللہ اور حسن جان، اور شاہ عبد الغنی کو اللہ تعالےٰ نے شاہ محمد اسمٰعیل جیسا ہونہار اور لائق فخر فرزند عطا فرمایا۔ ان میں سے ہر ایک آسمانِ علم و فضل کا روشن ستارہ اور درخشاں مہتاب تھا۔ نواب صدیق حسن خاں قنوجی اس خاندان کی تعریف "اتحاف النبلاء" میں کیا خوب فرماتے ہیں:

"ہر یکے ازیشاں بے نظیرِ وقت و فریدِ دہر و وحیدِ عصر در علم و عمل و عقل و فہم و قوتِ تقریر و فصاحتِ تحریر و تقویٰ و دیانت و امانت و مراتبِ ولایت بود، وہم چنیں اولادِ اولاد ایں سلسلہ از طلائے ناب است"۔

تلامذہ شاہ صاحب کی بیشتر عمر درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں گزری، آپ کے شاگردوں کا حلقہ بہت وسیع تھا، ملک کے اطراف و اکناف سے صدہا طالب علم آتے اور آپ سے مستفید ہوتے، حرمین شریفین سے بھی با مذاق عالم آپ سے علم سیکھنے آتے۔ اس طرح آپ کے تلامذہ کی بسیط فہرست ملنا مشکل ہے لیکن چند ممتاز شاگردوں میں آپ کے چاروں صاحبزادوں کے علاوہ شاہ محمد عاشق پھلتی، شاہ نور اللہ بڑھانوی، جمال الدین شاہ محمد امین کشمیری اور شاہ ابوسعید کے نام آتے ہیں جو آپ کے خاص رفقاء بھی رہے ہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ عصرِ حاضر کے تمام علمائے ہند آپ ہی کے معنوی شاگرد ہیں تو کسی طرح بیجا نہ ہوگا۔

مسلک شاہ صاحب کا مسلک علماء کے درمیان عرصہ سے متنازعہ فیہ موضوع رہا ہے۔ بعض آپ کو حنفی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں بعض اہلحدیث۔ بعض حضرات مقلد بتاتے ہیں تو بعض غیر مقلد بیان کرتے ہیں۔ الغرض ہر گروہ آپ کو اپنے زمرہ اور فرقہ میں شمار کرنے کی سعی کرتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ خود آپ کو اس تفرق و تحزب سے سخت نفرت تھی اور آپ تمام عمر اسی لعنت کو مٹانے کی کوشش فرماتے رہے لیکن تعجب ہے کہ لوگوں نے آپ ہی کی شخصیت کو اس بحث کا موضوع قرار دے لیا

دراصل آپ کا طریقہ یہ تھا کہ کسی مسئلہ کو مقلدانہ نظر سے نہ دیکھتے بلکہ کتاب و سنت پر پیش کرتے اور پھر فقہ حنفیہ کے علاوہ دیگر مذاہب میں بھی اس کی تحقیق کرتے، جب ہر طرح اُسے ٹھیک پاتے تو قبول فرما لیتے ورنہ متروک قرار دیتے گویا آپ ہر معاملہ پر ایک محقق کی حیثیت سے نظر ڈالتے تھے۔ کسی خاص مذہب کی جانب داری اور دیگر مذاہب سے عناد آپ کا طریقہ نہ تھا۔ جس مذہب کی کسی مسئلہ میں تائید فرماتے تو دلائل کی بنا پر اور مخالفت بھی بربنائے دلیل۔ اس تائید و مخالفت میں کوئی عصبیت اور جانبداری کارفرما نہ ہوتی۔ بہت سے مسائل ہیں جن میں آپ نے مسلک حنفی کی پیروی اختیار کی ہے، اور بعض امور ایسے ہیں جن میں دیگر مذاہب کو ترجیح دی ہے اور انہی کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ بعض مقامات پر آپ نے دونوں مذاہب میں جمع کیا ہے لیکن جہاں یہ بات ناممکن نظر آئی وہاں جس کو اقرب الی السنۃ اور صحیح تر پایا اسے ہی اختیار کیا، اپنے مسلک کی توضیح کرتے ہوئے آپ ایک جگہ فرماتے ہیں:

"میں مذاہب اربعہ مشہورہ میں بقدر امکان جمع کرتا ہوں اور صوم و صلوٰۃ وضو غسل و حج کے مسائل اس وضع پر واقع ہیں جسے تمام اہل مذاہب جانتے ہیں۔ جب جمع و تطبیق غیر ممکن ہو جاتی ہے تو میں اس مذہب پر عمل کرتا ہوں جو دلیل کی رو سے زیادہ قوی اور حدیث کی رو سے صحیح ہے۔ کیونکہ خدائے قدوس نے مجھے اس قدر علم عطا فرمایا ہے کہ میں ضعیف و قوی میں اچھی طرح فرق کر سکتا ہوں اور فتویٰ دیتے وقت مستفتی کے حال کی بخوبی رعایت کر سکتا ہوں۔ ہر مقلد مذہب کو اس کے مسلک کے مطابق جواب دیتا ہوں اللہ تعالیٰ نے مجھے مذاہب مشہورہ کی معرفت عنایت فرمائی ہے"

ایک اور جگہ وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فروعی مسائل میں ان علماء محدثین کا اتباع کرنا چاہئے جو فقہ و حدیث کے جامع ہوں۔ تفریعات فقہیہ

کو ہمیشہ کتاب وسنت سے منطبق کرتے رہنا چاہیئے۔ جو مسائلِ تقریبی کتاب وسنت کے موافق ہوں قبول کئے جائیں جو خلاف ہوں ان کو بالکل ترک کر دیا جائے۔ امت محمدی کے واسطے اجتہادی مسائل کو کتاب وسنت کی کسوٹی پر پرکھنا نہایت ضروری ہے، کسی حال میں اس سے مفر نہیں۔ ایسے خشک دماغ فقہا کی بات کبھی نہ سننی چاہیئے جو کسی ایک عالم کی تقلید کو اپنی دستاویز سمجھ لے اور سنتِ رسول کو ترک کر دے۔ اس قسم کے کوڑھ مغز فقہا کی طرف کبھی بھی التفات نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ خدا کی خوشنودی اور قرب ان لوگوں سے دُور رہنے میں ہے۔"

انفاس العارفین میں تحریر فرماتے ہیں: "مخفی نہ رہے کہ میں بیشتر امور میں مذہب حنفی کے مطابق عمل کرتا ہوں، لیکن بعض امور کو حدیث اور وجدان (حکمت وعقل) کے ذریعہ پرکھ کر دیگر مذاہب کے مطابق سرانجام دیتا ہوں۔ مثلاً قراۃِ فاتحہ خلف الامام اور قراۃ فاتحہ در نماز جنازہ وغیرہ"

عادات وخصائل

شاہ صاحب نہایت سادہ طبیعت اور منکسر المزاج تھے۔ ہر شخص سے خواہ وہ کسی درجہ رتبہ یا مذہب کا ہو نہایت خندہ پیشانی سے ملتے۔ خلوت وجلوت میں کبھی کسی کی بُرائی بیان نہ کرتے اور دشمن کے حق میں بھی سوائے کلمۂ خیر کے کچھ نہ کہتے۔ مزاج میں نرمی اور نفاست تھی، لیکن ریا ونمود اور ظاہری نمائش وشان وشوکت سے پرہیز فرماتے تھے۔ بازار میں نکلتے تو ہمعصر پیروں اور مشائخ کے برخلاف بالکل معمولی حیثیت سے، مریدین کا کوئی پرا کوئی ہجوم ساتھ نہ ہوتا۔ نہایت بلند ہمت، فراخ حوصلہ اور جفاکش تھے۔ بہادری اور شجاعت میں بھی کسی سے کم نہ تھے۔ مسجد فتحپوری کا واقعہ اور جہاد بالسیف کے متعلق آپ کا قول پہلے گزر چکا ہے اسی سے آپ کی دلیری اور مردانگی کا ثبوت ملتا ہے۔ مشکلات ومصائب کے مواقع پر نہایت صبر وسکون سے قائم رہتے اور پایۂ استقلال میں جنبش نہ آتی، اظہار حق کے سلسلہ میں آپ کو مختلف طریقہ سے ستانے کی کوشش کی گئی لیکن آپ نے نہایت مستقل مزاجی کا ثبوت دیا۔

آپ کے زمانہ میں شہر دہلی فتنوں اور خانہ جنگیوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ ایک مرتبہ جب صورتِ حال بہت خراب ہوگئی تو دہلی کے شرفا نے ہندو رسم کے مطابق "جوہر" کا ارادہ کر لیا تاکہ عزت وناموس بچا کر سب آگ میں جل مریں، لیکن شاہ صاحب، کو جب ان کے اس ارادہ کا علم ہوا تو کربلا کے واقعات یاد دلا کر صبر وضبط کی تلقین کی جس سے متاثر ہو کر وہ اس قبیح ارادہ سے باز رہے۔

شاہ صاحب معیشت کے لحاظ سے متوسط طبقۂ امراء سے تعلق رکھتے تھے۔ اکثر مسکینوں، ناداروں اور ضرورتمندوں کی امداد فرماتے تھے، طلبہ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کی معیشت کا بھی خاص خیال رکھتے اور بزرگوں کی مخلصانہ خدمت اور احباب کی مہمان نوازی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے۔ باوجود متمول ہونے کے نہایت سادہ زندگی بسر کرتے، اکثر اوقات آپ کے خوان پر سادہ روٹی اور بعض وقت معمولی سبزی ہوتی شانِ بے نیازی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آپ نے کبھی شاہانِ وقت کی طرف چشم ارادت سے نہ دیکھا۔

الغرض اس علم و فضل کے ساتھ آپ محاسنِ اخلاق، طاعت و زہد اور ورع و تقویٰ میں سلف صالحین کی سی شان رکھتے تھے۔

طرزِ تحریر و تقریر اور خصوصیاتِ تصنیف

ایک مصنّف کی حیثیت سے شاہ صاحب کا درجہ نہایت بلند ہے۔ آپ نے مروجہ طرزِ نگارش کو جو محض نامانوس اور پُرشکوہ الفاظ کے طلسم اور فضول قافیہ پیمائی کے افسوں میں گھرا ہوا تھا وسعت بخشی اور اس قابل کردیا کہ وہ ان لفظی گورکھ دھندوں اور بیجا ثقالت کی پابندیوں سے آزاد ہوکر حکیمانہ خیالات اور علمی مضامین کو بطریقِ احسن پیش کرسکے۔ زمانۂ ماضی میں سب سے پہلے ابن خلدون نے یہ خدمت انجام دی تھی پھر ابن خلدون کے بعد آپ ہی ایک ایسے مصنّف ہیں جنہوں نے اس اسلوب کو زندہ کیا۔

باوجود عجمی اور ہندوستانی ہونے کے آپ نے عربی فصاحت و بلاغت کا بے نظیر نمونہ پیش کیا۔ جس کی عظمت و کمال کا اعتراف اہلِ زبان نے بھی کیا ہے۔ مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی فرماتے ہیں۔ "شاہ ولی اللہ صاحب پہلے ہندوستانی مصنّف ہیں جن کی عربی تصانیف (خصوصاً حجۃ اللہ البالغہ) میں اہلِ زبان کی سی روانی و قدرت اور عرب کی سی عربیت ہے، اور وہ ان بے اعتدالیوں سے پاک ہیں جو عجمی علماء کی عربی تحریریں میں پائی جاتی ہیں۔"

اس کے علاوہ آپ ایک نئے اسلوب اور جداگانہ طرز کے بانی و موجد تھے، جو جامعیت، زورِ بیان، تحکم و اعتماد اور فصاحت و بلاغت میں نبی صلعم کے طرزِ تکلم سے مشابہ ہے۔ جناب مولانا مناظر احسن گیلانی اسی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "عربی زبان میں انہوں نے جتنی کتابیں لکھی ہیں ان میں ایک خاص قسم کی انشاء کی جو ان کا مخصوص اسلوب ہے پوری پابندی کی ہے .... شاہ صاحب پہلے آدمی ہیں جنہوں نے اپنی عبارتوں میں زیادہ تر "جوامع الکلم، النبی الخاتم" صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ گفتگو کی پیروی کی ہے۔ حتی الوسع وہ اس کی کوشش کرتے ہیں کہ اپنے مدعا کا اظہار انہی لغات اور انہی محاوروں سے کریں جو لسانِ نبوت اور زبانِ رسالت سے خاص تعلق رکھتے ہیں۔"

آپ کی یہ کیفیت دراصل مراجعت حرمین کے بعد سے ہوگئی تھی، چنانچہ شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں کہ "حجاز سے واپس آنے کے بعد والد ماجد کی نسبت باطنی اور علم و تقریر کی حالت کچھ اور ہی ہوگئی تھی، جو آپ کے پُرانے شاگرد تھے وہ آپ کی حالت حاضرہ کا حالتِ سابقہ سے مقابلہ کرتے تو ان کو اس کی نوعیت میں نمایاں فرق نظر آتا" یہ دراصل "ٹوٹے ہوئے قلم" والے خواب کی تعبیر تھی جو آپ نے حرمین میں دیکھا تھا۔ خواب یہ تھا کہ ایک مکان میں حضرت امام حسنؓ و حسینؓ تشریف لائے، حضرت حسنؓ کے ہاتھ میں ایک قلم ہے جس کی نوک ٹوٹی ہوئی ہے۔ وہ آپ نے شاہ صاحب کو یہ فرماتے ہوئے عطا کرنا چاہا کہ یہ قلم ہمارے جدامجد رسول اللہ صلعم کا ہے، لیکن یہ کہہ کر ہاتھ روک لیا اور فرمانے لگے ذرا ٹھہرو، حسینؓ اسے درست کردیں۔ حضرت حسینؓ نے وہ قلم لیا اور درست کرکے شاہ صاحب کو عنایت فرمایا۔ اس خواب کی نہایت واضح تعبیر یہی ہے کہ مسلمانوں کے تصنیفی زوال اور علمی انحطاط کے بعد یہ خدمت آپ کے سپرد کی جائے گی

کہ تحریر و تصنیف کی خرابیاں دُور فرما کر علم و ادب کو بامِ عروج تک پہنچائیں اور یہ کہ آپ کے اسلوبِ تحریر کو "جوامع الکلم" کی خصوصیات حاصل ہوں۔

علاوہ ازیں آپ کی تحریر میں تحقیق و علم اور فکر و نظر کے ساتھ ساتھ سوز و اخلاص اور دردمندی کے جوہر بھی پائے جاتے ہیں جس کے باعث وہ محض ایک تحقیقی تصنیف ہی نہیں رہتی بلکہ ایک دینی مصلح کا پیغام اور اخلاقی معلّم کا درس بن جاتی ہے۔ آپ نے اپنی اکثر کتب نہایت پُر فتن و پُر آشوب زمانہ میں تصنیف فرمائی ہیں لیکن آپ حالاتِ گردوپیش سے متاثر ہو کر جذبات کی رَو میں نہیں بہہ جاتے اور نہ عام مصنفین کی طرح اپنی کتب میں زمانہ کا رونا روتے ہیں بلکہ نہایت توازن و اعتدال کے ساتھ قلم کو رواں رکھتے ہیں اور مرکزی نقطۂ خیال سے تجاوز نہیں فرماتے۔ آپ کی اسی خصوصیت کے متعلق علامہ سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں: "شاہ صاحب کی تصنیفات کے ہزاروں صفحے پڑھ جائیے آپ کو یہ معلوم بھی نہ ہوگا کہ یہ بارھویں صدی ہجری کے پُر آشوب زمانہ کی پیداوار ہے، جب ہر چیز بے اطمینانی اور بدامنی کی نذر تھی، صرف یہ معلوم ہوگا کہ فضل و علم کا ایک دریا ہے جو کسی شور و غل کے بغیر سکون و آرام کے ساتھ بہہ رہا ہے، جو زمان و مکان کے خس و خاشاک کی گندگی سے پاک و صاف ہے۔"

آپ کی ایک بڑی خصوصیت سبقیت و اولیت ہے۔ آپ نے ایسے موضوعات پر قلم اُٹھایا جو اس سے قبل چھیڑے نہ گئے تھے اور بالکل نئے مضامین بیان کئے۔ چنانچہ اسلام کے نظری، فکری، شرعی، اخلاقی اور اقتصادی نظام کو ایک منظم و مرتب صورت میں پیش کرنے کی کوشش سب سے پہلے آپ ہی نے کی ہے۔ اس کے علاوہ احکامِ شرعی کے حکم و مصالح بیان کرنا اور پورے نظامِ شرعی کو بہ دلائل و براہین عین فطرت کے مطابق ثابت کرنا آپ ہی کا کارنامہ ہے۔ اور اس ضمن میں فلسفہ، تصوف، علمِ کلام اور فقہ و حدیث کے بارے میں جو متنوع مضامین آ گئے ہیں وہ اس کے علاوہ ہیں۔ فنِ اصولِ تفسیر پر جو کچھ آپ سے قبل لکھا گیا وہ برائے نام ہے۔ اس فن کے اصول و قواعد کو باضابطہ طور پر آپ ہی نے مدوّن کیا، اور قرآن کے طرزِ بیان، بلاغت اور اسکے مقاصد و مطالب، شانِ نزول، ناسخ و منسوخ اور آیات کی تطبیق وغیرہ بالکل نئے انداز پر بیان کی۔ خلافت اور اسلام کے نظامِ حکومت کی تشریح اور اختلافِ مذاہب پر محققانہ تبصرہ جس طرح آپ نے فرمایا ہے اس کی توفیق آپ سے بیشتر کسی کو نصیب نہ ہوئی۔ قرآن مجید و حدیث کا فارسی ترجمہ بھی آپ کی اولیت کا ثبوت ہے۔

اس فضلِ تقدم اور شرفِ اوّلیت کے علاوہ آپ کی تصانیف میں شش جہتی بھی پائی جاتی ہے شاید ہی کوئی فن ہوگا جس پر آپ نے خامہ فرسائی نہ کی ہو اور جس موضوع پر قلم اٹھایا اس پر سیر حاصل اور تشفی بخش گفتگو کی۔ آپ کی تحریر میں ایجاز، وسعتِ نظر، سلامتِ فہم، سلاستِ بیان، قوتِ انشاء اور رفعتِ خیال و دقتِ نظر بدرجہ اتم موجود ہے۔ اسی طرح آپ کی تقریر بھی نہایت مؤثر اور دلآویز ہوتی تھی۔ دینی مجالس اور علمی محفلوں میں آپ کی خوش بیانی اور لذتِ تقریر سامعین پر محویت کا عالم طاری کر دیتی تھی۔ آپ کی فصاحت و بلاغت اور قادر الکلامی کے موافق و مخالف سب معترف تھے۔

شاہ صاحب اگرچہ فطری طور پر شاعر نہ تھے لیکن بعض اوقات جب قلبی واردات اور باطنی احساسات سے مضطرب ہوتے تو دلی تاثرات وجذبات کسی نہ کسی صورت سے کلامِ موزوں بن کر دل کی گہرائی سے نوکِ زبان پر آہی جاتے۔ عربی میں آپ کے نعتیہ قصائد اور فارسی میں کچھ غزلیں اور رباعیاں ملتی ہیں جو تمامتر آپ کے قلبی التہاب اور سوز وگداز کا عکس ہیں۔ فارسی میں آپ آمین تخلص فرماتے تھے۔

ایک غزل کا مطلع ہے ؎

دلے دارم زخود خالی حبابش میتواں گفتن　٭　درو کیفیتے جوشش شرابش میتواں گفتن

ایک دوسری غزل کا شعر ہے ؎

جہاں وجاں فدائے وضع شوخ شہر آشوبت　٭　قیامت می نمائی ودم عیسیٰ ومرہم، ہم

ایک اور غزل کے دو شعر ملاحظہ ہوں ؎ بہ زلفِ پیچ در پیچ کسے گم کردہ ام خود را ٭ خروشِ دردِ دل شبہا نمی کردم چہ می کردم

دلے پُر درد، جاں افگار، یار تند خو دارم　٭　جہاں را پُر زیار یہا نمی کردم چہ می کردم

ایک رُباعی ملاحظہ ہو:-

درعشق تو از جملہ جہاں بگذشتم　٭　وز ہرچہ بجز یاد تو ازاں بگذشتم

مقصود من بندہ بجز وصل تو نیست　٭　اندر طلبت از دل وجاں بگذشتم

عربی کے نعتیہ قصیدہ "اطیب النغم" کا پہلا شعر ہے ؎

کانّ نجوماً أومضت فی الغیاھب　　عیون الافاعی أو رؤس العقارب

"تاریکیوں میں جو ستارے چمک رہے، مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ گویا ناگوں کی آنکھیں ہیں یا بچھوؤں کے سر ہیں"۔

تصانیف آپ کی تصانیف بے شمار ہیں بعض مورخین دو سو سے زائد بیان کرتے ہیں۔ مصنّفِ "حیاتِ ولی" نے ان کی تعداد اکیاون بتائی ہے لیکن آگے لکھا ہے کہ "آپ کی تالیفات کے سلسلہ میں اور بھی بہت سی کتابیں ہیں جو قدیم کتب خانوں میں موجود ہیں، مگر ہم نے صرف انہی کتابوں کا ذکر کیا ہے جو مطبوع ہو کر شرق سے غرب تک نہایت وقعت کے ساتھ مشہور ہو چکی ہیں"۔

یہی نہیں کہ آپ کی تصنیفات کثیر ہیں بلکہ آپ نے ہر فن پر قلم اٹھایا ہے اور اس میں نئے نئے نکات اور نادر مضامین بیان کئے ہیں۔ قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ، سیرت، فلسفہ، تصوف، سیاسیات، اقتصادیات وغیرہ تمام موضوعات پر اب بھی آپ کی بہت سی کتب ملتی ہیں۔ اور سب سے عجیب بات یہ ہے کہ آپ نے یہ تمام کام جیسا کہ حساب لگانے سے معلوم ہوتا ہے کُل ستائیس اٹھائیس برس سے بھی کم مدت میں انجام دیا ہے اور نہایت پُر آشوب اور پُر فتن زمانہ میں! آپ کی منزلتِ علمی اور کمالِ فن کا یہ ایک واضح ثبوت ہے۔ لیکن آپ کا اصل مقام ومرتبہ جو آپ کو اسلام کی علمی وتصنیفی تاریخ میں حاصل ہے اسی وقت معلوم ہو سکتا ہے جب آپ کی کتب کا بامعانِ نظر مطالعہ کیا جائے۔

آپ کی چند مشہور اور متداول تصنیفات حسبِ ذیل ہیں:-

۱- **فتح الرحمٰن فی ترجمۃ القرآن** :- یہ قرآن مجید کا فارسی ترجمہ ہے اور تاریخ اسلام میں سب سے

پہلا اور بہترین ترجمہ ہے۔ اتنی مدت گزر جانے کے باوجود اب تک اس کے مقابل کا کوئی ترجمہ نہیں ہوسکا۔ اس کی چند خصوصیات پر شاہ صاحب نے خود مقدمہ فتح الرحمٰن میں روشنی ڈالی ہے۔ ترجمہ کے ساتھ جابجا "فوائد" بھی ہیں جو نہایت مختصر ہیں لیکن جامعیت اور اشکال کی گرہ کشائی میں بےمثل ہیں۔ یہ ترجمہ ہندوستان میں متعدد بار شائع ہوچکا ہے۔ حال ہی میں "اصح المطابع کراچی" نے شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کے فارسی ترجمہ اور مختصر تفسیر عثمانی کے ساتھ شائع کیا ہے

۲۔ **الفوز الکبیر فی اصول التفسیر**: فارسی زبان میں اصول تفسیر پر مختصر لیکن جامع رسالہ ہے۔ اس میں شاہ صاحب نے قرآن مجید کے علوم خمسہ، تاویل حروف مقطعات، رموز قصص انبیاء اور اصول ناسخ ومنسوخ پر نہایت مفید اور بصیرت افروز مقالات لکھے ہیں اور بڑے بڑے پیچیدہ مسائل مختصر الفاظ میں حل کر دیئے ہیں۔ یہ رسالہ متعدد بار شائع ہوچکا ہے۔ اس کے اُردو اور عربی میں تراجم بھی ہوچکے ہیں۔

۳۔ **فتح الخبیر بما لابد من حفظہ فی علم التفسیر**: عربی زبان میں آیاتِ قرآنی کی تمام ماثورہ تفاسیر کا جو آنحضرت صلعم اور صحابہ کرامؓ سے صحیح طریقہ پر منقول ہیں ایک نہایت مختصر اور جامع نمونہ ہے۔ اس میں شرح غریب القرآن اور اسباب نزول پر جابجا روشنی ڈالی گئی ہے۔ الفوز الکبیر کے ساتھ طبع ہوچکی ہے۔

۴۔ **تاویل الاحادیث فی رموز قصص الانبیاء**: انبیاء علیہم السلام کے مکذبین پر جو عذاب آئے اور رسولوں کے ذریعہ جن معجزات کا ظہور ہوا اس کتاب میں ان کو مطابقِ فطرت ثابت کیا ہے اور بتایا ہے کہ وہ مخفی اسبابِ مادیہ کے باعث ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ ان کا خارقِ عادت ہونا محض ہماری کوتاہ نظری کی بناء پر ہے اور خدا تعالیٰ کا نظامِ کائنات ناقابلِ تغیر ہے یہ کتاب عربی زبان میں ہے اور اُردو ترجمہ کے ساتھ شائع ہوچکی ہے۔

۵۔ **المسوّی من الموطّا**: عربی زبان میں موطا امام مالک کی شرح ہے۔ اس میں آپ نے احادیث کو اپنے مذاق کے موافق نئی ترتیب سے مدوّن کیا ہے اور شرح میں وہ اسلوب اختیار کیا ہے جو طالب علم کے لئے سہل اور دلنشین ہو۔ حدیث سے مستنبط مسائل اور امام مالک پر دیگر ائمہ کے مناسب تعقبات بھی نہایت لطیف اشاروں میں بیان کئے ہیں۔ یہ کتاب گویا آپ کے اختیار کردہ طریقۂ درسِ حدیث کا نمونہ ہے۔ ہندوستان میں المصفّٰے کے ساتھ طبع ہوچکی ہے، مکہ سے بھی شائع ہوئی ہے۔

۶۔ **المصفّٰے شرح موطّا**: موطا امام مالک کی فارسی شرح ہے۔ اس میں آپ نے احادیث اور آثار کو الگ الگ کر دیا ہے اور اقوالِ مالک کو مناسب طریقہ سے بیان کیا ہے۔ ان کے آگے دیگر فقہاء کے اقوال نقل کئے ہیں اور احادیث پر مجتہدانہ طریق پر بحث کی ہے۔

۷۔ **شرح تراجم ابواب صحیح البخاری**: اس رسالہ میں آپ نے امام بخاری کے قائم کردہ عنواناتِ ابواب کی تشریح اور توجیہہ اس طرح بیان کی ہے کہ ان کے ذیل میں دی ہوئی احادیث سے ابواب کی مناسبت صحیح طور پر سمجھ میں آجاتی ہے اور کوئی اغلاق باقی نہیں رہتا

یہ رسالہ عربی زبان میں ہے اور "دائرۃ المعارف حیدرآباد" سے شائع ہو چکا ہے۔ "اصح المطابع" نے بھی اسے صحیح بخاری کے ساتھ بطور مقدمہ شائع کیا ہے۔

۸۔ حجۃ اللہ البالغۃ

یہ کتاب بجا طور پر آپ کا تصنیفی شاہکار کہی جا سکتی ہے۔ جناب مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ: "شاہ صاحب کی یہ مایۂ ناز تصنیف آنحضرت صلعم کے ان معجزات میں سے ہے جو آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد آپ کے امتیوں کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے، اور جن سے اپنے وقت میں رسول اللہ صلعم کا اعجاز نمایاں اور اللہ کی حجت تمام ہوئی۔"

یہ کتاب دراصل اسی تعریف کے لائق ہے۔ اس میں آپ نے تعلیماتِ اسلام کو مطابقِ فطرت اور احکامِ دینی کو مبنی بر عدل ثابت کیا ہے۔ ہر حکمِ الٰہی اور امرِ شریعت کے اسرار و مصالح نہایت بلیغ اور مدلل انداز میں بیان کئے ہیں جس سے ایک طرف تو متشکک اور متردد حضرات کے شکوک و شبہات کا ازالہ ہو جاتا ہے اور دوسری جانب معترضین کے احکامِ اسلام پر معاندانہ اعتراضات کا منہ توڑ جواب مل جاتا ہے۔ شاہ صاحب کو یقین تھا کہ کچھ عرصہ بعد دورِ "عقلیت" شروع ہونے والا ہے جس میں احکامِ شریعت کے متعلق اوہام و شکوک کی گرم بازاری ہوگی۔ اسی خطرہ کا سدِ باب کرنے کے لئے آپ نے یہ بےنظیر کتاب لکھی۔

اس کتاب میں آپ نے مابعد الطبیعی مسائل سے ابتدا کی ہے اور فلسفۂ اسلام کو ایک مرتب شکل میں پیش کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ قدرت کے قانونِ مکافات کو فلسفیانہ طرز پر بیان کیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے ارتفاقات کے زیرِ عنوان اقتصادیات اور سیاسیات کے مسائل پر بحث کی ہے، پھر اخلاقیات کا موضوع لیا ہے اور انسانی سعادت پر بحث کی ہے، اس کے بعد نظامِ شریعت اس کے عقائد و ارکان پر تبصرہ کرتے ہوئے ان کے اسرار و حکم بیان فرمائے ہیں اور معاصی و آثام پر تفصیلی بحث کی ہے۔ بعد ازاں تاریخ مذاہب پر تبصرہ کیا ہے اور تشریع و قانون سازی کے بارے میں نہایت مفید نکات بیان کئے ہیں۔ آخر میں آپ نے حدیث سے استنباط کا صحیح طریقہ بتایا ہے اور فقہ سے متعلق بیش بہا معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ دوسرے حصے میں آپ نے فقہی طرز پر ابواب قائم کر کے شریعت کے جملہ احکام پر مفصل تبصرہ کیا ہے اور ہر حکم کی علت اس کی حکمت اور فوائد و مصالح بیان کئے ہیں جس سے پڑھنے والا ان احکام پر علیٰ وجہ البصیرت ایمان لے آتا ہے اور اسکے تمام شکوک و شبہات زائل ہو جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں جناب محمد منظور صاحب نعمانی کی اپنی سرگزشت ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں: "میں اپنی زندگی میں کسی بشر کی کتاب سے اتنا مستفید نہیں ہوا جس قدر کہ اس کتاب سے خدا نے مجھے فائدہ پہنچایا۔ میں نے اسلام کو ایک مکمل اور مرتبط الاجزاء نظامِ حیات کی حیثیت سے اسی کتاب ہی سے جانا ہے، دینِ مقدس کی ایسی بہت سی باتیں جن کو پہلے میں صرف تقلیداً مانتا تھا اس جلیل القدر کتاب کے مطالعہ کے بعد الحمدللہ میں ان پر تحقیقاً اور علیٰ وجہ البصیرت یقین رکھتا ہوں۔"

نواب صدیق حسن خاں "اتحاف النبلاء" میں تحریر فرماتے ہیں:

"ایں کتاب اگرچہ در علم حدیث نیست، امّا شرح احادیث بسیار دراں کردہ، وحکم و اسرار آں بیان نمودہ، تا آنکہ در فن خود غیر مسبوق علیہ واقع شدہ، ومثل آن دریں دوازدہ صد سال ہجری ہیچ یکے از علمائے عرب وعجم تصنیفے موجود نیامدہ"

یہ کتاب ہند و مصر سے متعدد بار شائع ہو چکی ہے۔ اس کے اُردو تراجم بھی ہو چکے ہیں۔ ایک ترجمہ بعنوان "آیات اللہ الکاملہ" از جناب مولوی خلیل احمد صاحب اسرائیلی ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء میں لاہور سے بغیر متن طبع ہوا تھا۔ اسکے بعد لاہور ہی سے ایک اور ترجمہ از عبدالحق صاحب ہزاروی متنِ عربی کے ساتھ بعنوان "شموس اللہ البازغہ" شائع ہوا جو سرتاسر "آیات اللہ الکاملہ" کی نقل ہے، صرف شروع کے چند ابواب کا ترجمہ بدل دیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ ایک دوسرا ترجمہ جناب محمد بشیر صاحب نے کیا اور کچھ تشریحی فوائد بھی شامل کئے لیکن یہ ترجمہ نامکمل ہے اور مبحث دوم پر ختم ہو جاتا ہے۔ یہ چھوٹے سائز پر بغیر متن کے شائع ہوا ہے۔ حال ہی میں لاہور سے مولانا عبدالرحیم صاحب کا ترجمہ بھی بغیر متن عربی شائع ہوا ہے۔ ان سب تراجم سے پہلے جناب ابو محمد عبدالحق حقانی دہلوی مؤلف تفسیر حقانی نے اس بینظیر کتاب کا ترجمہ عظیم آباد پٹنہ میں جناب مولوی سید محمد فضل الرحمٰن صاحب کے ایماء پر ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۵ء میں کیا تھا۔ اور یہ مطبع رحمانی پٹنہ سے مولوی محمد صاحب کے زیرِ اہتمام ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء میں دو ضخیم جلدوں میں بغیر متن عربی کے شائع ہوا۔ یہ ترجمہ "نعمۃ اللہ السابغہ" کے نام سے موسوم ہے۔ ایک غیر اہم اور غیر علمی مقام سے شائع ہونے کے باعث یہ زیادہ معروف نہ ہو سکا۔ اور علمی حلقوں سے حجاب میں رہا۔ حُسنِ اتفاق سے اس کا ایک نسخہ پیر صاحب جھنڈا (سندھ) کے کتب خانہ عالیہ علمیہ میں موجود تھا۔ "اصح المطابع، کراچی" نے اس پر نظر ثانی کرا کر عربی متن کے ساتھ شائع کیا ہے۔

۹۔ البدور البازغہ

اس دقیق کتاب میں فلسفہ اور تصوف کے حقائق و معارف بیان کئے گئے ہیں اور بعض ابواب "حجۃ اللہ البالغہ" کے مضامین کا خلاصہ ہیں۔ عربی زبان میں ہے اور "مجلس علمی ڈابھیل" کے زیرِ اہتمام شائع ہو چکی ہے۔

۱۰۔ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء

"حجۃ اللہ" کے بعد یہ آپ کی دوسری معرکۃ الآرا تصنیف ہے۔ اس میں آپ نے خلفائے راشدین کی خلافت قرآن مجید، احادیث، تفسیر، تاریخ وغیرہ سے دلائل و براہین دے کر حق ثابت کی ہے اور شیعہ و سُنّی کے باہمی اختلافات کو نہایت عدل و انصاف سے حل کیا ہے جس سے جانبین کی غلط فہمیاں اور شدّت و تعصب دُور ہو جاتا ہے۔ اثباتِ خلافتِ راشدہ کے ساتھ ساتھ اس میں سیرت تاریخ اور سیاست و خلافت کے بارے میں دیگر بیش بہا نکات بھی بیان ہوئے ہیں۔ مثلاً اسلام میں صحابہ کرام کا درجہ و مقام، ان کے حقوق و فضائل، خلافت خاصہ کی تعریف اسکے اوصاف اور نبی، خلیفہ، محدّث اور صدّیق کی تعریف، حضرت عمر فاروق کے شاندار کارنامے اور قابلِ قدر خدماتِ دینی، تاریخ اسلام کے مختلف ادوار اور ان پر ہر پہلو سے تبصرہ، اسلام کا تمدنی و عمرانی نظام اور اصول سیاست وغیرہ۔ مولانا عبدالحی فرنگی محلی فرماتے

ہیں کہ" اس موضوع پر پورے اسلامی لٹریچر میں ایسی کوئی کتاب موجود نہیں"۔ یہ فارسی زبان میں ہے اور" مطبع صدیقی بریلی" سے شائع ہو چکی ہے۔ اس کا اوّل چہارم حصہ مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی نے اپنے ترجمہ کے ساتھ شائع کیا تھا، ایک ترجمہ بغیر متنِ فارسی لاہور سے بھی شائع ہوا تھا لیکن وہ کثیر الغلط تھے۔

۱۱۔ **التفہیمات الالٰہیہ** | یہ کتاب بقول جناب محمد منظور صاحب نعمانی " ولی اللہی کشکول" ہے۔ اس میں زیادہ تر تصوف وسلوک سے متعلق مقالات ہیں، اور علوم شریعت کے بارے میں بھی مضامین ملتے ہیں بعض مقامات پر اپنے دور میں پیدا شدہ خرابیوں اور لوگوں کے عیوب ونقائص کی نشاندہی کی ہے اور معاشرہ کے ہر طبقہ کو مخاطب کر کے اصلاح پر ابھارا ہے۔ کچھ باتیں ماوراء الطبیعی فلسفہ سے تعلق رکھتی ہیں بعض مقالات فارسی میں ہیں اور بعض عربی میں۔ پوری کتاب دو جلدوں میں ہے اور مجلس علمی ڈابھیل" کے زیر اہتمام شائع ہو چکی ہے۔

۱۲۔ **الخیر الکثیر** | تصوف اور" علمِ اسرار وحقائق" میں ایک اعلیٰ درجہ کی کتاب ہے۔ یہ بھی" مجلس علمی" نے شائع کی ہے۔ اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ اصل زبان عربی ہے۔

۱۳۔ **فیوض الحرمین** | قیام حرمین کے دوران جو فیوض وبرکات بصورت خواب یا القا آپ کو حاصل ہوئے۔ یہ ان ہی کا مجموعہ ہے۔ بعض جگہ پیشینگوئیاں بھی ہیں۔ اصل کتاب عربی میں ہے اور اردو ترجمہ کے ساتھ شائع ہو چکی ہے۔

۱۴۔ **الانصاف فی بیان سبب الاختلاف** | اس رسالہ میں احکام شرعیہ کے متعلق صحابہ، تابعین اور ائمہ مجتہدین کے باہمی اختلافات کے اسباب اور اس کی تاریخ بیان کی ہے اور ہر گروہ کی افراط وتفریط پر تنقید کی ہے۔ بیحد مفید رسالہ ہے، اردو ترجمہ کے ساتھ متعدد بار شائع ہو چکا ہے۔ مصر میں بھی شائع ہوا ہے۔

۱۵۔ **عقد الجید فی بیان احکام الاجتہاد والتقلید** | اس عربی رسالہ میں آپ نے اجتہاد اور تقلید کے مسئلہ پر نہایت محققانہ اور منصفانہ بحث کی ہے، اردو ترجمہ کیساتھ شائع ہو چکا ہے۔

۱۶۔ **البلاغ المبین** | بعض نے اس کو تحفۃ الموحدین" لکھا ہے۔ یہ ردِّ شرک وبدعت اور دعوتِ توحیدِ خالص میں فارسی زبان میں ایک مختصر لیکن جامع رسالہ ہے شاہ اسمٰعیل شہید کی" تقویۃ الایمان" گویا اسی کی شرح ہے۔ اردو ترجمہ کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔

۱۷۔ **قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین** | تفضیلِ شیخین کے متعلق فارسی زبان میں نہایت عمدہ کتاب ہے۔ طبع ہو چکی ہے۔

۱۸۔ **انسان العین فی مشائخ الحرمین** | شاہ صاحب نے دورانِ قیام حرمین میں جن شیوخ واساتذہ سے اکتساب فیض کیا اس رسالہ میں انہی کے حالات ہیں۔

۱۹۔ **الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین** | اس رسالہ میں ان بشارتوں کا بیان ہے جو آپ کو اور آپکے نسبی یا روحانی بزرگوں کو نبی صلعم سے ہوئیں۔ عربی زبان میں ہے۔

۲۰۔ **انفاس العارفین** | شاہ صاحب نے اس رسالہ میں اپنے بزرگوں کے حالات درج کئے ہیں۔ فارسی زبان میں ہے۔

۲۱۔ **القول الجمیل** | تصوف، وظائف واذکار اور طریقت کے چاروں سلاسل کے بیان میں مختصر سی کتاب ہے، عربی میں ہے اور ترجمہ کے ساتھ شائع ہو چکی ہے۔

۲۲۔ **الطاف القدس** | اس رسالہ میں شاہ صاحب نے تصوف کا وہ طریقہ لکھا ہے جو آپ کے خیال میں انسب اور

زمانہ حاضر میں قابلِ عمل ہے۔ اس کا مضمون عام فہم نہیں، زبان فارسی ہے۔

۲۳۔ **ہمعات** | یہ بھی تصوف سے متعلق رسالہ ہے اور مضمون "الطاف القدس" سے مشابہ ہے۔ دونوں رسالے شائع ہو چکے ہیں۔

۲۴۔ **سرور المحزون فی ترجمۃ نور العیون** | ابن سید الناس نے سیرت نبوی پر ایک ضخیم کتاب "عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر" تالیف کی، اور پھر اس کا ایک جامع خلاصہ لکھا اور "نور العیون فی تلخیص سیر الامین والمامون" کے نام سے موسوم کیا۔ شاہ صاحب نے بعض دوستوں اور بزرگوں کے اصرار پر اس خلاصہ کا فارسی میں "سرور المحزون" کے نام سے ترجمہ کیا۔ کافی عرصہ ہوا یہ کانپور سے شائع ہوا تھا۔ حیدر آباد (دکن) سے اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

۲۵۔ **مکتوبات مع مناقب امام بخاری و ابن تیمیہ** | آپ کے چند اہم مکاتیب اور امام بخاری و ابن تیمیہ کے حالات پر دو مختصر رسائل کا مجموعہ ہے۔ مع اردو ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔

۲۶۔ **مکتوب المعارف مع مکاتیب ثلثہ** | ایک چھوٹا سا رسالہ ہے جس میں آپ کے بعض خاص مکاتیب شامل ہیں۔

۲۷۔ **الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف** | ایک مختصر سا فارسی رسالہ ہے جس میں آپ نے اپنی آپ بیتی درج فرمائی ہے۔ اس کے اُردو و عربی تراجم بھی شائع ہو چکے ہیں۔

۲۸۔ **المقالۃ الوضیۃ فی النصیحۃ والوصیۃ** | فارسی زبان میں ایک مختصر سا وصیت نامہ ہے جس میں آپ نے اپنی اولاد، دوستوں، عقیدتمندوں اور شاگردوں کو آٹھ نصیحتیں فرمائی ہیں اردو ترجمہ کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔

۲۹۔ **چہل حدیث** | اس رسالہ میں آپ نے وہ احادیث جمع کر دی ہیں جو اسلام کے بنیادی اصول سے متعلق ہیں مع ترجمہ متعدد بار شائع ہو چکا ہے۔

۳۰۔ **اطیب النغم** | عربی میں آپ کے سوز و گداز سے معمور نعتیہ قصائد کا مجموعہ ہے۔

ان کے علاوہ دیگر رسائل و کتب کے نام حسب ذیل ہیں، ان میں سے کچھ تو طبع ہو چکی ہے لیکن بعض کے محض نام ہی نام تذکروں میں ملتے ہیں:

الزہراوین، شفاء القلوب، الہوامع شرح حزب البحر، لمعات، سطعات، المسلسلات، الذکر المیمون، السر المکتوم، اعراب القرآن، الفضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الامین، العقیدۃ الحسنۃ، المقدمۃ السنیہ فی انتصار الفرقۃ السنیہ، شرح رباعیتین، العطیۃ الصمدیہ، فتح الودود فی معرفۃ الجنود، الارشاد الی مہمات الاسناد، رسالہ اوائل تراجم البخاری ("شرح تراجم ابواب البخاری" کے علاوہ یک ورقہ رسالہ ہے)، ما یجب حفظہ للناظر (یہ چار مختصر رسالے فن حدیث سے متعلق ہیں اور "مجموعہ رسائل اربعہ" کے نام سے شائع ہو چکے ہیں)، مآثر الامام، رسالہ دانشمندی، الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ، رسائل تفہیمات، النوادر من احادیث سید الاوائل والاواخر۔

آپ کی بیشتر کتب امتداد زمانہ کے باعث ضائع ہو چکی ہیں اور ان کے نام تک نہیں معلوم۔ بہت سی ایسی تصانیف ہیں جو اگرچہ معدوم تو نہیں ہوئیں لیکن اب تک لائبریریوں کی زینت ہیں اور طباعت سے محروم۔ بعض مطبوعہ کتب بھی کمیاب بلکہ نایاب ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

سب طرح کی حمد وثنا اس خدا کے لیے ہے جس نے انسان کی فطرت میں اسلام اور ہدایت رکھی، اور ان کے لئے ملّتِ حق وآسان وواضح کو جبلّی کیا، پھر از خود وہ جہل اور بُرائی میں پڑ گئے لیکن اُن پر خدا نے بڑا رحم کیا کہ ان کیلئے انبیاء، ظلمت سے نور کی طرف لانے اور تنگی سے میدانِ فراخی میں پہنچانے کے واسطے بھیجے، اپنی اطاعت کا ان کی اطاعت پر مدار ٹھہرایا، اس بزرگی اور مرتبہ کا کیا ٹھکانا۔ پھر اس نے (یہ عنایت کی کہ) انبیاء کے بعض متبعین کو ان کے علوم حاصل کرنے اور اسرارِ شریعت پر مطلع ہونے کی توفیق دی، یہاں تک کہ اسکے فضل وکرم سے بہت سے لوگوں نے ان کے اسرار وانوار کو جمع کر لیا اور انہوں نے اتنا بڑا درجہ حاصل کر لیا کہ ان میں سے ایک ایک شخص ہزار عابد سے (فضیلت میں) زائد ہو گیا اور عالمِ ملکوت میں وہ بڑے مرتبہ والے کہلاتے جانے لگے اور کُل مخلوقِ خدا یہاں تک کہ دریا کی مچھلیاں بھی ان کے لئے دعا گو ہوتیں۔ خدائے پاک ان پر اور ان کے متبعین پر ہمیشہ رحم فرماتا ہے بالخصوص ہمارے سردار جناب محمد علیہ السلام کو (جنہیں کھلے کھلے معجزات عطا ہوئے ہیں) افضل صلوات اور اکرم تحیات کیساتھ خاص فرمائے اور انکی آل واصحاب پر اپنی رحمت کا مینہ برسائے اور انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

اسکے بعد فقیر الی اللہ الکریم احمد المشہور بہ **ولی اللہ** بن عبد الرحیم یہ کہتا ہے کہ تمام علومِ یقینیہ اور فنونِ دینیہ سے عمدہ اور اُن کا سر علم حدیث ہے جس میں جناب افضل المرسلین علیہ السلام کے قول وفعل اور تقریر کا بیان ہوتا ہے، تو اس طرح وہ (اقوال وافعال) ظلمت کے چراغ اور ہدایت کے راستوں کی عمدہ منار ہیں اور گویا ماہتاب جہانتاب ہیں پس جس نے ان کو یاد کر کے ان پر عمل کیا تو اس نے ہدایت اور مراد پائی اور جس نے اُن سے اعراض کیا اس نے اپنی عمر اکارت گنوائی، کیونکہ آنحضرت صلعم نے امر ونہی اور بُری بھلی بات سب کچھ بیان فرمائی، وعظ ونصیحت کی، اور مثالیں دے دیکر بھی سمجھایا اس لئے وہ احادیث (شمار میں) قرآن کے برابر یا اس سے بھی زائد ہیں آمد یہ بھی واضح ہے کہ اس علم کے چند مختلف طبقات اور اہلِ علم کے

دیباجہ

الحمد للہ الذی فطر الانام علی ملۃ الاسلام والاھتداء وجبلہم علی الملۃ الحنیفیۃ السمحۃ السھلۃ البیضاء ثم انہم غشیہم الجھل ووقعوا اسفل السافلین وادرکہم الشقاء فرحمہم ولطف بہم وبعث الیہم الانبیاء لیخرج بہم من الظلمات الی النور ومن المضیق الی الفضاء وجعل طاعتہ منوطۃ بطاعتہم فیا للفخر والعلاء ثم وفق من اتباعہم لتحمل علومہم وفہم اسرار شرائعہم من شاء۔ فاصبحوا بنعمۃ اللہ حائزین لاسرارہم فائزین بانوارہم ونا ھیک بہ من علیاء وفضل الرجل منہم علی الف عابد وسموا فی الملکوت عظماء وصاروا بحیث یدعو لہم خلق اللہ حتی الحیتان فی جوف الماء فصل اللہم وسلم علیہم وعلی ورثتہم مادامت الارض والسماء وخص من بینہم سیدنا محمد المؤید بالآیات الواضحۃ الغراء بافضل الصلوات واکرم التحیات واصفی الاصطفاء وامطر علی اٰلہ واصحابہ شآبیب رضوانک وجازھم احسن الجزاء: اما بعد۔ فیقول العبد الفقیر الی رحمۃ اللہ الکریم احمد المدعو بولی اللہ بن عبد الرحیم عاملہما اللہ تعالیٰ بفضلہ العظیم وجعل مآلہما النعیم المقیم: ان عمدۃ العلوم الیقینیۃ وراسہا ومبنی الفنون الدینیۃ واساسہا ھو علم الحدیث الذی یذکر فیہ ما صدر من افضل المرسلین صلی اللہ علیہ وعلی اٰلہ واصحابہ اجمعین من قول او فعل او تقریر فہی مصابیح الدجیٰ معالم الھدیٰ وبمنزلۃ البدر المنیر۔ من انقاد لہا ووعیٰ فقد رشد واھتدی واوتی الخیر الکثیر ومن اعرض وتولی فقد غویٰ وھویٰ وما زاد نفسہ الا التخسیر۔ فانہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی وامر وانذر وبشر وضرب الامثال وذکر وانہا لمثل القرآن او اکثر وان ھذا العلم

باہم متفاوت درجات ہیں اور اس علم کا مغز و پوست اور صدف و دُر بھی ہو اور اسکے اکثر فنون کو علماء نے اپنی کتابوں میں نہایت وضاحت سے بیان کیا ہو جن سے بڑے بڑے دقیق مضامین اور مشکل مسائل کے مطالب بآسانی اخذ کئے جاسکتے ہیں اس علم کا پوستِ ظاہری وہ علم ہو جسمیں حدیث کی صحت و ضعف اور استفاضہ و غرابت کا ذکر ہوتا ہو، اس فن میں بھی علمائے محدثین اور حفاظِ متقدمین نے بہت کچھ لکھا ہو اسکے بعد وہ فن ہو جسمیں احادیثِ غریبہ و مشکلہ کے معانی بیان کئے جاتے ہیں، اسمیں بھی علمائے فنونِ ادبیہ و ماہرانِ علومِ عربیہ نے خوب عرق ریزی کی ہو پھر اسکے بعد وہ فن ہو جسمیں معانیٔ شرعیہ اور استنباطِ احکامِ فرعیہ و مسائلِ قیاسیہ سے جو کہ منصوص فی العبارۃ سے حاصل ہوتے ہیں بحث کیجاتی ہو نیز اس فن میں ایماء و اشارہ سے استدلال کا طریقہ اور منسوخ و محکم اور مرجوح و مبرم کی پہچان بیان کیجاتی ہو، اور یہ فن عام علماء کے نزدیک تمام فنونِ حدیث کا لبِ لباب اور گوہر ہے، اس میں بھی فقہائے محققین نے بڑی جانفشانی کی ہو۔ یہ سب کچھ سہی مگر میرے نزدیک تمام فنونِ حدیث میں سب سے زیادہ دقیق اور سب کی جڑ و اصل اور سب سے بلند و برتر اور تمام علومِ شرعیہ سے بہتر اور منزلت میں اعلیٰ و افضل اور قدر و قیمت میں سب سے بڑھکر علم اسرارِ دین ہو جسمیں احکام کی حکمت اور انکی لِم اور خواصِ اعمال کے اسرار و نکات بیان ہوتے ہیں۔ بخدا یہ وہ علم ہو کہ جسکو خدا نصیب کرے وہ فرض عبادات سے فراغ کے بعد اپنے تمام عزیز اوقات اسی میں صرف کرے اور اسکو اپنا توشۂ آخرت بنالے کیونکہ اس علم کی بدولت آدمی شریعت کے حقائق پر مطلع ہوجاتا ہو اور اسکو اُن اخبارِ شریعت سے وہ مناسبت پیدا ہوجاتی ہو جو صاحبِ عروض کو اشعار سے منطقی کو براہینِ حکمت سے، نحوی کو کلامِ فصحاء سے اور اصولی کو تفریعاتِ فقہاء سے ہوتی ہو۔ اسی علم کی وجہ سے انسان خاطبِ لیل اور غائصِ سیل ہونے سے محفوظ رہتا ہو[1] اور اسکا ماہر تو ندی والی اُونٹنی کیطرح ٹیڑھا میڑھا نہیں چلتا اور نہ اندھے گھوڑے کو سواری بناتا ہو جسطرح کوئی شخص اپنے طبیب سے سیب کھانے کو سُنے لیکن احمق حنظل (اندرائن) کو مشابہت ظاہری سے اس پر قیاس کرکے کھالے اور اسی علم کے طفیل مومن کو خدا کی طرف سے بصیرت حاصل ہوجاتی ہو اور وہ بمنزلہ اس شخص کے ہوجاتا ہے جسکو کوئی طبیبِ حاذق سنکھیا کھانے سے منع کرے کہ وہ قاتل ہے تو وہ شخص اسکی تصدیق کرے اور پھر اپنے قرائن سے یہ دیکھے کہ درحقیقت سنکھیا کی حرارت اور خشکی ایسی غایت درجہ کی ہوتی ہو کہ مزاجِ انسانی کو فاسد کر دیتی ہو۔ تب اس شخص کو اس حکیم کے

له طبقات ولا صحابه فيما بينهم درجات وله قشور دخلها لب واصداف وسلها درر وقد صنف العلماء رحمهم الله في اكثر الابواب ما تقتنص به الاوابد وتذلل به الصعاب وان اقرب القشور الى الظاهر فن معرفة الاحاديث صحة وضعفا واستفاضة وغرابة وتصدى له جهابذة المحدثين والحفاظ من المتقدمين ثم يتلوه فن معانى غريبها وضبط مشكلها وتصدى له ائمة الفنون الادبية والمتقنون من علماء العربية ثم يتلوه فن معانيه الشرعية واستنباط الاحكام الفرعية والقياس على الحكم المنصوص فى العبارة والاستدلال بالايماء والاشارة ومعرفة المنسوخ والمحكم والمرجوح والمبرم وهذا بمنزلة اللب والدر عند عامة العلماء وتصدى له المحققون من الفقهاء (هذا) وان ادق الفنون الحديثية باسرها عندى واعمقها محتدا وارفعها منارا واولى العلوم الشرعية عن آخرها فيما ارى واعلاها منزلة واعظمها مقدارا هو علم اسرار الدين الباحث عن حكم الاحكام ولمياتها واسرار خواص الاعمال ونكاتها فهو والله احق العلوم بان يصرف فيه من اطاقه نفائس الاوقات ويتخذه عدة لمعاده بعد ما فرض عليه من الطاعات اذ به يصير الانسان على بصيرة فيما جاء به الشرع وتكون نسبته بتلك الاخبار كنسبة صاحب العروض بدواوين الاشعار وصاحب المنطق ببراهين الحكماء وصاحب النحو بكلام العرب العرباء وصاحب اصول الفقه بتفاريع الفقهاء وبه يامن من ان يكون كحاطب ليل او كغائص سيل او يخبط خبط عشواء او يركب متن عمياء كمثل رجل سمع الطبيب يامر باكل التفاح فقاس الحنظلة عليه لمشاكلة الاشباح وبه يصير مؤمنا على بينة من ربه بمنزلة رجل اخبره صادق ان السم قاتل فصدقه فيما اخبر وبين ثم عرف بالقرائن ان حرارته ويبوسته مفرطتان وانهما تباينان مزاج الانسان فازداد يقينا الى ما ايقن

[1] رات کو لکڑیاں جمع کرنے والے کو حاطبِ لیل کہتے ہیں وہ رات کی تاریکی کیوجہ سے خشک اور گیلی لکڑیوں میں فرق نہیں کرتا اور اسی طرح غائصِ سیل یعنی پانی میں غوطہ مارنے والا کچھ نہیں دیکھ سکتا تو ایسا ہی وہ شخص ہوتا ہے جو اس علم سے بے بہرہ ہو ۱۲

قول پر دیکھو کسقدر یقین زیادہ ہوجائیگا اور اس علم کے گو احادیث نبوی نے اصول فروع
بیان کر دیئے ہیں اور آثار صحابہ وتابعین نے اسکا اجمال اور تفصیل سب واضح کر دی ہے
اور مجتہدین ہر باب شرعی میں مصالح مرعیہ (ملحوظہ) بیان کرتے چلے آئے ہیں اور انہی کے
متبع محققین نے نکات جلیلہ اور مدققین نے رموزات جمیلہ بھی بیان کئے ہیں، اسی وجہ سے
اب اس علم میں کچھ قیل وقال کرنا اجماع امت کے خلاف یا کوئی نئی بات نہیں سمجھا گیا
لیکن بہت ہی کم لوگ ایسے گزرے ہیں جنہوں نے اس فن میں کوئی کتاب تصنیف کی
ہو یا اس کی اساس وبنیاد پر غور وخوض کیا ہو یا اسکے اصول وقواعد مقرر کئے ہوں
یا ایسا کام کیا ہو جو اس علم میں کما حقہ کافی اور وافی ہو جس سے پڑھنے والا اچھی
طرح مستفیض ہوسکے اور تشنگان علم کی سیرابی ہو مثل مشہور ہے "جب تو شیر کی
سواری کریگا تو تیرا ردیف اور ہمرکاب کون بنے گا" اور یہ ہو بھی کیونکر سکتا ہے
جبکہ یہ وہ فن ہے کہ اس پر وہی مطلع ہوسکتا ہے جس کو تمام علوم شرعیہ اور تمام فنون
الہیہ سے مکمل آگاہی ہو اور اس علم کو وہی چھان سکتا ہو جس کا سینہ خدا نے علم لدنی کے
لئے کھول دیا ہو اور اسکا دل اسرار وہبی سے بھر دیا ہو اور ساتھ ہی ساتھ اسکی طبیعت میں
تیزی اور ذہن میں روانی ہو، تحریر وتقریر میں حاذق اور توجیہہ وتزئین کلام میں فائق ہو
یہ بھی جانتا ہو کہ اصول مقرر کرکے اُن پر فروع کی بنیاد کس طرح قائم کرتے ہیں اور قواعد
مقرر کرکے ان پر عقلی ونقلی دلائل وشواہد کس طرح لاتے ہیں، مجھ پر خدا کا بڑا احسان
ہے کہ اُس نے اس فن میں سے مجھ کو بھی ایک حصہ عطا کیا ہے اور یوں تو مجھے ہمیشہ
اپنی تقصیر کا اقرار واعتراف رہا ہے" اور اپنے نفس کو میں پاک نہیں کہتا کیونکہ نفس کو
تو بری باتوں پر اصرار ہوتا ہی ہے" میں ایک دن عصر کی نماز کے بعد مراقبہ میں بیٹھا
ہوا تھا کہ یکایک نبی صلعم کی روح مبارک مجھکو نظر آئی اور ایک کپڑا سا مجھ پر ڈال دیا
گیا اور اسی وقت میرے دل میں اسکے یہ معنی معلوم ہوئے کہ یہ دین کو ایک خاص طرز
سے بیان کرنیکی طرف اشارہ ہے اور اسی وقت سے میرے دل میں ایک ایسا نور معلوم
ہوا جو کہ ہر وقت ترقی پذیر تھا، پھر کچھ عرصہ بعد مجھ کو یہ الہام ہوا کہ اس عظیم الشان
کام کیلئے ازلی ہی سے کسی دن آمادہ ہونا میری قسمت میں لکھدیا گیا ہے اور اسوقت ایسا
معلوم ہوتا ہے کہ تمام زمین اپنے پروردگار کے نور سے جگمگا اٹھی ہے اور گویا عین غروب
کے وقت روشنی نے اپنی شعاعیں زمین پر پھینکی ہیں اور وقت آگیا ہے کہ شریعت
مصطفویہ دلائل وبراہین کے مکمل لباس میں ملبوس کر کے میدان میں لائی جائے
پھر اسکے بعد خواب میں میں نے حضرت امامین حسنؓ و حسینؓ کو مکہ میں اس طرح

وهو وان اثبت احاديث النبي صلى الله عليه وسلم فروعه
واصوله وبين آثار الصحابة والتابعين اجماله وتفصيله
وانتهى امعان المجتهدين الى تبيين المصالح المرعية في
كل باب من الابواب الشرعية وابرز المحققون من
اتباعهم نكتا جليلة واظهر المدققون من اشياعهم
جملا جزيلة وخرج بحمد الله من ان يكون التكلم فيه خرقا للاجماع
الامة او اقتحاما في عمه وغمة لكن قل من صنف فيه او خاض
في تاسيس مبانيه او رتب منه الاصول والفروع او اتى بما يسمن ويغني من
جوع وحق له ذلك ومن المثل السائر في الورى ومن الرديف وقد ركبت
غضنفرا كيف ولا تتبين اسراره الا لمن تمكن في العلوم الشرعية بأسرها
واستبد في الفنون الالهية عن آخرها ولا يصفو مشربه الا
لمن شرح الله صدره للعلم اللدني وملأ قلبه بسر وهبي وكان مع
ذلك وقاد الطبيعة سيال القريحة حاذقا في التقرير والتحرير
بارعا في التوجيه والتحبير قد عرف كيف يؤصل الاصول و
يبنى عليها الفروع وكيف يمهد القواعد ويأتي لها بشواهد
المعقول والمسموع وان من اعظم نعم الله على ان آتاني منه
حظا وجعل لي منه نصيبا وما انفك اعترف بتقصيري
والجرم وما ابرئ نفسي ان النفس لامارة بالسوء وبينا انا جالس
ذات يوم بعد صلاة العصر متوجها الى الله اذ ظهرت روح النبي
صلى الله عليه وسلم وغشيتني من فوقي بشيء خيل الى انه ثوب
القي على ونفث في روعي في تلك الحالة انه اشارة الى نوع
بيان للدين ووجدت عند ذلك في صدري نورا لم يزل
ينفسح كل حين ثم الهمني ربي بعد زمان ان قد
كتب علي بالقلم الجلي ان انتهض يوما ما لهذا
الامر الجلي وانه اشرقت الارض بنور ربها وانعكست
الاضواء عند مغربها وان الشريعة المصطفوية
اشرقت في هذا الزمان على ان تبرز في قمص
سابغة من البرهان ثم رأيت الامامين الحسن والحسين

دیکھا کہ انہوں نے مجھکو ایک قلم عطا فرمایا اور کہا کہ یہ ہمارے نانا رسول اللہ صلعم
کا قلم ہے اور مدت سے میرے دل میں یہ خیال گزرتا تھا کہ اس فن میں ایک ایسی
کتاب تصنیف کروں جس کا فائدہ مبتدی و منتہی اور حاضر و غائب کو یکساں پہنچے
اور اہلِ مجلس بھی فیض پائیں لیکن میں ان باتوں پر نظر کرکے متردد ہو جاتا اور
اپنے ارادہ سے رک جاتا تھا کہ میرے آس پاس کوئی ایسا معتبر عالم نہ تھا جس سے
بوقتِ ضرورت میں اپنے شبہات کو حل کر سکوں اور نہ ہی خود مجھکو اس قدر
علم تھا، اور زمانہ کا جہل و تعصب اور ہر شخص کا اپنی رائے ناقص پر اترانا
تو مجھکو اور بھی پست ہمت کئے دیتا تھا، اسکے علاوہ ہمعصری منافرت کی جڑ
ہوتی ہی ہے اور مصنف ملامت کے تیروں کا شکار بنایا ہی جاتا ہے الغرض
میں اسی کشمکش و پیچ میں تھا کہ میرے معظم بھائی اور پیارے دوست میاں محمد
سلمہ کو جو عاشق کے نام سے مشہور ہیں اس علم کی فضیلت معلوم ہوئی اور
ان کو یہ معلوم ہو گیا کہ بغیر اس علم کے سعادت پوری پوری نصیب نہیں ہوتی اور
یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ علم بغیر مجاہدۂ شکوک و شبہات اور بلا مشقتِ اختلاف
و مناقضات کے حاصل نہیں ہو سکتا، اور ایسے شخص کی مدد لئے بغیر جس نے
سب سے پہلے اس علم کا دروازہ کھولا ہوا اور ہر طرح کی مشکلاتِ فن اسکے آگے
دست بستہ کھڑی ہوں اس فن میں کچھ غور و خوض بھی نہیں ہو سکتا۔ پھر تو
وہ اسکی تلاش میں ہر اس شہر میں جس میں کہ جا سکتے تھے گھومتے پھرے اور
جس سے بھی کچھ مطلب حاصل ہوتا دیکھا اس سے گفتگو کی اور ہر ایک
کھوٹے کھرے کو پرکھتے پھرے لیکن کہیں ان کا مطلب حل نہ ہوا اور کوئی
ایسا نہ ملا جو انہیں اس بارے میں کوئی مفید معلومات بہم پہنچا سکے پھر جب
انہوں نے یہ دیکھا تو مجھ سے التجا کر کے چمٹ گئے، میں جب بھی اُن سے
کچھ عذر کرتا تو وہ مجھ کو حدیثِ لجام[1] یاد دلاتے یہاں تک کہ انہوں نے میرا کوئی
عذر نہ مانا اور مجھکو ہر طرف سے گھیر کر مجبور کر دیا تب تو میں نے یہ جان
لیا کہ جس کا مجھ کو الہام ہوا تھا یہ وہی آئندہ پیش آنے والی صورت ہے اور
یہ کہ یہ امر شدنی ہے۔ ابمیں نے جنابِ باری کی طرف توجہ کی اور اس سے
استخارہ کیا اور اعانت طلب کی اور اپنی قدرت و طاقت کو بالکلیہ ہٹا دیا اور

في منام رضى الله عنهما وانا يومئذ بمكة كانهما اعطياني
قلما وقالا هذا قلم جدنا رسول الله صلى الله عليه وسلم
ولطالما احدث نفسي ان ادون فيه رسالة تكون تبصرة
للمبتدى وتذكرة للمنتهى يستوى فيه الحاضر والباد
ويتحاوره المجلس والناد ثم يعوقني انى لا اجد عندى الذى
ولا ارى من خلفى وبين يدى من اراجعه فى المشتبهات
من العلماء المنصفين الثقات ويثبطنى قصور باعي في
العلوم المنقولة مما كان عليه القرون المقبولة ويفشلني
انى فى زمان الجهل والعصبية واتباع الهوى واعجاب
كل امرئ بارائه الردية وان المعاصرة اصل المنافرة
وان من صنف قد استهدف فبينا انا فى ذلك اقدم
رجلا واؤخر اخرى واجرى شوطا ثم ارجع قهقرى
اذ تفطن اجل اخوانى لدى واكرم خلانى على محمد المعروف
بالعاشق لا زال محفوظا من كل طارق وغاسق بمنزلة
هذا العلم وفضائله وان من السعادة لا تتم الا بتتبع
دقائقه وجلائله وعرف انه لا يتيسر له الوصول اليه
الا بعد مجاهدة الشكوك والشبهات ومكابدة الاختلاف
والمناقضات ولا يستتب له الغرض الا بسعى رجل
يكون اول من قرع الباب وكلما دعا اباه الا وابى الصعاب
فطاف ما قدر عليه من البلاد وبحث من توسم فيه الخير من العباد
وتفحص سمينهم وشينهم وسبر غثهم وسمينهم فلم يجد من يتكلم
منه بنافعة او ياتى منه بجذوة ساطعة فلما رأى ذلك
الح على وبزأني وتبنى وامسكنى وصار كلما اعتذرت
ذكرنى حديث الالجام فاحمنى اشد الافحام حتى اعييت بى الكلام
وسالت بمعاذيرى الشاعب وايقنت انها احدى الكبر وانها
لما كنت المست صورة من الصور وانه قد سبق على الكتاب فانه
امر قد توجه من كل باب فتوجهت الى الله واستخرته و
رغبت اليه واستعنته وخرجت من

[1] حدیث لجام کا مضمون یہ ہے کہ جس سے بھی کوئی علم کی بات پوچھی جائے اور وہ اسکو چھپائے
تو ایسے شخص کو قیامت میں آگ کی لگام دی جائے گی ۱۲

ایسا ہوگیا جیسے مُردہ غسال کے ہاتھوں میں بے اختیار رہتا ہے اور پھر جبکی انہوں
نے مجھ سے التجا کی تھی اس کو شروع کیا اور خدائے پاک سے نہایت عاجزی کیساتھ یہ
عرض کی کہ میرے دل کو لغو باتوں سے پھیر دے اور ہر چیز کی اصل حقیقت سے مجھکو آگاہ
کردے اور میرے دل کو راستی، زبان کو فصاحت اور ہر بات میں صداقت عطا کر
اور میرے دِلی ارادوں کے پورا کرنے میں اعانت اور مدد فرما۔ بیشک وہ خدا قریب
اور مجیب ہے لیکن میں نے ان حضرت سے اوّل ہی بار کہہ دیا تھا کہ بھائی میں حلبۂ
بیان میں گونگا اور تیز رَو گھوڑوں کے میدان میں لنگڑا ہوں، میرے علم کی پونجی
کھوٹی ہے اور بجائے بوٹی کے ہڈی پر قناعت ہے اور میرا دل تفکرات میں بیحد پریشان
ہے جن سے ذرا بھی فرصت نہیں، لہٰذا اوراق بینی میں غور و فکر کرنا میرے لئے
اس وقت آسان نہیں اور نہ مجھ سے لوگوں کے اقوال بدرجۂ کمال منضبط ہو سکتے
ہیں کہ ان کو ہر آئے گئے کے آگے گاؤں۔ میں تو جو کرتا ہوں خود کرتا ہوں اپنی
مٹی آپ اکٹھی کرتا ہوں، اپنے وقت کا بندہ ہوں، اپنے بخت کا تلمیذ ہوں، جو کچھ
مجھ کو سوجھ گیا اسکا پابند ہوں اور جو کچھ دل میں سما گیا اسکو پسند کرتا ہوں
پس جسکو اس پر قناعت منظور ہو تو یہ حاضر ہے لیکن جس کو کچھ اور مطلوب ہے
تو اسکو اختیار ہے جو چاہے سو کرے۔ اور جبکہ تکلیف، جزا اور شریعت باعث رحمت
و ہدایت کے اسرار کی طرف اس آیت فَلِلّٰہِ الْحُجَّۃُ الْبَالِغَۃُ میں اشارہ ہوا ہے اور یہ کتاب
بھی اسی کی ایک شاخ اور اسی افق کا ایک درخشاں چاند ہے تو مناسب معلوم ہوا کہ اس
کتاب کا نام حُجّۃ اللّٰہ البالغہ رکھا جائے۔ خدا ہی کافی ہے وہی بہتر کارساز ہے
اس بلند و برتر کی مدد کے بغیر نہ کوئی طاقت ہے اور نہ کوئی قوت۔

مقدمہ ـــ اکثر یوں خیال کیا جاتا ہے کہ احکام شرعیہ کسی مصلحت پر
مبنی نہیں اور نہ اعمال اور ان کی جزا میں کوئی مناسبت ہے، جیسے کوئی آقا اپنے
نوکر کو اسکی فرمانبرداری کا امتحان لینے کے لئے یونہی بلا فائدہ کسی پتھر کے
اٹھانے یا کسی درخت کو ہاتھ لگانے کا حکم دے، پھر اگر وہ اطاعت کرے تو
اسکو جزا دے اور اگر نافرمانی کرے تو سزا دے لیکن یہ گمان بالکل غلط ہے اور
سُنّت و اجماعِ خیر القرون اسکی تردید کرتا ہے۔ اور جو شخص یہ باتیں بھی نہیں
جان سکتا کہ اعمال کا اعتبار نیت پر اور اسکی خوبی کا مدار طبیعت پر ہے
جیسا کہ نبی صلعم نے فرمایا ہے "اعمال نیتوں پر موقوف ہیں" اور جیسا کہ خداوند
تعالیٰ نے فرمایا "اللہ کے پاس نہ تو تمہاری ان قربانیوں کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ

الحول والقوة بالكلية وصرت كالميت في يد الغسال في
حركاته القصرية وشرعت فيما ندبني اليه وعطفني
عليه وتضرعت الى الله ان يصرف قلبي من الملاهي
وان يريني حقائق الاشياء كما هي ويسدد جناني
ويفصح لساني ويعصمني فيما اتقحمه من المقال ويوفقني
لصدق اللهجة في كل حال ويعينني في ابراز ما يختلج
في صدري ويعالجه فكري انه قريب مجيب، وقدمت
اليه اني سكيت نادي البيان ضالع حلبة الرهان واني منعرق
مرماة وانه لا يتاتى مني الامعان في تصفح الاوراق لشغل
قلبي بما ليس له فواق ولا يتيسر لي التناهي في حفظ المسموعات
لاتشدق بها عند كل جاء وآت وانما انا المتفرد بنفسه
المتجمع لرمسه الذي هو ابن وقته وتلميذ بخته واسير
وارده وغنيم بارده فمن سره ان يقنع بهذا فليقنع ومن احب
غير ذلك فامره بيده ماشاء فليصنع، ولما كان وقعت
الاشارة الى سر التكليف والمجازاة واسرار الشرائع المنزلة
الى الرحمة المهداة بقوله تعالى (ولله الحجة البالغة) وهذه
الرسالة شعبة منها نابغة وبدر من افقها بازغة حسن ان تسمى
(حجة الله البالغة) حسبي الله ونعم الوكيل لا حول ولا قوة الا
بالله العلي العظيم (مقدمة) قد يظن ان الاحكام الشرعية
غير متضمنة لشئ من المصالح وانه ليس بين الاعمال وبين
ما جعل الله جزاء لها مناسبة وان مثل التكليف بالشرائع
كمثل سيد اراد ان يختبر طاعة عبده فامره برفع حجر
او لمس شجرة مما لا فائدة فيه غير الاختبار فلما اطاع
او عصى جوزي بعمله وهذا ظن فاسد تكذبه السنة
واجماع القرون المشهود لها بالخير، ومن عجز ان
يعرف ان الاعمال معتبرة بالنيات والهيئات النفسانية
التي صدرت منها كما قال النبي صلى الله عليه وسلم
انما الاعمال بالنيات وقال الله تعالى لن ينال الله لحومها ولا

خون بلکہ تمہارا تقویٰ اسکے پاس پہنچتا ہے" اور نماز ذکرِ الٰہی اور اس سے مناجات
کرنے کے واسطے مقرر ہوئی، جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ہماری یاد اور ذکر کے
لئے نماز پڑھا کرو" اور نیز اسلئے مقرر ہوئی کہ اسکی وجہ سے آخرت میں اسکے جمال کا
مشاہدہ اور دیدار حاصل ہو جیسا کہ نبی صلعم نے فرمایا "تم عنقریب اپنے رب کو اسطرح دیکھو گے جسطرح
اس چاند کو دیکھتے ہو اور اسکے دیدار میں کسی قسم کا شک و شبہ نہ کرو گے تو اگر تم ایسا
کرسکو کہ نماز فجر اور عصر کے وقت (شیطان سے) مغلوب نہ ہو تو ایسا ہی کیا کرو" اور زکوٰۃ
اسلئے مقرر ہوئی کہ فقرا کی حاجت برآری ہو اور دل پر بخل نہ طاری ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ
مانعینِ زکوٰۃ کی برائی میں فرماتا ہے "جن کو خدا نے کچھ اپنے فضل سے دیا ہے وہ لوگ بخل کو
اپنے لئے بہتر نہ سمجھیں بلکہ وہ انکے حق میں نہایت برا ہے کیونکہ جس مال میں یہ بخل کرتے
ہیں قیامت کے دن اسکا طوق بنا کر انکے گلے میں پہنایا جائیگا" اور جیسا کہ نبی
صلعم نے (معاذ بن جبل سے) فرمایا تھا کہ "ان (اہلِ یمن) سے کہہ دینا کہ یہ زکوٰۃ
اللہ تعالیٰ نے تم پر اسلئے فرض کی ہے کہ تمہارے امرا سے لیکر تمہارے فقرا کو دیجائے"
اور روزہ نفس کے زیر کرنے کیلئے مقرر ہوا ہے، جیسا کہ نبی صلعم نے فرمایا "روزہ
رکھنا شہوت کے حق میں بمنزلہ خصی ہونے کے ہے" اور حج خدا کے مقامات
کی تعظیم کے لئے مقرر ہوا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "یقیناً وہ مکان جو
سب سے پہلے لوگوں کے واسطے مقرر کیا گیا وہ گھر ہے جو مکہ میں ہے بابرکت ہے اور
دنیا کا رہنما ہے، اسمیں کھلی نشانیاں ہیں الخ" اور فرمایا "صفا و مروہ (کی پہاڑیاں)
خدا کی نشانیاں ہیں" اور قصاص قتل کے بند کرنے کے واسطے مقرر ہوا ہے
جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اے عقلمندو! قصاص میں تمہاری زندگی مضمر ہے"
اور حدود و کفارات، معاصی کے روکنے کے واسطے مقرر ہوتے ہیں جیسا کہ
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "تاکہ وہ (چور) اپنے کئے کا مزہ چکھے (اور باز آجائے)" اور
جہاد خدا اسکا کلمہ بلند کرنے اور شر انگیزوں کا فتنہ مٹانے کے لئے مقرر ہوا ہے، جیسا کہ
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ان سے لڑتے رہو یہانتک کہ فتنہ مٹ جائے اور دین خالص
اللہ ہی کا ہو جائے" اور احکامِ معاملات اور بیاہ شادی کے مسائل سب
عدل و انصاف کیلئے مقرر ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بہت سے احکام
ہیں جن پر آیاتِ کریمہ اور احادیثِ نبویہ دلالت کرتی ہیں اور ہر زمانہ میں
علما نے ان کو بیان بھی کیا ہے (پس جس کو ان باتوں کا علم نہیں) تو اسکو
علم سے کچھ بھی مس نہیں، اگر ہے تو ایسا ہے جیسے کوئی سوئی کو سمندر میں ڈبو کر
نکالے، اور اسکی بات پر تو کیا اعتبار کیا جائے بلکہ اسکو مناسب ہے کہ اپنے حال پر
تاسف کرے اور روئے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ خود نبی صلعم نے بعض مواقع پر

دماؤها ولكن يناله التقوى منكم وان الصلاة شرعت
لذكر الله ومناجاته كما قال الله تعالى اقم الصلاة لذكري
ولتكون معدة لرؤية الله تعالى ومشاهدته في الآخرة
كما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم "سترون ربكم
كما ترون هذا القمر لا تضامون في رؤيته فان استطعتم
ان لا تغلبوا على صلاة قبل طلوع الشمس وصلاة
قبل غروبها فافعلوا" وان الزكاة شرعت دفعا
لرذيلة البخل وكفاية لحاجة الفقراء كما قال الله تعالى
في مانعي الزكاة (ولا يحسبن الذين يبخلون بما
آتاهم الله من فضله هو خيرا لهم بل هو شر لهم سيطوقون
ما بخلوا به يوم القيامة) وكما قال النبي صلى الله عليه
وسلم فاخبرهم ان الله تعالى قد فرض عليهم صدقة تؤخذ
من اغنيائهم فترد على فقرائهم وان الصوم شرع لقهر
النفس كما قال الله تعالى (لعلكم تتقون) وكما قال
النبي صلى الله عليه وسلم فان الصوم له وجاء وان الحج
شرع لتعظيم شعائر الله كما قال الله تعالى (ان اول
بيت وضع للناس للذي) الآية وقال (ان الصفا و
المروة من شعائر الله) وان القصاص شرع زاجرا عن
القتل كما قال الله تعالى (ولكم في القصاص حياة يا
اولي الالباب) وان الحدود والكفارات شرعت زواجر
عن المعاصي كما قال الله تعالى ليذوق وبال امره وان
الجهاد شرع لاعلاء كلمة الله وازالة الفتنة كما قال الله تعالى
وقاتلوهم حتى لا تكون فتنة ويكون الدين كله لله وان احكام
المعاملات والمناكحات شرعت لاقامة العدل فيهم الى
غير ذلك مما دلت الآيات والاحاديث عليه ولهج
به غير واحد من العلماء في كل قرن فانه لم يمسه من العلم
الا كما يمس الابرة من الماء حين تغمس في البحر وتخرج
وهو بان يبكي على نفسه احق من ان يعتد بقوله ثم ان النبي
صلى الله عليه وسلم بين اسرار تعيين الاوقات في بعض المواضع كما

پہلی مثال زکوٰۃ کا مقصد بخل دور کرنا بتاتی ہے اور دوسری فقرا کی حاجت برآری بیان کرتی ہے ۱۲

تعیینِ اوقات کے اسرار ظاہر فرمائے، مثلاً ظہر کی پہلی چار رکعت کی نسبت فرماتے ہیں: "اس وقت آسمانوں کے دروازے کھلتے ہیں لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ میرا عملِ صالح اُس وقت اُوپر جائے"، اور یومِ عاشورا کے روزہ کی نسبت آپ سے یوں مروی ہے کہ اسکے جاری ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اُس دن موسیٰؑ اور ان کی قوم کو فرعون سے نجات حاصل ہوئی تھی پس اُس کا ہمارے لئے مقرر ہونا سنتِ موسیٰ کا اتباع ہے اور بعض احکام کی وجوہات بھی بیان فرمائیں، چنانچہ دیکھئے جو شخص سو کر اٹھے اسکو ہاتھ دھونے کیلئے فرمایا اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ "اُسکو معلوم نہیں ہوتا کہ رات کو اسکا ہاتھ کہاں پڑا رہا" اور ناک میں پانی ڈالنے اور سنکنے کی نسبت یوں فرمایا کہ "انسان کے نتھنوں پر رات بھر شیطان رہتا ہے" (یعنی رطوبت اور گندگی بہتی ہے) اور نیند سے وضو ٹوٹ جانے کی نسبت یوں فرمایا کہ "سونے میں انسان کے جوڑ بند ڈھیلے پڑ جاتے ہیں"[1] اور رمی الجمار کی نسبت فرمایا "اسمیں ذکرِ الٰہی کیا جاتا ہے" اور کسی کے گھر میں نظر نہ ڈالنے کی وجہ یہ فرمائی کہ اجازت لینے سے یہی تو مقصود ہے کہ اچانک گھر والوں پر نظر نہ پڑ جائے" اور بلّی کے پس خوردہ کی نسبت یوں فرمایا کہ "یہ ناپاک نہیں کیونکہ یہ گھر میں پھرنے والے جانوروں میں سے ہے"[2] اور بعض جگہ احکام کی یہ حکمت بیان فرمائی کہ اسمیں دفعِ مضرت ہے، جیسا کہ ایامِ رضاعت میں جماع کرنے سے منع فرمایا تھا کیونکہ (یہ معلوم ہوا تھا کہ) اس سے بچہ کو ضرر پہنچتا ہے۔ یا فرقۂ کفار سے امتیاز اور مخالفت جیسا کہ طلوعِ آفتاب کے وقت نماز سے اسلئے منع فرمایا کہ "یہ وقت پرستشِ کفار کا ہے اور آفتاب شیطان کے سر کے اوپر سے نکلتا ہے"[3] یا دروازۂ تحریف بند کرنے کی مصلحت ہوتی ہے جیسا کہ حضرت عمرؓ نے اس شخص کی نسبت جس نے نفل کو فرض میں ملا کر پڑھنا چاہا فرمایا کہ "پہلے لوگ اسی وجہ سے ہلاک ہو گئے"۔ پھر اسکی تائید میں آپ نے فرمایا "ابن خطاب! خدا تم کو اصابتِ رائے عطا فرمائے (تم نے ٹھیک کہا)" یا وہ مصلحت دفعِ حرج کیلئے ہوتی ہے جیسا کہ آپ نے ایک شخص سے فرمایا کہ "کیا (تیری طرح) ہر شخص کے پاس دو دو کپڑے ہوتے ہیں" اور اللہ تعالیٰ نے بھی سحری کی نسبت اسی بنا پر اس آیت میں اجازت دی "خدا تعالیٰ کو اسکی خبر تھی کہ تم اپنے دلوں میں خیانت کرتے تھے، پس اب خدا نے تم پر رحمت کی اور معاف کر دیا، اب تم اپنی بیویوں سے رمضان کی راتوں میں مل سکتے ہو الخ" اور بعض جگہ ترغیب و ترہیب کے اسرار بیان فرمائے حتیٰ کہ صحابہ نے اپنے شکوک و شبہات جو وہاں پیدا ہوتے تھے آپ سے عرض کئے اور آپ نے حل فرمائے چنانچہ آپ نے فرمایا "آدمی کی نمازِ جماعت اسکی اس نماز سے جو وہ تنہا گھر میں یا بازار (اور دکان) میں پڑھتا ہے پچیس درجہ (ثواب میں) زیادہ ہے، اور یہ اسلئے کہ جب کوئی شخص اچھی طرح وضو کر کے مسجد میں آتا ہے اور صرف نماز ہی کیلئے چلتا ہے تو ہر قدم پر ایک گناہ معاف

قال فی اربع قبل الظهر انها ساعة تفتح فيها ابواب السماء فاحب ان يصعد لی فيها عمل صالح، وروی عنه صلی الله عليه وسلم فی صوم يوم عاشوراء ان سبب مشروعيته نجاة موسٰی وقومه من فرعون فی هذا اليوم وان سبب مشروعيته فينا اتباع سنة موسٰی عليه السلام وعبين اسباب بعض الاحكام فقال فی المستيقظ فانه لا يدری اين باتت يده وفی الاستنثار فان الشيطان يبيت علی خيشومه وقال فی النوم فانه اذا اضطجع استرخت مفاصله وقال فی رمی الجمار انه لاقامة ذكر الله وقال انما جعل الاستئذان من اجل البصر وفی الهرة انها ليست بنجس انما هی من الطوافين عليكم او الطوافات وبين فی مواضع ان الحكمة فيها دفع مفسدة كالنهی عن الغيلة انما هو لمخافة ضر الولد او مخالفة فرقة من الكفار كقوله صلی الله عليه وسلم فانها تطلع بين قرنی الشيطان وحينئذ يسجد لها الكفار او سد باب التحريف كقول عمر رضی الله عنه لمن اراد ان يصل النافلة بالفريضة بهذا هلك من قبلكم فقال النبی صلی الله عليه وسلم اصاب الله بك يا ابن الخطاب او وجود حرج كقوله صلی الله عليه وسلم اولكلكم ثوبان وكقوله تعالٰی علم الله انكم كنتم تختانون انفسكم فتاب عليكم وعفا عنكم وبين فی بعض المواضع اسرار الترهيب والترغيب وراجعه الصحابة فی المواضع المشتبهة فكشف شبهتهم ثم ورد الامر الی اصله قال صلٰوة الرجل فی جماعة تزيد علی صلاته فی بيته وصلاته فی سوقه خمسا وعشرين درجة وذلك ان احدكم اذا توضأ فاحسن الوضوء ثم اتی المسجد لا يريد الا الصلٰوة الحديث وقال فی بضع احدكم صدقة قالوا يا رسول الله ايأتی احدنا شهوته ويكون له فيها اجر؟ قال ارأيتم لو وضعها فی حرام اكان عليه فيه وزر فكذلك اذا

[1] پس احتمال ہے کہ ریح وغیرہ خارج ہوئی ہو لہٰذا وضو کرنا لازم ہے ۱۲

[2] اس سے احتیاط مشکل ہے اور ناپاک قرار دینے میں حرج ہے ۱۲ [3] یعنی جو اس وقت سجدہ کرتا ہے گویا شیطان کو سجدہ کرتا ہے ۱۲

ہوتا ہو اور ایک نیکی ملتی ہے، الحدیث" اور ایک جگہ آپ نے فرمایا کہ "بیوی
کے ساتھ صحبت کرنے میں بھی اجر ہے"۔ صحابہ نے عرض کیا "یا رسول اللہ! یہ
تو تقضائے شہوت ہے اس میں کیا اجر ہوگا"۔ آپ نے فرمایا "اچھا اگر اس
کو وہ حرام میں صرف کرتا تو کیا اس پر گناہ نہ ہوتا، تو اسی طرح جب اس
نے حلال میں صرف کیا تو اس کو اجر ملا"۔ اور پھر ایک جگہ آپ نے فرمایا
"جب دو مسلمان تلوار لے کر باہم مقابل ہوتے ہیں تو قاتل و مقتول
دونوں دوزخ میں جاتے ہیں"۔ صحابہ نے عرض کیا "قاتل تو خیر ٹھیک ہے مگر
یہ مقتول کس لئے دوزخ میں گیا"۔ آپ نے جواب دیا کہ "وہ بھی اپنے مقابل کے
قتل کا خواہاں تھا"۔ انکے علاوہ اور بہت سے مقامات ہیں جنکا شمار مشکل ہے اور
ابن عباس رضؓ نے جمعہ کے روز غسل کرنیکی مصلحت بیان کی، اور زید بن ثابت رضؓ نے
پھلوں کی فروخت، ان کی پختگی سے پہلے ممنوع ہونیکا سبب بیان کیا، اور ابن عمرؓ
نے طواف میں خانہ کعبہ کے صرف دو رکنوں کے بوسہ پر اکتفا کی وجہ بیان فرمائی۔ پھر
اسکے بعد تابعین اور انکے بعد مجتہدین احکام کے علل و مصالح برابر سمجھتے رہے
اور ہر حکم صریح کی کوئی نہ کوئی علت خواہ وہ حصولِ نفع ہو یا دفعِ مضرت ضرور
قرار دیتے رہے جیسا کہ انکی کتابوں میں مفصل مذکور ہے۔ پھر تو غزالی، خطابی اور
ابن عبد السلام وغیرہم نے عجیب عجیب لطائف و نکات اور عمدہ عمدہ تحقیقات بیان
کیں۔ خدا ان کو ان کی اس سعی کا عوض دے لیکن اسکے ساتھ یہ بھی ہے کہ قطع نظر ان
مصالح اور منافع کے شرع کا ان احکام کو از خود واجب اور حرام بنانا بھی فی نفسہٖ
ایک سببِ عظیم ہے کہ اس سے مطیع کو ثواب اور عاصی کو عذاب دیا جاتے اور یہ بات
نہیں کہ اعمال کا حسن و قبح، اِن معنوں میں کہ انکا فاعل مستحقِ ثواب یا عذاب ہو محض
عقلی ہے، اور نہ شرع کا محض یہی کام ہے کہ وہ اعمال کی صرف خاصیات بیان
کر دے اور از خود کسی چیز کو حرام یا فرض نہ کرے جس طرح کہ طبیب ادویہ کی خاصیت
اور حرارت و برودت بیان کر دیتا اور مرض کی اقسام گنا دیتا ہے اور دواؤں میں
از خود کوئی خاصیت پیدا نہیں کرتا) چنانچہ بعض لوگوں کا شریعت کے بارے
میں یہی خیال ہو مگر یہ خیال بالکل غلط ہے، بادی النظر ہی میں زبان اسے
دور پھینک دیتی ہے اور یہ کہنا قبول نہیں کرتی اور آخر ایسا کیوں نہ ہو دیکھئے
نبی صلعم نے تراویح میں شریک نہ ہونے کی یہ وجہ بیان فرمائی کہ "میں ڈرتا ہوں
کہ کہیں یہ تم پر فرض نہ ہو جائے" اور فرمایا کہ "بڑا سخت گنہگار وہ مسلمان ہے کہ
پہلے کوئی چیز حرام نہ ہو پھر اسکے سوال کرنے سے وہ حرام ہو جائے"۔ اسکے علاوہ
اور بہت سی احادیث ہیں، اور اگر وہ خیال صحیح ہوتا تو اس مقیم کو جسے مسافر کی
مانند مشقت اور تکلیف لاحق ہو، روزہ افطار کرنا جائز ہوتا کیونکہ جس حرج کی بنا پر
رخصتِ افطار دی گئی ہے وہ دونوں میں برابر پایا جاتا ہے اور خوشحال مسافر کو
مقیم کی طرح آرام میں ہونے کی وجہ سے افطار درست نہ ہوتا اور یہی حال باقی
سب حدود کا ہے جنکو شرع نے مقرر کیا ہے اور سنت نے یہ بات بھی واجب کر دی ہے کہ جب تک

وضعها فی حلال کان له اجر وقال اذا التقى المسلمان
بسيفيهما فالقاتل والمقتول كلاهما فی النار قالوا هذا
القاتل فما بال المقتول؟ قال: انه كان حريصًا على
قتل صاحبه الى غير ذلك من المواضع التی يعسر
احصاؤها وبين ابن عباس رضی الله عنهما سر مشروعية
غسل الجمعة وزيد بن ثابت سبب النهی عن بيع
الثمار قبل ان يبدو صلاحها وبين ابن عمر سر
الاقتصار على استلام ركنين من اركان البيت ثم لم
يزل التابعون ثم من بعدهم العلماء المجتهدون
يعللون الاحكام بالمصالح ويفهمون معانيها ويخرجون
للحكم المنصوص مناطا مناسبا لدفع ضر او جلب نفع كما هو
مبسوط فی كتبهم ومذاهبهم ثم اتى الغزالی والخطابی
وابن عبد السلام وامثالهم شكر الله مساعيهم بنكت
لطيفة وتحقيقات شريفة نعم كما اوجبت السنة هذه
وانعقد عليها الاجماع فقد اوجبت ايضًا ان نزول
القضاء بالايجاب والتحريم سبب عظيم فی نفسه مع قطع النظر
عن تلك المصالح لاثابة المطيع وعقاب العاصی وانه ليس الامر
على ما ظن من ان حسن الاعمال وقبحها بمعنى استحقاق
العامل الثواب والعذاب عقليان من كل وجه وان الشرع
وظيفته الاخبار عن خواص الاعمال على ما هی عليه دون
انشاء الايجاب والتحريم بمنزلة طبيب يصف خواص الادوية
وانواع المرض فانه ظن ناس تمجه السنة بادی الرأی
كيف وقد قال النبی صلى الله عليه وسلم فی قيام رمضان حتى خشيت
ان يكتب عليكم وقال: ان اعظم المسلمين جرمًا من سأل عن شیء
لم يحرم على الناس فحرم من اجل مسئلته الى غير ذلك من
الاحاديث كيف ولو كان ذلك كذلك لجاز افطار المقيم الذی
يتعانى كتعانی المسافر لمكان الحرج المبنی عليه الرخص ولم يجز
افطار المسافر المترفه وكذلك سائر الحدود التی حدها
الشارع واوجبت ايضًا السنة ان لا

۵ مطلب یہ ہے کہ بغیر کسی مصلحت یا علت کے محض رسول کے کہنے یا کرنے سے بھی بعض احکام فرض ہو جاتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ ہر حکم کی کوئی لم یا وجہ بیان کی جائے ۱۲

حکم صحیح روایت سے ثابت ہو جائے تو اسکی فوراً تعمیل کرنی چاہیے اسکی مصلحت دریافت کرنے پر (تعمیل کو) موقوف نہ رکھے کیونکہ بہت سے لوگوں کی عقلیں احکام کی مصلحتوں کے دریافت کرنے سے قاصر ہیں اور نبی صلعم کی عقل ہماری سب کی عقل سے زیادہ معتبر ہے اور اسیلئے یہ علم نااہلوں کیواسطے قابل تعلیم نہ سمجھا گیا اور اسکے لئے وہ شرائط قرار دیگئیں جو کتاب اللہ کی تفسیر کیلئے ہیں، اور اس میں اُس رائے محض سے جس میں سنت سے مدد نلی گئی ہو غور و خوض کرنا حرام ہو ہمارے بیان سے یہ خوب ظاہر ہو گیا کہ حق بات یہ ہے کہ احکام شرعیہ پر عمل کرنیکی ایسی مثال ہے جیسے کسی امیر کے چند غلام بیمار ہو جائیں اور وہ کسی خاص آدمی کو انکے دوا پلانے پر مقرر کرے تو اب اگر وہ (غلام) اسکا کہا مانینگے تو گویا اپنے اصل آقا کی اطاعت کرینگے اور وہ ان سے خوش ہو کر انکو بہترین انعام عطا کریگا اور وہ اس مرض سے بھی نجات پائینگے اور اگر انہوں نے اسکا کہنا نہ مانا تو گویا اپنے اصل آقا کی نافرمانی کی بس سے وہ ان پر غصہ ہوا اور انکو بڑی بڑی سزا دی اور وہ خود بھی اس مرض سے ہلاک ہو گئے اور نبی صلعم نے جسجگہ اپنے متعلق فرشتوں کے اس قول کو نقل کیا ہے کہ اس شخص (یعنی پیغمبر) کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے ایک مکان بنا کر اسمیں طرح طرح کے کھانے چنے اور پھر ایک بلانیوالے کو بھیجا کہ لوگونکو بلائے تو جس کسی نے اسکا کہا مانا تو وہ گھر میں بھی آیا اور اس نے کھانا بھی کھایا۔ لیکن جس نے اسکا کہنا نہ مانا تو نہ تو وہ گھر میں آیا اور نہ ہی اسکو وہ کھانا نصیب ہوا"۔ تو اسجگہ اس سے آپکی بھی وہی مراد ہے جو ہمنے بیان کیا۔ اور آپ کے اس قول سے بھی یہی مراد ہے "کہ میری اور جو کچھ خدا نے مجھکو دیکر بھیجا ہے اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص کسی قوم سے آکر یہ کہے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے (دشمن کا) لشکر دیکھا ہے میں کھلم کھلا ڈرنیوالا اور ہوشیار کرنیوالا ہوں، تم یہاں سے بھاگ جاؤ بھاگ جاؤ تو اسکی قوم کے ایک گروہ نے تو اسکا کہنا مان لیا اور اس لشکر کے آنیسے پہلے ہی تڑکے سے اٹھ کر چلا گیا اور اسطرح اس لشکر سے بچ گیا لیکن اسی قوم کا ایک گروہ اسکو جھوٹا سمجھکر صبح تک وہیں پڑا رہا تو صبح کو اس لشکر نے آتے ہی ان لوگونکو مار کر ملیا میٹ کر دیا"۔ نیز آپنے خدائے پاک سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ تمہارے ہی اعمال تو ہیں جو تم کو واپس کر دیئے جائینگے اور ہمارے اس بیان سے کہ اصل بات دو باتوں کے بیچ میں ہے اور اعمال کو اور اقتضائے الٰہی کا کسی چیز کو حرام و حلال کرنیکو ان دونوں کو کسی کے مستحق ثواب (و عذاب ہونے میں خاص دخل ہے) ان دلائل میں جو جاہلیت والوں کے عذاب میں متعارض ہیں تطبیق ہو سکتی ہے بعض لوگ فقط اُس قدر تو جانتے ہیں کہ احکام کچھ مصالح اور علتیں ہوتی ہیں اور اعمال کی جزا

بحل ان يتوقف فى امتثال احكام الشرع اذا صحت بها الرواية على معرفة تلك المصالح لعدم استقلال عقول كثير من الناس فى معرفة كثير من المصالح ولكون النبى صلى الله عليه وسلم اوثق عندنا من عقولنا ولذلك لم يزل هذا العلم مضنونا به على غير اهله ويشترط له ما يشترط فى تفسير كتاب الله ويحرم الخوض فيه بالرأى الخالص غير المستند الى السنن والآثار وظهر مما ذكرنا ان الحق فى التكليف بالشرائع ان مثله كمثل سيد مرض عبيده فسلط عليهم رجلا من خاصته ليسقيهم دواء فان اطاعوا له اطاعوا السيد ورضى عنهم سيدهم واثابهم خيرا ونجوا من المرض وان عصوه عصوا السيد واحاط بهم غضبه وجازاهم اسوأ الجزاء وهلكوا من المرض والى ذلك اشار النبى صلى الله عليه وسلم حيث قال عن راويا عن الملائكة ان مثله كمثل رجل بنى دارا وجعل فيها مادبة وبعث داعيا فمن اجاب الداعى دخل الدار واكل من المادبة ومن لم يجب الداعى لم يدخل الدار ولم ياكل من المادبة، وحيث قال انما مثلى ومثل ما بعثنى الله به كمثل رجل اتى قوما فقال يا قوم انى رايت الجيش بعينى وانى انا النذير العريان فالنجا النجا فاطاعه طائفة من قومه فادلجوا فانطلقوا على مهلهم فنجوا وكذبت طائفة منهم فاصبحوا مكانهم فصبحهم الجيش فاهلكهم واجتاحهم وقال راويا عن ربه انما هى اعمالكم ترد عليكم وبما ذكرنا من ان ههنا امرا بين الامرين وان الكل من الاعمال ونزول القضاء بالايجاب والتحريم اثرا فى استحقاق الثواب والعقاب يجمع بين الدلائل المتعارضة فى اهل الجاهلية يعذبون بما عملوا فى الجاهلية ام لا ثم من الناس من يعلم فى الجملة ان الاحكام معللة بالمصالح وان الاعمال يترتب عليها الجزاء من جهة كونها صادرة من هيئات نفسانية تصلح بها النفس وتفسد

جیسا کہ نبی صلعم نے اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا کہ خبردار انسان کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جبتک وہ درست رہتا ہے تمام بدن درست رہتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو تمام بدن بگڑ جاتا ہے اور وہ دل ہے" لیکن وہ لوگ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس فن کی تدوین کرنا اور اسکے اصول و فروع مقرر کرنا ممنوع ہے، عقلاً تو اسلئے کہ اس کے مسائل نہایت باریک اور دقیق ہیں اور شرعاً اسلئے کہ سلف (متقدمین) نے باوجود اسکے کہ نبی صلعم کے زمانہ سے انکو نہایت قرب تھا اور خوب علم رکھتے تھے مگر اس فن میں کچھ تصنیف نہ کیا تو گویا اب اسکے ترک پر اتفاق ہو گیا یا کوئی یوں کہے کہ اسکی تدوین میں کچھ معتدبہ فائدہ نہیں ہے کیونکہ شرع پر عمل کرنا کچھ اسکی مصلحت جاننے پر موقوف نہیں، تو یہ گمان بھی غلط ہے کیونکہ اگر ان کے اس کہنے کا کہ "اسکے مسائل نہایت باریک اور دقیق ہیں" یہ مطلب ہے کہ "اسکی تدوین بالکل ممکن ہی نہیں" اسلئے غلط ہے کہ مسائل کے باریک و خفی ہونے سے یہ لازم نہیں آتا، دیکھئے علم توحید کے مسائل کا احاطہ ان سے بھی مشکل اور انکا ادراک ان سے بھی دقیق تر ہے تاہم ان کی تدوین خداوند تعالیٰ نے جس کے لئے چاہی آسان کر دی، اور اسیطرح ہر علم ظاہر میں ایسا دکھائی دیتا ہے کہ اس میں بحث کرنا محال اور اسکا احاطہ کرنا ناممکن ہے لیکن جب اسکے لوازمات و متعلقات میں کاوش کیجاتی ہے اور اسکے مقدمات بتدریج سمجھ جاتے ہیں تو اسمیں مہارت حاصل ہو جاتی ہے اور اسکے قواعد کی تمہید اور اسکے متعلقات و فروعات کا استنباط آسان ہو جاتا ہے، اور اگر ان کے کہنے کا یہ مطلب ہے کہ وہ کسیقدر مشکل ہے" تو یہ تسلیم! لیکن اشکال ہی سے تو بعض علماء کو بعض پر شرف حاصل ہوتا ہے، اور مطالب کے تو انسان محنت اور سختیوں سے ہی پاتا ہے اور علوم کی گردن پر تو آدمی عقل کے کام میں لانے اور فہم کے تیز کرنے سے ہی سوار ہوتا ہے، اور جہانتک اُنکے اس کہنے کا تعلق ہے کہ "سلف نے اسکو مدون نہیں کیا" تو میں کہتا ہوں کہ سلف کا تدوین نہ کرنا کچھ مضر نہیں کیونکہ نبی صلعم نے اسکے اصول و فروع مقرر [illegible] اور فقہاء صحابہ مثلاً امیر المومنین عمرؓ اور علیؓ اور زیدؓ اور ابن عباسؓ اور عائشہؓ وغیرہم نے آپکا اتباع کیا اور اس علم میں بحث کی اور اسکی وجوہات بیان فرمائیں، پھر اسکے بعد علماء دین

كما اشار اليه النبي صلى الله عليه وسلم حيث قال الا ان في الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله واذا فسدت فسد الجسد كله الا وهي القلب لكنه يظن ان تدوين هذا الفن وترتيب اصوله وفروعه ممتنع اما عقلا لخفاء مسائله وغموضها او شرعا لان السلف لم يدونوه مع قرب عهدهم مع النبي صلى الله عليه وسلم وغزارة علمهم فكان كالاتفاق على تركه او يقول ليس في تدوينه فائدة معتد بها اذ لا يتوقف العمل بالشرع على معرفة المصالح ومن ظنون فاسدة ايضا (قوله لخفاء مسائله وغموضها) ان اراد انه لا يمكن التدوين اصلا لخفاء المسائل لا يفيد ذلك كيف ومسائل علم التوحيد والصفات اعمق مداركا وابعد احاطة وقد يسره الله لمن شاء وكذلك كل علم يتراءى بادي الراي ان البحث عنه مستحيل والاحاطة به ممتنعة ثم اذا ارتيض بادواته وتدرج في فهم مقدماته حصل التمكن فيه وتيسر تاسيس مبانيه وتفريع فروعه وذويه وان اراد العسر في الجملة فمسلم لكنه بالعسر فضل بعض العلماء على بعض وان بلوغ الآمال في ركوب المشاق والاهوال وان اقتعاد غوارب العلوم بتجشم العقول واعمال الفهوم (قوله لان السلف لم يدونوه) قلنا لا يضر عدم تدوين السلف اياه بعد ما مهد النبي صلى الله عليه وسلم اصوله وفرع فروعه واقتفى اثره فقهاء الصحابة كامير المؤمنين عمر وعلي وزيد وابن عباس وعائشة وغيرهم رضي الله عنهم فتكلموا فيه وابرزوا وجوها منه، ثم لم يزل علماء الدين وسلاك سبيل اليقين يظهرون ما يحتاجون اليه مما جمع الله في صدورهم كان الرجل متهم اذا ابتلي بمناظرة من يشيد فتنة التشكيك يجرد سيف البحث وينهض ويهيم العزم ويحض ويشمر عن ساق الجد ويجسر بهزم جيوش المبتدعين ويكسر ثم راينا بعد ان تدوين كتاب يحتوي

اور سالکان راہ یقین ہمیشہ اپنے مقابلوں کے سامنے جبکہ وہ مشکوک شبہات پیدا کرنیکی فتنہ انگیزی کرتے، خدا کے عطا کردہ علم میں کو بقدر ضرورت بیان فرماتے تھے اور اسطرح ان بدعتیوں کے لشکر کو مناظرہ و بحث کی تلوار سونت کر [illegible] کرتے تھے اور بدعتیوں کی جمعیت کو منتشر کرتے تھے، اور ہم

بکیا جمع ہونا نہایت مناسب ہے متقدمین کو اس فن کی تدوین کی
اسلئے ضرورت نہ تھی کہ ان کا زمانہ آنحضرتؐ سے نہایت قریب تھا اور
بکا فیض صحبت ان کو نصیب تھا اور اسی برکت صحبت سے ان میں
اختلافات کم تھا اور عقیدے صاف تھے نیز انکو ہر طرح کا اطمینان قلب
حاصل تھا کیونکہ وہ ہر اس بات میں جو آنحضرتؐ سے ثابت ہوتی زیادہ
دریافت و تفتیش نہیں کرتے تھے، اور نہ ہی منقول کو معقول سے تطبیق
دینیکا وہاں دستور تھا اسکے علاوہ بہت سے بڑے بڑے گہرے علوم میں وہ معتبر
علماء سے استفسار کر سکتے تھے (اور وہ اس فن کی تدوین سے بالکل اسیطرح
مستغنی تھے جسطرح کہ بسبب اس بات کے کہ انکا زمانہ قرن
اول یعنی زمانہ نبوت سے نہایت قریب تھا اور راویان حدیث سے تو
بالکل ملا ہوا تھا انکی ہر بات دیکھتے اور سنتے تھے اور مشکل مسائل
معتبر علماء سے پوچھ سکتے تھے اسوقت اختلافات بھی کم تھا اور موضوع
احادیث کے روایت ہونیکا خوف بھی کم تھا) تمام فنون حدیث کی
تدوین سے مستغنی تھے مثلاً شرح غریب الحدیث، فن اسماء الرجال
ومراتب عدالت رواۃ، فن مشکل الحدیث، واصول الحدیث ومختلف
الحدیث وفقہ الحدیث وتمیز الضعیف من الصحیح والموضوع من
الثابت، اور یہ تمام فنون مذکورہ ایک مدت دراز کے بعد اسوقت
مدون ہوگئے اور انکے اصول وفروع اسوقت مقرر ہوئے جبکہ مسلمانوں
کو انکی ضرورت پڑی اور اسلام کی خیرخواہی انہی پر موقوف نظر آئی
پھر اسکے بعد فقہاء کے درمیان احکام کی علتوں میں اختلاف کرنیکی
وجہ سے کافی اختلافات واقع ہوا یہانتک کہ علل احکام میں اس نظر کی
بحث شروع ہوئی کہ ان میں کوئی مصلحت معتبر بھی ہے کہ نہیں (اور یہ
کہ ان سے وہ مصلحت کیسے حاصل ہو سکتی ہیں جو شرع میں معتبر ہیں) اور
مباحث دینیہ بہت سی جگہ دلائل عقلیہ سے تمسک کئے گئے اور
اعتقادی وعملی مسئلوں میں شکوک کرنے لگے، اور پھر یہ بات پیدا
ہوگئی منقولات کو دلائل عقلیہ سے مطابق اور مدلل کرنا اور سنی ہوئی
باتیں اور سمجھی ہوئی باتوں میں مطابقت پیدا کرنا، دین کی پوری پوری
حمایت اور اسکی کامل تائید وامداد سمجھا جانے لگا یہی نہیں بلکہ مسلمانوں
تفرقہ دور کرنے میں اسکی سعی جمیل اور باعث تقرب الٰہی اور بڑی سے
بڑی عبادت سمجھا جانے لگا، آج کا یہ کہنا کہ اسکی تدوین میں کچھ فائدہ نہیں یہ بالکل غلط ہے ہم تو کہتے ہیں کہ اسمیں بڑے بڑے فوائد ہیں، ان میں سے چند ایک
درج ذیل ہیں۔ منجملہ یہ کہ اس سے آنحضرت صلعم کا ایک بڑا معجزہ ظاہر ہوتا ہے کیونکہ آنحضرت صلعم کو جیسا قرآن مجید عطا ہوا اس زمانہ کے بلغا اس سے

علی جمل صالحة من اصول هذا الفن بجدى من تفاريق
العصا وكل الصيد فى جوف الفرا، وكان الاوائل لصفاء
عقائدهم ببركة صحبة النبى صلى الله عليه وسلم وقرب
عهده وقلة وقوع الاختلاف فيهم واطمينان قلوبهم
بترك التفتيش عما ثبت عنه صلى الله عليه وسلم وعدم
التفاتهم الى تطبيق المنقول بالمعقول وتمكنهم من مراجعة
الثقات فى كثير من العلوم الغامضة مستغنين عن
تدوين هذا الفن كما انهم كانوا بسبب قرب عهدهم من
القرن الاول واتصال زمانهم برجال الحديث وكونهم
منهم بمرأى ومسمع وتمكنهم من مراجعة الثقات وقلة
وقوع الاختلاف والوضع مستغنين عن تدوين سائر
الفنون الحديثية كشرح غريب الحديث واسماء الرجال و
مراتب عدالتهم ومشكل الحديث واصول الحديث ومختلف
الحديث وفقه الحديث وتميز الضعيف من الصحيح والموضوع
من الثابت وكل فن من هذه لم يفرد بالتدوين ولم ترتب
اصوله وفروعه الا بعد قرون كثيرة ومدد متطاولة لما
مست الحاجة اليه وتوقف نصح المسلمين عليه، ثم انه كثر
اختلاف الفقهاء بناء على اختلافهم فى علل الاحكام وافضى
ذلك الى ان يتباحثوا عن تلك العلل من جهة افضائها
الى المصالح المعتبرة فى الشرع ونشاء التمسك بالمعقول
فى كثير من المباحث الدينية وظهرت تشكيكات فى الاصول
الاعتقادية والعملية فآل الامر الى ان صار الانتهاض
لاقامة الدلائل العقلية حسب النصوص النقلية و
تطبيق المنقول بالمعقول والمسموع بالمفهوم نصرا مؤزرا
للدين وسعيا جميلا فى جمع شمل المسلمين ومعدودا من
اعظم القربات وراسا لرؤس الطاعات (فان قلت ليس فى تدوينه
فائدة) قلنا ليس الامر كما زعم بل فى ذلك فوائد جليلة
منها ايضاح معجزة من معجزات نبينا صلى الله عليه وسلم
فانه صلى الله عليه وسلم كما اوتى بالقرآن العظيم فاعجز

ء تواب وعذاب کی باتوں کا بھی مضحکہ اڑانے لگے کہ یہ محض ترغیب و تحریف...... (ابھارنے اور ڈرانے) کی باتیں ہیں ورنہ در حقیقت

عاجز آگئے اور اس کی جیسی ایک سورت بھی بنا کر نہ لا سکے، پھر جب وہ زمانہ عرب العرباء کا گذر چکا اور لوگوں پر اس کی وجوہ اعجاز مخفی ہونے چلیں تو علماء امت ان کے بیان و اظہار کیلئے آمادہ ہوئے تاکہ انھیں ہر ایک سمجھ جائے۔ اسیطرح آپکو خدائی شریعت عطا ہوئی جو پہلی تمام شریعتوں سے کامل تھی اور جسمیں ایسی ایسی مصلحتیں بھری ہوئی تھیں جنکی رعایت بشر سے محال ہے، اسکی خوبی کو آپکے ہم زمانہ لوگوں نے تو ایک طرح کے نور معرفت سے پہچان لیا، یہانتک کہ انکی زبانوں پر اسکا اقرار اور انکے محاورات اور تقریرات میں اسکا اظہار تھا لیکن اس زمانہ کے بعد یہ امر ضروری ہوا کہ آپکی شریعت کی خوبیاں ظاہر کی جائیں تاکہ ہر شخص یقین کرلے کہ یہ شریعت آسمانی اور کامل ترین شریعت ہے اور یہ کہ بشر سے اسکا ظاہر ہونا اتنا بڑا اور اتنا مشہور و معروف معجزہ ہے کہ ذکر کا محتاج نہیں، دوم یہ کہ اس سے پورا پورا اطمینان حاصل ہو جاتا ہے جیسا کہ ابراہیمؑ نے خداوند تعالیٰ سے عرض کیا تھا کہ "کیوں نہیں (اے اللہ! میں مردوں کے دوبارہ زندہ ہونے پر ایمان تو رکھتا ہوں) لیکن صرف اسلئے (یہ مردوں کا زندہ ہونا دیکھنا چاہتا ہوں) کہ کسی طرح میرا دل مطمئن ہو جائے" کیونکہ کثرت دلائل اور یقین دلانے کے مختلف طریقوں کے استعمال کرنے سے دل مضبوط اور اضطراب قلب دور ہو جاتا ہے، سوم یہ کہ طالب خیر جب نیکیوں میں انتہائی کوشش کرتا ہے اور وہ انکے مشروع ہونیکی وجہ بھی بخوبی جانتا ہے اور انکے تقاضوں و لوازمات پر پوری طرح نگاہ رکھتا ہے تو وہ تھوڑی عبادت بھی اسکو بہت فائدہ دیتی ہے اور وہ اسکو خوب پکا ہو کر دیکھ بھال کر کرتا ہے اندھا دھند نہیں چلتا، اور اسلئے امام غزالی نے کتب سلوک میں بڑی توجہ و اہتمام کیساتھ لوگوں کو اسرار عبادات سے روشناس کرایا ہے، چہارم یہ کہ فقہاء کا بعض فروعی احکام میں اختلاف اسلئے ہے کہ انکی علل قیاسیہ میں انکا اختلاف ہے کہ کونسی علت مناسب اور کونسی نامناسب ہے، پس تحقیق حق بغیر اس بات کے کہ انکی مصلحتیں جانی ہوئی نہیں ہو سکتی، پنجم یہ کہ بدعتی لوگوں نے بہت سے دینی مسائل میں شک و شبہات کرنے شروع کئے اور کہنے لگے کہ یہ عقل کے خلاف ہیں اور جو مسائل عقل کے خلاف ہوں انکو یا تو رد کر دینا چاہئے یا کچھ تاویل کر لی جائے،

بلغاء زمانه ولم يستطع أحد منهم ان ياتى بسورة من مثله، ثم لما انقرض زمان قرن الاول وخفي على الناس وجوه الاعجاز قام علماء الامة فاوضحوها ليدركه من لم يبلغ مبلغهم كذلك اتى من الله تعالى بشريعة هي أكمل الشرائع متضمنة لمصالح يعجز عن مراعاة مثلها البشر وعرف اهل زمانه شرف ما جاء به بنحو من انحاء المعرفة حتى نطقت به السنتهم وتبين في خطبهم ومحاوراتهم، فلما انقرض عصرهم وجب ان يكون في الامة من يوضح وجوه هذا النبأ من الاعجاز والآثار الدالة على ان شريعته صلى الله عليه وآله وسلم أكمل الشرائع وان اتيان مثله بمثلها معجزة عظيمة كثيرة مشهورة لاحاجة الى ذكرها، ومنها انه يحصل به الاطمينان الزائد على الايمان كما قال ابراهيم الخليل عليه الصلوة والسلام بلى ولكن ليطمئن قلبي، وذلك ان تظاهر الدلائل وكثرة طرق العلم يثلجان الصدر ويزيلان اضطراب القلب، ومنها ان طالب الاحسان اذا اجتهد في الطاعات وهو يعرف وجه مشروعيتها ويقيس نفسه بالمحافظة على ارواحها وانوارها نفعه قليلها وكان ابعد من ان يخبط خبط عشواء، ولهذا المعنى اعتنى الامام الغزالي في كتب السلوك بتعريف اسرار العبادات، ومنها انه اختلف الفقهاء في كثير من الفروع الفقهية بناء على اختلافهم في العلل المخرجة المناسبة وتحقيق ما هو الحق هنالك لايتم الابكلام مستقل في المصالح، ومنها ان المبتدعين شككوا في كثير من المسائل الاسلامية بانها مخالفة للعقل وكل ما هو مخالف له يجب رده او تاويله كقولهم في عذاب القبر انه يكذبه الحس والعقل وقالوا في الحساب والصراط والميزان نحوا من ذلك فطفقوا يؤولون بتاويلات بعيدة واثارت طائفة فتنة الشك فقالوا لم كان صوم آخر يوم من رمضان واجبا وصوم اول يوم من شوال ممنوعا عنه، ونحو ذلك من الكلام واستهزأت طائفة بالترغيبات والترهيبات تابعين لمجرد الحدس الغير المسترجع الى

چنانچہ عذاب قبر کی نسبت یہ کہتے ہیں کہ یہ عقل و شعور کے خلاف ہے اور اسیطرح حساب کتاب اور پل صراط اور ترازوئے اعمال میں کلام کر کے بعید اور دور از کار تاویلیں کرنے لگے، اور غبار شکوک کو جہاں میں اڑا دیا، خلق خدا کو اس بلا میں پھنسا دیا ایک فرقہ (اسماعیلیہ) نے تو شکوک و شبہات کا ہنگام

اصول صين حتى قام اشقى القوم فوضع حديث بأذنجان لما اكل له يعرض بان اضر الاشياء لا يتميز عند المسنين من النافع ولا سبيل الى دفع هذه المفسدة الا بان تبيّن المصالح وتؤسس لها القواعد كما فعل نحو من ذلك فى مخاصمات اليهود والنصارى والدهرية وامثالهم، ومنها ان جماعة من الفقهاء زعموا انه يجوز رد حديث يخالف القياس من كل وجه فتطرق الخلل الى كثير من الاحاديث الصحيحة كحديث المصراة وحديث القلتين فلم يجد اهل الحديث سبيلا فى الزامهم الحجة الا ان يبينوا انها توافق المصالح المعتبرة فى الشرع الى غير ذلك من الفوائد التى لا يفى باحصائها الكلام وستجدنى اذا غلب على شقشقة البيان وامعنت فى تمهيد القواعد غاية الامعان ربما اوجب المقام ان اقول بما لم يقل به جمهور المناظرين من اهل الكلام كتجلى الله تعالى فى مواطن المعاد بالصور والاشكال وكاثبات عالم ليس عنصريا يكون فيه تجسد المعانى والاعمال باشباح مناسبة لها فى الصفة وتخلق فيه الحوادث قبل ان تخلق فى الارض وارتباط الاعمال بهيأت نفسانية وكون تلك الهيأت فى الحقيقة سبب المجازاة فى الحيوة الدنيا وبعد الممات والقول بالقدر الملزم ونحو ذلك فاعلم انى لم اجترى عليه الا بعد ان رايت الأيات والاحاديث وأثار الصحابة والتابعين متظاهرة فيه ورايت جماعات من خواص اهل السنة المتميزين منهم بالعلم اللدنى يقولون به ويبنون قواعدهم عليه وليست السنة اسما فى الحقيقة لمذهب خاص من الكلام ولكن المسائل التى اختلف فيها اهل القبلة وصاروا لاجلها فرقا متفرقة واحزابا متحزبة بعد انقيادهم لضروريات الدين على قسمين، قسم نطقت به الأيات وصحت به السنة وجرى عليه السلف من الصحابة والتابعين فلما ظهر اعجاب كل ذى راى برايه وتشعبت بهم السبل اختار قوم ظاهر الكتاب والسنة وعضوا بنواجذهم

کچھ نہیں، یہاں تک کہ زمانہ کا ایک بدبخت بیگن کی حدیث بنا کر مسلمانوں پر تعریض کرنے لگا کہ انکو بھلے بُرے کی کچھ تمیز نہیں۔ آپ فرمائیے ان مفاسد کے بند کرنیکی سوائے اس کے کہ ہر چیز کی مصلحت اور کچھ فوائد بیان کئے جائیں اور انکے اصول قرار دئے جائیں اور کیا صورت ہے جس طرح کہ یہود و نصاریٰ اور دہریوں وغیرہ کے مقابلہ میں کیا گیا۔ ششم یہ کہ فقہاء کی ایک جماعت نے یہ فیصلہ دیدیا کہ جو حدیث بھی کلی طور پر خلاف قیاس ہو اس کا رد کرنا جائز ہے، اس طرح تو بہت سی صحیح حدیثوں میں بھی خلل واقع ہونیکا اندیشہ پیدا ہو گیا جیسے حدیث مُصَرَّاۃ اور حدیث قلتین پھر تو محدثین کو سوائے اسکے کہ انکی مصلحتیں بیان کریں اور کچھ بن نہ آیا انکے علاوہ اس فن کے اور بیشمار فائدے ہیں اور آپ دیکھیں گے کہ میں جہاں کہیں میدانِ بیان اور تمہید قواعد میں رواں ہونگا تو کچھ حسبِ مقام ایسی ایسی باتیں کہونگا جو کسی اہل مناظرہ اور کسی اہل کلام نے نہ کہی ہونگی جیسے خدائے پاک کا حشر کے میدانوں میں مختلف صورتوں اور شکلوں میں تجلی فرمانا اور یہ کہ عالم عنصری کے علاوہ ایک اور ایسے عالم کا وجود میں ہونا جسمیں اعمال اور معانی (مخفی چیزیں) جا کر اپنے مناسب ایک صورت جسمانی پیدا کرتے ہیں اور حوادث زمانہ زمین پر ظاہر ہونیسے پیشتر وہاں پیدا ہوتے ہیں (مراد عالمِ مثال) اور یہ کہ اعمال کا ہیئت نفسانی (مثلاً شوق امید و خوف وغیرہ) سے ایسا لگاؤ رکھنا کہ درحقیقت یہی ہیئت موت کے بعد اور زندگی میں جزا و سزا کی باعث ہو اور یہ کہ قضا و قدر کے اثر کا لازمی ہونا وغیرہ وغیرہ، اور آپ یہ بھی خیال رکھیں کہ میں ان باتوں کا جب قائل ہوا ہوں جبکہ اول میں نے آیات و احادیث و آثار صحابہ و تابعین کو انکا مثبت و مؤید پالیا ہے اور انکے ہمو سعین دیکھ لیا ہے اور اہل سنت کے ان خاص لوگوں کو جنکو علم لدنی ملا ہے انکا قائل پالیا اور دیکھ پایا کہ انہوں نے اپنے بہت سے اصول و قواعد کی بنیاد انہیں پر رکھی ہے اور سنت دراصل کسی خاص مذہب کا نام نہیں ہے بلکہ بات یہ ہے کہ اہل اسلام باوجود اس بات کے کہ دین کی ضروریات کے سب قائل ہیں بعض مسائل میں مختلف ہو کر مختلف فرقے ہو گئے اور وہ اختلافی مسائل دو قسم کے ہیں پہلی قسم کے وہ ہیں جو قرآن کی صریح آیات و احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں اور سلف کے لوگ صحابہ و تابعین ان کے قائل ہیں پھر جب یہ زمانہ آیا کہ ہر شخص اپنی ہی رائے کا پابند ہونے لگا اور اپنے ہی خیالات فاسدہ کو پسند کرنے لگا تو ایک قوم نے ظاہر قرآن و احادیث کو نہایت مضبوط پکڑ لیا اور وہ عقائد سلف پر

قائم رہی اور قواعد عقلیہ کی موافقت اور مخالفت کی کچھ پرواہ نہ کی اور جہاں کہیں کچھ دلائل عقلیہ بیان کئے بھی تو محض مخالفت کے رد اور زیادہ اطمینان حاصل کرنے کیلئے بیان کئے نہ اسلئے کہ ان سے عقائد کا اثبات مقصود ہو۔ اس گروہ کا نام **اہل سنت** ہے لیکن ایک قوم نے جہاں کہیں انکو اپنے عقلی ڈھکوسلوں کے مخالف پایا تو کوئی تاویل بیجا سی کردی اور ظاہری معنی سے انحراف کیا۔

سوالِ قبر، وزنِ اعمال، صراط پر چلنا، دیدار الٰہی، اور کرامات اولیاء اسی قبیل سے ہیں یہ سب باتیں کتاب و سنت سے ثابت ہیں اور سلف اسی پر قائم تھے لیکن ایک قوم کی عقل ان کے ادراک سے عاجز آگئی اور وہ انکا انکار اور تاویل کرنے لگی اور ایک قوم نے یہ کہا کہ گو ہم انکی حقیقت نہیں جانتے مگر ان پر ایمان رکھتے ہیں مگر ہم کہتے ہیں کہ ہم ان پر ایمان بھی لائے اور بتفصیل آگہی انکی حقیقت بھی ہمکو معلوم ہے اور **دوسری قسم** کے وہ مسائل ہیں جو نہ تو قرآن سے ثابت ہیں نہ احادیث سے اور نہ ہی صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس میں کچھ گفتگو کی۔ پس وہ یونہی نہ کئے ہوئے رہ گئے تھے پھر اس کے بعد وہ لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے ان مسائل میں یا تو دلائل عقلیہ پر نظر کرکے گفتگو کی جیسے ملائکہ پر انبیاء علیہم السلام کی فضیلت کا مسئلہ، یا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کا مسئلہ۔ یا اس وجہ سے ان مسائل میں گفتگو کی کہ ایسی چیزیں موقوف تھیں جو سنت سے ثابت ہیں جیسے امور عامہ کے مسائل یا کچھ جواہر و اعراض کے مباحث کیونکہ مسئلہ حدوث عالم ابطال ہیولیٰ اور اثبات جزء لا یتجزیٰ پر موقوف ہے، اور یہ مسئلہ کہ خداوند تعالیٰ نے عالم کو بغیر کسی چیز کے توسط سے پیدا کیا ہے اس قول حکماء کے ابطال پر موقوف ہے کہ ایک چیز سے صرف ایک ہی چیز نکلتی اور صادر ہوتی ہے۔ اور ثبوت معجزات اسباب و مسببات میں لزوم عقلی کے ابطال پر موقوف ہے۔ اور مسئلہ معاد جسمانی، امکان اعادہ معدوم پر موقوف ہے، ان کے علاوہ اور بہت سے مسائل ہیں جن سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ یا ان مسائل میں اسلئے اختلاف ہوا کہ جو چیز قرآن و احادیث سے تو ثابت ہے مگر اسکی تفصیل و تفسیر میں نزاع واقع ہوا لیکن اسکی اصل میں سبکو اتفاق ہے جیسے خداوند تعالیٰ کی صفات سمع و سننا

على عقائد السلف ولم يبالوا بموافقتها للاصول العقلية ولا مخالفتها لها فان تكلموا بمعقول فلالزام الخصوم و الرد عليهم او لزيادة الطمأنينة لا لاستفادة العقائد منها وهم اهل السنة، وذهب قوم الى التاويل و انصرف عن الظاهر حيث خالفت الاصول العقلية بزعمهم فتكلموا بالمعقول لتحقق الامر وتبيينه على ما هو عليه. فمن هذا القسم سوال القبر ووزن الاعمال و المرور على الصراط والرؤية وكرامات الاولياء فهذا كله ظهر في الكتاب والسنة وجرى عليه السلف ولكن ضاق نطاق المعقول عنها بزعم قوم فانكروها او اولوها وقال قوم منهم امنا بذلك وان لم ندر حقيقته ولم يشهد له المعقول عندنا ونحن نقول امنا بذلك كله على بينة من ربنا وشهد له المعقول عندنا. وقسم لم ينطق به الكتاب ولم تستفض به السنة ولم يتكلم فيه الصحابة فهو مطوى على غره فجاء قوم من افاضل الامة فتكلموا فيه واختلفوا وكان خوضهم فيه اما استنباطا من الدلائل العقلية كتفضيل الانبياء على الملائكة وفضل عائشة على فاطمة رضي الله عنهما واما لتوقف الاصول الموافقة للسنة عليه وتعلقها به بزعمهم كمسائل الامور العامة وشئ من مباحث الجواهر والاعراض فان القول بحدوث العالم يتوقف على ابطال الهيولى واثبات الجزء الذي لا يتجزأ والقول بخلق الله تعالى العالم بلا واسطة يتوقف على ابطال القضية القائلة بان الواحد لا يصدر عنه الا الواحد والقول بالمعجزات يتوقف على انكار اللزوم العقلي بين الاسباب ومسبباتها والقول بالمعاد الجسماني يتوقف على امكان اعادة المعدوم والى غير ذلك مما شحنوا به كتبهم. واما تفصيلا وتفسيرا لما تلقوه من الكتاب والسنة فاختلفوا في التفصيل والتفسير بعد الاتفاق على الاصل كما اتفقوا على اثبات صفة السمع

ف۔ یہ میں نے ... ... حضرت مصنف مرحوم نے فرمایا ... اور ... مسئلہ حدوث عالم ... ابطال ہیولیٰ اور اثبات ... لا یتجزیٰ بھی ثابت ہے ... موقوف ...

وبصر (دیکھنا) کے ثبوت میں تو سب متفق ہیں لیکن اسکی تفصیل میں اختلاف
ہے چنانچہ ایک قوم نے تو یوں کہا کہ اس سے مسموعات ومبصرات (دیکھنے
اور سننے کی چیزوں) کا جاننا مراد ہے نہ کہ دیکھنا اور سننا لیکن ایک
قوم نے یہ کہا ہے کہ نہیں یہ دونوں صفات جداگانہ ہیں، اور اسیطرح
اللہ تعالیٰ کے حیٌّ (زندہ)، علیمٌ (جاننے والا) مریدٌ (ارادہ کرنیوالا)
قدیرٌ (ہر چیز پر قدرت رکھنے والا) متکلمٌ (کلام کرنیوالا) ہونے میں تو
سب کا اتفاق ہے لیکن ان کی تفسیر میں اختلاف ہے چنانچہ ایک قوم نے اسکی
یہ تفسیر کی کہ (ان سے انکے ظاہری معنی مراد نہیں بلکہ) ان کے آثار، غایات،
اثرات اور افعال وغیرہ مراد ہیں، اور ان ساتوں (مذکورہ بالا صفات)
اور رحمت غضب اور جود (سخاوت وبخشش) میں اس لحاظ سے کچھ بھی فرق
نہیں ہے اور یہ کہ احادیث سے بھی انکا یہ فرق ثابت نہیں، لیکن دوسری
قوم نے یہ کہا کہ نہیں بلکہ یہ امور (خدا کی) ذات واجب میں موجود ہیں اسیطرح
استواء علی العرش (تخت پر جلوہ افروز ہونا)، وجہ (چہرہ ودست) اور
ضحک (ہنسی)، پر تو مجملاً کسی قدر متفق تھے لیکن اس کے بعد (انکی تفسیر
میں اختلاف ہے، چنانچہ ایک قوم نے کہا کہ ان صفات سے وہ معانی
مطالب مراد ہیں جو ان سے خاص مناسبت رکھتے ہوں مثلاً استواء
سے اسکا قبضہ وغلبہ ہو جسکو سمجھا مراد ہے اور وجہ (منہ) سے اسکی ذات
مراد ہے لیکن ایک قوم نے اسکو مطلق چھوڑ دیا اور یہ کہا کہ ہمکو نہیں معلوم
کہ ان سے کیا مراد ہے لیکن اس قسم کے مسائل میں کسی ایک قوم کو دوسری
قوم پر اہل سنت کے حدیث کے مطابق ہونے میں فوقیت نہیں دی جا سکتی
کیونکہ اگر خالص سنت پر عمل مطلوب ہو تو سرے سے ان مسائل میں غور
وخوض ہی نہیں کرنا چاہیئے جیسا کہ سلف نے نہیں کیا، لیکن جب زیادہ
بیان کی ضرورت آ پڑے تو یہ ضروری نہیں کہ جو کچھ انہوں نے کتاب وسنت
سے استنباط کیا ہو وہ سب کا سب صحیح اور راجح ہو اور نہ یہ ضروری ہے
کہ جس چیز کو انہوں نے موقوف علیہ سمجھا ہو تو وہ موقوف علیہ ہی ہو اور نہ
یہ ضروری ہے کہ جس چیز کو انہوں نے غلط اور مردود ٹھہرایا ہو وہ کل کا کل
غلط ہی ہو، اور نہ یہ ضروری ہے کہ جس چیز کو انہوں نے مشکل سمجھ کر ترک
البحث سمجھا ہو وہ درحقیقت مشکل ہی ہو اور نہ یہ ضروری ہے کہ جو کچھ تفصیل
وتفسیر انہوں نے بیان کی ہو وہ تمام کی تمام حق اور غیر کی تفصیل وتفسیر سے
سراسر درست ہی ہو اور جبکہ ہم یہ ذکر کر چکے کہ پہلی قسم کے مسائل میں سنی ہونا ضروری ہے نہ کہ دوسری قسم کے مسائل میں، چنانچہ آپ قسم دوم کے مسائل
میں خود اہل سنت کو بھی باہم بہت سی جگہ مختلف پائیں گے جیسے اشاعرہ اور ماتریدیہ[1] ... اور آپ بڑے بڑے ماہر علماء کو بھی ہر زمانہ میں ...

والبصر ثم اختلفوا فقال قوم هما صفتان راجعتان الى العلم
بالمسموعات والمبصرات، وقال آخرون هما صفتان على
حدتهما وكما اتفقوا على ان الله تعالى حي عليم مريد قدير
متكلم ثم اختلفوا فقال قوم انما المقصود اثبات غايات
هذه المعاني من الآثار والافعال وان لا فرق بين هذه
السبع وبين الرحمة والغضب والجود في هذا وان الفرق لم
تثبته السنة، وقال قوم هي امور موجودة قائمة بالذات الواجب
واتفقوا على اثبات الاستواء على العرش والوجه والضحك
على الجملة ثم اختلفوا فقال قوم انما المراد معان مناسبة
فالاستواء هو الاستيلاء والوجه الذات وطواها قوم
على غرها وقالوا لا ندري ماذا اريد بهذه الكلمات في هذا
القسم ليست استقصاء ترفع احدى الفريقين على صاحبتها
بانها على السنة كيف وان اريد محض السنة فهو ترك الخوض
في هذه المسائل رأسا كما لم يخض فيها السلف ولئن ان
مست الحاجة الى زيادة البيان فليس كل ما استنبطوه
من الكتاب والسنة صحيحا او راجحا ولا كل ما حسبه هؤلاء
متوقفا على شيء مسلم التوقف ولا كل ما اوجبوا مستحيل
الرد ولا كل ما امتنعوا من الخوض فيه استصعابا باله
صعبا في الحقيقة ولا كل ما جاؤا به من التفصيل والتفسير
احق مما جاء به غيرهم ولما ذكرنا من ان كون الانسان
سنيا معتبر بالقسم الاول دون الثاني ترى علماء السنة
يختلفون فيما بينهم في كثير من الثاني كالاشاعرة والماتريدية
وترى الحذاق من العلماء في كل قرن لا يتحرزون من كل
دقيقة لا تخالفها السنة وان لم يقل بها المتقدمون فا
ستجد ان اذا انشعبت بهم السبل في الفروع والمذاهب
وتفرقت بهم الموارد فيها والمشارب لججت بالجادة الجلية
وحذقت القاعدة القوية وصرت لا تلوي على الاطراف و
الحافات وكنت في صمم من التفاريع والتخريجات فاعلم
ان لكل فن خاصة ولكل موطن مقتضى فكما انه ليس حسنا

[1] اشاعرہ ابو الحسن اشعری (۳۲۴ھ) کے پیرو ہیں اور ماتریدیہ ابو منصور ماتریدی (۳۳۳ھ) کے پیرو ہیں ... ماتریدیہ ایک بستی کا نام ہے ...

یہ مناسب نہیں کہ وہ فن صحت و ضعف حدیث سے بحث کرے اور نہ حافظ حدیث کو لائق ہے کہ وہ فروعات فقہیہ اور انمیں سے بعض کو بعض پر ترجیح دینے و اختیار کرنے سے بحث کرے بالکل اسی طرح حدیث کے اسرار و رموز سے بحث کرنیوالے کو بھی زیبا نہیں کہ وہ ان باتوں میں کلام کرے، اسکی غرض و غایت اور مطمح نظر تو یہی ہے کہ وہ نبی صلعم کے قول کے وہ اسرار و رموز بیان کرے جو خود نبی صلعم نے اسمیں ملحوظ رکھے خواہ وہ حکم محکم ہو یا منسوخ یا اسکیلئے کوئی اور دلیل متعارض ہو یا نہ ہو جسکیوجہ سے فقہا نے اس کو مرجوح سمجھا ہو۔ ہاں! کسی فن کے ماہرین کو اس سے بھی چارہ نہیں کہ بعض وہ باتیں جو اس فن سے بہت زیادہ مناسبت رکھتی ہوں ان کو بیان کرے اور فن حدیث کیلئے بھی یہ بات موزوں ہے کہ اسمیں وہ باتیں ذکر کی جائیں جو شہروں میں مدون شدہ احادیث اور آثار فقہاء کے بعد درج ہوتی ہوں اور متابع علیہ کو متفرد بہ سے اور قوی تر کثیر الروایہ کو انکی کمتر سے ممیز کیا جائے پھر بھی اگر کوئی بات تبعًا ذکر بھی ہوئی ہو تو مسائل اجتہادیہ اور حق بات کی تحقیق میں اہل علم کا کلام کرنا کوئی نئی بات ہے اور نہ کسی پر موجب طعن ہے۔ میں تو جہانتک ہوسکتا ہے اصلاح کرنا چاہتا ہوں، باقی (اسمیں) کامیاب ہونا نہ ہونا خدا کی مدد پر موقوف ہے میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کیطرف رجوع کرتا ہوں میں بھی یاد رہے کہ جو بات مجھ سے خلاف قرآن حدیث یا اہل قرن خیر کے مخالف یا جمہور مجتہدین کے خلاف یا مسلمانوں کے سواد اعظم (بڑی عام جماعت) کے برخلاف صادر ہو تو میں اس سے بری ہوں تاہم اگر مجھ سے کوئی ایسی بات سرزد ہوگئی ہے تو اسکو بھول چوک سمجھے جو کوئی ہمکو خواب غفلت سے بیدار کریگا یا کوتاہیوں سے متنبہ کرے گا، خدا تعالی اسکو جزائے خیر دیگا۔ باقی جو لوگ متقدمین کے کلام کو چرا کر کج بحثی کرتے ہیں اور اہل مناظرہ و مجادلہ کے نام سے منسوب ہیں، انکی ہر بات سے اتفاق کرنا یا انکا اتباع کرنا ہمارے لئے کچھ ضروری نہیں ہے وہ بھی آدمی ہیں ہم بھی آدمی ہیں کبھی انکا پلہ بھاری ہوتا ہے کبھی ہمارا۔ میں نے اس کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصہ میں وہ قواعد کلیہ ہیں جنمیں ایسی مصلحتیں مذکور ہیں جو آنحضرت صلعم کے زمانہ کے تمام مذاہب میں مسلم الثبوت اور متفق علیہ تھیں اور کسی کو بھی انمیں اختلاف نہ تھا اور صحابہ رض کو گویا ان کے دریافت کرنے کی کچھ ضرورت نہ تھی لیکن آنحضرت صلعم الخویہ مصلحتیں بتا دیا کرتے تھے بالکل اسطرح جیسے کوئی فروعات بتلاتے وقت ایسے اصولوں کیطرف اشارہ کردے جن سے فروعات حاصل ہوتی ہیں۔

غريب الحديث ان يبحث عن صحة الحديث وضعفه ولا لحافظ الحديث ان يتكلم في الفروع الفقهية وايثار بعضها على بعض فكذلك ليس للباحث عن اسرار الحديث ان يتكلم في شيء من ذلك انما غاية همته ومطمح بصره هو كشف السر الذي قصده النبي صلى الله عليه وسلم فيما قال سواء بقي هذا الحكم محكما او صار منسوخا او عارضه دليل اخر فوجب في نظر الفقيه كونه مرجوحا نعم لا محيص لكل خائض في فن ان يتصرف باحث ماهنالك بالنسبة الى ذلك الفن وانما الاقرب من الحق باعتبار فن الحديث ما خلص بعد تدوين احاديث البلاد وآثار فقهائها ومعرفة المتابع عليه من المتفرد به والاكثر رواة والاقوى رواية مما هو دون ذلك على انه ان كان شيء من هذا النوع استطرادا فليس البحث عن المسائل الاجتهادية وتحقيق الاقرب منها الحق بدعا من اهل العلم ولا طعنا في احد منهم ان اريد الا الاصلاح ما استطعت وما توفيقي الا بالله عليه توكلت واليه انيب) و ها انا بريء من كل مقالة صدرت مخالفة لاية من كتاب الله او سنة قائمة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم او اجماع القرون المشهود لها بالخير او ما اختاره جمهور المجتهدين ومعظم سواد المسلمين فان وقع شيء من ذلك فانه خطأ رحم الله تعالى من ايقظنا من سنتنا او نبهنا من غفلتنا اما هؤلاء الباحثون بالتخريج والاستنباط من كلام الاوائل المنتحلون مذهب المناظرة والمجادلة فلا يجب علينا ان نوافقهم في كل ما يتفوهون به ونحن رجال وهم رجال والامر بيننا وبينهم سجال، ثم اني جعلت الكتاب على قسمين احدهما قسم القواعد الكلية التي تنتظم بها المصالح المرعية في الشرائع واكثرها كانت مسلمة بين الملل الموجودة في عهد النبي صلى الله عليه وسلم ولم يكن فيها اختلاف بينهم وكان الحاضرون مستغنين عن سؤالها فنبه النبي صلى الله عليه وسلم عليها كما ينبه على الاصول لمتفرع عنها

تاکہ بوقت ضرورت سامعین ان سے فروعات حاصل کرسکیں کیونکہ
صحابہؓ نے ان نظیروں کو دیکھ لیا تھا جو اس زمانہ کے ملت اسماعیلیہ
والے جاہل عرب اور یہود و نصاریٰ اور مجوسیوں میں پائی جاتی
تھیں لہذا وہ اس فن میں خوب ماہر ہوگئے اور انکو اس ہنر میں بڑا ملکہ
حاصل ہوگیا میں نے یہ دیکھا کہ اگر تمام شرائع کے اسرار و رموز کی تفاصیل
پر غور کیا جائے تو وہ دو اصولوں پر مبنی نظر آتی ہیں۔ ایک تو نیکی و بدی
کا مبحث۔ دوسرے ملی و قومی سیاسیات کا مبحث، پھر یہ بات بھی
معلوم ہوئی کہ نیکی اور بدی کی پوری پوری حقیقت جب ہی معلوم
ہوسکتی ہے کہ ان سے پیشتر جزائے اعمال، طریقہ ہائے انتفاع اور سعادات
نوعیہ کے مباحث معلوم ہوجائیں، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ مباحث
چند ایسے مسائل پر موقوف ہیں جنکو اس علم میں پہلے ہی تسلیم کرلیا گیا ہے
اور جنکی حقیقت اس علم میں اس لئے بیان نہیں ہوتی کہ انکی ہر شخص خود
بخود دیا تو اس لئے تصدیق کرتا ہے کہ ہر مذہب میں وہ مسلّم ہیں یہانتک
کہ وہ مشہورات میں شمار کئے گئے ہیں یا اسلئے کہ انکو معلم کی نسبت حسن
ظن ہے یا انکے دلائل اس سے کسی اور اعلیٰ علم میں بیان ہوچکے ہیں،
میں نے بخوف طوالت یہ ضروری نہ جانا کہ میں اپنی اس کتاب میں "روح
و نفس کا ثبوت و بقاء" اور "اسکا بدن سے الگ ہونے کے بعد رنج
و راحت پانا" ثابت کروں کیونکہ لوگوں کی کتابوں میں اُنپر کافی بحث
ہوچکی ہے البتہ ان مباحث میں سے میں نے صرف وہ مباحث ضرور
ذکر کئے ہیں جن سے یا تو وہ کتابیں بالکل خالی تھیں یا انکی وہ ترتیب
و تفریعات نہیں کی گئی تھیں جنکی مجھکو توفیق دیگئی، اور مسلّمات میں سے
بھی وہی چیزیں ذکر کی ہیں جنکو (پچھلے) لوگوں نے نہیں لیا، اور دلائل
مسموعہ (نقلی دلائل) بھی میں نے اُنپر بہت کم بیان کئے ہیں، لہذا
اس (اول) حصہ میں ہم وہی مسائل بیان کرینگے جنکو بلا استفسار
ملیت و مصلحت یہاں اس فن میں تسلیم کرنا ضروری ہے، پھر زندگی میں اور
موت کے بعد جزائے اعمال کی کیفیت، پھر انتفاع کے وہ طریقے جو
بنی آدم کیلئے جبلی و پیدائشی بنائے گئے ہیں اور کسی نے بھی انکو اسطرح نہ
لیا کہ انکی عقل میں آسکیں، پھر انسان کی باعتبار اسکی نوع کی سعادت و
شقاوت اور باعتبار آخرت کے بھلائی، پھر نیکی اور بدی کے وہ اصول
جن پر ہر اہل مذہب کو اتفاق ہے، پھر جو کچھ امت کی سیاست کیلئے تقرر حدود و شرائع سے واجب سمجھا گیا، پھر شرائع کی نبی صلعم کے کلام سے استنباط کرنے کی
کیفیت اور دوسرے حصہ میں مندرجہ ذیل ابواب کی احادیث کے اسرار و رموز کی شرح بیان کی ہے ابواب ایمان، ابواب علم، ابواب طہارت، ابواب صلوٰۃ

عند افادة الفروع فتمكن السامعون من ارجاع الفروع
اليها لما مارسوا من نظائرها فى العرب المنتسبين الى
الملة الاسماعيلية واليهود والنصارى والمجوس ورايت
ان تفاصيل اسرار الشرائع ترجع الى الاصلين مبحث البر و
الاثم، ومبحث السياسات الملية ثم رايت البر والاثم لا
تكتنه حقيقتهما الا ان يعرف قبلهما مباحث المجازاة و
الارتفاقات والسعادة النوعية ثم رايت هذه المباحث
تتوقف على مسائل تسلم فى هذا العلم ولا يبحث عن لميتها
فاما ان تصدق بها لاتفاق الملل عليها حتى صارت من
المشهورات او لحسن الظن بالمعلم او لدلائل تذكر فى علم
اعلى من هذا العلم واعرضت عن الاطالة فى اثبات النفس
وبقائها وتنعمها وتالمها بعد مفارقة الجسد لانه مبحوث
مفروغ عنه فى كتب القوم وما ذكرت من هذه المباحث
الا ما رايت الكتب التى وقعت الى خالية عن الكلام فيه
اصلا او عن التفريع والترتيب الذين وفقت لاستخراجهما
ولا من المسلمات الا ما رايت القوم لم يتعرضوا له و لا
لايراد الدلائل السمعية عليه كثير تعرض فلا جرم انى
اذكر فى هذا القسم مسائل يجب ان تصدق بها فى هذا
الفن من غير تعرض للميتها ثم كيفية المجازاة فى الحياة
وبعد الممات، ثم الارتفاقات التى جبل عليها بنو آدم ولم
يهملها قط عربهم ولا عجمهم من جهة ما اوجبته عقولهم
ثم بيان سعادة الانسان وشقاوته بحسب النوع و
بحسب ما يظهر فى الآخرة، ثم اصول البر والاثم التى
توارد عليها اهل الملل، ثم ما يجب عند سياسة الائمة
من ضرب الحدود والشرائع، ثم كيفية استنباط الشرائع
من كلام النبى صلى الله عليه وسلم وتلقيها عنه، والقسم
الثانى فى شرح اسرار الاحاديث من ابواب الايمان ثم
من ابواب العلم ثم من ابواب الطهارة ثم من ابواب
الصلاة ثم من ابواب الزكاة ثم من ابواب الصوم ثم

ابواب حج، ابواب احسان (نیکی) ابواب معاملات، ابواب تدبیر منازل (امور خانہ داری وگھریلو انتظامات) ابواب سیاست مدن (ملکی سیاست) ابواب آداب معیشت (رہنا سہنا) اور چند مختلف ابواب (سیرت نبی، فتنے، مناقب کے بارے میں) اب مقصود بیان کرنیکا وقت آپہنچا، سب طرح کی حمد وثنا اللہ ہی کیلئے ہے، شروع میں بھی اور آخر میں بھی:

حصہ اول: اس میں وہ قواعد کلیہ ہیں جن سے وہ مصلحتیں سمجھی جاتی ہیں جو کہ احکام شرعیہ میں ملحوظ رکھی گئی ہیں اس میں سات مبحث اور ستر باب ہیں:

مبحث اول تکلیف اور جزاء سزا کے اسباب کے بیان میں:

باب ابداع، اور پیدا کرنے اور تدبیر کے بیان میں:

واضح ہو کہ خداوند تعالیٰ کی خلق وعالم کے پیدا کرنے میں بالترتیب تین صفات ہیں جو ایک دوسرے پر مترتب ہیں (اول) ابداع ہے اور وہ کسی چیز کا بغیر کسی سے پیدا کرنا ہے اسطرح کہ وہ چیز پردۂ عدم سے بغیر کسی مادہ کے ظہور کرے، چنانچہ نبی صلعم سے کسی نے سب سے پہلی مخلوق کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا کہ اللہ ہی تھا اور اس سے پہلے کوئی نہ تھا۔ (دوم) پیدا کرنا اور وہ کسی چیز کو کسی دوسری چیز سے پیدا کرنا ہے جیسے آدمؑ کو مٹی سے اور جنوں کو بغیر دھوئیں کی خالص آگ سے پیدا کیا، اور عقل ونقل دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عالم کو چند انواع اور چند اجناس میں ظاہر فرما کر ہر ایک نوع اور جنس کیلئے ایک خاصہ مقرر فرمایا ہے مثلاً انسان کا خاصہ کلام کرنا، صاف جلد ہونا، سیدھا قد ہونا، اور مخاطب کی بات کو سمجھنا ہے لیکن گھوڑے کی نوع کا خاصہ ہنہنانا، جلد پر بال ہونا، ٹیڑھا قد ہونا اور کلام کا نہ سمجھنا ہے، اور زہر کی یہ خاصیت ہے کہ جو اسکو کھاتا ہے ہلاک ہو جاتا ہے، اور سونٹھ کی خاصیت گرم خشک ہے، اور کافور کی خاصیت سرد ہے اور اسی طرح معدنیات، نباتات اور حیوانات کی دیگر تمام اقسام وانواع کا حال ہے اور خداوند تعالیٰ کا قانون اسیطرح رہا ہے کہ کسی چیز کا خاصہ اس سے جدا نہیں ہوتا، اور مشخص افراد اپنے خواص کے حق میں اسطرح مخصوص اور متعین ہیں جسطرح ممیزات انواع، خواص اجناس کے حق میں، اور اسیطرح ان چیزوں کے

من ابواب الحج ثم من ابواب الاحسان ثم من ابواب المعاملات ثم من ابواب تدبير المنازل ثم من ابواب سياسة المدن ثم من اداب المعيشة ثم من ابواب شتى ـ وهذا اوان الشروع فى المقصود فالحمد لله اولا واخرا۔

القسم الاول فى القواعد الكلية التى تستنبط منها المصالح المرعية فى الاحكام الشرعية سبعة مباحث فى سبعين بابا

المبحث الاول فى اسباب التكليف والمجازاة

باب الابداع والخلق والتدبير ـــ اعلم ان الله تعالى بالنسبة الى ايجاد العالم ثلاث صفات مترتبة، احدها الابداع وهو ايجاد شئ لا من شئ فيخرج الشئ من كتم العدم بغير مادة، وسئل رسول الله صلى الله عليه واله وسلم عن اول هذا الامر فقال كان الله ولم يكن شئ قبله والثانية الخلق وهو ايجاد الشئ من شئ كما خلق ادم من التراب (وخلق الجان من مارج من نار) وقد دل العقل والنقل على ان الله تعالى خلق العالم انواعا واجناسا وجعل لكل نوع وجنس خواص، فنوع الانسان مثلا خاصته النطق وظهور البشرة واستواء القامة وفهم الخطاب، ونوع الفرس خاصته الصهيل وكون بشرته شعراء وقامته عوجاء وان لا يفهم الخطاب، وخاصة السم اهلاك الانسان الذى يتناوله، وخاصة الزنجبيل الحرارة واليبوسة، وخاصة الكافور البرودة وعلى هذا القياس جميع الانواع من المعدن والنبات والحيوان وجرت عادة الله تعالى ان لا تنفك الخواص عما جعلت خواص لها وان تكون مشخصات الافراد خصوصا فى تلك الخواص وتعينا لبعض محتملاتها فكذلك مميزات الانواع خصوصا فى خواص اجناسها وان تكون معانى

معانی واثرات کا حال ہے جو ہر خاص و عام میں مترتب ہوتی رہتی ہیں اور مخصوص طور پر بھی پائے جاتے ہیں اور عام طور پر بھی مثلاً جسم نامی حیوان اور انسان، اور یہ خواص بھی ظاہر تو باہم ملے جلے نظر آتے ہیں لیکن عقل ان کے درمیان فرق معلوم کر کے ان کی اصل چیز کے ساتھ (ان کا رشتہ) ملا دیتی ہے نبی صلعم نے بہت سی چیزوں کے خواص بیان فرمائے اور انکے اثرات کی نسبت و رشتہ انہیں سے ملایا۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا "تلبینہ (حریرہ) مریض کے دل کو فرحت وقوت بخشتا ہے۔ اور یہ کلونجی سوائے موت کے ہر ایک مرض کیلئے شفا ہے"۔ اور ایک جگہ فرمایا کہ اونٹ کا پیشاب اور دودھ، بدہضمی و دست کا علاج ہے"۔ اور فرمایا کہ "شبرم گرم ہوتا ہے"۔ (سوم) صفت تدبیر عالم موالید ہے اسکا نتیجہ یہ ہے کہ زمانہ کی ہر چیز اس نظام کے موافق ہو جو اسکی حکمت پسند کرتی ہے اور اس مصلحت کے مطابق ہو جو اسکی رحمت چاہتی ہے جیسے بادل سے پانی برسایا اور اس سے زمین کا سبزہ نکالکر اسکو ایک مدت معینہ تک کیلئے انسانوں اور چوپایوں کی زندگی کا سبب بنایا اور جیسے حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں پھینکوا کر پھر آگ کو ان کے زندہ رکھنے کیلئے مناسب طور پر سرد کر دیا اور جیسے حضرت ایوبؑ کے بدن میں مرض کا مادہ جمع کیا اور پھر ایک ایسا چشمہ بنایا جس سے انکا مرض دور ہو گیا، اور جیسے خدا نے ایک بار اہل زمین پر نظر کی تو انپر (انکی بداعمالی کی وجہ سے) بہت غصہ ہوا پھر اپنے ایک نبی کو بذریعہ وحی حکم دیا کہ وہ انکو ڈانٹے اور (عذاب سے) چوکنا کر دے اور ان سے جہاد کرے (یہ اسلئے کیا) تاکہ وہ اپنی مرضی کے مطابق جسے چاہے تاریکی (کفر) سے نکالکر روشنی (ایمان) میں لے آئے۔ اور تفصیل اسکی یہ ہے کہ موالید میں ودیعت شدہ قوتیں جو ان سے کبھی جدا نہیں ہوتیں جب آپس میں ملتی اور ٹکراتی ہیں تو حکمت الٰہی ان میں سے ایسے مختلف اطوار و اثرات پیدا کرتی ہے جن میں سے بعض تو جواہر ہوتے ہیں اور بعض اعراض، اور اعراض یا تو ذی نفس چیزوں کے اعمال ہوتے ہیں یا ارادے یا ان دونوں کے علاوہ کوئی اور چیز ہوتے ہیں اور ان اطوار و اثرات میں فی نفسہٖ کوئی شر (قباحت و برائی) ان معنوں میں نہیں کہ جس چیز کو ان کا سبب چاہتا ہے وہ صادر نہیں ہوتی یا یہ کہ جسکو انکا سبب چاہتا ہے اسکے بالکل مخالف صادر ہوتا ہے

هذه المعاني المترتبة في العموم والخصوص كالجسم النامي والحيوان والانسان وهذا الشخص متمازجة متشابكة في الظاهر ثم يدرك العقل الفرق بينها ويضيف كل خاصة الى ما هي خاصة له وقد بين النبي صلى الله عليه وسلم خواص كثير من الاشياء واضاف الآثار اليها كقوله صلى الله عليه وسلم التلبينة مجمة لفؤاد المريض وقوله في الحبة السوداء شفاء من كل داء الا السام وقوله في ابوال الابل والبانها شفاء للذربة بطونهم وقوله في الشبرم حار جار- والثالثة تدبير عالم المواليد ومرجعه الى تصيير حوادثها موافقة للنظام الذي ترتضيه حكمته مفضية الى المصلحة التي اقتضاها جوده كما انزل من السحاب مطرا واخرج به نبات الارض ليأكل منه الناس والانعام فيكون سببا لحياتهم الى اجل معلوم وكما ان ابراهيم صلوات الله عليه القي في النار فجعلها الله بردا وسلاما ليبقى حيا وكما ان ايوب عليه السلام كان اجتمع في بدنه مادة المرض فانشاء الله تعالى عينا فيها شفاء مرضه وكما ان الله تعالى نظر الى اهل الارض فمقتهم عربهم وعجمهم فاوحى الى نبيه صلى الله عليه وسلم ان ينذرهم ويجاهدهم ليخرج من شاء من الظلمات الى النور وتفصيل ذلك ان القوى المودعة في المواليد التي لا تنفك عنها لما تزاحمت وتصادمت اوجبت حكمة الله حدوث اطوار مختلفة بعضها جواهر وبعضها اعراض والاعراض اما افعال وارادات من ذوات الانفس وغيرهما وتلك الاطوار لا شر فيها بمعنى عدم صدور ما يقتضيه سببه او صدور ضد ما يقتضيه والشئ اذا اعتبر بسببه المقتضي لوجوده كان حسنا لا محالة كالقطع حسن من حيث انه يقتضيه جوهر الحديد وان كان قبيحا من حيث فوت بنية انسان لكن فيها شر بمعنى حدوث شئ غيره اوفق بالمصلحة منه

ہے ہدایہ تو ایک عام اصول ہے کہ) اگر کسی چیز کے وجود میں اسکے اصل سبب مقصد پر غور کیا جائے تو وہ لامحالہ اچھی اور مفید نظر آئیگی، دیکھو کسی چیز کا کاٹنا یا مثلاً لوہے کا کاٹنا اس وجہ سے اچھا اور حسن ہے کہ لوہے کا یہی تقاضا ہے گو اس لحاظ سے برا ہے کہ اس سے انسانی معاشرہ ختم ہو جاتا ہے، ہاں ...

پہلی چیز سے کمتر ہو (یعنی خوبتر کی جگہ کم درجہ کی چیز پیدا ہو) یا کوئی ایسی چیز سرے سے پیدا ہی نہ ہو جسکے اثرات عمدہ ہوں اور جب اس قسم کے شر کے اسباب تیار ہو جاتے ہیں تو خدا کی وسیع رحمت اور لطف عام اور قدرت کاملہ اور علم محیط کا یہ تقاضا ہوتا ہے کہ وہ ان قوتوں اور ان چیزوں میں جو ان قوتوں کی حامل و مالک ہیں، قبض بسط احالہ اور الہام کے ذریعہ سے کچھ تصرف کرے تاکہ ان سے انکا اصل مقصد و مطلوب حاصل ہو جائے، قبض کی مثال وہ ہے جسکا اس حدیث میں ذکر ہے کہ "دجال مرد مؤمن کو دوبارہ قتل کرنا چاہیگا لیکن خدا اسکو قتل کی قدرت نہ دیگا باوجودیکہ اسباب و سامان قتل سب اسکے پاس صحیح و سالم موجود ہوگا" اور بسط کی مثال یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے حضرت ایوب کیلئے فرشتہ کی ٹھوکر سے چشمہ پیدا کر دیا حالانکہ عام طور پر ایسا نہیں ہوا کرتا کہ محض ٹھوکر مارنے سے چشمہ جاری ہو جایا کرے، اور اسی طرح اپنے بعض مخلص بندوں کو جہاد میں ایسے ایسے کاموں کی قدرت دی جنکا ان کے سے بدن والوں بلکہ ان سے دگنے تگنے بدن والوں سے سرانجام پانا عقل میں نہیں آتا، اور جو احالہ ہے اس کی مثال یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کے لئے آگ کو خوشگوار اور فرحت بخش ہوا بنا دیا تھا اب رہا الہام تو اسکی مثال حضرت خضرؑ کا قصہ ہے کہ انہوں نے کشتی کو توڑا، دیوار کو سیدھا کیا اور لڑکے کو قتل کیا، نیز کتابوں اور احکام کا انبیاء پر نازل ہونا بھی الہام ہے، اور الہام کبھی خود اس شخص کو ہوتا ہے جو اس معاملہ میں گرفتار (ضرور تمند) ہوتا ہے اور کبھی اسکیلئے کسی اور کو ہو جاتا ہے اور قرآن مجید نے تدبیر کی اتنی انواع و اقسام بیان کی ہیں کہ ان سے زیادہ کوئی بیان ہی نہیں کر سکتا

باب عالم مثال کے بیان میں

معلوم ہونا چاہیے کہ بہت سی احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اس عالم عنصری (مادی دنیا) کے علاوہ ایک اور ایسا عالم موجود ہے جسمیں معنوی (مخفی) چیزیں (مثلاً صفات انسانی وغیرہ) اپنی صفت کے مناسب جسم میں ظہور کیا کرتی ہیں اور زمین میں پائے جانے سے پیشتر ہر چیز پہلے وہاں موجود ہوتی ہے پس جب پائی جاتی ہے تب ایک طرح سے یہ وہی ہوتی ہے اور بہت سی ایسی چیزیں ہیں جنکا عام لوگوں کے نزدیک جسم نہیں ہے وہ وہاں آتی جاتی ہیں لیکن لوگوں کو دکھائی نہیں دیتیں، چنانچہ نبی صلعم نے فرمایا کہ جب خدا نے رحم (رشتہ مہربانی) کو پیدا کیا تو وہ کھڑا ہو کر یہ کہنے لگا کہ یہاں اسکا ٹھکانا ہے جو قطع رحم کیسے (ناطہ توڑے) میں تجھ سے ڈرتا اور تیری پناہ مانگتا ہے، اور فرمایا کہ "سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران قیامت کے دن اسطرح سے آئینگی کہ گویا وہ دو بدلیاں ۲

باعتبار الاٰثار او عدم حدوث شئ اٰثاره محمودة واذا تهيأت اسباب هذا الشر اقتضت رحمة الله بعباده ولطفه بهم وعموم قدرته على الكل وشمول علمه بالكل ان يتصرف فى تلك القوى والامور الحاملة لها بالقبض والبسط والاحالة والالهام حتى تفضى تلك الجملة الى الامر المطلوب اما القبض فمثاله ما ورد فى الحديث ان الدجال يريد ان يقتل الصيد المؤمن فى المرة الثانية فلا يقدره الله تعالى عليه مع صحة داعية القتل وسلامة ادواته واما البسط فمثاله ان الله تعالى انبع عينا لايوب صلوات الله عليه بركضة الارض وليس فى العادة ان تفضى الركضة الى نبوع الماء واقدر بعض المخلصين من عباده فى الجهاد على ما لا يتصوره العقل من مثل تلك الابدان ولا من اضعافها، واما الاحالة فمثالها جعل النار هواء طيبة لابراهيم عليه السلام، واما الالهام فمثاله قصة خرق السفينة واقامة الجدار وقتل الغلام وانزال الكتب والشرائع على الانبياء عليهم السلام والالهام تارة يكون للمبتلى وتارة يكون لغيره لاجله والقراٰن العظيم بين انواع التدبير بما لا مزيد عليه -

باب ذكر عالم المثال

اعلم انه دلت احاديث كثيرة على ان فى الوجود عالما غير عنصرى تتمثل فيه المعانى باجسام مناسبة لها فى الصفة وتتحقق هنالك الاشياء قبل وجودها فى الارض نحوا من التحقق، فاذا وجدت كانت هى هى بمعنى من معانى هو هو، وان كثيرا من الاشياء مما لا جسم لها عند العامة تنتقل وتنزل ولا يراها جميع الناس، قال النبى صلى الله عليه وسلم لما خلق الله الرحم قامت فقالت هذا مقام العائذ بك من القطيعة" وقال ان البقرة وال عمران تاتيان يوم القيامة كانهما غمامتان او غيايتان او فرقان من طير صواف تحاجان عن اهلهما" وقال تجئ الاعمال

پہلے نماز آئیگی پھر صدقہ پھر روزے الخ اور فرمایا کہ نیکی اور بدی دو مجسم
چیزیں بنکر قیامت کے روز کھڑی ہونگی نیکی تو اپنے کرنیوالوں کو خوشخبری دیگی
اور بدی کہیگی بچو! بچو! لیکن وہ (بد لوگ) اس سے بچ نہ سکیں گے" اور
فرمایا کہ "قیامت کے روز خداوند تعالیٰ تمام دنوں کو تو جوں کا توں لائیگا لیکن جمعہ کے
دن کو نہایت چمک دمک سے ظاہر کریگا۔" اور فرمایا کہ "دنیا قیامت کے
روز ایک ایسی ادھیڑ عمر بڑھیا کی صورت میں لائی جائیگی جس کے
نیلے نیلے دانت ہونگے اور پھیلا ہوا بدنما منہ ہوگا۔" اور فرمایا کہ "اے
لوگو! جسکو میں دیکھتا ہوں کیا وہ تم کو بھی نظر آتا ہے میں تو تمہارے گھروں
میں مینہ کی طرح فتنے و فساد برستے دیکھتا ہوں"۔ اور حدیث معراج
میں یہ فرمایا کہ "یکایک مجھکو چار نہریں دکھلائی دیں دو باطنی اور دو
ظاہری، تو میں نے پوچھا کہ اے جبرئیل! یہ کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ
یہ دو باطنی نہریں جنت میں ہیں اور جو باقی دو جو ظاہری ہیں وہ نیل
اور فرات ہیں"۔ اور سورج گہن کی حدیث میں آپنے یہ فرمایا کہ "مجھکو جنت
و دوزخ کی صورت دکھائی گئی"۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ "قبلہ کی
(یعنی سامنے کی) دیوار اور میرے درمیان (جنت و دوزخ کی صورت
دکھائی گئی)"۔ اور اسی حدیث میں یہ بھی ہے کہ "آپنے جنت (کے پھلوں)
کا ایک خوشہ لینے کے لئے اپنا ہاتھ بڑھایا"۔ اور یہ بھی ہے کہ "آپ (دوزخ کی)
آگ کی گرمی سے اُف اُف کرتے ہوئے پیچھے ہٹے اور اس آگ میں حاجیوں کا
مال چرانیوالے کو دیکھا اور اس عورت کو بھی دیکھا جس نے کسی بلی کو
باندھ کر بھوکا پیاسا مارا تھا، اور جنت میں اُس رنڈی کو دیکھا جس نے
پیاسے کتے کو پانی پلایا تھا، اور یہ ظاہر ہے کہ (آنحضرتؐ اور محراب
مسجد کا) وہ (درمیانی) فاصلہ جنت و دوزخ کی اس مقدار کی جو
سب کو معلوم ہے کہاں گنجائش رکھ سکتا ہے۔ اور ایک جگہ آپنے فرمایا
کہ "جنت ایسی تکلیف دہ چیزوں سے گھری ہوئی ہے جو نفس کو ناگوار ہیں
اور دوزخ ایسی لذت والی چیزوں سے جن کی نفس کو خواہش ہے پھر
جبرئیلؑ نے کہا کہ لو اب انکو دیکھو۔ اور آپنے یہ بھی فرمایا کہ "جب بلا نازل
ہوتی ہے تو دعا اس سے لڑتی اور اسکو روکتی ہے"۔ اور فرمایا کہ اللہ نے
عقل کو پیدا کر کے یہ کہا کہ سامنے آ، تو وہ آگئی اور پھر کہا کہ چلی جا تو
وہ چلی گئی"۔ اور فرمایا کہ "یہ دو کتابیں پروردگار عالم کیطرف سے (ارسال
کردہ) ہیں" الخ اور فرمایا کہ "موت کو ایک مینڈھے کی شکل میں لاکر جنت اور دوزخ کے درمیان ذبح کر دیا جائیگا"۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "ہم
نے مریم کے پاس اپنا ایک فرشتہ بھیجا تو وہ انکو ایک جوان آدمی کی شکل میں دکھائی دیا"۔ اور حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ جبرئیلؑ آنحضرتؐ کے پاس ع
ہوتا ہے یا ثابت نکلے" اور یہ کہ "قبر میں فرشتے (کافر) میت کو لوہے کے گرزوں اور ہتھوڑوں سے اسطرح مارتے ہیں کہ اس (کافر) کی چیخ کو

يوم القيمة فتجئ الصلوة ثم تجئ الصدقة ثم تجئ الصيام" الحديث
وقال ان المعروف والمنكر لخليقتان تنصبان للناس يوم
القيامة فاما المعروف فيبشر اهله واما المنكر فيقول اليكم
اليكم ولا يستطيعون له الا لزوما، وقال ان الله تعالى يبعث
الايام يوم القيامة كهيئتها ويبعث الجمعة زهراء منيرة
وقال "يؤتى بالدنيا يوم القيامة فى صورة عجوز شمطاء
زرقاء انيابها مشوه خلقها" وقال هل ترون ما ارى فانى
لارى مواقع الفتن خلال بيوتكم كمواقع القطر" وقال
فى حديث الاسراء "فاذا اربعة انهار نهران باطنان و
نهران ظاهران فقلت ما هذا يا جبريل؟ فقال اما
الباطنان ففى الجنة واما الظاهران فالنيل والفرات وقال
فى حديث صلاة الكسوف صورت لى الجنة والنار وفى لفظ
بينى وبين جدار القبلة، وفيه انه بسط يده ليتناول
عنقودا من الجنة وانه تكعكع من النار ونفخ من حرها
ورأى فيها سارق الحجيج والمرأة التى ربطت الهرة حتى
ماتت ورأى فى الجنة امرأة مومسة سقت الكلب ومعلوم
ان تلك المسافة لا تتسع للجنة والنار باجسامهما المعلومة عند
العامة. وقال حفت الجنة بالمكاره وحفت النار بالشهوات
ثم امر جبريل ان ينظر اليهما وقال ينزل البلاء فيعالجه الدعاء
وقال خلق الله العقل فقال له اقبل فاقبل وقال له ادبر
فادبر، وقال هذان كتابان من رب العالمين الحديث، و
قال يؤتى بالموت كانه كبش فيذبح بين الجنة والنار و
قال تعالى فارسلنا اليها روحنا فتمثل لها بشرا سويا واستفاض
فى الحديث ان جبريل كان يظهر للنبى صلى الله عليه وسلم
ويتراءى له فيكلمه ولا يراه سائر الناس وان القبر يفسح
سبعين ذراعا فى سبعين او يضم حتى تختلف اضلاع المقبور
وان الملائكة تنزل على المقبور فتسأله وان عمله يتمثل له
وان الملائكة تنزل الى المحتضر بايديهم الحرير او المسح و
ان الملائكة تضرب المقبور بمطرقة من حديد فيصيح صيحة

مشرق سے مغرب تک (سوائے جن وانس کے) سب سنتے ہیں"۔ اور یہ کہ "ہر کافر پر اسکی قبر میں ننانوے زہریلے اژدھے مسلط کئے جاتے ہیں تاکہ وہ اسکو قیامت کے آنے تک نوچتے اور ڈستے رہیں"۔ اور فرمایا کہ "جب مردہ کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو اُسے آفتاب غروب ہوتا ہوا معلوم ہوتا ہے تب وہ بیٹھ کر آنکھیں ملنے لگتا ہے اور فرشتوں سے کہتا ہے کہ مجھے چھوڑ دو تو سہی میں ذرا نماز تو پڑھ لوں"۔ اور حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ "خداوند تعالیٰ قیامت میں اہل محشر کو مختلف صورتوں میں اپنی تجلی دکھائیگا" اور یہ کہ "نبی صلعم خداوند تعالیٰ کے پاس جائینگے اور وہ اپنی کرسی پر (جلوہ افروز) ہوگا"۔ اور یہ کہ "خداوند تعالےٰ ابن آدم سے دوبدو کلام کریگا"۔ اس کے علاوہ اور بہت سی احادیث ہیں جنکا شمار نہیں ہوسکتا۔ **اب ان** احادیث کا دیکھنے والا تین حال سے خالی نہیں۔ یا تو انکے ظاہری معنی کا مُقر ہو کر ایک اور عالم ثابت کریگا جسکا حال ہم نے ذکر کیا۔ چنانچہ اہلحدیث کا یہی دستور ہے جیسے علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے فرمایا کہ میں تو اسی کا قائل ہوں اور یہی میرا مذہب ہے"۔ یا وہ یوں کہیگا کہ یہ چیزیں محض حس بصر میں دکھائی دیتی ہیں اور اصل میں انکا کچھ بھی وجود نہیں۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے بھی اس آیت "اس روز کا انتظار کرو جس روز آسمان کھلا کھلا دھواں لائیگا" کی تفسیر میں ایسا ہی کہا ہے کہ ان کے زمانہ میں قحط سالی ہوگئی تھی اسوقت جب کوئی آسمان کی طرف دیکھتا تھا تو بھوک کیوجہ سے اسکو دھواں سا نظر آتا تھا"۔ اور ابن ماجشون سے منقول ہے کہ جس حدیث میں بھی خداوند تعالیٰ کی نسبت قیامت کے روز نقل و حرکت کرنے یا رویت و تجلی کا ذکر آیا ہے تو اس سے یہ مراد ہے کہ خداوند تعالیٰ اپنے بندوں کی نگاہ بدلدے گا جس سے وہ اسکو آسمان سے اترتا اور تجلی کرتا دیکھیں گے اور یوں سمجھیں گے کہ وہ ان سے کلام کر رہا ہے حالانکہ وہ اپنی اسی عظمت سے ہے نہ اترتا ہے نہ کوئی اور نقل و حرکت کرتا ہے، اور یہ سب اسلئے ہے کہ انکو معلوم ہوجائے کہ اللہ تعالےٰ ہر چیز پر قادر ہے"۔ یا یوں کہیگا کہ ان احادیث سے کچھ اور معنی مراد ہیں اور ان معنی کو سمجھنے کیلئے یہ مثالیں بیان کی گئی ہیں لیکن میرا یہ خیال ہے کہ یہ تیسرا قول کسی اہل حق کا نہیں، **امام غزالی** نے عذاب قبر کے باب میں ان تینوں مقامات کیصورت (بہت اچھی طرح) بیان کی ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کی احادیث کے ظاہری معنی تو صحیح ہیں لیکن انکے اسرار پوشیدہ ہیں جو اہل بصیرت پر یہ سب بالکل واضح ہیں، لہذا جس کو انکے اسرار معلوم نہ ہوں اور اصل حقیقت کا علم نہ ہو تو اسے انکے ظاہری معنوں کا انکار نہیں ہے۔

يسمعها ما بين المشرق والمغرب، وقال النبي صلى الله عليه وسلم ليسلط على الكافر في قبره تسعة وتسعون تنينا تنهسه وتلدغه حتى تقوم الساعة وقال اذا دخل الميت القبر مثلت له الشمس عند غروبها فيجلس يمسح عينيه ويقول دعوني اصلي واستفاض في الحديث ان الله تعالى يتجلى بصور كثيرة لاهل الموقف وان النبي صلى الله عليه وسلم يدخل على ربه وهو على كرسيه وان الله تعالى يكلم ابن آدم شفاها الى غير ذلك مما لا يحصى كثرة والناظر في هذه الاحاديث بين احدى ثلاث اما ان يقر بظاهرها فيضطر الى اثبات عالم ذكرنا شانه وهذا هي التي تقتضيها قاعدة اهل الحديث نبه على ذلك السيوطي رحمه الله تعالى وبها اقول واليها اذهب ويقول ان هذه الوقائع تتراءى لحس الرائي وتتمثل له في بصره وان لم تكن خارج حسه وقال بنظيره ذلك عبد الله ابن مسعود في قوله تعالى يوم تاتي السماء بدخان مبين انهم اصابهم جدب فكان احدهم ينظر الى السماء فيرى كهيئة الدخان من الجوع ويذكر عن ابن الماجشون ان كل حديث جاء في التنقل والرؤية في المحشر فمعناه انه يغير ابصار خلقه فيرونه نازلا متجليا ويناجي خلقه ويخاطبهم وهو غير متغير عن عظمته ولا متنقل ليعلموا ان الله على كل شئ قدير او يجعلها تمثيلا لتفهيم معان اخرى ولست ارى المقتصر على الثالث من اهل الحق، وقد صور الامام الغزالي في عذاب القبر تلك المقامات الثلاث حيث قال مثال هذه الاخبار لها ظواهر صحيحة واسرار خفية ولكنها عند ارباب البصائر واضحة فمن لم ينكشف له حقائقها فلا ينبغي ان ينكر ظواهرها بل اقل درجات الايمان التسليم والتصديق فان قلت فنحن نشاهد الكافر في قبره مدة ونراقبه ولا نشاهد شيئا من ذلك فما وجه التصديق على خلاف المشاهدة فاعلم ان لك ثلاث مقامات في التصديق بامثال هذا احدها وهو الاظهر والاصح والاسلم ان تصدق بانها موجودة وهي تلدغ الميت ولكنك لا تشاهد ذلك فان هذه العين لا تصلح لمشاهدة الامور الملكوتية وكل

بھی آخرت سے تعلق رکھتی ہے وہ ملکوتی ہے، دیکھو صحابہؓ نزولِ جبرئیلؑ پر کس
طرح سے ایمان رکھتے تھے حالانکہ وہ ان کو دیکھتے نہیں تھے، اور انکا
اس بات پر بھی ایمان تھا کہ آنحضرتؐ جبرئیلؑ کو دیکھا کرتے ہیں، پس
اگر تم کو اس بات پر ایمان نہیں تو تمہارا ملائکہ اور وحی پر بھی صحیح طور
سے ایمان لانا بڑا مشکل ہے (لہذا پہلے اسکی تجدید و تصحیح ضروری ہے) اور اگر
تم کو ایمان ہے اور تمہارے نزدیک ممکن ہے کہ ایک چیز امت کو نظر نہ آئے
لیکن آنحضرتؐ کو دکھائی دے تو پھر میت کی بابت اسکے تسلیم کرنے
میں تمکو کیوں تردد ہے اور جس طرح فرشتے آدمی اور حیوانات کے مشابہ
نہیں اسی طرح وہ سانپ اور بچھو جو میت کو ڈستے ہیں ہمارے عالم
(عنصری) کے سانپ بچھوؤں کیطرح نہیں بلکہ وہ کسی اور جنس کے
ہیں اور کسی اور قسم کی (قوت) حس سے ادراک (و علم) میں آسکتے ہیں،
دوسرا حال یہ ہے کہ سونے والے کی حالت تو تم کو یاد ہوگی کہ وہ
خواب میں سانپ کو ڈستے دیکھتا ہے اور اس کی تکلیف و ایذا بھی اسکو
محسوس ہوتی ہے جس طرح کہ جلنے کو محسوس ہوتی ہے یہاں تک کہ
تم اسکو چیختے ہوئے اور ماتھے پر پسینہ آتے ہوئے دیکھتے ہو اور کبھی
وہ اپنی جگہ سے اچھل بھی پڑتا ہے یہ سب باتیں وہی دیکھتا اور محسوس
کرتا ہے لیکن ظاہر میں تم اسکو وہیں خاموش پڑا دیکھتے ہو نہ اسکے گرد
اپنے نزدیک [illegible] نہ بچھو حالانکہ اس کے لحاظ سے سانپ بھی اسکے پاس
موجود ہیں اور بچھو بھی، اور تکلیف بھی اُسے برابر محسوس ہو رہی ہے
لیکن یہ سب باتیں تمہارے لحاظ سے مشاہدہ سے باہر ہیں اور جب سزا
و عذاب دراصل ڈسنے کی تکلیف سے ہوتا ہے تو پھر خیالی سانپ ہونے
یا حقیقی سانپ ہونے سے (اسمیں) کیا فرق پڑ جاتا ہے؟ **تیسرا حال**
یہ ہے کہ تم خوب جانتے ہو کہ سانپ بذاتِ خود کچھ تکلیف وضرر نہیں
دیتا بلکہ جس چیز سے تم کو درد و تکلیف پہنچتی ہے وہ اسکا زہر ہے پھر زہر
بھی بذاتِ خود کچھ (باعث) تکلیف نہیں بلکہ اس سے جو اثر حاصل ہوتا ہے
دراصل وہی (باعث) تکلیف ہے تو اگر سوائے زہر کے چاہے کسی اور چیز
سے یہ اثر حاصل ہو تو وہ بھی ایک قسم کی تکلیف و عذاب ہوگا جو اس سے
کسی طرح کم نہ ہوگا، لیکن اس عذاب (کی تکلیف) کو بغیر ایسے سبب

مایتعلق بالآخرة فهو من عالم الملكوت اما ترى الصحابة رضى
الله عنهم كيف كانوا يؤمنون بنزول جبريل عليه السلام و
ما كانوا يشاهدونه ويؤمنون بانه عليه السلام يشاهده
فان كنت لاتؤمن بهذا فتصحيح اصل الايمان بالملائكة والوحى
اهم عليك وان كنت امنت به وجوزت ان يشاهد النبى صلى
الله عليه وسلم ما لاتشاهده الامة فكيف لاتجوز هذا فى الميت
وكما ان الملك لايشبه الآدميين والحيوانات فالحيات و
العقارب التى تلدغ فى القبر ليست من جنس حيات عالمنا بل
هى جنس اٰخر وتدرك بحاسة اخرى **المقام الثانى** ان
تتذكر امر النائم وانه قد يرى فى نومه حية تلدغه وهو يتالم
بذلك حتى تراه ربما يصيح ويعرق جبينه وقد ينزعج من مكانه
كل ذلك يدركه من نفسه ويتاذى به كما يتاذى اليقظان و
هو يشاهده وانت ترى ظاهره ساكنا ولا ترى حواليه حية و
لاعقربا والحية موجودة فى حقه والعذاب حاصل ولكنه فى
حقك غير مشاهد واذا كان العذاب فى الم اللدغ فلا فرق بين
حية تتخيل وتشاهد -
المقام الثالث - انك تعلم ان الحية بنفسها لاتولم بل الذى
يلقاك منها هو السم ثم السم ليس هو الالم بل عذابك فى
الاثر الذى يحصل فيك من السم فلو حصل مثل ذلك الاثر
من غير سم لكان العذاب قد توفر وكان لايمكن تعريف ذلك
النوع من العذاب الا بان يضاف الى السبب الذى يفضى اليه فى
العادة فانه لو خلق فى الانسان لذة الوقاع مثلا من غير
مباشرة صورة الوقاع لم يمكن تعريفها الا بالاضافة اليه
لتكون الاضافة للتعريف بالسبب وتكون ثمرة السبب حاصلة
وان لم تحصل صورة السبب فى السبب يراد لثمرته لا لذاته وهذه
الصفات المهلكات تنقلب مهلكات موذيات ومؤلمات فى
النفس عند الموت فيكون آلامها كآلام لدغ الحيات من غير
وجودها انتهى

کیطرف نسبت دیئے بیان نہ کرسکیں گے جس سے عام طور پر اسی قسم کی تکلیف محسوس ہوتی ہے جیسے جماع کی لذت اگر انسان کو بغیر عورت سے
صحبت کئے حاصل ہو جائے تو وہ اس کی تعریف مباشرت کیطرف نسبت دیئے بغیر نہیں کرسکتا اور یہ نسبت محض سبب (کے اثر) کی تعریف
کیلئے کرتے ہیں، اور اسلئے کہ سبب کا ثمرہ حاصل و معلوم ہو جائے گو سبب کی صورت حاصل نہو، اور سبب (بیان کرنے) سے اسکا ثمرہ بتانا ہے

باب ذکر الملأ الاعلی

قال الله تعالی۔ الذین یحملون العرش ومن حوله یسبحون بحمد ربهم ویؤمنون به ویستغفرون للذین آمنوا ربنا وسعت کل شیء رحمة وعلما فاغفر للذین تابوا واتبعوا سبیلك وقهم عذاب الجحیم ربنا وادخلهم جنات عدن التی وعدتهم ومن صلح من آبائهم وازواجهم وذریاتهم انك انت العزیز الحکیم وقهم السیئات ومن تق السیئات یومئذ فقد رحمته وذلك هو الفوز العظیم۔ وقال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا قضی الله تعالی الامر فی السماء ضربت الملائکة باجنحتها خضعانا لقوله کانه سلسلة علی صفوان فاذا فزع عن قلوبهم قالوا ماذا قال ربکم قالوا الحق وهو العلی الکبیر وفی روایة اذا قضی امرا سبح حملة العرش ثم سبح اهل السماء الذین یلونهم حتی یبلغ التسبیح اهل هذه السماء الدنیا ثم قال الذین یلون حملة العرش لحملة العرش ماذا قال ربکم فیخبرونهم ماذا قال فیستخبر بعض اهل السموات بعضا حتی یبلغ الخبر اهل هذه السماء وقال رسول الله صلی الله علیه وسلم انی قمت من اللیل فتوضأت وصلیت ما قدر لی فنعست فی صلاتی حتی استثقلت فاذا انا بربی تبارك وتعالی فی احسن صورة فقال یا محمد قلت لبیك رب قال فیم یختصم الملأ الاعلی قلت لا ادری قالها ثلاثا قال فرأیته وضع کفه بین کتفی حتی وجدت برد انامله بین ثدیی فتجلی لی کل شیء وعرفت فقال یا محمد قلت لبیك رب قال فیم یختصم الملأ الاعلی قلت فی الکفارات قال وما هن قلت مشی الاقدام الی الجماعات والجلوس فی المساجد بعد الصلوات واسباغ الوضوء حین الکریهات قال ثم فیم قال قلت فی الدرجات قال وما هن قلت اطعام الطعام ولین الکلام والصلوة باللیل والناس نیام وقال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الله اذا احب عبدا دعا جبرائیل فقال انی احب فلانا فاحبه قال فیحبه جبرائیل ثم ینادی فی السماء فیقول ان الله یحب

باب ملأ اعلیٰ (مقرب و معزز فرشتوں) کے بیان میں

خداوند تعالیٰ فرماتا ہی کہ "عرش کے اٹھانیوالے اور جو اسکے اردگرد (ملائکہ) ہیں اسکی حمد و تعریف کے ساتھ اسکی پاکی و خوبیاں بیان کرتے ہیں اور اسپر ایمان رکھتے ہیں اور مومنوں کے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ای ہمارے رب تونے ہر چیز کو (اپنی) رحمت اور علم سے گھیر لیا ہی (یعنی ہر چیز پر تیری نظر رحمت ہی اور تو ہر چیز کو جانتا ہی) پس تو اپنے ان بندوں کو بخشدے جو تیری طرف رجوع رکھتے ہیں اور تیری (سیدھے) رستے پر چلتے ہیں اور انہیں دوزخ کے عذاب سے بچا، ای ہمارے خداوند! انکو اور انکے باپ داداؤں بیویوں اور اولاد میں سے جو نیک ہو گیا ہو اسکو، ان ہمیشگی کی جنتوں میں داخل فرما، جنکا تونے ان سے وعدہ فرمایا ہے کیونکہ تو ہی زبردست اور حکمت والا ہی، اور (ای ہمارے خداوند!) انکو برائیوں سے بھی بچا اور جسکو بھی تونے اسدن برائیوں سے محفوظ رکھا تو اسپر تونے (بڑا) رحم کیا اور یہی سب سے بڑی کامیابی اور مراد ہے"۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہی کہ "جب خداوند تعالیٰ عرش پر سے کوئی فرمان صادر فرماتا ہی تو ڈر کے مارے فرشتے اپنے بازو اور پر پھڑپھڑاتے ہیں (اور وہ آواز ایسی ہوتی ہی جسطرح گھنٹال یا زنجیر کو صاف چکنے پتھر پر مارنے سے آواز پیدا ہوتی ہی) پھر جب انکے دلوں سے وہ خوف اور اضطراب دور ہو جاتا ہی تو آپس میں پوچھتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے کیا ارشاد فرمایا تھا تو کہتے ہیں کہ (فلانی) حق (بات فرمائی) اور وہی بلند اور برتر ہی"۔ اور ایک روایت میں یوں ہی کہ جب خداوند تعالیٰ کچھ حکم دیتا ہی تو عرش کے اٹھانے والے فرشتے اسکی تسبیح (و پاکی بیان) کرتے ہیں، پھر اس آسمان کے فرشتے جو ان (اوپر والوں) سے متصل ہیں (پھر اسکے بعد ان سے نیچے والے) یہاں تک کہ وہ تسبیح اس نیچے (دنیا) والے آسمان کے فرشتوں تک پہنچتی ہی، پھر عرش کے نیچے والے عرش کے اٹھانیوالوں سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا تھا تب وہ انکو وہ بات بتا دیتے ہیں جو خداوند تعالیٰ نے کہی ہوتی ہی پھر ایک آسمان والے دوسرے آسمان والوں سے پوچھتے ہیں یہاں تک کہ (اسطرح) اس ورلے (دنیا والے) آسمان کے فرشتوں کو بھی وہ خبر پہنچ جاتی ہی"۔ اور ایک جگہ آپ نے فرمایا کہ میں تہجد کیلئے اٹھا تو وضو کرکے جسقدر خدا نے چاہا نماز پڑھی پھر نماز ہی میں اونگھ آ گئی اور میں سو گیا یہاں تک کہ جب خوب بوجھل ہو گیا (اور گہری نیند آ گئی) تو (خواب میں) کیا دیکھتا ہوں کہ خداوند تعالیٰ نہایت پاکیزہ شکل میں تجلی فرما ہی ... نے فرمایا کہ اے محمد ... عرض کیا کہ ای پروردگار حاضر ہوں فرمایا کہ ملأ اعلیٰ (مقرب و معزز فرشتے) کس بارے میں گفتگو کر رہے ہیں میں نے عرض کیا کہ مجھکو خبر نہیں ...

فلاناً فاحبوه فيحبه اهل السماء ثم يوضع له القبول في الارض واذا ابغض عبداً دعا جبرائيل فيقول اني ابغض فلاناً فابغضه قال فيبغضه جبرائيل ثم ينادي في اهل السماء ان الله يبغض فلاناً فابغضوه قال فيبغضونه ثم يوضع له البغضاء في الارض وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم الملائكة يصلون على احدكم ما دام في مجلسه الذي صلى فيه يقولون اللهم ارحمه اللهم اغفر له اللهم تب عليه ما لم يؤذ فيه ما لم يحدث فيه قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما من يوم يصبح العباد فيه الا ملكان ينزلان فيقول احدهما اللهم اعط منفقاً خلفاً ويقول الآخر اللهم اعط ممسكاً تلفاً اعلم انه قد استفاض من الشرع ان لله تعالى عباداً هم افاضل الملائكة ومقربو الحضرة لا يزالون يدعون لمن اصلح نفسه وهذبها وسعى في اصلاح الناس فيكون دعاؤهم ذلك سبب نزول البركات عليهم ويلعنون من عصى الله وسعى في الفساد فيكون لعنهم سبباً لوجود حسرة وندامة في نفس العامل والهامات في صدور الملأ السافل ان يبغضوا هذا المسيء ويسيئوا اليه اما في الدنيا او حين يتخفف عنه جلباب بدنه بالموت الطبيعي وانهم يكونون سفراء بين الله وبين عباده وانهم يلهمون في قلوب بني آدم خيراً اي يكونون اسباباً لحدوث خواطر الخير فيهم بوجه من وجوه السببية وان لهم اجتماعات كيف شاء الله وحيث شاء الله يعبر عنهم باعتبار ذلك بالرفيق الاعلى والندي الاعلى والملأ الاعلى وان الارواح الفاضلة للآدميين دخولاً فيهم ولحوقاً بهم كما قال الله تعالى يا ايتها النفس المطمئنة ارجعي الى ربك راضية مرضية فادخلي في عبادي وادخلي جنتي وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم رأيت جعفر بن ابي طالب ملكاً يطير في الجنة مع الملائكة بجناحين وان هنالك ينزل القضاء ويتعين الامر المشار اليه بقوله تعالى فيها يفرق كل امر حكيم وان هنالك تتقرر الشرائع بوجه من الوجوه، واعلم ان الملأ الاعلى ثلاثة اقسام، قسم علم الحق ان نظام الخير يتوقف عليهم فخلقهم اجساماً

اس سے محبت رکھو، پس اس سے آسمان کے باقی تمام لوگ بھی محبت کرنے لگتے ہیں، پھر اسکے لئے زمین میں بھی مقبولیت پھیلا دیجاتی ہے (یعنی اسکی محبت انکے دلوں میں سما جاتی ہے)، اور جب خدا کو کسی سے نفرت ہوتی ہے تو جبرئیل کو بلا کر یہ فرما دیتا ہے کہ مجھے فلاں سے نفرت ہے تم بھی اس سے نفرت کرو، فرمایا کہ پھر جبرئیل بھی نفرت کرنے لگتے ہیں اور پھر آسمان کے تمام لوگوں میں منادی کر دیجاتی ہے کہ فلاں شخص سے خداوند تعالیٰ کو نفرت ہے تم سب بھی اس سے نفرت کرو، پس سب نفرت کرنے لگتے ہیں، پھر وہ نفرت زمین پر بھی پھیلتی ہے"۔ اور فرمایا کہ "جب تک تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھ کر وہیں اپنی جگہ بیٹھتا رہتا ہے تو فرشتے اسکے لئے اسوقت تک دعا کرتے رہتے ہیں جبتک کہ وہ ایذا نہیں دیتا اور جبتک کہ حدث نہیں کرتا، اور یوں کہتے ہیں کہ یا الٰہی! اسپر رحم فرما یا الٰہی! اسکو بخشدے یا الٰہی! اسپر رحمت سے توجہ فرما"۔ اور فرمایا کہ "ہر صبح کو دو فرشتے اترتے ہیں انہیں سے ایک یہ کہتا ہے کہ یا الٰہی اد دینے والے اور خرچ کرنیوالے کو اسکے بدلے میں اور دے (یعنی اسکو مال اور دے) اور دوسرا کہتا ہے کہ یا الٰہی! مال روک رکھنے والے (بخیل) کو ٹوٹا دے اور اسکا مال تباہ کر"۔ واضح ہو کہ شرع سے یہ بات ثابت ہے کہ خداوند تعالیٰ کے کچھ عمدہ بندے ہیں جو کہ بلند مرتبہ فرشتے اور اسکے دربار کے مقرب لوگ ہیں جو شخص اپنے آپکو نیک بناتا ہے اور اپنے نفس کو بھی تمام عیبوں سے پاک کرکے نیک و پاکیزہ اخلاق والا بناتا ہے اور لوگوں کی اصلاح و رفاہ عام میں کوشش کرتا رہتا ہے تو وہ فرشتے اس کیلئے ہمیشہ دعائے خیر کرتے رہتے ہیں، اور انکی یہی دعا انپر رحمت و برکت کے نزول کا سبب بنتی ہے اور یہی فرشتے خدا کے نافرمان اور مفسد لوگوں پر لعنت اور بد دعا کرتے ہیں اور انکی یہ بد دعا اور لعنت ایسی بدکار لوگوں کے دل میں حسرت اور ندامت کے وجود کا سبب بنتی ہے، اور اسی کے سبب سے ملأ سافل (نچلے فرشتوں یعنی زمین و آخری آسمان والوں) کے دلوں میں یہ بات الہام ہوتی ہے کہ اس بدکار سے بغض و نفرت رکھیں، اور یہ کہ اس کے ساتھ برائی سے پیش آئیں یا تو دنیا میں (اسکے جیتے جی) ورنہ اسوقت جبکہ فطری موت کے سبب سے بدن کا ڈھانچہ اس سے جدا ہو جاتا ہے (اور اسکی روح قفس عنصری سے پرواز کر جاتی ہے)، اور یہ فرشتے خداوند تعالیٰ اور اسکے بندوں کے درمیان بطور سفیر اور ایلچی کے کام کرتے ہیں، اور بنی آدم کے دلوں میں نیک باتیں الہام کرتے رہتے ہیں یعنے وہ کسی نہ کسی طریقہ سے دل کے نیک خیالات و ارادت کا سبب بنجاتے ہیں اور جسطرح خداوند تعالیٰ چاہتا ہے اور جس جگہ چاہتا ہے انکو جمع کرکے انکے اجتماعات قائم فرماتا ہے، اور اسی کیفیت

پیدا کرکے ان میں ارواح پاک ڈالدیں۔ دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو عناصر کے لطیف و خفیف بخارات میں ایک خاص قسم کے مزاج و آمیزش کے پیدا ہونے کے سبب بنتے ہیں اور اُن پر اُن نفوس عالیہ کا فیضان ہوتا ہے جو آلائش بہیمیہ سے جلدی الگ ہو جاتے ہیں تیسری قسم اُن نفوس انسانیہ کی ہے جو ملاء اعلیٰ سے بہت ہی قریب ہیں اور وہ ایسے ایسے نیک اعمال کرتے رہتے ہیں جو ان (ملاء اعلیٰ) سے جاملنے کیلئے انکے حق میں ممد ثابت ہوتے ہیں۔ اور آخر کار جب لباس بدن (انکی روح سے) اتر جاتا ہے تو وہ انہیں میں جا شامل ہوتے ہیں اور انکا شمار بھی انہیں میں ہونے لگتا ہے۔ اور ملاء اعلیٰ کا اصلی کام یہ ہے کہ وہ ہر وقت اپنے پروردگار کی طرف متوجہ رہیں اور کوئی شغل انکو اس سے روک نہ سکے۔ اور اس قول الٰہی کہ وہ (ملاء اعلیٰ) اپنے پروردگار کی تعریف کرتے ہوئے اسکی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں اور اسپر (پورا پورا) ایمان بھی رکھتے ہیں۔" کا یہی مطلب ہے اور خدا کی طرف سے انکے دلوں میں یہ بات بھی ڈالی جاتی ہے کہ وہ نظام صالح (عمدہ انتظام) کو اچھا سمجھیں اور پسند کریں (جسکی کہ انہیں خدمت عطا ہوئی ہے) اور یہ کہ غیر صالح نظام (جو کہ خلاف الٰہی ہے) کو بُرا جانیں اور اس سے نفرت کریں اور اس کلام الٰہی کہ "وہ مؤمنوں کے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں" کا یہی مطلب ہے۔ اور ملاء اعلیٰ کے جو بلند مرتبہ اور اعلیٰ لوگ ہوتے ہیں انکے انوار اس روح کے پاس آکر جمع ہوتے اور آپس میں ملتے ہیں جسکا نبی صلعم نے بہت سی سندوں اور زبانوں کی صفت سے وصف بیان فرمایا ہے پھر وہ سب ملکر وہاں بمنزلہ ایک چیز کے ہوجاتے ہیں۔ اور اسی کا نام حظیرۃ القدس (پاک و مقدس پارلیمنٹ) ہے۔ اور کبھی حظیرۃ القدس میں اس بات کا مشورہ ہوتا ہے کہ بنی آدم کے دینی اور دنیاوی امور کو سرانجام دینے کیلئے اور انکی مشکلات کو دور کرنے کیلئے کسی ایسے شخص کی تکمیل اور اسکے حکم کی تعمیل لوگوں میں کرائی جائے جو اس زمانہ کے سب لوگوں سے افضل ہو پھر اس مشورہ کی وجہ سے مستعد لوگوں کے دلوں میں یہ الہام ہوتا ہے کہ وہ اسکی فرمانبرداری کریں اور ایسی عمدہ قوم بنجائیں جو تمام بنی نوع انسان (کی ہدایت) کیلئے (میدان عمل میں) نکالے جانے کے قابل ہو۔ اور اسی مشورہ کی وجہ سے وہ علوم سکھلائے اور تلقین کئے جاتے ہیں جن سے قوم کی اصلاح اور ہدایت ہوتی ہے یہ الہام کبھی وحی کے ذریعہ ہوتے ہیں کبھی خواب کے ذریعہ اور کبھی غیبی آواز کے ذریعہ اور کبھی اس طرح سے کہ حظیرۃ القدس کے لوگ اس شخص سے (یعنی نبی سے) دو بدو کلام کرتے ہیں اور اسی کی وجہ سے اس (نبی) کے اتباع و رفقاء یعنی اصحاب کی مدد ہوتی ہے اور انکی بھلائی اور بہتری کے اسباب و امکانات بڑھتے جاتے ہیں اور اسکے مخالف اور اللہ کے راستہ سے روکنے والوں پر لعنت ہوتی ہے اور انکی تکلیف

نورية بمنزلة نار موسى فنفخ فيه نفوساً كريمة، وقسم اتفق حدوث مزاج في البخارات اللطيفة من العناصر استوجب فيضان نفوس شاهقة شديدة الرفض للالواث البهيمية، وقسم هم نفوس انسانية قريبة المأخذ من الملأ الاعلى ما زالت تعمل اعمالاً مفيدة لقيد اللحوق بهم حتى طرحت عنها جلابيب ابدانها فانسلكت في سلكهم وعدت منهم، والملأ الاعلى شأنها انها تتوجه الى بارئها توجهاً ممعناً لا يصدها عن ذلك التفات الى شئ، وهو معنى قوله تعالى يسبحون بحمد ربهم ويؤمنون به، وتتلقى من ربها استحسان النظام الصالح واستهجان خلافه فيقع ذلك باباً من ابواب الجزاء الالهي وهو معنى قوله تعالى ويستغفرون للذين آمنوا، وافاضلهم تجتمع انوارهم فتتداخل فيما بينها عند الروح الذي وصفه النبي صلى الله عليه وسلم بكثرة الوجوه والالسنة فتصير هنالك كشئ واحد وتسمى حظيرة القدس، وربما حصل في حظيرة القدس اجماع على اقامة حيلة لنجاة بني آدم من الهلاك واهل المعاشية والمعادية بتكميل ازكى خلق الله يومئذ وتمشية امره في الناس فيوجب ذلك الهامات في قلوب المستعدين من الناس ان يتبعوه ويكونوا امة اخرجت للناس ويوجب تمثل علوم فيها صلاح القوم وصلاحهم في قلبه وحياً ورؤيا وهتفاً وان تتراءى له فتكلمه شفاهاً ويوجب نصر اصحابه وتقريبهم من كل خير ولعن من صد عن سبيل الله وتقريبهم من كل الم، وهذا اصل من اصول النبوة و لهم اجتماع مستمر بتأييد روح القدس وتمر هنالك بركات لم تعهد في العادة فتسمى بالمعجزات، ودون هؤلاء نفوس استوجب فيضانها حدوث مزاج معتدل في بخارات لطيفة لم تبلغ في السعادة مبلغ الاولين فصارت لهم ان تكون فارغة لانتظار ما يترشح من فوقها فاذا ترشح شئ بحسب استعداد القابل تأثير الفاعل انبعثوا الى تلك الامور كما تنبعث الطيور والبهائم بالالهام الطبيعية وهم في ذلك فانون عما يرجع الى انفسهم باقون بما الهموا من فوقهم فيؤثرون في قلوب البشر والبهائم

اس امر کی طرف متوجہ کرتے ہیں جو انکی مراد و مقصود کے مناسب ہوتا ہے
اور بعض طبعیاتی چیزوں کی سرعتِ حرکات اور تبدلات میں بھی اثر کرتے
ہیں جیسے اگر کوئی پتھر حرکت کرتا اور لڑھکتا ہے تو کوئی بزرگ فرشتہ
اسکو عادت سے زیادہ تیز کر دیتا ہے، اور یہ بھی ہوتا ہے کہ جب کوئی شکاری
دریا میں جال ڈالتا ہے تو فرشتوں کی ایک جماعت بعض مچھلیوں کے
دل میں یہ بات ڈالتی ہے کہ اسمیں آپڑو اور بعض کے دل میں یہ بات
ڈالتی ہے کہ بھاگ جاؤ، اور بعض فرشتے رسی کو کھینچتے ہیں اور بعض
پھیلاتے ہیں ان (مچھلیوں) کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ہم یہ کیوں کر رہے
ہیں بلکہ وہ الہام کی تابع ہوتی ہیں، اور کبھی دو لشکر آپس میں لڑتے
ہیں تو فرشتے آکر ان کے دلوں میں شجاعت ثابت قدمی اور غلبہ پانے
کی تدبیریں اور اسی قسم کے خیالات جن سے تیر اندازی اور گولہ بازی
کی تدبیریں بن آئیں، لا ڈالتے ہیں اور دوسروں کے دلوں میں اسکے
برخلاف خیالات (مثلاً بزدلی، ہراسانی اور بدحواسی) پیدا کرتے
ہیں تاکہ مقدر کی بات ظاہر ہو جائے، اور کبھی انکو انسان کو راحت
و آرام یا رنج و الم پہنچانیکا حکم ہوتا ہے تو وہ اس میں بھی ہر طرح کی
کوشش کرتے ہیں، اور ان (فرشتوں) کے برخلاف ایک اور جماعت
بھی ہوتی ہے جنکے کام میں ہلکاپن، غصہ اور برائی ہوتی ہے وہ
(جماعت) سڑے ہوئے تاریک بخارات سے پیدا ہوئی ہے، اور ان کو
شیاطین کہتے ہیں، اور یہی وہ شیاطین ہیں جو ہمیشہ ان فرشتوں کی
کوششوں کے خلاف کوششیں کرتے رہتے ہیں، واللہ اعلم ✤

باب تبدیل نہ ہونے والی سنت الٰہی کے بیان میں

جسکا ذکر اس آیت میں ہے کہ "تم خداوند تعالیٰ کی سنت و طریقہ کو
بدلنے والا نہ پاؤ گے" واضح ہو کہ خداوند تعالیٰ کے بعض افعال
ان قوتوں پر جو عالم میں رکھی گئی ہیں کسی نہ کسی طرح سے مترتب ہوتے
ہیں، عقل و نقل دونوں اسپر شاہد ہیں، رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ "
خداوند تعالیٰ نے آدم کو تمام زمین کی مشتِ خاک سے پیدا کیا ہے اسیوجہ سے
بنی آدم اسی مٹی کے موافق، سرخ اور سیاہ اور انکے بین بین اور نرم (خوش
اور سخت دل) اور بُرے اور اچھے پیدا ہوئے" ایکدفعہ عبداللہ بن سلام نے
آنحضرت سے پوچھا کہ یا رسول اللہ بچہ کس وجہ سے باپ یا ماں کیطرف کھچ
کر [illegible] اسکے مشابہ پیدا ہوتا ہے، تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ جب [illegible] کی منی، ماں کی منی پر [illegible] سبقت کر جاتی ہے تو باپ کے مشابہ [illegible]
[illegible] سبقت کر جاتی ہے تو ماں کے مشابہ ہو جاتا ہے، اور اسمیں [illegible]

فتنقلب اراداتها واحاديث نفوسها الى ما يناسب الامر المراد
ويؤثرون فى بعض الاشياء الطبيعية فى تضاعيف حركاتها و
تحولاتها كما اين حرج حجر فاثر فيه ملك كريم عند ذلك فمشى
فى الارض اكثر مما يتصور فى العادة وربما القى الصيد شبكة فى
النهر فجاءت افواج من الملائكة تلهم فى قلب هذه السمكة
ان تقتحم وهذه ان تهرب وتقبض حبلا وتبسط اخرى
وهى لا تعلم لم تفعل ذلك ولكن تتبع ما الهمت وربما
تقاتلت فئتان فجاءت الملائكة تزين فى قلوب هذه الشجاعة
والثبات باحاديث وخيالات يقتضيها المقام وتلهم حيل
الغلبة وتوبيد فى الرمى واشباهه، وفى قلوب تلك اضداد
هذه الخصال ليقضى الله امرا كان مفعولا، وربما كان لمترشح
ايلام نفس انسانية او تنعيمها فسعت الملائكة كل سعى و
ذهبت كل مذهب ممكن، وبازاء اولئك آخرون اولو
خفة وطيش وافكار مضادة للخير اوجب حدوثهم تعفن
بخارات ظلمانية هم الشياطين لا يزالون يسعون فى
اضداد ما سعت الملائكة فيه والله اعلم

باب ذكر سنة الله التى اشير اليها فى قوله تعالى وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا

اعلم ان بعض افعال الله يترتب على القوى الموضوعة فى العالم
بوجه من وجوه الترتب شهد بذلك النقل والعقل،
قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله خلق آدم من
قبضة قبضها من جميع الارض فجاء بنو آدم على قدر الارض
منهم الاحمر والابيض والاسود وبين ذلك والسهل والحزن
والخبيث والطيب وساله عبد الله بن سلام ما ينزع الولد
الى ابيه او الى امه؟ فقال اذا سبق ماء الرجل ماء المرأة
نزع الولد واذا سبق ماء المرأة ماء الرجل نزعت، ولا
ارى احدا يشك فى ان الامانة تستند الى الضعف [illegible]
او اكل السم وان خلق الولد فى الرحم [illegible]

اور یہ کہ اناج اور درخت تخم ریزی اور آبپاشی کے بعد اگا کرتے ہیں اور اسی
استطاعت کی وجہ سے انسان کو شریعت کا مکلف بنایا گیا اور اسکو اوامر
ونواہی بتا کر اعمال کی جزا و سزا کا مستحق ٹھہرایا گیا ہے، اب ان قوتوں کی
(جن پر خداوند تعالیٰ کے بعض افعال کسی نہ کسی طرح مترتب ہوتے ہیں)
چند اقسام ہیں بعض ان میں سے عناصر کے خواص اور طبائع ہیں (مثلاً
گرمی خشکی، تری وغیرہ) اور بعض ان میں سے وہ احکام ہیں جو خداوند
تعالیٰ نے ہر صورت نوعیہ میں رکھے ہیں، اور بعض ان میں سے عالم مثال
کے احوال اور وہ موجودات ہیں جنکا زمین پر پائے جانے سے پیشتر وہاں حکم ہو چکا
ہوتا ہے، اور بعض ان میں سے ملاء اعلیٰ کی وہ دعائیں ہیں جو وہ شریف
النفس اور مصلح لوگوں کیلئے بڑی جد جہد سے مانگتے ہیں اور انہیں کی وہ
بددعائیں ہیں جو وہ اس کے برخلاف لوگوں (یعنی بروں) کیواسطے
مانگتے ہیں، اور بعض ان میں سے وہ احکام شریعت ہیں جو بنی آدم پر
مقرر ہوئے ہیں اور ان سے واجب و حرام امور کا علم ہوتا ہے پھر انہیں
کی وجہ سے مطیع و فرمانبردار شخص کو تو ثواب ملتا ہے اور عاصی و نافرمان کو عذاب
اور بعض ان میں سے یہ ہے کہ جب خداوند تعالیٰ کسی چیز کے ہونیکا حکم
دیتا ہے تو پھر اس سے کوئی اور بات بھی پیدا ہو جاتی ہے جو پہلی چیز کے وجود
میں لانے کیلئے ضروری ہوتی ہے کیونکہ سنت الٰہی میں انکو لازم و ملزوم بنانا
ہوتا ہے اور اسوجہ سے کہ خداوند تعالیٰ کو عمدہ نظام (کائنات) کا درہم
برہم کرنا منظور نہیں، اسکی سند نبی صلعم کی یہ حدیث ہے کہ جب خداوند تعالیٰ
کو یہ منظور ہوتا ہے کہ فلاں شخص فلاں جگہ مرے تو وہاں اسکے جانیکے لئے کوئی
نہ کوئی حاجت پیدا کر دیتا ہے، یہ سب باتیں احادیث اور عقل سے ثابت
ہیں اور یہ بھی معلوم رہے کہ جب وہ اسباب جن پر حسب عادت الٰہی
قضا و حکم کا جاری ہونا مترتب ہوتا ہے باہم متعارض ہو جائیں اور ان
سب کے تقاضے اور مقصد پورے نہ ہوں تو اسوقت حکمت یہی ہے کہ
جسمیں خیر (بہتری) زیادہ پائی جائے اسی کی رعایت کیجائے (یعنی وہی کام
وقوع پذیر ہو) اور وہ جو میزان (ترازو) کے متعلق حدیث میں کہا گیا ہے
کہ ترازو خدا کے ہاتھ میں ہے جس پلڑے کو چاہتا ہے اونچا کر دیتا ہے جسکو
[illegible] کر دیتا ہے، اس سے اور جو شان (کام) کے بارے میں اس
[illegible] ہر وقت کسی نہ کسی کام میں مصروف رہتا
[illegible] اسباب [illegible]
[illegible]

وان خاق الحبوب والاشجار يكون عقيب البذر والغرس واسقى
ولاجل هذه الاستطاعة جاء التكليف وامروا ونهوا وجوزوا
بما عملوا فتلك القوى منها خواص العناصر وطبائعها، ومنها
الاحكام التي اودعها الله تعالى في كل صورة نوعية، ومنها
احوال عالم المثال والوجود المقضى به هنالك قبل الوجود
الارضي، ومنها ادعية الملأ الاعلى بجهد همهم لمن هذب
نفسه او سعى في اصلاح الناس وعلى من خالف ذلك، ومنها
الشرائع المكتوبة على بني آدم وتحقق الايجاب والتحريم فانها
سبب ثواب المطيع وعقاب العاصي، ومنها ان يقضي الله تعالى
بشيء فيجر ذلك الشيء شيئا آخر لانه لازمه في سنة الله وخرم
اللزوم غير مرضي، والاصل فيه قوله صلى الله عليه وسلم
اذا قضى الله لعبد ان يموت بارض جعل له اليها حاجة،
فكل ذلك نطقت به الاخبار واوجبته ضرورة العقل ثم اعلم
انه اذا تعارضت الاسباب التي يترتب عليها القضاء بحسب
جري العادة ولم يمكن وجود مقتضياتها اجمع كانت الحكمة
حينئذ مراعاة اقرب الاشياء الى الخير المطلق وهذا هو
المعبر عنه بالميزان في قوله صلى الله عليه وآله وسلم بيده
الميزان يرفع القسط ويخفضه وبالشان في قوله تعالى
كل يوم هو في شان ثم الترجيح يكون تارة بحال الاسباب ايها
اقوى، وتارة بحال الآثار المترتبة ايها انفع وبتقديم تدبير
الخلق على باب التدبير ونحو ذلك من الوجوه، فنحن وان قصر
علمنا عن احاطة الاسباب ومعرفة الاحق عند تعارضها
نعلم قطعا انه لا يوجد شيء الا وهو احق بان يوجد ومن
ايقن بما ذكرنا استراح عن اشكالات كثيرة، اما هيآت
الكواكب فمن تاثيرها ما يكون ضروريا كاختلاف الصيف
والشتاء وطول النهار وقصره باختلاف احوال الشمس و
كاختلاف الجزر والمد باختلاف احوال القمر، وجاء في الحديث
اذا طلع النجم ارتفعت العاهة يعني بحسب جري العادة
لكن كون الفقر والغنى والجدب والخصب وسائر حوادث

زندگی کا ستاروں کی خاص خاص حرکات کے باعث وقوع پذیر ہونا
شرع سے ثابت نہیں بلکہ نبی صلعم نے اس بارہ میں دماغ صرف کرنے
سے منع فرمایا ہے چنانچہ فرمایا کہ جس نے کوئی شعبہ نجوم کا حاصل کیا تو اس نے
گویا ایک شعبہ سحر کا حاصل کیا (جو قطعی حرام ہے) اور جہلاء عرب کے اس قول
میں تو نہایت ہی تشدد فرمایا کہ ہم پر فلاں فلاں تارے کے نوء (غروب
ہونے یا طلوع ہونے) سے بارش ہوئی۔ اور ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ شریعت
محمدیہ نے اس بات کی تصریح کر دی ہے کہ خداوند تعالیٰ نے ستاروں میں
کوئی ایسی خاصیت نہیں رکھی جس سے بواسطہ تغیر ہوا (جو ہر طرف پھیلی
ہوئی ہے) کوئی اور شے پیدا نہیں ہوتا یا کوئی اور اسطرح کی بات ظہور میں
نہیں آتی اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ نبی صلعم نے کہانت سے منع فرمایا ہے
(اور کہانت جنوں سے پوچھ پوچھ کر غیب کی خبریں دینے کو کہتے ہیں) اور کاہن
کے پاس جانیوالے اور اسکی تصدیق کرنیوالے سے بڑی بیزاری ظاہر
فرمائی ہے، پھر جب کاہنوں کی حقیقت حال پوچھی گئی تو یوں فرمایا کہ
جو قضائے آسمانی میں بعض فرشتے کچھ باتیں قضاء و قدر کی ذکر کرتے ہیں
تو شیاطین وہ بات لے بھاگتے ہیں، پھر اسکو کاہنوں سے کہتے ہیں آگے وہ
ایک سچ میں سو جھوٹ ملا کر لوگوں سے بیان کر دیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے
فرمایا ہے کہ اے مومنو ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنہوں نے کفر کیا اور
اپنے ان بھائیوں کی بارہ میں جو سفر یا لڑائی پر نکلے تھے (اور مارے گئے تھے)
یہ کہا کہ اگر (ہمارے) یہ (بھائی) ہمارے ہی پاس رہتے (اور باہر نہ نکلتے) تو نہ
مرتے اور نہ قتل ہوتے۔ اور نبی صلعم نے فرمایا ہے کہ تمکو صرف تمہارا عمل
جنت میں نہیں لیجائیگا (بلکہ خدا کا فضل بھی کوئی چیز ہے) اور فرمایا کہ تم تو
مہربان ساتھی رفیق ہو مہربانی و شفقت سے پیش آتے ہو، طبیب اور
معالج خداوند تعالیٰ ہی ہے جو علاج کرتا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ منع کرنے
میں بہت سی مصلحتیں اور بیشمار فوائد ہیں، واللہ اعلم۔

باب (۵) حقیقت روح کے بیان میں

خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ (اے محمد)
لوگ تم سے روح کا حال دریافت کرتے ہیں، تو کہدو کہ روح تو اللہ کے
حکم سے ہے اور تم کو (اسکے بارہ میں) تھوڑا سا علم دیا گیا۔ اعمش نے بروایت
ابن مسعود وما اوتیتم کی جگہ وما اوتوا پڑھا ہے (بصیغہ غائب) جسکے
یہ معنی ہوتے کہ انکو تھوڑا سا علم دیا گیا ہے پس یہاں سے صاف معلوم ہو گیا کہ
... ہوئے تھے اور اس آیت سے صاف طور پر یہ نہیں معلوم ... امانت کو پیش کیا تو وہ اسکے اٹھانے سے ...
... معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی دو روح ہیں ایک نسیم ہوائی یعنی بدن کے بخارات لطیفہ۔

البشر بسبب حركات الكواكب فمما لم يثبت في الشرع وقد
نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن الخوض في ذلك فقال من
اقتبس شعبة من النجوم اقتبس شعبة من السحر وشدد في
قول مطرنا بنوء كذا ولا اقول نصت الشريعة على ان الله
تعالى لم يجعل في النجوم خواص تتولد منها الحوادث بواسطة
تغير الهواء المكتنف بالناس ونحو ذلك وانت خبير بان
النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن الكهانة وهي الاخبار عن
الجن وبرئ عمن اتى كاهنا وصدقه ثم لما سئل عن حال
الكهان اخبر ان الملائكة تنزل في العنان فتذكر الامر
قضى في السماء فتسترق الشياطين السمع فتوحيه الى الكهان
فيكذبون معها مائة كذبة وان الله تعالى قال يا ايها الذين
امنوا لا تكونوا كالذين كفروا وقالوا لاخوانهم اذا ضربوا في
الارض او كانوا غزى لو كانوا عندنا ما ماتوا وما قتلوا وقال
رسول الله صلى الله عليه وسلم لن يدخل احدكم الجنة عمله
وقال انما انت رفيق والطبيب الله وبالجملة فالنهي يبتنى
على مصالح كثيرة والله اعلم

باب حقيقة الروح

قال الله تعالى ويسئلونك عن الروح قل الروح من امر
ربي وما اوتيتم من العلم الا قليلا وقرأ الاعمش من
رواية ابن مسعود وما اوتوا من العلم الا قليلا ويعلم
من هنالك ان الخطاب لليهود السائلين عن الروح وليست
الاية نصا في انه لا يعلم احد من الامة المرحومة حقيقة
الروح كما يظن وليس كل ما سكت عنه الشرع لا يمكن معرفته
البتة بل كثيرا ما يسكت عنه لاجل انه معرفة دقيقة لا
يصلح لتعاطيها جمهور الامة وان امكن لبعضهم، واعلم
ان الروح اول ما يدرك من حقيقتها انها مبدأ الحياة في
الحيوان وانه يكون حيا بنفخ الروح فيه و...
منه ثم اذا امعن في التامل يجد ان ...

جو خالص اور رسالح اخلاط (مرکبات جسمانی مثلاً خون، بلغم، سودا، صفرا) سے قلب میں پیدا ہوتی ہیں، نرقوائے حساسہ و محرکہ ومدبرۂ غذا (بدن) کو اٹھائے پھرتے ہیں اور ان میں طب کا حکم چلتا ہے اور تجربہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان بخارات کا رقیق (پتلا) اور غلیظ (گاڑھا) صاف اور مکدر ہونا ان (مذکورہ) قویٰ پر اور جو افعال ان قویٰ سے پیدا ہوتے ہیں اُن پر ایک خاص اثر ڈالتا ہے، اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب کسی عضو پر یا ان بخارات کی پیدائش و بناوٹ پر جو اُس عضو سے خاص مناسبت رکھتے ہیں کوئی آفت آجاتی ہے تو وہ ان بخارات میں بگاڑ، اور انکے افعال میں گڑبڑ پیدا کر دیتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان بخارات کا پیدا ہونا حیات کا اور تحلیل ہونا، موت کا باعث ہوتا ہے، بادی النظر میں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ روح یہی بخارات ہیں لیکن اگر غائر نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ بخارات تو روح کا ادنیٰ طبقہ ہیں اور انکو بدن سے وہ نسبت ہے جو بو کو گل سے یا آگ کو کوئلہ سے ہوتی ہے، پھر جب ذرا اور غور کیا جائے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ بخارات روح نہیں بلکہ روح حقیقی کا مرکب اور اسکے (بدن سے) متعلق ہونیکا مادہ ہے، اور دلیل اسپر یہ ہے کہ ہم بارہا دیکھتے ہیں کہ لڑکا جوان ہوتا ہے پھر بوڑھا ہوتا ہے اسکے اخلاطِ بدن (جسمانی مرکبات مثلاً خون بلغم وغیرہ) بدلتے جاتے ہیں اور جو روح اور بخارات ان سے پیدا ہوتے ہیں وہ بھی پہلے سے ہزار گنے زیادہ ہو جاتے ہیں پھر وہ لڑکا کبھی چھوٹا ہوتا ہے کبھی بڑا، کبھی سیاہ ہوتا ہے کبھی سفید، کبھی عالم ہوتا ہے کبھی جاہل، اسکے علاوہ اور صدہا حالات اسکے بدلتے رہتے ہیں مگر وہ شخص وہی کا وہی رہتا ہے، اگر یہاں کوئی (اسکے حالات کی تبدیلی نے اور نہ ہونے میں) حیل و حجت کرے تو ہم یوں کہتے ہیں کہ ہم ان تغیرات کو فرضی طور پر تسلیم کرلیتے ہیں ورنہ انمیں تو کچھ شبہ ہی نہیں کہ اس کے حالات متغیر ہوتے رہتے ہیں حالانکہ وہ وہی رہتا ہے یا یوں کہینگے کہ ان احوال کے بحال خود باقی رہنے کا تو ہمکو کسی طرح یقین نہیں لیکن اس لڑکے کی بحال خود باقی رہنے کا یقین کامل ہے، جس سے یہ ثابت ہوا کہ یہ حالات اسکے عوارض ہیں وہ خود نہیں (پس) ثابت ہوا کہ جس چیز سے انسان (زندہ و) قائم رہتا ہے وہ یہ روح (یعنی بخارات) نہیں اور نہ ہی یہ بدن ہے اور نہ وہ مشخصات ہیں جو بادی النظر میں دکھلائی دیتی ہیں بلکہ روح حقیقی ایک ستفرد اور جداگانہ [illegible]

[illegible] نورانی ہے جو ان اطوار متغیرہ اور اطوار متبدلہ [illegible]

متولدا فی القلب من خلاصة الاخلاط يحمل القوى الحساسة والمحركة والمدبرة للغذاء يجرى فيه حكم الطب تكشف التجربة ان لكل من الاحوال هذا البخار من رقته وغلظه وصفائه وكدرته اثرا خاصا فی القوى والافاعيل المنبجسة من تلك القوى وان الأفة الطارئة على كل عضو وعلى توليد البخار المناسب له تفسد هذا البخار وتشوش فاعيله يستلزم تكونه الحياة وتحلله الموت فهو الروح فی اول النظر والطبقة السفلى من الروح فی النظر المعمن، ومثله فی البدن كمثل ماء الورد فی الورد وكمثل النار فی الفحم ثم اذا امعن فی النظر ايضا انجلى ان هذا الروح مطية للروح الحقيقية ومادة لتعلقها وذلك انا نرى الطفل يشب ويشيب تتبدل اخلاط بدنه والروح المتولدة من تلك الاخلاط اكثر من الف مرة ويصغر تارة ويكبر اخرى ويسود تارة ويبيض اخرى ويكون جاهلا مرة وعالما اخرى الى غير ذلك من الاوصاف المتبدلة والشخص هو هو، وان نوقش فی بعض ذلك قلنا ان نفرض تلك التغيرات والطفل هو هو او نقول لا نجزم ببقاء تلك الاوصاف بحالها ونجزم ببقائه فهو غيرها فالشئ الذى هو به هو ليس هذا الروح ولا هذا البدن ولا هذه المشخصات التى تعرف وترى ببادئ الرأى بل الروح فی الحقيقة حقيقة فردانية ونقطة نورانية يجل طورها عن طور هذه الاطوار المتغيرة المتغايرة التی بعضها جواهر وبعضها اعراض وهی مع الصغير كما هی مع الكبير ومع الاسود كما هی مع الابيض الى غير ذلك من المتقابلات ولها تعلق خاص بالروح الهوائی اولا وبالبدن ثانيا من حيث ان البدن مطية النسمة وهی كوة من عالم القدس ينزل منها على النسمة كل ما استعدت له فالامور المتغايرة انما جاء تغيرها من قبل الاستعدادات الارضية بمنزلة حر الشمس يبيض الثوب ويسود القصار وقد تحقق عندنا بالوجدان الصحيح ان الموت انفكاك النسمة عن البدن

لفقد استعداد البدن لتوليدها لا انفكاك الروح القدسی عن النسمة واذا انحللت النسمة فی الامراض لمدنفة وجب فی حکمة الله ان يبقی الشیٔ من النسمة بقدر ما يصح ارتباط الروح الالٰهی بها کما انك اذا امصصت الهواء من القارورة تخلخل الهواء حتی تبلغ الی حد لا تخلخل بعدہٗ فلا تستطيع المص وتنفقئ القارورة وما ذلك الا لسر ناشئ من طبيعة الهواء فکذلك سر فی النسمة وحد لها لا يجاوزها الامر واذا مات الانسان کان للنسمة نشأة اخری فينشئ فيض الروح الالٰهی فيها قوة فيما بقی من الحس المشترك تکفی کفاية السمع والبصر والکلام بمدد من عالم المثال اعنی القوة المتوسط بين المجرد والمحسوس المنبثة فی الافلاك کشئ واحد وربما تستعد النسمة حينئذ للباس نورانی وظلمانی بمدد من عالم المثال ومن هنالك تتولد عجائب عالم البرزخ ثم اذا نفخ فی الصور ای جاء فيض عام من باری الصور بمنزلة الفيض الذی کان منه فی بدء الخلق حين نفخ الارواح فی الاجساد واسس عالم المواليد وجب فيض الروح الالٰهی ان يکتسی لباسا جسمانيا او لباسا بين المثال والجسم فيتحقق جميع ما اخبر به الصادق المصدوق عليه افضل الصلوات وايمن التحيات، ولما کانت النسمة برزخا متوسطا بين الروح الالٰهی والبدن الارضی وجب ان يکون لها وجه الی هذا ووجه الی ذلك والوجه المائل الی القدس هو الملکية والوجه المائل الی الارض هو البهيمية، ولنقتصر من حقيقة الروح علی هذه المقدمات لتسلم فی هذا العلم وتفرع عليها التفاريع قبل ان ينکشف الحجاب فی علم اعلی من هذا العلم والله اعلم۔

باب سر التکليف

قال الله تعالیٰ: انا عرضنا الامانة علی السمٰوات والارض والجبال فابين ان يحملنها واشفقن منها

نکہ روح ہوائی سے روح حقیقی کا جدا ہونا۔ اور جب مہلک امراض میں روح ہوائی و بخارات تحلیل ہوجاتے ہیں تو حکمت الٰہی کے بموجب وہ اس قدر تو ضرور باقی رہتے ہیں کہ ان سے روح حقیقی (والٰہی) کا علاقہ وتعلق قائم رہے جس طرح سے کہ آپ کسی شیشی کی ہوا کو منہ سے اتنا کھینچیں کہ اس سے زیادہ نہ کھینچ سکیں یہانتک کہ شیشی کے ٹوٹنے کا خوف ہو تب بھی اسمیں کسی قدر ہوا ضرور باقی رہ جاتی ہے جو پھر متخلخل ہوکر اسمیں پھیل جاتی ہے سو یہ ہوا کی طبیعت کا سر اور راز یا جوہر ہے۔ پس اسی طرح نسمہ (یعنی روح ہوائی) میں بھی ایک سر اور راز یا جوہر ہے اور اس کی ایک خاص مقررہ حد اور اندازہ ہے جس سے تجاوز نہیں ہوسکتا اور جب آدمی مرجاتاہے تو اسکی روح ہوائی کی اور ہی صورت پیدا ہوجاتی ہے، پھر روح حقیقی کی وجہ سے اس کی حس مشترک میں سے جو کچھ باقی تھا اسمیں ایک ایسی قوت پیدا ہوتی ہے جو عالم مثال کی مدد سے قوت گویائی وشنوائی وبینائی کا کام دیتی ہے یعنے اسکو ایک ایسی قوت ملتی ہے جو محسوسات ومجردات کے بین بین ہوتی ہے جیسے کہ افلاک میں یکساں قوت رکھی گئی ہے، اور بسا اوقات روح ہوائی کو عالم مثال کے ذریعہ سے لباس نورانی یا ظلمانی کی قابلیت واستعداد پیدا ہوجاتی ہے اور اسکی وجہ سے عالم برزخ کے عجائبات ظاہر ہوتے ہیں پھر جب صور (نرسنگھا) پھونکا جائیگا (یعنی جب باری الصور کیطرف سے وہ فیض عام ہوگا جو شروع میں پیدائش عالم کے وقت ہوا تھا جبکہ اجسام میں ارواح ڈالی گئی تھیں اور اسطرح عالم موالید کی بنیاد مستحکم کی گئی تھی) تو اس وقت روح الٰہی (یعنے حقیقی روح) کے فیضان سے اسکو پھر لباس جسمانی یا ایسا لباس پہنایا جائیگا جو عالم مثال اور جسم کے بین بین ہوگا، پھر وہ سب باتیں جنکی مخبر صادق علیہ السلام نے خبر دی تھی ایک ایک کرکے پیش آئینگی، اور جبکہ روح ہوائی جسم ارضی اور روح الٰہی کے بیچ میں ایک برزخ اور واسطہ ہے تو یہ ضروری ہوا کہ اسکو کچھ مناسبت اسطرف ہو اور کچھ اسطرف۔ پس وہ مناسبت جو (عالم) قدس کی طرف ہے اسکو ملکیت (یعنی فرشتہ پن) اور جو مناسبت جسم ارضی کیطرف ہے اسکو بہیمیت (یعنی وحشی پن) کہتے ہیں۔ علم حقیقت روح کے بارے میں ہمکو اسی قدر مقدمات ومبادیات پر اکتفا کرنا چاہیے تاکہ اس علم میں انکو تسلیم کرلینے کے بعد ان پر تفریعات مرتب کی جائیں اور مختلف مسائل مستنبط کئے جائیں قبل اس کے کہ کسی اعلیٰ وارفع علم میں اسکا حجاب اٹھ جائے واللہ اعلم۔

باب سر تکلیف کے بیان میں خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ "ہم نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے آگے امانت کو پیش کیا تو وہ اسکے اٹھانے سے انکار کرگئے اور ڈر گئے"

سلہ اس باب کا خلاصہ یہ ہے کہ جب خوب غور کیا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی دو روح ہیں ایک نسمہ ہوائی یعنے بدن کے بخارات لطیفہ۔

وحملها الانسان انه كان ظلوما جهولا ليعذب الله المنافقين والمنافقات والمشركين والمشركات ويتوب الله على المؤمنين والمؤمنات وكان الله غفورا رحيما۔ ثم انه نص الغزالی والبیضاوی وغیرهما على ان المراد بالامانة عهدة التكليف بأن تتعرض لخطر الثواب والعقاب بالطاعة والمعصية، وبعرضها عليهن اعتبارها بالاضافة الى استعدادهن وبإبائهن الاباء الطبيعي الذي هو عدم اللياقة والاستعداد وبحمل الانسان قابليته واستعداده لها۔

(اقول) — وعلى هذا فقوله تعالى انه كان ظلوما جهولا، خرج مخرج التعليل فان الظلوم من لا يكون عادلا ومن شانه ان يعدل والجهول من لا يكون عالما ومن شانه ان يعلم وغير الآدمي اما عالم عادل لا يتطرق اليه الظلم والجهل كالملائكة واما ليس بعادل ولا عالم ولا من شانه ان يكسبها كالبهائم وانما يليق بالتكليف ويستعد له من كان له كمال بالقوة لا بالفعل، واللام في قوله تعالى "ليعذب" لام العاقبة كانه قال عاقبة حمل الامانة التعذيب والتنعيم، وان شئت ان تستجلي حقيقة الحال فعليك ان تتصور حال الملائكة في تجردها لا يزعجها حالة ناشئة من تفريط القوة البهيمية كالجوع والعطش والخوف والحزن او افراطها كالشبق والغضب والتيه ولا يهمها التغذية والتنمية ولواحقها وانما تبقى فارغة لانتظار ما يرد عليها من فوقها فاذا ترشح عليها امر من فوقها من اجماع على اقامة نظام مطلوب او رضا من شئ او بغض شئ امتلأت به وانقادت له وانبعثت الى مقتضاه وهي في ذلك فانية عن مراد نفسها باقية بمراد ما فوقها، ثم تتصور حال البهائم في تلطخها بالهيآت الخسيسة لا تزال مشغوفة بمقتضيات الطبيعة فانية فيها لا تنبعث الى شئ الا انبعاثا بهيميا يرجع الى نفع

لیکن انسان نے اس کو اٹھالیا کیونکہ وہ جفاکار اور بیوقوف تھا یہ اسلئے ہوا کہ خدا، منافق مرد اور منافق عورتوں کو اور مشرک مرد اور مشرک عورتوں کو عذاب و سزا دے اور مؤمن مرد اور مؤمن عورتوں پر مہربانی فرمائے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور مہربان ہے"، امام غزالی اور بیضاوی وغیرہ نے اس بات کی تصریح کردی ہے کہ یہاں امانت سے مراد عہدۂ تکلیف ہے جو کہ آسمان و زمین کے آگے پیش کیا گیا اور جسکی وجہ سے (خدا کی) اطاعت کرنیسے ثواب اور اسکی معصیت و نافرمانی کرنیسے عذاب ملتا ہے، اور یہ کہ ان کے آگے پیش کرنیسے انکی استعداد و قابلیت کا اندازہ لگانا مراد ہے (کہ وہ اسکو سرانجام دے سکتے ہیں یا نہیں) اور ان کے انکار کرنے سے انکی عدم لیاقت اور عدم استعداد مراد ہے (یعنی وہ اسکو سرانجام نہیں دے سکتے) اور انسان کے اٹھانیسے اسکی لیاقت اور استعداد مراد ہے۔ جناب میں کہتا ہوں کہ اس تقدیر پر خداوند تعالیٰ کا یہ قول کہ "وہ انسان ظالم و جفاکار اور جاہل و بیوقوف تھا" اسکی استعداد کی علت بیان کر رہا ہے کیونکہ ظالم وہ ہوتا ہے جو کہ عادل نہ ہو لیکن اسمیں عدل کی لیاقت ہو اور اسی طرح جاہل وہ ہوتا ہے جو کہ جانتا نہ ہو لیکن اس میں جاننے کی لیاقت ہو، چنانچہ سوائے انسان کے اور جسقدر مخلوق ہے تو وہ محض عالم و عادل ہے کہ ظلم و جہل کی وہاں رسائی ہی نہیں جیسے کہ ملائکہ ہیں اور یا وہ محض ظالم و جاہل ہیں کہ انکو عدل و علم کی لیاقت ہی نہیں جیسے کہ بہائم و چوپائے ہیں، لہذا اس (امانت و تکلیف) کا وہی مستحق ہو سکتا ہے جسمیں کمال بالقوۃ ہو بالفعل نہ ہو (یعنی کسبی ہو فطری نہ ہو) اور لام اس قول الٰہی (لِيُعَذِّبَ) میں لام عاقبت ہے یعنے اس امانت کے اٹھانے کا انجام رنج و راحت ہے، اور اگر آپ حقیقت حال کا انکشاف چاہتے ہیں تو یوں خیال کیجئے کہ ملائکہ میں قوت بہیمیہ کی نہ تفریط ہے جیسے بھوک پیاس اور خوف و غم اور نہ افراط ہے جیسے شہوت، غصہ اور تکبر اور نہ انکو تغذیہ و تنمیہ (خوراک و صحت و تندرستی) اور انکے متعلقات کی پرواہ ہے وہ ان سب چیزوں سے بے نیاز ہوکر حکم آسمانی کے انتظار میں رہتے ہیں، پھر جب کوئی حکم کسی مطلوبہ نظام کے قیام کے متعلق یا کسی سے بغض و خوشنودی رکھنے کے بارے میں نازل ہوتا ہے تو وہ ملائکہ اپنی خواہشوں سے یکسو ہوکر بدل و جان اس کی تعمیل میں لگ جاتے ہیں، پھر انکے بعد بہائم کی حالت پر غور فرمائیے کہ انکا کیسا برا حال ہوتا ہے اور وہ کیسی کیسی بدخصلتوں میں آلودہ رہتی ہیں کہ سوائے لذات جسمانی کے اور کچھ نہیں جانتے محض اپنے منافع جسمانی

[illegible] سے یہاں مراد قابلیت و استعداد ہے جو کہ اختیاری نہیں تو یہ ثابت ہوا کہ لام سے یہاں لام عاقبت مراد ہے جیسے خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ (لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا) ۱۲ لام عاقبت۔

شہوت رانی یا غصہ کی طغیانی میں غرق رہتے ہیں۔ اس کے بعد یہ بھی دیکھئے کہ خداوند تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے انسان میں دو قوتیں رکھی ہیں۔ ایک تو قوت ملکیہ ہے جو اُس روح انسانی کا فیضان ہے جو روح طبعی کو (جو سارے بدن میں پھیلی ہوئی ہے) ہر وقت اپنا فیض پہنچاتی رہتی ہے۔ اور اس فیض کو قبول کرنا اسکا خاصہ ہے اور فیض اس پر غالب آتا ہے۔ دوسری قوت بہیمیہ ہے جس کا مبدأ و منبع وہ نفس حیوانی ہے جو تمام حیوانات میں پایا جاتا ہے اور جس میں وہ تمام قویٰ حاصل و موجود ہوتی ہیں جو روح طبعی میں پائی جاتی ہیں۔ اور وہ (قوت بہیمیہ) خود مختار ہوتی ہے اور روح انسانی اس کا حکم مان لیتی ہے۔ پھر یہ بھی یاد رہے کہ ان دونوں قوتوں میں باہم تخالف و تجاذب (کھینچ تان) ہوتی ہے۔ کبھی یہ (قوت ملکیہ) بلندی کی طرف کھینچتی ہے کبھی وہ (قوت بہیمیہ) پستی کی طرف گھسیٹتی ہے۔ جب بہیمیت غالب اور اس کے آثار ظاہر ہوتے ہیں تو ملکیت پست و مغلوب ہو جاتی ہے اور اسی طرح جب ملکیت غالب ہوتی ہے تو بہیمیت پست ہو جاتی ہے، اور خداوند تعالیٰ تو ہر نظام کو چاہتا ہے (اس طرح کہ وہ ایک خاص انداز سے مناسب مواقع پر وقوع پذیر ہوں) چنانچہ استعداد اصلی (یعنی فطری و ذاتی) اور کسبی جس چیز کا تقاضا کرتی ہے خداوند تعالیٰ اس کو وہی عطا فرماتا ہے۔ اگر کوئی عادات بہیمیہ (یعنی وحشیانہ خصلتیں) پیدا کرتا ہے تو خداوند تعالیٰ بھی اسی کے سامان مہیا کر دیتا ہے اور جب کوئی عادات ملکیہ (یعنی فرشتہ پن کی عادتیں) حاصل کرتا ہے تو خداوند تعالیٰ بھی اسکو اسی کے مناسب سامان عطا کر دیتا ہے جیسے خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ "جو کوئی اللہ کی راہ میں (مال و زر) دیتا ہے اور تقویٰ اختیار کرتا ہے اور امر حق کی تصدیق کرتا ہے تو ہم اس کے لئے نیک باتیں آسان کر دیتے ہیں اور جو کوئی بخل کرتا ہے اور خدا سے بے خوف رہتا ہے اور حق کو جھٹلاتا ہے تو ہم اس کے لئے بری باتیں آسان کر دیتے ہیں" اور ایک جگہ فرماتا ہے کہ "(اے محمد!) ہم تمہارے رب کی عنایت و بخشش سے ہر گروہ کی مدد کرتے ہیں اس کی بھی اور اُس کی بھی۔ کیونکہ تمہارے رب کی یہ (دنیوی) عنایت و بخشش (کسی پر) بند نہیں" اور ہر ایک قوت میں رنج اور راحت ہوتی ہے (یعنی لذت و الم ہوتا ہے) لذت تو اپنی طبیعت کے موافق چیزوں کے محسوس کرنے کو کہتے ہیں۔ اور الم اپنی طبیعت کی مخالف چیزوں کے سہنے اور برداشت کرنے کو کہتے ہیں۔ دیکھئے جب آدمی کو کوئی مخدر (سُن کرنے والی) دوا پہنچ جاتی ہے تو پھر اس کو کبھی جسم ...

جسدی واندفاع الی ما تعطیه الطبیعة فقط۔

ثم تعلم ان الله تعالیٰ قد اودع الانسان بحکمته الباهرة قوتین قوة ملکیة تتشعب من فیض الروح المخصوصة بالانسان علی الروح الطبیعیة الساریة فی البدن وقبولها ذلك الفیض وانقیادها له، وقوة بهیمیة تتشعب من النفس الحیوانیة المشترك فیها کل حیوان المتشبحة بالقوی القائمة بالروح الطبیعیة واستقلالها بنفسها واذعان الروح الانسانیة لها وقبولها الحکم منها، ثم تعلم ان بین القوتین تزاحماً وتجاذباً فهذه تجذب الی العلو وتلك الی السفل واذا برزت البهیمیة وغلبت آثارها کمنت الملکیة وکذالك العکس وان للباری جل شانه عنایة بکل نظام وجود ابکل ما یساله الاستعداد الاصلی او الکسبی فان کسب هیأت بهیمیة امد فیها ویسر له ما یناسبها وان کسب هیأت ملکیة امد فیها ویسر له ما یناسبها کما قال الله عز وجل فاما من اعطی واتقی وصدق بالحسنی فسنیسره للیسری واما من بخل واستغنی وکذب بالحسنی فسنیسره للعسری وقال کلا نمد هؤلاء وهؤلاء من عطاء ربك وما کان عطاء ربك محظورا، وان لکل قوة لذة والما فاللذة ادراك ما یلائمها والالم ادراك ما ینافیها وما اشبه حال الانسان بحال من استعمل مخدرا فی بدنه فلم یجد الم لفح النار حتی اذا ضعف اثره ورجع الی ما تعطیه الطبیعة وجد الالم اشد ما یکون او یحال الورد علی ما ذکره الاطباء ان فیه ثلاث قوی قوة ارضیة تظهر عند السحق والعلك، وقوة مائیة تظهر عند العصر والشرب، وقوة هوائیة تظهر عند الشم، فتبین ان التکلیف من مقتضیات النوع وان الانسان یسال ربه بلسان استعداده ان یوجب علیه ما یناسب القوة الملکیة ثم یثیب علی ذلك وان یحرم علیه الانهماك فی البهیمیة ویعاقب علی ذلك والله اعلم۔

باب (۷) - تقدیر سے تکلیف پیدا ہونے کے بیان میں -

واضح ہو کہ مخلوقاتِ الٰہی میں ایسی بہت سی نشانیاں ہیں جن پر غور کرنے سے یہ بات بخوبی معلوم ہو جاتی ہے کہ خداوند تعالیٰ نے جو اپنے بندوں کو احکام و شرائع کا مکلف بنایا ہے اس میں بڑی مصلحت ہے اور اس کے پاس اس کی قوی دلیل بھی ہے - اب ذرا درختوں کے پتے اور پھول و پھل اور وہ کیفیات دیکھیے جو دیکھنے اور چکھنے اور سونگھنے سے تعلق رکھتی ہیں - دیکھیے خداوند تعالیٰ نے ہر قسم کے پتے کو ایک خاص شکل و صورت اور ہر نوع کے پھول کو ایک خاص رنگ و بو اور ان کے پھلوں کو ایک خاص مزہ و ذائقہ عطا کیا ہے جس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ پھل یا پھول یا پتّا فلاں قسم (کے درخت) کا ہے - اور یہ سب چیزیں صورتِ نوعیہ کے ساتھ وابستہ ہیں - جہاں سے اور جیسی صورتِ نوعیہ آتی ہے وہیں سے اور ویسے ہی یہ بھی آتی ہیں - خداوند تعالیٰ کی قضا و قدر نے ہر ایک درخت کا ایک خاص مادہ مقرر کر دیا ہے - مثلاً کھجور کے لئے ایک خاص مٹی کو معین کر دیا اور مجملاً فرما دیا کہ یہ مادہ کھجور کی صورت میں نمودار ہونا چاہیے اور تفصیلاً اس طرح ارشاد ہوگا کہ اس کا ایسا پھل ہو اور ایسا شگوفہ اور پتّا ہو - اور کسی نوع کے بعض خواص کو تو ہر ذی عقل جانتا ہے لیکن کچھ خواص ایسی ہوتی ہیں کہ ان کو کوئی دانا ہی جان سکتا ہے مثال کے طور پر یاقوت کی ایک تاثیر کو لو کہ وہ جس کے پاس ہوتا ہے اس کے قلب میں فرحت و شجاعت پیدا کرتا ہے یہ تاثیر ہر کس و ناکس کو معلوم نہیں ہوتی، پھر انواع کے بعض ایسی خواص ہوتے ہیں جو ان کے ہر ہر فرد میں پا... ...تے ہیں اور بعض ایسی ہوتی ہیں جو صرف چند ایسی افراد میں پائے جاتے ہیں جن کا مادہ صلاحیت رکھتا ہے اور باقی جن افراد کا مادہ صلاحیت نہیں رکھتا ان میں نہیں پائے جاتے حالانکہ ان کی نوع اور قسم وہی ہے، مثلاً ہلیلہ اسی کے حق میں مسہل (دست آور) ہے جو اسے اپنی مٹھی میں بند رکھے - اور آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ کھجور کے پھل ایسی کیوں ہوئے؟ اس لئے کہ یہ سوال بیجا ہے کیونکہ لوازم ماہیت اسی کے ساتھ گرہ بندھے رہتے ہیں اور ان کی لم اور وجہ نہیں پوچھی جاتی - پھر اس کے بعد اگر آپ حیوانات کی انواع و اقسام کو ملاحظہ فرمائیں گے تو درختوں کی طرح ان کی بھی ہر نوع کی صورت و شکل جدا جدا ہی نظر آئے گی اور اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی نظر آئے گا کہ ان کو چند ایسی حرکاتِ اختیاریہ اور الہاماتِ طبعیہ اور تدبیراتِ جبلیہ بھی عطا ہوئی ہیں کہ ان سے ہر نوع دوسری سے ممتاز ہو جاتی ہے چنانچہ مویشی (ڈھور ڈنگر مثلاً گائے بکری) گھاس کھاتا اور جگالی ...

باب انشقاق التكليف من التقدير

اعلم ان الله تعالى آيات فى خلقه يهتدى الناظر فيها الى ان الله له الحجة البالغة فى تكليفه لعباده بالشرائع فانظر الى الاشجار واوراقها وازهارها وثمراتها وما فى كل ذلك من الكيفيات المبصرات والمذوقة وغيرها فانه جعل لكل نوع اوراقا بشكل خاص وازهارا بلون خاص وثمارا مختصة بطعوم، وبتلك الامور يعرف ان هذا الفرع من نوع كذا وكذا وهذه كلها تابعة للصورة النوعية ملتوية معها انما تجئ من حيث جاءت الصورة النوعية وقضاء الله تعالى بان تكون هذه المادة نخلة مثلا مشتبك مع قضائه التفصيلى بان تكون ثمرتها كذا وخوصها كذا ومن خواص النوع ما يدركه كل من له بال ومن خواصه ما لا يدركه الا الالمعى الفطن كتاثير الياقوت فى نفس حامله بالتفريح والتشجيع ومن خواصه ما يعم كل الافراد ومن خواصه ما لا يوجد الا فى بعضها حيث تستعد المادة كالاهليلج الذى يسهل بطن من قبض عليه بيده وليس لك ان تقول لم كانت ثمرة النخل على هذه الصفة فانه سوال باطل لان وجود لوازم الماهيات معها لا يطلب بلم، ثم انظر الى اصناف الحيوان تجد لكل نوع شكلا وخلقة كما تجد فى الاشجار وتجد مع ذلك لها حركات اختيارية والهامات طبيعية وتدبيرات جبلية يمتاز كل نوع بها فبهيمة الانعام ترعى الحشيش وتجتر والفرس والحمار والبغل ترعى الحشيش ولا تجتر، والسباع تاكل اللحم والطير يطير فى الهواء والسمك يسبح فى الماء ولكل نوع من الحيوان صوت غير صوت آخر ومسافدة غير مسافدة الآخر وحضانة للاولاد غير حضانة الآخر وشرح هذا يطول وما الهم نوعا من الانواع الاعلوما تناسب مزاجه

اور اس کے حق میں فائدہ مند ہیں۔ یہ سارے الہامات ان کے پروردگار کی طرف سے صورتِ نوعیہ کے سوراخ سے ہو کر آتی ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے کہ پھولوں کی وضع و ضع کے نقش و نگار اور پھلوں کے ذائقہ دار مزے اپنی صورت نوعیہ کے پابند ہیں۔ اور احکامِ انواع میں سے بعض احکام تو ایسے ہوتے ہیں جو ایک نوع کے تمام افراد میں پائے جاتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں جو کہ صرف انھیں افراد میں پائے جاتے ہیں جن میں مادہ صلاحیت رکھتا ہے اور اسباب بھی جمع ہوتے ہیں اگرچہ اصل استعداد سب افراد میں برابر پائی جاتی ہے۔ جیسے شہد کی مکھیوں میں ایک فرد ان کا سردار یعسوب ہوتا ہے اور پرندوں میں سے ایک طوطا ہے جو کہ سکھانے اور مشق کرانے کے بعد لوگوں کی آوازوں کی ہو بہو نقل اتارنا سیکھ جاتا ہے پھر آپ ذرا نوعِ انسان کو دیکھئے اس میں آپ کو وہ سب باتیں ملیں گی جو نباتات و حیوانات میں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً کھانسنا، جمائی لینا، ڈکار لینا۔ فضلات کا دفع کرنا اور پیدا ہوتے ہی ماں کی چھاتیوں (سے دودھ) کو چوسنا اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ باتیں بھی ملیں گی جن کی وجہ سے وہ تمام حیوانات سے ممتاز ہے مثلاً گفتگو کرنا، گفتگو سمجھنا مقدمات بدیہیہ (آسان و سہل ابتدائی اصول) کو سمجھ کر، تجربے حاصل کرکے، تلاش و جستجو کرکے اور اپنی دانائی و زیرکی اور گمان و اندازے کو کام لاکے کسبی علوم کا حاصل کرنا۔ اور ان امور کا اہتمام کرنا جنکو صرف اس کی عقل اچھا جانتی ہے گو وہ اس کے وہم اور حس میں نہیں آسکتے جیسے تہذیب و تزکیۂ نفس اور اقالیم و ممالک کو اپنے قبضۂ قدرت میں لینا۔ اور یہ باتیں چونکہ نوعی اور پیدائشی ہیں اس لئے تمام قومیں اور سکانِ زمین یہانتک کہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر رہنے والے بھی ان باتوں میں مشترک اور یکساں ہیں۔ اور یہ سب باتیں اسکی صورت نوعیہ کے طفیل سے ہیں۔ اور اس کا اصل راز یہ ہے کہ انسان کا مزاج یہ چاہتا ہے کہ اس کی عقل اس کے قلب پر غالب رہے اور قلب نفس پر۔ پھر اسکے بعد خداوند تعالیٰ کی حسن تدبیر اور اس تربیت و لطف و کرم کو دیکھئے جو ہر نوع میں شامل حال ہے۔ دیکھئے کہ نباتات میں چونکہ حس و حرکت کا مادہ نہ تھا لہٰذا ان کی جڑوں کو ایسی قوت عطا فرمائی کہ وہ اس مادہ کو جو ہوا، پانی اور لطیف و باریک خاک سے جمع ہوجاتا ہے چوس کر اپنی شاخوں میں صورتِ نوعیہ کے حکم کے مطابق اور بضرورت کے موافق اپنی شاخوں وغیرہ میں تقسیم کر دیتی ہیں۔ اور حیوان چونکہ حساس ہے اور مرضی کے موافق حرکت بھی کر سکتا ہے تو اس کو زمین سے غذا و مادہ چوسنے والی رگیں اور جڑیں نہیں

والا ما یصلح به ذلك النوع۔

وكل هذه الالهامات تترشح عليه من جانب بارئها من كوة الصورة النوعية ومثلها كمثل تخاطيط الازهار وطعوم الثمرات في تشابكها مع الصورة النوعية۔ ومن احكام النوع ما يعم الافراد ومنها ما لا يوجد الا في البعض حيث تستعد المادة وتتفق الاسباب وان كان اصل الاستعداد يعم الكل كاليعسوب من بين النحل والببغاء يتعلم محاكات اصوات الناس بعد تعليم وتمرين ثم انظر الى نوع الانسان تجد له ما وجدت في الاشجار وما وجدت في اصناف الحيوان كالسعال والعطاس والتثاؤب ودفع الفضلات ومص الثدي في اول نشأته وتجد مع ذلك فيه خواص يمتاز بها من سائر الحيوان منها النطق وفهم الخطاب وتوليد العلوم الكسبية من ترتيب المقدمات البديهية او من التجربة والاستقراء والحدس ومن الاهتمام بامور يستحسنها بعقله ولا يجدها بحسه ولا وهمه كتهذيب النفس وتسخير الاقاليم تحت حكمه ولذلك يتوارد على اصول هذه الامور جميع الامم حتى سكان شواهق الجبال وما ذلك الا لسر ناشئ من حيز صورته النوعية وذلك السر ان مزاج الانسان يقتضي ان يكون عقله قاهرا على قلبه وقلبه قاهرا على نفسه، ثم انظر الى تدبير الحق لكل نوع وتربيته اياه ولطفه به فلما كان النبات لا يحس ولا يتحرك جعل له عروقا تمص المادة المجتمعة من الماء والهواء ولطيف التراب ثم يفرقها في الاغصان ونحوها على تقسيم تعطيه الصورة النوعية، ولما كان الحيوان حساسا متحركا بالارادة لم يجعل له عروقا تمص المادة من الارض بل الهمه طلب الحبوب والحشيش والماء من مظانها والهمه جميع ما يحتاج اليه من الارتفاقات والنوع الذي لا يتكون من الارض تكون الديدان منها بارادة الله تعالى

کہ ان کو توالد و تناسل کی قوت دی اور مادہ (مونث) میں ایک ایسی رطوبت پیدا کی کہ اس کو وہ جنین (حمل کے بچہ) کی تربیت میں صرف کرتی ہے پھر اس (رطوبت) کو خالص دودھ بنایا اور بچہ کو الہام کیا کہ وہ چھاتیاں چوسے اور پھر دودھ کو اس کے حلق سے اتارا (اس طرح وہ دودھ پینے کے قابل ہوا) اور مرغی میں ایسی رطوبت رکھی جس کو وہ انڈے بنانے میں صرف کرتی ہے پھر جب انڈے دے چکتی ہے تو اس کے مزاج میں خشکی پیدا ہو جاتی ہے اور پیٹ خالی ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کو ایک ایسا جنون سا پیدا ہو جاتا ہے کہ پھر وہ اپنے ہم جنس سے اختلاط (ملنا جلنا) ترک کر کے ان انڈوں کو اپنے پیٹ کے نیچے سینے کو پسند کرتی ہے تاکہ اپنے پیٹ کے خلاء کو پُر رکھے۔ اور کبوتر کے جوڑے میں عجیب قسم کی محبت و الفت پیدا کی اور کبوتری کے پیٹ کے خلاء کو انڈے سینے کا باعث بنایا پھر اس کی زائد رطوبت کو قے میں تبدیل کر کے بچوں پر اس کو رحمت کا باعث بنا دیا تاکہ اس کی وجہ سے وہ اپنے بچوں کو دانہ پانی چگاتی رہے اور اس کے نر کو اس کا گرویدہ بنا دیا جس کے سبب سے وہ (اس بارے میں) اس کی تقلید کرتا ہے۔ اور ان بچوں (چوزوں) کا مزاج مرطوب بنایا پھر اس رطوبت کو پَر بنانے میں صرف کر دیا تاکہ وہ ان کے ذریعہ اڑ سکیں۔ اور انسان چونکہ باحس و باحرکت ہونے اور الہامات جبلیہ اور علوم طبعیہ کے قبول کرنے کی وجہ سے عاقل اور علوم کسبیہ کا حاصل کرنے والا تھا تو اس کو کھیتی کرنا، درخت لگانا، اور تجارت و معاملات میں الہام فرمایا۔ اور بعض کو بالطبع و بالاتفاق سردار و آقا اور بعض کو اسی طرح سے غلام و محکوم بنایا اور کسی کو بادشاہ بنایا اور کسی کو اس کی رعیت۔ اور کچھ کو حکیم و دانا بنایا کہ وہ حکمت الٰہیہ اور حکمت طبعیہ اور ریاضیہ اور عملیہ کے دقائق و حقائق بیان کریں اور کچھ کو ایسا غبی پیدا کیا کہ وہ بغیر تقلید کے ان علوم کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ آپ تمام لوگوں کو چاہے وہ شہری ہوں یا دیہاتی اسی طرح دیکھیں گے کہ یہ تمام باتیں ان پر پوری طرح منطبق ہوتی ہیں۔ یہ تمام کا تمام بیان ان خواص اور ظاہری تدبیروں کی شرح ہے جو اس (انسان) کے معاش اور قوت بہیمیہ سے متعلق ہیں۔ اب اس کی قوت ملکیہ کی طرف چلئے۔ یہ بھی آپکو یاد رہے کہ انسان اور حیوانوں کی طرح نہیں ہے بلکہ اس کو دانائی سب حیوانات سے عمدہ دی گئی ہے۔ اور اس کے ان علوم میں سے جن کے (سوائے ان کے جن کا مادہ احکام نوعی میں سرکش ہے) سب کو پیروی کرنی پڑتی ہے یہ ہیں کہ وہ اپنی ایجاد (پیدائش) و تربیت (زندگی) کا سبب دریافت کرتا ہے۔ اور یہ بات بھی ضرور معلوم کرتے رہتا ہے کہ اس تمام عالم کا کوئی منتظم،

له بان اودع فيه قوى التناسل وخلق فى الانثى رطوبة يصرفها الى تربية الجنين ثم حولها لبنا خالصا والهم المتولد مص الثدى وازدراد اللبن وجعل فى الدجاجة رطوبة يصرفها الى تكون البيض فاذا باضت اصابها يبس وخلو جوف يحملانها على جنون يستدعى ترك مخالطة بنى نوعها واستحباب حضانة شئ تسد به جوفها وجعل من طبع الحمامة الانس بين ذكرها وانثاها و جعل خلو جوفها هو الحامل على حضانة البيض ثم جعل رطوبتها البالية تتوجه الى التهوع وجعل لها رحمة على الفرخ وجعل رحمتها مع الرطوبة البالية سببا لتهوعها ود فع الحبوب والماء الى جوف فرخها وجعل للذكر منها بسبب الانس يقلد انثاها وخلق للفراخ مزاجا رطبا ثم حول رطوبتها ريشا تطير به ولما كان الانسان مع احساسه وتحركه وقبوله للالهامات الجبلية والعلوم الطبيعية ذا عقل وتوليد للعلوم الكسبية الهمه الزرع والغرس والتجارة والمعاملة وجعل منهم السيد بالطبع والاتفاق والعبد بالطبع والاتفاق وجعل منهم الملوك والرعية وجعل منهم الحكيم المتكلم بالحكمة الالهية والطبيعية والرياضية والعملية وجعل منهم الغبى الذى لا يهتدى لذلك الا بضرب من تقليد، ولذلك ترى امم الناس من اهل البوادى والحضر متواردين على هذه و هذا كله شرح الخواص والتدبيرات الظاهرة المتعلقة بقوته البهيمية وارتفاقاته المعاشية ثم انتقل الى قوته الملكية، واعلم ان الانسان ليس كسائر انواع الحيوان بل له ادراك اشرف من ادراكاتهم ومن علومه التى يتوارد عليها اكثر افراده غير من عصت مادته احكام نوعه التفتيش عن سبب ايجاده وتربيته والتنبيه باثبات مدبر فى العالم هو اوجده ورزقه والتضرع بين يدى بارئه ومدبره بهمته وعلمه حسب ما يتضرع اليه

نہایت عجز و انکساری میں مصروف رہتے اور اس قول الٰہی سے یہ
مراد ہے کہ "کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اہل آسمان و اہل زمین اور آفتاب
اور ماہتاب اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے سب
کے سب) اور بہت سے آدمی بھی اس کو سجدہ کرتے ہیں لیکن بہت
سے آدمی ایسے بھی ہیں جن کے حق میں (سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے) عذاب
لکھ دیا گیا ہے" دیکھیے درخت کا ہر جزء اس کی شاخیں اس کے پتے اور
اس کے پھول ہر دم اس نفس نباتی کے آگے جو درخت کا مدبر ہے ہاتھ پھیلائے
رہتے ہیں[1] اگر ان چیزوں کو (درخت کی) عقل ہوتی تو وہ نفس نباتی
کی بڑی ستائش کرتے اور پہلے سے کہیں زیادہ شکریہ ادا کرتے اور اگر
ذرا سمجھ ہوتی تو سوال حالی کی جگہ سوال مقالی کرتے۔ پس یہیں سے
یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ انسان چونکہ بڑا عاقل اور دانا تھا لہذا وہ
بجائے سوال حالی کے سوال علمی کرتا ہے[2]۔ اور انسان کی نوع کا یہ بھی
خاصہ ہے کہ اس کی نوع میں ایک نہ ایک ایسا شخص ضرور ہوتا ہے
جو علوم عقلیہ کے منبع[3] کی طرف ہمہ تن منہمک و متوجہ رہتا ہے اور وہ اس
(منبع) سے وحی یا حدس[4] (فراست) کے ذریعہ یا خواب میں علوم سیکھتا ہے
پھر اور لوگ اس میں رُشد و برکت کے آثار دیکھ کر اوامر و نواہی میں اسکی
پیروی و اطاعت کرتے ہیں۔ اور ہر انسان کو غیب کی بات دریافت
کرنے کی طاقت دی گئی ہے خواہ وہ اس کو بذریعہ خواب کے جانے یا اپنی رائے
و بصیرت سے معلوم کرے یا ہاتف غیب سے سُن پائے[5] یا حدس (فراست)
سے معلوم کرے۔ مگر اتنا فرق ضرور ہے کہ بعض اس میں کامل اور بعض
ناقص ہوتے ہیں اور جو ناقص ہوتے ہیں تو وہ کاملوں کے محتاج ہوتے ہیں۔
اس کے علاوہ انسان کی اور بہت سی ایسی صفات ہیں جو سب حیوانات
میں نہیں پائی جاتیں جیسے خشوع (انکساری)، پاکیزگی و صفائی،
عدل و انصاف اور سخاوت و فراخ دلی اور جیسے اس کی دعا سے عالم
جبروت اور ملکوت کے انوار چمکنا اور اسی طرح اور حالات ہیں جیسے کرامت
وغیرہ، الغرض جن باتوں میں انسان تمام حیوانات سے ممتاز ہے بہت
سی ہیں لیکن ان سب کا اصل اصول دو[2] خصلتیں ہیں ایک[1] تو قوت
عقلیہ کی زیادتی ہے۔ اور اس کی دو شاخیں ہیں ایک شاخ مصلحت
نظام بشری اور اس کے دقائق کی طرف جھکتی ہے اور دوسری شاخ
اُن علوم غیبیہ کی طرف گئی ہے جو بطریق وہب (عطاء خداوندی) حاصل ہوتے ہیں۔ اور دوسری[2] خصلت قوت عملیہ کا کمال ہے۔ اور اس کی بھی دو
شاخیں ہیں ایک تو وہ ہے کہ جس کی وجہ سے انسان اعمال کو اپنے ارادے اور اختیار سے کرتا ہے بخلاف بہائم و حیوانات کے کہ وہ اپنے اختیار و ارادے

وهو بجميع اجزائه بنفسه دائما سرمدا بلسان الحال وهو قوله
تعالى الم تر ان الله يسجد له من في السموات ومن في الارض
والشمس والقمر والنجوم والجبال والشجر والدواب وكثير
من الناس وكثير حق عليه العذاب اليس ان كل جزء
من الشجرة من اغصانها واوراقها وازهارها متكفف يده
الى النفس النباتية المدبرة في الشجرة دائما سرمدا فلو كان
لكل جزء منها عقل لحمد النفس النباتية حمدا غير حمد الاخر
ولو كان له فهم لانطبع التكفف الحالي في علمه وصار تكففا
بالهمة، فاعلم من هنالك ان الانسان لما كان ذا عقل ذكي
انطبع في نفسه التكفف العلمي حسب التكفف الحالي ومن
خواصه ايضا ان يكون في نوع الانسان من له خوض الى
منبع العلوم العقلية يتلقاها منه وحيا او حدسا او رؤيا
وان يكون آخرون قد تفرسوا من هذا الكامل آثار الرشد
والبركة فانقادوا له فيما يامر وينهى وليس فرد من افراد
الانسان الا له قوة للتخلص الى الغيب برؤيا يراها او
برأي يبدره او هتيف يسمعه او حدس يتفطن له الا
ان منهم الكامل ومنهم الناقص والناقص يحتاج الى
الكامل وله صفات يجل طورها عن طور صفات البهائم
كالخشوع والنظافة والعدالة والسماحة وكظهور بوارق
الجبروت والملكوت من استجابة الدعاء وسائر الكرامات
والاحوال والمقامات والامور التي يمتاز بها الانسان عن
سائر افراد الحيوان كثيرة جدا لكن جماع الامر وملاكه
خصلتان، احدهما زيادة القوة العقلية ولها شعبتان
شعبة غائصة في الارتفاقات المصلحة نظام البشر و
استنباط دقائقها وشعبة مستعدة للعلوم الغيبية
الفائضة بطريق الوهب، وثانيهما براعة القوة العملية
ولها ايضا شعبتان شعبة هي ايتلاءها للاعمال من طريق
بلعوم اختيارها وارادتها فالبهائم تفعل افعالها بالاختيار
ولا تدخل افعالها في حد انفسها ولا تتلون انفسها

ان کو کچھ اثر پہنچتا ہے بلکہ ان کا اثر ان قوتی سے متعلق ہے جو کہ ان کی روح ہوائی سے قائم ہیں۔ اور اسی لئے یہ افعال حیوانوں سے بسہولت سرزد ہوتے ہیں مگر انسان جب ان افعال کو کرتا ہے تو یہ افعال تو فنا ہوجاتے ہیں لیکن ان کی ارواح باقی رہ جاتی ہیں جن کو نفس نگل جاتا ہے (اور وہ اس میں شامل ہوکر اپنے اثرات دکھاتی ہیں) پھر یا تو نفس میں انوار ظاہر ہوتے ہیں یا ظلمات۔ اور شرع کا یہ قول کہ "افعال میں مواخذہ ہونے کی یہ شرط ہے کہ (انسان) ان کو باختیار خود (قصداً) کرے" بمنزلہ اس قول طبیب کے ہے کہ "زہر سے ضرر پانے اور تریاق سے نفع اٹھانے کی یہ شرط ہے کہ اس کو (انسان) نہار شکم تک پہنچائے" اور ہمارے اس قول کی کہ "نفس انسانی افعال کی ارواح کو کھاتا اور نگلتا ہے" یہ دلیل ہے کہ تمام بنی آدم اس بات پر متفق ہیں کہ ریاضات و عبادات کرنا اچھا ہے کیونکہ ان کو اپنے وجدان سے اس کے انوار معلوم ہوگئے ہیں۔ اور اس کے برخلاف گناہ و معاصی کے ارتکاب کو سب برا سمجھتے ہیں کیونکہ اپنے وجدان سے اس کی ظلمت و خرابیاں دیکھ لی ہیں۔ اور ایک شاخ حالات رفیعہ اور مقامات عالیہ ہیں جو کسی جنس بہائم و حیوانات میں نہیں پائے جاتے مثلاً خدا کی محبت اور اس کی ذات پر توکل کرنا۔ واضح ہو کہ انسان کا اعتدال مزاج جو اس کی صورت نوعیہ سے پیدا ہوا جبکہ ان چند چیزوں کے بغیر تمام و کامل نہ ہوتا تھا [(اول) وہ علوم جو سب انسانوں میں سے اعلیٰ اور عمدہ شخص کو حاصل ہوئے اور پھر دوسرے لوگوں نے اس کی تقلید کی۔ (دوم) شریعت الٰہیہ جس میں معارف الٰہیہ اور عمدہ انتظام و منفعت کی تدابیر ہوں (سوم) وہ قواعد جن میں انسان کے افعال اختیاریہ سے بحث ہو اور ان کی ان اقسام خمسہ واجب، مستحب، مباح، مکروہ اور حرام کی تصریح ہو۔ (چہارم) وہ مقدمات جن سے احسان و سلوک کی خوبیاں واضح ہوتی ہیں] تو خداوند تعالیٰ کی رحمت و حکمت نے عالم غیب قدس میں یہ تجویز کی کہ اس کو وہ قوت عقلیہ دی جائے جس کا مستحق سب سے زکی شخص ہو جو اس کی طرف منہمک ہوکر یہیں (عالم قدس) سے اس کو حاصل کرے اور باقی سب لوگ اسکی اطاعت کریں جیسے مہال کی مکھیوں میں یعسوب (سردار مہال) سب کا انتظام کرتا ہے۔ اگر اس کو یہ قوت بواسطہ یا بلا واسطہ عطا نہ ہوتی تو یہ کمال پورا نہ ہوتا۔ پس جس طرح کوئی شخص کسی ایسے حیوان کو دیکھے جو بغیر گھاس کے زندہ نہیں رہ سکتا تو وہ ضرور یہ یقین کرلیگا کہ اس کے لئے خداوند تعالیٰ نے کوئی نہ کوئی گھاس کا جنگل ضرور بنایا ہوگا۔ پس اسی طرح خداوند تعالیٰ کی صنعتوں میں غور و نظر کرنے والا یہ یقین کرلے گا کہ یہاں خداوند تعالیٰ نے چند ایسے علوم ضرور عطا کئے ہوں گے جن سے عقل کام لیکر اپنے نقائص دور کرکے کمال حاصل کرسکتی ہے۔ منجملہ ان علوم کے ایک علم توحید و صفات ہے جس کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اتنا واضح اور مشرح ہو کہ اسکو ہر شخص کی عقل از خود جان سکے اور اتنا پیچیدہ اور مغلق نہ ہو کہ اس کو کوئی کوئی شخص ہی سمجھ سکے۔

بارواح تلك الافعال وانما تلتصق بالقوى القائمة بالروح الهوائي فقط فيسهل عليها صدورها وامثالها والانسان يفعل افعالا فتفنى الافعال وتنزع منها ارواحها فتبلغها النفس فيظهر في النفس اما نور واما ظلم، وقول الشرع شرط المواخذة على الافعال ان يفعلها بالاختيار بمنزلة قول الطبيب شرط التضرر بالسم والانتفاع بالترياق ان يدخلا في البلعوم وينزلا في الجوف وامارة ما قلنا ان النفس الانسانية تبلع من ارواح الاعمال ما اتفق عليه امم بني آدم من عمل الرياضات والعبادات ومعرفة انوار كل ذلك وجدانا وسن الكف عن المعاصي والمنهيات ورؤية قسوة كل ذلك وجدانا وشعبة هي احوال ومقامات سنية كمحبة الله والتوكل عليه مما ليس في البهائم جنسها، واعلم انه لما كان اعتدال مزاج الانسان بحسب ما تعطيه الصورة النوعية لا يتم الا بعلوم يتخلص اليها ازكاهم ثم يقلده الآخرون وبشريعة تشتمل على معارف الهية وتدبيرات اتفاقية وقواعد تبحث عن الافعال الاختيارية وتقسمها الى الاقسام الخمسة من الواجب والمندوب اليه والمباح والمكروه والحرام ومقدمات تبين مقامات للاحسان وجب في حكمة الله تعالى ورحمته ان يهيئ في غيب قدسه رزق قوته العقلية يتخلص اليه ازكاهم فيتلقاه من هنالك وينقاد له سائر الناس بمنزلة ما ترى في نوع النحل من يعسوب يدبر لسائر افرادها ولولا هذا التلقي بواسطة ولا بواسطة لم يكمل كماله المكتوب له فكما ان المستبصر اذا راى نوعا من انواع الحيوان لا يتعيش الا بالحشيش استيقن ان الله دبر له مرعى فيه حشيش كثير فكذلك المستبصر في صنع الله يستيقن ان هنالك طائفة من العلوم يسد بها العقل خلته فيكمل كماله المكتوب له وتلك الطائفة منها علم التوحيد والصفات ويجب ان يكون مشروحا بشرح ينال العقل الانساني بطبيعته لا مغلقا لا يناله الا من بيده وجود

چنانچہ اس علم کی شرح (خداوند تعالیٰ کی معرفت کے ذریعہ کردی جسکا اشارہ اس کے قول میں ہے کہ سبحان اللہ وبحمدہ "اللہ اپنی صفات کے ساتھ پاک ہے" پس اس نے اپنے لئے وہ صفات ثابت کیں جنکو لوگ جانتے ہیں اور ان کو باہم استعمال کرتے رہتے ہیں جیسے حیات، سمع (سننا)۔ بصر (دیکھنا)۔ قدرت۔ ارادہ۔ کلام، غضب سخط ناراضگی رحمت۔ ملک (مالک ہونا) غنا (بے نیازی) وغیرہ۔ اسکے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ثابت کردیا کہ کوئی شخص ان صفات میں اسکا ہم پلہ (یا اس جیسا) نہیں۔ لہٰذا اسکی حیات وزندگی ہماری زندگی کی طرح نہیں۔ اسکا دیکھنا ہمارے دیکھنے کی طرح نہیں۔ اسکی قدرت ہماری قدرت کی مثل نہیں۔ اسکا ارادہ ہمارے ارادہ جیسا نہیں اور اسکا کلام ہمارے کلام کی مانند نہیں اسی طرح اور صفات (ہماری صفات سے مختلف نوعیت رکھتی ہیں)۔ پھر اس عدم مماثلت (یعنی بے نظیری) کی تفسیر یہ ہے کہ وہ صفات ہماری جنس میں بالکل مستبعد اور دور از فہم ہوتی ہیں مثلاً یہ کہا جاتا ہے کہ وہ بارش کے قطروں کی تعداد اور ریگستانوں کی ریت کے ذرات کا شمار اور درختوں کے پتوں اور سب جانداروں کی سانسوں کی گنتی جانتا ہے۔ اور اندھیری رات میں بھی چیونٹی تک کی چال کو دیکھتا ہے اور بند کمروں میں لحافوں کے نیچے جو کھڑکھڑاہٹ یا کھسر پھسر ہوتی ہے اسکو بھی سنتا ہے اور اسی طرح کی اور باتیں۔ اور منجملہ اُن علوم کے علم عبادات اور علم طریق انتفاعات و منافع اور علم بحث و مخاصمت ہے یعنی وہ علم جس میں یہ بتایا جاتا ہے کہ نفوسِ سفلیہ میں جب ایسے شبہات پیدا ہوجائیں جن سے امرِ حق میں غلجان واقع ہو تو ان کو کس طرح سے دور کیا جائے اور منجملہ ان کے ایک وہ علم (تذکیر) ہے جس میں خداوند تعالیٰ کی نعمتوں اور سختیوں، وقائع برزخ اور وقائع محشر کو بیان کرکے سمجھایا اور سمجھایا جاتا ہے۔ حق تعالیٰ نے ازل میں جب نوعِ انسانی کو اور اسکی اُس قابلیت واستعداد کو دیکھا جو اسکے ابنائے نوع (یعنی ہم جنسوں) میں میراث کے طور پر نسل درنسل چلی آتی ہے اور نیز اسکی قوت ملکیہ کو اور اس تدبیر کو دیکھا جس کی وہ ان علوم مذکورہ سے تکمیل و اصلاح کرتا ہے تو یہ علوم، عالم غیب الغیب میں محدود طور پر متمثل ہوگئے۔ اور اس تمثل کو اشاعرہ کلام نفسی کہتے ہیں۔ اور یہ چیز علم، ارادہ اور قدرت کے علاوہ اور ہی چیز ہے ... کرنیکا وقت آیا تو خداوند تعالیٰ نے یہ جانا کہ افرادِ انسانی کی مصلحت ...

مثله فشرح هذا العلم بالمعرفة المشار اليها بقوله سبحان الله وبحمده فاثبت لنفسه صفات يعرفونها ويستعملونها بينهم من الحيوة والسمع والبصر والقدرة والارادة والكلام والغضب والسخط والرحمة والملك والغنى واثبت مع ذالك انه ليس كمثله شئ في هذه الصفات فهو حي لا كحياتنا بصير لا كبصرنا قدير لا كقدرتنا مريد لا كارادتنا متكلم لا ككلامنا ونحو ذلك، ثم فسر عدم المماثلة بامور مستبعدة في جنسنا مثل ان يقال يعلم عدد قطرات الامطار وعدد رمل الفيافي وعدد اوراق الاشجار وعدد انفاس الحيوانات ويبصر دبيب النمل في ليلة الظلماء ويسمع ما يتوسوس به تحت اللحف في بيوت مغلقة ابوابها ونحو ذلك، ومنها احكام العبادات ومنها علم الارتفاقات ومنها علم المخاصمة اعني ان النفوس السفلية اذا تولدت بينها شبهات تنفهم به الحق كيف يحل تلك العقد، ومنها علم التذكير بآلاء الله وبايام الله وبوقائع البرزخ والمحشر فنظر الحق تبارك وتعالى في الازل الى نوع الانسان والى استعداده الذي يتوارثه ابناء النوع ونظر الى قوته الملكية والتدبير الذي يتلقى من العلوم المشروحة حسب استعداده فتمثلت تلك العلوم كلها في غيب الغيب محدودة ومحصاة وهذا التمثل هو الذي يعبر عنه الاشاعرة بالكلام النفسي وهو غير العلم وغير الارادة والقدرة ثم لما جاء وقت ... الملائكة علم الحق ان مصلحة افراد الانسان ... النفوس كرية نسبتها الى نوع الانسان كالنسبة القوى العقلية في الواحد منا الى نفسه فاوجبهم العناية بافراد الانسان فاودع في صدر ... من تلك العلوم المحدودة المحصاة في غيب غيبه فصورها بصورة ... والهم الاشارة في تدوينه تبارك وتعالى الذين يحملون العرش ومن حوله الآية ثم تناسب بعض القرآن ... بتدبير الدول ... وجود روحاني ... تلك العلوم ...

بتلك القرانات واليه الاشارة فى قوله تعالى انا انزلناه فى ليلة مباركة انا كنا منذرين فيها يفرق كل امر حكيم ثم اقتضت حكمة الله لوجود رجل ذكى يستعد للوحى قد قضى بعلو شانه وارتفاع مكانه حتى اذا وجد اصطنعه لنفسه واتخذه جارحة لاتمام مراده وانزل عليه كتابه واوجب طاعته على عباده وهو قوله تعالى لموسى عليه السلام واصطنعتك لنفسى فما اوجب تعيين تلك العلوم فى غيب الغيب الا العناية بالنوع ولا سال الحق فيضان نفوس الملأ الاعلى الا استعداد النوع ولا الحم عند القرانات بسؤال تلك الشريعة الخاصة الا احوال النوع فلله الحجة البالغة (فان قيل) من اين وجب على الانسان ان يصلى ومن اين وجب عليه ان ينقاد للرسول ومن اين حرم عليه الزنا والسرقة؟ (فالجواب) وجب عليه هذا وحرم عليه ذلك من حيث وجب على البهائم ان ترعى الحشيش وحرم عليها اكل اللحم ووجب على السباع ان تاكل اللحم ولا ترعى الحشيش ومن حيث وجب على النحل ان يتبع اليعسوب الا ان الحيوان استوجب تلقى علومها الهاما جبليا واستوجب الانسان تلقى علومه كسبا ونظرا ووحيا وتقليدا۔

اور اس قولِ الٰہی میں اسی کی طرف اشارہ ہے کہ "ہم نے اس (قرآن) کو ایک رات بابرکات (یعنی شبِ قدر) میں نازل کیا ہے ہم آگاہ کرنے والے تھے۔ اسی رات ہر حکمت والا معاملہ ہماری پیشی (حکم) سے طے اور تقسیم کیا جاتا ہے" پھر حکمتِ الٰہی ایک ایسے ذکی و پاک شخص (یعنی نبی) کی منتظر ہوئی جو وحی کی استعداد رکھتا ہو۔ اور اسکے لئے اعلیٰ درجہ اور بلند مرتبہ مقرر کیا گیا۔ یہانتک کہ جب وہ موجود پایا گیا تو اُسکو اپنے لئے منتخب کر لیا اور اپنی مراد و مقصود کے پورا کرنیکا ذریعہ بنا لیا اس پر اپنی کتاب نازل فرمائی اور اسکی اطاعت لوگوں پر فرض ٹھہرائی۔ حضرت موسیٰؑ سے خداوند تعالیٰ اس قول میں یہی فرماتا ہے کہ "(اے موسیٰ!) میں نے تم کو اپنے لئے منتخب کیا ہے" پس جس کی وجہ سے خداوند تعالیٰ نے ان علوم کو عالم غیب الغیب میں متعین کیا تھا وہ عنایت بالنوع (یعنی نوعِ انسانی پر نظرِ رحمت) ہی تو تھی۔ اور جس نے حق تعالیٰ سے نفوسِ ملأ اعلیٰ کے فیضان (و پیدائش) کا سوال کیا تھا وہ استعدادِ نوع (یعنی نوعِ انسانی کی قابلیت) ہی تو تھی۔ اور جو چیز ان (تغیرِ ممالک و مذاہب کے زمانوں کی ضرورتوں) کے موافق ایک خاص (مشروح و مفصل) شریعت کی خواستگار ہوئی تھی تو وہ احوالِ نوع (نوعِ انسانی کے مختلف حالات) ہی تو تھے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اللہ کی دلیل مضبوط و محکم اور غالب ہے۔

پھر اگر کوئی یوں کہے کہ انسان پر نماز کہاں سے فرض ہوئی؟ اور اطاعت رسول کہاں سے واجب ہوئی؟ اور زنا اور چوری کہاں سے حرام ہوئی؟ تو اسکا جواب یہ ہے کہ یہ واجب اور وہ حرام وہاں سے ہوئی جہاں سے کہ بہائم و چوپایوں پر گھاس کھانی واجب اور گوشت کھانا حرام اور درندوں پر گوشت کھانا واجب اور گھاس کھانی حرام ہوئی۔ اور جہاں سے کہ شہد کی مکھیوں پر یعسوب (سردار) کی اتباع واجب ہوا۔ دیکھو جس طرح یہ چیزیں ان پر واجب [illegible] حرام [illegible] فرق [illegible] علوم [illegible] الہام [illegible] ہیں لیکن انسان نے انکو اپنے ذاتی تجربہ و کسب و غور و نظر یا وحی یا تقلید (پیروی) کے ذریعہ حاصل کیا۔

باب اقتضاء التكليف المجازاة

اعلم ان الناس مجزيون باعمالهم ان خيرا فخير وان شرا فشر من اربعة وجوه - احدها مقتضى الصورة النوعية فكما ان البهيمة اذا عافت الحشيش والسبع اذا علف اللحم صح مزاجهما واذا علفت البهيمة اللحم والسبع الحشيش فسد مزاجهما فكذلك الانسان اذا باشر اعمالا ارواحها الخشوع يجتنب الحق والطهارة والسماحة والعدالة صلح مزاجه الملكى واذا باشر اعمالا ارواحها اضداد هذه الخصال فسد مزاجه الملكى فاذا تخفف عن ثقل البدن احس بالملاءمة والمنافرة شبه ما يحس احدنا من الم

باب (۸) اس بیان میں کہ تکلیف جزا و سزا کا باعث ہے۔ واضح ہو کہ انسان کو اسکے اعمال کی موجب جزا ملے گی۔ اگر اعمال اچھے تو جزا بھی اچھی اور اگر اعمال بُرے تو جزا بھی بُری۔ اس کی چار صورتیں ہیں (اول) انسان کی صورتِ نوعیہ کا تقاضا ہے۔ مثال کے طور پر جب چوپائے گھاس اور درندے

(دوم) ملأ اعلیٰ کا اثر ہے جس طرح انسان کے دماغ میں قوائے احساس
موجود ہیں (جنکی وجہ سے اسکو معلوم ہو جاتا ہے کہ اسکے پاؤں کے نیچے کوئی
انگارہ آگیا ہے یا برف کا ٹکڑا) اسی طرح انسان کی اس نوعی صورت
کیلئے جو عالم ملکوت میں متمثل ہے ملائکہ لوگ خدام ہیں۔ انکو حق تعالیٰ
نے اس نوع انسانی پر خاص عنایت فرما کر پیدا کیا ہے کیونکہ جس طرح
ہم میں سے کسی کا کام بغیر قوائے ادراک واحساس کے نہیں چلتا اسی
طرح اس نوع انسانی کا کام ان (ملائکہ) کے بغیر نہیں چل سکتا تھا۔
پس جبکہ افراد انسانی میں سے جب کوئی شخص عمدہ کام کرتا ہے تو ان ملائکہ
خدام سے خوشی و شادمانی کی (نورانی) شعاعیں نکلتی ہیں۔ اور جب
کوئی برا کام کرتا ہے تو بغض و نفرت کی (ظلمانی) شعاعیں نکلتی ہیں
اور پھر وہ شعاعیں اس مخصوص شخص کے نفس میں تحلیل ہو کر یا تو خوشی
و شادمانی پیدا کرتی ہیں یا وحشت و پریشانی کے اور کبھی یہی شعاعیں
بعض ملائکہ اور بعض مخصوص لوگوں کے نفوس میں تحلیل ہو جاتی ہیں جس
سے انکو یہ الہام ہوتا ہے کہ وہ اس سے محبت رکھیں اور نیک سلوک کریں
یا اس سے نفرت رکھیں اور بدسلوکی سے پیش آئیں کے (اسکو یوں سمجھئے کہ)
جیسے کسی کا پاؤں آگ کی چنگاری پر پڑ جاتا ہے تو اسکو قوائے احساس
وادراک کے ذریعہ جلنے کی تکلیف محسوس ہوتی ہے پھر دماغ سے ایک قسم
کی شعاعیں نکل کر قلب میں اثر کرتی ہیں جس سے رنج ہوتا ہے اور طبیعت
گھلتی ہے۔ ان ملائکہ کا ہمارے نفسوں میں اثر پہنچانا بھی بالکل ایسا ہی
ہوتا ہے جیسے ہماری قوائے احساس وادراک ہمارے بدن میں اثر پہنچاتی
ہیں۔ چنانچہ جس طرح ہم میں سے کسی کو رنج و ذلت وغیرہ کا اندیشہ ہوتا ہے
تو وہ کانپنے لگتا ہے اور اس کا رنگ زرد پڑ جاتا ہے اور بدن نڈھال
ہو جاتا ہے اور کبھی تو اسکی شہوت بھی ساقط ہو جاتی ہے اور پیشاب سرخ
ہو جاتا ہے۔ اور کبھی اتنا سخت خوف ہوتا ہے کہ اس کا ڈر کے مارے پیشاب
یا پاخانہ تک نکل جاتا ہے۔ یہ سب باتیں اس لئے پیدا ہوتی ہیں کہ قوائے
احساس وادراک انسان کی طبیعت پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ اور اسکے
دماغ میں پیغام پہنچاتی ہیں جس سے اس چیز کا تصور غالب آجاتا ہے
بالکل اسی طرح ان ملائکہ کا حال ہے جو بنی آدم پر متعین ہیں۔ انکی طرف
سے انسانوں پر اور ملائکہ سفلیہ کے نفوس پر الہامات جبلیہ اور تغیرات
طبعیہ اترتی رہتی ہیں۔ افراد انسانی کو (ملائکہ کی) قوائے طبعیہ سے وہ نسبت و تعلق ہے جو انسان کو اپنی قوائے ادراک و احساس سے ہے۔ اور
جس طرح یہ (نورانی وظلمانی) شعاعیں اوپر (ملائکہ کی طرف) سے نیچے اترتی ہیں اسی طرح نیچے سے حظیرۃ القدس تک وہ شعاعیں اوپر پہنچتی

الاحتراق۔ وثانيها جهة الملأ الأعلى فكما أن الواحد منا
له قوى إدراكية مودعة في الدماغ يحس بها ما وقعت عليه
رجله من جمرة أو ثلجة فكذلك بصورة الإنسان المتمثلة
في الملكوت خدام من الملائكة أوجبها عناية الحق بنوع
الإنسان لأن نوع الإنسان لا يصلح إلا بهم كما أن الواحد
منا لا يصلح إلا بالقوى الإدراكية فإذا فعل فرد من أفراد
الإنسان فعلا حسنا خرجت من تلك الملائكة أشعة بهجة
وسرور وإذا فعل فعلا قبيحا خرجت منها أشعة نفرة
وبغض فتحللت تلك الأشعة في نفس هذا الفرد فأورثت
بهجة أو وحشة أو في نفوس بعض الملائكة أو بعض الناس
فانعقدت إلهاما أن يحبوه ويحسنوا إليه أو يبغضوه ويسيئوا
إليه شبيها بما ترى من أن أحدنا إذا وقعت رجله على جمرة
أحست قواه الإدراكية بألم الاحتراق ثم خرجت منها أشعة
تؤثر في القلب فيحزن وفي الطبع فيحكم تأثيرا ولذلك المدافعة
فينا شبيه بتأثير الإدراكات في أبداننا فكما أن الواحد
منا قد يتوقع ألما أو ذلا فترتعد فرائصه ويصفر لونه و
يضعف جسده وربما تسقط شهوته ويحمر بوله وربما بال
أو خرئ من شدة الخوف فهذا كله تأثير القوى الإدراكية
في الطبيعة وتوجيهها إليها وقهرها عليها هكذا الملائكة
الموكلة ببني آدم يترشح منها عليهم وعلى نفوس الملائكة
السفلية إلهامات جبلية وحالات طبيعية وأفراد الإنسان
كلها بمنزلة القوى الطبيعية لهذه الملائكة بمنزلة القوى
الإدراكية لهم وكما تهبط تلك الأشعة إلى السفل
فكذلك يصعد إلى حظيرة القدس منها ألوان بعد ألوان
منبئة عن بالرحمة والرضا والغضب واللعن مثل صعود
بخارات النار الماء لتسخينه وإعداد المقدمات للنتيجة
وإعداد الدعاء للإجابة فيتحقق التجدد في الجبروت من
هذا الوجه فيكون غضب ثم توبة ويكون رحمة ثم نقمة
قال الله تعالى إن الله لا يغير ما بقوم حتى يغيروا ما بأنفسهم

وقد اخبر النبي صلى الله عليه وسلم في احاديث كثيرة ان الملائكة ترفع اعمال بني آدم الى الله تعالى، وان الله يسألهم كيف تركتم عبادي؟ وان عمل النهار يرفع اليه قبل عمل الليل بينه صلى الله عليه وسلم على وجه يبين من توسط الملائكة بين بني آدم وبين نور الله القائم وسط حظيرة القدس (ثالثها) مقتضى الشريعة المكتوبة عليهم فكما يعرف المنجم ان الكواكب اذا كان لها نظر من النظرات حصلت روحانية ممتزجة من قواها متمثلة في جزء من الفلك فاذا نقلها الى الارض نامق حكام الفلكيات اعني القمر تقابت خواطر [illegible] حسب تلك الروحانية فكذلك يعرف العارف بالله انه اذا جاء وقت من الاوقات تسمى في الشرع بالليلة المباركة التي فيها يفرق كل امر حكيم حصلت روحانية في الملكوت متوسطة من احكام نوع الانسان ومقتضى هذا الوقت ويترشح من هنالك الهامات على اذكى خلق الله يومئذ وعلى نفوس تليه في الذكاء بواسطته ثم يلهم سائر الناس قبول تلك الالهامات واستحسانها ويؤيد ناصرها ويخذل معاندها ويلهم الملائكة السفلية الاحسان لمطيعها والاساءة الى عاصيها ثم يصعد ينهالون الى الملأ الاعلى وحظيرة القدس فيحصل هنالك رضا وسخط. وايضا ان النبي اذا بعث في الناس واراد الله تعالى بعثه لطفا بهم وتقريبا لهم الى الخير [illegible] الذي يوحى اليه متضمنا [illegible] هذا النبي ودعائه وقضاء الله تعالى بالانصار له تتأكد وتتحقق بما المجازاة بالوجهين الاولين فطرة فطر الله الناس عليها اولين [illegible] الفطرة [illegible] ولیس ذلك الا في اصول البر والاثم [illegible] وجودها وهذه الفطرة هو الدين الذي [illegible] الاعصار، والانبياء كلهم مجمعون عليه كما قال تبارك وتعالى وان هذه امتكم امة واحدة وقال صلى الله عليه وسلم الانبياء بنو علات ابوهم واحد وامهاتهم شتى»

اور نبی صلعم نے بھی بہت سی احادیث میں یہ بتایا ہے کہ ملائکہ بنی آدم کے اعمال اوپر خداوند تعالیٰ کے پاس لیجاتے ہیں اور یہ کہ خداوند تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ (یعنی جب تم انھیں چھوڑ کر آرہے تھے تو وہ کیا کر رہے تھے؟) اور دن کے اعمال اس کے پاس رات کے اعمال سے پہلے پہنچ جاتے ہیں۔ اس سے آپ کی مراد یہ ہے کہ بنی آدم اور اُس نور الٰہی کے درمیان جو حظیرۃ القدس کے وسط میں قائم ہے ملائکہ بطور واسطہ کے ہیں۔ (سوم) اُس شریعت کا تقاضا ہے جو لوگوں پر فرض قرار دیگئی ہے (اسکی ایسی صورت ہے کہ) جس طرح ایک نجم یہ جانتا ہے کہ کواکب کو جب اپنے تمام مقامات و منازل میں سے کوئی مخصوص مقام حاصل ہوتا ہے تو ان (کواکب) کی قوتوں سے ملکر ایک قسم کی روحانیت و روحانی فضا پیدا ہوتی ہے جو فلک کے کسی حصہ میں مرکوز و متمثل ہو جاتی ہے پھر جب احکام فلکیات کا متعلق (یعنی) [illegible] جہاں تاب اس روحانیت کو زمین کی طرف لاتا ہے تو لوگوں کے دل اور انکی توجہات اس روحانیت کی طرف پھر جاتی ہیں۔ بالکل اسی طرح عارف باللہ جانتا ہے کہ جب ایک خاص وقت آتا ہے جسکو شرع میں لیلۃ مبارکہ (برکت والی رات) کہتے ہیں اور جس میں تمام حکمت آمیز امور طے ہوتے اور بٹتے ہیں تو اس وقت عالم ملکوت میں ایک قسم کی روحانیت پیدا ہوتی ہے جو احکام نوع انسانی سے مرکب ہوتی ہے اور ضرورت کے مطابق وقت کی مناسبت سے وہاں سے اس زمانہ کے سب لوگوں میں عمدہ (اور اذکی شخص (یعنی نبی) پر الہامات نازل ہوتے ہیں اور اسی کے واسطہ سے اُن نفوس ذکیہ پر الہامات ہوتے ہیں جو عقل و ذکاوت میں اسکے بعد کا درجہ رکھتے ہیں۔ پھر اسکے بعد باقی تمام لوگوں کو یہ الہام ہوتا ہے کہ وہ ان الہامات کو دل سے قبول کریں اور اچھا جانیں۔ اور معاونین (الہامات) کے معاون و مددگاروں کی تائید و امداد ہوتی ہے اور معاندین و مخالفین کی رسوائی و ذلت۔ اور ملائکہ سفلیہ کو یہ الہام ہوتا ہے کہ وہ (ان الہامات) کے مطیع و فرمانبردار کے ساتھ نیک سلوک سے پیش آئیں اور انکے عاصی و نافرمان کیساتھ بد سلوکی سے۔ پھر اسکے بعد ایک قسم کا (نورانی) رنگ و اثر ملأ اعلیٰ اور حظیرۃ القدس میں پہنچتا ہے اور پھر وہاں سے رضامندی و خوشنودی یا ناراضگی و ناخوشی پیدا ہوتی ہے (چہارم) نبی کی اطاعت ہے اور وہ اسطرح ہے کہ جب خداوند تعالیٰ کسی نبی کو لوگوں میں (رسول بناکر) بھیجتا ہے اور اُس کی بعثت سے ان پر لطف و [illegible] چاہتا ہے اور اس کی اطاعت ان پر لازم قرار دیتا ہے تو وہ علم جو اسکے پاس بذریعہ وحی پہنچتا ہے مشخص اور متمثل ہو جاتا ہے

اور اس قدر مؤاخذہ (جو دینِ فطرت کا تقاضا ہے) ہر شخص سے ضرور بالضرور ہونا ہی چاہیے وہ انبیاء کی بعثت سے پہلے گزرا ہو چاہے بعد میں لیکن جو تیسری قسم کی جزا و سزا جو شریعت کا تقاضا ہے تو وہ زمانوں کی بدلنے سے بدلتی رہتی ہے اور اسی کے لئے نبی اور رسول مبعوث ہوا کرتے ہیں چنانچہ نبی صلعم کے اس قول میں اسی طرف اشارہ ہے کہ "میری اور جو کچھ خدا نے مجھ کو دیکر بھیجا ہے اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی شخص کسی قوم کے پاس آکر یہ کہے کہ اے قوم! میں نے اپنی آنکھوں سے (دشمن کی) فوج دیکھی ہے اور میں تمکو کھلم کھلا (اس سے) ڈراتا اور چوکنا کرتا ہوں لہٰذا تم بھاگو اور اپنی جان بچاؤ۔ تو اس قوم کی ایک گروہ نے تو اسکی بات مان لی اور اس فوج کے آنے سے پہلے پہلے راتوں رات سویرے سے اٹھکر آرام کیساتھ چلدیے اور بچ گئے لیکن ایک گروہ نے اسکو جھوٹا جانا (اور اسکی بات کو نہ مانا) اور صبح تک وہیں اپنی جگہ پر پڑا رہا۔ تو صبح کو اس (دشمن کی) فوج نے آکر انکو مار ڈالا اور انکا ستیاناس کر دیا تو ایسی ہی اسکی مثال ہے جس نے میری اطاعت کی اور میرا کہا مانا اور جو میں لایا اسکی پیروی کی (کہ وہ نجات پائیگا) اور ایسی ہی اسکی مثال ہے جس نے میری نافرمانی کی اور جو حق بات میں لیکر آیا ہوں اسکو جھٹلایا (کہ وہ ہلاک ہوگا)"۔ اب رہی چوتھی قسم کی جزا و سزا کی صورت جو بعثتِ انبیاء کیوجہ سے ہوتی ہے تو وہ اسوقت تک نہیں ہوتی جب تک کہ انبیاء مبعوث نہ ہو جائیں اور (لوگوں کے) شکوک و شبہات دور نہ ہو جائیں اور تبلیغ (دین) اچھی طرح سے نہ ہو جائے تاکہ جسکو (گمراہ ہو کر) ہلاک ہونا ہو وہ (اتمامِ حجت کے بعد) دلائل دیکھکر (دانستہ) ہلاک ہو اور جسکو (ہدایت پاکر) زندہ ہونا ہو تو وہ بھی دلائل دیکھکر (علی وجہ البصیرت) زندہ ہو"

واما المؤاخذة على هذا القدر متحققة قبل بعثة الانبياء و بعدها سواء، واما المجازاة بالوجه الثالث فمختلفة باختلاف الاعصار ودائرة معاملة على بعثة الانبياء والرسل واليها الاشارة فى قوله صلى الله عليه وسلم انما مثلى و مثل ما بعثنى الله به كمثل رجل اتى قوما فقال يا قوم انى رايت الجيش بعينى وانى انا النذير العريان فالنجاء النجاء فاطاعه طائفة من قومه فادلجوا فانطلقوا على مهلهم فنجوا وكذبت طائفة منهم فاصبحوا مكانهم فصبحهم الجيش فاهلكهم واجتاحهم فكذلك مثل من اطاعنى فاتبع ما جئت به و مثل من عصانى وكذب ما جئت به من الحق واما المجازاة بالوجه الرابع فلا تكون الا بعد بعثة الانبياء وكشف الشبهة وصحة التبليغ ليهلك من هلك عن بينة ويحيى من حى عن بينة۔

باب⁹ اس بیان میں کہ لوگوں کی جبلّت کے اختلاف کیوجہ سے انکے اخلاق و اعمال اور مراتبِ کمال میں اختلاف و فرق پایا جاتا ہے۔

اور دلیل اس بارے میں نبی صلعم کی یہ حدیث ہے کہ "جب تم یہ سنو کہ کوئی پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل گیا تو اسکو تو چاہیے سچ جان لو لیکن اگر یہ سنو کہ فلاں شخص کے اخلاق و عادات (جبلی) بدل گئے تو اسکو کبھی سچ نہ جانو کیونکہ وہ شخص پھر اپنی جبلّی حالت (و اصلیت) پر لوٹ آئے گا" اور ایک جگہ

باب اختلاف الناس فى جبلتهم المستوجب لاختلافهم فى اخلاقهم واعمالهم ومراتب كمالهم

والاصل فيه ما روى عن النبى صلى الله عليه وسلم انه قال اذا سمعتم بجبل زال عن مكانه فصدقوه و اذا سمعتم برجل تغير عن خلقه فلا تصدقوا به فانه يصير الى ما جبل عليه، وقال الا ان بنى آدم خلقوا على طبقات شتى فمنهم من يولد مؤمنا فذكر الحديث بطوله وذكر طبقاتهم فى الغضب وتقاضى الدين وقال الناس معادن كمعادن الذهب والفضة۔ وقال الله تعالى قل كل يعمل على شاكلته اى طريقته التى جبل عليها، وان شئت ان تستجلى ما فتح الله على فى هذا الباب و فهمنى من معانى هذه الاحاديث (فاعلم) ان القوة الملكية تخلق فى الناس على وجهين احدهما الوجه المناسب بالملأ الاعلى الذين شانهم الانصباغ بعلوم الاسماء والصفات ومعرفة دقائق الجبروت وتلقى نظام على وجه الاحاطة به واجتماع الهمة على طلب جوده، والثانى

آپ نے فرمایا ہے کہ "دیکھو! بنی آدم مختلف طور پر پیدا کئے گئے ہیں۔ ان میں سے بعض مومن پیدا ہوتے ہیں لیکن کافر ہو کر مرتے ہیں الخ" پھر آپ نے آگے تمام پوری حدیث بیان فرمائی اور غصہ و حقوق و قرض کے تقاضے میں انکے مختلف درجات کا ذکر فرمایا ہے اور ایک جگہ یہ بھی فرمایا کہ "لوگ سونے

اور دوسری قسم کی وہ قوت ہے جو ملأ اسافل کے مناسب ہے (یعنی ان سے مناسبت رکھتی ہے) ان (ملأ اسافل) کا کام اور مشغلہ یہ ہے کہ وہ محض حکم الٰہی کی تعمیل کیلئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں نہ تو اسکا احاطہ کرتے ہیں اور نہ اسکی طرف اپنی کوششیں اور ہمتیں مصروف و مرکوز کرتے ہیں اور نہ ہی اس سے پوری طرح واقف ہوتے ہیں (اور نہ انھیں معرفت اسماء وصفات ہوتی ہے) البتہ ان میں نورانیت ضرور ہوتی ہے جو انکو بہیمی آلودگیوں سے پاک رکھ سکتی ہے اور اسی طرح قوت بہیمیہ بھی دو قسم کی پیدا کی گئی ہے ان میں سے ایک تو وہ ہے جو نہایت شدید اور سخت بنائی گئی ہے جیسے اس قوی نر سانڈھ کی قوت جو بہت سی (عمدہ عمدہ) غذائیں کھلا کر پالا گیا ہو اور جسکی تربیت و پرورش بڑے اہتمام اور نہایت عمدہ ڈھنگ سے کی گئی ہو۔ تو اسطرح وہ نہایت جسیم، بلند آواز، شہ زور، قوی ہیکل، ہٹ کا پکا، باہمت، سنڈر، بڑا اکڑفوں، نہایت غصیل، سخت کینہ ور، قوی شہوت والا، غلبہ اور فتح کا لالچی اور شیر دل ہوگا۔ اور دوسری قسم کی قوت بہیمیہ وہ ہے جو نہایت کمزور و ضعیف ہوتی ہے جیسے اس جانور کی قوت جو خصی، ہیجڑا اور پیدائشی کچا ہو۔ اور اسکے علاوہ وہ قحط کا مارا ہو تا توں میں پلا ہو اور نامناسب طریقہ پر اسکی پرورش کی گئی ہو تو اسطرح وہ نہایت ضعیف و لاغر بدن، پست آواز، کمزور و ناتواں، بزدل، بے ہمت اور غلبہ و فتح سے بے رغبت ہوگا۔ ان دونوں قوتوں میں سے ہر ایک کی ایک خاص جبلت ہوتی ہے جو کہ ہر فرد میں مخصوص ہوتی ہے اور اس بات کی تخصیص کر دیتی ہے کہ فلاں کس قسم کی قوت کا مالک ہے (ملکی کا یا بہیمی کا) پھر اسکے بعد کسبی اعمال سے اسکو تائید۔ قوت اور مدد ملتی رہتی ہے جس سے اس میں اور ترقی ہو جاتی ہے۔ اور ان دونوں قوتوں (قوت ملکیہ اور بہیمیہ) کا ان (لوگوں) میں یکجا جمع ہونا بھی دو طور پر ہوتا ہے۔ ایک طور تجاذب ہے کہ باہمی کھینچا تانی کے بعد وہ دونوں جمع ہو جاتی ہیں جبکہ ہر ایک قوت اپنے مقتضا کو حاصل کرنے میں کوشاں اور اپنی اصلی غایت و مقصد کی طلبگار اور اپنے طبعی طور طریقہ کی خواہشمند رہتی ہے تو لامحالہ ان میں کشاکشی پیدا ہوگی۔ اگر ان میں سے کوئی ایک غالب آئیگی تو دوسری کے آثار کو مٹا دیگی۔ دوسرا طور باہمی صلح و مصالحت اور اتفاق ہے۔ اس صورت میں یہ ہوتا ہے کہ قوت ملکیہ کسی قدر اپنی خالص [illegible] سے نیچے اتر کر (یعنی ان سے ہٹ کر) اسکے قریب قریب کی باتوں ہی کو اختیار کر لیتی ہے اور ذرا اتنی پر اکتفا کرتی ہے جیسے عقل، سخاوت نفس، عفت طبع، سب کی نفع و بھلائی کو اپنے ذاتی نفع سے مقدم سمجھنا، فوری (یعنی دنیاوی) نفع کو چھوڑ کر آئندہ کے (یعنی اُخروی) فائدہ کو نظر رکھنا، سیاست میں ۔۔۔

الوجه المناسب بالملأ السافل الذين شأنهم انبعاث بداعية تترشح عليهم من فوقهم من غير إحاطة ولا اجتماع الهمة ولا المعرفة وبنور أنية ورفض للألواث البهيمية، وكذلك القوة البهيمية تخلق على وجهين أحدهما البهيمية الشديدة العضيفة كهيئة الفحل الفارة الذي نشأ في غذاء غزير وتدبير مناسب فكان عظيم الجسم شديده جهوري الصوت قوي البطش ذا همة نافذة وتيه عظيم وغضب وحسد قويين شبق وافر منافسا في الغلبة والظهور شجاع القلب والثاني البهيمية الضعيفة المهلهلة كهيئة الحيوان الخصي المخدج الذي نشأ في جدب وتدبير غير مناسب فكان حقيف الجسم ضعيفه ركيك الصوت ضعيف البطش جبان القلب غير ذي همة ولا منافسة في الغلبة والظهور والقوتان جميعا لهما جبلة تخصص أحد وجهيها وكسب يؤيده ويقويه ويمده فيه واجتماع القوتين فيهما أيضا يكون على وجهين فتارة تجتمعان بالتجاذب تكون كل واحدة متوفرة في طلب مقتضيا طامحة في أقصى غاياتها مريدة سننها الطبيعي فلا جرم أن يقع بينهما التجاذب فإن غلبت هذه اضمحلت آثار تلك وكذلك العكس، وتارة بالاصطلاح بأن تنزل الملكية عن طلب حكمها الصراح إلى ما يقرب منه من عقل وسخاوة نفس وعفة طبع وإيثار النفع العام على انتفاع نفسه خاصة والنظر إلى الآجل دون الاقتصار على العاجل و[illegible] النظافة في جميع ما يتعلق به وتنزل البهيمية من طلب حكمها الصراح إلى ما ليس ببعيد من الرأي الكلي ولا منافرة له فتصطلحان ويحصل مزاج لا تجاذب فيه ولكل من [illegible] الملكية والبهيمية والاجتماع طرفان ووسط ومراتب [illegible] من طرف أو وسط وكذلك تذهب الأقسام إلى غير النهاية إلا أن رؤوس الأقسام المنفرزة بأحكامها والتي يعرف غيرها بمعرفتها ثمانية حصلت من أقسام الاجتماع بالتجاذب الأربعة ملكية عالية تجتمع مع بهيمية شديدة [illegible]

سوم جو ملکیت سافلہ اور بہیمیت شدیدہ سے مل کر پیدا ہوتی ہے۔
چہارم جو ملکیت سافلہ اور بہیمیت ضعیفہ سے مل کر پیدا ہوتی ہے
اسی طرح ان کے باہمی ملاپ و مصالحت سے بھی یہی چار اقسام پیدا
ہوتی ہیں اور انمیں سے بھی ہر قسم کا حکم و خاصیہ جدا ہے جو کسی طرح نہیں
بدلتی جس کسی کو بھی اسکے احکام و خاصیات معلوم ہو جائینگی تو اس کو بہت
سی پریشانیوں اور الجھنوں سے نجات حاصل کرلیگا لیکن ہم یہاں صرف
ان باتوں کو بیان کرینگے جن کی ہمیں آئندہ اس کتاب میں ضرورت ہے تو
(معلوم ہونا چاہیے کہ) سخت ریاضتوں کا سب سے زیادہ محتاج و ضرورتمند
وہ شخص ہوگا جس کی قوت بہیمیہ سخت ہوگی خصوصًا وہ جو صاحب تجاذب
ہوگا اور کمالات سے بہرہ مند وہ ہوگا جس کی قوت ملکیہ عالیہ (غالب) ہوگی۔
لیکن صاحب مصالحت ادب اور عمل میں ان سب سے بہتر ہوگا اور صاحب
تجاذب قوت بہیمیہ سے چھٹکارا پانے کے بعد علم اور معرفت میں ان سب سے بڑھا
ہوگا مگر عمل کی چنداں پرواہ نہ کریگا اور بڑے بھاری کاموں میں سب سے غلتی وہی
برہیگا اور ان سے جی چرائیگا جس کی قوت بہیمیہ ضعیف ہوگی۔ لیکن صاحب
قوت عالیہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر خدا کی طرف متوجہ ہوجائیگا۔ اور صاحب
قوت سافلہ کو اگر فرصت ملیگی یا بہیمیت سے چھٹکارا پائیگا تو آخرت کیواسطے
سب کاروبار ترک کردیگا ورنہ سستی اور آرام طلبی کی خاطر اسے ترک کردیگا
اور بڑے بھاری کاموں میں سب سے زیادہ تندہی سے گھسیگا اور مشغول ہوگا جسکی
قوت بہیمیہ شدید اور زیادہ ہوگی لیکن صاحب قوت عالیہ امور ریاست سرداری
ولیڈری جیسے کاموں کی طرف زیادہ متوجہ ہوگا اور وہ سب کام کریگا جو اسکے
مناسب ہوتے ہیں اور صاحب قوت سافلہ جنگ جدل اور باربرداری جیسے
کاموں میں زیادہ مصروف ہوگا اور ہر صاحب تجاذب جب پستی کیطرف گریگا
تو صرف دنیوی امور میں مشغول رہیگا اور جب بلندی کیطرف ترقی کریگا تو صرف
دینی امور اصلاح نفس اور اس کے تزکیہ ہی میں مصروف رہیگا اور ہر صاحب
مصالحت ان دونوں کیطرف برابر توجہ صرف کریگا اور دونوں کو یک وقت
کریگا لیکن انمیں سے جس کی قوت عالیہ بہت ہی بلند ہوگی تو وہ دین و دنیا
دونوں کی سرداری کے لائق ہوگا اور حق تعالیٰ کے ارادہ کے مطابق اسی پر ہمیشہ قائم
رہیگا نظام کلی کے اتمام (جیسے خلافت اور دین وملت کی امامت) میں بمنزلہ
اسکے دست راست کے ہوگا یہی لوگ انبیاء اور ان کے ورثاء اور ستون دین اور
سلاطین وقت اور اولوالامر ہوتے ہیں اور جن لوگوں کا دین الٰہی میں اتباع واجب ہوتا ہے وہ لوگ ایسے اہل مصالحت ہوتے ہیں جن کی قوت ملکیہ عالی و
غالب ہوتی ہے اور ان لوگوں کے زیادہ مطیع وہ اہل مصالحت ہوتے ہیں جنکی قوت ملکیہ کمزور و سافل ہوتی ہے کیونکہ یہ لوگ نوامیس (یعنی اسرار الٰہی) کو پورا پورا حاصل

او ملكية سافلة تجتمع مع بهيمية شديدة او ضعيفة
والاجتماع بالاصطلاح ايضا الى اربعة مثلها ولكل قسم
حكم لا يتخلف من وفق لمعرفة احكامها استراح من تشويشات
كثيرة، ونحن نذكرههنا من ذلك ما يحتاج اليه في هذا الكتاب
فاحوج الناس الى الرياضات الشاقة من كانت بهيمية
شديدة لاسيما صاحب التجاذب واحظاها بالكمال
من كانت ملكية عالية لكن صاحب الاصطلاح احسنهم
عملا وادبهم وصاحب التجاذب اذا انفلت من اسر البهيمية
اكثرهم علما ولا يبالي بآداب العمل كثير مبالاة وازهدهم
في الامور العظام اضعفهم بهيمية لكن صاحب العالية يترك
الكل تفرغا للتوجه الى الله وصاحب السافلة ان انفلت يترك
للآخرة والا يتركه كسلا ودعة واشدهم اقتحاما في الامور
العظام اشدهم بهيمية لكن صاحب العالية اقومهم بالرياسات
ونحوها مما يناسب الرأي الكلي وصاحب السافلة اشدهم
اقتحاما في نحو القتال وحمل الاثقال وصاحب التجاذب اذا
اندفع الى الاسفل اشتغل بالامر الدنيوي فقط واذا ترقى
الى الاعلى اشتغل بالامر الديني وتهذيب النفس وتجريدها
فقط، وصاحب الاصطلاح يشتغل بهما جميعا ويقصدهما
مرة واحدة ومن كانت عالية منهم في غاية العلو ينبعث
الى رياسة الدين والدنيا معا ويصير باقيا بمراد الحق وبمنزلة
الجارحة له في تمام نظام كلي كالخلافة وامامة الملة واولئك
هم الانبياء وورثتهم واساطين الناس وسلاطينهم واولوا
الامر منهم والذين يجب تقيادهم في دين الله اهل الاصطلاح
العالية ملكيتهم واطوعهم لاولئك اهل الاصطلاح السافلة
ملكيتهم فانهم يتلقون النواميس باشباحها وهيئاتها و
اطوعهم منهم اهل التجاذب لانهم اما منهمكون في ظلمات
الطبيعة فلا يقيمون السنة الراشدة او قاهرون عليها
فان كانوا اهل علو عضوا على رواح النواميس وكانت لهم
مسامحة في اشباحها وكان اكثر همتهم معرفة حقائق الجبروت

اوران کے رنگ میں رنگین ہونیمیں مصروف رہیں گی اور اگر اس (علو) سے کم ہوں تو ریاضتوں اور وردوں میں پھنسے رہیں گے اور کشف اشراف اور قبولیت دعا وغیرہ جیسے انوار ملکیہ سے خوش رہیں گے لیکن خاص نوامیس (یعنی اسرار الٰہیہ) ان کے دل کی تہ میں نہیں بیٹھیں گی جب تک کہ طبیعت پر جبر کریں یا انوار کا سہارا لیں تو یہیں وہ اصول جو میرے پروردگار نے مجھے عطا فرمائے ہیں جو ان کو غور سے سمجھ لیگا تو اہل اللہ کے احوال اس پر روشن ہو جائینگے انکے ذاتی کمالات و اشارات کی انتہا سے وہ واقف ہو جائیگا اور انکے سلوک کے مراتب بھی اسکو معلوم ہو جائینگے یہ (علم) محض خداوند تعالیٰ کے فضل کی بدولت (عطا ہوا) ہے جو اس نے ہم پر اور باقی تمام لوگوں پر کیا ہے لیکن اکثر لوگ (اس کی ان نعمتوں کا) شکر ادا نہیں کرتے

والانصباغ بصبغها وان کانوا دون ذلک اهتموا بالریاضات والاوراد واعجبوا بالبوادت الملکیة من کشف واشراف و استجابة الدعاء ونحو ذلک ولم یدعوا من النوامیس بجذر قلوبهم الا فی حبل قهر الطبیعة وجلب الانوار فهذه اصول اعطانیها ربی من اتقنها استجلی احوال اهل الله ومبلغ کمالهم ومطمح اشاراتهم عن انفسهم ومخرج مراتب سلوکهم ذلک من فضل الله علینا وعلی الناس ولکن اکثر الناس لا یشکرون ۔

باب (۱۰) ان خواطر و خیالات کے اسباب کے بیان میں جو اعمال پر اکساتے ہیں

واضح ہو کہ انسان کے ان دلی خواطر و خیالات کا جو اس کو کسی کام پر اکساتے اور رغبت دلاتے ہیں ضرور کوئی نہ کوئی سبب ہوگا کیونکہ تمام حوادث (نو پیدا شدہ چیزوں) میں عادت الٰہی یونہی جاری ہے کہ ان کے وجود میں آنے کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہوتا ہے ۔ مشاہدے تجربہ اور صحیح غور و فکر سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اسکے بہت سے اسباب ہیں جو یہیں منجملہ ان اسباب کے سب سے بڑا سبب انسان کی وہ جبلت ہے جو اسکی خلقت میں رکھی گئی ہے چنانچہ اس کا ذکر ایک حدیث میں اس سے پیشتر آچکا ہے منجملہ ان کے انسان کا مزاج طبعی ہے جو کھانے پینے وغیرہ جیسی ضروری تدابیرات و حالات سے بدلتا رہتا ہے چنانچہ بھوکا آدمی کھانا طلب کرتا ہے اور پیاسا پانی مانگتا ہے بالغ اور تیز شہوت والا شخص عورت کی خواہش کرتا ہے بعض اوقات انسان ایسی غذائیں کھاتا ہے جو قوت باہ (شہوت) کو تقویت پہنچاتی ہیں جس سے اسمیں عورتوں کیطرف میلان پیدا ہو جاتا ہے اور پھر اسکے دل میں ایسے ایسے خیالات پیدا ہوتے ہیں جنکا تعلق عورتوں سے ہوتا ہے اور پھر یہی خیالات اسکو بہت سے (ناقابل ذکر) افعال کے کرنے پر آمادہ کر دیتے ہیں ۔ اور بعض اوقات انسان ایسی سخت غذائیں کھاتا ہے جن سے اسکا دل بھی سخت ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ قتل تک کی جرأت کر بیٹھتا ہے اور بہت سی ان باتوں پر بھی غصہ ہو جاتا ہے جن پر اور لوگ غصہ نہیں ہوتے اور وہ باتیں قابل غصہ ہوتی ہیں پھر یہی دونوں قسم کے اشخاص جب صیام و قیام یعنی ریاضت نفس کرنے لگتے ہیں یا بہت بوڑھے ہو جاتے ہیں یا سخت بیمار پڑ جاتے ہیں تو انکی پہلی حالت بہت حد تک بدل جاتی ہے

باب فی اسباب الخواطر الباعثة علی الاعمال

اعلم ان الخواطر التی یجدها الانسان فی نفسه وتبعثه علی العمل بموجبها لاجرم ان لها اسبابا کسنة الله تعالیٰ فی سائر الحوادث والنظر والتجربة یظهران ان منها وهی اعظمها جبلة الانسان التی خلق علیها کما نبه النبی صلی الله علیه وسلم فی الحدیث الذی رویناه من قبل ومنها امر جه الطبیعی المتغیر بسبب التدابیر المحیطة به من الاکل والشرب وغیر ذلک کالجائع یطلب الطعام والظمآن یطلب الماء والمغتلم یطلب النساء ورب انسان یاکل ما یقوی الباءة فیمیل الی النساء ویجد فی نفسه باحادیث تتعلق بهن وتصویرهن مهیجة له علی کثیر من الافعال ورب انسان یغتذی غذاء یشتد فیقسو قلبه ویجتری علی القتل ویغضب فی کثیر مما لا یغضب فیه غیره ثم اذا ارتاض هذان انفسهما بالصیام والقیام او شاخا او کبرا او مرضا مرضا منهکا تغیر اکثر ما کان فیه ورقت قلوبهما وعفت نفوسهما ولذلک تری الاختلاف بین الشیوخ والشباب ورخص النبی صلی الله علیه وسلم الشیخ فی القبلة وهو صائم ولم یرخص للشاب ، ومنها العادات والمالوفات فان من اکثر ملابسة شیٔ وتمکن من لوح نفسه ما یناسبه من الهیآت الاعتدال مال الیه کثیر من خواطره ومنها ان النفس الناطقة فی بعض الاوقات تنفلت من اسر البهیمیة فتختطف من سیر الملأ الاعلیٰ

یعنی دل نرم ہو جاتا ہے اور نفس سیدھا ہو جاتا ہے (یہی) وجہ ہے کہ بوڑھے اور جوان کے حالات میں بڑا فرق پایا جاتا ہے اور اسی (فرق) کی بنا پر نبی صلعم نے روزہ کی حالت میں بوڑھے کو تو بیوی کا بوسہ لینے کی اجازت دیدی لیکن جوان کو نہ دی منجملہ ان کے کسی چیز کی عادت اور الفت ہے کیونکہ جب انسان کسی بات کو کثرت کے ساتھ کرتا ہے اور اسطرح اسکے لوح دل پر م

ہیئت نورانی آ جاتی ہے جو کبھی تو نیک کام سے اُنس و محبت اور اطمینان و سکون کا باعث ہوتی ہے اور کبھی کسی اعلیٰ و نیک فعل (کے کرنے) کا عزم پیدا کر دیتی ہے۔ منجملہ انکے ایک بات یہ بھی ہے کہ بعض نفوس خسیسہ (ادنیٰ نفوس) شیاطین سے متاثر ہو کر انکے رنگ میں رنگ (مل) جاتے ہیں۔ تو کبھی ان میں بُرے خیالات پیدا ہوتے اور بُرے افعال سرزد ہوتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ اس کی باتیں بھی وہی حیثیت رکھتی ہیں جو دل کے خیالات کی ہے۔ یعنی اگر فرق ہے تو اتنا کہ خواب کی باتیں نفس مجرّد (البلا تنبیہ) اور دماغ سے آتا ہے بایں صورت کسی خاص شکل و صورت میں ظاہر ہوتی ہیں۔ محمد ابن سیرین فرماتے ہیں کہ خواب کی تین قسمیں ہیں۔ حدیث نفس (دل کی اندرونی باتیں) شیطانی ڈراوے اور بشارات من اللہ (خدا کی طرف سے خوش خبریاں)۔

باب (١١) انسان کے اعمال کا اسکے نفس سے لگایا اور چپکایا جانا اور اسکے لئے ان کا محفوظ رکھا جانا

خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے ہر انسان کے عمل کو اسکی گردن میں لٹکا دیا ہے اور اسکو اسکے لئے قیامت کے دن کتاب بنا کر پیش کر دینگے جسکو وہ کھلا ہوا دیکھ لیگا (پھر ہم کہیں گے کہ لے) اپنی کتاب پڑھ آج اپنا حساب لینے کیلئے تو خود کافی ہے۔ نبی صلعم خداوند تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ قیامت کے روز فرمائیگا کہ یہ تمہارے ہی اعمال تو ہیں جنکو میں نے تمہارے لئے سینت کر محفوظ رکھا تھا اب میں تمکو انہیں کا بدلہ دیتا ہوں تو جسکو بھلائی ملے وہ خدا کا شکر ادا کرے اور جسکو بُرائی ملے تو وہ صرف اپنے آپ کو ملامت کرے۔ اور آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ نفس (دل) تمنا اور خواہش کیا کرتا ہے پھر فرج (عضو تناسل) اسکو سچا اور جھوٹا کرتا ہے۔ واضح ہو کہ جن اعمال کو انسان قصداً کرتا ہے ان کا اور ان عادات و اخلاق کا جو اس میں راسخ ہوتے ہیں نفس ناطقہ (روح) مبداء و منبع ہے۔ وہ اسی سے نکلکر اسی کیطرف واپس لوٹ آتے ہیں، پھر اسکے دامن سے چمٹ جاتے ہیں اور سینت کر اسمیں محفوظ کر لئے جاتے ہیں۔ اب رہی یہ بات کہ اس سے پیدا کیونکر ہوتے ہیں تو اسکی وجہ یہ ہے جو آپ جان چکے ہیں کہ قوت ملکیہ اور بہیمیہ ان کے امتزاج (مرکب) کی چند اقسام بن جاتی ہیں جن میں سے ہر ایک کی جداگانہ خاصیت ہوتی ہے اور انسان کے مزاج طبعی کا غلبہ اور ملائکہ یا شیاطین کے رنگ سے رنگین ہونا اور اسیطرح کے دوسرے اسباب جنکی وجہ سے خواطر ظہور میں آتے ہیں) انسان کی جبلت ہی سے پیدا ہوتے اور اسمیں مناسبت پیدا کرتے ہیں لہٰذا معلوم ہوا کہ ان کا مرجع یہی اصل نفس ہے خواہ بواسطہ یا بلا واسطہ۔ اب دیکھئے

ما يبدو له من هيئة نورانية فتكون تارة من باب الانس والطمانينة وتارة من باب العزم على فعل، ومنها ان بعض النفوس الخسيسة تتاثر من الشياطين وتنصبغ بصبغهم ... تلك الهيئة خواطر وافعالا واعلموان المنام ... من الخواطر غير انها تتجرد لها النفس فتنتسج لها صورها ... قال محمد بن سيرين الرؤيا ثلاث حديث النفس وتخويف الشيطان وبشرى من الله

باب لحوق الاعمال بالنفس واحصائها عليها

قال الله تعالى: وكل انسان الزمناه طائره في عنقه ونخرج له يوم القيمة كتابا يلقاه منشورا اقرأ كتابك كفى بنفسك اليوم عليك حسيبا وقال النبي صلى الله عليه وسلم فيما يروي عن ربه تبارك وتعالى انما هي اعمالكم احصيها عليكم ثم اوفيكم اياها فمن وجد خيرا فليحمد الله ومن وجد غير ذلك فلا يلومن الا نفسه وقال النبي صلى الله عليه وسلم النفس تتمنى وتشتهي والفرج يصدق ذلك ويكذبه، اعلم ان الاعمال التي يقصدها الانسان قصدا مؤكدا والاخلاق التي هي راسخة فيه تنبعث من اصل النفس الناطقة ثم تعود اليها ثم تتشبث بذيلها وتحصى عليها اما الانبعاث منها فلما عرفت ان الملكية والبهيمية واجتماعهما اقساما ولكل قسم حكما وغلبة المزاج الطبيعي والانصباغ من الملائكة والشياطين ونحو ذلك من الاسباب التي تكون الخواطر بحسب ما تعطيه الجبلة وتحصل فيه المناسبة فلذلك كان المرجع الى اصل النفس بوسط او بغير وسط الست ترى المخنث يخلق في اول امره على مزاج ركيك فيستدل العارف على انه اذا شب على مزاجه وجب ان يعتاد بعادات النساء ويتزين ويتحلى برسومهن وكذلك يدرك الطبيب ان الطفل ان شب على مزاجه ... كان قويا فادها او ضعيفا ضارعا واما العود اليها فلان الانسان اذا عمل عملا فاكثر منه اعتادته النفس وسهل صدوره منها ولم يحتج الى روية وتجشم داعية فلا جرم ان النفس ثبتت

(اسکی زندہ مثال) کہ جب مخنث (بچہ) ابتدا میں نازک مزاج پیدا ہوتا ہے تو اسی وقت اس بات سے ماہر نفسیات جان جاتا ہے کہ اگر یہ (بچہ) اپنے اسی مزاج پر جوان ہوگا تو ضرور عورتوں کی سی عادات و صفات لباس و زیب و زینت اختیار کریگا اور انہیں کی سی رسوم اور طور طریق اختیار کریگا اور اسیطرح طبیب و ڈاکٹر بھی جانتا ہے کہ اگر فلاں بچہ اپنے مزاج کے موافق

اس کا رنگ قبول کر لیا ہے اور یہ یقینی بات ہے کہ اس تاثیر (جو انسان بے شمار اعمال سے قبول کرتا ہے) ہم جنس اعمال کے ایک ایک عمل کو دخل ہوتا ہے چاہے وہ (تاثیر یا اثر) کتنا ہی باریک یا خفیف کیوں نہ ہو۔ نبی صلعم کی اس حدیث میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ "گمراہیوں کے خیالات (فتنے) دلونکو بوریے کے تنکوں کیطرح ترتیب وار گھیر لیتے ہیں[1] پھر جو دل انکے اثر کو قبول کر لیتا ہے تو اسمیں ایک سیاہ دھبہ پڑ جاتا ہے اور جو دل اسکو قبول نہیں کرتا اسمیں سفید نشان ہو جاتا ہے آخر کار (بڑھتے بڑھتے) ان دو نوں دلوں کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ سفید نشان والا تو (پورا کا پورا) ایسا صاف شفاف ہو جاتا ہے جیسے سنگ مرمر اور پتھر کو آئندہ کیلئے کسی قسم کے فتنہ یا بدعملی کی نقصان دہی کا اندیشہ نہیں رہتا اور دوسرا سیاہ دھبہ والا کالا سیاہ غبار آلودہ اور جھکے ہوئے کوزے کے مانند ہو جاتا ہے[2] کہ سوائے اپنی دلی خواہشوں کے نیکی بدی کچھ نہیں جانتا" اب رہی یہ بات کہ اعمال نفس کے دامن سے کیوں چمٹ جاتے ہیں؟ تو اسکی وجہ یہ ہے کہ نفس ناطقہ شروع شروع میں صاف و ساده ہیولانی صورت میں پیدا کیا جاتا ہے ہر قسم کے خد و خال اور رنگ و اثر سے خالی ہوتا ہے پھر اسکے بعد قوت سے فعل کیطرف دن بدن ترقی کرتا رہتا ہے اور ہر پچھلی حالت کیلئے پہلی حالت معد ہوتی ہے[3] اور ان معدات کا سلسلہ ترتیب وار ہوتا ہے کوئی ایک بھی آگے کی پیچھے اور پیچھے کی آگے نہیں ہو سکتی جو نفس ناطقہ آج موجود ہے اسمیں معدات سابقہ میں سے ہر معد کا ویسا کا ویسا ہی اثر موجود ہے گو کسی خارجی شغل میں توجہ بٹنے کیوجہ سے نفس کو اسکا پوری طرح احساس نہ ہو صرف دو صورتوں میں اس اثر کے زائل ہو جانیکا احتمال ہے اول یہ کہ وہ چیز ہی فنا ہو جائے جس میں وہ قوت موجود رہتی ہے جس سے اعمال پیدا ہوتے ہیں جیسے کہ بوڑھے اور مریض کے بارے میں ہم ذکر کر چکے ہیں[4] دوسرے یہ کہ (حظیرۃ القدس کی) کوئی ہیئت بالائی اسپر غالب آکر اسکے نظام (سابق) کو اس طرح بدل دے جیسے کہ وہ مذکورہ بالا صورت میں بدل جاتا ہے[5] چنانچہ اسی کی بابت خداوند تعالیٰ بھی فرماتا ہے کہ "نیکیاں برائیونکو مٹا دیتی ہیں" اور یہ بھی فرماتا ہے کہ "اگر تو شرک (اختیار) کر لیگا تو تیرے سب اعمال برباد ہو جائینگے" اب رہی یہ بات کہ وہ اعمال اسکے لئے جمع کر کے محفوظ کیوں رکھے جاتے ہیں؟ تو اسکا راز جو کچھ مجھے اپنے ذوق سے معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ نظام فوقانی کی عطا کے موافق و مناسب عالم مثال کے بالائی طبقے میں ہر انسان کی ایک صورت ظاہر ہوتی ہے اور میثاق کے قصہ میں جس کا ظہور ہوا وہ اسی کی ایک شاخ تھی[6] پھر جب وہ شخص عالم وجود میں آتا ہے تو وہ صورت اسپر لگ جاتی ہے اور اسطرح اس کے ساتھ ملکر ایک ہو جاتی ہے پھر جب وہ شخص کوئی (اچھا) عمل کرتا ہے تو وہ صورت اس (عمل) سے بلا اختیار طبعی طور پر خوش ہو جاتی ہے[7] پھر (مرنے کے بعد) عالم معاد میں کبھی تو یوں ظاہر ہوگا کہ اوپر اسکے اعمال اسکے لئے سمیٹ کر محفوظ رکھ لئے گئے ہیں جیسا کہ نامۂ

منه وقبلت لونه ولا جرم ان لكل عمل من تلك الاعمال المتجانسة مدخلا في ذلك التاثر وان دق وخفي مكانه واليه الاشارة في قوله صلى الله عليه وسلم تعرض الفتن على القلوب كالحصير عودا عودا فاي القلب اشربها نكتت فيه نكتة سوداء واي قلب انكرها نكتت فيه نكتة بيضاء حتى تصير على قلبين ابيض مثل الصفا فلا تضره فتنة ما دامت السموات والارض والآخر اسود مربادا كالكوز مجخيا لا يعرف معروفا ولا ينكر منكرا الا ما اشرب من هواه واما التشبث بذيلها فلان النفس في اول امرها تخلق هيولانية فارغة عن جميع ما تنصبغ به ثم لا تزال تخرج من القوة الى الفعل يوما فيوما وكل حالة متاخرة لها معد من قبلها والمعدات كلها سلسلة مترتبة لا يتقدم متاخرها على متقدم مستصحب في هيئة النفس الموجودة اليوم حكم كل معد قبلها وان خفي عليها بسبب اشتغالها بما هو خارج منها اللهم الا ان يفنى حامل القوة المنبعثة تلك الاعمال منها كما ذكرنا في الشيخ والمريض وتهجم عليها هيئة من فوقها تغير نظامها كالتغير المذكور كما قال الله تعالى ان الحسنات يذهبن السيئات وقال لئن اشركت ليحبطن عملك واما الاحصاء عليها فسره على ما وجدته بالذوق ان في الحيز الشاهق تظهر صورة لكل انسان بما يعطيه النظام الفوقاني والتي ظهرت في قصة الميثاق شعبة منها فاذا وجد هذا الشخص نطبقت الصورة عليه واتحدت معه فاذا اعمل عملا انشرحت هذه الصورة بذلك العمل انشراحا طبيعيا بلا اختيار منه فربما تظهر في المعاد ان اعمالها محصاة عليها من فوقها، ومنه قراءة الصحف وربما تظهر ان اعمالها فيها متشبثة باعضائها، ومنه نطق الايدي والارجل ثم كل صورة عمل مفصحة عن ثمرته في الدنيا والآخرة وربما تري ... في تصويره فيقول الله تعالى اكتبوا العمل كما صورنا ... كل ما قدره الله تعالى من ابتداء خلق العالم الى الآخرة مسطور

اس مخلوق کو بھی خداوند تعالیٰ ہی نے پیدا کیا ہے کبھی تو اسے لوح محفوظ کہتے ہیں کبھی کتاب مبین اور کبھی امام مبین جیسا کہ قرآن میں وارد ہوا ہے۔ پس جو کچھ عالم میں ہو چکا ہے اور ہوگا اس لوح پر ایسے نقوش سے لکھا ہوا ہے جوان آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتے۔ آپ یہ نہ سمجھیں کہ وہ لوح (محفوظ) کسی لکڑی یا لوہے یا ہڈی کی تختی ہے اور وہ کتاب (مبین) کاغذ یا ورقوں کی بنی ہوئی ہے بلکہ آپ قطعی طور پر یہ بات سمجھ لیجئے کہ جسطرح خداوند تعالیٰ کی ذات و صفات انسانوں کی ذات و صفات کے مشابہ نہیں اسیطرح اس کی تختی اور کتاب ان کی تختیوں اور کتابوں جیسی نہیں ہیں۔ اگر آپ اسکو سمجھنے کیلئے کوئی مثال چاہیں تو حافظ قرآن کے دل و دماغ کو لے لیجئے کیونکہ لوح محفوظ میں خداوند تعالیٰ کے مقرر و انداز وں کا ریکارڈ بالکل اسیطرح محفوظ ہے جس طرح حافظ قرآن کے دل و دماغ میں قرآن کے الفاظ محفوظ ہوتے ہیں اور اسکو وہ دل و دماغ پر اسطرح لکھے ہوئے نظر آتے ہیں جیسے کہ وہ پڑھتے وقت انکو دیکھ رہا ہے مگر جب آپ اسکے دماغ کو چیر کر دیکھینگے تو اس طرح کا لکھا ہوا کوئی حرف بھی دکھائی نہ دے گا۔ پس لوح محفوظ میں بھی اسی طور پر سب کچھ جو اللہ تعالیٰ نے مقدر کیا ہے لکھا ہوا سمجھ لیجئے" امام غزالی کا قول ختم ہوا۔ پھر یہ بھی ہوتا ہے کہ نفس نے جو کچھ کیا ہوتا ہے تو یا برا اسکو وہ اکثر یاد کیا رہتا ہے اور اسکی جزا و سزا کی امید رکھتا ہے تو یہ بھی اسکے عمل برقرار رکھنے کی ایک اور وجہ بن جاتی ہے باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔

باب (۱۳) : اعمال کا نفسی حالتوں سے وابستہ ہونا

واضح ہو کہ اعمال ہیئت نفسانی[1] کے مظاہر، اسکے آشکار کرنے کی گھاٹیاں اور اسکی شرحیں ہیں اور عرف عام میں اسی کے ساتھ متحد ہیں یعنی ساری کی ساری دنیا حال دل کو کسی طبعی و قدرتی سبب کی بنا پر جو صورت نوعیہ کیوجہ سے پیدا ہوتا ہے اعمال کے ساتھ تعبیر کرتی ہے[2] اسکی وجہ یہ ہے کہ جب دلی ارادہ انسان کو کسی کام پر آمادہ کرتا ہے اور نفس اسکو پسند کر لیتا ہے تو وہ کھل کر ہشاش و بشاش ہو جاتا ہے اور اگر ناپسند کرتا ہے تو وہ پژمردہ و افسردہ ہو کر مرجھا جاتا ہے اور پھر جب وہ اس کام کو کر چکتا ہے تو اس ارادہ کا مبدا و منبع (خواہ قوت ملکیہ ہو یا بہیمیہ) مستقل اور قوی ہو جاتا ہے اور اسکا مخالف (منبع خواہ قوت ملکیہ ہو یا بہیمیہ) غیر مستقل اور کمزور ہو جاتا ہے۔ نبی صلعم کے اس قول سے یہی بات جھلکتی ہے کہ (انسان کا) نفس آرزو اور خواہش کرتا ہے اور فرج (اس کی شرمگاہ) اس خواہش نفسانی کو سچا کرتی ہے یا جھوٹا کرتی ہے آپ جس خلق و عادت کو دیکھینگے یہی پائینگے کہ اسکے لئے چند افعال و اعمال اور ہیئات و کیفیات مخصوص ہوتی ہیں جن کے ذریعہ سے

وثبت في خلق من خلق الله تعالى يعبر عنه تارة باللوح وتارة بالكتاب المبين وتارة بالإمام المبين كما ورد في القرآن فجميع ما جرى في العالم وما سيجري مكتوب فيه ومنقوش عليه نقشا لا يشاهد بهذه العين ولا تظنن أن ذلك اللوح من خشب أو حديد أو عظم وأن الكتاب من كاغد أو رق بل ينبغي أن تفهم قطعا أن لوح الله لا يشبه لوح الخلق وكتاب الله تعالى لا يشبه كتاب الخلق كما أن ذاته وصفاته لا تشبه ذات الخلق وصفاتهم بل إن كنت تطلب له مثالا يقربه إلى فهمك فاعلم أن ثبوت المقادير في اللوح المحفوظ يضاهي ثبوت كلمات القرآن وحروفه في دماغ حافظ القرآن وقلبه فإنه مسطور فيه حتى كأنه حين يقرؤه ينظر إليه ولو فتشت دماغه جزءا جزءا لم تشاهد من ذلك الخط حرفا فمن هذا النمط ينبغي أن تفهم كون اللوح منقوشا بجميع ما قدره الله تعالى وقضاه انتهى، ثم كثيرا ما تكون النفس تذكر ما عملته من خير أو شر وتتوقع جزاءه فيكون ذلك سببا آخر من وجوه استقرار عمله والله أعلم.

باب ارتباط الأعمال بالهيئات النفسانية

اعلم أن الأعمال مظاهر الهيئات النفسانية وشروح لها وشركات لاقتناصها ومتحدة معها في العرف الطبيعي يتفق جمهور الناس على التعبير بها بسبب ما يعطيه الصورة النوعية وذلك لأن الداعية إذا انبعثت إلى عمل فطاوعت لها نفسه انبسطت وانشرحت وإن امتنعت انقبضت وتقلصت فإذا باشر العمل استقر منبعثه من ملكية أو بهيمية وقوي وانحرف مقابله وضعف، وإلى هذا الإشارة في قوله صلى الله عليه وسلم النفس تمنى وتشتهي والفرج يصدق ذلك ويكذبه، ولن ترى خلقا إلا وله أعمال وهيئات يشار بها إليه ويعبر بها عنه وتتمثل صورتها مكشافا له فلو أن إنسانا وصف إنسانا بالشجاعة واستفسر فتبين لم يبين إلا أعمالا له تشهد بالشجاعة أو بالسخاوة

[1] ہیئت نفسانی، نفسی حالت، کیفیت قلبی، احوال دل، خلق اور خلق سب کا ایک ہی مطلب ہے ۱۲ م

[2] یعنی ... اعمال سے ... ۱۲

امر بين الادراهم ودنانير ينفق لها ولو ان انسانا اراد ان يستحضر صورة الشجاعة والسخاوة اضطر الى صور تلك الاعمال البتة اللهم الا ان يكون قد غير فطرة الله التي فطر الناس عليها وان واحدا اراد ان يحصل خلقا ليس فيها فلا سبيل له الى ذلك الا بالمواظبة على سنته وتجشم الاعمال المتعلقة به وتذكر وقائع الاقوياء من اهله ثم الاعمال هي الامور المضبوطة التي تقصد بالتوقيت وترى وتبصر وتحكى وتؤثر وتدخل تحت القدرة والاختيار ويمكن ان يؤاخذ بها وعليها ثم النفوس ليست سواء في احصاء الاعمال والملكات عليها، فمنها نفوس قوية تتمثل عندها الملكات اكثر من الاعمال فلا تجد من كمالها بالاصالة الا الاخلاق ولكن تتمثل الاعمال لها لانها قوالبها وصورها فيحصى عليها الاعمال احصاء اضعف من احصاء الاخلاق بمنزلة ما يتمثل في الرؤيا من اشباح المعنى المراد كالختم على الافواه والفروج ومنها نفوس ضعيفة تحسب اعمالها عين كمالها لعدم استقلال الهيئات النفسانية فلا تتمثل لاضمحلالها في الاعمال فيحصى عليها انفس الاعمال وهم اكثر الناس وهم المحتاجون جدا الى التوقيت البالغ ولهذا المعنى عظم الاعتناء بالاعمال في النواميس الالهية، ثم ان كثيرا من الاعمال يستقر في الملا الاعلى ويتوجه اليها استحسانهم واستقباحهم بالاصالة مع قطع النظر عن الهيئات النفسانية التي تصدر عنها فيكون اداء الصالح منها بمنزلة قبول الهام من الملا الاعلى في التقرب منهم والتشبه بهم واكتساب انوارهم ويكون اقتراف السيئة منها خلاف ذلك، وهذا الاستقرار يكون بوجوه، منها انهم يتلقون من بارئهم ان نظام البشر لا يتم الا باتيان اعمال والكف عن اعمال فتتمثل تلك الاعمال عندهم ثم تنزل في الشرائع من هنالك ومنها ان قوما من البشر الذين مرنوا ولازموا تلك الاعمال اذا انتقلت الى الملا الاعلى فتوجه اليها استحسانهم واستقباحهم ومضى على هذا القرون والا[illegible] ... صور الاعمال عندهم ولهذا فتؤثر الاعمال حينئذ

وہ بھی یہی کہیگا کہ وہ شخص روپیہ پیسہ خوب خرچ کرتا ہے اور اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ شجاعت اور سخاوت کی تصویر اسکی آنکھوں کے سامنے پھر جائے تو وہ مجبور ہوگا کہ ان شجاعت و سخاوت کے اعمال کی تصویر اپنے سامنے لائے ہاں یہ دوسری بات ہے کہ وہ فطرت الٰہی کو بدل جائے جس پر سب لوگ پیدا ہوئے ہیں اور اگر کوئی شخص (بہ تکلف) وہ خلق و عادت حاصل کرنا چاہے جو اسمیں پہلے سے موجود نہیں تو اسکو اسکے سوا کوئی چارہ ہی نہیں کہ اسکے صحیح موقعوں کو [illegible] اور ان اعمال وافعال کو نہایت جانفشانی اور [illegible] سے کرے جنکا اس خلق سے تعلق ہے اور ان لوگوں کے واقعات یاد کرے جو اس قسم کے کام کر گئے ہیں پھر یہ اعمال ہی ہوتے ہیں جو قابو میں آسکتے ہیں ان ہی کے (کرنے) لئے اوقات کا تعین ہوسکتا ہے نظر بھی یہی آتے ہیں یہی دیکھے بھی جاسکتے ہیں بیان بھی کئے جاسکتے ہیں اور اثر انداز بھی ہوسکتے ہیں نقل و پیروی بھی انہی سے ہوسکتی ہے اور قدرت واختیار میں بھی یہی داخل ہوتے ہیں مؤاخذہ اور انعام بھی انہیں پر ممکن ہوسکتا ہے۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ سب نفوس اعمال اور ملکات کے محفوظ کرنے میں برابر نہیں ہوتے کیونکہ بعض نفوس تو ایسے قوی ہوتے ہیں جو اعمال سے زیادہ ملکات کو تصور میں لے آتے ہیں تو ان کا اصلی کمال اپنے اندر صرف اخلاق و ملکات پیدا کرنا ہوتا ہے لیکن اعمال بھی انکے تصور میں منتقل ہوکر آتے ہیں کیونکہ یہ اعمال ان اخلاق و ملکات کے قالب اور تصویر ہوا کرتے ہیں تو اسطرح یہ اعمال محض اسی وجہ سے محفوظ کئے جاتے ہیں مگر انکی محافظت اخلاق و ملکات کی محافظت سے کم ہوتی ہے یہ تمثل ایسا ہے جسطرح خواب میں معانی مقصودہ اعمال کی شکل میں دکھائی دیتے ہیں جیسے مونہوں اور شرمگاہوں پر مہر لگانا دیکھنا۔ اور بعض نفوس ایسے کمزور ہوتے ہیں جو اپنے اعمال ہی کو اپنا اصلی کمال سمجھتے ہیں کیونکہ ان میں نفسی کیفیات اچھی طرح جمی ہوئی نہیں ہوتیں بلکہ اعمال ہی کے لباس میں نظر آتی ہیں لہذا انہیں اعمال کے جوہر محفوظ رہتے ہیں اور اکثریت ایسے ہی لوگوں کی ہوا کرتی ہے انہیں وقت کی پابندی کی بہت ضرورت ہوتی ہے اور اسی لئے شریعت میں معانی اور کیفیات کے مقابلہ میں اعمال کیطرف زیادہ توجہ دلائی گئی ہے اور ان ہی پر زیادہ زور دیا گیا ہے پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ بہت سے اعمال [illegible] ہوتے ہیں جو قطع نظر اس ہیئت نفسانی کے جس کی وجہ سے عالم میں ظہور میں آیا کرتے ہیں [illegible] ملاءِ اعلیٰ میں قرار پذیر ہیں [illegible]

بزرگوں سے منقول اور مجربہ تعویذوں اور منتروں کی نہیں ہوتی ہے۔ باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔

باب (۱۳): جزا و سزا کے اسباب۔

واضح ہو کہ جزا و سزا کے اسباب اگرچہ بہت ہیں لیکن وہ سب ان دو باتوں پر مبنی ہیں اول یہ کہ نفس انسانی اپنی قوت ملکیہ کے ذریعہ کسی بدفعلی یا بدخلقی کو نامناسب سمجھتا ہے اسکے اس احساس سے اسمیں ایک ندامت و حسرت اور الم و دل خراش پیدا ہوتا ہے بسا اوقات اس کی وجہ سے خواب یا بیداری میں ایسے ایسے واقعات نظر میں آتے ہیں جو رنج و الم و ذلت و اہانت اور خوف و ڈر کے باعث ہوتے ہیں بہت سے نفوس ایسے بھی ہوتے ہیں جسکو جسطرح کہ اور علوم کے الہام کی استعداد ہوتی ہے اسی طرح اس عمل کے نامناسب ہونیکے الہام کی بھی استعداد ہوتی ہے[۱] پس فرشتوں کی زبانی یہ خطاب ہوتا ہے کہ انکو ظاہر کر کے دکھایا جائے اور بتایا جاتا ہے[۲]۔ اور اسی بات کیطرف خداوند تعالیٰ کی اس آیت میں اشارہ ہے کہ "ہاں! جنہوں نے گناہ کمائے اور انکے گناہوں نے انہیں گھیر لیا تو وہی جہنمی ہیں ہمیشہ وہیں رہیں گے"۔ دوم[۳] یہ کہ حظیرۃ القدس والے فرشتے بنی آدم کیطرف متوجہ رہتے ہیں (صورت حال یہ ہوتی ہے کہ) ملأ اعلیٰ کے پاس ہیئات نفسانی اور اخلاق و اعمال اچھے اور برے، پسندیدہ اور ناپسندیدہ سب رکھے ہوئے ہوتے ہیں پس وہ اپنے رب سے بڑے زور سے سوال کرتے ہیں کہ ان (نیکوکار) لوگوں کو راحت اور ثواب ملے اور ان (بدکار) لوگوں کو مصیبت اور عذاب ملے۔ چنانچہ انکی دعا قبول ہوتی ہے اور بنی آدم پر اپنا اثر اسطرح دکھاتی ہے کہ ان پر جسطرح دیگر علوم نازل ہوتے ہیں اسی طرح رحمت و لعنت برستی ہے جس کی وجہ سے المناک یا راحت کن واقعات ظہور میں آتے ہیں اور اسطرح ملأ اعلیٰ انہیں ڈراتے دھمکاتے ہوئے یا ان سے راضی و خوش نظر آتے ہیں[۴] کبھی ان نفوس پر ملأ اعلیٰ کی ناراضگی کیوجہ سے ایسا اثر پڑتا ہے جیسے کہ ان پر غشی یا مرض کی سی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ اور کبھی ان کا وہ قصد و ارادہ نازل ہوتا ہے جو (انسان کی) کمزور حالتوں کو مضبوط کرتا ہے جیسے خواطر (کمزور خیالات) وغیرہ تو اسکی وجہ سے ملائکہ یا بنی آدم کو الہام ہوتا ہے کہ وہ ان (بدکاروں) کے ساتھ برا سلوک اور ان (نیکوکاروں) کے ساتھ نیک سلوک روا رکھیں۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خود انکے اعمال اصلاح یا فساد پیدا کر کے انکی راحت و ثواب یا مصیبت و عذاب کا باعث بن جاتے ہیں۔ بلکہ دراصل سچی بات تو یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کی ازل سے جو انسان پر نظر عنایت ہے وہ کبھی یہ نہیں چاہتی کہ انسان یونہی بیکار آزاد چھوڑ دیا جائے

فاتأثير العزائم والرقى المأثورة عن السلف بهيئتها وصفتها والله أعلم۔

باب أسباب المجازاة۔

اعلم أن أسباب المجازاة وإن كثرت ترجع إلى أصلين، أحدهما أن تحس النفس من حيث قوتها الملكية بعمل أو خلق النسمة أنه غير ملائم لها فتنشئ فيها ندامة وحسرة وألم، وربما أوجب ذلك تمثل واقعات في المنام أو اليقظة تشتمل على إيلام وإهانة وتهديد، ورب نفس تستعد لإلهام المخالفة تخويفات على ألسنة الملائكة بأن تتراءى له كما تتراءى ما تستعد له من العلوم، وإلى هذا الأصل وقعت الإشارة في قوله تعالى بلى من كسب سيئة وأحاطت به خطيئته فأولئك أصحاب النار هم فيها خالدون، والثاني توجه حظيرة القدس إلى بني آدم فيعلم الملأ الأعلى هيئات وأعمال وأخلاق مرضية ومسخوطة فتطلب من ربها طلبا قويا تنجيز أهل هذه وتعذيب أهل تلك فيستجاب دعاؤهم وتنبسط على بني آدم همتهم وتترشح عليهم صورة الرحمة واللعنة كما تترشح سائر العلوم فتنشأ واقعات إيلامية أو إنعامية وتتراءى الملائكة لهم مهددة أو مبشرة [illegible] إليهم وربما تأثرت النفس من سخطهم فعرض لها كهيئة الغشي أو كهيئة المرض وربما ترشح ما عندهم من الهمة المتأكدة على الحوادث الضعيفة كالخواطر ونحوها فألهمت الملائكة أو بنو آدم أن يحسنوا أو يسيئوا إليه وربما أحيل أمر من ملابسا ته [illegible] أو فساد [illegible] فيتعذب أو يتنعم به بل الحق الصراح أن الله تبارك وتعالى عناية بالإنسان يوم خلق السماوات والأرض توجب أن الإنسان ليس سدى وأن يؤاخذهم على ما يفعلون، لكن [illegible] جعلنا دعوة الملائكة عنوانا لها والله أعلم، وإلى هذا الأصل وقعت الإشارة في قوله تعالى إن الذين كفروا وماتوا وهم كفار أولئك عليهم لعنة الله والملائكة والناس أجمعين خالدين فيها لا يخفف عنهم

جائے اور اس سے اسکے اعمال کی باز پرس نہ ہو لیکن چونکہ یہ بات ذرا مشکل سے سمجھ میں آتی تھی (کہ خدا کسطرح اچھا برا بدلہ دیگا) اسلئے ہم نے ملائکہ کی دعا اور بد دعا کو [illegible] بنا دیا ہے۔ باقی اللہ بہتر جانتا ہے اور اسی دوسری بات کیطرف اس قول الٰہی میں اشارہ ہے

[۱] یعنی جس طرح اور علوم کا الہام ان کو ہوتا ہے اسی طرح اس کا الہام بھی ہوتا ہے [illegible]

کہ ہوگا اور نہ (کسی قسم کی) مہلت و رعایت ملے گی۔ ان دونوں اسباب کی ترکیب اور باہمی ملاوٹ سے عمل اور نفس انسانی کی استعداد کے مطابق بہت سی عجیب عجیب صورتیں پیدا ہوتی ہیں لیکن پہلی بات ان اعمال واخلاق پر زیادہ اثر انداز ہوتی ہے جن سے یا تو نفس کی اصلاح ہوتی ہے یا بگاڑ ہوتا ہے اور ذکی اور قوی (ملکیت والے) نفوس اسکو زیادہ قبول کرتے ہیں اور دوسری بات ان اعمال و اخلاق پر زیادہ اثر انداز ہوتی ہے جن سے نظام کلی میں فرق پیدا ہوتا ہے یعنی ان چیزوں پر جو مصالح عامہ اور مفاد کلی کے خلاف اور نظام انسانی کی اصلاح و درستگی کے منافی ہوتے ہیں اور اسکو وہ نفوس زیادہ قبول کرتے ہیں جو ضعیف (ملکیت والے) اور بدتر و نکمے ہوتے ہیں۔ جزا و سزا کے ان دونوں اسباب کے بعض موانع بھی ہوا کرتے ہیں جو اسکو ایک خاص مدت تک کیلئے ملتوی کر دیتے ہیں پہلے سبب کے تو یہ چیز مانع ہوتی ہے کہ نفس انسانی میں ملکیت کمزور ہو جاتی ہے اور بہیمیت غالب آجاتی ہے اور یہ حالت بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ نفس سارا کا سارا بہیمی بن جاتا ہے اور پھر ... افعال و اعمال سے ذرا بھی رنج اور تکلیف نہیں ہوتی مگر جب ... پر سے جامۂ بہیمی الگ ہو جاتا ہے اور بہیمیت سے امداد ملنی بھی ختم ہو جاتی ہے اور اسکی جگہ ملکیت کے انوار چمکنے لگتے ہیں تو اسوقت اسکو رفتہ رفتہ رنج و عذاب یا راحت و ثواب ملنا شروع ہو جاتا ہے اور دوسرے سبب سے یہ چیز مانع ہوتی ہے کہ اسکا جو حکم (عذابی) ہے اسکے مخالف اسباب جمع ہو جاتے ہیں (اسلئے وہ جزا و سزا ایک خاص وقت تک کیلئے ملتوی رہتی ہے) لیکن جب اسکا مقررہ وقت (موت) آجاتا ہے تو اسوقت اس جزا و سزا کا بند ٹوٹ جاتا ہے اور وہ طوفان و سیلاب کیطرح آجاتی ہے چنانچہ اس قول الٰہی میں اسی طرف اشارہ ہے کہ "ہر قوم (کے عذاب) کا ایک وقت معین ہے جب وہ وقت آپہنچتا ہے تو (جزا ٹل کر رہتی ہے) نہ ایک گھڑی دیر ہوتی ہے نہ سویر"۔

مبحث دوم۔ دنیاوی و اُخروی جزا و سزا کی کیفیت

پہلا باب[1]۔ دنیا میں اعمال کی جزا و سزا

خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ "تم پر جو کچھ مصیبت پڑتی ہے تو وہ تمہارے اپنی کرتوتوں کا نتیجہ ہے اور بہت سی تو وہ معاف بھی کر دیتا ہے" اور ایک جگہ فرماتا ہے کہ "اگر وہ لوگ توریت، انجیل اور جو کچھ انکے پاس ان کے خدا کیطرف سے آیا تھا اسپر عمل کرتے تو آسمان اور زمین کی نعمتیں کھاتے (یعنی رزق آسمان سے برستا اور زمین سے اُبلتا)" اور جو کچھ کنجوس باغ والوں کے قصہ میں خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ تو ... ہی ہے اور نبی صلعم نے اس آیت کی تفسیر میں کہ "اپنے دل کی بات کو خواہ تم ظاہر کرو خواہ چھپاؤ خدا تم سے سب کا حساب لیگا" اور اس آیت کی تفسیر میں کہ "جو کوئی بھی برا کام کریگا وہ اس کا بدلہ پائیگا" یوں فرماتے ہیں کہ "اس بدلہ اور جزا سے خدا کا وہ عتاب مراد ہے جو بندہ پر بخار یا اسی قسم کی کسی اور چھوٹی بڑی مصیبت و سختی کی صورت میں ہوتا ہے یہاں تک کہ جو پریشانی اور گھبراہٹ اسکو جیب میں رکھی ہوئی چیز کے گم ہو جانے سے ہوتی ہے وہ بھی اسی میں شمار ہوتی ہے اور اس طرح انسان مصائب کی صورت میں اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرتے کرتے ان سے اسطرح پاک اور صاف ہو جاتا ہے جس طرح سونا بھٹی میں جلانے سے صاف ہو جاتا ہے" واضح ہو کہ قوت ... ہوجایا کرتی ہے (حاشیہ) سلہ مصنف نے جزا و سزا کے دو سبب بیان فرمائے ہیں ...

العذاب ولاهم ينظرون ويتركب الاصلان فيحدث من تركيبهما بحسب استعداد النفس والعمل صور كثيرة عجيبة لكن الاول قوى فى اعمال واخلاق تصلح النفس وتفسدها واكثر النفوس له قبولا اذكاها واقواها والثانى قوى فى اعمال واخلاق تمس المصالح الكلية منافرة لما يرجع الى صلاح نظام بنى آدم واكثر النفوس له قبولا اضعفهم واسمجها ولكل من السببين مانع يصده عن حكمه الى حين، فالاول يصده عنه ضعف الملكية وقوة البهيمية حتى تصير كانها نفس بهيمية فقط لا تتألم من آلام الملكية فاذا تخففت النفس عن الجلباب البهيمى وقل مدده وبرقت بوارق الملكية عذبت او نعمت شيئا فشيئا، والثانى يصده عنه تطابق الاسباب على ما يخالف حكمه حتى اذا جاء اجله الذى قدره الله ثم عند ذلك الجزاء ثجا وهو قوله تبارك وتعالى لكل امة اجل اذا جاء اجلهم فلا يستأخرون ساعة ولا يستقدمون.

المبحث الثانى

مبحث كيفية المجازاة فى الحياة وبعد الممات

(باب الجزاء على الاعمال فى الدنيا)

قال الله تعالى وما اصابكم من مصيبة فبما كسبت ايديكم ويعفو عن كثير وقال ولو انهم اقاموا التوراة والانجيل وما انزل اليهم من ربهم لاكلوا من فوقهم ومن تحت ارجلهم وقال الله تعالى فى قصة اصحاب الجنة الذين منعوا الصدقة ما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فى قوله تعالى وان تبدوا ما فى انفسكم او تخفوه يحاسبكم به الله وقوله تعالى من يعمل سوءا يجز به هذه معاتبة الله العبد بما يصيبه من الحمى والنكبة حتى البضاعة يضعها فى يد قميصه فيفقدها فيفزع لها حتى ان العبد ليخرج من ذنوبه كما يخرج التبر الاحمر من الكير اعلم ان للملكية بروزا بعد كمونها فى البهيمية

کبھی تو یہ بات طبعی موت سے حاصل ہوتی ہے اور کبھی اختیاری موت سے طبعی موت سے اسطرح کہ اسوقت قوت بہیمیہ کو غذائی امداد ملنی بند ہو جاتی ہے جس کیوجہ سے اسکے مواد رفتہ رفتہ اسطرح تحلیل ہو جاتے ہیں کہ نہ پھر ان کا کوئی بدلہ ہوتا ہے اور نہ بھوک پیاس غصہ وغیرہ سے نفس میں ہیجان و خواہش پیدا ہوتی ہے تو ان حالات میں اس پر عالم قدس کا رنگ آنے لگتا ہے (اور اسطرح قوت ملکیہ پیدا ہو جاتی ہے) اور اختیاری موت سے اسطرح کہ جب انسان اپنی قوت بہیمیہ کو ریاضت نفس سے توڑتا اور مغلوب کرتا رہتا ہے اور عالم قدس کیطرف متوجہ ہو کر اس کا تصور دل میں جمائے رہتا ہے تو اس پر کسی قدر قوت ملکیہ کے انوار چمکنے لگتے ہیں اور (یہ بھی واضح رہے کہ) ہر چیز اپنی مناسب باتوں سے خوش ہو کر کھلتی اور پھیل جاتی ہے اور مخالف باتوں سے رنجیدہ خاطر ہو کر پژمردہ اور منقبض ہو جاتی ہے (یہی حال قوت ملکیہ کا ہے) اور (یہ بھی معلوم رہنا چاہیے کہ) ہر درد و رنج اور لذت و خوشی کی ایک خاص صورت و شکل ہوتی ہے جسمیں وہ متشکل ہو کر دکھائی دیتی ہے مثلاً اخلاط (مزاج) محترق کی شکل بدن میں خراش اور جلن ہوتا ہے اور حرارت صفرا سے جو ایذا و تکلیف ہوتی ہے تو اس کی شکل کرب و بے چینی اور خواب میں آگ اور شعلے دکھائی دینا ہے اور بلغم کی ایذا دہی کی شکل سردی کی شدت اور خواب میں پانی اور برف دکھائی دینا ہے۔ اسی طرح جب قوت ملکیہ کا غلبہ ہوتا ہے اور انسان اس سے مناسبت رکھنے والی صفات مثلاً نظافت و پاکیزگی اور خشوع و خضوع وغیرہ اپنے اندر پیدا کر لیتا ہے تو اسے خواب میں یا بیداری میں انس و سرور کی مخصوص صورتیں نظر آنے لگتی ہیں اور اگر اسکے برخلاف عمل کیا جائے تو وہ اعمال غیر معتدل کیفیات اور ایسے واقعات کی صورت میں نظر آئیں گے جن میں اہانت اور تہدید (ڈرانا اور دھمکی) پائی جاتی ہے مثلاً غصہ کاٹتے نوچتے اور غراتے ہوئے درندہ کی صورت میں ظاہر ہوگا اور بخل ڈستے ہوئے سانپ کی صورت میں نظر آئیگا خارجی (یعنی دنیاوی) جزاء و سزا کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ وہ اسباب کے فراہم ہونے پر ملتی ہے پس جو کوئی ان اسباب کو سمجھ لے اور ان اسباب سے جو نظام ظہور میں آتا ہے اسکو مد نظر رکھے تو وہ قطعی طور پر جان لیگا کہ خداوند تعالیٰ کسی گنہگار و نافرمان کو دنیا میں سزا دیئے بغیر نہیں چھوڑتا مگر ساتھ ہی ساتھ اس نظام (کائنات کی مصلحتوں) کو بھی ملحوظ رکھتا ہے چنانچہ یہ ہے کہ جب انسان کو راحت و آرام اور رنج و عذاب دینے کے ظاہری اسباب موقوف ہو جاتے ہیں تو اسکو نیک اعمال ہی کے ذریعہ راحت و آرام دیا جاتا ہے اور بد اعمال ہی کے ذریعہ رنج و عذاب دیا جاتا ہے اور جب کسی انسان کے لیئے تکلیف و رنج کے اسباب جمع ہو جاتے ہیں لیکن درحقیقت وہ شخص ہوتا نیکوکار ہے تو اگر ان اسباب کا بند کرنا اسکی نیکوکاری کے مقابلہ میں کچھ برا بھی نہیں ہوتا تو اسکے نیک اعمال اس بلاء و مصیبت کو سرے سے دفع کرتے اور اگر یہ نہیں ہو سکتا تو اس کی سختی قدرے کم کرنے میں صرف کیئے جاتے ہیں اور اسی طرح جب کسی کیلئے اسباب تو راحت و آرام کے جمع ہو جاتے ہیں لیکن وہ شخص بدکار ہوتا ہے تو اسکے بداعمال اس نعمت و آرام کے دور کرنے میں صرف ہو جاتے ہیں اور گویا وہ ان اسباب کے عمل میں مانع ہو جاتا ہے اور اگر اسکے اعمال کے موافق اسباب جمع ہو جاتے ہیں تو اسوقت راحت بھی خوب ملتی ہے اور تکلیف و سزا بھی خوب ملتی ہے۔ لیکن کبھی اعمال کے حکم سے نظام کائنات کا حکم زیادہ ضروری ہوتا ہے تو ایسے موقع پر بدکار کو تو نعمت و آرام دیکر کچھ عرصہ مہلت دیدی جاتی ہے

وانفكاكا بعد اشتباكها بها فتارة بالموت الطبيعي فانه حينئذ لا يأتي مددها من الغذاء وتتحلل موادها الا الى بدل ولا تهيج النفس احوال طارئة كجوع وشبع وغضب فيأخذها لون عالم القدس عليها وتارة بالموت الاختياري فلا يزال يكسر بهيميته برياضة واستدامة توجه الى عالم القدس فيبرق عليه بعض بوارق الملكية وان لكل شيء انشراحا وانبساطا بما يلائمه من الاعمال والهيئات وانقباضا وتقلصا بما يخالفه منها وان لكل الم ولذة شبحا يتشبح به، فشبح الخلط اللذاع الخش، وشبح التأذي من حرارة الصفراء الكرب والضجر ان يرى في منامه النيران والشعل وشبح التأذي من البلغم مقاساة البرد، وان يرى في المنام المياه والثلج فاذا برزت الملكية ظهرت في اليقظة او المنام اشباح الانس والسرور كان اكتسب النظافة والخشوع وسائر ما يناسب الملكية ويتشبح اضدادها في صورة كيفيات مضادة للاعتدال ووقعات تشتمل على اهانة وتهديد ويظهر الغضب في صورة سبع ينهش والبخل في صورة حية تلدغ والضابط في المجازاة الخارجية انها تكون في تضاعيف اسباب فمن احاط بتلك الاسباب وتمثل عنده النظام المنبعث منها علم قطعا ان الحق لا يدع عاصيا الا يجازيه في الدنيا مع رعاية ذلك النظام فيكون اذا هدأت الاسباب عن تنعيمه وتعذيبه نعم بسبب الاعمال الصالحة او عذب بسبب الاعمال الفاجرة ويكون اذا اجتمعت الاسباب على ايلامه وكان صالحا وكان قبضها لمعارضة صلاحه غير قبيح صرفت اعماله الى رفع البلاء او تخفيفه او على انعامه وكان فاسقا صرفت الى ازالة نعمته وكان كالمعارض لسببها اذا اجتمعت على مناسبة اعماله امد في ذلك امدادا بينا وربما كان حكم النظام اوجب من حكم الاعمال فيستدرج بالفاجر ويضيق على الصالح في الظاهر ويصرف التضييق الى كسر بهيمية ويفهم ذلك الذي كالذي يشرب الدواء امر عافية ... الى حيث قوله صلى الله عليه وسلم مثل المؤمن كمثل الخامة

من الزرع تفيئها الرياح تصرعها مرة وتعدلها اخرى حتى يأتيه اجله ومثل المنافق كمثل الارزة المجذية التي لا يصيبها شيء حتى يكون انجعافها مرة واحدة وقوله صلى الله عليه وسلم ما من مسلم يصيبه اذى من مرض فما سواه الا حط الله به سيئاته كما تحط الشجرة ورقها ورب اقليم غلبت عليه طاعة الشيطان وصار اهله كمثل النفوس البهيمية فتتقلص عنه بعض المجازاة الى اجل وذلك قوله تعالى وما ارسلنا في قرية من نبي الا اخذنا اهلها بالبأساء والضراء لعلهم يضرعون ثم بدلنا مكان السيئة الحسنة حتى عفوا وقالوا قد مس آباءنا الضراء والسراء فاخذناهم بغتة وهم لا يشعرون ولو ان اهل القرى آمنوا واتقوا لفتحنا عليهم بركات من السماء والارض ولكن كذبوا فاخذناهم بما كانوا يكسبون، وبالجملة فالامر ههنا يشبه بحال سيد لا يتفرغ للجزاء فاذا كان يوم القيامة صار كانه تفرغ واليه الاشارة في قوله تعالى سنفرغ لكم ايها الثقلان ثم المجازاة تارة تكون في نفس العبد بافاضته البسط والطمانينة او القبض والفزع وتارة في بدنه بمنزلة الامراض الطارئة من هجوم غم او خوف، ومنه وقوع النبي صلى الله عليه وسلم مغشيا عليه قبل نبوته حين كشفت عورته، وتارة في ماله واهله وربما الهم الناس والملائكة والبهائم ان يحسنوا اليه او يسيئوا ويقرب الى خير او شر بالهام او احالات من فهم ما ذكرنا ووضع كل شيء في موضعه استراح من اشكالات كثيرة كمعارضة الاحاديث الدالة على ان البر سبب زيادة الرزق والفجور سبب نقصانه والاحاديث الدالة على ان الفجار يعجل لهم الحسنات في الدنيا وان اكثر الناس بلاء الامثل فالامثل، ونحو ذلك والله اعلم۔

باب ذكر حقيقة الموت

اعلم ان لكل صورة من المعدنية والنامية والحيوانية والانسانية مقتضيات في سطحية الصورة، ولها كمالات اولها اقتضاء

اسکو ہوا کبھی ادھر جھکا دیتی ہے کبھی ادھر جھکا دیتی ہے کبھی زمین پر گرا دیتی ہے اور کبھی سیدھا کھڑا کر دیتی ہے یہانتک کہ اسکا آخری وقت آجاتا ہے اور منافق چیڑ اور سرو کے سیدھے اور مضبوط درخت کے مانند ہے (ہوا سے) اس کا کچھ نہیں بگڑتا لیکن آخر کار یکبارگی جڑ سے اکھڑ جاتا ہے اور اس حدیث سے بھی یہی مراد ہے فرماتے ہیں کہ جس مسلمان کو بھی مرض یا اس قسم کی دوسری مصیبتیں پہنچتی ہیں تو خداوند تعالیٰ ان سے اس کے گناہ صغیرہ اسطرح جھاڑ دیتا ہے جسطرح درخت کے پتے جھڑ جاتے ہیں بہت سے ملک ایسے ہوتے ہیں جہاں شیطان کی اطاعت وبندگی زوروں پر ہوتی ہے وہاں کے لوگ (عیش و نشاط ظلم وغیرہ میں) بہائم اور درندوں کیطرح ہوتے ہیں تو ایسے لوگوں کی جزا بھی ایک خاص مدت کیلئے ملتوی کر دیجاتی ہے چنانچہ خداوند تعالیٰ نے اپنے اس قول مبارک میں یہی کچھ فرمایا ہے کہ ہم نے جب کسی نبی کو کسی بستی یا شہر میں بھیجا تو پہلے وہاں کے لوگوں کو سختی افلاس اور مصیبت میں ڈال دیا تاکہ وہ ڈھیلے پڑ جائیں اور (خدا کے آگے) عاجزی کریں لیکن جب انھوں نے ایسا نہ کیا تو پھر ہم نے تکلیفوں کے بجائے نعمتیں دیکر انھیں خوب خوش حال کر دیا (جب انکی یہ حالت ہوئی) تو کہنے لگے کہ اس سے پہلے ہمارے آباؤ اجداد کو بھی اسی قسم کی سختیاں اور نرمیاں پہنچتی رہی ہیں (ان کا نیک وبد عمل سے کوئی تعلق نہیں ہے)۔ پھر ہم نے بھی انکو یکایک اسطرح آلیا کہ انکو خبر بھی نہ ہوئی اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور ہماری بات مان کر پرہیزگاری اختیار کرتے (برے اعمال سے بچتے اور اچھے اعمال کرتے) تو انپر ہم آسمان وزمین کی برکتوں کے دہانے کھولدیتے لیکن انھوں نے ہماری بات نہ مانی بلکہ اس کو جھٹلایا تو ہم نے بھی ان کے اعمال بد کی وجہ سے انکو (عذاب کے پھندے میں) جکڑ لیا۔ ماحصل کلام یہ ہے کہ یہاں (دنیا) کی جزا وسزا کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی سردار اپنی رعیت کو جزا دینے کیلئے پوری طرح فارغ نہ ہو پھر جب قیامت کا دن آئیگا تو وہ اعمال کی جزا دینے کے لیے سب کاموں سے فارغ ہو جائیگا (کسی اور طرف توجہ نہ دیگا) اس قول الٰہی میں اسی طرف اشارہ ہے کہ "اے جن وانس ہم عنقریب تمہارے (حساب وکتاب) کیلئے فارغ ہونیوالے ہیں" دنیاوی جزا و سزا کی کئی صورتیں ہیں کبھی تو وہ اسطرح ہوتی ہے کہ انسان کے دل میں خوشی و اطمینان یا رنج وگھبراہٹ پیدا ہو جاتی ہے اور کبھی اسطرح کہ اسکے بدن میں کچھ ہو جاتا ہے جیسے غم اور خوف سے پیدا ہونیوالے امراض کا حملہ، نبی صلعم کا زمانہ نبوت سے قبل ستر کھلنے سے بیہوش ہو کر گرنا بھی جزائے بدنی کی ایک مثال ہے کبھی یہ دنیاوی جزا انسان کے مال وعیال کے ذریعہ دیجاتی ہے کبھی انسانوں، حیوانوں اور فرشتوں کو الہام ہوتا ہے کہ وہ اس (فلاں شخص) سے نیک سلوک کریں یا بدسلوکی سے پیش آئیں، اور کبھی خود اسکو ایسے الہام وغیرہ ہوتے ہیں جنکی وجہ سے وہ برائی یا بھلائی کے قریب آجاتا ہے۔ جو شخص ہمارے مذکورہ بالا مضمون کو اچھی طرح سمجھ لیگا اور ہر بات کو اپنے موقع پر رکھے گا تو وہ بہت سے اشکالات سے نجات پالیگا جیسے یہ اشکال کہ باہم ان دونوں قسم کی حدیثوں میں معارضہ اور اختلاف ہے کہ ایک قسم کی حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ نیکی سے رزق میں زیادتی اور گناہوں سے اسمیں کمی ہوتی ہے لیکن دوسری قسم کی احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بدکار لوگوں کو دنیا میں قبل از وقت جلد بھلائیاں اور نعمتیں دیدیجاتی ہیں اور نیک لوگوں پر [illegible]

كمال الاخرى وان اشتبه الامر في الظاهر فالاركان اذا تصغرت وامتزجت باوضاع مختلفة كثرة وقلة حدثت ثنائيات كالبخار والغبار والدخان والثرى والارض المثارة والجمرة والسفعة والشعلة وثلاثيات كالطين المخمر والطحلب ورباعيات نظائر ما ذكرنا وتلك الاشياء لها خواص مركبة من خواص اجزائها ليس فيها شئ غير ذلك وتسمى بكائنات الجو ثم تاتي المعدنية فتقتعد غارب ذلك المزاج وتتخذه مطية وتصيره ذات خواص نوعية وتحفظ المزاج ثم تاتي النامية فتتخذ الجسم المحفوظ المزاج مطية وتصير قوة محولة اجزاء الاركان والكائنات الجوية الى مزاج نفسه لتخرج الى الكمال المتوقع لها بالفعل ثم تاتي الحيوانية فتتخذ الروح الهوائية الحاملة للقوى التغذية والتنمية مطية وتتفنن التصرف في اطرافها بالحس والارادة انبعاثا للمطلوب وانخناسا عن المهروب ثم تاتي الانسانية فتتخذ النسمة المتصرفة في البدن مطية وتقصد الى الاخلاق التي هي امهات الانبعاثات والانخناسات فتقيمها وتحسن سياستها وتاخذها منصة لما تتلقاه من فوقها فالامر وان كان مشتبها بادئ الراي لكن النظر المعمق يلحق كل اثر بمنبعها ويفرد كل صورة بمطيتها وكل صورة لا بد لها من مادة تقوم بها وانما تكون المادة ما يناسبها وانما مثل الصورة كمثل خلقة الانسان القائمة بالشمعة في التمثال ولا يمكن ان توجد الخلقة الا بالشمعة فمن قال بان النفس النطقية المخصوصة بالانسان عند الموت ترفض المادة مطلقا فقد خرص نعم لها مادة بالذات وهي النسمة ومادة بالعرض وهو الجسم الارضي فاذا مات الانسان لم يضر نفسه زوال المادة الارضية وبقيت حالة بمادة النسمة و يكون كالكاتب المجيد المشغوف بكتابته اذا قطعت يداه و ملكة الكتابة بحالها والمستهتر بالمشي اذا قطعت رجلاه والسميع والبصير اذا اصبح اصم واعمى واعلموا ان من الاعمال والهيأت ما يباشرها الانسان بداعية من قلبه

گو ظاہر میں یہ بات ذرا مشتبہ معلوم ہوتی ہے، پس عناصر (آگ، ہوا، پانی، مٹی) جس وقت نہایت چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اور ریزے ہو کر مختلف مقداروں (کوئی تھوڑے کوئی زیادہ) باہم ملتے اور ممتزج ہوتے ہیں تو ان سے کئی قسم کے مرکبات پیدا ہوتے ہیں مثلاً مرکب ثنائی (دو عنصر والے مرکب) جیسے بخارات، بھاپ، غبار، دھواں، گیلی مٹی، جتی ہوئی زمین، انگارہ، لیٹ اور شعلہ وغیرہ، مرکب ثلاثی (تین عنصر والے مرکب) جیسے خمیر کردہ مٹی یا گارا اور کائی وغیرہ اور مرکب رباعی اسکی بھی اسیطرح کی مثالیں ہیں ان تمام چیزوں کے جو خواص ہوتے ہیں وہ صرف انکے اجزاء کے خواص ہی سے مرکب ہوتے ہیں اجزائے ترکیبی کے خواص کے علاوہ کوئی دوسری خاصیت باہر سے نہیں آجاتی اور نہ اندر سے پیدا ہوتی ہے اس قسم کی چیزوں کو کائنات الجو کہتے ہیں۔ پھر اس ترکیب کے بعد معدنی صورت آتی ہے جو اس مرکب مادہ پر مسلط ہو کر اسکو اپنی سواری بنا لیتی ہے اسکی نوع کے خواص اسکو عطا کرتی ہے اور وہ اس مادہ کے مزاج کو محفوظ رکھتی ہے۔ پھر اس کے بعد نباتی صورت آتی ہے اور اس مرکب مادہ کے جسم پر (جسکا مزاج محفوظ ہوتا ہے) مسلط ہوجاتی ہے اور اب اسمیں اتنی قوت آجاتی ہے کہ وہ مختلف اجزائے عنصری اور کائنات الجو کو بدل کر اپنے مزاج کے موافق بنا لیتی ہے تاکہ ان اجزائے عنصری وغیرہ کو ایک کمال جو متوقع تھا بالفعل حاصل ہوجائے۔ پھر اسکے بعد حیوانی صورت آتی ہے جو روح ہوائی کو (جسمیں غذا حاصل کرنے اور بڑھنے کی قوتیں موجود ہوتی ہیں) اپنی سواری بنا لیتی ہے اور اسمیں یہ تصرفات کرتی ہے کہ اسمیں قوت حس و ارادہ پیدا کر دیتی ہے جس سے اسمیں اتنا احساس و ارادہ آجاتا ہے کہ وہ اپنی مطلوب اور مفید چیز کے (حصول کیلئے) آمادہ اور کوشاں ہوجاتی ہے اور مضر چیز سے (بچنے کے لئے) پیچھے ہٹ جاتی ہے۔ پھر اسکے بعد انسانی صورت آتی ہے جو اس نسمہ یعنی روح کو (جو بدن میں تصرف کرتی ہے) اپنی سواری بنا لیتی ہے اور ان اخلاق و ملکات کیطرف جو کسی (اچھے) کام کے کرنے پر آمادہ اور (برے) کام کو کرنے سے روکتے ہیں خاص توجہ دیتی ہے لہٰذا وہ اپنے اس مقصد کے زیر نظر ان ملکات و اخلاقی قوتوں کو بحال کرتی اور ان کے نظام میں عمدگی پیدا کر کے ایک ضابطے میں لے آتی ہے اور انہی کو عالم بالا سے حاصل ہونے والی تمام چیزوں کی جلوہ گاہ بناتی ہے۔ یہ بات گو بادی النظر میں کسیقدر مشتبہ معلوم ہوتی ہے لیکن جب غور کیا جاتا ہے تو ہر اثر اور نتیجہ کو اسی کے اپنے علیحدہ مبدأ و منبع کی طرف منسوب کرنا پڑتا ہے اور ہر صورت کو اسکی اپنی جدا سواری پر بیٹھانا پڑتا ہے اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ ہر صورت کیلئے ایک مادہ کا ہونا نہایت ضروری ہے تاکہ اسکے ساتھ وہ صورت قائم و برقرار رہ سکے اور مادہ بھی ہر صورت کے مناسب ہونا چاہیئے۔ صورت کو مادے کی ایسی احتیاج ہوتی ہے جیسے موم کی اس صورت انسانی کو ہوتی ہے جو موم میں بنا دی گئی ہو چنانچہ وہ صورت انسانی بغیر موم کے وجود میں نہیں رہ سکتی۔ لہٰذا جو شخص یہ کہتا ہے کہ "نفس انسانی (یا نفس ناطقہ) موت کے بعد مادہ سے بالکل علیحدہ ہوجاتا ہے" وہ غلط کہتا ہے ہاں! یہ بات ضرور ہے کہ نفس انسانی کے دو مادے ہوتے ہیں (جن پر وہ سوار ہوتا ہے) انمیں سے ایک اصلی ہوتا ہے جسے نسمہ یا روح ہوائی کہتے ہیں (اسکا تعلق اس سے براہ راست ہوتا ہے) اور دوسرا عارضی ہوتا ہے جسے جسم ارضی (زمینی بدن) کہتے ہیں (اسکا تعلق اس سے بالواسطہ ہوتا ہے) پس جب انسان مرتا ہے تو مادہ ارضی کے چھوٹ جانے سے اسکے نفس ناطقہ کا کچھ نہیں بگڑتا بلکہ وہ نسمہ (یعنی روح ہوائی) کے ساتھ چمٹا رہتا ہے اور بالکل اسیطرح رہتا ہے جیسے کسی ماہر خوشنویس کے اگر ہاتھ بھی کٹ جائیں تو اسکا ملکہ کتابت باقی

فلو خلى ونفسه لانساق الى ذلك ولامتنع من مخالفه، ومنها ما يباشره لموافقة الاخوان او لعارض خارجي من جوع وعطش ونحوهما اذا المربهم عادة لا يستطيع الاقلاع عنها فاذا انقضا العارض ثبتت الداعية فرب مستهتر بعشق انسان وبالشعر او بشئ آخر يضطر الى موافقة قومه فى اللباس والزى فلو خلى ونفسه وتبدل زيه لم يجد فى قلبه باسا ورب انسان يحب الزى بالذات فلو خلى ونفسه لما سمح بتركه وان من الانسان اليقظان بالطبع يتفطن بالامر الجامع بين الكثرات ويمسك قلبه بالعلة دون المعلولات وبالملكة دون الافاعيل، ومنه الوسنان بالطبع يبقى مشغولا بالكثرة عن الوحدة وبالافاعيل عن الملكات بالاشباح عن الارواح، واعلم ان الانسان اذا مات انفسخ جسده الارضى وبقيت نفسه النطقية متعلقة بالنسمة متفرغة الى ما عندها وطرحت عنها ما كان لضرورة الحياة الدنيا من غير داعية قلبية وبقى فيها ما كانت تمسكه فى جذر جوهرها وحينئذ تبرز الملكية وتضعف البهيمية ويترشح عليها من فوقها يقين بحظيرة القدس بما احصى عليها هنالك وحينئذ تتألم الملكية او تتنعم، واعلم ان الملكية عند غوصها فى البهيمية وامتزاجها بها لابد ان تذعن لها اذعانا ما وتتأثر منها اثرا ما لكن اضر كل الضرر ان تنشج فيها هيآت منافرة فى الغاية والنافع كل النفع ان تنشج فيها هيئات مناسبة فى الغاية، فمن المنافرات ان يكون قوى التعلق بالمال والاهل لا يستيقن ان وراءهما مطلوبا قوى الامساك للهيئات الدنية فى جذر جوهرها ونحو ذلك مما يجمعه انه على الطرف المقابل للسماحة وان يكون متلبسا بالنجاسات متكبرا على الله لم يعرفه ولم يخضع له يوما ونحو ذلك مما يجمعه انه على الطرف المقابل للاحسان وان يكون ناقص توجه حظيرة القدس فى نصر الحق وتنويه امره وبعثة الانبياء واقامة النظام المرضى فاصيب منهم بالبغض واللعن، ومن المناسبات مباشرة اعمال تحاكى الطهارة و

اگر اسکو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تو وہ ضرور انکو عمل میں لائیگا اور ان کے خلاف کبھی نہیں چلیگا اور بعض وہ افعال ہوتے ہیں جنکو وہ محض ابنائے جنس کی موافقت کیوجہ سے یا کسی اور خارجی وجہ سے کرتا ہے جیسے بھوک پیاس وغیرہ جب وہ (عارضی) سبب جاتا رہتا ہے تو پھر اسمیں ان افعال کی خواہش بھی نہیں رہتی بشرطیکہ ان کا ایسا عادی نہ بن گیا ہو کہ ان کو چھوڑ ہی نہ سکے - دیکھئے بہت سے ایسے لوگ ہوتے ہیں جو کسی خاص شخص یا فن شاعری یا کسی اور چیز کے عشق میں گرویدہ ہوتے ہیں لہذا انکو مجبوراً ان لوگوں کا سا طرز لباس و روش اختیار کرنی پڑتی ہے مگر جب ان کو ان کی طبیعت پر چھوڑ دیا جاتا ہے تو ان کو اس روش کے ترک کرنے میں کچھ بھی دریغ نہیں ہوتا لیکن بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ وہ اس روش و لباس کو دل سے اختیار کرتے ہیں اگر ان کو اپنی طبیعت پر بھی چھوڑ دیا جائے تب بھی وہ اسکو ترک نہیں کرتے - اور بعض لوگ ایسے بیدار طبع ہوتے ہیں کہ وہ بہت سی متفرق باتوں میں سے اصل بات کو ذہن نشین کر لیتے ہیں انکی نظر معلولات (نتائج) کو چھوڑ کر علت (سبب) کیطرف رہتی ہے وہ ملکہ (مہارت) کے پابند رہتے ہیں اور ان افعال کیطرف دھیان نہیں کرتے جن سے یہ ملکہ پیدا ہوتا ہے - اور بعض لوگ ایسے غفلت طبع کے ہوتے ہیں کہ ایک اصل چیز سے غافل اور بہت سی چیزوں کیطرف متوجہ رہتے ہیں ملکات سے ان کو کوئی غرض نہیں ہوتی صرف افعال کو زیر نظر رکھتے ہیں - اور اسیطرح افعال کی ارواح سے تو بے خبر رہتے ہیں لیکن ان کی ظاہری صورتوں کو خوب ذہن میں رکھتے ہیں - واضح ہو کہ جب انسان مر جاتا ہے تو اسکا جسم ارضی گل سڑ کر ختم ہو جاتا ہے لیکن اس کا نفس ناطقہ (روح) نسمہ (یعنی روح حیوانی) کے ساتھ متعلق رہتا ہے اور اسکے اندر جو خاصیتیں ہوتی ہیں ان کیلئے وہ فارغ ہو جاتا ہے (تاکہ وہ ظاہر ہوں) اور جسقدر افعال اس سے قلبی خواہش کے بغیر محض دنیاوی زندگی کی ضروریات کیوجہ سے سرزد ہوتے تھے سب علیحدہ ہو جاتے ہیں اور صرف وہ افعال باقی رہ جاتے ہیں جو مقصود بالذات اور خالص اسی کے تھے اور جنکو اس نے اپنے جوہر اصل میں محفوظ کر رکھا تھا اور اسوقت ملکیت غالب اور بہیمیت مغلوب ہونے لگتی ہے اور پھر جب عالم بالا سے اسکے دل میں حظیرۃ القدس کا اور ان اعمال کا علم یقینی ڈالا جاتا ہے جو وہاں اسکے لئے محفوظ رکھے جاتے تھے تو اسوقت اس کی ملکیت یا تو رنج و درد و تکلیف اٹھاتی ہے یا راحت و آرام حاصل کرتی ہے - یہ بھی معلوم رہے کہ جب ملکیت دونیا میں بہیمیت کے ساتھ گھلتی ملتی اور اختلاط پیدا کرتی ہے تو اسکا کچھ نہ کچھ اثر اسمیں ضرور پہنچتا ہے اور وہ اسکی کچھ نہ کچھ باتیں ضرور مان لیتی ہے لیکن بری سے بری اور سخت نقصان دہ بات یہ ہے کہ ملکیت میں اسکے مقصد و انجام کے مخالف عادات و کیفیات جم کر پیوست ہو جائیں اور سب سے عمدہ اور مفید بات یہ ہے کہ اسمیں اسکے مقصد و انجام کے موافق و مناسب عادات و کیفیات جاگزیں ہو جائیں - منجملہ مخالف باتوں کے ایک بات ہے کہ اسکا دل مال اور اہل و عیال کی محبت میں یہاں تک گرفتار ہو جائے کہ اسکو سوائے ان دونوں چیزوں کے زندگی کا اور کوئی مقصد نظر نہ آئے اور دوسری بات یہ ہے کہ اسکے دل پر ادنیٰ درجہ کی بری بری عادات و کیفیات منقش ہو جائیں جو اسکو سماحت و تقوے سے دور کر دیں - اور تیسری بات یہ ہے کہ وہ نجاستوں میں ملوث اور خداوند تعالیٰ سے متکبر ہو جائے یہاں تک کہ [illegible]

اور خدا کے حضور میں ... انکا ... حاصل ہوتا ہے اور ملائکہ کے ... یاد ...
... ہے ... دوسرے ... حیثیت
دنیوی ... مطمئن ... نہیں رہتا ... یہ بات ہے کہ وہ ... ہوتا ہے
اور تقلیب ... بن جائے ... ایک تطہیری ... ہوتی ہے تو
انتہا یا کمال ... بن جائے کہ وہ عالم بالا یعنی ملاء اعلیٰ کی ... میں ... کہ وہ
توجہات ... خداسے ... مخصوص ہوتی ہیں انکا
نصیب ہوتے ... نظام ... کیطرف ... باقی ... بہتر جانتا ہے

تیسرا باب: عالم برزخ میں لوگوں کے مختلف احوال۔

واضح ہو کہ عالم برزخ میں لوگوں کے مختلف احوال و درجات ہوتے ہیں ان
سب احوال و درجات کا شمار نہیں ہو سکتا لیکن ان کی بڑی بڑی قسمیں
چار ہیں:۔ قسم اول ... لوگ ... طبیع ہوتے ہیں ان کو ... عذاب ... تکلیف
عذاب محض مناسب اور ... ہیئات و کیفیات ... سے دیا جاتا ہے
چنانچہ اس آیت میں اسی قسم کے لوگوں کیطرف اشارہ ہے ارشاد ہے کہ
کہیں ایسا نہ ہو کہ (کل قیامت کو) کوئی شخص یوں کہنے لگے کہ ہائے افسوس
میری اس کوتاہی اور تقصیر پر جو میں نے خدا کے ... میں ... کی ...
... اور ... میں نے ... رجال اللہ ... ایک ... دیکھا
دیکھا ہے جنکے نفوس ایسے ہیں جیسے ... پانی سے بھرے ہوئے
تالاب ہوں ان کا پانی ہوا سے ... حرکت ... پھر جب ان پر ... وقت
وقت آفتاب کی شعاعیں پڑیں تو دوسرا ... رنگ ... کیطرح ہو جاتے ہیں
وہ نور یا تو نیک اعمال کا نور ہوتا ہے یا ... رحمت کا ہے۔ قسم دوم کے لوگ اہل
کے قریب قریب ہوتے ہیں لیکن یہ بھی نیند والے ہوتے ہیں اور خواب میں ...
ہوتے ہیں ... اور خواب کی حقیقت یہ ہے کہ ... حاضر ہو جاتی ہیں جو
ہماری حس مشترک میں ... جمع ہوتی ہیں مگر حالت بیداری ان کی طرف خیال کرنے
اور توجہ دینے سے مانع ہوتی ... ہے اور ... جاتے ... ہے کہ
یہ چیزیں محض خیالات ہیں لیکن جب ... ان کو ... چیزیں پاتی ہیں
جن کی وہ تصویریں ہوتی ہیں مثلاً ... سودا ... والا ... دیکھتا ہے کہ وہ
کسی ... جنگل ... ہے ... (جنگل
میں آگ لگ جاتی ہے اور وہ آگ اسکو ... ہے ... دھوئیں ...
لگتا ہے مگر اسے بھاگ نکلنے کی کوئی جگہ نہیں ... جاتا ہے اور اسطرح
اسکو بہت سخت ... تکلیف ہوتی ہے۔ اور ... مزاج والا ... دیکھتا ہے کہ سردی
... اور وہ کشتی میں سوار ہے ... نہایت ... پانی ... سخت سرد
ہوا چل رہی ہے اتنے میں دیکھتا ہے کہ موجوں نے اسکی کشتی کو الٹ دیا (اور وہ ڈوب رہا ہے)
اب وہ وہاں سے نکل بھاگنے کی کوشش کرتا ہے لیکن کامیاب نہیں ہوتا اور غرق ہو جاتا ہے
تب اسکو بہت سخت درد و تکلیف ہوتی ہے۔ اگر آپ لوگوں کے حالات کو تلاش
کرینگے تو ہر شخص کو ایسا ہی پائینگے کہ اس ... میں اس قسم کے مختلف پراگندہ خیالات و ... کو غم و آرام یا تکلیف کی ایسی صورتوں میں دیکھتا ہوگا جو ان خیالات اور
اس شخص کی طبیعت دونوں سے مناسبت رکھتی ہوں۔ پس جو عالم برزخ میں عذاب و ثواب میں مبتلا ہوتا گویا خواب میں مبتلا ہوتا ہے فرق صرف اسقدر ہے کہ یہ ایک ایسا
خواب ہوتا ہے جس سے انسان حشر (قیامت) تک بیدار نہیں ہوتا۔ خواب دیکھنے والا دوران خواب میں ... جانتا کہ یہ چیزیں ... ہوں انکا خارج میں وجود نہیں

... الجاذی ... في ... ويعلم ...
... بالحق ... تماماً ...
عليه ... الأعلى ... أعلم

باب اختلاف أحوال الناس في البرزخ

اعلم أن الناس في البرزخ على أصناف شتى لا يحصى عددهم
لكن رؤوس الأصناف أربعة، صنف هم أهل التيقظة والأمنية
يعذبون وينعمون بالنفس تلك المنافرات والمناسبات وإلى
حال هذا الصنف وقعت الإشارة في قوله تعالى أن تقول
نفس يا حسرتا على ما فرطت في جنب الله وإن كنت لمن
الساخرين ورأيت طائفة من أهل الله صارت نفوسهم بمنزلة
... الممتدة ... الريح ...
... ذلك ...
... الرحمة ...
قريباً ... النوم ...
... والرؤيا ... في ...
... اليقظة ...
خيالات فلما نام لم يلبث ... عينيه ... رأى
الصفراوي أنه في ... في يوم صائف وسموم فبينا
هو كذلك إذ فاجأته النار من كل جانب فجعل يهرب ...
مهرباً ثم إنه ... فقاسى الشدائد أو يرى البلغمي أنه في
ليلة شاتية ... بحر زمهريرية ... بسفينته
الأمواج فصار ... ولا يجد مهرباً ثم إنه غرق ... ما
شديداً وإن أنت استقريت الناس لم تجد أحداً إلا وقد جرب
من نفسه تشبح الحوادث المجتمعة بتعلقات وتوجهات مناسبة
لها وللنفس الرائية جميعاً فهذا المبتلى في الرؤيا غير أنها رؤيا
لا تنقطع إلى يوم القيامة وصاحب الرؤيا لا يعرف في رؤياه
أنها لم تكن أسماء خارجية وأن التوجه التعلم ... في العالم
الخارجي ولو لا يقظة لم يتنبه لهذا السر

فقصے ان یکون تسمیۃ ہذا العالم عالما خارجیا احق وافخم
من تسمیتہ بالرؤیا فربما یری صاحب السبعیۃ انہ یخدشہ
سبع وصاحب البخل تنہشہ حیات وعقارب ویتشبہ زوال
العلوم الفوقانیۃ بملکین یسألانہ من ربک وما دینک وما
قولک فی النبی صلے اللہ علیہ وسلم وصنف بہیمیتہم و
ملکیتہم ضعیفتان یلحقون بالملائکۃ السافلۃ لاسباب
جبلیۃ بان کانت ملکیتہم قلیلۃ الانغماس فی البہیمیۃ
غیر مذعنۃ لہا ولا متاثرۃ منہا وکسبیۃ بان لابست لطہارۃ
بداعیۃ قلبیۃ ومکنت من نفسہا الالہامات وبوارق ملکیۃ
فکما ان الانسان ربما یخلق فی صورۃ الذکران وفی مزاجہ
خنوثۃ ومیل الی ہیأت الاناث لکنہ لا یتمیز شہوات الانوثۃ
من شہوات الذکورۃ فی الصبا انما المہم حینئذ شہوۃ الطعام
والشراب وحب اللعب فیجری حسبما یومر بہ من التوسم بسمۃ
الرجال ویمتنع عما ینہی عنہ من اختیار زی النساء حتے اذا
شب ورجع الی طبیعتہ الماجنۃ استبد باختیار زیہن و
التعود بعاداتہن وغلبت علیہ شہوۃ الابنۃ وفعل ما
یفعلہ النساء وتکلم بکلامہن وسمی نفسہ تسمیۃ الانثی
فعند ذلک خرج من حیز الرجال بالکلیۃ فکذلک الانسان
قد یکون فی حیاتہ الدنیا مشغولا بشہوۃ الطعام والشراب
والغلمۃ وغیرہا من مقتضیات الطبیعۃ والرسم لکنہ
قریب الماخذ من الملاء السافل قوی الانجذاب الیہم فاذا
مات انقطعت العلاقات ورجع الی مزاجہ فلحق بالملائکۃ و
صار منہم والہم کالہامہم وسعے فیما یسعون فیہ، وفی الحدیث
رایت جعفر بن ابی طالب ملکا یطیر فی الجنۃ مع الملائکۃ
بجناحین وربما اشتغل ہؤلاء باعلاء کلمۃ اللہ ونصر حزب
اللہ وربما کان لہم لمۃ خیر بابن آدم وربما اشتاق بعضہم
الی صورۃ جسدیۃ اشتیاقا شدیدا ناشئا من اصل جبلتہ
ففرع ذلک بابا من المثال واختلطت قوۃ منہ بالنسمۃ
الہوائیۃ وصار کالجسد النورانی وربما اشتاق بعضہم الی

لہٰذا اس عالم برزخ کو عالم خارجی کہنا عالم خواب کہنے سے زیادہ مناسب اور صحیح ہے۔
پس درندہ خصلت انسان (عالم برزخ میں) اکثر یہ دیکھا کرتا ہے کہ اسکو کوئی درندہ چیر
پھاڑ کر ہلاک کر رہا ہے اور بخیل شخص یہ دیکھتا ہے کہ اسکو سانپ بچھو کاٹ رہے ہیں۔
اور (انسان کا) عالم بالا کے علوم سے بے بہرہ ہونا دو فرشتوں (منکر نکیر) کی صورت
میں نظر آتا ہے جو اس سے سوال کرتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ اور تو
نبی صلعم کو کیا سمجھتا ہے؟ قسم سوم کے وہ لوگ ہوتے ہیں جنکی قوت بہیمیہ اور ملکیہ دونوں
کمزور اور ضعیف ہوتی ہیں وہ لوگ (مرنیکے بعد عالم برزخ میں) ملائک سافلہ
(نچلے درجہ کے فرشتوں) میں جا ملتے ہیں کبھی تو جبلی اور پیدائشی اسباب کی بنا پر اور کبھی
کسبی اسباب کیوجہ سے۔ جبلی اسباب یہ ہیں کہ انکی قوت ملکیہ قوت بہیمیہ میں بہت ہی
کم غرق ہوتی تھی نہ تو اسکا حکم مانتی تھی نہ اس سے متاثر ہوتی تھی۔ اور کسبی اسباب یہ ہیں کہ
اس شخص نے قلبی خواہش وارادہ سے طہارت و پاکیزگی کا جامہ پہنا اور اُسی اچھی طرح
اختیار کیا اور (ریاضت وعبادت کرکے) اپنی روح میں الہامات اور انوار ملکیہ کو خوب
جگہ دی (یہ سب بالکل اسیطرح ہوتا ہے جیسے کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بعض اشخاص
پیدا تو مردانی صورت میں ہوتے ہیں لیکن انکے مزاج میں زنانہ پن اور عورتوں کی عادات کی
طرف میلان ہوتا ہے اگرچہ لڑکپن میں وہ مرد وعورت کی جداجدا شہوت میں تمیز نہیں
کر سکتے بلکہ ان سے بالکل بیخبر ہوتے ہیں کیونکہ اس عمر میں انسان کو کھانے پینے اور کھیلنے کودنے
ہی کی خواہش ہوا کرتی ہے دوسری طرف توجہ بالکل نہیں ہوتی چنانچہ اس عمر میں جب
ان کو مردانہ روش پر چلنے کا حکم دیا جاتا ہے اور زنانہ روش سے باز رکھا جاتا ہے تو وہ جبراً
وقہراً اس زنانہ روش کو چھوڑ کر مردانہ روش ہی پر چلتے رہتے ہیں لیکن جب وہ جوان ہو
جاتے ہیں اور اپنی بیباک طبیعت پر آجاتے ہیں تو پھر خوب اچھی طرح جم کر اور
مستقل طور پر عورتوں کی روش اور انہیں کی سی وضع قطع اور عادات وخصائل
اختیار کر لیتے ہیں اور شہوت اُبنی (یعنی مفعول بننے کی خواہش) ابھرنے لگتی ہے اور
پھر وہ عورتوں کے سے کام کرتے اور ان ہی کی مانند کلام کرتے ہیں اور ان ہی کے سے اپنے
نام رکھتے ہیں (اور اسطرح ایک عرصہ تک زنانہ طریقہ پر زندگی بسر کرنیکے بعد اب
وہ مردوں کے زمرہ سے بالکل نکل جاتے ہیں بالکل اسیطرح انسان کا حال ہے کہ وہ
اپنی دنیاوی زندگی میں کھانے پینے اور شہوت نفسانی اور اسیطرح کے دیگر طبعی
تقاضوں کو پورا کرنے اور زندگی کے مختلف مراسم ومعاملات میں مصروف رہتا ہے
لیکن اسکا قریبی تعلق ملائکہ سافل سے ہوتا ہے اور انہی کی جانب اسکو زیادہ میلان اور
کشش ہوتی ہے۔ لہٰذا جب وہ مرجاتا ہے تو اسکے تمام جسمانی علائق وتعلق ٹوٹ جاتے
ہیں اور وہ اپنی اصلی طبیعت کیطرف عود کر آتا ہے اور پھر ملائکہ میں ملکر انہی میں کا ہو جاتا
ہے اور انہی کے سے الہامات اسکو بھی ہونے لگتے ہیں اور ان کے جیسے کام وہ بھی کرنے
لگتا ہے (اور اس طرح انکا دست وبازو بنجاتا ہے) چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ
میں نے جعفر بن ابی طالب کو ایک فرشتہ کی صورت میں اور فرشتوں کے ساتھ دو بازوؤں اور
پروں سے جنت میں اڑتے دیکھا ہے قسم سوم کی یہ لوگ کبھی اعلاء کلمۃ اللہ اور حزب اللہ (خدا
وندی گروہ) کی مدد میں مصروف ہو جاتی ہیں اور کبھی انسان کے دل میں نیکی کا خیال القا
کرتے ہیں اور کبھی انہیں سے بعض لوگ اپنی جبلی شوق کیوجہ سے صورت جسمانی کے بہت شائق ہوتے ہیں تو (ان کی اس خواہش کیوجہ سے) عالم مثال کا دروازہ کھل جاتا ہے اور
ان کی روح ہوائی (نسمہ) میں ایک قسم کی مثالی قوت مل جاتی ہے اور وہ ایک نورانی جسم سا بن جاتا ہے اور کبھی ان میں سے بعض لوگ

(حاشیہ) ؎۱ یعنی یہ لوگ کوئی بڑا کام نہیں کرسکتے تھے اسکی جگہ یہ طہارت۔ ذکر ونوافل کا التزام کرتے رہے اور اس طرح اپنا درجہ بلند کیا ۱۲ مصحح ؎۲ یعنی یہ کہ ان کے کوئی غلام یا لواطت سے

کھانے وغیرہ کی خواہش کرتے ہیں تو ان کی خواہش پوری کرنے کیواسطے انکو وہاں سے
ایسی ہی چیزیں ملتی ہیں (جنکی کہ وہ خواہش کرتے ہیں) چنانچہ قرآن مجید کی
اس آیت میں اسیطرف اشارہ ہے خداوند تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ "جو لوگ
اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں انکو مردہ مت خیال کرو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے
پاس سے رزق دیے جاتے ہیں اور جو کچھ ان کو اللہ نے اپنے فضل سے دیکھا ہے
اسپر خوش ہیں الآیہ" اور انہی کے مقابل میں ایک اور قسم کے لوگ ہوتے ہیں جو
شیاطین سے بہت مناسبت رکھتے ہیں یا تو جبلی طور سے یا کسبی طور سے، جبلی طور سے
اسطرح کہ انکا مزاج ہی فاسد ہوتا ہے جس سے وہ ایسی باتیں سوچتے ہیں جو کہ حق کے
مخالف، نظام کلی کی رائے کے برخلاف اور مکارم اخلاق سے بعید ہوتی ہیں
اور اختیاری و کسبی طور سے اسطرح کہ وہ خسیس و کمینی عادتوں اور فاسد افکارات و خیالات
کا جامہ پہن لیتے ہیں اور شیطانی خیالات کے تابع ہو جاتے ہیں اور انکو خدا کی
ناراضگی و لعنت گھیر لیتی ہے چنانچہ جب وہ مر جاتے ہیں تو شیاطین ہیں جا ملتے
ہیں اور ظلمانی لباس پہنا کر ان کو وہ کمینی عادتیں اور بری لذتیں جو وہ اپنی خواہش
نفسانی کے پورا کرنے کیلئے کرتے تھے متشکل بنا کے دکھائی جاتی ہیں، پہلی قسم کے
لوگ[1] دل میں خوشی پیدا ہونے سے ثواب و آرام پاتے ہیں اور دوسری قسم کے لوگ[2]
گھٹنے اور غم و غصہ کھانے سے عذاب و تکلیف پاتے ہیں جیسے کہ مخنث یہ سمجھ
کر یہ زنانہ پن انسان کی بدترین حالت ہوتی ہے دل میں گھٹتا اور غم کھاتا ہے
لیکن اس سے باز نہیں آسکتا۔ قسم چہارم میں وہ اہل اصطلاح (صاحب مصالحت[3])
لوگ ہوتے ہیں جنکی قوت بہیمیہ غالب اور قوت ملکیہ مغلوب ہوتی ہے اکثر لوگ
اسی قسم کے ہوتے ہیں، ان کے اکثر امور اس صورت حیوانیہ کے تابع رہتے ہیں جو بدن میں
تصرف کرنے میں غرق رہتی ہے چنانچہ موت واقع ہو جانے سے انکی روحوں کا تعلق
ان کے جسم سے بالکل ہی منقطع نہیں ہو جاتا بلکہ یہ ہوتا ہے کہ تدبیری تعلق ٹوٹ
جاتا ہے اور وہمی و خیالی تعلق باقی رہتا ہے ان کا نفس بغیر کسی شک و شبہ کے
قطعی طور پر جانتا اور یقین کرتا ہے کہ وہ عین جسم ہے۔ حتیٰ کہ اگر جسم کو جلا دیا جائے یا
کاٹا جائے تو ان کا نفس یقین کرتا ہے کہ یہ معاملہ خود مجھ سے ہو رہا ہے ان لوگوں کی علامت
یہ ہے کہ یہ لوگ خالص دل سے اس بات کے قائل ہوتے ہیں کہ ہماری روح خود
جسم ہے یا وہ روح ایک عرض ہے جو جسم پر طاری ہے گو کسی کی تقلید یا رسم کیوجہ سے
زبان قال سے اسکے خلاف کہیں۔ یہ لوگ جب مر جاتے ہیں تو ان پر اس عالم کی
ہلکے سے انوار چمکتے ہیں اور اچھلتے ہوئے خیالات و تصورات نظر آتے ہیں اور
بالکل وہی حالت پیش آتی ہے جو یہاں اہل ریاضت کو پیش آتی ہے اور انکو سب
باتیں کبھی خیالی صورتوں کے پیرائے میں اور کبھی عالم مثال کی دوسری خارجی
صورتوں کے پیرائے میں دکھائی جاتی ہیں جیسے کہ اہل ریاضت کو دکھائی جاتی ہیں
پس اگر انھوں نے اعمال ملکیہ کئے ہوتے ہیں تو ان کے اعمال کی درستگی کا علم انکو ایسے
فرشتوں کی صورت میں دکھایا جاتا ہے جن کی نہایت حسین شکل و صورت ہوتی
ہے اور ان کے ہاتھوں میں ملائم ریشمی کپڑے ہوتے ہیں اور وہ ان سے نہایت

مطعوم ونحوه فامد فيما اشتهى قضاء لشوقه، واليه الاشارة
في قوله تعالى ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله امواتا
بل احياء عند ربهم يرزقون فرحين بما آتاهم الله من فضله
الآية وبازاء هؤلاء قوم قريبو المأخذ من الشياطين جبلة
بان كان مزاجهم فاسدا يستوجب آراء مناقضة للحق
منافرة للرأي الكلي على طرف شاسع من محاسن الاخلاق و
كسبا بان لابست هيئات خسيسة وافكار فاسدة وانقادت
لوسوسة الشياطين واحاط بهم اللعن فاذا ماتوا الحقوا
بالشياطين والبسوا لباسا ظلمانيا وصور لهم ما يقضون به
بعض وطرهم من الملاذ الخسيسة والاول ينعم بحدوث ابتهاج
في نفسه والثاني يعذب بضيق وغم كالمخنث يعلم ان الخنوثة
اسوأ حالات الانسان ولكن لا يستطيع الاقلاع عنها وصنف
هم اهل اصطلاح قوية بهيميتهم ضعيفة ملكيتهم وهم اكثر
الناس وجودا يكون غالب امورهم تابعا للصورة الحيوانية
المجبولة على التصرف في البدن والانغماس فيه فلا يكون الموت
انفكاكا لنفوسهم عن البدن بالكلية بل تنفك تدبيرا ولا
تنفك وهما فتعلم علما من كذا بحيث لا يختطر عندها امكان
مخالفة انها عين الجسد حتى لو وطئ الجسد او قطع اتيقنت
انه فعل ذلك بها وعلامتهم انهم يقولون من جذر قلوبهم
ان ارواحهم عين اجسادهم او عرض طارئ عليها وان
نطقت السنتهم لتقليد او رسم خلاف ذلك فاولئك اذا
ماتوا برق عليهم بارق ضعيف وتراءى لهم خيال طفيف مثل
ما يكون هنا للمرتاضين وتتشبح الامور في صور خيالية تارة
ومثالية خارجية اخرى كما قد تتشبح للمرتاضين فان
كان لابس اعمالا ملكية درس علم الملائمة في اشباح ملائكة
حسان الوجوه بايديهم الحرير ومخاطبات وهيئات لطيفة
وفتح باب الى الجنة تاتي منه روائحها وان كان لابس اعمالا
منافرة للملكية او جالبة للعن درس علم ذلك في اشباح
ملائكة سود الوجوه ومخاطبات وهيئات عنيفة كما هو

نرم لہجہ اور عمدہ طرز سے گفتگو کرتے ہیں اور ان کے لئے جنت کی کھڑکی کھول دی جاتی ہے جس میں سے اس کی خوشبوئیں آنے لگتی ہیں۔ اور اگر انھوں نے برے
اعمال کئے ہوتے ہیں (جو ملکیت کے خلاف اور موجب لعنت ہوتے ہیں) تو ان (اعمال کی نادرستگی) کا علم ایسے بدشکل فرشتوں کی صورت میں نظر آتا ہے جنکے سیاہ
چہرے ہوتے ہیں اور وہ سخت لہجہ سے ہیبت ناک باتیں کہتے ہیں (یہ سب اسیطرح دکھایا جاتا ہے) جس طرح ÷ ÷ ÷ (حاشیہ) :۔ لہ جو فرشتوں کے جا ملتے

نفس کو دوزخ میں ... نہیں ... کو خرگوش ... دکھایا جاتا ہے اور وہاں (عالم برزخ میں) ایسے فرشتے ہوتے ہیں جنکو انکی استعداد کے بموجب اسی قسم کے کاموں پر مقرر کیا گیا ہے انہیں (وہاں آنیوالے) لوگوں کو تکلیف و عذاب دینے یا راحت و ثواب پہنچانے پر بھی مامور کیا گیا ہے۔ پس اہل عذاب و ثواب انکو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں گو وہ اہل دنیا کو ان کی (ناقص النظری) دکھائی نہیں دیتے۔ واضح رہے کہ عالم قبر (یا عالم برزخ) کوئی علیحدہ عالم نہیں بلکہ اسی عالم کا تتمہ اور بقایا ہے اور اس جگہ پردۂ غیب کے پیچھے سے علوم مترشح ہوتے ہیں اور ہر شخص کے خاص احوال (یعنی انفرادی احکام) ظاہر ہوتے ہیں برخلاف عالم حشر کے حوادث کے کہ وہاں یہ خاص خاص (انفرادی) احکام مٹ جائینگے اور اسکی جگہ تمام افراد انسانی کے نوعی و اجتماعی احکام ظاہر ہونگے۔ باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔

چوتھا باب (۱۷): واقعات حشر کے اسرار و رموز

واضح ہو کہ انسانی روحوں کا (عالم مثال میں) ایک مرجع و مقام خاص ہے جسکی طرف یہ روحیں اسطرح کھنچتی ہیں جیسے مقناطیس کی طرف لوہا کھنچتا ہے اور وہ مقام حظیرۃ القدس کہلاتا ہے اس جگہ تمام روحیں بدنوں سے جدا ہو کر اس روح اعظم سے جا ملتی ہیں جس کی تعریف نبی صلعم نے بہت سے منہ اور بہت سی زبانوں اور بہت سی بولیوں کے وصف کے ساتھ بیان کی ہے۔ اور یہ جائے گاہ (روح اعظم) عالم مثال یا عالم ذکر (جو چاہو نام لیجئے) اس میں صورت نوع انسانی کی شکل یا تصویر ہوتی ہے یہی وہ مقام ہے جہاں وہ احکام جو انفرادی خصوصیات سے پیدا ہوتے ہیں فنا ہو جاتے ہیں اور وہ باتیں جو نوع سے پیدا ہوتی ہیں یا ان میں نوعی حالت غالب ہوتی ہے باقی رہ جاتی ہیں اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ تمام فرد انسانی میں بعض باتیں تو ایسی ہیں جن کی وجہ سے وہ ایک دوسرے سے جدا اور ممتاز نظر آتے ہیں اور بعض باتیں ایسی ہیں جنمیں سب شریک ہیں اور وہ سب میں پائی جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ باتیں (جو سب میں پائی جاتی ہیں) "احکام نوع" کہلائیں گی (انھیں فطرت بھی کہتے ہیں) اس حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے کہ "ہر بچہ (انسانی) فطرت (سلیمہ) پر پیدا ہوتا ہے (پھر اسکے بعد اسکے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں)" پھر ہر نوع کے احکام مخصوصہ کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ انمیں سے ایک قسم تو ظاہری احکام کی ہوتی ہے جیسے پیدائش بناوٹ یعنی رنگ، شکل، مقدار اور آواز وغیرہ پس نوع کا جو فرد اس ہیئت اور شکل پر پایا جائیگا جسکو اسکی نوع چاہتی ہے تو اسمیں یہ تمام ظاہری احکام پوری طرح ضرور پائے جائینگے بشرطیکہ اسکی ساخت اور مادہ میں کوئی کمی و نقص نہ ہو۔ چنانچہ نوع انسان کا ہر فرد طویل القامت، ناطق اور صاف جلد ہوتا ہے۔ اور گھوڑے کی نوع کا ہر فرد کج قامت، ہنہنانیوالا اور بال دار جلد کا ہوتا ہے ان کے علاوہ بہت سی باتیں اور بھی ہیں جو افراد سے کبھی جدا نہیں

يدرس لتعذيبه في صورة السباع والحيات ... صورة الاشياء وهنالك نفوس ملكية استوجبت استعدادهم ان يكونوا بمثل هذه المواطن ويؤمروا بالتعذيب او التنعيم فيراهم الميت عيانا وان كان اهل الدنيا لا يرونهم عيانا، واعلم انه ليس عالم القبر الا من بقايا هذا العالم وانما تترشح هناك العلوم من وراء حجاب وانما تظهر احكام النفوس المختصة بفرد دون فرد بخلاف الحوادث الحشرية فانها تظهر عليها وهي فانية وعن احكامها الخاصة بفرد فرد باقية باحكام الصورة الانسانية والله اعلم

باب في ذكر شيء من اسرار الوقائع الحشرية

اعلم ان للارواح البشرية حضرة تنجذب اليها انجذاب الحديد الى المغناطيس وتلك الحضرة هي حظيرة القدس محل اجتماع النفوس المتجردة عن جلابيب الابدان بالروح الاعظم الذي وصفه النبي صلى الله عليه وسلم بكثرة الوجوه والالسن واللغات وانما هو تشبح لصورة نوع الانسان في عالم المثال او في الذكر او ما شئت فقل ومحل فنائها عن المتأكد من احكامها الناشئة من الخصوصية الفردية وبقائها باحكامها الناشئة من النوع او الغالب عليها احكام النوع وتفصيله ان افراد الانسان لها احكام يمتاز بها بعضها من بعض ولها احكام تشترك فيها جملتها وتتوارد عليها جميعها ولا جرم انها من النوع واليه الاشارة في قوله صلى الله عليه وسلم كل مولود يولد على الفطرة الحديث وكل نوع يختص به نوعان من الاحكام احدهما الظاهرة كالخلقة اي اللون والشكل والمقدار وكالصوت اي فرد وجد منه على هيئة يعطيها النوع ولم يكن ثمة حاجز من عصيان المادة فانه لا بد يتحقق بها ويتوارد عليها فالانسان مستوي القامة ناطق بادي البشرة والفرس معوج القامة صاهل شعر الى غير ذلك مما لا ينفك عن الافراد عند

حجۃ اللہ ... جو بحیثیت مجموعی تمام انسانوں سے تعلق رکھتے ہیں، خاص خاص انسانوں کا ... وہاں کبھی ... انفرادی ... قبر میں ختم ہو جائیگا اسکے بعد ... اجتماعی ... نہیں بلکہ ... جیسا ... دنیا میں مادے کا ایک ذرہ بھی

ان کا مزاج صحیح و سالم ہے۔ دوسری قسم باطنی احکام کی ہوتی ہے جیسے قوت ادراک (سمجھنا) معاش کیلئے ہدایات حاصل کرنا اور اپنے مقصد کو حصول اور نقصان دینے والی مصیبت سے بچاؤ کیلئے مستعد ہونا غرض ہر نوع کا ایک جداگانہ طریقہ ہوتا ہے۔ شہد کی مکھی کو دیکھئے کہ خداوند تعالیٰ نے اس کو کس طرح وحی کی کہ وہ درختوں کو ڈھونڈھ کر ان کے پھل کھائے اور اپنے ہم جنسوں کیلئے ایک گھر بنائے اور پھر اس میں شہد جمع کرے۔ اور اسیطرح چڑیا کو یہ وحی کی کہ اس کا نر مادہ کی طرف راغب ہو پھر دونوں ملکر گھونسلہ بنائیں انڈے سیئیں اور بچے نکالیں اور جب بچے اڑنے لگیں تب ان کو یہ سکھایا کہ یہاں پانی اور وہاں دانہ ہے اور انہیں انکا دوست اور دشمن بتلادیا اور یہ بھی سکھلا دیا کہ بلی اور شکاری وغیرہ دشمن سے بھاگ کر یوں اڑجانا چاہئے اور اپنے ہم جنس سے حصول منفعت اور دفع مضرت کیلئے یوں لڑنا چاہئے۔ کیا کوئی عقل سلیم والا یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ احکام نوع کے احکام نہیں ہیں؟ واضح ہو کہ افراد کی سعادت (بہتری) یہی ہے کہ انہیں نوع کے احکام پورے پورے پائے جائیں اور ان کا مادہ ان سے گریز بھی نہ کرے اور نہ کوئی کمی چھوڑے کہ اسکے بعض نوعی خواص ظاہر نہ ہوسکیں اور اسی لئے آپ افراد نوع کو سعادت اور شقاوت میں مختلف الحال پاتے ہیں اور جب تک وہ افراد اپنی نوع کے مقتضا کے موافق رہتے ہیں ان کو تکلیف نہیں پہنچتی، لیکن ان افراد کی فطرت کبھی عارضی اسباب کیوجہ سے متغیر ہوجاتی ہے جیسے ورم وغیرہ آں حضرت کے اس قول میں اسیطرف اشارہ ہے "پھر اس بچہ کو ماں باپ اسے یہودی نصرانی یا مجوسی بنادیتے ہیں[1]"۔

معلوم ہونا چاہئے کہ انسانی روحیں نوعی حیثیت سے "حظیرة القدس" کی طرف کبھی تو بصیرت اور ہمت سے کھنچ جاتی ہیں اور کبھی اس وجہ سے کہ ثواب وعذاب دینے کیلئے وہاں اسکے آثار متشکل ہوچکے ہوتے ہیں۔ پہلی قسم کے انجذاب و کشش (جو بصیرت و ہمت پر مبنی ہے اس) کا تو یہ حال ہے کہ جہاں کوئی شخص بہیمی نجاست سے پاک وصاف ہوجاتا ہے تو جھٹ وہاں پہنچ جاتا ہے اور وہاں کی کچھ نہ کچھ باتیں اسپر منکشف ہوجاتی ہیں چنانچہ نبی صلعم کی اس حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے کہ "آدمؑ اور موسیٰؑ اپنے خدا کے پاس جمع ہوئے" اور آنحضرت سے متعدد طرق سے یہ روایت کیا گیا ہے کہ "صالح لوگوں کی ارواح روح اعظم کے پاس اکٹھی ہوجاتی ہیں"۔ اور جہانتک دوسری قسم کے انجذاب و کشش کا تعلق ہے تو اسکی تشریح یوں ہے کہ جسموں کا قیامت کے دن دوبارہ اٹھنا اور پھر انمیں ارواح کا واپس آنا کوئی نئی زندگی نہیں ہے بلکہ یہ پہلی (دنیاوی) زندگی ہی کا تتمہ ہے جیسے بہت زیادہ کھانے کا تتمہ بدہضمی ہے کیونکہ اگر یوں نہ ہوتا تو پھر وہ لوگ پہلے لوگ نہ ہوتے بلکہ انکے غیر ہوتے اور اپنے افعال پر ماخوذ نہ ہوتے[2]۔

واضح ہو کہ بہت سی ایسی چیزیں جو خارج میں پائی جاتی ہیں مناسب معنوی اجسام میں متشکل ہوکر عالم بیداری میں اسطرح پیش ہوتی ہیں جیسے کہ ❊ ❊ ❊ ❊

سالمة مزاجها. وثانيهما الاحكام الباطنة كالادراك والاهتداء للمعاش والاستعداد لما يجري عليها من الوقائع فلكل نوع شريعة. الا ترى النحل كيف اوحى الله تعالى اليها ان تتبع الاشجار فتأكل من ثمراتها ثم كيف تتخذ بيتا يجتمع فيه بنو نوعها ثم كيف تجمع العسل هنالك واوحى الى العصفور ان يرغب الذكر في الانثى ثم يتخذا عشا ثم يحضنا البيض ثم يزقا الفراخ ثم اذا انهضت الفراخ علمها اين الماء واين الحبوب وعلمها ناصحها من عدوها وعلمها كيف تفر من السنور والصياد وكيف تنازع بني نوعها عند جلب نفع او دفع ضر وهل تظن الطبيعة السليمة بتلك الاحكام انها لا ترجع الى اقتضاء الصورة النوعية، واعلم ان سعادة الافراد ان تمكن منها احكام النوع وافرة كاملة وان لا تعصي مادتها عليه ولذلك يختلف افراد الانواع فيما يعد لها من سعادتها او شقاوتها ومهما بقيت على ما يعطيه النوع لم يكن لها الم لكنها قد تغير فطرتها باسباب طارئة بمنزلة الورم واليه وقعت الاشارة بقوله صلى الله عليه واله وسلم ثم ابواه يهودانه او ينصرانه او يمجسانه ❊

واعلم ان الارواح البشرية تنجذب الى هذه الحضرة تارة من جهة البصيرة والهمة وتارة من جهة تشبحات ادرعها فيها ايلاما وانعاما اما الانجذاب بالبصيرة فليس احد يتخفف عن الواث البهيمية الا ويلحق نفسه بها وينكشف عليها شيء منها وهو المشار اليه في قوله صلى الله عليه وسلم اجتمع آدم وموسى عند ربهما وروي عنه صلى الله عليه وسلم من طرق شتى ان ارواح الصالحين تجتمع عند الروح الاعظم واما الانجذاب الآخر فاعلم ان حشر الاجساد واعادة الارواح اليها ليست حياة مستانفة انما هي تتمة النشأة المتقدمة بمنزلة التخمة لكثرة الاكل كيف ولولا ذلك لكانوا غير الاولين ولما اخذوا بما فعلوا. واعلم ان كثيرا من الاشياء المتحققة في الخارج تكون بمنزلة الرؤيا في تشبح المعاني

[1] یعنی انسان جبلی طور پر صحیح فطرت پر ہوتا پھر ماحول کے اثر سے وہ بگڑ جاتا ہے گویا وہ پہلے تندرست تھا اب اس کو ورم ہوگیا اور پوری سعادت حاصل نہ کرسکا ۱۲ مص

[2] یعنی اخروی زندگی اگر دنیاوی زندگی کا تتمہ اور اسی کا ایک سلسلہ نہ ہوتی تو عذاب دیئے جانیوالے لوگ کوئی اور لوگ ہوتے وہ لوگ نہ ہوتے جو دنیا میں پیدا ہوئے تھے ۱۲ مص ❊ ❊ ❊

عالم خواب میں پیش ہوا کرتی ہیں، مثلاً حضرت داؤدؑ کے سامنے دو فرشتے مدعی اور مدعی علیہ کی صورت میں ظاہر ہوئے اور ایک جھگڑا فیصل کرانے لائے پس داؤدؑ نے جان لیا کہ یہ وہ قصور ہے جو مجھ سے اوریا کی بیوی کی بابت سرزد ہوا ہے لہذا انھوں نے مغفرت مانگی اور تائب ہوئے[1] - اور جیسے (شب معراج کو) آنحضرت صلعم کے روبرو دو پیالے پیش کئے گئے ایک شراب کا اور ایک دودھ کا تو آپ نے دودھ کا پیالہ پسند فرمایا - اس واقعہ میں فطرت (اسلامی) اور شہوت (نفسانی) ان دو پیالوں کی صورت میں آکر آپ کی امت کے سامنے ظاہر ہوئی تھیں - اور آپ کا دودھ کو پسند فرمانا اہل رشد و ہدایت کا فطرت (اسلامی) کو اختیار کرنا ہے - اور جیسے آنحضرت صلعم اور ابوبکرؓ و عمرؓ کا ایک کنوئیں کی منڈیر پر ملکر بیٹھنا اور حضرت عثمانؓ کا (جگہ نہ ہونے کیوجہ سے) ان سے علیحدہ ہو کر بیٹھنا اس امر کا تصور تھا کہ قبر میں یہ تینوں صاحب تو مجتمع رہیں گے اور ایک جا دفن ہونگے لیکن حضرت عثمان ان سے علیحدہ دفن ہونگے - چنانچہ سعید بن مسیب نے بھی اس معاملہ کی یہی تعبیر بیان فرمائی ہے حشر کے واقعات سمجھنے کیلئے یہ مثالیں آپکو کافی ہیں کیونکہ وہاں اکثر واقعات اسیطرح کے پیش ہونگے ❊

واضح ہو کہ عام لوگوں کے نفوس ناطقہ (روح الٰہی) کا نسمہ (روح حیوانی یا ہوائی) سے بہت ہی گہرا تعلق ہوتا ہے اور وہ (عالم مثال کے) علوم بعیدہ کے سمجھنے میں ایسے ہوتے ہیں جیسے مادر زاد اندھا ہوتا ہے کہ وہ رنگ اور روشنی کا تخیل ہی نہیں کر سکتا اور نہ انکے تخیل کی خواہش رکھتا ہے - البتہ ایک مدت دراز اور طویل زمانہ میں مختلف صورتوں اور مثالوں کو سمجھ کر وہ انکا تخیل قائم کر سکتا ہے اسیطرح ان عام لوگوں میں بصیرت پیدا کرنے کیلئے حشر میں کچھ واقعات ظہور پذیر ہونگے - چنانچہ جب اول اول نفوس مبعوث ہوں گے تو ان سے آسان حساب یا مشکل حساب لیکر جزا دیجائیگی اور بعض کو پل صراط پر سے گذارا جائیگا کچھ تو اسپر سے سلامتی کے ساتھ گذر جائینگے اور کچھ خراشیں اور چوٹیں کھا کر یا اس طرح ہوگا کہ ہر شخص اپنے مقتدا یا امام کے پیچھے جائیگا اور اسکی پیروی میں یا تو ہلاک ہوگا یا نجات پائے گا - یا اسطرح ہوگا کہ اسکے ہاتھ پاؤں کلام کرینگے اور وہ نامۂ اعمال کو پڑھے گا - یا اس طرح ہوگا کہ اسکا بخل ظہور میں آئیگا اور اسکو وہ پیٹھ پر اٹھائیگا یا اس سے اسکو داغ دیا جائیگا - المختصر یہ سب کچھ جو ظہور میں آئیگا تو اسکے اعمال اور ادراکات اپنی اپنی صورت نوعیہ کے موافق متشکل اور مجسم ہونگے اور ہر وہ انسان جسکا نفس پختہ اور وسیع اور روح ہوائی فراخ ہوگی تو یہ تمثیلات و تشکلات حشریہ اسکے حق میں خوب اور کامل طور پر ہوں گی اسی لئے نبی صلعم نے فرمایا ہے کہ "میری امت کو اکثر عذاب قبر ہی میں ہوگا" - اور وہاں حشر میں بہت سے ایسے امور بھی متشکل ہوں گے جنکو سب لوگ برابر دیکھینگے جیسے آنحضرت صلعم کی نبوت عامہ کی ہدایت حوض کوثر کی شکل میں اور نفوس انسانی کے محفوظ شدہ اعمال ترازو کی صورت میں ظاہر ہونگے انکے علاوہ اور بھی بہت سی چیزیں ہونگی - اور اسیطرح نعمت الٰہی نہایت لذیذ کھانوں، شراب طہور، لباس فاخرہ، خوبصورت جبیں اور قصور دلنشیں کی صورت میں ظاہر ہوگی اور ظلمات تخلیط سے نجات پاکر نعمت الٰہی کیطرف آنے کے بہت سے عجیب عجیب طرز ہیں ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊

باجسام مناسبة لها كما ظهرت الملائكة لداود عليه السلام في صورة خصمين ورفعت اليه القضية فعرفا له تشبيه لما فرط منه في امرأة اوريا فاستغفر واناب، وكما كان عرض قدحي الخمر واللبن عليه صلى الله عليه وسلم واختياره اللبن تشبيها لعرض الفطرة والشهوات على امته واختيار الراشدين منهم الفطرة وكما كان جلوس النبي صلى الله عليه وسلم وابي بكر وعمر مجتمعين على قف البئر وجلوس عثمان منفردا منهم تشبيها لما قدر الله تعالى من حال قبورهم ومدافنهم على ما اوله سعيد بن المسيب وناهيك به واكثر الوقائع الحشرية من هذا القبيل ❊

واعلم ان تعلق النفس الناطقة بالنسمة اكيد شديد في حق اكثر الناس وانما مثلها بالنسبة الى العلوم البعيدة من مألوفها كمثل الاكمه لا يتخيل الالوان والاضواء اصلا ولا مطمع لها في حصول ذلك الا بعد احقاب كثيرة ومدد متطاولة في ضمن تشبيهات وتمثلات، والنفوس اول ما تبعث تجازى بالحساب اليسير او العسير او بالمرور على الصراط ناجيا او مخدوشا او بان يتبع كل احد متبوعه فينجو او يهلك او تنطق الايدي والارجل وقراءة الصحف او بظهور ما بخل به او حمله على ظهره او الكي به، وبالجملة فتشبيهات وتمثلات لما عندها بما تعطيه احكام الصورة النوعية فايما رجل كان اوثق نفسا واوسع نسمة فالتشبيهات الحشرية في حقه اتم واوفر ولذلك اخبر النبي صلى الله عليه وسلم ان اكثر عذاب امته في قبورهم وهنالك متمثلة تتشاهدها النفوس في مشاهدها كالهداية المبسوطة ببعثة النبي صلى الله عليه وسلم تتشبح حوضا وتتشبح اعمالها المحصاة عليها وزنا الى غير ذلك وتتشبح النعمة بمطعم هنيء ومشرب مريء ومنكح شهي وملبس رضي ومسكن بهي ❊

وللخروج من ظلمات التخليط الى النعمة تدريجات

[1] یہ قصہ اگر کسی کے نزدیک غلط ہو تو اس کی مثال دینے سے پہلے اس حرج واقع نہیں ہوتا - شاہ صاحبؒ ذاتی طور پر اس قصہ کے بدنما حصہ کو حذف کر کے ایک حد تک اسکو صحیح مانتے ہیں ملاحظہ کر ... تاویل الاحادیث شاہ ص ... اس سے ان کی بہیمیت دور ہوگی اور اپنی ... روحانی احساسات تیز ہوں اور روحانی قوت بیدار ہو جائے جو دنیاوی زندگی میں خوابیدہ تھی

چنانچہ نبی صلعم نے اس شخص کا طویل حال بیان فرمایا ہے جو سب سے آخر میں دوزخ سے نکلے گا[۱]۔ نفوس کو نوعی تقاضے کے موافق خواہشات اور شہوات ہوں گی اور انکے موافق نعمت الٰہی متمثل ہوگی اسکے علاوہ اور بھی شہوات ہونگی جن کی وجہ سے ایک شخص دوسرے سے ممتاز ہوتا ہے چنانچہ نبی صلعم کی اس حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے فرماتے ہیں کہ "میں جنت میں داخل ہوا تو ایک جوان لڑکی گندم گوں سرخ لب دکھائی دی، میں نے جبریلؑ سے پوچھا کہ یہ کون ہے[۲]؟ تو انھوں نے کہا کہ خداوند تعالیٰ نے جعفر ابن ابی طالب کی رغبت گندم گوں سرخ لب لڑکی کیطرف پائی تو اسی کے موافق یہ عورت ان کیلئے پیدا کردی[۳]"۔ ایک اور جگہ نبی صلعم فرماتے ہیں کہ "جب تو جنت میں جاکر یہ چاہیگا کہ یاقوت کے سرخ گھوڑے پر سوار ہوکر اسے ہر جگہ اڑاتا پھرے تو اسیوقت یہ بات تجھکو حاصل ہوجائیگی اور تیری خواہش پوری ہوجائیگی"۔ اور ایک جگہ فرمایا ہے "ایک جنتی شخص اپنے رب سے کاشتکاری کی اجازت چاہیگا خداوند تعالیٰ اس سے پوچھے گا کہ کیا تجھکو تیری دل کے موافق ہر چیز نہیں دی گئی؟ وہ عرض کریگا کہ ہاں بے شک دی تو گئی ہے لیکن میں کھیتی سے بہت محبت رکھتا ہوں تب وہ بوئے گا اور جیسے ہی پلٹ کر دیکھیگا تو کھیتی اگ جائیگی اور پک پکا کر کٹ بھی جائیگی اور پھٹکے ہوئے اناج کے پہاڑوں جیسے ڈھیر لگ جائینگے تب خداوند تعالیٰ فرمائے گا کہ ای ابن آدم! لے، تیرا پیٹ کسی چیز سے نہیں بھرتا ہے"۔ پھر ان سب چیزوں کے بعد خداوند تعالیٰ کے دیدار کی تجلیات سے مشک کے ٹیلوں پر چڑھ کر فیضیاب ہوں گے اسکے بعد کچھ اور بھی ہوگا جسکو میں رسول اللہ کی اقتدا کرتے ہوئے ذکر نہیں کرتا اور سکوت اختیار کرتا ہوں کیونکہ نبی صلعم نے بھی اس بارہ میں سکوت فرمایا ہے۔

مبحث سوم: تدبیرات نافعہ کا بیان

پہلا باب[۱۸] - تدبیرات نافعہ کے حصول کی کیفیت -

واضح ہو کہ ہر انسان کھانے، پینے، نکاح کرنے، گرمی اور بارش میں سایہ حاصل کرنے اور سردی میں گرمی حاصل کرنے اور اسیطرح کی دیگر حاجات میں اپنے ہم جنسوں کے مشابہ ہے اور خداوند تعالیٰ نے اپنی خاص عنایت سے انسان کو اسکی صورت نوعیہ کے موافق اس بات کا طبعی الہام کیا ہے کہ وہ اپنی ان حاجات کو رفع کرنے کیلئے کیا کیا تدابیر اختیار کرے - چنانچہ اس صفت میں سب برابر کے شریک ہوتے ہیں لیکن اگر کوئی فطری طور پر ہی ناقص الخلقت ہو اور اس کا مادہ ساتھ نہ دے تو وہ الگ بات ہے - دیکھئے شہد کی مکھیوں کو اس نے الہام کیا کہ وہ درختوں کے پھل اس طرح کھائیں اور اپنے ہم جنسوں کے باہم رہنے کیلئے اس طرح گھر بنائیں اور پھر اپنی سردار مکھی (ملکہ) کی اسطرح اطاعت کریں اور پھر اسی طرح شہد بنائیں ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣

عجیبة کما بینه النبی صلی الله علیه وسلم فی حدیث الرجل الذی هو اخر اهل النار خروجا منها وان للنفوس شهوات تتوارد علیها من تلقاء نوعها تتمثل بها النعمة وشهوات دون ذلك یتمیز بها بعضها من بعض وهو قول النبی صلی الله علیه وسلم دخلت الجنة فاذا جاریة ادماء لعساء فقلت ما هذه یا جبریل؟ فقال ان الله تعالی عرف شهوة جعفر بن ابی طالب للادم اللعس فخلق له هذه وقوله صلی الله علیه وسلم ان الله ادخلك الجنة فلا تشاء ان تحمل فیها علی فرس من یاقوتة حمراء تطیر بك فی الجنة حیث شئت الافعلت وقوله ان رجلا من اهل الجنة استأذن ربه فی الزرع فقال له الست فیما شئت قال بلی ولکنی احب ان ازرع فبذر فبادر الطرف نباته واستواءه واستحصاده فکان امثال الجبال فیقول الله تعالی دونك یا ابن ادم فانه لا یشبعك شیء ثم اخر ذلك رؤیة رب العالمین وظهور سلطان التجلیات فی جنة الکثیب ثم کائن بعد ذلك ما اسکت عنه ولا اذکره اقتداء بالشارع صلی الله علیه وسلم۔

المبحث الثالث مبحث الارتفاقات

باب کیفیة استنباط الارتفاقات

اعلم ان الانسان یوافق ابناء جنسه فی الحاجة الی الاکل والشرب والجماع والاستظلال من الشمس والمطر والاستدفاء فی الشتاء وغیرها، وکان من عنایة الله تعالی به ان الهمه کیف یرتفق باداء هذه الحاجات الهاما طبیعیا من مقتضی صورته النوعیة فلا جرم یتساوی الافراد فی ذلك الا کل مخدج عصت مادته کما الهم النحل کیف تاکل الثمرات ثم کیف تتخذ بیتا یجتمع فیه اشخاص من بنی نوعها ثم کیف تنقاد لیعسوبها ثم کیف تعسل

---

[۱] یہ اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جسکو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے اس روایت کا مضمون یہ ہے کہ ایک جہنمی شخص یہ عرض کریگا کہ ای اللہ مجھ کو جہنم کی گرمی اور آگ نے جھلس دیا ہے تو اپنی رحمت سے مجھ کو محروم نہ فرما حکم ہوگا کہ تو کیا چاہتا ہے؟ وہ عرض کریگا کہ میرا منہ آگ سے پھیر دے اس کے سوا اور کچھ نہیں چاہتا۔ اس پر وہ بہت پکا عہد کریگا پھر جب اسکا منہ پھیر جائیگا تو جنت کے سایہ دار درخت دکھائی دیں گے تب وہ صبر نہ کرسکیگا لاچار عرض کریگا کہ ای اللہ ان درختوں تک مجھ کو پہنچادے پھر میں اور کچھ نہیں مانگوں گا تب اس سے عہد لیکر اسکو ان درختوں کے پاس لے جائیگا وہ نہا دھو کر صاف ستھرا ہوگا پھر جنت کے اندر کے عیش و سامان

اور اسی طرح پرندوں کو وحی کی کہ وہ اسطرح کہیں سے دانے چن کر لائیں اور پانی
اسطرح پیئیں اور بلی شکاری جیسے دشمنوں سے اسطرح بھاگ کر اڑ جائیں اور جو
بھی ان کی ضروریات میں مانع ہو اس سے اسطرح جنگ کریں اور بوقت خواہش
نر مادہ سے کسطرح جفتی کرے اور پھر وہ دونوں ملکر بوقت بار کسطرح گھونسلا بنائیں
اور پھر وہ دونوں انڈوں کے سینے میں ایک دوسرے کے اسطرح معاون بنے
رہیں اور پھر اسطرح بچے نکالیں اور انھیں چگائیں۔ غرض اسیطرح ہر نوع کی
ایک جداگانہ شریعت (طور طریق) ہے جو ہر فرد کے دل میں اسکی صورت نوعیہ کے
موافق احکام کا الہام ہوتا رہتا ہے چنانچہ انسان کو بھی اسکی ضروریات کی بابت الہام
ہوا کہ انکو رفع کرنے کیلئے کیا کیا تدابیر اختیار کرے مگر اسقدر فرق ہے کہ اسکی صورت نوعیہ کے
اقتضا کے موافق ان باتوں کے علاوہ اسکو تین اور ایسی باتیں دی گئی ہیں جن سے وہ
تمام انواع پر فائق شمار کیا گیا ہے اول رائے کلی کے موافق کسی چیز کا ارادہ کرنا چنانچہ
چوپایوں کو صرف طبعی خواہش کسی محسوس یا موہوم غرض کو پورا کرنے کیلئے آمادہ کرتی
ہے جیسے بھوک، پیاس اور شہوت جماع۔ برخلاف انسان کے کہ وہ ایسے منافع کی
نفع کیلئے قصد کرتا ہے جو اسکی طبیعت کے تقاضے سے نہیں ہوتا۔ چنانچہ کبھی تو وہ ملک و شہر
میں عمدہ نظام قائم کرنے کا قصد کرتا ہے اور کبھی اپنے اخلاق کی تکمیل یا نفس کی تہذیب
کرتا ہے اور کبھی عذاب آخرت سے رستگاری کی فکر کرتا ہے اور کبھی لوگوں کے دلوں میں
وجاہت حاصل کرنے کا قصد کرتا ہے۔ دوم یہ کہ وہ ان حاجات کے پورا کرنے میں
عمدگی اور لطافت بھی چاہتا ہے چنانچہ چوپائے صرف اپنی حاجت برآری سے
کام رکھتے ہیں لیکن انسان حاجت روائی کے علاوہ اپنے دل کی خوشی اور نفس کی لذت
بھی چاہتا ہے قدر حاجت پر بس نہیں کرتا چنانچہ وہ حسین بیوی لذیذ کھانے عمدہ
لباس اور بلند مکان پسند کرتا ہے۔ سوم یہ کہ نوع انسانی میں وہ لوگ بھی ہوتے
ہیں جو اپنی عقل اور دانشمندی سے عمدہ عمدہ تدابیر نافعہ سوچتے اور اختیار کرتے
ہیں اور اسمیں وہ لوگ بھی ہوتے ہیں جن کے دلوں میں وہی تدابیر انکی طرح دانش
مندوں کے دل میں آتی ہیں لیکن یہ لوگ صحیح استنباط کرنے پر قادر و اختیار نہیں کر سکتے۔
چنانچہ یہ جب کسی دانا شخص کو تدبیر و استنباط کرتے ہوئے دیکھتے یا سنتے ہیں تو
اس کی تدبیر کو دل سے پسند کرتے ہیں اور اسکو اپنے علم اجمالی کے موافق پاکر اسکے
پابند ہو جاتے ہیں۔ بہت سے آدمی آپ کو ایسے ملیں گے جو بھوکے اور پیاسے
ہوتے ہیں اور کھانا پانی نہ ملنے کی وجہ سے بہت تکلیف اٹھاتے ہیں لیکن جب
ان کو وہ کھانا پانی مل جاتا ہے تو اپنی حاجت رفع کرنے کیلئے اس سے اتفاق
تدبیر بھی کرتے ہیں مگر اچھی طرح نہیں کر سکتے۔ پھر اتفاق سے جب
کسی دانش مند اور حکیم کو بھی ایسے حالات پیش آتے ہیں تو وہ کھانے کے
قابل اناج کی تمیز کرنا اس کی زراعت کرنا اس میں پانی سینچنا اور
پھر اس کو کاٹ کر خرمن کو کوٹ کر ہوا میں صاف کرنا اور آئندہ
حاجت کے لئے جمع کر کے رکھنا سیکھتے ہیں ۔۔ ٭ ٭ ٭

وكما الهم البهائم سوى ذلك كيف تتبع الحبوب الغاذية وكيف ترد
الماء وكيف تفر من الصياد وكيف تقاتل من يريد
حتى يلجئها اليه وكيف يسافد ذكره الانثى عند الشبق ثم
يتخذان عشا عند الحبل ثم كيف يتعاونان في حضانة
البيض ثم كيف يزقان الفراخ، وكذا لكل نوع شريعة
تنفث في صدور افراده من طريق صورة النوعية وكذلك
الهم الانسان كيف يرتفق من هذه الضروريات غير انه
انضم له مع هذا ثلاثة اشياء بمقتضى صورته النوعية
الزائدة على كل نوع احدها الانبعاث الى شئ من راى كلي
فالبهيمة انما تنبعث الى غرض محسوس او متوهم من
داعية ناشئة من طبيعتها كالجوع والعطش والشبق
والانسان ربما ينبعث الى نفع معقول ليس له داعية
من طبيعته فيقصد ان يحصل نظاما صالحا في المدينة
او يكمل خلقه ويهذب نفسه او يتفصى من عذاب الآخرة
او يمكن جاهه في صدور الناس والثاني انه يضم مع
الارتفاق الظرافة فالبهيمة انما تبتغي ما تسد به خلتها
وتدفع حاجتها فقط والانسان ربما يريد ان تقر عينه و
تلذ نفسه زيادة على الحاجة فيطلب زوجة جميلة وطعاما
لذيذا وملبسا فاخرا ومسكنا شامخا، والثالث انه يوجد
منهم اهل عقل ودراية يستنبطون الارتفاقات الصالحة
ويوجد منهم من يختلج في صدره ما اختلج في صدور اولئك
ولكن لا يستطيع الاستنباط فاذا راى من الحكماء وسمع
ما استنبطوه تلقاه بقلبه وعض عليه بنواجذه لما
وجده موافقا لعلمه الاجمالي فرب انسان يجوع ويظمأ
فلا يجد الطعام والشراب فيقاسي الشدائد حتى يجدهما
فيتناول ارتفاقا بازاء هذه الحاجة ولا يهتدي سبيلا ثم
يتفق ان يلقى حكيما اصابه ما اصاب ذلك فتعرف الحبوب
الغاذية واستنبط بذرها وسقيها وحصادها ودياسها
وتذريتها وحفظها الى وقت الحاجة واستنبط حفر

اوراسی طرح چشموں اور نہروں سے بعید زمین کے لئے کنوئیں کھودنا ڈولاب مشکیزے
اور ڈبٹ کے ڈونگے بنانا ایجاد کرتے ہیں پس اس سے تدبیرات کا ایک دروازہ کھل
جاتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ بھوکا پیاسا کچا اناج چباتا ہے جو اسکے معدہ میں
ہضم نہیں ہوتا اور کچے پھل کھاتا ہے وہ اسکے پیٹ میں نہیں پچتے تب وہ اس
بابمیں کچھ کوشش کرتا ہے مگر کامیاب نہیں ہوتا اسی اثنا میں وہ کسی ایسے حکیم و دانشمند سے
ملتا ہے جسکو پکانا بھوننا اور روٹی پکانا آتا ہے وہ اسکو دیکھ کر ایک اور راہ اختیار کرلیتا
ہے اور اسپر تدبیرات کا دوسرا دروازہ بھی کھل جاتا ہے پس اس پر انسان کی دیگر تمام
حاجات کو قیاس کرلینا چاہیئے ان وجوہات سے جنکا ہم ابھی ذکر کرچکے ہیں ایک
غور کرنیوالا شہر دنمیں ایسی تدابیر کو پاتا ہے جو پہلے نتھیں زمانہ گذرتا گیا اور لوگ اسی
طرح کرتے رہے حتّٰی کہ ایک مقدار معین ایسے علوم الہامیہ کی جنکو تجربات کی مدد ملتی
رہی تھی اور جو لوگوں کے دلونمیں پیوست ہوگئے تھے حاصل ہوگئی اور انہی پر زندگی
اور موت کا دار و مدار ہے۔ حاصل کلام الہامات ضروریہ مع اپنے تینوں اقسام کے
سانس اور نبض کے مانند ہیں کہ دونوں کا اصل وجود نہایت ضروری ہے باوجودیکہ
چھوٹے اور بڑے سانس لینے میں اختیار ہے ✦

اور جبکہ یہ تینوں باتیں تمام انسانوں میں برابر درجہ کی نہیں پائی جاتیں کیونکہ مزاج
اور عقول جن سے رائے کلی کا حصول ہوتا ہے لوگونمیں مختلف ہیں بعض لوگ ذہین ہوتے
ہیں انکے حالات تدابیر کے حاصل کرنیمیں غور وفکر اور پیروی کرنیمیں یکساں نہیں ہوتے
علاوہ بریں بہت سی باتیں وجہ تفاوت بنجاتی ہیں اسلئے تدابیر کی دو حدیں مقرر ہیں
حدّ اول یعنی تدابیر کا کم سے کم درجہ جس سے کسی کو مفر نہیں وہ ہے جس میں جنگلوں پہاڑوں
اور مہذب بستیوں سے دور دراز رہنے والے لوگ سب شریک ہیں اسکو ہم اپنی
اصطلاح میں ارتفاق اول کہتے ہیں۔ حدّ دوم یعنی وہ اعلیٰ درجہ جس
میں شہروں اور آباد بستیوں کے لوگ شریک ہیں جہاں حکما اور عمدہ
اخلاق کے لوگ پیدا ہوتے ہیں کیوں کہ ایسی جگہوں میں اکثر لوگوں کا اجتماع
رہتا ہے ضروریات اور تجربات سے واسطہ پڑتا ہے اور ایک عمدہ معاشرت
پیدا ہوجاتی ہے جس کو ہر شخص دل وجان سے پسند کرتا ہے اس حد
کی طرف اعلیٰ وہ ہے جس کو سلاطین عمل میں لاتے ہیں جہاں پورے
سامان تعیش کی وجہ سے اطراف وجوانب کے حکماء جمع ہوکر ایک
عمدہ طریقۂ معاشرت پیدا کرتے ہیں اسکو ہم ارتفاق دوم
کہتے ہیں ✦ ✦ ✦ ✦

الآبار للبعيد من العيون والانهار واصطناع الدلال
والقرب والقصاع فيتخذ ذلك بابا من الارتفاق ثم انه
يقضم الحبوب كما هي فلا تنهضم في معدته ويرتع الثمار
نيئة فلا تنهضم فيحاول شيئا بازاء هذه فلا يهتدي سبيلا
فيلقى حكيما استنبط الطبخ والقلي والطحن والخبز فيتخذ
ذلك بابا آخر وقس على ذلك حاجاته كلها والمستبصر
يشهد عند ما ذكرنا حدوث تاثير من الموافق في البدن
بعد ما لم تكن فيمضي على ذلك قرون ولم يزالوا يفعلون
ذلك حتى اجتمعت جملة صالحة من العلوم الالهامية
المؤيدة بالمكتسبة ونشئت عليها نفوسهم وعليها كان
محياهم ومماتهم وبالجملة فحال الالهامات الضرورية مع
هذه الاشياء الثلاثة كمثل التنفس اصله ضروري بمنزلة
حركة النبض وقد انضم معه الاختيار في صغر الانفاس
وكبرها ✦

ولما كانت هذه الثلاثة لا توجد في جميع الناس سواء
لاختلاف امزجة الناس وعقولهم الموجبة للانبعاث من
راي كلي والحب لظرافة واستنباط الارتفاقات والاقتداء
فيها او لاختلافهم في التفرغ للنظر ونحو ذلك من الاسباب
كان للارتفاقات حدان الاول هو الذي لا يمكن ان
ينفك عنه اهل الاجتماعات القاصرة كاهل البدو وسكان
شواهق الجبال والنواحي البعيدة من الاقاليم الصالحة و
هو الذي نسميه بالارتفاق الاول والثاني ما عليه اهل
الحضر والقرى العامرة من الاقاليم الصالحة المستوجبة
ان ينشأ فيها اهل الاخلاق الفاضلة والحكماء فانه كثر
هنالك الاجتماعات وازدحمت الحاجات وكثرت التجارب
فاستنبطت سنن جزيلة وعضوا عليها بالنواجذ والطرف
الاعلى من هذا الحد ما يتعامله الملوك اهل الرفاهية
الكاملة الذين يرد عليهم حكماء الامم فينتحلون منهم سننا
صالحة وهو الذي نسميه بالارتفاق الثاني ولما كمل

جب یہ ارتفاق پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے تو ارتفاق سوم پیدا ہو جاتا ہے یہ اسوقت ہوتا ہے جب لوگ بخیل، حاسد، اور نادہند ہو جاتے ہیں انمیں اختلافات اور جھگڑے پڑ جاتے ہیں، بری خواہشات سے مغلوب اور دلیری سے لوٹ مار کرنیکے عادی ہو جاتے ہیں کیونکہ ایسے لوگ تدابیر کی نفع رسانی میں ایک دوسرے کے شریک ہوتے ہیں اور ان سب کو عملی صورت دینے کیلئے ایک شخص میں طاقت نہیں ہوتی یا اسکو سہولت نہیں ملتی یا اتنا باہمت نہیں ہوتا تو مجبوراً یہ سب ملکر ایک رئیس مقرر کرتے ہیں جو ان میں عدل وانصاف سے فیصلے کرے جو مجرم اور سرکش لوگوں کو سزا دے جو لوگوں سے محصول، و مالگذاری وصول کر کے ضروری مصارف پر خرچ کرے۔ اس تیسرے ارتفاق سے ارتفاق چہارم پیدا ہوتا ہے یہ اسوقت ہوتا ہے جب ہر رئیس اپنے اپنے شہر کا خود مختار ہو جاتا ہے ہر طرف سے اسکے پاس مال جمع ہونے لگتا ہے اور وہ اسمیں حق تلفی کرتا ہے اور آپس میں بخل، حرص اور رنجش پیدا ہو جاتی ہے جسکی وجہ سے باہم قتال کرنے لگتے ہیں اور انکو ایک خلیفہ منتخب کرنے کی ضرورت پڑتی ہے یا ایسے شخص کو تسلیم کریں جسکا ان پر تسلط خلافت کبریٰ کیطرح ہمہ گیر ہو اور ہماری مراد خلیفہ سے ایسا شخص ہے جسکو اس درجہ شان وشوکت حاصل ہو کہ کوئی اسکے ملک چھین نہ سکتا ہو اور کثیر جماعتیں اور کثیر اموال کے خرچ کئے بغیر کوئی اس سے تعرض نہ کر سکتا ہو۔ ایسے شخص زمانہ دراز کے بعد کبھی کبھی پیدا ہوتے ہیں اور لوگوں کی اختلاف عادات کیوجہ سے خلیفہ بھی مختلف الحال ہوتا ہے اور جس قوم کی طبیعت میں شدت اور تیزی زیادہ ہوتی ہے وہ بہ نسبت ان لوگوں کے جنمیں بخل و عداوت کم ہوتی ہے خلفاء اور ملوک کی زیادہ محتاج ہوتی ہے۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ ان تدابیر اور معاشرت کے اصول اسی طرح بتلا دیں جس طرح مہذب اور صاحب اخلاق قوموں نے پسند کیا اور اور طریقۂ کار بنایا ہے جن میں چھوٹے بڑے سب شریک ہیں۔ پس جو کچھ آپ کو بتلایا جائے اس کو غور سے سنئے ؞

دوسرا باب (۱۹) ۔ ارتفاق[۱] اول کا بیان

منجملہ اس کے لغت ہے جسکے ذریعہ انسان دلی امور بیان کرتا ہے اور اس بارہ میں اصل افعال، ہیئت اور اجسام ہیں جن کا کسی نہ کسی آواز سے تعلق ہوتا ہے خواہ یہ تعلق قرب کا ہو یا سببیت کا ہو یا کسی اور وجہ سے ہو پس ہو بہو اس آواز کو لغت کے ذریعہ نقل کیا جاتا ہے پھر اس لغت سے باعتبار معانی کے مختلف صیغے بنائے جاتے ہیں ؞ ؞ ؞

الارتفاق الثانی اوجب ارتفاقا ثالثا وذلك انهم لما دارت بينهم المعاملات وداخلها الشحّ والحسد والمطل والتجاحد نشأت بينهم اختلافات ومنازعات وانهم نشأ فيهم من تغلب عليه الشهوات الرديئة او يجبل على الجراءة فى القتل والنهب وانهم كانت لهم ارتفاقات مشتركة النفع لا يطيق واحد منهم اقامتها ولا تسهل عليه او لا تسمح نفسه بها فاضطروا الى اقامة ملك يقضى بينهم بالعدل ويزجر عاصيهم ويقاوم جريئهم ويجبى منهم الخراج و يصرفه فى مصرفه واوجب الارتفاق الثالث ارتفاقا رابعا وذلك انه لما انفرز كل ملك بمدينته وجبى اليه الاموال وانضم اليه الابطال وداخلهم الشحّ والحرص والحقد تشاجروا فيما بينهم وتقاتلوا فاضطروا الى اقامة الخليفة او الانقياد لمن تسلط عليهم تسلط الخلافة الكبرى و اعنى بالخليفة من يحصل له من الشوكة ما يرى معه كالممتنع ان يسلبه رجل آخر ملكه اللهم الا بعد اجتماعات كثيرة وبذل اموال خطيرة لا يتمكن منها الا واحد فى القرون المتطاولة ويختلف الخليفة باختلاف الاشخاص والعادات واى امة طبائعها اشد واحدّ فهى احوج الى الملوك والخلفاء ممن هى دونها فى الشح والشحناء، ونحن نريد ان ننبهك على حصول هذه الارتفاقات وفهارس ابوابها كما اوجبه عقول الامم الصالحة ذوى الاخلاق الفاضلة واتخذوا سنة مسلمة لا يختلف فيها اقاصيهم ولا ادانيهم فاستمع لما يتلى عليك ؞

باب الارتفاق الاول

منه اللغة المعبرة عما فى ضمير الانسان والاصل فى ذلك افعال وهيأت واجسام تلابس صوتا ما بالمجاورة او التسبب وغيرهما فيحكى ذلك الصوت كما هو ثم يتصرف فيه باشتقاق الصيغ بازاء اختلاف المعانى ويشبه

---

[۱] ارتفاق سے مراد تدابیر اولی ہے۔

اور جو امور نظروں میں مؤثر معلوم ہوتے ہیں یا نفس کی ہیئت وجدانیہ سے پیدا ہوتے ہیں ان سب کو قسم اول کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں اور اسکے لئے بھی ایسا صوت کی آواز بناتے ہیں۔ پھر [illegible] کا تعلق ہو یا بذریعہ نقل کے جو کسی علاقہ کی وجہ سے واقع ہو [illegible] دیجاتی ہے۔ اس بارے میں اور بھی قواعد ہیں جنکو آپ ہماری بعض تقریروں میں پائینگے منجملہ اسکے کھیتی کرنا درخت لگانا کنوئیں کھودنا کھانا اور سالن پکانا منجملہ اسکے برتن اور مشکیزے بنانا ہے منجملہ اسکے چوپایوں کو اپنے قابو میں کرنا اور جمع کر کے رکھنا ہے تاکہ ان پر بوجھ لادا جائے اور ان کے گوشت کھائے، بال اور اون دودھ اور بچوں سے نفع حاصل کیا جائے۔ منجملہ اسکے جائے سکونت ہے جو اسکو گرمی سردی سے محفوظ رکھے خواہ پہاڑ کی کوئی کھوہ ہو یا پھوس کا جھونپڑا ہو یا کچھ اور ہو۔ منجملہ اسکے لباس ہے جو پروں کے قائم مقام ہے خواہ چوپایوں کے چمڑے کا ہو یا درختوں کے پتوں کا ہو یا ہاتھ سے بنا ہوا ہو۔ منجملہ اسکے کسی عورت سے عقد کرنا ہے جس میں کوئی اور شریک نہ ہو اس سے اپنی شہوت پوری کرے پیدائش نسل کرے اور امور خانہ داری میں اولاد کی پرورش اور تربیت میں اس سے مدد لے۔ انسان کے علاوہ دوسرے حیوانات میں زوجیت محض اتفاق کا نام ہے جو نر مادہ میں کسی سبب سے یا ایک ساتھ پیدا ہونے اور دونوں کا بلوغ تک اکٹھا رہنے سے یا کسی اور بات کی وجہ سے پیدا ہو جاتا ہے۔ منجملہ اسکے ایسے آلات کا حاصل کرنا ہے جنکے بغیر کھیتی کرنا درخت لگانا کنوئیں کھودنا اور چوپایوں کا مسخر کرنا وغیرہ نہیں ہو سکتا، جیسے پھاوڑا ڈول ہل رسیاں اور اسکے علاوہ دوسرے آلات ہیں۔ منجملہ اسکے اشیا کا تبادلہ اور دوسرے معاملات جو بعض امور میں ضروری ہیں سیکھے۔ منجملہ اسکے انمیں سب سے زیادہ سلیم الرائے اور زور آور کا پیدا ہونا ہے جو دوسروں کو مغلوب کر کے انکا سردار بنجائے اور کسی نہ کسی طرح اپنی سرداری کو باقی رکھے۔ منجملہ اسکے یہ ہے کہ انمیں کوئی ایسا پختہ طریقہ ہو جسکی رو سے انکے معاملات کے فیصلے کئے جائیں۔ ظالم کو ظلم کی سزا ملے اور جو کوئی جنگ کا ارادہ رکھتا ہو تو اسکو روک دیا جائے۔ اور ہر قوم میں ایسے شخص کا ہونا بھی ضروری ہے جو مہتم بالشان امور میں تدابیر کے طریقے وضع کرے جسکا اور لوگ اتباع کریں۔ اور انمیں ایسے بھی ہوتے ہیں جو زینت عیش و آرام اور سہولت کو پسند کرتے ہیں خواہ وہ کسی طرح سے ہو۔ اور بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنے اخلاق شجاعت سخاوت فصاحت اور دانائی وغیرہ پر فخر کرتے ہیں۔ اور بعض اس بات کو درست رکھتے ہیں کہ انکے نام کی شہرت ہو اور لوگوں میں عزت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر بڑا احسان کیا کہ اپنی کتاب عظیم میں اس

امور موثرة في الابصار او محدثة لهيات وجدانية في النفس بالقسم الاول ويتكلف له صوت كمثله ثم اتسعت اللغات بالتجوز بمشابهة او مجاورة والنقل لعلاقة ما، وهنالك اصول متوى سنقيد ها في بعض كلامنا، ومنه الزرع و الغرس وحفر الآبار وكيفية الطبخ والائتدام، ومنه اصطناع الاواني والقرب، ومنه تسخير البهائم واقتناؤها ليستعان بظهورها ولحومها وجلودها واشعارها واوبارها والبانها واولادها، ومنه مسكن يؤويه من الحر والبرد من الغيران والعشوش ونحوها، ومنه لباس يقوم مقام الريش من جلود البهائم او اوراق الاشجار او مما عملت ايديهم، ومنه ان اهتدى لتعيين منكوحة لا يزاحمه فيها احد يدفع بها شبقه ويذرأ بها نسله ويستعين بها في حوائجه المنزلية وفي حضانة الاولاد وتربيتها وغير الانسان لا يعينها الا بنحو من الاتفاق او بكونهما توأمين ادركا على المرافقة ونحو ذلك، ومنه ان اهتدى لصناعات لا يتم الزرع والغرس والحفر وتسخير البهائم وغير ذلك الا بها كالمعول والدلو والسكة والحبال ونحوها ومنه ان اهتدى لمبادلات ومعاونات في بعض الامور ومنه ان يقوم اشدهم رايا واشدهم بطشا فيسخر الآخرين ويراس ويربع ولو بوجه من الوجوه، ومنه ان تكون فيها سنة مسلمة لفصل خصوماتهم وكبح ظالمهم ودفع من يريد ان يغزوهم ولابد ان يكون في كل قوم من يستنبط طرق الارتفاق فيما يهمهم شانه فيقتدي به سائر الناس وان يكون فيهم من يحب الجمال والرفاهية والدعة ولو بوجه من الوجوه، ومن يباهي باخلاقه من الشجاعة والسماحة والفصاحة والكيس وغيرها ومن يحب ان يطير صيته ويرتفع جاهه وقد منّ الله تعالى في كتابه العظيم على عباده بالهام شعب هذا الارتفاق لعلمه بان التكليف بالقرآن يعم اصناف الناس وانه لا يشملهم

اور ارتفاق کی یہ نوع ان سب میں پائی جاتی ہے واللہ اعلم ٭

تیسرا باب ۲۰:- آداب معاش کا فن -

آداب معاش اس علم کا نام ہے جسمیں حد ثانی پر اُن حاجیات کی تدابیر سے بحث کیجاتی ہے جو پہلے بیان کی جا چکی ہیں اور اس باب میں قاعدۂ کلیہ یہ ہے کہ ارتفاق اول کو صحیح تجربہ کے موافق کرنا چاہیئے پس جو صورتیں ضرر سے بعید اور نفع رساں ہوں انکو اختیار کرنا چاہیئے اور دوسری سب تدابیر کو چھوڑ دینا چاہیئے اور اسیطرح ان اخلاق حمیدہ کے موافق کرلینا چاہیئے جو کامل مزاجوں کی فطرت میں ہیں پس جنکا اخلاق حمیدہ تقاضا کریں انکو اختیار کرنا چاہیئے اور باقی سبکو چھوڑ دینا چاہیئے۔ اور اسیطرح حسن صحبت جو لوگوں میں موجود ہے اور باہمی مشارکت اور اسکے مثل وہ مقاصد جو رائے کلی سے پیدا ہوتے ہیں ان سب کے موافق کرنا چاہیئے۔ اس فن کے بڑے مسائل یہ ہیں:- کھانے پینے چلنے بیٹھنے سونے سفر کرنیکے آداب قضائے حاجت، جماع، لباس، مکان، پاکیزگی زینت اور باہمی بات چیت کے آداب۔ دوا کرنے، آفات میں جھاڑ منتر کرنے، ہجوم حوادث میں پیش بینی کرنے اور ولادت، نکاح، عید، قدوم مسافر وغیرہ کی خوشی میں ولیموں کے آداب، مصائب کیوقت ماتم کرنے، مریضوں کی عیادت کرنے اور میت کے دفن کرنے کے آداب سے واقف ہونا ہے کیونکہ آباد شہروں میں رہنے والے جسقدر صحیح المزاج اور معتبر لوگ ہیں سب اس پر متفق ہیں کہ بُرا کھانا نہ کھانا چاہیئے جیسے مردار جو اپنی موت سے مرا ہوا اور متعفن اور وہ حیوان جسمیں اعتدال مزاج اور انتظام اخلاق نہ ہو۔ اور برتن میں کھانا رکھنا اور دسترخوان وغیرہ چیزوں پر رکھکر کھانا، منہ اور ہاتھوں کا کھاتے وقت صاف کرنا سبکے نزدیک مستحب ہے اور اسطرح کھانے سے جس میں حماقت یا حرص پائی جائے یا وہ طریقہ، ساتھ والوں کے دلوں میں نفرت پیدا کرے، احتراز واجب ہے۔ اور متعفن پانی کو نہ پیا جائے اور جانوروں کی طرح منہ سے پانی پینے اور گٹ گٹا کر پینے سے بچا جائے اور سب کا اسپر اتفاق ہے کہ بدن، لباس اور مکان دونوں قسم کی نجاستوں سے پاک وصاف رکھنا چاہیئے۔ قسم اول وہ نجاستیں ہیں جن میں بدبو اور تعفن ہے قسم دوم وہ میل کچیل ہے جو طبعی طور پر پیدا ہوتا ہے جیسے گندہ ذہنی جو مسواک سے دور کی جاتی ہے اور جیسے بغل اور زیر ناف کے بال کپڑوں کا میل اور گھر کا کوڑہ کرکٹ - اور اس بات پر بھی سب کا اتفاق ہو کہ آدمی لوگوں میں پاک وصاف رہے ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭

جمیعاً الا هذا النوع من الارتفاق والله اعلم ٭

باب فن آداب المعاش

وهی الحكمة الباحثة عن كيفية الارتفاق من الحاجات المبينة من قبل على الحد الثانی والاصل فيه ان يعرض الارتفاق الاول على التجربة الصحيحة فی كل باب فيختار الهيئات البعيدة من الضرر القريبة من النفع ويترك ما سوى ذلك وعلى الاخلاق الفاضلة التی يجبل عليها اهل الامزجة الكاملة فيختار ما توجبه وتقتضيه ويترك ما سوى ذلك وعلى حسن الصحبة بين الناس وحسن المشاركة معهم ونحو ذلك من المقاصد الناشئة من الرای الكلی ومعظم مسائله آداب الاكل والشرب والمشی والقعود والنوم والسفر والخلاء والجماع واللباس والمسكن والنظافة والزينة ومراجعة الكلام والتمسك بالادوية والرقی فی العاهات وتقدمة المعرفة فی الحوادث المجيعة والولائم عند عروض فرح من ولادة ونكاح وعيد وقدوم مسافر وغيرها والماتم عند المصائب وعيادة المرضى ودفن الموتى فانه اجمع من يعتد به من اهل الامزجة الصحيحة سكان البلدان المعمورة على ان لا يوكل الطعام الخبيث كالميت حتف انفه والمتعفن والحيوان البعيد من اعتدال المزاج وانتظام الاخلاق ويستحبون ان يوضع الطعام فی الاوانی وتوضع هی على السفر ونحوها وان ينظف الوجه واليدان عند ارادة الاكل ويحترز عن هيات الطيش والشره والتی تورث الضغائن فی قلوب المشاركين وان لا يشرب الماء الآجن وان يحترز من الكرع والعب واجمعوا على استحباب النظافة نظافة البدن والثوب والمكان عن شيئين عن النجاسات المنتنة المتقذرة وعن الاوساخ النابتة على نهج طبيعی كالبخر يزال بالسواك كشعر الابط والعانة وكتوسخ الثياب واعشيشاب البيت وعلى استحباب ان يكون الرجل شامة بين الناس قد سوى

اس کالباس درست ہو، سر اور ڈاڑھی میں کنگھی کرے اور عورت جب کسی کے
نکاح میں ہو تو منہدی اور زیورات وغیرہ سے مزین رہے اور یہ کہ برہنگی عیب
اور لباس زینت ہے اور دونوں شرمگاہوں کا کھلا رکھنا بے شرمی ہے اور
پورا لباس وہ ہے جس سے تمام بدن چھپا رہے اور شرمگاہ چھپانے کا لباس
باقی بدن چھپانے کے لباس سے جدا ہے۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ خواب
یا نجوم یا شگون یا فال یا کہانت یا رمل وغیرہ سے کسی چیز کا پہلے سے معلوم ہو
جانا معیوب ہے۔ اور جو شخص مزاج صحیح اور ذوق سلیم رکھتا ہے وہ اپنے کلام
میں ضرور ایسے الفاظ استعمال کریگا جن میں بے تعلقی اور زبان پر گرانی نہ ہو اور کلام میں
ایسی ترکیب اختیار کریگا جو نہایت درست ہو اور طرز کلام بھی ایسا رکھے گا کہ
دل و کان اسکی طرف مائل ہوں۔ پس ایسا شخص فصاحت اور خوش بیانی
کی میزان ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ہر باب میں اجماعی مسائل کو تمام شہر والوں نے
تسلیم کیا ہے گو وہ ایک دوسرے سے دور دراز ہی کیوں نہ ہوں۔ اس کے بعد
آداب معیشت کے قواعد مرتب کرنے میں لوگ مختلف ہیں۔ پس عالم طبیعت
قواعد طب کے مستحسنات کو پسند کرتا ہے اور نجومی ستاروں کی خاصیت کا لحاظ رکھتا ہے
اور الٰہیات کا واقف اخلاص و احسان کی رعایت کرتا ہے جیسا کہ آپ انکی کتابوں
میں مفصل پاتے ہیں اور ہر قوم کی عادت و روش جدا جدا ہے کیونکہ انکے مزاج
عادات و دیگر امور میں اختلاف ہے ÷

چوتھا باب ۲۱:- خانگی تدابیر کا بیان

یہ وہ علم ہے جسمیں ارتفاق ثانی پر اس رابطہ اور تعلق کے تحفظ کی کیفیت کی بحث
کیجاتی ہے جو ایک مکان کے رہنے والوں میں ہوا کرتا ہے اور اسکے چار حصے ہیں
ازدواج، ولادت، مالک ہونا، اور باہمی صحبت، اسکی اصل یہ ہے کہ
حاجت جماع نے مرد اور عورت کے درمیان تعلق اور صحبت کو پیدا کیا پھر بچہ
پر شفقت والدین اسکی پرورش میں ایک دوسرے کے اعانت کی باعث ہوئی
پھر جبکہ بالطبع عورت کو اولاد کی پرورش کے اچھے طریقے معلوم تھے وہ عقل میں کم،
محنت کے کاموں سے جی چرانیوالی، زیادہ حیادار، خانہ نشینی کی طرف مائل،
ادنیٰ ادنیٰ امور میں خوب کوشش کرنے والی اور فرماں بردار تھی۔ اور
مرد بہ نسبت عورتوں کے عقلمند، غیرت مند، باہمت، با مروت
زور آور اور مقابلہ کرنے والا تھا ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷

لباسه وسرح راسه ولحيته والمرأة اذا كانت تحت رجل
تتزين بخضاب وحلى ونحو ذلك وعلى ان العرى شين و
اللباس زين وظهور السواتين عار وان اتم اللباس ما
ستر عامة البدن وكان ساتر العورة غير ساتر البدن و
على تقدمة المعرفة بشئ من الاشياء اما بالرؤيا او بالنجوم
او الطيرة او العيافة والكهانة والرمل ونحو ذلك وكل
من خلق على مزاج صحيح وذوق سليم يختار لا محالة فى
كلامه من الالفاظ كل لفظ غير وحشى ولا ثقيل على اللسان
ومن التراكيب كل تركيب متين جيد ومن الاساليب كل
اسلوب يميل اليه السمع ويركن اليه القلب وهذا الرجل هو
ميزان الفصاحة، وبالجملة ففى كل باب مسائل اجماعية
مسلمة بين اهل البلدان وان تباعدت والناس بعدها
فى تمهيد قواعد الآداب مختلفون فالطبيعى يمهدها على
استحسانات الطب والمنجم على خواص النجوم والالهى
على الاحسان كما تجدها فى كتبهم مفصلة، ولكل قوم زى
وآداب يتميزون بها يوجبها اختلاف الامزجة والعادات
ونحو ذلك ÷

باب تدبير المنزل

وهو الحكمة الباحثة عن كيفية حفظ الربط الواقع
بين اهل المنزل على الحد الثانى من الارتفاق وفيه اربع
جمل، الزواج، والولاد، والملكة، والصحبة، والاصل فى
ذلك ان حاجة الجماع اوجبت ارتباطا واصطحابا بين الرجل
والمرأة ثم الشفقة على المولود اوجبت تعاونا منهما فى
حضانته وكانت المرأة اهداهما للحضانة بالطبع واخفهما
عقلا واكثرهما تحاميا من المشاق واتمهما حياء ولزوما
للبيت واحذقهما سعيا فى محقرات الامور واوفرهما
انقيادا وكان الرجل اسدهما عقلا واشدهما ذبا عن
الذمار واجراهما على الاقتحام فى المشاق واتمهما تيها

اسلئے عورت کی زندگی بغیر مرد کے ناتمام تھی اور مرد کو عورت کی احتیاج تھی۔ اور
عورتوں کے بارہمیں مردوں کی مزاحمت اور غیرت اس بات کی باعث
ہوئی کہ انکی اصلاح اسی میں ہے کہ گواہوں کے سامنے اسکی بیوی کا اسی شخص کے
لئے خاص ہونا ظاہر ہوجائے اور عورت کی جانب مرد کی رغبت ولی کی نظر میں
اسکی عزت اور حمایت اس بات کی باعث ہوئی کہ زوج کیجانب سے مہر اور منگنی
اور ولی کیجانب سے کچھ بے پروائی ہو۔ اگر محارم میں اولیاء کی رغبت جائز ہوتی
تو عورت کو اس سے بڑا ضرر پہنچ سکتا تھا ولی عورت کو اس شخص سے روکتا جو عورت
کی نظر میں مرغوب ہے اور عورت کیلئے کوئی ایسا شخص ہوتا جو اس سے حقوق زوجیت
کا مطالبہ کرتا حالانکہ اسکو ان حقوق کی نہایت ضرورت ہے۔ اور سوکنوں کے
جھگڑے وغیرہ سے صلہ رحمی میں فرق آجاتا۔ اسکے علاوہ صحت مزاج کا تقاضہ یہ ہے کہ
آدمی کو اس عورت کیطرف رغبت نہ ہو جس سے وہ خود پیدا ہوا ہے یا اس سے عورت
پیدا ہوئی ہے۔ یا وہ دونوں ایک[1] درخت کی دو شاخوں کے مانند ہیں اور حاجت
جماع کے ذکر کرنے میں حیا کا ہونا اس بات کا باعث ہوا کہ یہ ضمن عروج[2] میں پوشیدہ
طور پر اسطرح ہوا کرے گویا یہی دونوں کا مقصود اصلی تھا۔ اور لطف شہرت اور
ملاک منزلی جو عروج شمار کیجاتی ہے ولیمہ کی باعث ہوئی جسمیں لوگوںکو بلایا جائے
اور گانے بجانے کی خوشی ہو۔ حاصل کلام یہ ہے کہ بہت سی وجوہ ہیں جنمیں سے بعض کو
ہمنے ذکر کیا اور بعض کو لوگوں کے فہم پر اعتماد کرکے حذف کردیا۔ نکاح کی یہ حالت
کہ ذاتی کہ غیر محارم سے نکاح لوگوں کے مجمع میں ہو اس سے پہلے مہر اور منگنی ہو
اولیاء کیجانب سے بے اعتنائی اور کفو کی رعایت ہو ولیمہ کیا جائے مرد عورتوں
کے سرپرست اور انکی معاش کے کفیل رہیں، عورتیں خانگی خدمات میں مصروف
رہیں، اولاد کی پرورش میں اطاعت سے رہیں، تمام لوگونکی نظر میں لازمی طریقہ اور امر مسلم
ہوگیا ہے اور امر فطری ہوگیا ہے جسپر لوگوںکو خدا نے پیدا کیا ہے عرب اور عجم میں کوئی
اس میں اختلاف نہیں کرتا۔ اور جبکہ دونوں کی باہم اعانت اور سعی اس طور پر کہ ہر ایک
دوسرے کے نفع ونقصان کو اپنا ہی نفع ونقصان خیال کرنے بغیر اسکے ممکن نہ تھی
کہ ہر ایک نکاح کے باقی رہنے کو دل وجان سے قبول کرے اور جب آپس میں
ناموافقت ہو تو اسکے لئے کوئی خلاصی کا طریقہ بھی ضروری تھا اگرچہ یہ علیحدگی مباح
امور میں سے نہایت ہی مبغوض ہے اس لئے طلاق اور عدت میں قیود کا
لحاظ ضروری قرار دیا گیا۔ اور اسیطرح خاوند کی وفات میں عدت کا لحاظ
رکھا گیا تاکہ نکاح کی تعظیم دلوں میں باقی رہے ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣

وتسلطا ومناقشة وغيرة فكان معاش هذه لاتتم
الا بذلك، وذاك يحتاج الى هذه واوجبت مزاحمات
الرجال على النساء وغيرتهم عليهن ان لايصلح امرهم الا
بتصحيح اختصاص الرجل بزوجته على رؤس الاشهاد واوجبت
رغبة الرجل فى المرأة وكرامتها على وليها وذبه عنها ان
يكون مهر وخطبة وتصد من الولى وكان لو فتح رغبة
الاولياء فى المحارم افضى ذلك الى ضرر عظيم عليها من
عضلها عمن ترغب فيه وان لايكون لها من يطالبه عنها
بحقوق الزوجية مع شدة احتياجها الى ذلك وتكدير
الرحم بمنازعات الضرات ونحوها مع ما تقتضيه سلامة
المزاج من قلة الرغبة فى التى نشأ منها او نشأت منه
او كانا كغصنى دوحة واوجب الحياء عن ذكر الحاجة
الى الجماع ان تجعل مدسوسة فى ضمن عروج يتوقع لها
كانه الغاية التى وجد لها واوجب التلطف فى التشهير
وجعل الملاك المنزلى عروجا ان تجعل وليمة يدعى
الناس اليها ودف وطرب، وبالجملة فلوجوه جمة مما ذكرنا
ومما حذفنا اعتمادا على فهن الاذكياء۔ كان النكاح بالهيئة
المعتادة اعنى نكاح غير المحارم بمحضر من الناس مع
تقديم مهر وخطبة وملاحظة كفاءة وتصد من الاولياء
ووليمة وكون الرجال قوامين على النساء متكفلين معاشهن
وكونهن خادمات حاضنات مطيعات سنة لازمة و
امرا مسلما عند الكافة وفطرة فطر الله الناس عليها لا
يختلف فى ذلك عربهم ولا عجمهم، ولما لم يكن بذل
الجهد منهما فى التعاون بحيث يجعل كل واحد ضرر
الآخر ونفعه كالراجع الى نفسه الا بان يوطنا انفسهما
على دامة النكاح ولابد من ابقاء طريق للخلاص اذا لم
يطاوعا ولم يتراضيا وان كان من ابغض المباحات
وجب فى الطلاق ملاحظة قيود وعدة وكذا فى وفاته
عنها تعظيما لامر النكاح فى النفوس واداء لبعض حق

[1] بھائی بہن ۱۲ [2] عورت کو اپنی جانب مائل کرنا ۱۲

اور کسیقدر حق دوام اور معاہدۂ مصاحبت کی وفاداری ادا ہو جائے۔ اور انساب
خلط ملط بھی نہ ہوں اور اولاد کی آباء کیطرف احتیاج اور طبعاً والدین کی شفقت
اس بات کی باعث ہوئی کہ وہ اولاد کو وہی باتیں تعلیم فرمائیں جو قانون فطرت کے
موافق انکے کام آئیں۔ اور آباء کا تقدم جو اولاد پر ہوتا ہے یہاں تک کہ اولاد بڑی
ہوکر بھی عقل اور تجربہ میں انکو زیادہ ہی پاتی ہے۔ اور صحت اخلاق جو اس کا حکم کرے کہ
بھلائی کے بدلہ میں بھلائی کیجائے۔ اور انکی تربیت میں آباء کا تکلیفیں برداشت کرنا
جو کسی شرح کی محتاج نہیں ان سب باتوں نے والدین کیساتھ نیکی کرنے کا
طریقۂ لازمہ بنا دیا اور چونکہ لوگوں کی استعداد میں فرق ہے اسلئے یہ بھی ضروری ہے کہ ان میں
ایک شخص بالطبع سردار ہو جو دانشمند ہو اور معاش میں مستقل ہو [illegible]
رفاہ عام کا پیدائشی مادہ ہو۔ اور ایک شخص بالطبع غلام ہو جو بے وقوف [illegible]
بموجب چلنے والا ہو۔ ایسے دونوں شخصوں کی معاش بغیر ایک دوسرے کے مکمل
نہیں ہو سکتی اور ہر ایک دوسرے کی راحت و تکلیف میں [illegible] مدد کر سکتا۔
دونوں اس تعلق کے قیام و دوام کو دلوں میں [illegible] اتفاقات [illegible]
کا باعث بنتے ہیں کہ ایک دوسرے کو محکوم بنالیتا ہے یہ حالت [illegible] دونوں میں
قابل لحاظ ہے اور علاقہ مالکیت اور مملوکیت کا منتظم ہو جاتا ہے سو ایک قانون کی
ضرورت پڑتی ہے جسکی پابندی مالک اور مملوک دونوں سے ہر ایک کرے اور ترک پر
قابل ملامت ہو۔ اور اسیری سے رہا ہونیکا طریقہ بھی ضروری ہے خواہ مال کے ذریعہ
سے ہو یا بغیر مال کے۔ اور بسا اوقات انسان کو حاجات و مصائب مرض
درماندگی دوسری کے حقوق اور ضرورتیں ایسی پیش آتی ہیں کہ بغیر اپنے ابناء جنس کی
دستگیری کے اپنی حالت کی اصلاح بدقت ہوتی ہے اور ایسے ایسے حوادث پیش آتے ہیں
سب لوگوں کی حالت یکساں ہے تو لاچار آپس میں الفت ہمیشہ ہمیشہ قائم رکھنے کی
محتاج ہوئے۔ اور یہ بھی ضروری ہوا کہ حاجتمند کی اعانت اور مظلوم کی داد رسی کا
ایک قاعدہ مقرر ہونا چاہئے جس کا ہر ایک سے مطالبہ کیا جائے اور اسکے ترک پر ملامت
کیجائے۔ اور چونکہ حاجت کی دو حدیں تھیں ایک حد وہ ہے جو اسوقت پوری ہوتی ہے کہ ایک شخص
دوسرے کے نفع و نقصان کو اپنا نفع و نقصان سمجھے اور یہ اسکے بغیر مکمل نہیں ہوتی کہ
ہر ایک دوسرے کیلئے اپنی پوری طاقت صرف کرے اسکے اخراجات اور وراثت کا ذمہ دار
بنے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ایسی باتیں جانبین سے ہونی چاہئیں تاکہ جو نقصان برداشت
کرے وہی فائدہ بھی حاصل کرے۔ اور لوگوں میں اس حد کے لائق قریبی رشتہ دار ہی ہیں کیونکہ
انکی دوستی اور محبت ایک قدرتی امر ہے اور دوسری حد اس سے کم درجہ پر ہے پس

الملازمة ووفاء لعهد الصحبة ولئلا تشتبه الانساب ؛
واوجبت حاجة الاولاد الى الآباء وحدبهم عليهم
بالطبع ان يكون تمرين الاولاد على ما ينفعهم فطرة واوجب
تقدم الآباء عليهم فلم يكبروا الا والآباء اكثر عقلا و
تجربة مع ما يوجبه صحة الاخلاق من مقابلة الاحسان
بالاحسان وقد قاسوا في تربيتهم ما لا حاجة الى شرحه
ان يكون بر الوالدين سنة لازمة، واوجب اختلاف
استعداد بني آدم ان يكون فيهم السيد بالطبع وهو
الاكيس المستقل بمعيشته ذو سياسة ورفاهية
جبلية والعبد بالطبع وهو الاخرق التابع ينقاد كما
يقاد وكان معاش كل واحد لا يتم الا بالآخر ولا يمكن
التعاون في المنشط والمكره الا بان يوطنا انفسهما على ادامة
هذا الربط ثم اوجبت اتفاقات اخوان يأسر بعضهم بعضا
فوقع ذلك منهم بموقع وانتظمت الملكة ولابد من
سنة يؤاخذ كل واحد نفسه عليها ويلام على تركها
ولابد من ابقاء طريق الخلاص في الجملة بمال او بدونه
وكان يتفق كثيرا ان تقع على الانسان حاجات وعاهات
من مرض وزمانة وتوجه حق عليه وحوائج يضعف
عن اصلاح امره معها الا بمعاونة بني جنسه وكان
الناس فيها سواسية فاحتاجوا الى اقامة الالفة بينهم
وادامتها وان تكون لاغاثة المستغيث واعانة الملهوف
سنة بينهم يطالبون بها ويلامون عليها ولما كانت
الحاجات على حدين حد لا يتم الا بان يعد كل واحد
ضرر الآخر ونفعه راجعا الى نفسه ولا يتم الا ببذل كل
واحد الطاقة في موالاة الآخر ووجوب الانفاق عليه
والتوارث، وبالجملة فامور تلزمهم من الجانبين ليكون
الغنم بالغرم وكان اليق الناس بهذا الحد الاقارب لان
تحاببهم واصطحابهم كالامر الطبيعي وحد يتأتى باقل
من ذلك فوجب ان تكون مواساة اهل العاهات

اور صلہ رحمی ان سب سے زیادہ موکّد اور مضبوط ہے ۔ اور اس فن کے بڑے مسائل یہ ہیں ۔ ان اسباب کا دریافت کرنا جو نکاح یا طلاق کے مقتضی ہوتے ہیں ۔ طریقۂ نکاح اور میاں بیوی کی صفت کو جاننا حُسنِ معاشرت ۔ فحش اور عار سے اسکی آبرو محفوظ رکھنے کے زوج پر کیا کیا حقوق ہیں اور عفت، اطاعتِ زوج اور گھر کے کاموں میں طاقت صرف کرنا بیوی پر کس حد تک واجب ہے اور باہم میاں بیوی کی ناراضی کو کس طرح سے دور کیا جائے، اور طلاق کا کیا طریق ہے، خاوند کے مرنیکے بعد سوگ کا کیا طریقہ ہے اور اولاد کی پرورش کا کیا طریق ہے، ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کسطرح کرتے ہیں، غلاموں اور ماتحتوں کے ساتھ کیا کیا احسان کئے جاتے ہیں، غلام اپنے مالکوں کی کس طرح خدمتگذاری کریں اور انکو آزاد کرنیکا کیا طریق ہے، رشتہ داروں اور پڑوسیوں کیساتھ کیا کیا سلوک کرنا چاہیئے، شہر کے بیکسوں کے ساتھ ہمدردی کا کیا طریقہ ہے اور انکے مصائب کے دور کرنےمیں کیا کیا کوششیں ہونی چاہئیں، رئیسِ قوم کے کیا کیا آداب ہیں اور اسکو قوم کی نگرانی کسطرح کرنی چاہیئے اور باہم کسطرح تقسیم ترکہ ہونا چاہیئے اور انساب واحساب کی کسطرح حفاظت کرنی چاہیئے ۔ پس لوگوں میں کوئی ایسی قوم آپکو نہیں ملے گی جو ان اصولوں کی پابندی اور حتی الامکان بجا آوری نہ کرتی ہو حالانکہ انکے مذاہب میں اختلاف ہے اور انکے وطن جدا جدا ہیں ۔

پانچواں باب (۲۲) : معاملات کے فن کا بیان ۔

یہ وہ علم ہے جسمیں ارتفاق ثانی کے طور پر مبادلہ، معاونت اور کسب کے احوال سے بحث کیجاتی ہے اور اس باب میں قاعدۂ کلیہ یہ ہے کہ جب انسان کی ضروریات بہت زیادہ ہوگئیں اور ان میں ہر ایک اپنی حاجت کو ایسے عمدہ طور پر پورا کرنا چاہتا تھا کہ جس سے آنکھوں کو تازگی اور دل کو سرور حاصل ہو تو ہر ایک کو تنہا انکی انجام دہی مشکل ہوگئی کیونکہ بعض کے پاس ضرورت سے زاید کھانا تھا لیکن پانی نہ تھا اور بعض کے پاس ضرورت سے زاید پانی تھا لیکن کھانا نہ تھا تو ہر ایک دوسرے کا محتاج ہوگیا اور سوائے مبادلہ کے کوئی اور صورت نہ بن پڑی پس یہ مبادلہ انکی رفع حاجت کیلئے اچھا قرار پایا اور ضرورتاً یہ قرار پایا کہ ہر شخص ایک حاجت کے سرانجام کیطرف متوجہ ہو اسکو خوب مستحکم کرے اور اسی کے تمام وسائل مہیا کرنے کی کوشش کرے اور بہ واسطہ مبادلہ اپنی تمام حاجات کا ان کو ذریعہ بنائے ۔ پس یہ لوگوں کی نظر میں ایک مسلّم قانون بن گیا ۞ ۞ ۞ ۞ ۞ ۞ ۞ ۞ ۞

سنة مسلمة بين الناس وان تكون صلة الرحم اوكد و اشد من ذلك كله ، ومعظم مسائل هذا الفن معرفة الاسباب المقتضية للزواج وتركه وسنة الزواج وصفة الزوج والزوجة وما على الزوج من حسن المعاشرة و صيانة الحرم عن الفواحش والعار وما على المرأة من التعفف وطاعة الزوج وبذل الطاقة فى مصالح المنزل وكيفية صلح المتناشزين وسنة الطلاق واحداد المتوفى عنها زوجها وحضانة الاولاد وبر الوالدين وسياسة المماليك والاحسان اليهم وقيام المماليك بخدمة الموالى وسنة الاعتاق وصلة الارحام والجيران والقيام بمواساة فقراء البلد والتعاون فى دفع عاهات طارئة عليهم و ادب نقيب القبيلة وتعهده حالهم وقسمة التركات بين الورثة والمحافظة على الانساب والاحساب فلن تجد امة من الناس الا وهم يعتقدون اصول هذه الابواب و يجتهدون فى اقامتها على اختلاف اديانهم وتباعد بلدانهم والله اعلم ۞

باب فن المعاملات

وهو الحكمة الباحثة عن كيفية اقامة المبادلات والمعاونات والاكساب على الارتفاق الثانى والاصل فى ذلك انه لما ازدحمت الحاجات وطلب الاتقان فيها وان تكون على وجه تقر به الاعين وتلذ به الانفس تعذر اقامتها من كل واحد وكان بعضهم وجد طعاما فاضلا عن حاجته ولم يجد ماء او بعضهم ماء فاضلا ولم يجد طعاما فرغب كل واحد فيما عند الآخر فلم يجد واسبيلا الا المبادلة فوقعت تلك المبادلة وقعا من حاجتهم فاصطلحوا بالضرورة على ان يقبل كل واحد على اقامة حاجة واحدة واتقانها والسعى فى جميع ادواتها ويجعلها ذريعة الى سائر الحوائج بواسطة المبادلات وصارت تلك

اور جبکہ بعض لوگ ایسے تھے کہ انکو ایک چیز پسند تھی جو دوسروں کو ناپسند تھی
اور انکو ایسا شخص نہ ملتا تھا جس سے وہ معاملہ کرسکتے تو لاچار انکو نقد ثمن ادا
کرنا پڑا - اور انھوں نے معدنی جوہروں کو جو مدت تک باقی رہتے ہیں اصطلاحاً
ثمن قرار دیا اور یہ سب کے نزدیک امر مسلم ہوگیا اور ان جواہرات میں سے سونا اور
چاندی زیادہ موزوں تھے کیونکہ انکا حجم چھوٹا، افراد مساوی اور بدن انسانی
کیلئے نافع تھے اور ان سے زینت حاصل ہوتی تھی اس لئے یہی دونوں چیزیں
قدرتی طور پر نقد قرار پائیں اور انکے ماسوا دوسری چیزیں مقرر کرنے سے ثمن بن سکتی ہیں۔
اور کسبی پیشوں کے اصول زراعت، چارپایوں کو چرانا اور خشکی و تری سے مباح
چیزیں لانا جیسے معدنیات، نباتات اور حیوانات ہیں - اور نجاری، آہنگری،
اور کپڑہ بافی اور دیگر دستکاریاں ہیں جو قدرتی جوہروں کو کارآمد کرسکتی ہیں پھر
تجارت بھی ایک پیشہ ہوگیا اور شہر کے مصالح کا سرانجام دینا بھی پیشہ ہوگیا
اسکے بعد ہر وہ کام جسکی طرف لوگ محتاج ہوئے پیشہ ہوتا گیا - پھر جوں جوں
لوگوں نے ترقی کی اور عیش و عشرت میں غرق ہوتے گئے اسیقدر پیشوں کے
متعلقات پھیلتے گئے اور ہر ایک شخص ایک ایک پیشے کے ساتھ مخصوص ہوگیا
جسکی دو وجہیں ہیں - وجہ اول مناسبت قویٰ ہے پس بہادر آدمی جنگ کیلئے مناسب ہے
زیرک اور قوی الحافظہ حساب و کتاب کیلئے اور نہایت توانا باربرداری اور
محنت کے کاموں کیلئے مناسب ہے - اور وجہ دوم اتفاقات ہیں - پس لوہار کے
بیٹے اور اسکے ہمسایہ کیلئے جسقدر یہ کام آسان ہوگا کسی دوسرے کو نہیں ہوسکتا اور نہ
ان کو ہی کوئی دوسرا کام ایسا آسان معلوم ہوگا اسیطرح دریا کے ساحل پر بسنے
والوں کے لئے مچھلی کا شکار کرنا جتنا آسان ہوسکتا ہے کسی دوسرے کیلئے اتنا سہل
نہیں ہے اور نہ ہی اسکے لئے کوئی دوسرا کام اسقدر سہل ہوسکتا ہے - باقی رہے وہ لوگ
جنکو کوئی اچھا پیشہ نہیں آتا تو انھوں نے شہر کیلئے ضرر رساں پیشے اختیار کئے
جیسے چوری، جوا، گداگری - مبادلہ کی مختلف صورتیں ہیں - مبادلہ کبھی شئی کا شئی
کے ساتھ ہوتا ہے اسکو بیع یعنی خرید و فروخت کہتے ہیں - اور کبھی شئی دیکر منفعت
حاصل کیجاتی ہے اسکو اجارہ یعنی مزدوری کہتے ہیں - اور جبکہ شہری انتظام بغیر
الفت اور محبت کے نہیں ہوسکتا تھا اور الفت موقوف یا مقتضی تھی کہ
ضرورت کی چیزیں بلا معاوضہ دیجائیں تو ہبہ اور عاریت کی صورتیں پیدا ہوگئیں - اور یہ
ہمدردی فقراء کی حاجت براری کے بغیر ناتمام تھی اسلئے صدقہ دینے کی ضرورت پڑی اور
اس باہمی انتظام اور اعانت کی یہ بات بھی مقتضی ہے کہ بعض لوگ احمق بعض کارگذار

سنة مسلمة عندهم، ولما كان كثير من الناس يرغب في شيء
عوض شيء فلا يجد من يعامله في تلك الحالة اضطروا الى نقدية
ثمنية واذن فعوا الى الاصطلاح على جواهر معدنية تبقى زمانا
طويلا ان تكون المعاملة بها امرا مسلما عندهم وكان الاليق
من بينها الذهب والفضة لصغر حجمهما وتماثل افرادهما و
عظم نفعهما في بدن الانسان ولتاتي التجمل بهما فكانا نقدين
بالطبع وكان غيرهما نقدا بالاصطلاح ٭
واصول المكاسب الزرع والرعي والتقاط الاموال المباحة
من البر والبحر من المعدن والنبات والحيوان والصناعات
من نجارة وحدادة وحياكة وغيرها مما هو من جعل الجواهر
الطبيعية بحيث يتأتى منها الارتفاق المطلوب ثم صارت
التجارة كسبا ثم صار القيام بمصالح المدينة كسبا ثم صار
الاقبال على كل ما يحتاج الناس اليه كسبا وكلما رقت
النفوس وامعنت في حب اللذة والرفاهية تفرعت حواشي
المكاسب واختص كل رجل بكسب لاحد شيئين مناسبة
القوى، فالرجل الشجاع يناسب الغزو والكيس الحافظ يناسب
الحساب وقوي البطش يناسب حمل الاثقال وشاق الاعمال
واتفاقات توجب تولد الحداد وجاره يتيسر له من صناعة
الحدادة ما لا يتيسر له من غيرها ولا لغيره منها وقاطن
ساحل البحر يتأتى منه صيد الحيتان دون غيره ودون غيرها
وبقيت نفوس عيت بهم المذاهب الصالحة فانحدروا الى
اكساب ضارة للمدينة كالسرقة والقمار والتكدي والمبادلة
اما عين بعين وهو البيع او عين بمنفعة وهي الاجارة ولما
كان انتظام المدينة لا يتم الا بانشاء الفة ومحبة بينهم وكانت
الالفة كثيرا ما تفضي الى بذل المحتاج اليه بلا بدل وتتوقف
عليه انشعبت الهبة والعارية ولا تتم ايضا الا بمواساة الفقراء
انشعبت الصدقة واوجبت المعدات ان يكون منهم الاخرق
والكافي والملق والمثري والمستنكف من الاعمال الخسيسة
وغير المستنكف والذي ازدحمت عليه الحاجات والمتفرغ

پس ہر شخص کی معیشت دوسرے کی اعانت کے بغیر پوری نہیں ہوسکتی تھی اور معاونت بغیر عقد، شروط اور مصالحت کے نہیں ہوسکتی تھی اسلئے مزارعت مضاربت، اجارہ، شرکت اور وکالت کی صورتیں پیدا ہوئیں اور حاجات کیوجہ سے قرض کا لین دین اور امانت رکھنے کی ضرورت پیش آئی اور اس میں لوگوں کو خیانت انکار اور سستی کا تجربہ ہوا تو شہادت، تحریر، دستاویزات، رہن، کفالت اور حوالہ کی ضرورت پڑی اور جوں جوں لوگ آسودہ حال ہوتے گئے اسیقدر معاونات کی اقسام بڑھتی گئے اور آپ ہر قوم میں ان معاملات پر عمل کرنے والا پائیں گے اور آپ یہ بھی دیکھینگے کہ ان معاملات میں ہر قوم عدل و ظلم کا امتیاز کرتی ہے۔ واللہ اعلم ✣

چھٹا باب (۲۳): شہری سیاست کا بیان

یہ وہ علم ہے جسمیں ان تعلقات کے حفظان کی کیفیت بیان کیجاتی ہے جو اہل شہر میں ہوا کرتے ہیں اور شہر سے مراد وہ جماعت ہے جو مساوی الحال ہو جنمیں باہم معاملات ہوتے رہتے ہوں اور وہ جدا جدا مکانوں میں بودوباش رکھتے ہوں اور اس بارہ میں اصل یہ ہے کہ شہر باعتبار اس باہمی ربط کے ایک شخص کے مانند ہے جو چند اجزاء اور مجموعی ہیئت سے مرکب ہے اور ہر مرکب چیز میں ممکن ہے کہ اسکے مادہ یا صورت میں نقصان واقع ہوجائے اور اسکو کوئی مرض ہوجائے یعنی اسمیں ایسی حالت پیدا ہوجائے کہ اسکی نوع کیلئے کوئی دوسری حالت زیادہ مناسب ہو۔ اور یا صحت رہے یعنی ایسی حالت جس سے وہ حسین و جمیل معلوم ہو اور شہر چونکہ بڑا ہوتا ہے کہ بہت سے لوگ ہوتے ہیں جنکا ایک قانون عادل پر متفق الرائے ہونا مشکل ہے اور بغیر کسی ممتاز منصب کے ایک دوسرے کی روک ٹوک بھی نہیں کرسکتا کیونکہ اس سے جنگ و جدل کا اندیشہ ہوتا ہے۔ پس شہر کا پورا انتظام بغیر ایسے شخص کے ممکن نہیں جسکی اطاعت تمام اہل حل و عقد تسلیم کریں وہ پر شوکت ہو اور فوج کا مالک ہو اور جو شخص نہایت تنگدل، تیز مزاج، خونریزی اور غصہ میں بیباک ہے اسکو سیاست کی ضرورت اوروں سے زیادہ ہے۔ اور خرابیوں میں سے ایک یہ ہے کہ بد شریر لوگوں کو قوت اور شوکت حاصل ہو نفسانی خواہشات کے اتباع پر اور قانون عادل کے ترک پر متفق ہوجائیں یا لوگوں کے مال لوٹنے کیلئے جمع ہوجائیں جنکو قطاع الطریق کہتے ہیں یا محض دشمنی حسد یا ملک کی طمع سے لوگوں کو ایذا پہنچائیں تو ایسی حالت میں لوگوں کو جمع کرنے اور ان سے جنگ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور منجملہ ان خرابیوں کے ایک یہ ہے کہ کوئی ظالم کسی شخص کو قتل کردے یا زخمی کردے یا زدوکوب کرے یا کسیکے گھر میں اسکی بیوی کے

ثم ان معاش كل واحد لا يتم الا بمعاونة آخر ولا معاونة الا بعقد وشروط واصطلاح على سنة فانشعبت المزارعة والمضاربة والاجارة والشركة والتوكيل ووقعت حاجات ضرورية الى مداينة ووديعة وجربوا الخيانة والجحود والمطل فاضطروا الى الاشهاد وكتابة وثائق ورهن وكفالة وحوالة وكلما ترفهت النفوس تشعبت انواع المعاونات ولن تجد امة من الناس الا ويباشرون هذه المعاملات ويعرفون العدل من الظلم والله اعلم ✣

باب سياسة المدينة

وهي الحكمة الباحثة عن كيفية حفظ الربط الواقع بين اهل المدينة - واعني بالمدينة جماعة متقاربة تجري بينهم المعاملات ويكونون اهل منازل شتى - والاصل في ذلك ان المدينة شخص واحد من جهة ذلك الربط مركب من اجزاء وهيئة اجتماعية وكل مركب يمكن ان يلحقه خلل في مادته او صورته ويلحقه مرض اعني حالة غيرها اليق به باعتبار نوعه وصحة اي حالة تحسنه وتجمله ولما كانت المدينة ذات اجتماع عظيم لا يمكن ان يتفق رايهم جميعا على حفظ السنة العادلة ولا ان ينكر بعضهم على بعض من غير ان يمتاز بمنصب يفضي ذلك الى مقاتلات عريضة لم يتنظم امرها الا برجل اصطلح على طاعته جمهور اهل الحل والعقد له اعوان وشوكة وكل من كان اشح واحد واجرأ على القتل والغضب فهو اشد حاجة الى السياسة ومن الخلل ان تجتمع انفس شريرة لهم منعة وشوكة على اتباع الهوى ورفض السنة العادلة اما طمعا في اموال الناس وهم قطاع الطريق واما ايذاء لهم بغضا وحقدا ورغبة في الملك فيحتاج في ذلك الى جمع رجال ونصب قتال، ومنه ان يؤذي ظالم انسانا بقتل وجرح او ضرب او في اهله بان يزاحم على زوجته او يطمع في بناته واخواته لغير حق او في ماله

یا اسکے مال کو زبردستی چھین لے یا چپکے سے چوری کرے یا اسکی آبروریزی کرے (یعنی) بات منسوب کرے جو قابل ملامت ہو یا اسکے ساتھ بدکلامی کرے۔ اور ان خرابیوں میں ایسے اعمال بھی داخل ہیں جو پوشیدہ طریقہ پر شہر کو نقصان پہنچاتے ہیں جیسے سحر، زہر خورانی اور لوگونکو مفسدانہ باتوں کی تعلیم دینا، رعایا کو بادشاہ سے غلام کو مالک سے اور اہلیہ کو شوہر سے برگشتہ کرنا۔ اور ان خرابیوں میں سے عادات فاسدہ ہیں جن سے فطری منفعتیں تلف ہوجاتی ہیں جیسے لواطت، جلق، چارپایوں سے مجامعت کرنا۔ کیونکہ یہ سب امور نکاح سے باز رکھتے ہیں، یا ایسے عادات جو فطرت سلیمہ کے خلاف ہیں جیسے مرد ہوکر زنانہ پن اختیار کرنا اور عورت کو مردانہ روش اختیار کرنا۔ یا ان عادات سے بڑے بڑے نزاع پیدا ہوتے ہیں جیسے چند اشخاص کا باہم مزاحمت کرنا ایسی عورت کیلئے جو انمیں سے کسی کے لئے خاص نہیں ہے اور جیسے ہمیشہ شراب پینا۔ اور ان خرابیوں میں سے وہ معاملات بھی ہیں جن سے شہری زندگی کو نقصان پہنچتا ہے جیسے قماربازی، سود در سود کا حصول، رشوت کا لین دین، پیمانہ اور وزن میں کمی کرنا، سامان تجارت میں عیب کو مخفی رکھنا، اونچے نرخ سے بیچنے کیلئے شہر سے باہر ہی تاجروں سے مال خرید لینا، بوقت ضرورت غلہ کو بند کرکے رکھنا اور بغیر ارادہ خریداری دوسرے کو پھنسانے کیلئے زیادہ دام لگانا۔ اور انہی خرابیوں میں سے مشکل مقدمات ہیں جنمیں ہر فریق مشتبہ دلیل پیش کرتا ہے اور اصلیت کا پتہ نہیں چلتا پس ایسی حالت میں شہادت، حلف، دستاویزات، قرائن حال وغیرہ کی ضرورت پڑتی ہے اور ان مقدمات میں کبھی قانون مسلم کی، حق کی وجہ ترجیح ظاہر کرنیکی اور فریقین کے مکاید معلوم کرنیکی ضرورت پڑتی ہے۔ اور ان خرابیوں میں سے یہ ہے کہ شہر کے رہنے والے بادیہ نشینی اختیار کرلیں، اور ارتفاق اول پر اکتفا کرلیں یا کسی دوسرے شہر میں جا بسیں یا انکا کسب اس طرز سے جھک پڑیں جس سے شہر کو ضرر پہنچے مثلاً اکثر لوگ زراعت چھوڑکر تجارت پیشہ ہوجائیں یا انکی اکثریت فوجی پیشہ اختیار کرلے۔ اور مناسب یہی ہے کہ زراعت پیشہ لوگ بمنزلہ غذا کے قرار دیئے جائیں اور دستکار، تاجر، محافظین ملک بجائے نمک کے سمجھے جائیں جس سے غذا کی اصلاح ہوتی ہے۔ ان خرابیوں میں سے حملہ آور درندوں اور موذی حشرات الارض کا پھیلنا ہے سو انکے فنا کرنیکی کوشش ضروری ہے۔ اور شہر کی پوری محافظت کرنیوالی چیزوں میں سے ان عمارتوں کا بنانا ہے جنکے نفع میں سب لوگ باہم شریک ہوں مثلاً شہر پناہیں، سرائیں، قلعہ جات، سرحدیں، بازار، پل اور ایسے ہی کنوؤں کا کھدوانا، چشموں کا نکالنا اور کشتیوں کا ساحل دریا پر فراہم کرنا اور نیز سوداگروں کو مانوس و مالوف کرکے اسپر آمادہ کرنا کہ باہر سے اجناس وغیرہ لائیں، شہر

من غضب جهرة او سرقة خفية او في عرضه من نسبته الى امر قبيح يلام به او اغلاظ القول عليه، ومنه اعمال ضارة بالمدينة سرا خفيا كالسحر ودس السم وتعليم الناس الفساد وتخبيب الرعية على الملك والعبد على المولى والزوجة على زوجها، ومنه عادات فاسدة فيها اهمال الارتفاقات الواجبة كاللواطة والسحاقة واتيان البهائم فانها تصد عن النكاح او انسلاخ عن الفطرة السليمة كالرجل يؤنث والمرأة تذكر او حدوث لمنازعات عريضة كالمزاحمة على الموطوءة من غير اختصاص بها وكادمان الخمر، ومنه معاملات ضارة بالمدينة كالقمار والربا اضعافا مضاعفة والرشوة وتطفيف الكيل والوزن والتدليس في السلع وتلقي الجلب والاحتكار والنجش، ومنه خصومات مشكلة يتمسك فيها كل بشبهة ولا تنكشف جلية الحال فيحتج الى التمسك بالبينات والايمان والوثائق وقرائن الحال ونحوها او رده الى سنة مسلمة وابداء وجه الترجيح ومعرفة مكايد المتخاصمين ونحو ذلك، ومنه ان يبدو اهل المدينة ويكتفوا بالارتفاق الاول ويتمدنوا في غير هذه المدينة او يكون توزعهم في الاقبال على الاكساب بحيث يضر بالمدينة مثل ان يقبل اكثرهم على التجارة ويدعوا الزراعة او يتكسب اكثرهم بالغزو ونحوه وانما ينبغي ان يكون الزراع بمنزلة الطعام والصناع والتجار والحفظة بمنزلة الملح المصلح له، ومنه انتشار السباع الضارية والهوام المؤذية فيجب السعي في افنائها ومن باب كمال الحفظ بناء الابنية التي يشتركون في الانتفاع بها كالاسوار والربط والحصون والثغور والاسواق والقناطير، ومنه حفر الابار واستنباط العيون وتهيئة السفن على سواحل الانهار، ومنه حمل التجار على الميرة بتأنيسهم وتأليفهم وتوصية اهل البلدان يحسنوا المعاملة مع الغرباء فان ذلك يفتح باب كثرة ورودهم وحمل الزراع على ان لا يتركوا ارضا مهملة والصناع ان يحسنوا الصناعات

اہل شہر کو عمدہ فضائل حاصل کرنیکی تاکید کرتا کہ وہ لکھنا حساب، علم تاریخ، وطب اور پیش بینی کے عمدہ عمدہ طریقے سیکھیں، اور اسیطرح شہر کے حالات کا علم رکھنا تاکہ اچھے بُرے کا امتیاز رہے اور تاکہ محتاج کا حال معلوم ہو تو اسکی مدد کیجائے اور کوئی عمدہ دست کار معلوم ہو جائے تاکہ اس سے مدد لیجائے۔ اور اس زمانہ میں شہروں کی ویرانی کے دو بڑے سبب ہیں ایک سبب تو یہ ہے کہ وہ بیت المال پر بوجھ ہیں، اسطرح کہ غازی اور علماء نے جنکا بیت المال میں حق ہے، شعراء اور زہاد وغیرہ نے جنکے ساتھ سلاطین سلوک کرتے ہیں بیت المال سے حاصل کرنا پیشہ بنا لیا ہے یہ لوگ کوئی خدمت نہیں کرتے اور انکا گذارہ بیت المال سے ہوتا ہے۔ پس ایسے لوگ یکے بعد دیگرے آتے ہیں ایک دوسری کی زندگی مکدر کرتے ہیں اور شہر پر ایک بار سا ہو جاتے ہیں۔ دوسری وجہ کاشتکاروں، تاجروں اور اہل حرفت پر بھاری ٹیکس لگا دینا اور پھر ان پر سختی کرنا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فرماں بردار لوگ چلے جاتے ہیں اور ان کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور جن لوگونکو قوت ہوتی ہے وہ درپے بغاوت ہو جاتے ہیں۔ البتہ شہر کی اصلاح خفیف لگان سے اور بقدر ضرورت محافظین ملک کے قائم کرنے سے ہوتی ہے۔ اہلِ زمانہ کو اس نکتہ سے واقف رہنا چاہیئے واللہ اعلم ؞

ساتواں باب (۴۴):- بادشاہونکی سیرت کا بیان

بادشاہ کیلئے ضروری ہے کہ اسمیں پسندیدہ اخلاق ہوں ورنہ وہ شہر پر بار ہو جائیگا اگر وہ شجاع نہیں ہے تو اپنے مخالفوں سے پورا مقابلہ نہ کرسکیگا رعیت اسکو حقارت کی نگاہ سے دیکھے گی اگر وہ بردبار نہیں ہے تو اپنی سطوت سے لوگونکو برباد ہی کرڈالیگا اور اگر صاحب حکمت نہیں ہے تو نفع بخش تدبیر کو عمل میں لانے سے عاجز ہوگا اور بادشاہ کیلئے ضروری ہے کہ عقلمند، بالغ آزاد مرد ہو، صاحب رائے، بینا، شنوا اور گویا ہو۔ لوگ اسکے شرف اور اس کے خاندان کے اعزاز کو تسلیم کرتے ہوں، اسکے اور اسکے آبا و اجداد کے فضائل کو لوگ دیکھ چکے ہوں اور خوب جانتے ہوں کہ بادشاہ مصالح ملکی کی پاسبانی میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتا۔ یہ سب امور عقل کے ذریعہ سے معلوم ہوتے ہیں اور تمام بنی آدم اسپر متفق ہیں خواہ انکے شہر کیسا ہی بعید کیوں نہ ہو اور وہ کسی ہی مذہب کے کیوں نہ ہوں کیونکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ بادشاہ کے مقرر کرنے سے جو مصلحت مقصود ہے وہ بغیر امور بالا کے مکمل نہیں ہوسکتی اگر بادشاہ ان امور میں فروگذاشت کریگا تو لوگ اسکو خلاف مقصود دیکھینگے ؞

ويتقنوها واهل البلد على اكتساب الفضائل كالخط والحساب والتاريخ والطب والوجوه الصحيحة من تقدمة المعرفة، ومنه اخبار البلد ليتميز الداعر من الناعم وليعلم المحتاج فيعان وصاحب صنعة مرغوبة فيستعان به وغالب سبب خراب البلدان فى هذا الزمان شيئان احدهما تضييقهم على بيت المال بان يعتادوا التكسب بالاخذ منه على انهم من الغزاة او من العلماء الذين لهم حق فيه او من الذين جرت عادة الملوك بصلتهم كالزهاد والشعراء او بوجه من الوجوه التكدى ويكون العمدة عندهم هو التكسب دون القيام بالمصلحة فيدخل قوم على قوم فينغصون عليهم ويصيرون كلا على المدينة، والثانى ضرب ضرائب الثقيلة على الزراع والتجار والمحترفة والتشديد عليهم حتى يفضى الى اجحاف المطاوعين واستئصالهم والى تمنع اولى باس شديد وبغيهم وانما تصلح المدينة بالجباية اليسيرة واقامة الحفظة بقدر الضرورة فليتنبه اهل الزمان لهذه النكتة والله اعلم ؞

باب سيرة الملوك

يجب ان يكون الملك متصفا بالاخلاق المرضية والا كان كلا على المدينة فان لم يكن شجاعا ضعف عن مقاومة المحاربين ولم تنظر اليه الرعية الا بعين الهوان وان لم يكن حليما كاد يهلكهم بسطوته وان لم يكن حكيما لم يستنبط التدبير المصلح وان يكون عاقلا بالغا حرا ذكرا ذا رأى وسمع وبصر ونطق ممن سلم الناس شرفه وشرف قومه ورأوا منه ومن آبائه المآثر الحميدة وعرفوا انه لا يألو جهدا فى اصلاح المدينة هذا كله يدل عليه العقل واجمعت عليه امم بنى آدم على تباعد بلدانهم واختلاف دياناتهم لما احسوا من ان المصلحة المقصودة من نصب الملك لا تتم الا به فان وقع شئ من اهمال له

اور انکے دل اس سے بیزار ہو جائیں گے اور اگر خاموش بھی رہیں گے تو در پردہ غصہ میں
رہیں گے اور بادشاہ کیلئے ضروری ہے کہ اپنی رعایا کے دلوں میں وقار پیدا کرے اور
پھر اس وقار کو محفوظ رکھے اور مناسب تدابیر سے ان امور کا تدارک کرتا رہے جو اسکی
شان کے منافی ہوں۔ اور جو بادشاہ اپنے مرتبہ کو قائم رکھنا چاہے تو وہ ان اعلیٰ ترین
اخلاق سے اپنے آپکو پیراستہ کرے جو اسکی ریاست کے شایاں ہوں مثلاً شجاعت،
حکمت، فیاضی ظالم سے (حسب مصلحت) درگذر کرنا اور سب کا بھلا چاہنا۔ اور وہ
لوگوں سے ایسا معاملہ کرے جو صیاد شکار سے برتتا ہے۔ پس جسطرح شکاری جنگل میں جا کر
ہرنوں کو دیکھتا ہے اور انکی طبیعت عادت کے مناسب صورت کو سوچتا ہے پس
اس کیلئے تیار ہو جاتا ہے وہ دور سے ظاہر ہوتا ہے انکی آنکھوں اور کانوں کیطرف سے
نگاہ کو نیچی کر لیتا ہے پس ہرنوں کیجانب سے جونہی اسکو کھٹکا معلوم ہوتا ہے تو وہیں
بے حس و حرکت پتھر کے مانند کھڑا ہو جاتا ہے اور جب ذرا انھیں غافل پاتا ہے تو
آگے کو لپکتا ہے۔ کبھی انکو نغمہ سے خوش کرتا ہے اور انکے سامنے انکی مرغوب چیز چارہ
اسطرح سے ڈالتا ہے گویا یہ شخص اپنی کریمانہ عادت سے یہ سلوک کر رہا ہے اور اس سے
شکار کرنا مقصود نہیں ہے۔ اور نعمت سے منعم کی محبت بڑھ جاتی ہے کیونکہ محبت کی زنجیر
آہنی زنجیر سے زیادہ مضبوط ہوتی ہے۔ ایسے ہی جو شخص اپنے آپکو لوگوں کے سامنے پیش کرنا
چاہتا ہو اسکے لئے مناسب ہے کہ ایسا لباس گفتگو و ادب اختیار کرے جو لوگوں کو پسند ہو
پھر آہستہ آہستہ انکے قریب ہوتا جائے اور اخلاص و محبت کو بغیر لاف و گزاف
کے ان پر ظاہر کرے اور کوئی ایسا قرینہ نہ ہو جس سے وہ سمجھ جائیں کہ یہ مہربانیاں صرف انکو
شکار کرنے کو ہیں۔ پھر یہ بات انکے دلوں میں دل نشین کر دے کہ اس جیسا انکے حق میں کوئی
نہیں ہو سکتا یہانتک کہ معلوم کر لے کہ لوگوں کے دلوں میں اسکی فضیلت اور بزرگی راسخ
ہو گئی انکے دل اسکی محبت اور تعظیم سے پُر ہو گئے اور انکے اعضا میں عاجزی و انکساری
سرایت کر گئی ہے۔ پھر بادشاہ کو ان سب امور کی نگرانی چاہیے اسکی طرف سے کوئی
امر ایسا پیش آئے جس کیوجہ سے ان کی حالت میں کوئی تبدیلی پیدا ہو اگر کوئی کوتاہی
بھی ہو جائے تو لطف و احسان کر کے فوراً اسکا تدارک کر دے اور ظاہر کر دے کہ جو کچھ عمل
میں آیا ہے مصلحت اسی کی مقتضی تھی اور یہ انکے فائدہ کیلئے ہوا ہے نہ مضرت کیلئے۔ ان
باتوں کے باوجود بادشاہ کیلئے ضروری ہے کہ اپنی فرمانبرداری ثابت کرنے کیلئے سرکشوں سے
انتقام لے پس جس شخص کے متعلق معلوم ہو کہ اس نے جنگ میں یا اخراج وصول کرنے
یا کسی اور کام میں سرگرمی کی ہے تو اسکی تنخواہ بڑھا دے اس کی قدر دانی کرے اور اسکے
حال پر مہربانی کرے۔ اور جسکو خیانت کرتے یا اطاعت سے منحرف ہوتا دیکھے تو اسکی

داؤه خلاف ما ينبغي وكرهته قلوبهم ولو سكتوا اسكتوا
على ضغينة ولا بد للملك من انشاء الحياء في قلوبهم عينه
ثم حفظه وتدارك الغائه شأنه بتدابير مناسبة و
من قصد ان يبقى فعليه ان يتحلى بالاخلاق المناسبة بما
يناسب رياسته كالشجاعة والحكمة والسخاوة والعفو عن
الظلم وارادة نفع العامة ويتعامل بالناس ما يفعل الصيّاد
بالوحش فكما ان الصياد يذهب الى الغيضة فينظر الى الظباء
ويتامل لهيئة المناسبة لطبيعتها وعاداتها فيتهيأ بتلك
الهيئة ثم يبرز لها من بعيد ويقصر النظر على عيونها
واذانها فهما خوف منها تيقظا اقام مكانه كانه جماد
ليس به حراك ومهما عرف منها غفلة دب اليها دبيبا و
ربما اطربها بالنغم والقى اليها اطيب ما تروم من العلف
على انه صاحب كرم بالطبع وانه لم يقصد بذلك صيدها
والنعم تورث حب المنعم وقيد المحبة اوثق من قيد الحديد
فكذلك الرجل الذي يبرز الى الناس ينبغي ان يؤثر
هيئة ترغب فيها النفوس من زي ومنطق وادب و
ثم يتقرب منهم شيئا ويظهر اليهم النصح والمحبة
من غير مجازفة ولا يظهر قرينة تدل على ان ذلك لصيدهم
ثم يعلمهم ان نظيره كالممتنع في حقهم حتى يرى ان نفوسهم
قد اطمانت بفضله وتقدمه وصدورهم قد امتلأت
مودة وتعظيما وجوارحهم تذابت خشوعا واخباتا ثم
ليحفظ ذلك فيهم فلا يكن منه ما يختلفون به عليه فان
فرط شئ من ذلك فليتداركه بلطف واحسان وليظهر
ان المصلحة حكمت بما فعل وانه لهم لا عليهم والملك
مع هذا يحتاج الى ايجاب طاعته بالانتقام ممن عصاه
فمهما استشعر من رجل كفاية في حرب او جباية او
تدبير فليبنا عن عطاءه وليرفع قدره وليبسط له
بشره ومهما استشعر منه خيانة وتخلفا وانسلالا
فلينقص من عطائه وليخفض من قدره وليطو

اور بادشاہ کو بہ نسبت عام لوگوں کے زیادہ سہولت پہنچانیکی بھی ضرورت ہے اسکے لئے
مناسب یہ ہے کہ لوگونکو تنگ نہ کرے کہ کسی خراب زمین کے آباد کرنیکا حکم دے یا کوئی دور
دراز جگہ جا کر بسے وغیرہ - اور بادشاہ کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ جب کسی کو سزا دے تو پہلے
ارباب شوریٰ پر ثابت کر دے کہ یہ اسکا مستحق ہے اور درحقیقت مصلحت اسی میں ہے - اور
بادشاہ کیلئے ضروری ہے کہ اسمیں فراست کا مادہ ہو جس سے وہ لوگوں کے دلی ارادے سمجھ لے اسمیں
ایسی زیرکی ہو کہ اسکے گمان اکثر درست ہوں جیسا کہ کسی چیز کو دیکھا ہو یا سنا ہو اور بادشاہ
کیلئے ضروری ہے کہ ضروری امر کو کل پر نہ چھوڑے - اور جب کسی کو پوشیدہ طور سے عداوت کرتا
پائے تو جبتک اسکی طاقت کو پراگندہ اور کمزور نہ کر دے اسکو تسلی نہ ہو - واللہ اعلم ٭

آٹھواں باب (۲۵) اعوان و انصار کی سیاست کا بیان

جبکہ بادشاہ تنہا تمدن کی تمام مصلحتوں کو سرانجام نہیں دے سکتا تو اسکے لئے ضروری ہے
کہ اسکے پاس ہر کام کے معاون ہوں معاونین کیلئے یہ شرط ہے کہ انہیں امانت کی صفت ہو
جو خدمت انکے متعلق ہے اسکے بجا آوری کی قدرت ہو بادشاہ کے فرمانبردار اور ظاہر و باطن میں
خیر خواہ ہوں اور جو ان اوصاف میں سے کسی صفت کا نہ ہو وہ معزول کرنے کے لائق ہے - اگر بادشاہ نے
اسکے معزول کرنے میں سستی کی تو گویا اسنے شہر کیساتھ بددیانتی کی اور اپنی حالت کو خراب کیا
اور یہ بھی مناسب ہے کہ ایسے لوگونکو اپنا معاون نہ بنائے جنکا معزول کرنا دشوار ہو اور نہ ایسے
لوگونکو جنکا قرابت وغیرہ کے سبب بادشاہ پر استحقاق ہو جسکی وجہ سے انکو معزول کرنا ناروا
سمجھا جائے - اور بادشاہ اپنے مخلصین کی تمیز رکھے کیونکہ انمیں سے بعض کی دوستی خوف
کی وجہ سے اور بعض کی لالچ کی وجہ سے ہوتی ہے ایسے لوگونکو کسی حیلہ کے ذریعہ سے اپنی طرف مائل رکھنا
چاہیئے اور بعض بلا غرض بادشاہ کے مخلص ہوا کرتے ہیں کہ اسکے نفع کو اپنا نفع اور اس کے
نقصان کو اپنا نقصان سمجھتے ہیں البتہ یہ لوگ محب خالص ہیں - اور ہر شخص کی ایک
پیدائشی جبلت ہوتی ہے اور ایک خاص عادت ہوتی ہے جسکا وہ عادی ہوتا ہے - اور بادشاہ
کیلئے یہ مناسب نہیں کہ کسی سے اسکی حیثیت سے زیادہ کی طمع رکھے - اور معاونین کی چند اقسام
ہیں بعض محافظ ہیں جو شہر کو دشمن کے شر سے محفوظ رکھتے ہیں یہ بدن انسان کے ان ہاتھوں
کے مانند ہیں جو ہتھیار اٹھائے ہوں اور بعض شہر کے مدبر لوگ ہیں جیسے بدن
انسان میں مدبر قوتیں - اور بعض لوگ مشیر ہیں جسطرح انسان کیلئے عقل و حواس - اور
بادشاہ کا فرض ہے کہ روزانہ انکی خبر لے انکا علم رکھے اور اصلاح و فساد سے خبردار رہے اور جبکہ خود
بادشاہ اور اسکے معاونین شہری امور میں مصروف رہتے ہیں تو انکے اخراجات بھی شہر کے ذمہ ہیں
اور ضروری ہے کہ عشر اور خراج جمع کرنے میں راہ راست اختیار کیا جائے جسمیں لوگوں کو ضرر نہ پہنچے ٭

عنه بشره والى يسارا اكمل من يسار الناس وليكن مما لا
يضيق عليهم كموات يحييه وناحية بعيدة يحميها ونحو ذلك
والى ان لا يبطش باحد الا بعد ان يصحح على اهل الحل والعقد
انه يستحقه وان المصلحة الكلية حاكمة به ولابد للملك من
فراسة يتعرف بها ما اضمرت نفوسهم ويكون ألمعيا يظن بك
الظن كان قد راى وقد سمع ويجب عليه ان لا يؤخر ما لابد
منه الى غد ولا يصبر ان راى منهم احدا يضمر عداوته دون
فك نظامه واضعاف قوته والله اعلم ٭

باب سياسة الاعوان

لما كان الملك لا يستطيع اقامة هذه المصالح كلها بنفسه
وجب ان يكون له بازاء كل حاجة اعوان ومن شرط الاعوان
والامانة والقدرة على اقامة ما امروا به والانقياد للملك و
النصح له ظاهرا وباطنا وكل من خالف هذه الشريطة فقد
استحق العزل فان اهمل الملك عزله فقد خان المدينة و
افسد على نفسه امره وينبغي ان لا يتخذ الاعوان ممن يتعذر
عزله او ممن له حق على الملك من قرابة او نحوها فيقبح عزله
وليميز الملك بين محبيه فمنهم من يحبه لرهبته او لرغبته
فليجره اليه بحيلة ومنهم من يحبه لذاته ويكون نفعه نفعا
له وضرره ضررا عليه فذلك المحب الناصح ولكل انسان
جبلة جبل عليها وعادة اعتادها ولا ينبغي للملك ان يرجو
من احد اكثر مما عنده والاعوان اما حفظة من شر المخالفين
بمنزلة اليدين الحاملتين للسلاح من بدن الانسان و
اما مدبرون للمدينة بمنزلة القوى الطبيعية من الانسان
او المشاورون للملك بمنزلة العقل والحواس للانسان
ويجب على الملك ان يسال كل يوم ما فيهم من الاخبار و
يعلم ما وقع من الاصلاح وضده ولما كان الملك واعوانه
عاملين للمدينة عملا نافعا وجب ان يكون رزقهم عليها ولا
بد ان يكون بجباية العشور والخراج سنة عادلة لا تضر بهم

اور حاجت روائی بھی ہو جائے اور یہ مناسب نہیں ہے کہ ٹیکس ہر شخص پر اور ہر مال پر مقرر کیا جائے۔ اور ایک خاص وجہ سے مشرقی اور مغربی قوموں کے سلاطین [illegible] پر متفق ہیں کہ معاملہ خوشحال لوگوں سے لیا جائے۔ سونا چاندی اور ترقی پذیر مال، جیسے نسل والے چار پائے، زراعت اور تجارت ان میں سے وصول کیا جائے۔ پس اگر اس سے زیادہ کی ضرورت پڑے تو پیشہ وروں سے وصول کیا جائے۔ اور یہ [illegible] بھی ضرور ہے کہ لشکر کی سیاست اسطرح کرے جیسے ایک ماہر شہسوار گھوڑے کی درستی کرتا ہے پس وہ گھوڑے کی چال، پویا، دلکی اور دوڑنے وغیرہ کو، اسکی [illegible] بدکنا وغیرہ کو خوب جانتا ہے جن پر کبھی ایڑ سے کبھی للکار سے اور کبھی چابک سے گھوڑے کی بخوبی تنبیہ کرنیکو سمجھتا ہے اور ان امور کا خوب لحاظ رکھتا ہے جب کوئی ناپسندیدہ حرکت وہ کرتا ہے یا پسندیدہ حرکت کو ترک کرتا ہے تو اسطرح اسکو تنبیہ کرتا ہے کہ اسکی طبیعت اسکو قبول کرے اور اسکی تندی جاتی رہے اور [illegible] تنبیہ میں وہ اسکا لحاظ رکھتا ہے کہ اسکی طبیعت پریشان نہ ہو اور جس وجہ سے اسکو مارتا ہے اسکو وہ سمجھ سکے۔ اور جس بات کی اسکو تعلیم دینا چاہتا ہے اسکی صورت اسکے سامنے متمثل کر دیتا ہے اور اسکے دل میں خوب بٹھا دیتا ہے اور اسکی طبیعت میں سزا کا خوف جما دیتا ہے اور جب وہ غرض کے موافق کام کرنے لگتا ہے اور ناموافق باتوں سے باز رہنے لگتا ہے تو وہ اسکی مشاقی کو اسوقت تک ترک نہیں کرتا جبتک یہ نہیں دیکھ لیتا کہ اغراض مطلوبہ اسکی طبیعت اور عادت ہوگئی ہیں اور اسکی یہ حالت ہوگئی ہے کہ اگر روک ٹوک کیجائیگی تو بھی خلاف اغراض کیطرف میلان نہ کریگا پس اسیطرح فوج کے منتظم پر ضروری ہے کہ وہ ان امور کو خوب جان لے جو کرنیکے لائق ہیں یا نہ کرنیکے لائق ہیں۔ اور ان امور کو بھی واقف ہو جن سے لشکریوں کو تنبیہ کرتے ہیں۔ اور منتظم کو ایسا ہونا چاہیئے کہ ان امور کو کبھی ترک نہ کرے۔ اور معاونین کی [illegible] نہیں ہے بلکہ شہر کی ضرورتوں پر موقوف ہے کیونکہ کبھی ایک کام کیلئے دو دو معاونوں کی ضرورت پڑتی ہے اور کبھی دو خدمتوں کیلئے ایک ہی معاون کافی ہوتا ہے لیکن اصل معاون پانچ ہیں۔ اول قاضی پس یہ شخص آزاد مرد بالغ عاقل [illegible] کام کے لائق ہو [illegible] طریقے اور مستغاثین کے مکر و فریب کو خوب جانتا ہو طبیعت [illegible] سخت اور حلیم بھی ہو کہ دونوں باتیں اسمیں پائی جائیں اسکو چاہیے کہ مقدمات میں دو بارہ نظر کرے اور [illegible] دیکھے آیا یہ کوئی معاملہ ہے یا کوئی ظلم و زیادتی ہے یا کوئی آپس کا سابقہ ہے۔ دوم یہ کہ ہر شخص اپنے مقابل سے کیا چاہتا ہے۔ آیا وہ صحیح ہے کہ نہیں، اور وجہ معرفت کو بھی دیکھنا چاہیئے کیونکہ ایک کے پاس ایسی صریح حجت ہوتی ہے جس میں لوگوں کو کچھ شک نہیں ہوتا اور وہ صریح حکم دینا چاہتی ہے۔ اور دوسرے کے پاس اس کے حکم

وقد [illegible] الحاجة [illegible] في [illegible] الاسواق [illegible] [illegible] الانسان [illegible] او [illegible] [illegible] من اموال [illegible] القناطير المقنطرة [illegible] الأموال النامية كماشية متناسلة وزراعة وتجارة فان احتيج الى اكثر من ذلك فعلى رؤس المكاسبين ولابد للملك من سياسة الجنود كما هو طريق السياسة ما يفعله الرائض الماهر بفرسه حيث يتعرف اصناف الجري من الرقال والهرولة والعدو وغيرها والعادات الذميمة من حرونة وشموس و [illegible] الامور التي تنبه الفرس تنبيها بليغا كالغمز والزجر والسوط ثم يراقبه فكلما فعل ما لا يرتضيه او ترك ما يرتضيه ينبهه بما ينقاد له طبعه وتنكسر به سورته [illegible] ان لا يتشوش [illegible] [illegible] الامر الذي يأتيه [illegible] في قلبه الخوف من المجازاة مقياما [illegible] فعل المطلوب الكف عن المهروب [illegible] الرياضة حتى يولع بالطريقة المطلوبة صارت [illegible] [illegible] الزجر لما ركن الى خلافها فكذلك [illegible] المبعوثات يعرف الطريقة المطلوبة فعلا وتركا والامور التي يتنبهون بها [illegible] وليكن من شانه ان لا يهمل شيئا من ذلك ابدا وليس للاعوان حصر [illegible] [illegible] سلطوات المدن [illegible] الحاجة الى [illegible] في حاجة وربما يكفي [illegible] الحاجتين [illegible] رؤس الاعوان خمسة [illegible] ولكن [illegible] بالغا عاقلا كافيا عارفا بسنة المعاملات ومكايد الخصوم في اختصامهم [illegible] حليما جامعا للامرين ولينظر في مقامين، احدهما معرفة جلية الحال وهي اما عدلا ومظلمة او سابقة بينهما، وثانيهما ما يريد كل واحد من صاحبه اي الادعائين اصوب وارجح ولينظر في وجه المعرفة فهنالك حجة لا يريب فيها الناس تقتضي الحكم الصواب وحجة ليست بذلك تقتضي حكما دون الحكم

دوم: امیر لشکر کو اس شان کا ہونا چاہیے کہ وہ سامانِ حرب سے خوب واقف ہو، فوج میں بہادر
اور دلیر لوگوں کو بھرتی کرے اور ہر شخص کے مبلغ منفعت کو معلوم کرے، فوج کی ترتیب،
جاسوسوں کو مقرر کرنے کی کیفیت اسکو خوب معلوم ہو اور دشمنوں کے داؤں گھات سے
بخوبی آگاہ ہو۔ سوم: منتظم شہر (یعنی کوتوال شہر) ایسا شخص ہونا چاہیے جو دلیر ہو، شہر کی
اصلاح وفساد کی باتوں سے خوب واقف ہو، اس میں سختی اور حلم بھی ہو اور ایسے لوگوں میں سے
ہو جو ناپسندیدہ بات کو دیکھ کر خاموش نہ رہ سکتے ہوں اور اسکو چاہیے کہ ہر قوم کیلئے
انہی میں ایک سرغنہ مقرر کرے جو انکے حالات سے پورا واقف ہو۔ اسکے ذریعہ انکا انتظام
کیا کرے اور انکے افعال کا اسی سے مواخذہ کیا کرے۔ چہارم عامل (یعنی تحصیل دار) جو
تحصیل مال پر متعین ہو سو یہ ایسا شخص ہونا چاہیے جو اموال پر محصول لینے اور آمدنی
کو مستحقین میں تقسیم کرنے کی کیفیت سے بخوبی واقف ہو۔ پنجم وکیل جو بادشاہ کے معاشی امور کا
متکفل ہو کیونکہ بادشاہ احوال ملکی کی وجہ سے اپنی اصلاح معاش کی طرف توجہ نہیں کر سکتا۔

نواں باب (۳۶): ارتفاق رابع کا بیان

یہ وہ علم ہے جس میں شہروں کے حکام وسلاطین کی سیاست پر بحث ہوتی ہے اور
ان تعلقات کے محفوظ رکھنے کی کیفیت بیان کی جاتی ہے جو مختلف اقالیم کے باشندوں
کے مابین ہوتے ہیں اور یہ اسلئے کہ جب ہر رئیس اپنے اپنے شہر کا مستقل مالک ہو جاتا ہے
اسکے پاس اموال آنے لگتے ہیں، اور اسی طرح لوگوں کی جماعتیں اسکے پاس آ ملتی ہیں تو انہیں اختلاف
مزاج اور اختلاف استعداد کی وجہ سے جور وظلم ہونے لگتا ہے، قانون عدل کو چھوڑ دیتے ہیں،
ایک دوسرے کے شہر لینے کی طمع کرتے ہیں، باہم حسد کرتے ہیں اور جزئی رجحانات مثلاً
اموال وآراضی کی خواہش یا حسد وکینہ کی وجہ سے باہم جنگ وجدال کرنے لگتے ہیں،
جب بادشاہوں میں یہ خرخشے بڑھتے ہیں تو خلیفہ کی ضرورت پڑتی ہے، خلیفہ سے ایسا شخص
مراد ہے جسکے پاس اتنا لشکر اور سامان ہو کہ دوسرے شخص کا اس سے ملک لینا عادتاً
ناممکن ہو کیونکہ ایسے شخص سے ملک لینا نہایت درجہ کوشش اور محنت کے بعد بہت سی
جماعتوں کے اتفاق اور کثیر اموال صرف کرنے کے بعد ہی متصور ہو سکتا ہے جسکے اہتمام سے
لوگ قاصر ہیں اور عادتاً محال ہے۔ جب خلیفہ مقرر ہو جاتا ہے اور ملک میں اپنی عمدہ
سیرت کا عملدرآمد کرتا ہے، سرکش لوگ اسکے فرمانبردار اور بادشاہ اسکے مطیع ہو جاتے
ہیں تو خدا کی نعمت کامل ہو جاتی ہے، شہر میں سکون اور لوگوں کو اطمینان حاصل ہو جاتا ہے
خلیفہ کو ایسے درندہ طبیعت لوگوں سے جنگ کرنے کی ضرورت پڑا کرتی ہے جو لوگوں کے مال لوٹتے
ہیں انکی اولاد کو اسیر کرتے ہیں، انکے ننگ وناموس کی پردہ دری کرتے ہیں، تاکہ ان۔

الاول، وامير الغزاة وليكن من شانه معرفة عدة الحرب
وتاليف الابطال والشجعان ومعرفة مبلغ كل رجل في
النفع وكيفية تعبية الجيوش ونصب الجواسيس والخبرة
بمكايد الخصوم، وسائس المدينة وليكن مجربا قد عرف
وجوه صلاح المدينة وفسادها صلبا حليما وليكن من
قوم لا يسكتون اذا رأوا خلاف ما يرتضونه وليتخذ لكل قوم
نقيبا منهم عارفا باخبارهم ينتظم به امرهم ويؤاخذه بما
عندهم، والعامل وليكن عارفا بكيفية جباية الاموال و
تفريقها على المستحقين، والوكيل المتكفل بمعايش الملك
فانه مع ما به من الاشغال لا يمكن ان يتفرغ للنظر الى
اصلاح معاشه ◆

باب الارتفاق الرابع

وهي الحكمة الباحثة عن سياسة حكام المدن
وملوكها وكيفية حفظ الربط الواقع بين اهل الاقاليم و
ذلك انه لما انفرز كل ملك بمدينته وجبي اليه الاموال و
انضم اليه الابطال وجب اختلاف امزجتهم وتشتت
استعداداتهم ان يكون فيهم الجور وترك السنة الراشدة
وان يطمع بعضهم في مدينة الآخر وان يتحاسدوا ويتقاتلوا
بازاء جزئية من فورغبة في الاموال والاراضي وحسد و
حقد فلما كثر ذلك في الملوك اضطروا الى الخليفة وهو من
حصل له من العساكر والعدد ما يرى كالممتنع ان يسلب
رجل آخر ملكه فانه انما يتصور بعد بلاء عام وجهد كبير و
اجتماعات كثيرة وبذل اموال خطيرة تتقاصر الانفس
دونها وتحيله العادة واذا وجد الخليفة واحسن السيرة
في الارض وخضعت له الجبابرة وانقاد له الملوك تمت
النعمة واطمأنت البلاد والعباد واضطر الخليفة الى اقامة
القتال دفعا للضرر اللاحق لهم من انفس سبعية تنهب
اموالهم وتسبي ذراريهم وتهتك حرمهم وهذه الحاجة هي

اسی ضرورت کیوجہ سے بنی اسرائیل نے اپنے نبی سے کہا تھا (ہمارے لئے ایک بادشاہ
کو بھیجو تاکہ ہم خدا کی راہ میں لڑیں) جب شہوت پرست اور درندہ سیرت لوگ اپنی
عادت خراب کر لیتے ہیں اور ملک میں فساد مچاتے ہیں تو بلا واسطہ یا بالواسطہ انبیاء
اللہ تعالیٰ الہام فرماتا ہے کہ ایسے لوگوں کا رعب داب اٹھا دیا جائے اور انمیں جو بالکل
قابلِ اصلاح نہ ہو وہ قتل کردیا جائے اس قسم کے لوگ نوع انسانی میں اس عضو کے
مانند ہیں جو گل کر بیکار ہو جاتا ہے پس خلیفہ سب سے پہلے ان سے جنگ پر آمادہ ہوتا ہے اور
یہ وہ حاجت ہے جسکی طرف اس آیت میں اشارہ ہے (اگر خدا تعالیٰ لوگوں کو بعض لوگوں کے
ذریعے سے دفع نہ کرے تو تمام کلیسا اور عبادت خانے منہدم کردیئے جائیں) اور اسی
لئے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے (ان سے لڑو یہاں تک کہ کوئی فتنہ نہ رہے) اور خلیفہ
بغیر مال اور فوج کے سرکش بادشاہوں سے لڑ کر انکے رعب داب کو ختم نہیں کر سکتا
اور ضروری ہے کہ خلیفہ ان اسباب سے واقف ہو جو جنگ و صلح کے مقتضی ہوتے ہیں
اور خراج و جزیہ مقرر کرنے کے مقتضی ہوتے ہیں۔ اسکو پہلے سوچ لینا چاہیے کہ مقابلہ کا
کیا مقصد ہے، کسی ظلم کا دفع کرنا ہے یا ان ناپاک درندہ طبیعت لوگوں کو ہلاک کرنا
جن کی اصلاح کی امید نہیں، یا ان سے کم درجے کے برے لوگوں کو ان کی شوکت ختم
کر کے سرزنش کرنا، یا مفسد لوگوں کو انکے سرداروں کو قتل کرکے جو انکو تدبیر بتلاتے
ہیں تہدید کرنا، یا ان کو قید کرنا، یا انکے املاک و اموال ضبط کرنا، یا رعیت کا
ان سے رخ پھیر دینا۔ اور خلیفہ کیلئے یہ مناسب نہیں کہ کسی غرض کے حاصل کرنے کیلئے
اس سے زیادہ سخت اور مشکل امر میں پھنس جائے پس موافقین کی ایک عمدہ جماعت
فنا کرکے اموال جمع کرنے میں لگ جائے۔ خلیفہ کا فرض ہے کہ قوم کی دلجوئی کرے ہر ایک
نفع رسانی کا اندازہ رکھے، ہر شخص کی جو حالت ہے اس سے زیادہ کسی پر اعتماد نہ کرے، سردار
دل اور دانشمند لوگوں کی عزت کرے ترغیب اور تخویف سے انکو جنگ پر آمادہ کرے
اور اسکی اول نظر اس بات کیطرف ہو کہ ماتحت بادشاہوں کی جماعت متفرق رہے۔
انکی طاقت کمزور پڑ جائے اور انکے دل خائف رہیں حتیٰ کہ وہ اسکے روبرو ایسے لاچار
ہو جائیں کہ اپنے لئے کچھ منصوبہ نہ کر سکیں جب ایسا بنانے میں کامیابی ہو جائے تو
انمیں وہ بات جاری کرے جس کا جنگ سے پہلے ارادہ کیا تھا۔ پس اگر ان سے
دوبارہ فساد کا خوف ہو تو گراں گراں خراج اور جزیہ ان پر مقرر کردے ان کے قلعے
گرا کر ایسا کردے کہ پھر بغاوت نہ کر سکیں۔ سو چونکہ خلیفہ ایسے مزاج کا محافظ ہوتا ہے
جو نہایت مخالف خلطوں سے حاصل ہوا ہے اس لئے ضروری ہے
کہ بیدار مغز ہو ہر طرف جاسوس بھیجے ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣

اقول دعت بنی اسرائیل الی ان قالوا النبی لهم ابعث لنا ملکا
نقاتل فی سبیل الله فاذا اساءت انفس شهوية او
سبعية السيرة وافسدوا فی الارض فالهم الله سبحانه اما
بلا واسطة او بواسطة الانبياء ان يسلب شوكتهم ويقتل
منهم من لا سبيل له الى الاصلاح اصلا وهم فی نوع الانسان
بمنزلة العضو المؤف بالاكلة وهذه الحاجة هی المشار اليها
بقوله تعالى ولولا دفع الله الناس بعضهم ببعض لهدمت
صوامع وبيع الاية وقوله تعالى وقاتلوهم حتى لا تكون
فتنة، ولا يتصور للخليفة مقاتلة الملوك الجبابرة وازالة
شوكتهم الا بالاموال وجمع رجال ولابد فی ذلك من معرفة
الاسباب المقتضية لكل واحد من القتال والهدنة وضرب
الخراج والجزية وان يتامل ولا ما يقصد بالمقاتلة من دفع
مظلمة او ازهاق انفس سبعية خبيثة لا يرجى صلاحها
او كبت انفس دونها فی الخبث بازالة شوكتها او كبت قوم
مفسدين فی الارض بقتل رؤسهم المدبرين لهم او حبسهم
او حيازة اموالهم واراضيهم او صرف وجوه الرعية عنهم
ولا ينبغی للخليفة ان يقتحم لتحصيل مقصد فيما هو اشد منه
فلا يقصد حيازة الاموال بافناء جماعة صالحة من الموافقين
ولا بد من استمالة قلوب القوم ومعرفة مبلغ نفع كل
واحد فلا يعتمد على احد اكثر مما هو فيه والتنويه بشان
السراة والدهاة والتحريض على القتال ترغيبا وترهيبا
وليكن اول نظره الى تفريق جمعهم وتكليل حدهم واخافة
قلوبهم حتى يتمثلوا بين يديه لا يستطيعون لانفسهم شيئا
فاذا اظفر بذلك فليتحقق فيهم ظنه الذی نوره قبل الحرب
فان خاف منهم ان يفسدوا تارة اخرى الزمهم خراجا
منهكا وجزية مستاصلة وهدم صياصيهم وجعلهم
بحيث لا يمكن لهم ان يفعلوا فعالهم ذلك، ولما كان
الخليفة حافظ الصحة مزاج حاصل من اخلاط متشاكسة
جدا اوجب ان يكون متيقظا ويبعث عيونا فی كل

اور اپنی فراست کاملہ سے کام لے ۔ اور جب اپنی فوج میں کسی جماعت کے اتفاق کر لینے کو پائے تو فوراً ان کے مقابلہ میں دوسری جماعت متعین کرے جو آپس موافقت نہ کر سکیں ۔ اور جب کسی کو خلافت کا خواہاں دیکھے تو فوراً اس کی شوکت کو زائل کر دے اور اس کی قوت کو کمزور کر دے ۔ اور خلیفہ کے لئے ضروری ہے کہ اپنے حکم کے منوانے کی اور خیر خواہی پر متفق رہنے کی لوگ میں عادت ڈالے اور اس بارہ میں محض قبول کرنا کافی نہ سمجھے بلکہ قبول کی کوئی علامتِ ظاہرہ ہو جس سے رعایا پرداروگیر کر سکے' مثلاً اس کے لئے دعا کرنا' بڑے بڑے مجمعوں میں اس کی تعظیم ہونا اور لوگوں کا ایک وضع اور ہیئت پر جس کا خلیفہ نے حکم دیا ہے پابند رہنا" جیسے ہمارے زمانہ میں اشرفیوں پر خلیفہ کا نام کندہ ہوتا ہے ۔ واللہ اعلم ✦

دسواں باب (۲۷) ✦

اصولِ ارتفاقات پر لوگوں کے اتفاق کا بیان ✦

واضح ہو کہ اقالیم معمورہ کے ہر شہر اور اخلاق حمیدہ اور معتدل مزاج اقوام میں سے ہر قوم آدم علیہ السلام کے عہد سے لیکر آج تک اصول تدابیر سے خالی نہیں رہی اور یہ اصول ہر زمانہ میں سب کے نزدیک مسلم ہوتے آئے ہیں جن کی مخالفت کرنیوالوں کو لوگ بہت برا سمجھتے ہیں اور بوجہ شہرت کے ان اصول کو بدیہی سمجھتے ہیں ۔ اور بعض فروعات تدابیر اور ان کی بعض صورتوں میں اختلاف ہونے سے آپ ہمارے بیان میں شک نہ کریں ۔ مثلاً سب کا اتفاق ہے کہ مُردوں کی عفونت دور کیجائے اور ان کا ستر چھپا رہے لیکن اس کی صورتوں میں اختلاف ہے بعض نے زمین میں دفن کرنا پسند کیا اور بعض نے آگ میں جلانا اچھا سمجھا ۔ سب اس پر متفق ہیں کہ نکاح کی شہرت کی جائے اور حاضرین کے سامنے اس میں اور زنا میں تمیز ہو جائے لیکن اس کی صورتوں میں لوگوں کا اختلاف ہے ۔ بعض نے گواہوں' ایجاب و قبول اور ولیمہ کو بہتر سمجھا اور بعض نے دف' گانا باجہ اور لباس فاخرہ کو جو صرف بڑی بڑی دعوتوں میں ہی پہنا جاتا ہے' اختیار کر لیا ۔
زانی اور چور کو سزا دینے میں سب کا اتفاق ہے لیکن اس کی صورت میں اختلاف ہے پس بعض نے سنگسار اور ہاتھ کاٹنا پسند کیا اور بعض نے سخت مار پیٹ' اور با مشقت قید' بھاری بھاری جرمانوں کی سزا اختیار کی ۔ اور نیز ان اصول سے دو فریقوں کی مخالفت ہمارے قول سابق سے آپکو نہ روکے ۔ ایک فریق ان احمق لوگوں کا ہے ✦

ناحية ويستعمل فراسة نافذة واذا رأى اجتماعا منعقدا من عساكره فلا صابر دون ان ينصب اجتماعا اخر مثله ممن تحيل العادة مواطاتهم معهم واذا رأى من رجل التماس الخلافة فلا صابر دون انتقام جرأته وازالة شوكته واضعاف قوته ولا بد ان يجعل قبول امره والارتفاق على مناصحته سنة مسلمة عندهم ولا يكفي في ذلك مجرد القبول بل لا بد من امارة ظاهرة للقبول بها يؤاخذ الرعية كالدعاء له والتنويه بشانه في الاجتماعات العظيمة وان يوطنوا انفسهم على زي وهيئة امرها الخليفة كالاصطلاح على الدنانير المنقوشة باسم الخليفة في زماننا والله اعلم ✦

باب اتفاق الناس على اصول الارتفاقات

اعلم ان الارتفاقات لا تخلو عنها مدينة من الاقاليم المعمورة ولا امة من الامم اهل الامزجة المعتدلة والاخلاق الفاضلة من لدن آدم عليه السلام الى يوم القيامة واصولها مسلمة عند الكل قرنا بعد قرن وطبقة بعد طبقة لم يزالوا ينكرون على من عصاها اشد نكير ويرونها امورا بديهية من شدة شهرتها، ولا يصدنك عما ذكرنا اختلافهم في صور الارتفاقات وفروعها فاتفقوا مثلا على ازالة نتن الموتى وستر سوأتهم ثم اختلفوا في الصور فاختار بعضهم الدفن في الارض وبعضهم الحرق بالنار، واتفقوا على تشهير امر النكاح وتمييزه عن السفاح على رؤس الاشهاد ثم اختلفوا في الصور فاختار بعضهم الشهود والايجاب والقبول والوليمة وبعضهم الدف والغناء ولبس ثياب فاخرة لا تلبس الا في الولائم الكبيرة واتفقوا على زجر الزناة والسراق ثم اختلفوا فاختار بعضهم الرجم وقطع اليد وبعضهم الضرب الاليم والحبس الوجيع والغرامات المنهكة، ولا يصدنك ايضا مخالفة طائفتين احدهما البله

جن کی حالت چارپایوں سے ملتی جلتی ہے۔ لوگوں کی بڑی اکثریت ان کے ناقص العقل اور ناقص المزاج ہونے کی وجہ سے کچھ نہیں کرتی اور انکی حماقت کی یہی دلیل ہے کہ وہ اپنے آپ کو ان قیود کا پابند نہیں سمجھتے۔ دوسرا فریق فاسق لوگوں کا ہے اگر ان کے دلوں سے فسق نکال دیا جائے تو وہ ان تدابیر کے معتقد ہو جائیں لیکن ان پر نفسانی خواہشات غالب ہیں جسکی وجہ سے خود گنہگار سمجھتے ہوئے نافرمانی کرتے ہیں، لوگوں کی بیٹیوں اور بہنوں سے زنا کرتے ہیں اور اگر کوئی ان کی بیٹیوں اور بہنوں سے زنا کرے تو غصہ سے پھٹ پڑیں اور قطعاً جان لیں کہ لوگوں پر ان برائیوں کا وہی اثر ہوتا ہے جو ان پر ہوا ہے اور ان باتوں سے شہر کے انتظام کو ضرر پہنچتا ہے لیکن خواہش نے ان کو اندھا کر رکھا ہے اور یہی حال چوری اور غصب وغیرہ کا ہے۔ اور کوئی یہ خیال نہ کرے کہ لوگوں نے بلا وجہ ان تدابیر پر اس طرح اتفاق کر لیا جس طرح تمام اہل مشرق و مغرب کا کھانے کی نسبت غذا بنانے میں اتفاق ہو جائے۔ کیا ایسا خیال کرنے سے بڑھکر کوئی دھوکہ ہو سکتا ہے؟ بلکہ فطرت سلیمہ یہ فیصلہ کرتی ہے کہ تمام لوگ باوجودیکہ ان کے مزاج مختلف، ان کے شہر دور دراز ان کے مذہب جدا جدا ہیں ان اصول پر ضرور کسی مناسبت فطریہ کیوجہ سے متفق ہیں۔ یہ ایسی مناسبت فطریہ ہے جو نوعی صورت کیوجہ سے اور ان حاجات کثیرۃ الوقوع کیوجہ سے جنکو نوع کے افراد نے اختیار کیا ہے اور ان اخلاق کیوجہ سے جنکو صحت نوعی نے افراد کے مزاجوں میں قائم کر دیا ہے پیدا ہوتی ہے۔ اگر کوئی آدمی شہر سے دور دراز جنگل میں پرورش پائے اور کسی کی رسم وعادات سے واقف نہ ہو تو ضرور ہے کہ اسکو بھوک، پیاس اور خواہش نفسانی کی حاجتیں پیش آئیں گی اور بلا شک عورت کیطرف رغبت پیدا ہوگی اور ان دونوں کے صحت مزاج سے اولاد بھی پیدا ہوگی اور گھر والے باہم ملکر رہنے لگیں گے اور ان میں معاملات پیش آئینگے پس ارتفاق اول منتظم ہوگا اور پھر جب انکی اور بھی کثرت ہوگی تو پھر ضرور ان میں صاحب اخلاق حمیدہ بھی پیدا ہوں گے اور انکیں معاملات پیش آئینگے جن سے تمام تدابیر عمل میں لانے کی ضرورت پڑے گی۔ واللہ اعلم۔

گیارہواں باب (۲۸): لوگوں کی باہمی رسوم کا بیان

واضح ہو کہ رسوم کو تدابیر سے وہی نسبت ہے جو دل کو بدن انسانی سے ہے۔ مذاہب کے مقصود اول یہی ہیں اور شرائع الہیہ میں انہی کے مباحث اور اشارات ہیں کہ

الملتحقون بالبهائم ممن لا يشك الجمهور ان امزجتهم ناقصة وعقولهم مخدجة وصاروا يستدلون على بلاهتهم بما يرون من عدم تقييدهم انفسهم بتلك القيود، والثانية الفجار الذين لو نقي ما في قلوبهم ظهر انهم يعتقدون الارتفاقات لكن تغلب عليهم الشهوات فيعصونها شاهدين على انفسهم بالفجور ويزنون ببنات الناس واخواتهم ولو زني ببناتهم واخواتهم كادوا يتميزون من الغيظ ويعلمون قطعاً ان الناس يصيبهم ما اصابهم ولا، وان اصابة هذه الامور مخلة بانتظام المدينة لكن يعميهم الهوى، وكذلك الكلام في السرقة والغصب وغيرهما ولا ينبغي ان يظن انهم اتفقوا على ذلك من غير شئ بمنزلة الاتفاق على ان يتغذى بطعام واحد اهل المشارق والمغارب كلهم وهل سفسطة اشد من ذلك؟ بل الفطرة السليمة حاكمة بان الناس لم يتفقوا عليها مع اختلاف امزجتهم وتباعد بلدانهم وتشتت مذاهبهم والا بانهم الا لمناسبة فطرية منشعبة من الصورة النوعية ومن حاجات كثيرة الوقوع يتوارد عليها افراد النوع ومن اخلاق توجبها الصحة النوعية في امزجة الافراد ولو ان انسانا نشأ ببادية نائية عن البلدان ولم يتعلم من احد رسما كان له لا جرم حاجات من الجوع والعطش والغلمة واشتاق لا محالة الى امرأة ولابد عند صحة مزاجهما ان يتولد بينهما اولاد وينشأ بينهم اهل ابيات وينشأ فيهم معاملات فينتظم الارتفاق الاول عن آخره ثم اذا كثروا والبلدان يكون فيهم اهل اخلاق فاضلة تقع فيهم وقائع ثم توجب سائر الارتفاقات والله اعلم۔

باب الرسوم السائرة في الناس

اعلم ان الرسوم من الارتفاقات هي بمنزلة القلب من جسد الانسان واياها قصدت الشرائع اولاً وبالذات وعنها البحث في النواميس الالهية واليها الاشارات

اور ان رسوم کے چند اسباب ہیں جن سے یہ پیدا ہوتی ہیں مثلاً حکماء کا ان کو مستنبط کرنا اور ان لوگوں کے دلوں میں جو نور ملکی سے موئد ہیں الہام الٰہی کا ہونا۔ اور چند اسباب ہیں جن کی وجہ سے یہ رسوم لوگوں میں پھیلتی ہیں جیسے کسی بڑے بادشاہ کے طریقہ کا رسم ہونا جس کے لوگ مطیع ہوں، یا ان رسوم کا لوگوں کے دلی خیالات کے سطابق ہونا جنکو لوگ اپنی دلی شہادت سے قبول کر لیتے ہیں اور انکی سخت پابندی کرنے کے بھی اسباب ہوتے ہیں کہ ان کے ترک کرنے میں غیبی سزا ملنے کا یا سستی کرنے میں فساد واقع ہونیکا تجربہ ہوتا ہے۔ یا صاحب رائے سلیم انکے ترک کرنے پر ملامت کرتے ہیں وغیرہ ذالک۔ اور دانا آدمی ان نظائر سے جنکو ہمنے ذکر کیا ان رسوم کے بعض شہروں میں جاری اور بعض شہروں میں فوت ہونے سے ہماری بات کی خوب تصدیق کر سکے گا۔ اور رسوم مروجہ نفس الامر میں صحیح ہیں کیونکہ تدابیر مناسبہ کی یہی محافظ ہیں۔ اور افراد انسانی کو انہی کے ذریعہ سے کمال نظری یا عملی حاصل ہوتا ہے اور ان کے نہ ہونے سے اکثر لوگ بہائم طبع ہو جائیں، بہت سے آدمی نکاح و دیگر معاملات ٹھیک ٹھیک طریقہ سے کرتے ہیں اور جب ان سے ان قیود کی پابندی کا سبب پوچھا جائے تو موافقت قوم کے سوا کوئی جواب نہ ملیگا۔ زیادہ سے زیادہ انکو ان رسوم کا علم اجمالی ہوتا ہے جسکو صاف طور پر انکی زبان بیان نہیں کر سکتی چہ جائیکہ ان تدابیر کے فوائد کی تمہید بیان کر سکیں۔ ایسا شخص اگر ان رسوم کی پابندی نہ کرے تو بہائم صفت شمار کیا جائیگا۔ لیکن ان رسوم میں کسی رسم بھی داخل ہو جایا کرتی ہیں جسکی وجہ سے لوگوں کو اپنے اچھے طریقے کی تمیز میں اشتباہ پڑ جاتا ہے۔ اور برے رسوم کے پیدا ہونے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ کبھی وہ لوگ سردار ہو جاتے ہیں جن پر جزئی رائیں غالب ہوتی ہیں اور مصالح کلیہ سے بعید ہوتے ہیں تو وہ درندوں کے سے کام کرنے لگتے ہیں جیسے رہزنی اور غصب وغیرہ۔ یا ان سے شہوت پرستی کے کام سرزد ہوتے ہیں جیسے لواطت اور مردوں کا زنانہ پن، یا مضر رساں پیشے اختیار کرتے ہیں جیسے سود خوری اور ناپ تول میں کمی۔ یا لباس اور ولیموں میں ایسے عادات اختیار کرتے ہیں جنکا انجام اسراف ہوتا ہے اور انکے مہیا کرنے میں بڑے اہتمام کی ضرورت پڑتی ہے۔ یا تفریح کیلئے اپنے شوق بڑھاتے ہیں جنکے سبب سے امور معاش و معاد معطل ہو جاتے ہیں جیسے گانا بجانا شطرنج شکار کبوتر بازی وغیرہ یا مسافروں پر پُرمشقت محصول مقرر کرتے ہیں اور رعیت سے ایسے خراج وصول کرتے ہیں جس سے وہ تباہ ہو جاتی ہے یا باہم تیرہ بغض پیدا کر لیتے ہیں پس انکو یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں سے ایسا برتاؤ کریں۔ اور اسکو ناپسند کرتے ہیں کہ اور لوگ ان سے ایسا معاملہ کریں۔ انکی وجاہت اور دبدبہ کی

ولها اسباب تنشأ منها كاستنباط الحكماء وكالهام الحق في قلوب المؤيدين بالنور الملكي واسباب تنتشر بها في الناس مثل كونها سنة ملك كبير دانت له الرقاب او كونها تفصيلا لما يجده الناس في صدورهم فيتلقونها بشهادة قلوبهم واسباب يعضون عليها بالنواجذ لاجلها من تجربة مجازاة غيبية على اهمالها او وقوع فساد في اغفالها او كاقامة اهل الآراء الراشدة اللائمة على تركها ونحو ذلك والمستبصر ربما يوفق لتصديق ذلك من احياء سنن واماتتها في كثير من البلدان بنظائر ما ذكرنا والسنن السائرة وان كانت من الحق في صل امرها لكونها حافظة على الارتفاقات الصالحة ومفضية بافراد الانسان الى كمالها النظري والعملي ولولاها لالتحق اكثر الناس بالبهائم فكم من رجل يباشر النكاح والمعاملات على الوجه المطلوب واذا سئل عن سبب تقيده بتلك القيود لم يجد جوابا الا موافقة القوم وغاية جهده علم اجمالي لا يعرب عنه لسانه فضلا عن تمهيد ارتفاقه فهذا لو لم يلتزم سنة كان يلتحق بالبهائم لكنها قد يندس معها باطل فيلبس على الناس سنتهم وذلك بان يترأس قوم يغلب عليهم الآراء الجزئية دون المصالح الكلية فيخرجون الى اعمال سبعية كقطع الطريق والغصب او شهوية كاللواطة وتأنث الرجال او كاسب مضارة كالربوا وتطفيف الكيل والوزن او عادات في الزي والولائم تميل الى الاسراف وتحتاج الى تعمق بليغ في الاكتساب والاكثار من التلهيات بحيث يفضي الى اهمال الامر المعاش والمعاد كالمزامير والشطرنج والصيد واقتناء الحمام ونحوها او جبايات منهكة لابناء السبيل وخراج مستأصل للرعية او التشاحن فيما بينهم فيستحسنون ان يفعلوها مع الناس ولا يستحسنون ان يفعل ذلك معهم فلا ينكر عليهم احد لجاههم وصولتهم فيقوى فجرة القوم فيقتدون بهم وينصرونهم ويبذلون

[illegible]

اور ان اعمال کے پھیلانےمیں بڑی کوشش کرتے ہیں۔ اور پھر ایک قوم ایسی آتی ہے جنکے دلوں میں نہ اعمال صالحہ کا قوی میلان ہوتا ہے نہ اعمالِ فاسدہ کا۔ پس اپنے رؤسا کی حالت دیکھ دیکھ کر انمیں بھی انہی امور کی آمادگی پیدا ہوجاتی ہے اور کبھی انکو نیک باتوں کا پتہ ہی نہیں چلتا اور ایسے خاندانوں کے آخر میں ایسے لوگ باقی رہا کرتے ہیں جنکی فطرتیں درست ہوتی ہیں وہ ان سے میل جول نہیں رکھتے اور غصہ کی حالت میں خاموش رہتے ہیں پس ان کی خاموشی سے بری رسمیں قائم اور مستحکم ہوجاتی ہیں۔ کامل العقل لوگوں کا فرض ہے کہ حق کے پھیلانے و جاری کرنےمیں اور باطل کے نابود کرنےمیں پوری کوشش کریں اور لبسا اوقات یہبات بغیر جھگڑے اور لڑائیوں کے ممکن نہیں ہوتی۔ پس یہ لڑائی جھگڑے تمام نیک کاموںمیں افضل شمار ہوں گے اور جب دنیا میں نیک روی کا طریقہ قائم ہوجائے پس ہر زمانہ میں لوگ اسکو تسلیم کرینگے ایسے انکی زندگی اور موت ہونے لگے اور اسی پر ان کے نفوس اور خیالات جم جائیں اور وہ اس طریقہ کو وجوداً و عدماً اصول کا متلازم سمجھ لیں تو پھر کوئی اس سے باہر نہ ہوسکیگا سوائے اس شخص کے جسکا نفس ناپاک ہو، کم عقل ہو، شہوت اسپر غالب ہو اور اسکی گردن پر نفس پرستی سوار ہو۔ پس جب وہ اس طریقہ سے باہر قدم رکھیگا تو اپنے دل میں گنہگار ہونیکی شہادت کو پائیگا۔ مصلحتِ کلی اور اسکے درمیان ایک پردہ حائل ہوجائیگا۔ اور جب وہ کام بے باکانہ طور پر کریگا تو اسکے مرض نفسانی کی یہی شرح ہوجائیگی (یعنی اسکے نفسانی مرض کی کیفیت صاف صاف معلوم ہوجائیگی) اور یہ اسکے دین پر دھبہ ہوگا۔ پس یہ طریقہ نیک جب پورا پورا کامل اور مقرر ہوجاتا ہے تو ملأ اعلیٰ سے اس طریقہ کے موافقین کیلئے دعا اور مخالفین کیلئے بددعا صادر ہوتی ہے اور حظیرۃ القدس میں موافق کیلئے رضامندی اور مخالف کیلئے ناراضی ظاہر ہوتی ہے۔ جب انکے طریقوں کی یہ حالت ہوتی ہے تو وہ اس فطرت سے شمار کئے جاتے ہیں جس پر خدا نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ واللہ اعلم

مبحث چہارم سعادت کا بیان

پہلا باب (۲۹): سعادت کی حقیقت کا بیان

واضح ہو کہ انسان کے کچھ کمالات ایسے ہیں جو باقتضائے صورتِ نوعی ہوتے ہیں اور بعض کمالات ایسے ہیں جو باقتضائے موضوعِ نوع یعنی جنس قریب و بعید کے اقتضا سے ہوتے ہیں۔ انسانی سعادت جس کے مفقود ہونے سے مضرت ہوتی ہے

السعی فی اشاعة ذلك ویجیئ قوم لم یخلق فی قلوبهم میل قوی الی الاعمال الصالحة ولا الی اضدادها فیحملهم ما یرون من الرؤساء علی التمسك بذلك وربما اوعیت بهم المذاهب الصالحة ویبقی قوم فدرتهم سویة فی اخریات القوم لایخالطونهم ویسکتون علی غیظ فتنعقد سنة سیئة وتتأكد، ویجب بذلك الجهد علی اهل الاراء الکلیة فی اشاعة الحق وتمشیته واخمال الباطل وصدّه فربما لم یمکن ذلك الا بمخاصمات اومقاتلات فیعد کل ذلك من افضل اعمال البر واذا انعقدت سنة راشدة فسلمها القوم عصرا بعد عصر وعلیها کان محیاهم ومماتهم ورسخت علیها نفوسهم وعلومهم فظنوها متلازمة للاصول وجودا وعدما لم تکن ارادة الخروج عنها وعصیانها الا ممن سمجت نفسه وطاش عقله وقویت شهویة واقتعد غاربه الهوی فاذا باشر الخروج اضمر فی قلبه شهادة علی فجوره وسدل حجاب بینه وبین المصلحة الکلیة فاذا اکمل فعله صار ذلك شرحا لمرضه النفسانی وکان ثلمة فی دینه فاذا تقرر ذلك تقررا بینا ارتفعت ادعیة الملأ الاعلی وتضرعات منهم لمن وافق تلك السنة وعلی من خالفها وانعقد فی حظیرة القدس رضا وسخط عمن باشرها او علیه واذا کانت السنن کذلك عدت من الفطرة التی فطر الله الناس علیها والله اعلم

المبحث الرابع مبحث السعادة

باب حقیقة السعادة

اعلم ان للانسان کمالا تقتضیه الصورة النوعیة وکمالا تقتضیه موضوع النوع من الجنس القریب والبعید وسعادته التی یضره فقدها وینقصها اهل

العقول المستقيمة قصدا مؤكدا هو الاول وذلك انه قد
يمدح في العادة بصفات يشارك فيها الاجسام المعدنية
كالطول وعظم القامة فان كانت السعادة هذا فالجبال اتم
سعادة، وصفات يشاركه فيها النبات كالنمو المناسب والخروج
الى تخاطيط جميلة وهيات ناضرة فان كانت السعادة هذه
فالشقائق والاوراد اتم سعادة، وصفات يشاركه فيها
الحيوان ككثرة البطش وجهورية الصوت وزيادة الشبق و
كثرة الاكل والشرب وفور الغضب والحسد فان كانت السعادة
هذه فالحمارة اتم سعادة وصفات يختص بها الانسان
كالاخلاق المهذبة والارتفاقات الصالحة والصنائع
الرفيعة والجاه العظيم فبادئ الرأى انها سعادة الانسان
ولذلك ترى كل امة من امم الناس يستحسن تمها عقلا
واسدها رأيا ان يكتسب هذه ويجعل ما سواها كانها
ليست صفات مدح ولكن الامر الى الآن غير منقح لان
اصل هذه موجود في افراد الحيوان فالشجاعة اصلها الغضب
وحب الانتقام والثبات في الشدائد والاقدام على المهالك
وهذه كلها موفرة في الفحول من البهائم لكن لا تسمى
شجاعة الا بعد ما يهذبها فيض النفس النطقية فتصير
منقادة للمصلحة الكلية منبعثة من داعية معقولة
وكذلك اصل الصناعات موجودة في الحيوان كالعصفور
الذى ينسج العش بل رب صنعة يصنعها الحيوان بطبيعته
لا يتمكن منها الانسان بتجشم، كلا بل الحق ان هذه سعادة
بالعرض وان السعادة الحقيقية هي انقياد البهيمية
للنفس النطقية واتباع الهوى للعقل وكون النفس
الناطقة قاهرة على البهيمية والعقل غالبا على الهوى
وسائر الخصوصيات ملغاة، واعلم ان الامور التي تتعلق
بالسعادة الحقيقية على قسمين، قسم هو من باب ظهور
فيض النفس النطقية في المعاش بحكم الجبلة ولا يمكن
ان يحصل الخلق المطلوب بهذا القسم بل ربما يكون

اور درست عقل کے لوگ اسکا نہایت اہتمام اور قصد کرتے ہیں وہ نوعی کمالات
ہیں اسلئے کہ عادۃً کبھی انسان کی مدح ان صفات کیوجہ سے ہوتی ہے جنمیں معدنی
اجسام بھی شریک ہیں مثلاً طول اور عظیم القامۃ کا ہونا - پس اگر اسی کو سعادت
قرار دیں تو پہاڑوں کو یہ سعادت بدرجہ اتم حاصل ہے - اور کبھی انسان کی مدح
ایسی صفات کیوجہ سے جنمیں نباتات شریک ہیں مثلاً مناسب نشوونما عمدہ عمدہ
نقش ونگار اور تروتازہ صورتیں - پس اگر یہی سعادت ہے تو گل لالہ اور گلاب
کو کامل سعادت حاصل ہے - اور کبھی ایسی صفات کیوجہ سے مدح ہوتی ہے جنمیں
حیوانات شریک ہیں جیسے زورآوری، بلند آوازی، جفتی کی طاقت، زیادہ کھانا
پینا، غضب اور کینہ کا زیادہ ہونا پس اگر اسی کا نام سعادت ہے تو گدھے میں
کامل درجہ کی سعادت پائی جاتی ہے - اور کبھی ان صفات کیوجہ سے انسان کی
مدح کیجاتی ہے جو صرف انسان ہی میں پائی جاتی ہیں جیسے مہذب اخلاق،
عمدہ تدابیر، اعلیٰ قسم کی صنعتیں، بلندی مرتبہ پس بادی الرائے میں انہی امور کا
نام سعادت انسانی ہے اور اسی لئے ہر قوم جس کو آپ بڑا عاقل اور دانشمند پاتی
ہیں انہی اوصاف کے حاصل کرنیکا قصد کرتی ہے اور انکے سوا دوسری صفات
کو صفات مدح ہی نہیں سمجھتی - لیکن ابھی تک پوری تنقیح نہیں کیونکہ ان صفات
کی اصل ہر ہر حیوان میں موجود ہے مثلاً شجاعت کی اصل غصہ، انتقام لینا، شدائد
میں ثابت قدمی، خطرناک کاموں میں پیش قدمی کرنا ہے اور یہ سب امور بہائم
کے نروں میں کثرت سے پائی جاتی ہیں لیکن انکو شجاعت اسیوقت کہا جاتا ہے
کہ وہ نفس ناطقہ کے فیضان سے اس طرح مہذب ہوجائیں کہ مصلحتِ کلیہ کے
کے مطیع اور عقلی خواہش سے پیدا ہونے والے ہوں - اور اسی طرح اور صنعتوں کی اصل
بھی حیوانات میں موجود ہے - چڑیا اپنے آشیانہ کو بناتی ہے بلکہ بعض صنعتیں ایسی ہیں
جنکو حیوانات بالطبع بناتے ہیں اور انسان بہ تکلف بھی ویسی نہیں بنا سکتا -
پس معلوم ہوا کہ یہ امور حقیقی سعادت نہیں بلکہ بالتبع سعادت شمار کی جاتی ہیں اور
سعادت حقیقی یہ ہے کہ قوت بہیمیہ نفس ناطقہ کی مطیع ہو اور خواہش عقل کے تابع
ہو اور نفس ناطقہ قوت بہیمیہ پر اور عقل ہوس پر غالب ہو - باقی اور
خصوصیات لغو ہیں - واضح ہو کہ حقیقی سعادت سے جن امور کا تعلق ہے وہ
دو قسم کے ہیں ایک قسم ایسی ہے جس میں پیدائشی طور پر نفس ناطقہ کا
فیضان امور معاش میں ہوتا ہے لیکن اس قسم سے مقصدِ اصلی
حاصل ہونا ممکن نہیں بلکہ بسا اوقات ✤ ✤ ✤ ✤ ✤ ✤

ان افعال کی زیبائش ہی میں غرق ہونا پڑتا ہے بالخصوص فکر جزئی کی صورت
میں جیساکہ یہ اس کمال ناقص کی شان ہے جو کمال مطلوب کی ضد ہو جیسے
کہ کوئی شخص غصہ پیدا کرکے اور کشتی لڑکر شجاعت حاصل کرنا چاہے یا عرب کے
اشعار اور خطبوں کی واقفیت سے فصیح بننا چاہے۔ اور اخلاق اپنے ہم جنسوں کی
مزاحمتوں سے ظاہر ہوتے ہیں اور ضرورتوں کے پیش آنے سے تدابیر حاصل ہوتی
ہیں اور آلات و مادہ سے صنعتوں کی تکمیل ہوتی ہے۔ اور یہ سب چیزیں زندگی
کے تمام ہوتے ہی ختم ہو جاتی ہیں۔ پس جو شخص ان حالات میں ناقص رہ کر مرا اور
ان امور سے کچھ بیزار بھی تھا تو وہ صرف اصلی کمال سے ہی محروم رہیگا۔ اور اگر ان
تعلقات کی صورتیں نفس کو لپٹی ہوں گی تو نفع سے زیادہ اسکو مضرت ہوگی۔ اور
دوسری قسم وہ ہے جس کا اثر یہ ہے کہ قوت بہیمیہ ملکیہ کی فرمانبردار ہو جائے اسکے
حکم کے بموجب کام کرے اور اسکے رنگ سے رنگین ہو جائے۔ اور قوت ملکی
ایسی ہو کہ بہیمیت کے ادنیٰ اثر کو قبول نہ کرے، اسکے کمینہ نقوش اس میں جم
سکیں جیسے موم میں انگشتری کے نقوش جم جاتے ہیں۔ اور اسکا طریقہ یہ ہے کہ جب
ملکی طاقت کسی چیز کا تقاضہ کرے اور قوت بہیمیہ کو حکم کرکے اسکا مطالبہ کرے تو
بہیمیت اسکی اطاعت کرے کسی قسم کی بغاوت نہ کرے اور اس کی تعمیل سے
باز نہ رہے اور ایسے ہی ملکی طاقت اسکو حکم کرتی رہے اور بہیمیت اسکو قبول
کرتی رہے اور اسکا امتنا ہوتا رہے حتی کہ وہ اسکی عادی ہو کر مشتاق ہو جائے
اور یہ امور جنکو قوت ملکیہ چاہے اور بہیمیہ مجبوراً قبول کرے انہی امور میں حاصل
ہوتی ہے جن میں ملکیت کو خوشی اور بہیمیت کو تنگ دلی حاصل ہو جیسے ملکوت
کے ساتھ مشابہ ہونا اور جبروت کا ملاحظہ کرنا کیونکہ یہ حالتیں قوت ملکی کا خاصہ
ہیں اور قوت بہیمی کو ان حالات سے نہایت بُعد ہے۔ یا یہ بات جب حاصل
ہوگی کہ قوت بہیمیہ کی خواہشات، لذائذ اور مرغوبات کو ترک کر دیا جائے۔
اس حصہ کا نام عبادت اور ریاضت ہے یہ ان مقصود اخلاق کو حاصل کرنے
کے ذریعے ہیں جو موجود نہیں ہوتے۔ پس اس مقام کی تحقیق کا مرجع یہ ہوا کہ
سعادت حقیقی بغیر عبادات کے حاصل نہیں ہو سکتی اسی لئے مصلحت کلی افراد انسان
کو صورت نوعیہ کے روشنی ان سے ندا کرتی ہے اور نہایت تاکیدی حکم کرتی ہے
کہ بقدر ضرورت ان صفات کی اصلاح کی جائے جو انسان کیلئے کمال ثانی ہیں
اور اپنا مقصد اصلی اور بڑی مہم اس بات کو ٹھہرائے کہ نفس کو مہذب کرے اور
ایسی ہیئت سے مزین کرے جنکی وجہ سے وہ ملأ اعلیٰ سے مشابہ ہو جائے اور ایسی استعداد پیدا ہو جائے کہ

الغوص فی تلك الافعال بزينتها لاسيما بفكر جزئی كما هو
شأن الناقص ضد الكمال المطلوب كالذی يقصد تحصيل
الشجاعة باثارة الغضب فی المصارعة ونحو ذلك والفصاحة
بمعرفة اشعار العرب فی خطبهم والاخلاق لاتظهر الا عند
مزاحمات من بنی النوع والارتفاقات لاتقتنص الا بحاجات
طارئة والصنائع لاتتم الا بالات ومادة وهذه كلها منقضية
بانقضاء الحياة الدنيا فان مات الناقص فی تلك الحالة
وكان مع ذلك بقی عاريا عن الكمال وان لزق بنفسه صور هذه
العلاقات كان الضرر عليه اشد من النفع، وقسم انها
روحه هيئة اذعان البهيمية للملكية بان تتصرف حسب
وحيها وتنصبغ بصبغها وتمنع الملكية منها بان لا تقبل
الوانها الدنية ولا تنطبع فيها نقوشها الخسيسة كما تنطبع
نقوش الخاتم فی الشمعة ولا سبيل الى ذلك الا ان تقتضی
الملكية شيئا من ذاتها وتوحيه الى البهيمية وتقترحه
عليها فتنقاد لها ولا تبغی عليها ولا تمتنع منها ثم تقتضی
ايضا فتنقاد هذه ايضا ثم وثم حتى تعتاد ذلك وتتمرن و
هذه الاشياء التی تقتضيها هذه من ذاتها وتقسر عليها تلك
على رغم انفها انما يكون من جنس ما فيه انشراح لهذه و
انقباض لتلك وذلك كالتشبه بالملكوت والتطلع للجبروت
فان باخاصة الملكية بعيدة عنها البهيمية غاية البعد و
يترك ما تقتضيه البهيمية وتستلذه وتشتاق اليه فی غلوائها
وهذا القسم يسمى بالعبادات والرياضات وهی
شبكات تحصيل الفائت من الخلق المطلوب فآل تحقيق المقام
الى ان السعادة الحقيقية لاتقتنص الا بالعبادات ولذلك
كانت المصلحة الكلية تنادی افراد الانسان من كوة الصورة
النوعية وتامرها امرا مؤكدا ان تجعل صلاح الصفات
التی هی كمال ثان بقدر الضرورة وان تجعل غاية همتها
ومطمح بصرها تهذيب النفس وتحليتها بهيئات تجعلها
شبيهة بما فوقها من الملأ الاعلى مستعدة للنزول كوان

عالم جبروت و ملکوت کے اثرات میں پیدا ہو سکیں۔ قوت بہیمی ملکی کے زیر فرمان اور نہایت مطیع رہے اور وہ ملکی احکام کا مظہر بن جائے۔ افراد انسانی میں جب نوعی تندرستی ہوتی ہے اور ان کا مادہ احکام نوع کے پوری طرح ظاہر ہونے کے قابل ہوتا ہے تو وہ اس سعادت کے نہایت مشتاق ہوتے ہیں اور جسطرح لوہا مقناطیس کیطرف کھچتا ہے اسیطرح یہ سعادت کیطرف کھچتے ہیں یہ ایک جبلی فطری امر ہے جس پر خدا نے اپنی مخلوق کو پیدا کیا ہے اور اسی لیئے جب بنی آدم میں کوئی قوم معتدل مزاج ہوئی تو ان میں وہ عظماء بھی ضرور ہوئے جو ان اخلاق حمیدہ کے تکمیل کی کوشش کرتے ہیں اور اسکو اعلیٰ ترین سعادت سمجھتے ہیں۔ سلاطین اور حکماء انہی کیطرف دیکھتے ہیں کم درجہ کے لوگ انہی سے فیضیاب ہوتے ہیں ان کو تمام دنیا کی سعادت نصیب ہوتی ہے اور یہ لوگ ملائکہ کی جماعت میں داخل ہوتے ہیں انہی کی جماعت میں منسلک ہوتے ہیں حتیٰ کہ لوگ ان سے برکت حاصل کرتے ہیں اور ان کے ہاتھ پاؤں پر بوسہ دیتے ہیں کیا عرب و عجم باوجود اختلاف عادات و ادیان اور دوری بلدان و اوطان بغیر کسی مناسبت فطریہ کے شئی واحد پر متفق ہو سکتے ہیں اور بہ وحدت نوعی سب ایک سی حالت کا اقرار کر سکتے ہیں حالانکہ آپ ہر آدمی کی فطرت میں قوت ملکیہ کا موجود ہونا اور انکے افاضل اور عمدہ لوگوں کے مراتب بھی پہچان چکے ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں۔ واللہ اعلم ٭

الجبروت والملكوت عليها وان تجعل البهيمية منذ عنة للملكية مطيعة لها منصبة لظهور احكامها وافراد الانسان عند الصحة النوعية وتمكين المادة لظهور احكام النوع كاملة وافرة تشتاق الى هذه السعادة وتنجذب اليها انجذاب الحديد الى المغناطيس وذلك خلق خلق الله الناس عليه وفطرة فطرهم عليها ولهذا ما كانت في بني آدم امة من اهل المزاج المعتدل الا فيها قوم من عظمائهم يهتمون بتكميل هذا الخلق ويرونه السعادة القصوى ويراهم الملوك والحكماء فمن دونهم فائزين بما يجل عن سعادات الدنيا كلها ملتحقين بالملائكة منخرطين في سلكهم حتى صاروا يتبركون بهم ويقبلون ايديهم وارجلهم فهل يمكن ان يتفق عرب الناس وعجمهم على اختلاف عاداتهم واديانهم وتباعد مساكنهم وبلدانهم على شئ واحد وحدة نوعية الا لمناسبة فطرية كيف لا وقد عرفت ان الملكية موجودة في اصل فطرة الانسان وعرفت افاضل الناس واساطينهم من هم والله اعلم ٭

دوسرا باب (۳۰): لوگوں کا سعادت میں مختلف ہونے کا بیان

واضح ہو کہ شجاعت اور تمام اخلاق جسطرح افراد انسانی ان اوصاف میں مختلف ہیں یعنی بعض ایسے ہیں جنمیں وصف شجاعت بالکل مفقود ہے اور کسی ایسی مخالف حالت کی وجہ سے جو انکے نفس طبیعت میں ہوتی ہے شجاعت کے حاصل ہونیکی امید ہی نہیں ہوتی جیسے مخنث اور نہایت ضعیف القلب شجاعت سے محروم ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں کہ ان میں شجاعت بالفعل نہیں ہوتی لیکن شجاعت کے مناسب افعال اقوال اور مناسب ہیئتوں کی مشاقی کے بعد شجاع ہونیکی امید ہو سکتی ہے جبکہ شجاع لوگوں سے وہ ان افعال اقوال کو حاصل کرتے ہیں پیشوایان شجاعت کے واقعات یاد کرتے ہیں جو جنگیوں میں ثابت قدم رہے اور ہلاکی کے موقعوں پر اقدام کیا۔ اور بعض ایسے ہیں جن میں اصل ملکہ پیدا کیا گیا ہی اور ان سے ہمیشہ لغزشیں ہوتی رہتی ہیں پس اگر انکو اس سے رکنے کا حکم دیا جائے تو انکی زیست تنگ ہو جای اور ناگواری سے خاموش رہیں۔ اور اگر انکی پیدائشی حالت کے مناسب کوئی حکم دیا جائے تو انکی حالت گندھک کے مانند ہے جسکو آگ لگتے ہی جلنے ہیں

باب اختلاف الناس في السعادة

اعلم ان الشجاعة وسائر الاخلاق كما يختلف افراد الانسان فيها، فمنهم الفاقد الذي لا يرجى له حصولها ابدا لقيام هيئة مضادة في اصل جبلته كالمخنث وضعيف القلب جدا بالنسبة الى الشجاعة، ومنهم الفاقد الذي يرجى له ذلك بعد ممارسة افعال واقوال وهيئات تناسبها وتلقي ذلك من اهلها وتذكر احاديث ائمتها وما جرى عليهم من الحوادث في الايام فثبتوا في الشدائد واقدموا على المهالك، ومنهم الذي خلق فيه اصل الخلق ولا تزال تنبجس فيه فلتات كل حين فان امر بحبس نفسه عنها ضاق عليه الامر وسكت على غيظ وان امر بما يناسب جبلته كان كالكبريت يتصل به النار فلا

اور بعض ایسا ہے جس میں یہ ملکہ نہایت وافر اور کامل پیدا کیا گیا ہے وہ اپنے
مقتضیات طبع کیطرف خود بخود دوڑتا ہے اگر اسکو بزدلی کیطرف بزور بلائیں
تو وہ بالطبع اسکو قبول نہیں کرتا اور بغیر کسی رسم و رواج اور بغیر کسی دوسری کی خواہش
کے اسکو اس ملکہ کے کاموں اور ہیئتوں کا کرنا آسان ہوتا ہے ایسا آدمی اس ملکہ کا
امام ہوا کرتا ہے اسکو کسی پیشرو اور معلم کی ضرورت نہیں ہوتی اور جو لوگ اس ملکہ
میں اس سے کم درجہ کے ہوتے ہیں انکو اسکے طرز کا اختیار کرنا اسکے رسوم کا اختیار کرنا
اور بہ تکلف اسکی روش اختیار کرنا اور اسکے واقعات یاد کرنا ضروری ہے تاکہ ان کو
وہ کمال جو ان کے حق میں مقدر اور ممکن ہے حاصل ہو جائے ۔ اسیطرح لوگ اس
حالت پر مختلف ہیں جسپر انکی سعادت کا مدار ہے پس بعض ایسے ہیں جنمیں سعادت کی صلاحیت
ہی نہیں جیسے وہ لڑکا جسکو خضرؑ نے مار ڈالا تھا بالطبع کافر تھا اسیطرف اللہ تعالیٰ کے
اس قول میں اشارہ ہے "(بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں سو یہ اب رجوع نہ ہونگے)"
اور بعض ایسے ہیں جو فاقد السعادت تو ہیں لیکن انہیں اصلاح کی امید ہے جبکہ وہ سخت
سخت ریاضتیں کریں اعمال پر مداومت کریں نفس ان اعمال سے متاثر ہوتا رہے
ایسے لوگ انبیاء علیہم السلام کی جوش دہندہ دعوت اور انکے طریقوں کے محتاج
ہوتے ہیں اس قسم کے لوگ بکثرت پائے جاتے ہیں ۔ بعثت انبیاء کیلئے اولاً و بالذات
یہی لوگ مقصود ہیں ۔ اور بعض ایسے ہیں جنمیں اخلاق اجمالاً رکھے گئے ہیں اور ان سے
لغزشیں بھی ہوتی ہیں لیکن وہ تفصیلی امور میں اور اس خلق کو مناسب ہیئتوں کے
درست کرنے میں بسا اوقات رہبر کے محتاج ہوتے ہیں اس آیت میں اسی مرتبہ کیطرف
اشارہ ہے "(قریب ہے کہ اسکا تیل روشن ہو جائے اگرچہ اسکو آگ بھی نہ لگے) ان لوگوں کو
سباق کہتے ہیں ۔ لوگوں میں ایک طبقہ انبیاء کا ہے جنکو یہ سعادت کامل نصیب ہوتی
ہے اسکے مناسب ہیئتوں کے اختیار کرنے، غیر حاصل کمال کے حاصل کرنے، موجود کو
باقی رکھنے اور ناقص کی تکمیل کرنے میں ان کو رہبر کی حاجت ہوتی ہے اور نہ کسی کے کہنے
کی ضرورت ۔ اور وہ طریقہ جسپر وہ اپنے فطری مقتضٰی سے عمل کرتے ہیں لوگوں کی ہدایت کے
لئے قانون اور سنن بن جاتا ہے جسکو لوگ یاد رکھتے ہیں اور اپنا دستور العمل کر لیتے ہیں
اور جبکہ آہنگری اور نجاری وغیرہ عام لوگوں کو بغیر اپنے بزرگوں کے منقول شدہ طریقوں کی پیروی کے
حاصل نہیں ہوتی تو ان اعلیٰ مقاصد کی نسبت تم کیا خیال کر سکتے ہو جو سوائے اہل توفیق
کے کسی اور کو نصیب نہیں ہوتے ۔ اس مقام سے یہ بات بخوبی معلوم ہوگئی کہ انبیاء کیطرف
متوجہ ہونے کی شدید ضرورت ہے ان کا اتباع واجب ہے اور ان کی احادیث سے
شغل رکھنا نہایت ضروری امر ہے ۔ واللہ اعلم ✤

يتراخى اخلاقه، ومنهم الذى خلق فيه الخلق كاملا وافرا
ويندفع الى مقتضياته ضرورة وان دعى الى الجبن مثلا
اشد دعوة لم يقبل ويتيسر له الخروج الى فعال هذا
الخلق والهيئات المناسبة له بالطبع من غير رسم ولا
دعوة وهذا هو الامام فى هذا الخلق لا يحتاج الى امام اصلا
ويجب على الذين هم دونه فى الخلق ان يتمسكوا بسنته و
يعضوا بنواجذهم على رسومه ويتكلفوا فى محاكاة هيأته
ويتذكروا وقائعه ليتخرجوا الى الكمال المتوقع لهم من الخلق
بحسب ما قدر لهم فكذلك يختلفون فى هذا الخلق الذى
عليه مدار سعادتهم فمنهم الفاقد الذى لا يرجى صلاحه
كالذى قتله الخضر طبع كافرا واليه الاشارة فى قوله تعالى
صم بكم عمى فهم لا يرجعون ومنهم الفاقد الذى يرجى له ذلك
بعد رياضات شاقة واعمال دئبة يؤاخذ بها نفسه فيحتاج
الى دعوة حثيثة من الانبياء وسنن ماثورة منهم وهؤلاء
اكثر الناس وجودا وهم المقصودون فى البعثة اولا وبالذات
ومنهم الذى ركب فيه الخلق اجمالا وينبجس منه فلتاته
الا انه يحتاج فى التفصيل وتمهيد الهيئات على ما يناسب الخلق
فى كثير مما ينبغى الى امام وفيه قوله تعالى يكاد زيتها يضئ
ولو لم تمسسه نار، وهم السباق، ومنهم الانبياء يتاتى لهم
الخروج الى كمال هذا الخلق واختيار هيئات مناسبة له و
كيفية تحصيل الفائت منه وابقاء الحاضر واتمام الناقص
من غير امام ولا دعوة فينتظر من جريانهم فى مقتضى
جبلتهم سنن يتذكرها الناس ويتخذونها دستورا كيف و
لما كانت الحدادة والنجارة وامثالهما لا تتاتى من جمهور
الناس الا بسنن ماثورة عن اسلافهم فما ظنك بهذه المطالب
الشريفة التى لا يهتدى اليها الا الموفقون، ومن هذا
الباب ينبغى ان يعلم شدة الحاجة الى الانبياء ووجوب
اتباع سنتهم والاشتغال باحاديثهم والله اعلم ✤

تیسرا باب (۳۱): اس سعادت کے حاصل کرنے کی کیفیت میں لوگوں کے مختلف طور طریقے

واضح ہو کہ یہ سعادت دو طریقہ سے حاصل ہوتی ہے ایک وہ طریقہ ہے جس میں قوت بہیمیہ سے گویا بالکل الگ ہو جاتا ہے اور یہ اسطرح سے ہوتا ہے کہ ایسے ذرائع اختیار کئے جائیں جن سے طبیعت کے احکام رک جائیں اس کی تیزی ختم ہو جائے اسکے علوم اور حالات کا شعلہ بجھ جائے اور ہمہ تن عالم جبروت کیطرف متوجہ ہو جائے۔ نفس ان علوم کو قبول کرنے لگے جو مکان اور زمان سے بالکل بری ہیں اور ان لذتوں کی خواہش اس میں پیدا ہو جائے جو مالوف لذتوں سے بالکل علیحدہ ہیں یہاں تک کے لوگوں سے ملنا جلنا ترک کر دے ان کی مرغوب چیزوں میں رغبت نہ کرے انکے خوف کرنیکی چیزوں سے بیخوف ہو جائے اور تمام لوگوں سے دور علیحدگی اختیار کر لے یہ وہ سعادت ہے جس کی حکماء اشراقین اور صوفیہ میں مجاذیب طالب رہتے ہیں۔ پس ان میں سے بعض اپنے مقصود کو پہنچ جاتے ہیں اور وہ بہت ہی کم ہیں۔ اور باقی لوگ ہمیشہ اسکے مشتاق اور اسکی طرف آنکھیں لگائے رکھتے ہیں اور بہ تکلف اسکی ہیئات کی نقل کرتے ہیں۔ اور دوسرا طریقہ وہ ہے جس میں بہیمیت کی اصلاح ہو جایا کرتی ہے، اسکی کجی دور کر دیجاتی ہے لیکن اسکی اصل حالت باقی رہتی ہے۔ یہ اسطرح پر ہوتا ہے کہ اس بات کی کوشش کیجائے کہ نفس ناطقہ کے افعال، ہیئتیں اور اذکار وغیرہ کی قوت بہیمی ایسی ہی نقل کرتی رہے جیسے گونگا آدمی لوگوں کے اقوال کو اپنے اشاروں سے نقل کرتا ہے، اور کوئی مصور نفسانی حالات، خوف اور شرمندگی وغیرہ کی ایسی صورتوں سے نقل کرتا ہے جو ان حالات کے ساتھ ساتھ نظر آیا کرتی ہیں۔ اور جس عورت کا بچہ مر جاتا ہے وہ اسکا غم ایسے کلموں اور دردمندی سے ظاہر کرتی ہے کہ اسکو جو سنتا ہے اسپر غم طاری ہو جاتا ہے اور غم کی صورت اسکے سامنے کھڑی ہو جاتی ہے۔ اور جبکہ تدبیر الٰہی کی بنیاد اس بات پر ٹھہری کہ عالم کی تدابیر میں اقرب سے اقرب اور اسہل سے اسہل کو اختیار کیا جائے اور جملہ افراد کے امور کی اصلاح پر نظر کیجائے نہ یہ کہ شاذ و نادر کی طرف توجہ کیجائے۔ اور مصالح دارین کے قائم کرنے میں انتظام ملحوظ رہے تو لطف الٰہی اور رحمت خدا کا یہ تقاضہ ہوا کہ اولاً و بالذات طریقہ ثانیہ کے قائم کرنے، اسکی طرف دعوت اور آمادہ کرنے کے لئے رسولوں کو دنیا میں بھیجے اور پہلے طریقہ کیطرف صرف ضروری اشارات اور ضمنی اظہارات سے رہبری کرے،

وللہ الحجۃ اللہ البالغہ ☙ ☙ ☙ ☙

باب توزع الناس في كيفية تحصيل هذه السعادة

اعلم ان هذه السعادة تحصل بوجهين احدهما ما هو كالانسلاخ عن الطبيعة البهيمية وذلك ان تتسلط بالحيل الحالية لركود احكام الطبيعة وخمود سورتها وانطفاء لهب علومها وحالاتها ويقبل على التوجه التام الى ما وراء الجهات من الجبروت وقبول النفس لعلوم منفكة عن الزمان والمكان بالكلية ولذات مباينة للذات المالوفة من كل وجه حتى يصير اجنبيا عن الناس ولا يرغب فيما يرغبون ولا يرهب مما يرهبون ويكون منهم على طرف شاسع وصقع بعيد وهذا هو الذي يرومه المتالهون من الحكماء والمجذوبون من الصوفية فوصل بعضهم غاية مداها وقليل ما هم وبقي آخرون مشتاقين لها طامحة ابصارهم اليها متكلفين لمحاكاة هيئاتها، وثانيهما ما هو كالاصلاح للبهيمية والاقامة لعوجها مع تحقق اصلها وذلك ان يسعى في محاكاة البهيمية ما عند النفس النطقية بافعال وهيئات واذكار ونحوها تمثل ما يحاكي الاخرس اقوال الناس باشاراته والمصور احوال النفسانية من الوجل والخجل بهيئات مبصرة يجدها متعانقة متشابكة مع تلك الاحوال والثكلى تفجعها بكلمات وترجيعات لا يسمعها احد الا حزن وتمثل عنده صورة التفجع ولما كان مبنى التدبير الالهي في العالم على اختيار الاقرب فالاقرب والاسهل فالاسهل والنظر الى صلاح ما يجري مجرى جملة افراد النوع دون الشاذة والفاذة واقامة مصالح الدارين من غير ان ينخرم نظام شيء منهما اقتضى لطف الله ورحمته ان يبعث الرسل اولا وبالذات لاقامة الطريقة الثانية والدعوة اليها والحث عليها وينبه على الاولى باشارات التزامية وتلويحات تضمنية لا غير والله الحجة البالغة،

اس کی تفصیل یہ ہے کہ پہلا طریقہ ان لوگوں سے بن پڑتا ہے جن میں لاہوتی کشش زیادہ ہو اور ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں اس طریقہ کیلئے سخت ریاضتوں کی نہایت درجہ فراغ خاطر کی ضرورت ہے۔ اور ایسی مشقتیں جھیلنے والے بہت ہی کم ہیں۔ اس طریقہ کے پیشوا وہ لوگ ہیں جنہوں نے امور معاش کو ترک کر دیا اور دنیا میں انکو دعوت دین کا منصب حاصل نہیں ہے۔ اور نیز اس طریقہ کی تکمیل بغیر اسکے نہیں ہوتی کہ دوسرے طریقہ کا معقول حصہ بھی پیش نظر رکھا جائے اور نیز اس طریقہ سے ایک نہ ایک سعادت سے محرومی ہوگی یا دنیوی تدابیر کی اصلاح نہ ہوگی یا آخرت کیلئے نفس کی اصلاح نہ ہوگی۔ اگر سب لوگ اسی طریقہ کو اختیار کرلیں تو دنیا ویران ہو جائیگی اور اگر لوگوں کو اسکا حکم دیا جائے تو گویا تکلیف بالمحال ہوگی کیونکہ تدابیر نافعہ ایک فطری شی ہو گئے ہیں اور دوسرے طریقہ کے مقتدا ذوفہم اور صاحب اصلاح لوگ ہوتے ہیں دین و دنیا کی ریاست انکو حاصل ہوتی ہے انہی کی دعوت مقبول اور انہی کا طریقہ قابل اتباع ہے اور انکے طریقہ میں صالحین سابقین اور اصحاب الیمین کے کمالات منحصر ہیں اور دنیا میں یہی لوگ بکثرت ہیں اور اس طریقہ پر ذکی غبی مشغول اور فارغ البال سب چل سکتے ہیں اور اسمیں کچھ تنگی بھی نہیں اور ہر بندہ کیلئے یہ طریقہ اسکے نفس کی اصلاح، آراستگی اور ان تکالیف سے بچنے کیلئے جنکا آخرت میں اندیشہ ہے کافی ہی ہے۔ اسلئے کہ ہر شخص کیلئے ملکی افعال مقرر ہیں جنکے ہونے سے اسکو آخرت میں آرام ملیگا اور انکے نہ ہونے سے اسکو تکلیف ہوگی۔ اب رہے احکام تجرد تو وہ اسکو عالم قبر اور حشر میں حاصل ہو جائیں گے گو وہ انکی جبلت سے بالفعل واقف نہیں اگرچہ وہ ایک زمانہ کے بعد ہونگے (شعر) ترجمہ: زمانہ عنقریب وہ حالات ظاہر کر دیگا جنکی تجھکو خبر بھی نہ تھی اور تیرے پاس خبروں کو وہ شخص لائیگا جسکے لئے تو نے توشہ تیار نہ کیا تھا۔ اور حاصل کلام یہ ہے کہ خیر و سعادت کے تمام طریقوں کا پورے طور پر احاطہ کرنا اکثر لوگوں کے لئے محال سا ہے اور جہل بسیط سے کچھ نقصان بھی نہیں۔ واللہ اعلم ❖

تفصیل ذلك ان الاولى انما تتاتى من قوم ذوى تجاذب وقابليات وهم وبريا ضات شاقة وتفرغ قوى وقليل من يتحملها وانما ائمتها قوم اهملوا معاشهم ولا دعوة لهم في الدنيا ولاتتم الا بتقديم جملة صالحة من الثانية ولا يخلو من اهمال احدى السعادتين اصلاح الارتفاقات في الدنيا واصلاح النفس للاخرة فلو اخذ بها اكثر الناس خربت الدنيا ولو كلفوا بها كان كالتكليف بالمحال لان الارتفاقات صارت كالجبلة، والثانية انما ائمتها المفهمون وذووا صلاح وهم القائمون برياسة الدين والدنيا معا ودعوتهم هى المقبولة وسنتهم هى المتبعة وينحصر فيها كمال المصطلحين من السابقين اصحاب اليمين وهم اكثر الناس وجودا ويتمكن منها الذكى والغبى والمشتغل والفارغ ولا حرج فيها وتكفى العبد فى استقامة نفسه ودفع اعوجاجها ودفع الآلام المتوقعة فى المعاد عنها اذ لكل نفس افعال ملكية تتنعم بوجودها وتتالم بفقدها اما احكام التجرد فسيلقى اليها نشاة القبر والحشر من حيث لا يدرى بجبلتها ولو بعد حين (شعر)

ستبدى لك الايام ما كنت جاهلا
ويأتيك بالاخبار من لم تزود

وبالجملة فالاحاطة واستقصاء وجوه الخير كالمحال فى حق الاكثرين والجهل البسيط غير ضار والله اعلم

چوتھا باب (۳۲): ان اصول کا بیان جو طریقہ ثانیہ کی تحصیل کا مرجع ہیں

واضح ہو کہ دوسری قسم کی سعادت حاصل کرنیکے بیشمار طریقے ہیں لیکن خدا نے اپنے فضل سے مجھ کو سمجھایا ہے کہ ان کی انتہا چار خصلتوں پر ہوتی ہے ❖

باب الاصول التى يرجع اليها تحصيل الطريقة الثانية

اعلم ان طرق تحصيل السعادة على الوجه الثانى كثيرة جدا غير انى فهمنى الله تعالى بفضله ارجعهم

جن کو قوت بہیمیہ قبول کر لیتی ہے جبکہ نفس ناطقہ کا قوت بہیمیہ پر غلبہ ان ہوتا ہے اور
نفس ناطقہ اسکو اپنی مناسب حالتوں پر مجبور کرتا ہے۔ انسان کی تمام حالات میں سے
ان اوصاف کو ملا اعلیٰ سے زیادہ ہمرنگی ہے انہی اوصاف کی وجہ سے انسان ملا اعلیٰ
میں ملنے اور انکی جماعت میں داخل ہونے کے قابل ہو جاتا ہے۔ خدا نے ہمکو سمجھایا ہے
کہ انبیاء انہی باتوں کی تعلیم اور ترغیب کے لیے بھیجے گئے تھے اور تمام شریعتیں انہی کی
تفصیل اور انہی کی طرف رجوع کرتی ہیں۔ انہیں سے ایک وصف طہارت ہے
اسکی حقیقت یہ ہے کہ جب آدمی کی فطرت سلیم ہوتی ہے اسکا مزاج صحیح ہوتا ہے اسکا
دل تمام سفلی مشاغل سے جو تدبیر کے مانع ہوتے ہیں خالی ہوتا ہے تو ایسی حالت
میں جب اسکو پلید چیزوں سے آلودگی ہو جاتی ہے اور اسکو بول و براز کی ضرورت ہوتی
ہے اور ان سے فارغ نہیں ہوتا اور وہ مجامعت اور اسکی دواعی کو ابھی ابھی کر چکا ہوتا
ہے تو اسکا دل منقبض ہوتا ہے اسپر تنگی اور غم طاری ہوتا ہے اور اپنے آپکو نہایت گھٹن
میں پاتا ہے پھر جب دونوں قسم کی نجاستیں دور ہو جاتی ہیں اور اپنے بدن کو ملتا ہے
اور غسل کرتا ہے اور اچھے کپڑے پہن کر خوشبو لگاتا ہے تو اسکا انقباض دور ہو جاتا ہے
اور اسکی جگہ دل میں کشادگی، سرور اور انبساط پاتا ہے یہ لوگوں کے دکھلانے کیلئے یا انکی
رسموں کی پابندی کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ محض نفس ناطقہ کے حکم کی وجہ سے ہوتا ہے۔ پس پہلی
حالت کو حدث اور دوسری حالت کو طہارت کہتے ہیں اور جو شخص ذکی ہے اس سے
احکام نوع کی سلامتی ظاہر ہوتی ہے اور اسکا مادہ صورت نوعیہ کے احکام بجا لانے پر
قادر ہے تو وہ دونوں حالتوں میں تمیز کریگا ایک کو پسند کریگا اور دوسرے کو ناپسند
اور غبی آدمی جب اسکی قوت بہیمیہ ذرا کمزور ہوتی ہے یکسوئی اور طہارت کو اختیار
کرتا ہے، انکے پہچاننے کیلئے فرصت پاتا ہے تو وہ بھی ضرور ان دونوں کو پہچانتا ہے اور
ایک کو دوسرے سے تمیز کر لیتا ہے۔ اور منافیات جسمانیہ میں سے طہارت کو انہی
آلودگیوں سے علیحدہ ہونے میں اور اپنی نورانی کیفیت سے خوش ہونے میں ملا اعلیٰ
سے نہایت مشابہت ہے۔ اور اسی وجہ سے یہ طہارت قوت عملی کے اعتبار سے
کمالات حاصل کرنے میں نفس کو خوب مدد دیتی ہے۔ اور حدث جب
انسان میں جم جاتا ہے اور ہر طرف سے احاطہ کر لیتا ہے تو آدمی میں
شیطانی وسواس قبول کرنے کی، شیاطین کو حس مشترک کے
سامنے دیکھنے کی، پریشان خوابوں کے دیکھنے کی، نفس ناطقہ کے قرب
میں تاریکی کے غلبہ کی اور ملعون و کمینہ حیوانات کی صورتیں نظر آنے
کی قابلیت پیدا کرتا ہے ٭٭٭٭٭٭٭٭٭

التى خصال اربع تتلبس بها البهيمية متى غلطتها النفس
النطقية وقسرتها على ما يناسبها وهى اشبه حالات
الانسان بصبغة الملاء الاعلى معدة للحوق بهم والانخراط
فى سلكهم وفهمنى انه انما بعث الانبياء للدعوة اليها
والحث عليها وان الشرائع تفصيل لها وراجعة اليها
احدها الطهارة وحقيقتها ان الانسان عند سلامة
فطرته وصحة مزاجه وتفرغ قلبه من الاحوال السفلية
الشاغلة له عن التدبير اذا تلطخ بالنجاسات وكان حاقبا
حاقنا قريب العهد من الجماع ودواعيه انقبضت نفسه
واصابه ضيق وحزن ووجد نفسه فى غاشية عظيمة
ثم اذا تخفف عن الاخبثين ودلك بدنه واغتسل و
لبس احسن ثيابه وتطيب اندفع عنه ذلك الانقباض
ووجد مكانه انشراحا وسرورا وانبساطا كل ذلك لا
لمراءاة الناس والحفظ على رسومه بل لحكم النفس
النطقية فقط، فالحالة الاولى تسمى حدثا، والثانية
طهارة، والذكى من الناس والذى يرى منه سلامة
احكام النوع وتمكين المادة لاحكام الصورة النوعية
يعرف الحالتين متميزة كل واحدة من الاخرى يحب
احداهما ويبغض الاخرى لطبيعته، والغبى منهم اذا
اضعف شيئا من البهيمية ولج بالطهارات والتبتل و
تفرغ لمعرفتها لابد يعرفهما ويميز كل واحدة من
الاخرى والطهارة اشبه الصفات النسمية بحالات
الملا الاعلى فى تجردها عن الالواث البهيمية وابتهاجها
بما عندها من النور ولذلك كانت معدة لتلبس النفس
بكمالها بحسب القوة العملية والحدث اذا تمكن من
الانسان واحاطه من بين يديه ومن خلفه اورث
له استعداد القبول وساوس الشياطين ورؤيتهم
بحاسة الحس المشترك وللمنامات موحشة ولظهور
الظلمة عليه فيما يلى النفس النطقية وتمثل الحيوانات

الملعونة اللئيمة واذا تمكنت الطهارة منه واحاطت به وتنبه لها وركن اليها اورثت استعداد القبول الهامات الملائكة ورؤيتها والمنامات صالحة ولظهور الانوار وتمثل الطيبات والاشياء المباركة المعظمة۔ الثانية الاخبات لله تعالیٰ وحقيقته ان الانسان عند سلامته وتفرغه اذا ذكر بآيات الله تعالیٰ وصفاته وامعن فی التذكر تنبهت النفس النطقية وخضعت الحواس والجسد لها وصارت كالحائرة الكليلة وجد ميلا الى جانب القدس وكان كمثل الحالة التی تعتری السوقة بحضرة الملوك وملاحظة عجز انفسهم واستبداد اولئك بالمنع والعطاء وهذه الحالة اقرب الحالات النسمية واشبهها بحال الملأ الاعلیٰ فی توجهها الى بارئها وهيمانها فی جلاله واستغراقها فی تقديسه ولذلك كانت معدة لخروج النفس الى كمالها العلمی اعنی انتقاش المعرفة الالهية فی لوح ذهنها واللحوق بتلك الحضرة بوجه من الوجوه وان كانت العبارة تقصر عنه والثالثة السماحة وحقيقتها كون النفس بحيث لا تنقاد لدواعی القوة البهيمية ولا يتشبح فيها نقوشها ولا يلحق بها وضر لوثها وذلك لان النفس اذا تصرفت فی امر معاشها وتاقت للنساء وعافت اللذات او قرمت لطعام فاجتهدت فی تحصيل حتى استوفت منها حاجتها، وكذلك اذا غضبت او شهت بشئ فانها لابد فی تلك الحالة تستغرق ساعة فی هذه الكيفية لا ترفع الى ما وراءها النظر البتة ثم اذا انجلت تلك الحالة فان كانت سمحة خرجت من تلك المضايق كان لم تكن فيها قط وان كانت غير ذلك انها تشتبك معها تلك الكيفيات وتتشبح كما تتشبح نقوش الخاتم فی الشمعة فاذا فارقت الجسد وتخففت عن العلائق الظلمانية المتراكمة ورجعت الى ما عندها

اور جب طہارت آدمی میں جگہ پکڑ لیتی ہے اور اسکا احاطہ کر لیتی ہے اور آدمی اسکا خیال رکھتا ہے اور اسکی طرف میلان کرتا ہے تو اس سے فرشتوں کے الہامات قبول کرنے کی، انکو دیکھنے کی، عمدہ عمدہ خوابوں کی، انوار ظاہر ہونے کی، اچھی چیزوں کے عمدہ شکل میں نظر آنے کی، اور بڑی مبارک اور معظم چیزیں دکھائی دینے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ دوسری صفت خدا کے حضور میں عاجزی کرنا ہے۔ اسکی حقیقت یہ ہے کہ جب انسان کو خدا کی آیات اور صفات کے ذریعہ سمجھایا جاتا ہے تو نفس ناطقہ متنبہ ہو جاتا ہے اور حواس و بدن اسکے سامنے عاجزی کرتے ہیں اور وہ حیرت زدہ سا ہو جاتا ہے اور عالم قدس کی جانب اپنا میلان پاتا ہے اور اسکو ایک ایسی حالت پیش آتی ہے جو بازاری لوگوں کو بادشاہوں کے دربار میں اپنی عاجزی، ان کی عظمت اور بخشش دیکھ کر پیش آتی ہے۔ انسان کی حالتوں میں سے یہ حالت خدا کی طرف رجوع ہونے میں، اسکے جلال اور تقدس میں سراپا حیرت اور مستغرق ہونے میں ملاء اعلیٰ کے ساتھ بہت زیادہ مشابہ ہے۔ اسی لئے علمی کمال حاصل کرنے میں یعنی ذہن میں معرفت خداوندی منقش ہو جانے میں، اور اس کی بارگاہ میں اسطرح سے جاملنے میں جس کو بیان نہیں کر سکتے" یہ حالت انسان کی خوب مدد کرتی ہے تیسری صفت سماحت یعنی جوانمردی اور سخاوت ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ نفس ایسا ہو جائے کہ قوت بہیمی کی خواہشوں کی اطاعت نہ کرے، اس کے نقش اس میں نہ جم سکیں اور اس کی آلائش اس میں نہ اثر کرے، یہ کیفیت اسوقت پیدا ہوتی ہے جب نفس امور معاش میں مصروف ہوتا ہے، عورتوں کی اس میں خواہش ہوتی ہے، لذات کا عادی اور اچھے کھانوں کا شوق ہوتا ہے۔ اور ان کے حاصل کرنے میں اتنی کوشش کرتا ہے کہ اچھی طرح حاجت روائی کر لیتا ہے اور اسی طرح جب غصہ ہوتا ہے یا کسی چیز کا لالچ کرتا ہے تو اس حالت میں کسیقدر مستغرق رہتا ہے اور دوسری چیز کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ پھر جب یہ حالت زائل ہو جاتی ہے، پس اگر وہ جوانمرد ہے تو اس حالت سے ایسا الگ ہو جاتا ہے گویا اس میں کبھی تھا ہی نہیں۔ اور اگر اس میں قوت سماحت نہیں ہے تو وہ کیفیتیں اس میں اپنا جال پھیلا دیتی ہیں اور اس طرح جم جاتی ہیں جس طرح مہر کے نقش موم میں جم جاتے ہیں۔ اور وہ کشادہ دل اور صاحب سماحت جب اپنے بدن سے جدا ہوگا اور تمام تاریک اور مجتمع تعلقات سے اسکو سبکدوشی ہوگی اور اپنی اصل حالت کی طرف رجوع کرے گا ؏

تو وہاں دنیا کی ان کیفیات میں سے جو ملکی قوت کی مخالف تھیں کچھ بھی نہ پائیگا اسی واسطے اسکو وہاں انس اور فراخ عیش حاصل ہوگا ٭

اور حریص طمع شخص میں ان تعلقات کے نقوش جمع رہتے ہیں اسکی مثال ایسی سمجھ لو جیسے کسیکا کوئی نفیس مال چوری ہو جائے پس اگر وہ سخی ہے تو کچھ پروا نہیں کرتا اور اگر وہ تنگدل ہے تو دیوانہ سا ہو جاتا ہے اور اس مال کی صورت اسکی آنکھوں میں پھرتی رہتی ہے اور سماحت اور اسکی مخالف کیفیت کے ان چیزوں کے لحاظ سے جن میں وہ ہوا کرتی ہیں بہت سے لقب ہیں۔ اگر وہ مال میں ہوں تو سخاوت اور بخل کہتے ہیں۔ اگر شرمگاہ اور شکم کی خواہشوں میں ہوں تو اسکو پارسائی اور حرص کہتے ہیں۔ اور اگر آرام اور مشقتوں سے دور رہنے کی بابت ہو تو اسکو صبر اور ناصبری کہتے ہیں۔ اور اگر ان معاصی کے بارہ میں ہے جنکو شرع نے ممنوع قرار دیا ہے تو اسکو تقوٰی اور بدکاری کہتے ہیں۔ اور جب انسان میں یہ سماحت خوب گھر کر لیتی ہے تو اسکا نفس دنیوی خواہشوں سے الگ ہو جاتا ہے اور اس میں بلند ترین لذات مجردہ حاصل کرنے کی استعداد ہو جاتی ہے۔ اور سماحت ایک حالت ہے جو کمال مطلوب علمی یا عملی کی مخالف باتوں سے انسان کو روکتی ہے۔

چوتھی صفت عدالت ہے اور وہ ایسا نفسانی ملکہ ہے جس کے افعال کی وجہ سے شہر اور قوم کا انتظام بہ سہولت قائم ہو جاتا ہے اور نفس ان افعال پر گویا مجبول ہو جاتا ہے۔ اس راز یہ ہے کہ ملائکہ میں اور ان نفوس میں جو تعلقات جسمانی سے دور ہیں ارادۂ خداوندی منقش ہو جاتا ہے جسکو اللہ تعالیٰ انتظام عالم اور اسکی پیدائش وغیرہ امور کی نسبت چاہتا ہے۔ پس ملائکہ اور نفوس بھی انہی باتوں کو پسند کرتے ہیں جو اس انتظام کے مناسب ہیں۔ پس یہ طبیعت روح مجردہ کی ہے۔ جب نفس جسم سے جدا ہو جاتا ہے اور اس میں اس صفت کا اثر باقی رہتا ہے تو اسکو نہایت درجہ خوشی ہوتی ہے اور وہ اس لذت کیطرف راہ پا لیتا ہے جو خسیس لذتوں سے جدا ہے۔ اور اگر بدن سے جدا ہوتے وقت اس صفت کی ضد اس میں ہے تو اس کی حالت نہایت تنگ ہوتی ہے وہ متوحش اور ملول ہوتی ہے۔ پس خدا تعالیٰ جب نبی کو دین قائم کرنے کیلئے اور لوگوں کو تاریکی سے نور کیطرف لانے کیلئے مبعوث فرماتا ہے تاکہ تمام لوگ متصف بہ عدالت ہو جائیں۔ تو جو شخص اس نور کے پھیلانیمیں کوشش کرتا ہے اور لوگونمیں اسکی اشاعت کرتا ہے وہ قابلِ رحمت ہو جاتا ہے اور جو اسکے رد کرنیمیں اسکے معدوم کرنیمیں کوشش کرتا ہے وہ قابلِ ملامت و سنگساری ہو جاتا ہے ۴

لم تجد شيئا مما كان في الدنيا من منافيات الملكية فحصل لها الانس وصارت في ارغد عيش ٭

والشحيحة تتمثل نقوشها عندها كما ترى بعض الناس يسرق منه مال نفيس فان كان سخيا لم يجد له بالا وان كان ركيك النفس صار كالمجنون في تمثلت عنده والسماحة وضدها لهما القاب كثيرة بحسب ما يكونان فيه فما كان منهما في المال يسمى سخاوة وشحا وما كان في داعية شهوة الفرج او البطن يسمى عفة وشرة وما كان في داعية الرفاهية والنبو عن المشاق يسمى صبرا وهلعا وما كان في داعية المعاصي الممنوعة عنها في الشرع يسمى تقوى وفجورا واذا تمكنت السماحة من الانسان بقيت نفسه عرية عن شهوات الدنيا واستعدت للذات العلية المجردة والسماحة هيئة تمنع الانسان من ان يتمكن منه ضد الكمال المطلوب علما وعملا۔ الرابعة العدالة وهي ملكة في النفس تصدر عنها الافعال التي يقام بها نظام المدينة والحي بسهولة وتكون النفس كالمجبول على تلك الافاعيل والسر في ذلك ان الملائكة والنفوس المجردة عن العلائق الجسمانية ينطبع فيها ما اراد الله في خلق العالم من اصلاح النظام ونحوه فتنقلب مرضياتها الى ما يناسب ذلك النظام فهذه طبيعة الروح المجردة فان فارقت جسدها وفيها شئ من هذه الصفة ابتهجت كل الابتهاج ووجدت سبيلا الى اللذة المفارقة عن اللذات الخسيسة وان فارقت وفيها ضد هذه الخصلة ضاق عليها الحال وتوحشت وتألمت فاذا بعث الله تعالى نبيا لاقامة الدين ليخرج الناس من الظلمات الى النور ويقوم الناس بالعدل فمن سعى في اشاعة هذا النور ووطأ له في الناس كان مرحوما ومن سعى لردها واخمالها كان ماعوزا مرجوما

پس جب انسان میں صفتِ عدالت متمکن ہوجاتی ہے تو اس میں اور حاملین عرش
ومقربین بارگاہ فرشتوں میں جو جودِ الٰہی اور برکات کے لئے ذریعہ ہیں، اشتراک پیدا
ہوجاتا ہے اور اسمیں اور ان فرشتوں میں فیضان کا دروازہ کھل جاتا ہے اور یہ
صفت اس پر ان کے رنگ اور اثر نازل کرنے میں مددگار بن جاتی ہے اس طرح
پر کہ نفس میں الہامِ ملائکہ سے مستفیض ہونے کی صلاحیت ہوجاتی ہے اور وہ آگے
علوم کیلئے آمادہ رہتا ہے۔ پس اگر ان چاروں اوصاف اور خصائل کی تو حقیقت
معلوم کرلیگا اور اس کیفیت کو سمجھ لیگا جس سے کمالاتِ علمی وعملی حاصل ہوتے
ہیں اور یہ اوصاف کیونکر آدمی کو فرشتوں میں منسلک کردیتے ہیں اور یہ بھی بخوبی سمجھ
لیگا کہ ان اوصاف سے ہر زمانہ کے موافق شرائع الٰہیہ کا کیونکر استخراج ہوتا ہے تو تجھ کو
بڑی خیر اور بھلائی عطا ہوگی اور تو دین کا فقیہ بنجائیگا۔ ان لوگوں میں سے تیرا شمار ہوگا جنکی
بہتری خدا کو منظور ہے۔ ان چاروں اوصاف سے جو حالت مرکب ہوتی ہے
اسکو فطرت کہتے ہیں۔ فطرت حاصل کرنے کے چند اسباب ہیں۔ بعض انمیں سے علمی ہیں
اور بعض عملی۔ اور بعض حجابات ایسے ہیں جو انسان کو مقاصدِ فطری سے روکتے
ہیں اور ان حجابات کے زائل کرنے کیواسطے حیلے بھی ہیں ہم چاہتے ہیں کہ تمکو ان سب امور
پر مطلع کردیں اسلئے بتوفیقِ الٰہی جو ہم کہیں غور سے سنو۔ واللّٰہ اعلم ❖

واذا تمکنت العدالة من الانسان وقع اشتراك بینه و
بین حملة العرش ومقربی الحضرة من الملائکة
الذین هم وسائط نزول الجود والبرکات وکان ذلك
بابا مفتوحا بینه وبینهم ومعدا لنزول الوانهم و
صبغهم بمنزلة تمکین النفس من الهام الملائکة و
الانبعاث حسبها فهذه الخصال الاربع ان تحققت
حقیقتها وفهمت کیفیة اقتضائها للکمال العلمی و
العملی واعدادها للانسلاك فی سلك الملائکة و
فطنت کیفیة انشعاب الشرائع الالهیة بحسب کل
عصر منها اوتیت الخیر الکثیر وکنت فقیها فی الدین
ممن اراد الله به خیرا والحالة المرکبة منها تسمی
بالفطرة وللفطرة اسباب تحصل بها بعضها علمیة
وبعضها عملیة وحجب تصد الانسان عنها وحیل
تکسر الحجب، ونحن نرید ان ننبهك علی هذه الامور
فاستمع لما یتلی علیك بتوفیق الله تعالیٰ والله اعلم ❖

پانچواں باب (۳۳): ان خصائل کے حاصل کرنیکا ناقص کی تکمیل اور زائل کی تحصیل کا بیان

باب طریق اکتساب هذه الخصال وتکمیل ناقصها ورد فائتها

واضح ہو کہ ان خصائل کے حاصل کرنے کی دو تدبیریں ہیں، تدبیر علمی اور
تدبیر عملی۔ تدبیر علمی کی اسواسطے ضرورت ہے کہ طبیعت علمی قوتوں کے تابع اور مطیع ہے
اسلئے آپ دیکھتے ہیں کہ جب انسان کے دل میں حیا اور خوف پیدا کرنیوالی باتیں
آتی ہیں تو خواہش نفسانی اور جماع کی رغبت جاتی رہتی ہے۔ پس جب اسکا
دل فطرت کے مناسب امور کے علم سے پُر ہوجاتا ہے تو یہ علم ان امور کے نفس میں
راسخ ہونیکی طرف کھینچتا ہے اور یہ اسطرح سے ہوتا ہے کہ وہ اس بات کا اعتقاد
کرے کہ میرا خدا تمام بشری عیوب سے پاک ہے اس پر آسمان اور زمین کا ایک
ذرہ بھی پوشیدہ نہیں۔ جب تین آدمی سرگوشی کرتے ہیں تو وہاں وہ چوتھا ہوتا
ہے۔ اور جہاں پانچ مل کر پوشیدہ باتیں کرتے ہیں تو چھٹا وہ بھی ہوتا ہے۔ جو چاہتا ہے
کرتا ہے اور جسکا چاہتا ہے حکم کرتا ہے اسکے حکم کو کوئی رد کرسکتا ہے نہ پھیر سکتا ہے

اعلم ان اکتساب هذه الخصال یکون بتدبیرین
تدبیر علمی وتدبیر عملی، اما التدبیر العلمی فانما
احتیج له لان الطبیعة منقادة للقوی العلمیة ولذلك
تری سقوط الشهوة والشبق عند خطور ما یورث فی
النفس کیفیة الحیاء او الخوف فمتی امتلاء علمه بما یناسب
الفطرة جر ذلك الی تحققها فی النفس وذلك ان یعتقد
ان له ربا منزها عن الادناس البشریة لا یعزب عنه
مثقال ذرة فی الارض ولا فی السماء ما یکون من
نجوی ثلاثة الا هو رابعهم ولا خمسة الا هو سادسهم
یفعل ما یشاء ویحکم ما یرید لا راد لقضائه ولا مانع

ہر چیز کو اپنے انعام سے موجود کرنیوالا ہے اور اسکے متعلق جسمانی اور نفسانی نعمتیں
وہی بخشتا ہے، عمل کے بموجب بندے کو جزا دیتا ہے اگر عمل اچھے تو جزا بھی اچھی
اور اگر عمل بُرے تو جزا بھی بُری ۔ خدا تعالیٰ کے اس قول سے یہی مراد ہے (یہ میرا بندہ
جس نے گناہ کیا ہے یہ جانتا ہے کہ میرا رب بھی ہے گناہ پر مواخذہ بھی کرتا ہے اور
معاف بھی کردیتا ہے' اچھا میں نے اسکو معاف کیا) حاصل کلام یہ ہے کہ وہ ایسا
اعتقاد رکھے جو دل میں ہیبت اور نہایت تعظیم پیدا کرے اور اسکے دل میں خدا کے سوا
کسی دوسرے کا ذرہ بھر بھی خوف اور عاجزی نہ ہو اور خوب اعتقاد کرے کہ انسان کا
اصلی کمال خدا کیطرف متوجہ ہو کر اسکی عبادت کرنے میں ہے ۔ اور انسان کی سب سے عمدہ
حالت یہ ہے کہ فرشتوں کے مشابہ ہو جائے اور ان سے قرب ہو یہی امور ہیں جن سے قرب
ربانی حاصل ہوتا ہے اور انہی امور کو خدا لوگوں سے پسند کرتا ہے بنا بریں خدا کے
یہ حقوق ہیں ان کا پابند اوقات رہنا چاہیئے ۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس بات کا خوب یقین کرے کہ انسانی سعادت ان امور کے
کرنے میں ہے اور انکے ترک کرنے میں اسکی بدبختی ہے ۔ اور قوت بہیمیہ کے متنبہ کرنے
کے واسطے ایک سخت تازیانہ بھی ضروری ہے جو اسکو خوب متنبہ کردے اور اسکے بُری
ارادوں سے بزور روکے ۔ انبیاء کے طریقے اس علمی اور اعتقادی حالت کے پختہ
کرنے کیلئے مختلف رہے ہیں ۔ پس سب سے عمدہ بات جو اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ پر
نازل فرمائی یہ تھی کہ لوگوں کو خدا کی واضح نشانیوں سے' اسکی برتر صفات اور تمام آفاقی و
نفسانی نعمتوں کے ذریعہ سمجھائے یہاں تک کہ بہت عمدہ طور پر یہ بات صحیح اور محقق
ہوجائے کہ خدا تعالیٰ اس لائق ہے کہ تمام لذائذ کو اسکے لئے صرف کردیں' اسکے ذکر کو
تمام ماسوائے الٰہی پر مقدم رکھیں' نہایت درجہ کی اس سے محبت رکھیں اور انتہائی
کوشش سے اسکی عبادت میں مصروف ہوں ۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان امور کے ساتھ خدا کے
شدائد سے بھی ڈرایا' اسطرح سے کہ یہ بات واضح کردی کہ وہ فرمانبرداروں اور نافرمان
کو دنیا میں سزا و جزا دیتا ہے اور نعمتوں کو تکالیف سے بدل دیتا ہے یہاں تک کہ لوگوں کے
دلوں میں گناہوں کا خوف اور اطاعت کی رغبت ذہن نشین ہوگئی اور ان علوم بالا کے ساتھ
ہمارے نبی علیہ السلام نے حوادث قبر و حشر کی خوشخبری سُنائی اور خوف دلایا' نیکی اور
گناہ کے خواص بیان فرمادیئے ۔ ان امور کا محض معلوم کرلینا ہی کافی نہیں بلکہ ہمیشہ انکی
تکرار کا دور اور ملاحظہ بھی ضروری ہے یہ چیزیں آنکھوں کے سامنے رہیں تاکہ قویٰ علمیہ
ان سے پُر ہو جائیں پھر تمام اعضا انکی بجا آوری کریں یہ تینوں علوم (تذکیر بآیات اللہ
تذکیر بایام اللہ' وقائع حشریہ وغیرہا) مع دو علوم کے جن میں سے ایک میں ۔

لحكمه منهم بإصل الوجود وتوابعه من النعم الجسمانية
والنفسانية مجاز على عماله ان خيرا فخير وان شرا فشر
وهو قوله تعالى اذنب عبدى ذنبا فعلم ان له ربا
يغفر الذنب ويأخذ بالذنب قد غفرت لعبدى وبالجملة
فيعتقد اعتقادا مؤكدا ما يفيد الهيبة وغاية التعظيم
وما لا يبقى ولا يذر فى قلبه جناح بعوضة من اخبات
غيره ورهبته ويعتقد ان كمال الانسان ان يتوجه
الى ربه ويعبده وان احسن حالات البشر ان يتشبه
بالملائكة ويدنو منهم وان هذه الامور مقربة له
من ربه وان الله تعالى ارتضى منهم ذلك وانه حق
الله عليه لابد له من توفيته ؛

وبالجملة فيعلم علما لا يحتمل النقيض ان سعادته
فى اكتساب هذه وان شقاوته فى اهمالها ولابد له
من سوط ينبه البهيمية تنبيها قويا ويزعجها انزعاجا
شديدا ، واختلف مسالك الانبياء فى ذلك فكان عمدة
ما انزل الله تعالى على ابراهيم عليه السلام التذكير بآيات
الله الباهرة وصفاته العليا ونعمه الآفاقية والنفسانية
حتى يصح بما لا مزيد عليه انه حقيق ان يبذل له الملاذ
وان يؤثر ذكره على ما سواه وان يحبوه حبا شديدا
ويعبدوه باقصى مجهودهم وضم الله معه لموسى عليه
السلام التذكير بايام الله وهو بيان مجازاة الله تعالى
للطيعين والعصاة فى الدنيا وتقليبه النعم والنقم
حتى يتمثل فى صدورهم الخوف من المعاصى ورغبة
قوية فى الطاعات وضم معهما لنبينا صلى الله عليه
سلم الانذار والتبشير بحوادث القبر وما بعده وبيان
خواص البر والاثم ولا يفيد اصل العلم بهذه الامور
بل لابد من تكرارها وترددها وملاحظتها كل حين
وجعلها بين عينيه حتى تمتلئ القوى العلمية بها فتنقاد
الجوارح لها ، وهذه الثلاثة مع اثنين آخرين احدها

حلال وحرام کے احکام کا بیان اور دوسرے میں کفار سے مخاصمہ کا بیان ہے۔ پانچ فنون ہوتے ہیں جو قرآن مجید کے عمدہ علوم شمار کئے جاتے ہیں اور تدبیر عملی پس اسمیں عمدہ یہ ہے کہ انسان ایسی ہیئتیں افعال اور اوراد اختیار کرے جو نفس کو خصلت مطلوبہ یاد دلائیں (اسمیں اوصاف مطلوبہ کی یاد پیدا ہو) وہ نفس کو تنبیہ کرتے رہیں اور ان اوصاف کی طرف برانگیختہ کریں یا تو اسلئے کہ ان اوصاف اور افعال میں عادۃً تلازم ہے یا اسلئے کہ یہ افعال مناسبت فطری کی وجہ سے ان اوصاف کے حاصل ہونے کا گمان غالب پیدا کر دیتے ہیں۔ پس جب انسان یہ چاہتا ہے کہ نفس کو غصہ پر آمادہ کرے اور اپنے سامنے غصہ کی صورت پیش کرے تو وہ ان گالیوں کا خیال کرتا ہے جو اس کے مخالف نے اس کو دی تھیں اور دشنام سے جو شرم وعار پیدا ہوتی ہے اس کو سوچتا ہے۔ اور نوحہ کرنے والی جب رونا چاہتی ہے تو مردہ کی خوبیوں کو یاد کرتی ہے اور اپنے خیال کے سوار اور پیادے ان کی طرف دوڑاتی ہے۔ اور جو ہم بستری کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی دواعی کو خیال میں لاتا ہے اور اس بات کی نظیریں بکثرت ہیں جو کلام کے ہر پہلو کا احاطہ کرنا چاہے گا وہ اس پر مخفی نہ رہیں گی۔ اسی طرح ان اوصاف کے اسباب ہیں جن کے ذریعہ وہ حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ اور ان امور کی معرفت اور بیان میں ذوق سلیم رکھنے والوں کے ذوق کا اعتبار ہے مثلاً حدث کے اسباب یہ ہیں سفلی باتوں سے دل کا پُر ہو جانا جیسے جماع اور مباشرت کے ذریعہ عورتوں سے نفسانی رغبت کو پورا کرنا۔ بُری باتوں کا دل میں پوشیدہ رکھنا اور ملاء اعلی کی لعنت کا دل کو گھیر لینا۔ بول وبراز کو روکنا۔ بول وبراز اور ریح سے نزدیک کرنا اور یہ تینوں معدہ کے فضلات ہیں۔ بدن کا میلا ہونا۔ گندہ دہنی، تھوک اور ناک بہنا، زیر ناف اور بغل کے بالوں کا بڑھنا، کپڑے اور بدن کا ناپاکی سے آلودہ ہونا، حسیات میں ایسی صورتوں کا رکھنا جن سے حالت سفلیہ پیدا ہو جائے مثلاً قاذورات اور شرمگاہ کو دیکھنا۔ حیوانوں کی جفتی اور مجامعت کو خوب غور سے دیکھنا۔ فرشتوں اور نیک لوگوں کی شان میں طعن وتشنیع کرنا، لوگوں کو ایذا دینے میں کوشش کرنا۔ اور طہارت کے اسباب ان چیزوں کو دور کرنا ہے ان کے مخالف کام کرنا ہے ان چیزوں کو استعمال میں لانا ہے جو عادتاً پاکیزگی کا باعث ہیں جیسے غسل کرنا وضو کرنا اچھے کپڑے پہننا اور

بیان الاحکام من الواجب والحرام وغیرهما وثانيهما جدال الكفار فنون خمسة هى عمدة علوم القرآن الذى نزلها الله للتدبير العملى فالعمدة فيه التلبس بهيئات وافعال واذكار تذكر النفس الخصلة المطلوبة وتنبهها لها وتجعلها اليها وتحثها عليها اما لتلازم عادى بينها وبين الخصلة او لكونها مظنة لها بحكم المناسبة الجبلية كما ان الانسان اذا اراد ان ينبه نفسه للغضب ويحضره بين عينيه يتخيل الشتم الذى تفوه به المغضوب عليه والذى يلحقه من العار ونحو ذلك والنائحة اذا ارادت ان تجدد عهدها بالفجيع تذكر نفسها محاسن الميت وتخيلها وتبعث من خواطرها الخيل والرجل اليها والذى يريد الجماع يتمسك بدواعيه ونظائر هذا الباب كثيرة جدا لاتخفى على من يريد الاحاطة بجوانب الكلام فكذلك لكل واحد من هذه الخصال اسباب تكتسب بها والاعتماد فى معرفة تلك الامور على ذوق اهل الاذواق السليمة، فاسباب الحدث امتلاء القلب بحالة سفلية كقضاء الشهوة من النساء جماعا ومباشرة واضماره مخالفة الحق واحاطة لعن الملا الاعلى به وكونه حاقبا حاقنا وقريب العهد بالبول والغائط والريح وهذه الثلاثة فضول المعدة وتوسخ البدن والبخر واجتماع المخاط ونبات الشعر على العانة والابط وتلطخ الثوب والبدن بالنجاسات المستقذرة وامتلاء الحواس بصورة تذكر الحالة السفلية كالقاذورات والنظر الى الفرج ومسافدة الحيوانات والنظر الممعن فى الجماع والطعن فى الملائكة والصالحين والسعى فى ايذاء الناس، واسباب الطهارة ازالة هذه الاشياء واكتساب اضدادها واستعمال ما تقرر فى العادات كونه نظافة بالغة كالغسل والوضوء ولبس حسن ثيابه واستعمال الطيب فان استعمال

کیونکہ ان چیزوں کے استعمال سے نفس پاکیزگی کی طرف مائل ہوجاتا ہے اور رجوع الی اللہ کا سبب تعظیم کے اعلیٰ حالات کا التزام کرنا ہے مثلاً اس کے سامنے سرنگوں ہوکر کھڑے رہنا، سجدہ کرنا، ایسے لفظوں کو ادا کرنا جن سے مناجات عاجزی اور طلب حاجات پائی جائے، کیونکہ یہ وہ امور ہیں جن سے نفس کو عاجزی اور رجوع الی اللہ کی کمال درجہ تنبیہ ہوجاتی ہے اور سماحت کے اسباب سخاوت کا خوگر ہونا۔ داد و دہش درگذر کرنا۔ سختیوں میں صبر اختیار کرنا ہے۔ وغیر ذالک اور عدالت کے اسباب سنت راشدہ کی اسکی تمام تفاصیل کے ساتھ محافظت کرنا ہے (واللہ اعلم)

چھٹا باب ان حجابات کا بیان جو فطری امور کے ظاہر ہونے میں مانع ہیں

واضح ہو کہ بڑے حجاب تین ہیں، طبیعت کا حجاب، رسم کا حجاب۔ نافہمی کا حجاب، اس کا سبب یہ ہے کہ انسان کی سرشت میں کھانے پینے اور نکاح کی خواہشیں پیدا کی گئی ہیں اور اس کا دل طبعی حالات کے لئے سواری ہے جیسے خوشی اور رنج غصہ اور خوف وغیرہ پس وہ ہمیشہ ان میں مصروف رہتا ہے ہر حالت کے حاصل ہونے سے پہلے نفس اس کے اسباب کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس کے مناسب امور کے لئے قوائے علمیہ کو فرمانبرداری بھی کرنی پڑتی ہے اور نفس اس میں مستغرق رہتا ہے اور اس کے علاوہ تمام سے غافل ہوجاتا ہے۔ پس وہ رات دن انھی باتوں میں مصروف رہ کر کمال سے بے خبر رہتا ہے بہت سے آدمی ایسے ہیں جن کے قدم اس دلدل میں دھنس گئے ہیں اور پھر تمام عمر نکلنا نصیب نہیں ہوتا۔ اور بہت سے آدمیوں پر طبیعت کا حکم غالب ہے وہ تمام رسمی اور عقلی امور کو خیرباد کہہ کر ملامت سے بے خوف ہوجاتے ہیں۔ اسی حجاب کو حجاب نفس کہتے ہیں لیکن وہ شخص جس میں عقل کامل اور بیداری کافی ہوتی ہے وہ اپنے اوقات میں فرصت تلاش کرتا ہے طبعی حالات میں خاموشی پیدا کرتا ہے وہ اپنے نفس میں ان حالات کے علاوہ اور امور کی گنجائش پیدا کرتا ہے اور مقتضیات طبع کے علاوہ دوسرے علوم کے فیضان کے قابل ہوجاتا ہے اور اپنی عقلی اور عملی قوتوں کی وجہ سے کمال نوعی کا گرویدہ ہوجاتا ہے۔

هذه الاشياء تنبه النفس على صفة الطهارة، واسباب الاخبات مواخذة نفسه بما هو اعلى حالات التعظيم عنده من القيام مطرقا والسجود والنطق بالفاظ دالة على المناجاة والتذلل لديه ورفع الحاجات اليه فان هذه الامور تنبه النفس تنبيها قويا على صفة الخضوع والاخبات، واسباب السماحة التمرن على السخاوة والبذل والعفو عن ظلمه ومواخذة نفسه بالصبر في المكاره ونحو ذلك، واسباب العدالة المحافظة على السنة الراشدة بتفاصيلها والله اعلم:

باب الحجب المانعة عن ظهور الفطرة

اعلم ان معظم الحجب ثلاثة، حجاب الطبع، و حجاب الرسم، وحجاب سوء المعرفة، وذلك لانه ركب في الانسان دواعي الاكل والشرب والنكاح وجعل قلبه مطية للاحوال الطبيعية كالحزن والنشاط والغضب والوجل وغيرها فلا يزال مشغولا بها اذ كل حالة يتقدمها توجه النفس الى اسبابها وانقياد القوى العلمية لما يناسبها ويجتمع معها استغراق النفس فيها وذهولها عما سواها ويخلف عنها بقية ظلها ولونها فتمر الايام والليالي وهو على ذلك لا يتفرغ لتحصيل غيرها من الكمال ورب انسان ارتطمت قدماه في هذا الوحل فلم يخرج منه طول عمره ورب انسان غلب عليه حكم الطبع فخلع ربقته عن ربقة الرسم والعقل ولا يزدجر بالملامة وهذا الحجاب يسمى بالنفس لكن من تم عقله وتوفر تيقظه يختطف من اوقاته فرصا يركد فيها احواله الطبيعية ويتسع نفسه لهذه الاحوال وغيرها ويستوجب لفيضان علوم اخرى غير استيفاء مقتضيات الطبع ويشتاق الى الكمال النوعي بحسب القوتين العاقلة والعاملة فلذ

پس جب وہ اپنی چشم بصیرت کھولتا ہے تو فوراً وہ اپنی قوم کی تدابیر، لباس اور فخر مباہات، فضائل فصاحت، وصناعت کا مطالعہ کرتا ہے۔ اس کے دل پر ان امور کا بڑا اثر پڑتا ہے اور ان کے حاصل کرنے میں عزم کامل اور قوی ہمت صرف کرتا ہے۔ یہ حجاب رسم ہے اور اس کو دنیا کہتے ہیں اور بعض لوگ ہمیشہ اسی میں مستغرق رہتے ہیں یہاں تک کہ ان کو موت آجاتی ہے اور فضائل سب کے سب زائل ہو جاتے ہیں کیونکہ ان خوبیوں کا تعلق بدن اور آلات سے ہے اس لئے مرنے کے بعد نفس ان سے بالکل عاری رہ جاتا ہے اور اس کا حال اس باغ والے کا سا ہو جاتا ہے جس کے باغ کو لو نے جھلس دیا۔ یا جس طرح کہ سخت آندھی راکھ کو اڑا لے گئی۔ اور اگر وہ شخص نہایت بیدار مغز اور زیرکی ہے تو کسی دلیل عقلی یا ظنی یا شریعت کی پیروی سے یقین کرتا ہے کہ اس کا کوئی پروردگار ہے۔ تمام بندوں پر غالب ان کے تمام ساز و سامان کا مدبر، تمام نعمتوں کی بخشش کرنے والا ہے پھر اس کے دل میں خدا کی طرف رغبت و میلان اور محبت پیدا ہوتی ہے پھر وہ اسی کے قرب کو چاہتا ہے۔ اپنی حاجتوں کا اس سے طالب ہوتا ہے اور اسی کے آگے گرنا چاہتا ہے بعض مراد کو پہنچتے ہیں بعض محروم رہ جاتے ہیں اور اس محرومی کے دو سبب ہیں ایک یہ کہ خالق میں مخلوق کی صفات خیال کی جائیں۔ دوسری یہ کہ مخلوق میں خالق کی صفات کا اعتقاد کیا جائے۔ اول کو تشبیہ کہتے ہیں اس کا منشا ہوتا ہے غائب کی حالت کا حاضر پر قیاس کرنا۔ اور دوسرے کو شرک کہتے ہیں اسکا منشا ہوتا ہے مخلوق میں خلاف عادت باتیں دیکھکر ان کی طرف منسوب کرنا اور ان کے ذاتی افعال سمجھنا۔ اور تم کو تمام افراد انسان کا تجسس کرنا چاہیئے۔ تم ہمارے بیان میں کیا کہیں کچھ تفاوت پاتے ہو۔ میں نہیں گمان کرتا کہ تم کو تفاوت معلوم ہو بلکہ ہر انسان کے واسطے خواہ وہ کسی شریعت کا پابند ہو مختلف حالات مزور ہونگے ایک وقت ایسا ہوگا کہ وہ حجاب طبع میں مستغرق ہوگا خواہ وہ حجاب کم ہوں یا زیادہ اور یہ کہ وہ ہمیشہ رسمی افعال کا پابند ہوگا اور ایک وقت ایسا ہوگا کہ وہ حجاب رسم میں مستغرق ہوگا۔ اسوقت وہ قصد کرے گا کہ کلام لباس عادت اور معاشرت میں اپنے زمانہ کے عقلاء کیساتھ مشابہت حاصل کرے۔ اور ایک وقت اسکے لئے ایسا ہوگا کہ عالم بالا کی باتوں کو کان لگا کر سنیگا اور اسکو اسوقت احادیث جبروت اور عالم میں تدبیر غیبی کی

فتح حدقة بصيرته ابصر في اول الامر قومه في ارتفاقات وزي ومباهات وفضائل من الفصاحات والصناعات فوقعت من قلبه بموقع عظيم وانتقل بعزيمة كاملة وهمة قوية وهذا حجاب الرسم ويسمى بالدنيا ومن الناس من لايزال مستغرقا في ذلك الى ان ياتيه الموت فتزول تلك الفضائل باسرها لانها لا تتم الا بالبدن والالات فتبقى النفس عارية ليس بها شئ وصار مثله كمثل ذي جنة اصابها اعصار او كرماد اشتدت به الريح في يوم عاصف فان كان شديد التنبه عظيم الفطنة استيقن بدليل برهاني او خطابي او بتقليد الشرع ان له ربا قاهرا فوق عباده مدبرا امورهم منعما عليهم جميع النعم ثم خلق في قلبه ميل اليه ومحبة به واراد التقرب منه ورفع الحاجات اليه والطرح لديه فمن مصيب في هذا القصد ومخطئ ومعظم الخطا شيأن ان يعتقد في الواجب صفات المخلوق، او يعتقد في المخلوق صفات الواجب - فالاول هو التشبيه ومنشؤه قياس الغائب على الشاهد، والثاني هو الاشراك ومنشؤه رؤية الأثار الخارقة من المخلوقين فيظن انها مضافة اليهم بمعنى الخالق وانها ذاتية لهم وينبغي لك ان تستقرئ افراد الانسان هل ترى من تفاوت فيما اخبرتك ولا اظنك تجد ذلك بل كل انسان وان كان في تشريع ما لا بد له من اوقات تستغرق في حجاب الطبع قلت اوكثرت وان لم يزل مباشرا للاعمال الرسمية وله اوقات تستغرق في حجاب الرسم ويهمه حينئذ التشبه بعاقلي قومه كلاما وزيا وخلقا ومعاشرة واوقات يصغي فيها الى ما كان يسمع ولا يصغي من احاديث الجبروت والتدبير الغيبي في العالم والله اعلم

ساتواں باب[۳۵] ان حجابوں کے دور کرنیکا بیان

واضح ہو کہ حجاب طبع کی دو تدبیریں ہیں ایک یہ کہ اس پر حکم کریں ترغیب دلائیں، اس میں آمادگی پیدا کی جائے دوسرے ان امور پر زدوکوب کیا جائے وہ چاہے یا نہ چاہے لیکن اس سے مواخذہ کیا جائے پس پہلا طریقہ وہ ریاضات شاقہ ہیں جو بہیمی قوت کو کمزور کر دیتی ہیں مثلاً روزہ رکھنا شب بیداری کرنا بعض لوگوں نے اس امر میں بڑی زیادتی کی کہ پیدائش الٰہی میں تبدیلی کر دی کسی نے آلات تناسل کاٹ ڈالے کسی نے عمدہ اعضاء مثلاً دست و پا شکھا دیئے، ایسے لوگ جاہل ہیں درمیانہ حالت بہت عمدہ ہے روزہ اور شب بیداری ایک سمی علاج کے مانند ہیں اس کو بقدر ضرورت کرنی چاہیئے، دوسرا طریقہ ان لوگوں کو ملامت کرنا ہے جنہوں نے طبیعت کا اتباع کر کے صحیح راستہ ترک کر دیا۔ ان کو وہ طریقہ تبلانا چاہیئے جس کی وجہ سے وہ غلبہ طبیعت سے چھٹکارا پائیں لیکن لوگوں پر بالکل سختی کرنا بھی مناسب نہیں۔ اور سب حالتوں میں صرف زبانی انکار بھی کافی نہیں بلکہ بعض امور میں خوب مارتا اور سخت جرمانہ کرنا بھی ضروری ہے اور یہ مارپیٹ ایسے امور میں زیادہ مناسب ہے جن کا ضرر متعدی ہے۔ جیسے زنا اور قتل اور حجاب رسمی سے بچنے کی بھی دو تدبیریں ہیں ایک یہ کہ ہر کار میں ذکر الٰہی کی رعایت کی جائے کبھی ان الفاظ سے جن کی محافظت کا حکم ہے اور کبھی ان حدود و قیود کی رعایت سے جو خدا کے ساتھ مخصوص ہیں دوسری یہ کہ ہر قسم کی طاعت کو رسم بنا دیا جائے اور اس کی محافظت کا نہایت اہتمام کیا جائے۔ خواہ دل مانے یا نہ مانے اس کے ترک پر ملامت کی جائے۔ اور اگر کبھی ترک ہو جائے تو اس کے بدلہ میں نفس کو جاہ و منزلت وغیرہ سے باز رکھا جائے۔ پس ان تدبیروں سے رسم کی کدورتیں زائل ہو جاتی ہیں اور عبادت الٰہی میں نفس کو بڑی تائید حاصل ہوتی ہے۔ اور وہ ہمہ تن زبان بن کر لوگوں کو حق کی ہدایت کرتا ہے سوء معرفت کی دونوں قسمیں (اشراک اور تشبیہ) دو وجوہ سے پیدا ہوتی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو باوجودیکہ وہ صفات بشری سے پاک اور صفات محدثات و محسوسات سے بری ہے خوب اچھی طرح سے نہ پہچانے۔ اس کی تدبیر یہی ہے کہ لوگوں سے ایسی باتیں نہیں کرنا چاہئیں جو ان کے اذہان میں نہ آسکیں۔

اسکی اصل حقیقت یہ ہے کہ کوئی موجود یا معدوم

باب طريق رفع هذه الحجب

اعلم ان تدبير حجاب الطبع شيأن احدهما يؤمر به و يرغب فيه ويحث عليه، والثاني يضرب عليه من فوقه ويؤاخذ به انشاء ام ابى، فالاول رياضات تضعف البهيمية كالصوم والسهر ومن الناس من افرط و اختار تغيير خلق الله مثل قطع آلات التناسل وتجفيف عضو شريف كاليد والرجل واولئك جهال العباد و خير الامور وسطها وانما الصوم والسهر بمنزلة دواء سمي يجب ان يتقدر بقدر ضروري، والثاني اقامة الانكار على من اتبع الطبيعة فخالف السنة الراشدة وبيان طريق التقصي من كل غلبة طبيعية وضرب سنة له ولا ينبغي ان يضيق على الناس كل الضيق ولا يكفي في الكل الانكار القولي بل لابد من ضرب وجيع و غرامة منهكة في بعض الامور والاليق بذلك افراد فيها ضرر متعد كالزنا والقتل، وتدبير حجاب الرسم شيأن احدهما ان يضم مع كل ارتفاق ذكر الله تعالى تارة بحفظ الفاظ يؤمر بها وتارة بمراعاة حدود و قيود لايراعى الا لله، والثاني ان يجعل انواع من الطاعات رسما فاشيا ويسجل على المحافظة عليها اشاء ام ابى ويلام على تركها ويكبح عن المرغوبات من الجاه وغيره جزاء لتفويتها فبهذين التدبيرين تنتفع غوائل الرسم وتصير مؤيدة لعبادة الله تعالى و تصير السنة تدعو الى الحق وسوء المعرفة بكلا قسميه ينشأ من سببين احدهما ان لايستطيع ان يعرف ربه حق معرفته لتعاليه عن صفات البشر جدا و تنزهه عن سمة المحدثات والمحسوسات وتدبيرات لايخاطبوا الا بما تسعه اذهانهم

والاصل في ذلك انه ما من موجود او معدوم

مجسم یا مجرد ایسا نہیں ہے جس کے ساتھ انسان کے علم کا تعلق نہ ہو یا تو وہ اس کی صورت کو اپنے سامنے پیش کر کے جان لیتا ہے یا کسی مشابہت اور قیاس سے جان لیتا ہے حتی کہ عدم مطلق اور مجہول مطلق کو بھی جان لیتا ہے پس وہ وجود کے معنی سمجھ کر اور اس بات کا لحاظ کر کے کہ عدم وجود سے موصوف نہیں ہوتا عدم کا علم حاصل کر لیتا ہے اور وہ جہل سے مشتق صیغہ مفعول کے معنی سمجھتا ہے پھر مطلق کا مفہوم سمجھتا ہے پھر ان امور کو باہم ملا کر ایسی صورت ترکیبی درست کر لیتا ہے جس سے امر بسیط کی حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے جس کا خیال میں لانا مقصود ہے اور جو نہ خارج میں موجود ہے نہ ذہن میں، جس طرح انسان کسی مفہوم نظری کی طرف توجہ کرتا ہے اور اپنی سمجھ کے موافق اس کی جنس اور فصل کو سمجھ کر ترکیب دیتا ہے اور ایسی صورت ترکیبی پیدا کر لیتا ہے جس سے وہ چیز معلوم ہو جاتی ہے جس کا تصور کرنا مقصود ہے اسی طرح پر لوگوں کو بتانا چاہیئے کہ اللہ موجود ہے زندہ ہے لیکن اس کا وجود اور زندہ ہونا ہمارا سا وجود اور ہمارا سا زندہ ہونا نہیں ہے حاصل کلام یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کے لئے ایسی صفات کا قصد کرنا چاہیئے جو موجود اشیاء میں باعث خوبی اور تعریف ہیں اور تین مفہوموں کا لحاظ رکھنا چاہیئے جن کو ہم مشاہدات میں دیکھتے ہیں۔ بعض چیزیں ایسی ہیں جن میں صفات مدح موجود ہیں اور صفات کے آثار بھی ان سے سرزد ہوتے ہیں، اور بعض چیزوں میں نہ وہ صفات موجود ہیں اور نہ ان کی شان سے ہے کہ ان میں صفات پیدا ہوں۔ اور بعض چیزوں میں صفات موجود تو نہیں لیکن وہ قابل صفات ہیں۔ جیسے زندہ جماد اور مردہ۔ پس اللہ تعالیٰ کے حق میں صفات کا ثبوت ان کے آثار کے لحاظ سے کیا جاتا ہے اور اس تشبیہ کا تدارک اس طرح کر دیا جاتا ہے کہ وہ ہمارے مانند نہیں۔ دوسری وجہ ناقہمی اور سوء معرفت کی یہ ہے کہ محسوس صورتوں کا اپنے حسن ولذت کے ساتھ پیش نظر رہنا اور قوی علمیہ کا ان حسی صورتوں سے پُر رہنا اور پھر دل کا ان کے تابع ہو جانا اور خدا کی جانب خالص توجہ نہ کرنا اس کی تدبیر یہ ہے کہ ریاضت شاقہ کی جائے۔ اور ایسے اعمال کی پابندی کی جائے جن سے انسان میں تجلیات عالیہ کی استعداد پیدا ہو جائے اگرچہ اس کا ظہور عالم آخرت ہی میں ہو اعتکاف کیا جائے اور بقدر امکان شاغل

او مجرد الا يتعلق علم الانسان به اما بحضور صورته او بنحو التشبيه والمقايسة حتى العدم المطلق والمجهول المطلق فيعلم العدم من جهة معرفة الوجود وملاحظة عدم الاتصاف به ويعلم مفهوم المشتق على صيغة المفعول ويعلم مفهوم المطلق فيجمع هذه الاشياء ويضم بعضها الى بعض فينتظم صورة تركيبية هي مكشاف البسيط المقصود تصوره الذي لا وجود له في الخارج ولا في الاذهان كما انه اذا يتوجه الى مفهوم نظري فيعمد الى ما يحسبه جنسا والى ما يحسبه فصلا فيركبهما فيحصل صورة مركبة هي مكشاف المطلوب تصوره فيخاطبوا مثلا بان الله تعالى موجود لا كوجودنا وبانه حي لا كحياتنا، وبالجملة فيعمد الى صفات هي مورد المدح في الشاهد ويلاحظ ثلاثة مفاهيم فيما نشاهد شئ فيه هذه الصفات وقد صدرت منه آثارها، وشئ ليست فيه وليست من شأنه وشئ ليست فيه ومن شأنه ان تكون فيه كالحي والجماد والميت فيثبت هذه بثبوت آثارها ويجبر هذه التشبيه بانه ليس كمثله شئ، والثاني تمثل الصور المحسوسة بزينتها واللذات بجمالها وامتلاء القوى العلمية بالصور الحسية فينعقد قلبه لذلك ولا يصفو التوجه الى الحق وتدبير هذا رياضات واعمال يستعد بها الانسان للتجليات الشامخة ولو في المعاد واعتكافات وازالة للشاغل بقدر الامكان كما هتك رسول الله صلى الله عليه وسلم القرام المصور ونزع خميصة فيها اعلام والله اعلم.

مبحث پنجم نیکی اور بدی کا بیان

(مقدمہ نیکی اور بدی کی حقیقت کا بیان)

جب کہ ہم جزا اور سزا کے دلائل کو بیان کر چکے اور ان ارتفاقات کا ذکر کیا جن پر

المبحث الخامس مبحث البر والاثم

(مقدمة في بيان حقيقة البر والاثم)

اذ قد ذكرنا لمية المجازاة وانيتها ثم ذكرنا

انسان کی جبلت ہے اور جو آدمیوں میں ہمیشہ پائی جاتی ہیں اور کبھی ان سے جدا نہیں ہوتیں۔ اسکے بعد ہم نے سعادت اور اس کے حاصل کرنے کا طریقہ بیان کیا تو اب ہم نیکی اور بدی کے معنی کی تحقیق میں مشغول ہوتے ہیں پس نیکی وہ عمل ہے جس کو انسان ملاء اعلیٰ کی اطاعت بجالانے کے واسطے اور الہام الٰہی کے قبول کرنے میں ہمہ تن محو ہو کر اور مراد الٰہی میں فانی ہو کر کرتا ہے اور ہر وہ عمل ہے جس پر دنیا یا آخرت میں جزاء خیر دی جائے اور ہر وہ عمل ہے جو انسان کی ان تدبیرات مناسبہ کے موافق ہو جن پر اس کا انتظام مبنی ہے اور ہر وہ عمل ہے جو حالت انقیاد پیدا کرے اور حجاب کو دور کرے اور بدی وہ عمل ہے جو شیطان کی تابعداری بجالانے کی وجہ سے اور اس کی مراد برآری کی وجہ سے کیا جائے اور ہر وہ عمل ہے جس پر دنیا یا آخرت میں بری جزا دیجائے۔ اور ہر وہ عمل ہے جو تدابیر مناسبہ میں فساد پیدا کرے اور ہر وہ عمل ہے جو اطاعت کے مخالف ہیئت کو پیدا کرے اور حجاب کو مستحکم کرے اور جس طرح اہل عقل نے تدابیر حسنہ کو مستنبط کیا اور پھر لوگوں نے دلی شہادت سے ان کی پیروی کی اور تمام اہل زمین یا جو معتبر ہیں ان پر متفق ہو جائے اسی طرح نیکی کے بھی طریقے ہیں جن کو خدائے تعالیٰ نے ان لوگوں کے دلوں میں الہام کیا جو ملکی نور سے مؤید ہیں اور فطری حالت ان پر غالب ہے جیسے شہد کی مکھی کے دل میں ایسے امور کا الہام کیا جو اس کی معاش کی اصلاح کرنے والے ہیں سو وہ ان الہامی امور پر چلے۔ انکو مضبوطی سے پکڑا اور لوگوں کو ان کی تعلیم فرمائی اور ترغیب دلائی پھر لوگوں نے ان کا اقتدا کیا اور تمام اہل مذاہب فطری مناسبت اور نوعی اقتضاء کی وجہ سے انکے اصول پر متفق ہو گئے۔ حالانکہ انکے وطنوں میں بعد تھا اور انکے مذاہب مختلف تھے اور اصول پر اتفاق کر لینے کے بعد ان طریقوں کی صورتوں کا اختلاف اس اتفاق کو مانع نہیں ہو سکتا اور نہ یہ بات مانع ہو سکتی ہے کہ ایک گروہ ان طریقوں پر نہیں چلتا جنکی حالت کو اہل بصیرت غور سے دیکھیں تو اس میں شک نہ کریں کہ اس گروہ کا مادہ صورت نوعیہ کے مخالف ہے اور صورت نوعیہ کے احکام قبول نہیں کر سکتا اور یہ لوگ عضو زائد کے مانند ہیں جس کا نہ رہنا اسکے رہنے سے بہتر اور زینت بخش ہے اور ان طریقوں کے شائع ہونے کے بڑے بڑے اسباب اور پختہ تدابیر ہیں جن کو ان لوگوں نے مستحکم کر دیا جو مؤیدین بالوحی ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں پس انھوں نے لوگوں پر اپنا احسان قائم کر دیا۔ اور ہم چاہتے ہیں کہ

الارتفاقات التي جبل عليها البشر فهي مستمرة فيهم لا تنفك عنهم ثم ذكرنا السعادة وطريق اكتسابها فآن ان نشتغل بتحقيق معنى البر والاثم فالبر كل عمل يفعله الانسان قضية لانقياده للملأ الاعلى واضمحلاله في تلقي الالهام من الله وصيرورته فانيا في مراد الحق وكل عمل يجازى عليه خيرا في الدنيا والآخرة وكل عمل يصلح الارتفاقات التي يبنى عليها نظام الانسان وكل عمل يفيد حالة الانقياد ويدفع الحجب، والاثم كل عمل يفعله الانسان تمشية لانقياده للشيطان وصيرورته فانيا في مراده وكل عمل يجازى عليه شرا في الدنيا والآخرة وكل عمل يفسد الارتفاقات وكل عمل يفيد هيئة مضادة للانقياد ويؤكد الحجب وكما ان الارتفاقات استنبطها اولو الخبرة فاقتدى بهم الناس بشهادة قلوبهم واتفق عليها اهل الارض او من يعتد به منهم فكذلك للبر سنن الهمها الله تعالى في قلوب المؤيدين بالنور الملكي الغالب عليهم خلق الفطرة بمنزلة ما الهم في قلوب النحل ما يصلح به معاشها فجروا عليها واخذوا بها وارشدوا اليها وحثوا عليها فاقتدى بهم الناس واتفق عليها اهل الملل جميعها في اقطار الارض على تباعد بلدانهم واختلاف اديانهم بحكم مناسبة فطرية واقتضاء نوعي ولا يضر ذلك اختلاف صور تلك السنن بعد الاتفاق على اصولها ولا صدود طائفة مخدجة لو تامل فيهم اصحاب البصائر لم يشكوا ان مادتهم عصت الصورة النوعية ولم تمكن احكامها وهم في الانسان كالعضو الزائد من الجسد زواله اجمل من بقائه ولشيوع هذه السنن اسباب جليلة وتدبيرات محكمة احكمها المؤيدون بالوحي صلوات الله عليهم فاثبتوا لهم منة عظيمة في رقاب الناس ونحن نريد ان ننبهك

آپ کو ان کے وہ اصول بتلائیں جن پر ممالک کی بڑی بڑی صالح جماعتیں۔ اشراقین، اور سلاطین اور صاحب الرائے حکماء عرب اور عجم، یہود، ہنود اور مجوس سب متفق ہیں اور ہم ان اصول کے پیدا ہونے کی کیفیت شرح کریں گے جو قوت بہیمیہ کے قوت ملکیہ کی اطاعت کرنے سے پیدا ہوتے ہیں اور چند فوائد بھی بتلائیں گے۔ جن کا بارہا ہم نے ذاتی تجربہ کیا ہے اور عقل سلیم نے بتلایا ہے۔ واللہ اعلم۔

پہلا باب ۳۶ توحید کا بیان

سب نیکیوں کی اصل اور سب سے عمدہ توحید ہے اور یہ اس لئے کہ اللہ رب العالمین کے لئے عاجزی انکساری کرنا اسی پر موقوف ہے اور یہ عاجزی ہی سعادت کے تمام اسباب میں ایک بڑی چیز ہے یہ اس تدبیر علمی کی بنیاد ہے جو دونوں تدبیروں میں زیادہ مفید ہے اور اسی کی وجہ سے آدمی کو غیب کی طرف کامل توجہ ہوتی ہے اور اسی کی وجہ سے نفس انسانی وجہ مقدس میں مل جانے کے قابل ہو جاتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی عظمت پر تنبیہ کی ہے اور اس کو تمام اقسام نیکی میں بمنزلہ دل کے قرار دیا ہے جب وہ درست ہوتا ہے تو تمام بدن درست ہوتا ہے اور جب وہ فاسد ہو جاتا ہے تو تمام بدن فاسد ہو جاتا ہے چنانچہ آپ نے فرمایا کہ جو شخص خدا کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ سمجھتا ہو اور وہ مر جائے تو خدائے تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا اور اس پر آگ حرام کر دے گا اور وہ جنت سے دور نہ رہے گا۔ اسی طرح بہت سے الفاظ فرمائے اور آپ نے خدائے تعالیٰ کی جانب سے فرمایا ہے کہ جو شخص مجھ سے ملے اور روئے زمین کے برابر اس کے گناہ ہوں تو میں اس کی اتنی ہی بخشش کردوں گا بشرطیکہ وہ شرک نہ کرتا ہو۔ واضح ہو کہ توحید کے چار مرتبے ہیں پہلا یہ ہے کہ صفت وجوب وجود کو باری تعالےٰ کے ساتھ خاص کر دے اور اسکے سوا کوئی واجب نہ ہو۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ عرش آسمان اور زمین اور تمام جوہروں کا خالق خدا تعالیٰ ہی کو سمجھے۔ یہ دونوں مرتبے ایسے ہیں جن سے کتب الٰہیہ میں بحث نہیں کی گئی اور نہ ہی مشرکین عرب یہود و نصاریٰ نے ان میں مخالفت کی ہو بلکہ قرآن یہ کہتا ہو کہ یہ دونوں مرتبے سب کے نزدیک مسلم ہیں تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ زمین اور آسمان اور انکے درمیان کی سب چیزوں کا مدبر خدا تعالیٰ کو سمجھے

على اصول هذه السنن مما اجمع عليه جمهور اهل الاقاليم الصالحة من الامم العظمى التى يجمع كل واحدة اقوامًا من المتالهين والملوك والحكماء ذوى الرأى الثاقب من عربهم وعجمهم ويهودهم ومجوسهم وهنودهم ونشرح كيفية توليدها من انقياد البهيمية للقوة الملكية وبعض فوائدها حسبما جربنا على انفسنا غير مرة وادى اليه العقل السليم والله اعلم ٭

باب التوحيد

اصل اصول البر وعمدة انواعه هو التوحيد وذلك لانه يتوقف عليه اخبات لرب العالمين الذى هو اعظم الاخلاق الكاسبة للسعادة وهو اصل التدبير العلمى الذى هو انفع التدبيرين وبه يحصل للانسان التوجه التام تلقاء الغيب ويستعد نفسه للحوق به بالوجه المقدس وقد نبه النبى صلى الله عليه وسلم على عظم امره وكونه من انواع البر بمنزلة القلب اذا صلح صلح الجميع واذا فسد فسد الجميع حيث اطلق القول فيمن مات لا يشرك بالله شيئًا دخل الجنة او حرمه الله على النار او لا يحجب من الجنة ونحو ذلك من العبارات، وحكى عن ربه تبارك وتعالى من لقينى بقراب الارض خطيئة لا يشرك بالله شيئًا لقيته بمثلها مغفرة - واعلم ان للتوحيد اربع مراتب احداها حصر وجوب الوجود فيه تعالى فلا يكون غيره واجبًا، والثانية حصر خلق العرش والسموات والارض وسائر الجواهر فيه تعالى وهاتان المرتبتان لم تبحث الكتب الالهية عنهما ولم يخالف فيهما مشركو العرب ولا اليهود ولا النصارى بل القرآن العظيم ناص على انهما من المقدمات المسلمة عندهم، والثالثة حصر تدبير السموات والارض وما بينهما فيه تعالى - والرابعة

چوتھا مرتبہ یہ ہے کہ اسکے سوا کوئی دوسرا عبادت کا مستحق نہیں ان دونوں مرتبوں میں قدرتی تعلق اور ربط ہے۔ اور ایک دوسرے کو لازم ہیں۔

ان دونوں مرتبوں میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے ان میں تین فریق بڑے ہیں اول نجومی لوگ ہیں وہ کہتے ہیں کہ ستارے عبادت کے مستحق ہیں اور انکی پرستش سے دنیوی منفعت حاصل ہوتی ہے اور اپنی حاجتوں کو ان کے سامنے پیش کرنا بجا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اس بات کی خوب تحقیق کرلی ہے کہ روزانہ حوادث میں انسان کی سعادت اور بدبختی میں اس کی تندرستی اور مرض میں ستاروں کا بڑا اثر اور دخل ہے ان کے نفوس مجردہ ہیں جو ان کو حرکت پر آمادہ رکھتے ہیں۔ اور وہ اپنے پجاریوں سے بے خبر نہیں پس ان لوگوں نے ان کے نام پر مورتیاں بناکر پرستش کی دوسرا فرقہ مشرکین کا ہے وہ اہل اسلام سے اس بات میں تو متفق ہیں کہ تمام بڑے کاموں کی تدبیر خدا ہی کرتا ہے اور جو کچھ کرتا ہے وہی کرتا ہے۔ اس میں کسی کو کچھ اختیار نہیں لیکن باقی امور میں مسلمانوں کے مخالف ہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ اچھے لوگ جو خدا کی خوب عبادت کرتے تھے اور بارگاہ الٰہی میں مقرب ہوگئے تھے پس ان کو خدا تعالیٰ نے الوہیت عطا فرمائی جس کی وجہ سے وہ پرستش کے مستحق ہوگئے جیسے کوئی شخص کسی بادشاہ کی نہایت خدمت کرے جس کے صلہ میں بادشاہ اس کو کسی ملک کا خلعت عطا کرے اور اپنے کسی شہر کی حکومت سپرد کردے پس وہ مستحق ہے کہ اس شہر کے لوگ اس کی خدمت اور اطاعت کریں اور اسکی بات سنیں اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ خدا کی عبادت انکی عبادت شامل کئے بغیر مقبول نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کا رتبہ نہایت بلند ہے پس اسکی عبادت سے تقرب الٰہی حاصل نہیں ہوسکتا بلکہ ان لوگوں کی پرستش ضروری ہے تاکہ یہ تقرب الٰہی کیلئے ذریعہ بن جائیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ سنتے اور دیکھتے ہیں اور اپنے پجاریوں کی شفاعت کریں گے انکے امور کی تدبیر کرتے ہیں انکی مدد اور نصرت کرتے ہیں پس انکے ناموں کے پتھر تراش لئے جب وہ ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو ان پتھروں کو اپنی توجہ کا قبلہ کرتے ہیں پھر ان مشرکین کے بعد اور لوگ پیدا ہوئے انہوں نے ان پتھروں میں اور انلوگوں میں جن کیلئے یہ پتھر تراشے گئے کوئی فرق نہیں کیا اور خود انہی پتھروں کو اصلی معبود قرار دے لیا اسی لئے خدا نے مشرکین کی رد میں کبھی اسطرح تنبیہ فرمائی کہ حکومت اور قدرت صرف خدا ہی کا خاصہ ہے۔ اور کبھی بیان فرمایا کہ یہ محض جمادات ہیں کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلتے ہیں یا ہاتھ ہیں جن سے وہ کچھ پکڑ سکتے ہیں یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے دیکھ سکیں یا کان ہیں جن سے کچھ سن سکیں ---

انه لا یستحق غیره العبادة وهما متشابکتان متلازمتان لربط طبیعی بینهما۔

وقد اختلف فیهما طوائف من الناس معظمهم ثلاث فرق النجامون ذهبوا الی ان النجوم تستحق العبادة وان عبادتها تنفع فی الدنیا ورفع الحاجات الیها حق قالوا قد تحققنا ان لها اثرا عظیما فی الحوادث الیومیة وسعادة المرء وشقاوته وصحته وسقمه وان لها نفوسا مجردة عاقلة تبعثها علی الحرکة ولا تغفل عن عبادها فبنوا هیاکل علی اسمائها وعبدوها والمشرکون وافقوا المسلمین فی تدبیر الامور العظام وفیما ابرم وجزم ولم یترک لغیره خیرة ولم یوافقوهم فی سائر الامور ذهبوا الی ان الصالحین من قبلهم عبدوا الله وتقربوا الیه فاعطاهم الله الالوهیة فاستحقوا العبادة من سائر خلق الله کما ان ملک الملوک یخدمه عبده فیحسن خدمته فیعطیه خلعة الملک ویفوض الیه تدبیر بلد من بلاده فیستحق السمع والطاعة من اهل ذلک البلد وقالوا لا تقبل عبادة الله الا مضمومة بعبادتهم بل الحق فی غایة التعالی فلا تفید عبادته تقربا منه بل لابد من عبادة هؤلاء لیقربوا الی الله زلفی وقالوا هؤلاء یسمعون ویبصرون ویشفعون لعبادهم ویدبرون امورهم وینصرونهم فنحتوا علی اسمائهم احجارا وجعلوها قبلة عند توجههم الی هؤلاء فخلف من بعدهم خلف فلم یفطنوا للفرق بین الاصنام وبین من هی علی صورته فظنوها معبودات باعیانها ولذلک رد الله تعالی علیهم تارة بالتنبیه علی ان الحکم والملک له خاصة وتارة ببیان انها جمادات الهم ارجل یمشون بها ام لهم اید یبطشون بها ام لهم اعین یبصرون بها ام لهم اذان یسمعون بها

تیسرا فرقہ نصاریٰ کا ہے وہ کہتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام کو خدا سے خاص تقرب ہے اور تمام مخلوق سے ان کا مرتبہ بلند ہے اس لئے ان کو بندہ کہنا مناسب نہیں ورنہ وہ درجہ میں دوسروں کے برابر ہیں۔ اور یہ بات ان کی شان میں بے ادبی ہے اور ان کے تقرب الٰہی کے لحاظ کو ترک کر دینا ہے پھر بعض نصاریٰ نے اس خصوصیت کے اظہار کے لئے کہ باپ بیٹے پر رحم کرتا ہے اس کی تربیت اپنے سامنے کرتا ہے اور اس کا درجہ بندوں سے زیادہ ہے ان کا نام ابن اللہ رکھا اور بعض نے یہ سمجھ کر ان کا نام خدا رکھا تھا کہ خدا تعالیٰ نے ان میں حلول کیا تھا۔ اور اسی لئے ان سے ایسے کام سرزد ہوئے جو آج تک کسی بشر سے سرزد نہ ہوئے مثلاً مردوں کا زندہ کر دینا پرندوں کو پیدا کرنا۔ پس عیسیٰ کا کلام بعینہٖ کلام الٰہی اور ان کی عبادت بالکل خدا کی عبادت ہے۔ ان کے بعد اور لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے اس نام رکھنے کی وجہ کو نہ سمجھا اور وہ بیٹے کے لفظ سے اس کے حقیقی معنیٰ ہی سمجھنے لگے یا ان کو من جمیع الوجوہ واجب الوجود سمجھنے لگے اسی واسطے خدا تعالیٰ نے ان کے اقوال کو کبھی اس طرح رد کیا کہ خدا تعالیٰ کی بیوی نہیں بیٹا کہاں سے ہو گیا۔ اور کبھی اس طرح تردید فرمائی کہ وہ آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا ہے اسکے حکم کے ساتھ ہی ہر چیز موجود ہو جاتی ہے پھر اسکو بیٹا جننے کی کیا ضرورت ہے ان تینوں فرقوں کے بڑے لمبے چوڑے دعوے ہیں ان میں بکثرت خرافات ہیں جو واقف لوگوں پر مخفی نہیں ہیں ان دونوں مرتبوں کو قرآن عظیم نے خوب بیان کیا ہے اور کافروں کے شبہات کو خوب اچھی طرح رد کیا ہے۔

دوسرا باب حقیقت شرک کا بیان

واضح ہو کہ عبادت نہایت درجہ عاجزی کا نام ہے اور کسی سے نہایت درجہ عاجزی کے ظاہر ہونے کی دو صورتیں ہیں۔ یا صورۃً مثلاً ایک شخص کا کھڑا ہونا۔ ایک کا سجدہ کرنا۔ یا قصداً و نیت سے ہوتی ہے جیسے مثلاً سجدہ سے بندوں کی اپنے مولیٰ کے لئے تعظیم کرنا اور قیام سے رعیت کی بادشاہوں کے لئے، شاگردوں کی استاد کے لئے تعظیم کرنا اور کوئی تیسری صورت تعظیم کی نہیں ہے۔ اور جب ثابت ہو چکا ہو کہ سجدے سے فرشتوں نے حضرت آدم کی اور حضرت یوسف کے بھائیوں نے حضرت یوسف کی تعظیم کی تھی حالانکہ سجدہ سے زیادہ اور تعظیم نہیں ہے تو ضروری ہوا کہ نیت ہی سے فرق کیا جائے۔

والنصارى ذهبوا الى ان المسيح عليه السلام قربا من الله وعلوا على الخلق فلا ينبغي ان يسمى عبدا فيسوى بغيره لان هذا اسوء ادب معه واهمال لقربه من الله ثم مال بعضهم عند التعبير عن تلك الخصوصية الى تسميته ابن الله نظرا الى ان الاب يرحم ابنه ويربيه على عينيه وهو فوق العبيد فهذا الاسم اولى به وبعضهم الى تسميته بالله نظرا الى ان الواجب حل فيه وصار داخله ولهذا اصدر منه آثار لم تعهد من البشر مثل احياء الاموات وخلق الطير فكلامه كلام الله وعبادته هي عبادة الله ثم خلف من بعدهم خلف لم يفطنوا الوجه التسمية وكادوا يحملون البنوة حقيقية او يزعمون انه الواجب من جميع الوجوه ولذلك رد الله تعالى عليهم تارة بانه لا صاحبة له وتارة بانه بديع السموات والارض انما امره اذا اراد شيئا ان يقول له كن فيكون۔

وهذه الفرق الثلاث لهم دعاوى عريضة وخرافات كثيرة لا تخفى على المتتبع وعن هاتين المرتبتين بحث القرآن العظيم ورد على الكافرين شبهتهم ردا مشبعا؛

باب في بيان حقيقة الشرك

اعلم ان العبادة هو التذلل الاقصى وكون تذلل اقصى من غيره لا يخلو اما ان يكون بالصورة مثل كون هذا قياما وذلك سجودا او بالنية بان نوى بهذا الفعل تعظيم العباد لمولاهم وبذلك تعظيم الرعية للملوك او التلامذة للاستاذ لا ثالث لهما ولما ثبت سجود التحية من الملائكة لآدم عليه السلام ومن اخوة يوسف ليوسف عليه السلام وان السجود اعلى صور التعظيم وجب ان لا يكون التمييز الا بالنية

لکن الامر الی الآن غیر منقح اذ المولی مثلاً یطلق علی معان والمراد ھھنا المعبود لا محالۃ فقد اخذ فی حد العبادۃ فالتنقیح ان التذلل یستدعی ملاحظۃ ضعف فی الذلیل وقوۃ فی الآخر وخسۃ فی الذلیل وشرف فی الآخر وانقیاد واخبات فی الذلیل وتسخیر و نفاذ حکم للآخر والانسان اذا خلی ونفسہ ادرک لا محالۃ انہ یقدر للقوۃ والشرف والتسخیر وما اشبھہا مما یعبر بہ عن الکمال قدرین قدر النفسہ ولمن یشبہہ بنفسہ وقدر المن ھو متعال عن وسمۃ الحدوث والامکان بالکلیۃ ۔

ولمن انتقل الیہ شئ من خصوصیات ھذا المتعالی فالعلم بالمغیبات یجعلہ عن درجتین علم بروٴیۃ وترتیب مقدمات او حدس ومنام او تلقی الھام مما یجد نفسہ لا یباین ذلک بالکلیۃ وعلم ذاتی ھو مقتضی ذات العالم لا یلقاء من غیرہ ولا بتجشم کسبہ وکذلک یجعل التاثیر والتدبیر والتسخیر ای لفظ قلت علی درجتین بمعنی المباشرۃ واستعمال الجوارح و القوی واستعانۃ بالکیفیات المزاجیۃ کالحرارۃ و البرودۃ وما اشبہ ذلک مما یجد نفسہ مستعدۃ لہ استعداداً قریباً او بعیداً وبمعنی التکوین من غیر کیفیۃ جسمانیۃ ولا مباشرۃ شئ وھو قولہ تعالی انما امرہ اذا اراد شیئاً ان یقول لہ کن فیکون وکذلک یجعل العظمۃ والشرف والقوۃ علی درجتین احدھما کعظمۃ الملک بالنسبۃ الی رعیتہ مما یرجع الی کثرۃ الاعوان وزیادۃ الطول او عظمۃ البطل والاستاذ بالنسبۃ الی ضعیف البطش والتلمیذ مما یجد نفسہ یشارک العظم فی اصل الشئ وثانیتھما ما لا یوجد الا فی المتعالی جدہ ولا تن فی تفتیش ھذا السبر حتی تستیقن ان المعترف بانصرام سلسلۃ الامکان الی واجب

لیکن ابھی تک اسکی پوری تنقیح نہیں ہوئی کیونکہ مولیٰ کا لفظ کئی معنی مستعمل ہوتا ہیں اور یہاں ضرور معبود کے معنی مراد ہیں پس وہ عبادت کی تعریف میں ماخوذ ہے پس اسکی یوں تنقیح کی جائے گی کہ تذلل یہ چاہتا ہے کہ ذلیل میں ضعف اور قوی میں قوت کا لحاظ کیا جائے ۔ ذلیل میں ذلت اور پستی اور دوسرے میں شرف اور رفعت کو ملحوظ رکھا جائے ۔ ذلیل میں فرماں برداری اور اطاعت اور دوسرے میں نفاذِ حکم اور تسخیر کا لحاظ رکھا جائے ۔ اور انسان جب مخلی بالطبع ہوتا ہے تو وہ ضرور یہ بات معلوم کر لیتا ہے کہ قوت، شرف اور تسخیر وغیرہ کے جنکو کمال کہتے ہیں دو مرتبہ ہیں ۔ ایک مرتبہ تو یہ ہے کہ انسان اسکو اپنی ذات میں اور اپنی مشابہ چیزوں میں پاتا ہے ۔ اور دوسرا مرتبہ ان چیزوں میں پایا جاتا ہے جو حدوث اور امکان کے داغ سے پاک ہیں یا جن میں ان پاک چیزوں کے بعض مخصوص اوصاف پائے جاتے ہیں پس علم غیب کے بھی دو مرتبے ہیں ایک وہ مرتبہ ہے جو غور و فکر اور مقدمات کے ترتیب دینے سے یا سُرعتِ ذہن سے یا خواب سے یا الہام وغیرہ چیزوں سے جو بالکل اسکے مبائن نہ ہوں معلوم کیا جائے ۔ دوسرا مرتبہ علم ذاتی ہے جو خاص عالم کی ذات کا مقتضٰی ہے جس کو نہ وہ کسی دوسرے سے حاصل کرتا ہے اور نہ اس کو وہ استدلال سے حاصل کرتا ہے اور اسی طرح تدبیر یا تاثیر یا جس لفظ سے آپ تعبیر کریں اس کے دو درجہ ہیں ۔ ایک یہ ہے کہ ہاتھ پاؤں و دیگر اعضاء و قویٰ کو استعمال میں لایا جائے اور مزاجی کیفیات حرارت و برودت وغیرہ سے اعانت لی جائے یا اس کے مشابہ ان امور سے کام لیا جائے جنکی استعداد قریب یا بعید اس میں موجود ہے ۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ بغیر کیفیتِ جسمانیہ اور بغیر کسی امر کے استعمال کئے کسی چیز کو پیدا کر دیا جائے ۔ اور اس قول الٰہی میں یہی مراد ہے کہ "جس چیز کو خدا کرنا چاہتا ہے تو "کُن" کہتے ہی کر دیتا ہے ۔ اور اسی طرح عظمت، شرف اور قوت کے دو درجہ معلوم ہوتے ہیں ۔ ایک وہ مرتبہ ہے جیسے بادشاہ کو رعیت پر باعتبار کثرتِ اعوان اور زیادتیٔ مال کے ہوتا ہے یا جیسے طاقت ور اور استاد کو ضعیف اور شاگرد پر ہوتا ہے ۔ الغرض ایک قسم کی مشارکت اصل عظمت میں پائی جاتی ہے ۔ اور دوسرا درجہ عظمت کا وہ ہے کہ وہ صرف اس میں ہو جس کی رفعت و شان نہایت اعلیٰ درجہ کی ہو ۔ اور آپ اس سبر کی تفتیش میں بس نہ کریں جب تک اس بات کا یقین نہ کر لیں کہ جو شخص سلسلۂ ممکنات کو ایسے واجب کی طرف منتہی جانتا ہے

جوکسی کا محتاج نہیں تو بالضرور ان صفات کو جن سے مدح کیجاتی ہے دو درجوں میں تقسیم کرتا ہے ایک وہ درجہ جو شان خداوندی کے لائق ہو اور دوسرے وہ جو اپنی حالت اور شان کے مناسب ہے اور جبکہ وہ الفاظ جو دونوں کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں باہم معنی کے لحاظ سے قریب قریب تھے ۔ پس بسا اوقات نصوص شرائع الہیہ غیر محمل پر محمول کئے جاتے ہیں اور اکثر اوقات انسان اپنے بعض افراد سے یا ملائکہ وغیرہ سے وہ اثر صادر ہوتے دیکھتا ہے جو اس کے ابنائے جنس سے نہایت مستبعد ہے اس لئے اسکی نظر میں اصل حالت مشتبہ ہوجاتی ہے تب اسکے لئے وہ قدسی مرتبہ اور تسخیر الہی ثابت کرتا ہے حالانکہ لوگ اس درجہ کے شناخت میں برابر نہیں ۔ پس بعض لوگ ایسے ہیں جو اپنے انوار کی قوتوں کا احاطہ کر لیتے ہیں جن کے اثر تمام موالید پر غالب اور محیط ہوتے ہوتے ہیں اور اس درجہ کو پہچان لیتے ہیں اور بعضوں کو اسے احاطہ کرنے کی طاقت نہیں ہوا کرتی ۔ اور ہر انسان کو اسقدر تکلیف دی گئی ہے جتنی اس سے ممکن ہے ۔ اس حکایت کے یہی معنی ہیں جس کو نبی علیہ السلام نے بیان فرمایا ہے کہ خدا نے اس شخص کو نجات دی تھی جس نے اپنے اہل کو حکم دیا تھا کہ مجھ کو جلا دینا اور میری راکھ کو ہوا میں اُڑا دینا ۔ اس کو خوف تھا کہ مبادا خدا مجھ کو پھر زندہ کرے اور مجھ پر قابو پالے ۔ اس کو یہ یقین تھا کہ خدا میں بڑی قدرت ہے لیکن اسکو قدرت انہی چیزوں میں ہے جو کہ ممکن ہیں ممتنع چیزوں میں اس کو قدرت نہیں کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ اس راکھ کا جمع کرنا محال ہے ۔ جس کا نصف حصہ آدمی دریا میں بہا دے اور نصف ہوا میں اُڑا دے ۔ پس اس خیال سے خدا کی ذات میں کچھ نقص نہیں ہوا جتنا اسکا علم تھا اتنا ہی ماخوذ ہوا اور کافروں میں اسکا شمار نہوا ۔ تو تشبیہ اور ستاروں اور نیک بندوں کے ساتھ شرک کرنا جن سے کشف و قبولیت دعا وغیرہ خلاف عادت امور ظاہر ہوتے ہیں لوگوں میں موروثی ہو گیا ہے اور جو نبی اپنی قوم میں بھیجا جاتا ہے اس کا فرض ہے کہ وہ شرک کی حقیقت سمجھائے اور دونوں درجوں کی حقیقت تمیز کر کے دکھا دے اور مقدس درجہ کو خاص واجب تعالیٰ میں حصر کر دے اگرچہ دونوں درجوں کے الفاظ قریب المعنی ہوں جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طبیب سے فرمایا تھا کہ تو صرف رفیق ہے طبیب درحقیقت اللہ تعالیٰ ہے ۔ اور جیسے آپنے فرمایا کہ سردار صرف خدا ہی ہے' ان حدیثوں میں طبیب اور سردار کے خاص معنی لئے ہیں اسکے بعد جب رسول اللہ کے حواری صحابہ اور حاملین

لایحتاج الی غیرہ یضطر الی جعل ھذہ الصفات التی یتمادحون بھا علی درجتین درجۃ لما ھنالک ودرجۃ لما یشبھہ بنفسہ ؛

ولما کانت الالفاظ المستعملۃ فی الدرجتین متقاربۃ فربما یحمل نصوص الشرائع الالھیۃ علی غیر محملھا وکثیرا ما یطلع الانسان علی اثر صادر من بعض افراد الانسان او الملائکۃ او غیرھا یستبعدہ من ابناء جنسہ فیشتبہ علیہ الامر فیثبت لہ شرفا مقدسا وتسخیرا الھیا ولیسوا فی معرفۃ الدرجۃ المتعالیۃ سواء فمنھم من یحیط بقوی الانوار المحیطۃ الغالبۃ علی الموالید ویعرفھا من جنسہ ومنھم من لا یستطیع ذلک وکل انسان مکلف بما عندہ من الاستطاعۃ وھذا تاویل ما حکاہ الصادق المصدوق صلی اللہ علیہ وسلم من نجاۃ مسرف علی نفسہ امر اھلہ بحرقہ وتذریۃ رمادہ حذرا من ان یبعثہ اللہ ویقدر علیہ فھذا الرجل استیقن بان اللہ متصف بالقدرۃ التامۃ لکن القدرۃ انما ھی فی الممکنات لا فی الممتنعات وکان یظن ان جمع الرماد المتفرق نصفہ فی البر ونصفہ فی البحر ممتنع فلم یجعل ذلک نقصا فاخذ بقدر ما عندہ من العلم ولم یعد کافرا کان التشبیہ والاشراک بالنجوم وبصالحی العباد الذین ظھر منھم خرق العوائد کالکشف واستجابۃ الدعاء متوارثا فیھم وکل نبی یبعث فی قومہ فانہ لابد ان یفھمھم حقیقۃ الاشراک ویمیز کلا من الدرجتین ویحصر الدرجۃ المقدسۃ فی الواجب و ان تقاربت الالفاظ کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لطبیب انما انت رفیق والطبیب ھو اللہ وکما قال السید ھو اللہ یشیر الی بعض المعانی دون بعض ، ثم لما انقرض الحواریون من اصحابہ

اور ناخلف لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے نمازوں کو ضائع کر دیا اور خواہشوں کی
پیروی کی اور مستعمل اور مشتبہ الفاظ کے بیجا معنی بنالئے جیسے محبوبیت اور شفاعت
کو خدا نے تمام شریعتوں میں بندگان خوص کے لئے ثابت کیا ہے لیکن لوگ
اسکے بیجا معنی مراد نہیں لیتے اور ایسے ہی خلاف عادت اور مکاشفات سے وہ لوگ
یہ مراد لیتے ہیں کہ علم الٰہی اور غلبۂ الٰہی کی حالت اس شخص میں منتقل ہو آتی ہے
جو ایسے ایسے کام کرتا ہے حالانکہ یہ امور ناسوتی یا روحانی طاقتوں کا فیض
ہیں جو تدبیر کے نزول کے لئے انسان کو آمادہ کر دیتی ہے اور درحقیقت ایجاد
الٰہی نہیں ہیں اور نہ ہی خدا تعالیٰ کی خاص باتیں ہیں۔ اس مرض میں لوگ کئی
طرح سے گرفتار ہوتے ہیں بعض وہ ہیں جو خدا تعالیٰ کی بزرگی کو بالکل بھول
گئے اور صرف شرکا کی ہی عبادت کرتے ہیں اور اپنی حاجتوں کو انہی سے
مانگتے ہیں اور خدا کی طرف بالکل متوجہ نہیں ہوتے اگرچہ یقینی دلیل سے
خوب جانتے ہیں کہ سلسلۂ وجود خدا پر ہی ختم ہوتا ہے۔ اور بعض لوگوں
کا اعتقاد ہے کہ سردار اور مدبر تو خدا ہی ہے لیکن اپنے بعض بندوں کو
بزرگی اور معبودیت کا خلعت پہنا دیتا ہے اور ان کو بعض امور کا اختیار
دیتا ہے اور ان کی پرستش کرنے والوں کے حق میں ان کی سفارش قبول
کرتا ہے جیسے کوئی شہنشاہ ہر ملک میں اپنی طرف سے اور بجز بڑے
بڑے کاموں کے اس ملک کی پوری تدبیر اس کے سپرد کر دے یہی
ایسے شخص کے حق میں ان لوگوں کو بندگان خدا کہنے کی جرأت نہیں
ہوتی تاکہ کہیں وہ اوروں کے برابر نہ ہو جائیں۔ پس وہ اسکی بجائے
ان کو ابن اللہ اور محبوب الٰہی کہتے ہیں اور اپنے نام میں انکی عبودیت
ظاہر کرتے ہیں جیسے عبدالمسیح، عبدالعزیٰ۔ اور اس مرض میں یہود
نصاریٰ اور مشرکین عام ہیں۔ اور فی زماننا اسلام میں بھی بعض ایسے
غالی اور منافق موجود ہیں ❊

اور جبکہ شریعت کی بنیاد اس پر ہے کہ ظن کی چیز کو بجائے
اصل کے سمجھے اس لئے وہ محسوس امور جن میں شرک کا گمان تھا
کفر شمار کئے گئے جیسے بتوں کو سجدہ کرنا، ان کے لئے قربانی کرنا،
اور ان کے نام کی قسم کھانا اور ایسے ہی اور امور۔ اول اول
مجھ پر یہ علم اس طرح منکشف ہوا کہ میرے سامنے ایسی قوم
پیش کی گئی ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊

وحملة دينه خلف من بعدهم خلف اضاعوا الصلوٰة
واتبعوا الشهوات فحملوا الفاظ المستعملة المشتبهة
على غير محلها كما حملوا المحبوبية والشفاعة التى
اثبتها الله تعالى فى قاطبة الشرائع لخواص البشر
على غير محلها وكما حملوا اصدور خرق العوايد و
الاشرافات على انتقال العلم والتصرف الاقصيين
الى هذا الذى يرى منه والحق ان ذلك كله يرجع
الى قوى ناسوتية او روحانية تعد لنزول التدبير
الالهى على وجه وليس من الايجاد والامور المختصة
بالواجب فى شئ والمرضى بهذا المرض على اصناف
منهم من نسى جلال الله بالكلية فجعل لا يعبد
الا الشركاء ولا يرفع حاجته الا اليهم لا يلتفت
الى الله اصلا وان كان يعلم بالنظر البرهانى ان
سلسلة الوجود تنصرم الى الله ومنهم من اعتقد
ان الله هو السيد وهو المدبر لكنه قد يخلع على
بعض عبيده لباس الشرف والتأله ويجعله متصرفا
فى بعض الامور الخاصة ويقبل شفاعته فى عباده
بمنزلة ملك الملوك يبعث على كل قطر ملكا ويقلده
تدبير تلك المملكة فيما عدا الامور العظام فيتلجلج
لسانه ان يسميهم عباد الله فيسويهم وغيرهم
فعدل عن ذلك الى تسميتهم ابناء الله ومحبوبى الله وسمى
نفسه عبد الاولئك كعبد المسيح وعبد العزى وهذا
مرض جمهور اليهود والنصارى والمشركين وبعض
الغلاة من منافقى دين محمد صلى الله عليه وسلم
يومنا هذا ❊

ولما كان مبنى التشريع على اقامة المظنة
مقام الاصل عن اشياء محسوسة هى مظان الاشراك
كفرا كسجدة الاصنام والذبح لها والحلف باسمها
وامثال ذلك وكان اول فتح هذا العلم على ان رفع

جو ایک چھوٹی سی زہریلی مکھی کے لئے سجدہ کرتی تھی جو ہمیشہ اپنی دُم اور ہاتھ پاؤں ہلاتی رہتی تھی تو میرے دل میں القا ہوا کہ کیا تو ان میں بھی شرک کی تاریکی پاتا ہے۔ اور ان کو ان کے گناہوں نے بھی اسطرح گھیر رکھا ہے جس طرح بت پرستوں کو؟ میں نے کہا نہیں کیونکہ انھوں نے مکھی کو اپنا قبلہ قرار دیا ہے اور ذلت کے درجہ کو عزت کے درجہ سے نہیں ملایا ہے تو آواز آئی کہ تجھے راز کی رہبری ہوگئی۔ پس اس دن سے میرا دل علم توحید سے بھر گیا اور اس میں مجھ کو بصیرت حاصل ہوگئی۔ اور توحید و شرک اور ان چیزوں کی حقیقت جنکو شرع نے توحید و شرک کا موقع قرار دیا ہے بخوبی مجھ کو معلوم ہوگئی اور تدبیر کے ساتھ عبادت کے تعلق کو میں خوب سمجھ گیا واللہ اعلم۔

تیسرا باب (۳۸): شرک کے اقسام کا بیان

شرک کی حقیقت یہ ہے کہ بعض بزرگوں کی نسبت کسی کا یہ اعتقاد ہو کہ عجیب عجیب اثر جو ان سے صادر ہوئے ہیں وہ محض ان صفات کی وجہ سے سرزد ہوئے ہیں جو انسان میں نہیں ہوسکتیں بلکہ صرف واجب تعالیٰ ہی میں پائی جاسکتی ہیں دوسرے کسی شخص میں اسکا جب ہی امکان ہے کہ خدا تعالیٰ الوہیت کا خلعت اس کو پہنادے یا اس کو فنا کرکے اپنی ذات میں ملالے یا ایسا ہی بیہودہ گمان کوئی اور ہو جس کا مشرکین اعتقاد کیا کرتے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ مشرکین لبیک کہنے میں یہ الفاظ پڑھا کرتے تھے ہم حاضر ہیں ہم حضور میں ہیں تیرا کوئی شریک نہیں ہے ہاں وہ شریک جس کا تو مالک ہے اور جس کی تمام ملکیت کا تو مالک ہے اسی لئے اس شخص معبود کے سامنے نہایت تذلل کیا جائے اور اس سے ویسا ہی معاملہ کیا جائے جیسا کہ بندے خدا کے ساتھ کرتے ہیں۔

اور اس قسم کے معاملات کی مختلف صورتیں ہیں شریعت انہی قوالب اور صورتوں سے بحث کرتی ہے جن کو انسان بہ نیت شرک عمل میں لاتا ہے یہاں تک کہ وہ عادۃً مشرک سمجھا گیا۔ جیسا کہ شریعت تمام علل متلازمہ اصلاح و فساد کو ان اصلاح و فساد کی جگہ قائم رکھتی ہے۔ اور ہم آپ کو وہ امور بتلاتے ہیں جن کو خدا نے شریعت محمدیہ میں علی صاحبہا السلام

لي قوم يسجدون لذباب صغير يسمى لا يزال يحرك ذنبه واطرافه فنفث في قلبي هل تجد فيهم ظلمة الشرك وهل احاطت الخطيئة بانفسهم كما تجدها في عبدة الاوثان؟ قلت لا اجد فيهم لانهم جعلوا الذباب قبلة ولم يخلطوا درجة تذلل بالاخرى قيل فقد هديت الى السر فيومئذ ملئ قلبي بهذا العلم وصرت على بصيرة من الامر وعرفت حقيقة التوحيد والاشراك وما نصبه الشرع مظان لهما وعرفت ارتباط العبادة بالتدبير والله اعلم۔

باب اقسام الشرك

حقيقة الشرك ان يعتقد انسان في بعض المعظمين من الناس ان الآثار العجيبة الصادرة منه انما صدرت لكونه متصفا بصفة من صفات الكمال مما لم يعهد في جنس الانسان بل يختص بالواجب جل مجده لا يوجد في غيره الا ان يخلع هو خلعة الالوهية على غيره او يفني غيره في ذاته ويبقى بذاته او نحو ذلك مما يظنه هذا المعتقد من انواع الخرافات كما ورد في الحديث ان المشركين كانوا يلبون بهذه الصيغة لبيك لبيك لا شريك لك الا شريكا هو لك تملكه وما ملك، فيتذلل عنده اقصى التذلل ويعامل معه معاملة العباد مع الله تعالى۔

وهذا المعنى له اشباح وقوالب والشرع لا يبحث الا عن اشباحه وقوالبه التي باشرها الناس بنية الشرك حتى صارت مظنة للشرك ولازما له في العادة كسنة الشرع في اقامة العلل المتلازمة للمصالح والمفاسد مقامها، ونحن نريد ان ننبهك على امور جعلها الله تعالى في الشريعة المحمدية على

شرک کے مواقع سمجھ کر ان سے منع کر دیا ہے منجملہ ان کے یہ ہے کہ مشرکین اصنام اور ستاروں کو سجدہ کیا کرتے تھے اسی لئے شریعت نے غیر خدا کے سجدہ منع فرمایا اور یہ آیت نازل ہوئی "چاند اور سورج کو سجدہ نہ کرو، بلکہ جس اللہ نے ان کو پیدا کیا اس کو سجدہ کرو" اور سجدہ کرنے میں کسی کو شریک کرنا اس بات کو ضرور چاہتا ہے بلکہ لازم ہے کہ تدبیر الٰہی میں بھی اس کو شریک کرے گا جس کیطرف ہم اشارہ کر چکے ہیں اور متکلمین کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ توحید عبادت احکام الٰہیہ میں سے ایک حکم ہے جو مذہبوں کے اختلاف سے مختلف ہو سکتا ہے اس کے لئے دلیل یقینی کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اگر یہی بات ہوتی تو خدا تعالیٰ مشرکین کو الزام نہ دیتا کہ وہ پیدا کرنے اور تدبیر کرنے میں یگانہ ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ "سب تعریف اللہ تعالےٰ کے لئے ہے اور مقبول لوگوں پر سلام ہے کیا خدا تعالےٰ بہتر ہے" اخیر پانچ آیتوں تک۔ بلکہ حق یہ ہے کہ وہ یہ بات تسلیم کرتے تھے کہ عبادت کا مدار انہیں دونوں باتوں پر ہے جیسا کہ ہم توحید کے معنی میں اس کی طرف اشارہ کر چکے ہیں پس اسی واسطے خدا تعالےٰ نے ان کو الزام دیا وللہ الحجۃ البالغۃ۔

اور انہی امور شرکیہ میں سے یہ ہے کہ مشرکین اپنے اغراض کے لئے غیر خدا سے امداد طلب کیا کرتے تھے۔ بیمار کی شفا اور غریبوں کی تونگری کو ان سے طلب کرتے تھے اور ان کے نام کی نذریں مان کر اپنی حاجات اور مقاصد کے حاصل ہونے کے متوقع رہتے تھے اور ان کی برکات کی امید میں ان کے نام جپا کرتے تھے اسیواسطے خدا تعالیٰ نے لوگوں پر واجب کیا کہ یہ پڑھا کریں "ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے یاوری کے خواہاں ہیں"۔ اور اللہ تعالےٰ نے فرمایا "خدا تعالیٰ کے ساتھ دوسرے کو مت پکارو" اور یہاں دعا کے معنی عبادت کے نہیں ہیں جیسے بعض مفسروں کا قول ہے بلکہ استعانت کے ہیں۔ خدا تعالےٰ کے اس قول کی وجہ سے کہ "خدا ہی سے مدد طلب کرو تاکہ وہ حاجت پوری ہو جائے جس میں تم مدد کے خواہاں ہو"۔ اور ان ہی امور شرکیہ میں سے یہ ہے کہ مشرکین بعض شرکاء الٰہی کو خدا کی بیٹیاں اور بعض کو بیٹے کہتے تھے پس اس سختی کے ساتھ منع کر دیا اور اسکا راز ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور نیز امور شرکیہ میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اپنے احبار اور رہبان کو خدا کے سوائے معبود اور

صاحبها الصلوات والتسليمات مظنات للشرك فنهى عنها، فمنها انهم كانوا يسجدون للاصنام والنجوم فجاء النهى عن السجدة لغير الله قال الله تعالىٰ "لا تسجدوا للشمس ولا للقمر واسجدوا لله الذى خلقهن" و الاشراك فى السجدة كان متلازما للاشراك فى التدبير كما اومأنا اليه وليس الامر كما يظن بعض المتكلمين من ان توحيد العبادة حكم من احكام الله تعالى مما يختلف باختلاف الاديان لا يطلب بدليل برهانى كيف ولو كان كذلك لم يلزمهم الله تعالى بتفرده بالتخليق والتدبير كما قال عن من قائل "قل الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى آلله خير" الى آخر خمس آيات بل الحق انهم اعترفوا بتوحيد الخلق وبتوحيد التدبير فى الامور العظام وسلموا ان العبادة متلازمة معهما لما اشرنا اليه فى تحقيق معنى التوحيد فلذلك الزمهم الله تعالى بما الزمهم ولله الحجة البالغة ومنها انهم كانوا يستعينون بغير الله فى حوائجهم من شفاء المريض وغناء الفقير وينذرون لهم يتوقعون انجاح مقاصدهم بتلك النذور ويتلون اسماءهم رجاء بركتها فاوجب الله تعالى عليهم ان يقولوا فى صلاتهم اياك نعبد واياك نستعين وقال تعالى فلا تدعوا مع الله احدا وليس المراد من الدعاء العبادة كما قاله بعض المفسرين بل هو الاستعانة لقوله تعالى بل اياه تدعون فيكشف ما تدعون، ومنها انهم كانوا يسمون بعض شركائهم بنات الله وابناء الله فنهوا عن ذلك اشد النهى وقد شرحنا سره من قبل ومنها انهم كانوا يتخذون احبارهم ورهبانهم اربابا من دون الله تعالى بمعنى انهم كانوا يعتقدون ان ما احله هؤلاء حلال لا بأس به فى نفس الامر و ان ما حرمه هؤلاء حرام يؤاخذون به فى نفس

اور جب یہ آیت نازل ہوئی "اتخذوا احبارھم ورھبانھم الآیہ"
(کافروں نے علماء اور زاہدوں کو دوسرا خدا بنا رکھا ہے) تو عدی بن حاتم نے
نبی علیہ السلام سے اسکا مطلب پوچھا آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ جس چیز کو حلال
کہدیتے ہیں یہ لوگ اسکو حلال سمجھتے تھے اور جس کو حرام کہدیتے تھے اسکو حرام جانتے
تھے - اسکا راز یہ ہے کہ تحلیل اور تحریم کے معنی ملکوت میں ایک حکم نافذ کر دینا ہے
کہ فلاں شئی پر مواخذہ ہے اور فلاں پر نہیں اور یہ کہدینا ہی مواخذہ اور عدم مواخذہ
کا سبب ہوتا ہے اور یہ خدا کی صفات میں سے ہے لیکن وہ تحلیل و تحریم جس کی
نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی جاتی ہے تو اسکے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت
کا قول اس کی تحلیل و تحریم کے لئے علامت ہے اور اس تحلیل و تحریم کو
مجتہدین امت کی طرف منسوب کرنے کے معنی یہ ہیں کہ یہ اشخاص اس
حکم کو شارع سے روایت کرتے ہیں یا اس کے کلام سے استنباط کرتے
ہیں ۔

واضح ہو کہ جب خدا تعالے نے رسول بھیجے اور اس کی رسالت معجزات
سے ثابت ہوگئی اور اس کی زبان سے بعض امور کا حلال و حرام ہونا
معلوم ہوگیا پھر بعض لوگ یہ سمجھ کر کہ ان کے مذہب میں یہ چیز حرام تھی
اس سے باز رہیں اور دل میں کراہت کریں تو یہ توقف دو طرح کا ہوتا
ہے اوّل یہ کہ اس شخص کو اس شریعت کے ثبوت ہی میں شک ہو تو
ایسا شخص نبی کا منکر ہے اور کافر ہے - دوئم یہ کہ اسکو پہلی تحریم کی نسبت
یہ اعتقاد ہے کہ وہ منسوخ ہونے کے قابل ہی نہیں ہے کیوں کہ خدا تعالے
نے اپنے بندے کو الوہیت کا خلعت پہنا دیا تھا اور وہ شخص فنا فی اللہ اور
باقی باللہ ہوگیا پس کسی امر سے اس کا منع کرنا یا کسی امر کو اس کا مکروہ سمجھنا
مال اور اہل میں باعث محرومی ہے پس ایسا شخص مشرک ہے وہ
غصہ اور ناراض ہونے میں، حلال اور حرام کرنے میں دو مقدس ہستیوں
کا اعتقاد کرتا ہے - اور نیز امور شرکیہ میں سے یہ بھی ہے کہ وہ لوگ بتوں
اور ستاروں سے تقرب ان کے لئے قربانیاں کر کے چاہا کرتے تھے یا تو
اس طرح سے کہ ذبح کے وقت ان کا نام لیتے تھے یا اپنے خاص ستاروں
پر ذبح کرتے تھے پس ایسا کرنے سے ان کو روکا گیا - نیز ان امور شرکیہ
میں سے یہ ہے کہ وہ اپنے شرکا کے نام پر سانڈ چھوڑتے تھے ۔

الامر ولما نزل قوله تعالى اتخذوا احبارهم ورهبانهم
الآية سأل عدى بن حاتم رسول الله صلى الله عليه
وسلم عن ذلك فقال كانوا يحلون لهم اشياء
فيستحلونها ويحرمون عليهم اشياء فيحرمونها،
وسر ذلك ان التحليل والتحريم عبارة عن تكوين
نافذ في الملكوت ان الشئ الفلاني يؤاخذ به او
لا يؤاخذ به فيكون هذا التكوين سببا للمؤاخذة
وتركها وهذا من صفات الله تعالى واما نسبة
التحليل والتحريم الى النبي صلى الله عليه وسلم
فبمعنى ان قوله امارة قطعية لتحليل الله وتحريمه
واما نسبتها الى المجتهدين من امته فبمعنى روايتهم
ذلك عن الشرع من نص الشارع او استنباط معنى من
كلامه ۔

واعلم ان الله تعالى اذا بعث رسولا وثبتت
رسالته بالمعجزة واحل على لسانه بعض ما كان
حراما عندهم ووجد بعض الناس في نفسه
انحجاما عنه وبقي في نفسه ميل الى حرمته لما وجد
في ملته من تحريمه فهذا على وجهين ان كان التردد
في ثبوت هذه الشريعة فهو كافر بالنبي وان كان
لاعتقاد وقوع التحريم الاول تحريما لا يحتمل النسخ
لاجل انه تبارك وتعالى خلع على عبد خلعة الالوهية
او صار فانيا في الله باقيا به فصار نهيه عن فعل
او كراهيته له مستوجبا للحرم في ماله واهله فذلك
مشرك بالله تعالى مثبت لغيره غضبا وسخطا
مقدسين وتحليلا وتحريما مقدسين، ومنها انهم
كانوا يتقربون الى الاصنام والنجوم بالذبح لاجلهم
اما بالاهلال عند الذبح باسمائهم واما بالذبح
على الانصاب المخصوصة لهم فنهوا عن ذلك
ومنها انهم كانوا يسيبون السوائب والبحائر تقربا

پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا" ماجعل اللہ من بحیرۃ ولا سائبۃ الآیۃ" (اللہ تعالےٰ نے نہ کان پھٹے کو مشروع کیا ہے اور نہ سانڈ) نیز انہی امور میں سے یہ ہے کہ وہ بعض لوگوں کے ناموں کو نہایت متبرک جانتے تھے اور یہ بھی عقیدہ رکھتے تھے کہ ان کا نام لے کر جھوٹی قسم کھانے سے جان ومال کا نقصان ہوتا ہے اس لئے وہ اپنے اہم معاملات میں اپنے شرکاء کے نام کی قسم کھایا کرتے تھے سو اس سے ان کو منع کیا گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ جس نے غیر اللہ کے نام کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔ بعض محدثین نے اس کو تہدید اور تغلیظ پر محمول کیا ہے اور میں محدثین کی اس تفسیر کا قائل نہیں ہوں بلکہ میرے نزدیک اس حلف سے مراد یمین منعقدہ اور یمین غموس ہے جو اس اعتقاد کی بنا پر ہو جس کا ہم نے ذکر کیا۔ نیز ان امور شرکیہ میں سے غیر اللہ کی زیارت کرنا ہے اور وہ اس طرح سے ہوتا تھا کہ بعض مواضع کو یہ سمجھتے تھے کہ وہ نہایت متبرک اور شرکاء کے ساتھ مخصوص ہیں وہاں جانے سے ان کا تقرب نصیب ہوتا ہے۔ پس شریعت نے ایسا کرنے سے منع کر دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ تین مقامات کے سوا اور کسی جگہ کے لئے سواریاں نہ کسو۔ نیز ان امور شرکیہ میں سے یہ ہے کہ وہ اپنی اولاد کا نام عبدالعزیٰ وعبدالشمس وغیرہ رکھتے تھے سو اللہ تعالےٰ نے فرمایا" وہ ذات ایسی ہے جس نے تمہاری تخلیق نفسِ واحد سے کی اور اسی کی جنس سے اسکی زوجہ کی تخلیق فرمائی تاکہ اسکو اس سے آرام ملے" فَلَمَّا تَغَشّٰهَا الآیۃ" اور حدیث میں آیا ہے کہ حضرت حوا نے شیطان کے بہکانے پر اپنے بیٹے کا نام عبدالحارث رکھا تھا اور بے شمار احادیث سے ثابت ہے کہ جن لوگوں کے نام عبدالعزیٰ اور عبدالشمس وغیرہ تھے آں حضرت نے ان کو بدل کر عبداللہ وعبدالرحمٰن وغیرہ رکھدیے تھے۔ یہ سب مذکورہ بالا امور شرک کے قالب تھے اسواسطے شارع نے ان سب سے لوگوں کو روک دیا واللہ اعلم ٭

چوتھا باب (۳۹): خدا کی صفات پر ایمان لانیکا بیان ٭

واضح ہو کہ نیکی کی تمام قسموں میں سے سب سے زیادہ پر عظمت قسم خدا تعالےٰ کی صفات پر ایمان لانا' ان کے ساتھ خدا کے متصف ہونیکا اعتقاد کرنا ہے اسکی وجہ سے بندے اور خدا تعالیٰ میں تعلق کا دروازہ کھل جاتا ہے ٭٭

الی شرکائہم فقال اللہ تعالیٰ ما جعل اللہ من بحیرۃ ولا سائبۃ الآیۃ، ومنها انهم کانوا یعتقدون فی اناس ان اسماءهم مبارکۃ معظمۃ وکانوا یعتقدون ان الحلف باسمائهم علی الکذب یستوجب حرما فی ماله واهله فلا یقدمون علی ذلک ولذلک کانوا یستحلفون الخصوم باسماء الشرکاء بزعمهم فنهوا عن ذلک، وقال النبی صلی اللہ علیه وسلم من حلف بغیر اللہ فقد اشرک، وقد فسره بعض المحدثین علی معنی التغلیظ والتهدید ولا اقول بذلک وانما المراد عندی الیمین المنعقدۃ والیمین الغموس باسم غیر اللہ تعالیٰ علی اعتقاد ما ذکرنا، ومنها الحج لغیر اللہ تعالیٰ وذلک ان یقصد مواضع متبرکۃ مختصۃ بشرکائهم یکون الحلول بها تقربا من هؤلاء فنهی الشرع عن ذلک، وقال النبی صلی اللہ علیه وسلم لا تشد الرحال الا الی ثلاثۃ مساجد، ومنها انهم کانوا یسمون ابناءهم عبد العزی وعبد شمس ونحو ذلک فقال اللہ هو الذی خلقکم من نفس واحدۃ وجعل منها زوجها لیسکن الیها فلما تغشاها الآیۃ، وجاء فی الحدیث ان حواء سمت ولدها عبد الحرث وکان ذلک من وحی الشیطان، وقد ثبت فی احادیث لا تحصی ان النبی صلی اللہ علیه وسلم غیر اسماء اصحابه عبد العزی وعبد شمس ونحوهما الی عبد اللہ وعبد الرحمٰن وما اشبههما فهذه اشباح وقوالب للشرک نهی الشارع عنها لکونها قوالب له واللہ اعلم

باب الایمان بصفات اللہ تعالیٰ

اعلم ان من اعظم انواع البر الایمان بصفات اللہ تعالیٰ واعتقاد اتصافه بها فانه یفتح بابا

جس سے وہاں کی بزرگی اور کبریائی کے منکشف ہونے میں مدد ملتی ہے۔

معلوم ہونا چاہئے کہ خدا تعالیٰ کا مرتبہ اس سے بلند ہے کہ کسی عقلی یا حسی چیز پر اسکو قیاس کرسکیں یا اسمیں صفات ایسے حلول کریں جیسے اپنے اپنے محل میں اعراض حلول کرتے ہیں یا عام عقلیں ان کا اندازہ کرسکیں یا معمولی الفاظ ان کو ادا کرسکیں۔ لیکن لوگوں کے واسطے ان کی تعریف بھی ضروری ہے تاکہ حتی الامکان وہ اپنے کمال کو پورا کرسکیں اس لئے ضرور ہے کہ صفات سے نتیجے اور غایتیں مراد لی جائیں نہ کہ ان کی ابتدائی حالتیں، مثلاً رحمت کے معنی نعمتوں کا دینا مراد ہے نہ کہ دل کا میلان اور نرم ہونا۔ اور اسیطرح جمیع موجودات کو خدا تعالےٰ کا مسخر بیان کرنے میں ایسے الفاظ استعارۃً لئے جائیں جن کے معنی بادشاہ کا شہر کو مسخر کرنا ہے کیونکہ اس غرض کے لئے کوئی اور عبارت زیادہ خوش ادا نہیں ہے۔ اور تشبیہات کا اسطرح استعمال ہو کہ ان کے اصلی معنی مراد نہ ہوں بلکہ ایسے معنی مقصود ہوں جو عرفاً اصلی معنی کے مناسب ہوں مثلاً ہاتھ کی کشائش سے فیاضی مراد ہو۔ اور ان تشبیہات میں یہ بھی ضروری ہے کہ مخاطبین کو بہیمی آلودگیوں کا خدا کی ذات میں ہونے کا صریح شبہ نہ ہو اور یہ حالت مخاطبین کی فہم پر مختلف ہوتی ہے اسلئے یوں کہنا چاہئے کہ خدا سنتا ہے، دیکھتا ہے، یہ نہیں کہنا چاہئے کہ وہ چکھتا ہے یا چھوتا ہے۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ چند معانی جن کا ایک ہی اثر ہے، ان کے فیضان کو ایک ہی نام سے تعبیر کریں جیسے کہیں رزاق یا مصوّر، اور ان اوصاف کی خدا سے نفی کی جائے جو اس کی شان کے شایان نہ ہوں بالخصوص وہ اوصاف جن کو ظالمین نے خدا کے حق میں بیان کیا ہے۔ پس یوں کہینگے کہ خدا کے کوئی فرزند نہیں اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے۔ تمام آسمانی مذاہب نے اتفاق کیا ہے کہ خدا کی صفات اسطرح بیان کی جائیں۔ اور اس پر متفق ہیں کہ ان عبارات کو اسیطرح استعمال کرنا چاہئے اور معنی مستعمل سے زیادہ ان پر بحث نہیں کرنی چاہئے، اور اسی حالت پر وہ قرون گذر گئے جنکے لئے حضرت نے خیر کی شہادت دی تھی (یعنی قرون ثلاثہ) پھر اسکے بعد اہل اسلام میں سے ایک گروہ بغیر نص اور دلیل قطعی کے انکے معانی کی تحقیق اور بحث کرنے لگا۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مخلوق میں غور کرو خالق میں غور نہ کرو۔ اور آیت وان الی ربک المنتہی کی تفسیر میں آنحضرت نے فرمایا کہ پروردگار کی ذات میں غور نہیں کیا جاسکتا اسکی صفات مخلوق اور نو پیدا نہیں ہیں اور ان میں غور کرنے کے معنی یہی

بين هذا العبد وبينه تعالى ويحدّه لانكشاف ما هنالك من المجد والكبرياء +

واعلم ان الحق تعالى اجلّ من ان يقاس بمعقول او محسوس او يحلّ فيه صفات كحلول الاعراض في محالها او تعالجه العقول العامية او تتناوله الالفاظ العرفية ولابد من تعريفه الى الناس ليكملوا كمالهم الممكن لهم فوجب ان تستعمل الصفات بمعنى وجود غاياتها لا بمعنى وجود مباديها فمعنى الرحمة افاضة النعم لا انعطاف القلب والرقة وان تستعار الفاظ تدل على تسخير الملك لمدينته لتسخيره لجميع الموجودات اذ لا عبارة في هذا المعنى افصح من هذه وان تستعمل تشبيهات بشرط ان لا يقصد الى انفسها بل الى معان مناسبة لها في العرف فيراد ببسط اليد الجود مثلا وبشرط ان لا يوهم المخاطبين ايهاما صريحا انه في اللواث البهيمية وذلك يختلف باختلاف المخاطبين فيقال يرى ويسمع ولا يقال يذوق ويلمس وان يسمى افاضة كل معان متفقة في امر باسم كالرزاق والمصور وان يسلب عنه كل ما لا يليق به لاسيما ما لهج به الظالمون في حقه مثل لم يلد ولم يولد وقد اجمعت الملل السماوية قاطبتها على بيان الصفات على هذا الوجه وعلى ان تستعمل تلك العبارات على وجهها ولا يبحث عنها اكثر من استعمالها وعلى هذا مضت القرون المشهود لها بالخير ثم خاض طائفة من المسلمين في البحث عنها وتحقيق معانيها من غير نص ولا برهان قاطع قال النبي صلى الله عليه وسلم تفكروا في الخلق و لا تفكروا في الخالق وقال في قوله تعالى وان الى ربك المنتهى لا فكرة في الرب والصفات ليست بمخلوقات محدثات والتفكر فيها انما هو ان الحق كيف اتصف

پس ان میں غور کرنا خالق میں غور کرنا ہے - امام ترمذی نے حدیث "ید اللہ ملائی"
(خدا کا ہاتھ بھرا ہوا ہے) کے متعلق بیان کیا ہے کہ ائمہ حدیث فرماتے ہیں کہ
ہم اسپر اسی طرح سے ایمان رکھتے ہیں جس طرح یہ حدیث وارد ہے بغیر اس
بات کے کہ کچھ اس کی تفسیر کریں یا اس میں وہم پیدا کریں' اکثر ائمہ کا یہی قول
ہے' ان میں حضرت سفیان ثوری' مالک ابن انس' ابن عیینہ اور عبد اللہ
ابن مبارک ہیں' یہ سب کہتے ہیں کہ یہ امور روایت سے ثابت ہیں' ہمارا ان پر
ایمان ہے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ایسا کیونکر ہے اور دوسرے موقع پر ترمذی
ہی نے کہا ہے کہ ان صفات کو جیسا کا تیسا رکھنا تشبیہ نہیں ہے البتہ تشبیہ
یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ اسکی سماعت ہماری سماعت کے مانند ہے اور اسکی
بینائی ہماری بینائی کے مانند ہے - حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
سے اور کسی صحابی سے بہ سند صحیح اس بات کی تصریح منقول نہیں ہے کہ متشابہات
میں تاویل کرنا ضروری ہے یا تاویل کرنا بالکل منع ہے - اور یہ امر محال ہے
کہ خدا تعالٰے اپنے نبی کو "ما انزل الیہ" کی تبلیغ کا حکم دے اور یہ آیت "الیوم
اکملت لکم دینکم" نازل فرمائے پھر متشابہات کے باب میں کچھ نہ فرمائے
اور اسکی کچھ تمیز نہ ہو کہ خدا تعالٰی کیجانب کس امر کو منسوب کرسکتے ہیں اور کس کو منسوب
نہیں کرسکتے حالانکہ آنحضرت نے تبلیغ یا ہمیں بڑی تاکید فرمائی ہے اور حکم دیا ہے
کہ حاضر شخص غائب کو سب خبر دیدے حتی کہ لوگوں نے آپکے اقوال' افعال
اور حالات کو اور ان امور کو جو آپ کے سامنے پیش آئے بخوبی نقل کر دیا -
پس معلوم ہوا کہ سب مسلمانوں کا اتفاق رہا کہ جو خدا کی ان متشابہات سے مراد ہے
اسی پر ایمان رکھنا چاہیے - مخلوقات کی مشابہات سے خدا تعالٰی ذاسطرح
تنزیہ ذکر کردی ہے کہ "اسکی مثل کوئی نہیں ہے" جس شخص نے ان کے بعد اس
قول کی مخالفت کی تو اس نے ان کے طریقہ کی مخالفت کی - انتہی - میں کہتا
ہوں کہ سمع اور بصر' قدرت اور ضحک' کلام اور استوا میں کوئی فرق نہیں کیونکہ
اہل زبان کی نظر میں ان تمام اوصاف سے وہی معنی مفہوم ہوتے ہیں جو
خدا کی بارگاہ قدس کے لائق نہیں ہیں' ضحک کو اسی لئے تو محال کہتے ہیں کہ
اسکے لئے منہ چاہیئے - اور اسیطرح سے صفت کلام ہے - اور بطش اور نزول
میں بھی یہی استحالہ ہے کہ وہ ہاتھ اور پاؤں چاہتے ہیں اور اسیطرح سمع اور
بصر' کان اور آنکھ چاہتے ہیں واللہ اعلم *

ان خوض کرنے والوں نے اہل حدیث پر بڑی زبان درازی کی ہے

بها فكان تفكرا في الخالق قال الترمذي في حديث
يد الله ملائى وهذا الحديث قال الائمة نؤمن
كما جاء من غير ان يفسر او يتوهم هكذا قال غير
واحد من الائمة منهم سفيان الثوري ومالك بن
انس وابن عيينة وابن المبارك انه تروى هذه
الاشياء ويؤمن بها ولا يقال كيف، وقال في موضع
آخر ان اجراء هذه الصفات كما هي ليس بتشبيه
انما التشبيه ان يقال سمع كسمع وبصر كبصر وقال
الحافظ ابن حجر لم ينقل عن النبي صلى الله عليه وسلم
ولا عن احد من الصحابة من طريق صحيح التصريح
بوجوب تاويل شئ من ذلك يعني المتشابهات و
لا المنع من ذكره ومن المحال ان يأمر الله نبيه
بتبليغ ما انزل اليه من ربه وينزل عليه اليوم
أكملت لكم دينكم ثم يترك هذا الباب فلا يميز ما
يجوز نسبته اليه تعالى مما لا يجوز مع حثه على التبليغ
عنه بقوله ليبلغ الشاهد الغائب حتى نقلوا اقواله
وافعاله واحواله وما فعل بحضرته فدل على انهم
اتفقوا على الايمان به على الوجه الذي اراد الله
تعالى منها واوجب تنزيهه عن مشابهات المخلوقات
بقوله ليس كمثله شئ فمن اوجب خلاف ذلك
بعدهم فقد خالف سبيلهم اه اقول ولا فرق بين
السمع والبصر والقدرة والضحك والكلام والاستواء
فان المفهوم عند اهل اللسان من كل ذلك غير ما
يليق بجناب القدس وهل في الضحك استحالة الا
من جهة انه يستدعي الفم وكذلك الكلام وهل
في البطش والنزول استحالة الا من جهة انهما
يستدعيان اليد والرجل وكذلك السمع والبصر
يستدعيان الاذن والعين والله اعلم *

واستطال هؤلاء الخائضون على معشر اهل

کہ ان کا نام مشبہہ اور مجسمہ رکھا ہے مجھ کو خوب ظاہر ہو گیا ہے کہ ان کی زبان درازی محض بے معنی ہے عقلاً اور نقلاً یہی لوگ غلطی پر ہیں اور ائمہ ہدایت کی نسبت ان کا طعن بیجا ہے اسکی تفصیل یہ ہے کہ متشابہات میں دو مقام ہیں ایک یہ کہ خدا تعالےٰ ان صفات کے ساتھ کس طرح متصف ہے آیا یہ صفات ذات خداوندی پر زاید ہیں یا اسکی عین ذات ہیں۔ اور سمع بصر اور کلام وغیرہ کی حقیقت کیا ہے بادی الرائے میں جو معنی ان الفاظ سے سمجھے جاتے ہیں وہ خدا کی شان کے مناسب نہیں ہیں اس مقام کے متعلق حق بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں کچھ نہیں فرمایا بلکہ اس میں بحث و گفتگو کرنے سے اپنی امت کو روک دیا ہے اس لئے کسی کی تاب نہیں ہے کہ جس چیز کو آپ نے منع فرما دیا ہے اس کا اقدام کرے اور دوسرا مقام یہ ہے کہ ایسی صفات کونسی ہیں جن سے خدا تعالےٰ کو متصف ماننا شرعاً جائز ہے اور کن کن صفات کا اطلاق خدا کے لئے ناجائز ہے اسکے متعلق حق یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کی صفات اور اسماء توقیفی ہیں بایں معنی کہ ہم اگرچہ ان قواعد کو جانتے ہیں جنکو شرع نے صفات الٰہی کے بیان کرنے کے لئے معیار قرار دیا ہے جیسا کہ ہم شروع باب میں لکھ چکے ہیں۔ لیکن بہت سے لوگ ایسے ہیں جنکو اگر صفات میں خوض کرنے کی اجازت دیدی جائے تو خود بھی گمراہ ہو جائیں اور لوگوں کو بھی گمراہ کر دیں۔ اور بہت سی ایسی صفات ہیں جن کے ساتھ خدا کو موصوف کرنا اصل میں جائز ہے لیکن کفار کے بعض فرقوں نے ان کا بے جا استعمال کیا ہے اور یہ استعمال ان میں شائع ہو گیا اس لئے اس فساد کے دور کرنے کو شرع نے ان صفات کے استعمال سے منع کر دیا ہے۔ اور بہت سی صفات ایسی ہیں جنکو ظاہری معنی میں استعمال کرنے سے خلاف مقصود کا وہم ہوتا ہے اس واسطے ان صفات کا استعمال کبھی احتراز ضروری ہوا پس ان مصلحتوں سے شرع نے اسماء و صفات کو توقیفی قرار دیا اور کسی کیلئے اپنی رائے سے ان میں خوض کرنیکو مباح نہ رکھا ◆

اور حاصل کلام یہ ہے کہ ضحک، فرحت، شادمانی، غضب اور رضا کا استعمال کرنا خدا کی شان میں جائز ہے اور گریہ، خوف وغیرہ کا استعمال درست نہیں ہے اگرچہ ان دونوں قسموں کا ماخذ قریب قریب ہے۔ اور یہ مسئلہ جس کی ہمنے تحقیق کی عقل اور نقل سے ثابت ہے۔ اس کے آگے اور پیچھے سے باطل کا گذر نہیں ہے ◆ ◆

الحديث وسموهم مجسمة ومشبهة وقالوا هم المتسترون بالبلكفة وقد وضح على وضوحا بينا ان استطالتهم هذه ليست بشئ وانهم مخطئون فى مقالتهم رواية ودراية وخاطئون فى طعنهم ائمة الهدى، تفصيل ذلك ان ههنا مقامين احدهما ان الله تبارك وتعالى كيف اتصف بهذه الصفات وهل هى زائدة على ذاته او عين ذاته؛ وما حقيقة السمع والبصر والكلام وغيرها؛ فان المفهوم من هذه الالفاظ بادى الراى غير لائق بجناب القدس، والحق فى هذا المقام ان النبى صلى الله عليه وسلم لم يتكلم فيه بشئ بل حجر امته عن التكلم فيه والبحث عنه فليس لاحد ان يقدم على ما حجره، والثانى انه اى شئ يجوز فى الشرع ان نصفه تعالى به واى شئ لا يجوز ان نصفه به والحق انه صفاته واسمائه توقيفية بمعنى انا وان عرفنا القواعد التى بنى الشرع بيان صفاته تعالى عليها كما حررنا فى صدر الباب لكن كثيرا من الناس لو ابيح لهم الخوض فى الصفات لضلوا واضلوا وكثيرا من الصفات وان كان الوصف بها جائزا فى الاصل لكن قوما من الكفار حملوا تلك الالفاظ على غير محملها و شاع ذلك فيما بينهم فكان حكم الشرع النهى عن استعمالها دفعا لتلك المفسدة وكثير من الصفات يوهم استعمالها على ظواهرها خلاف المراد فوجب الاحتراز عنها فلهذه الحكم جعلها الشرع توقيفية ولم يبح الخوض فيها بالرأى؛

وبالجملة فالضحك والفرح والتبشبش والغضب والرضا يجوز لنا استعمالها والبكاء والخوف ونحو ذلك لا يجوز لنا استعمالها وان كان الماخذان متقاربين والمسألة على ما حققناه معتضدة بالعقل والنقل لا يحوم الباطل من بين يديها ولا من خلفها والله اعلم

لوگوں کے اقوال اور مذاہب کے زیادہ ابطال کا موقع اور ہے - اب ہم ان
الفاظ متشابہ کی تفسیر اور دوسرے معانی سے کرتے ہیں جو بہ نسبت ان علمائے
معنی کے زیادہ قریب الفہم اور مناسب ہیں تاکہ یہ بات ظاہر ہو جائے کہ جو
معنی انہوں نے ذکر کئے ہیں ابھی تک بالکل متعین نہیں ہوئے ہیں اور دلیل
عقلی میں نظر کرنیوالا انہی معنی کیطرف مجبور نہیں ہے اور دوسرے معنی کے
لحاظ سے کچھ ان کو ترجیح اور فضیلت بھی نہیں ہے نہ انکے لئے یہ حکم ہے کہ یہی اقوال
مراد الٰہی کے موافق ہیں نہ ان کے اعتقاد پر اجماع و اتفاق ہو گیا ہے یہ بات
ابھی بہت دور ہے اسلئے ہم کہتے ہیں مثلاً تمہارے سامنے تین قسم کی چیزیں ہیں
زندہ مردہ اور پتھر زندہ کو خدا کے ساتھ عالم اور موثر ہونے میں بہت مشابہت
ہے اسلئے ضروری ہے کہ ہم خدا کا نام حی رکھیں - اور جبکہ علم ہمارے نزدیک
انکشاف کا نام ہے اور خدا تعالےٰ پر تمام اشیا منکشف ہیں پہلے وہ سب
اس کی ذات میں مندرج تھیں اسکے بعد ان کا وجود تفصیلی ہوا تو ضرور ہم اسکو علیم
کہہ سکتے ہیں - اور جبکہ بینائی اور شنوائی سے نظر آنیوالی اور سنی گئی چیزوں کا
پورا انکشاف ہوتا ہے اور خدا کو یہ انکشاف نہایت کامل درجہ کا ہے تو ضرور
ہم اسکو سمیع اور علیم کہیں گے اور جبکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص نے ارادہ
کیا تو ہم اسکے یہی معنی مراد لیتے ہیں کہ وہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنیکا قصد کرنیوالا
ہے - اور اللہ تعالیٰ اپنے بہت سے افعال کسی شرط کے پیدا ہونے سے یا عالم
میں استعداد کیوجہ سے کرتا ہے پس جو چیزیں پہلے ضروری نہ تھیں شرط اور
استعداد ان کو ضروری کر دیتی ہے - اور بعض جگہ میں اسکے اذن اور حکم سے
اجماع پایا جاتا ہے حالانکہ پہلے سے وہ اتفاق نہیں ہوا کرتا اسوجہ سے خدا
تعالےٰ کو مرید کہا جاتا ہے اور نیز جب اسکا ایک ارادہ ازلیہ جس کی تفسیر
اقتضاء ذات کے ساتھ کرتے ہیں ایک مرتبہ تمام عالم کے ساتھ متعلق ہو چکا
اور پھر یوماً بعد یوم نئی نئی چیزیں پیدا ہوتی رہیں تو ہر حادث کیطرف یہ نسبت
کرنا صحیح ہو گیا کہ ہر حادث علیحدہ پیدا ہوا ہے اور کہا گیا کہ خدا نے ایسا ارادہ
کیا اور ایسا ارادہ کیا - اور جب ہم یہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص قادر ہے تو ہم اسکے
یہی معنی مراد لیتے ہیں کہ اسکے لئے وہ فعل ممکن ہو گیا ہے اور کوئی خارجی سبب اسکو
نہیں روک سکتا اور دو مقدور چیزوں میں سے اگر قادر ایک ہی کو اختیار کر لے
تو اس سے نفی قدرت نہیں ہو سکتی - اور رحمٰن ہر چیز پر قادر ہے وہ محض اپنی عنایت
اور اقتضاء ذاتی سے بعض افعال کو اختیار کرتا ہے اور ان کے مخالف امروں کو

فی ابطال اقوالهم ومذاهبهم لها موضع اخر غير هذا
الموضع ولنا ان نفسرها بمعان هی اقرب واوفق مما
قالوا ابانة لان تلك المعانی لا يتعين القول بها ولا
يضطر الناظر فی الدليل العقلی اليها وانها ليست راجحة
علی غيرها ولا فيها مزية بالنسبة الی ما عداها لا
حكما بان مراد الله ما نقول ولا اجماعا علی الاعتقاد
بها والاذعان بها هيهات ذلك فنقول مثلا لما
كان بين يديك ثلاثة انواع حی وميت وجماد وكان
الحی اقرب شبها بما هناك لكونه عالما مؤثرا فی الخلق
وجب ان يسمی حيا ولما كان العلم عندنا هو الانكشاف
وقد انكشفت عليه الاشياء كلها بما هی مندمجة فی
ذاته ثم بما هی موجودة تفصيلا وجب ان يسمی عليما
ولما كانت الرؤية والسمع انكشافا تاما للمبصرات
والمسموعات وذلك هناك بوجه اتم وجب ان يسمی
بصيرا سميعا ولما كان قولنا اراد فلان انما نعنی به
ها جس عزم علی فعل او ترك وكان الرحمٰن يفعل
كثيرا من افعاله عند حدوث شرط او استعداد فی
العالم فيوجب عند ذلك ما لم يكن واجبا ويحصل
فی بعض الاحيان الشاهقة اجماع بعد ما لم يكن
باذنه وحكمه وجب ان يسمی مريدا وايضا فالارادة
الواحدة الازلية الذاتية المفسرة باقتضاء الذات لما
تعلقت بالعالم باسره مرة واحدة ثم جاءت الحوادث
يوما بعد يوم صح ان ينسب الی كل حادث علی حدته و
يقال اراد كذا وكذا، ولما كان قولنا قدر فلان انما
نعنی به انه يمكن له ان يفعل ولا يصده من ذلك سبب
خارج اما ايثار احد المقدورين من القادر فانه لا ينفی
اسم القدرة وكان الرحمٰن قادرا علی كل شیء وانما
يؤثر بعض الافعال دون اضداده لعنايته واقتضائه
الذاتی وجب ان يسمی قادرا، ولما كان قولنا كلم فلان

توہم اسکے یہی معنی مراد لیتے ہیں کہ اس نے اپنے معانی مقصودہ ان الفاظ سے ادا کر دیئے جن سے وہ معانی معلوم ہوتے ہیں - اور خدا تعالیٰ اپنے بندے کو علمی فیض پہنچاتا ہے اور ان کے ساتھ ہی الفاظ کا بھی افاضہ کرتا ہے جن کی صورت اس بندہ کے خیال میں منعقد ہوجاتی ہے وہی الفاظ ان معانی پر دلالت کرتے ہیں اسکی وجہ سے تعلیم خوب صاف اور صریح ہوتی ہے اسوجہ سے خدا کو متکلم کہتے ہیں، خدا تعالےٰ فرماتا ہے "آدمی کا مرتبہ نہیں ہے کہ خدا اس سے ہمکلام ہو، ہاں وحی سے یا پردہ کی آڑ میں وہ کلام کرتا ہے یا کسی پیغمبر کو بھیجدیتا ہے وہ خدا کی اجازت سے جو چاہتا ہے وحی کرتا ہے، بے شک خدا بڑا اور حکمت والا ہے" پس وحی دل میں القاء ہونیکا نام ہے خواہ خواب میں خواہ اسطرح سے کہ غیب کیطرف توجہ کرنیکے بعد خدا علم بدیہی پیدا کردے - اور پردہ کی آڑ کے معنی یہ ہیں کہ خارج سے کلام منظوم سنائی دے اور اسکا قائل نظر نہ آئے، یا رسول کو بھیجے اور اسکے سامنے فرشتہ متشکل ہوکر نظر آئے - اور کبھی توجہ غیب اور ضعفِ حواس کے وقت ایک آواز جرس کی سی سنائی دیا کرتی ہے جیسا کہ غشی عارض ہوتے وقت سرخ وسیاہ رنگ دکھائی دیا کرتے ہیں ؞

اور جبکہ حظیرہ قدس میں یہ مطلوب ہے کہ لوگوں میں نظام قائم کیا جائے اگر انکی طبائع اس نظام کے موافق ہوتی ہیں تو وہ ملاء اعلےٰ میں شامل ہوکر تاریکیوں سے نور الٰہی میں آجاتے ہیں ان کو نفسانی بشاشت حاصل ہوتی ہے - فرشتوں اور لوگوں پر الہام ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ نیکی سے پیش آئیں اور اگر ان کی طبائع اس نظام کے مخالف ہوتی ہیں تو ملاء اعلیٰ سے ان کی علیحدگی ہوجاتی ہے اور ملاء اعلےٰ کی بیزاری سے ان پر مصیبت ہوتی ہے - اور جیسا پہلے ذکر ہوا ہے انکو تکلیف وعذاب ہوتا ہے اس لحاظ سے کہتے ہیں کہ خدا خوشنود ہے شکر کی جزا دیتا ہے یا خدا ناخوش ہوا اسکی لعنت ہوئی - اور ان سب کا مرجع مقتضی مصلحت کے موافق عالم کا چلنا ہے - اور جبکہ منجملہ نظام عالم کے اس امر کا پیدا کرنا بھی ہے جس کی بندہ دعا کرتا ہے تو اس لحاظ سے کہتے ہیں کہ خدا نے دعا قبول کرلی، اور جبکہ ہمارے استعمال میں رویۃ نظر آنیوالی چیز کے پورے طور پر منکشف ہونیکا نام ہے اور لوگ جب آخرت میں ان چیزوں کے پاس پہنچیں گے جنکا وعدہ کیا گیا ہے

ان کو تجلی حاصل ہوگی جو عالم مثال کے وسط میں قائم ہے تمام لوگ

اسوقت خدا کو آنکھ سے دیکھیں گے پس کہہ سکتے ہیں کہ

مؤمن اسکو اسطرح دیکھینگے جسطرح چودھویں رات کے

چاند کو دیکھتے ہیں - واللہ اعلم ؞

فلانا انما نعنى به اضافة المعانى المرادة مقرونة بالفاظ دالة عليها وكان الرحمٰن ربما يفيض على عبده علوما ويفيض معها الفاظا منعقدة فى خيال دالة عليها ليكون التعليم اصرح ما يكون وجب ان يسمى متكلما قال الله تعالى وما كان لبشر ان يكلمه الله الا وحيا او من وراء حجاب او يرسل رسولا فيوحى باذنه ما يشاء انه على حكيم فالوحى هو النفث فى الروح برؤيا او خلق علم ضرورى عند توجهه الى الغيب ومن وراء حجاب ان يسمع كلاما منظوما كانه سمعه من خارج ولم ير قائله او يرسل رسولا فيتمثل الملك له وربما يحصل عند توجهه الى الغيب فى انقهار الحواس صوت صلصلة الجرس كما قد يكون عند عروض الغشى من رؤية الوان حمر وسود ؞

ولما كان فى حظيرة القدس نظام مطلوبة اقامته فى البشر فان وافقوه لحقوا بالملا الاعلى و اخرجوا من الظلمات الى نور الله وبسطته ونعموا فى انفسهم والهمت الملائكة وبنوادم ان يحسنوا اليهم وان خالفوا باينوا من الملا الاعلى واصيبوا ببغضه منهم وعذبوا بنحو ما ذكر وجب ان يقال رضى وشكر او سخط ولعن والكل يرجع الى جريان العالم حسب مقتضى المصلحة وربما كان من نظام العالم خلق المدعو اليه فيقال استجاب الدعاء ولما كانت الرؤية فى استعمالنا انكشاف المرئى اتم ما يكون و كان الناس اذا انتقلوا الى بعض ما وعدوا من المجازاة اتصلوا بالتجلى القائم وسط عالم المثال وراوه راى

عين باجمعهم وجب ان يقال انكم

سترونه كما ترون القمر

ليلة البدر

الله اعلم

پانچواں باب (۴): تقدیر پر ایمان لانے کا بیان

تقدیر پر ایمان لانا بڑی نیکیوں میں سے ایک نیکی ہے اور وہ اسطرح ہے کہ مسلمان اسپر ایمان لانیکی وجہ سے اس تدبیر کو نظر میں رکھتا ہے جو تمام عالم کو سمیٹے ہوئے ہے جو شخص اسپر ٹھیک ٹھیک اعتقاد رکھتا ہے تو وہ ان چیزوں پر نظر رکھتا ہے جو خدا کے قبضے میں ہیں اور دنیا و مافیہا کو اسکے عکس کیطرح سمجھتا ہے اور قضاء الہی کیوجہ سے بندوں کے اختیارات کو ایسا سمجھتا ہے جیسے آئینہ میں صورت کا عکس ہوتا ہے اور اس یہاں کی تدبیر وحدانی کے انکشاف میں بڑی مدد پہنچتی ہے اگرچہ کامل انکشاف عالم معاد ہی میں ہوگا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی عظمت پر لوگوں کو تنبیہ فرمائی جبکہ یہ ارشاد فرمایا کہ جو شخص نیکی و بدی کی تقدیر پر ایمان نہ لائے تو میں اس سے جدا ہوں اور نیز آپ نے فرمایا کہ آدمی مومن نہیں ہوتا جبتک کہ نیکی اور برائی کی تقدیر پر ایمان نہیں لاتا اور جبتک کہ اسکا یقین نہیں کرتا کہ جو اسکو پیش آنا ہے وہ ٹلنے والا نہیں اور جو نہیں پیش آنا ہے وہ ہرگز پیش نہیں آئیگا۔ واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کا علم ازلی ذاتی ہر اس چیز کو محیط ہے جو پیدا ہو چکی یا جو پیدا ہوگی۔ اور یہ محال ہے کہ کسی چیز کی اسکو خبر نہ ہو یا کوئی ایسی چیز پیدا ہو جائے جسکو وہ نہ جانتا ہو۔ اگر ایسا ہو، تو وہ جہل ہوگا علم نہ ہوگا یہ مسئلہ شمول علم کا ہے قدر کا مسئلہ نہیں ہے اسمیں کسی اسلامی فرقہ نے مخالفت نہیں کی ہے اور یہ تقدیر جسکا حال احادیث مذکورہ سے معلوم ہوا ہے جسپر سلف صالحین کا اعتقاد رہا اور جسکے سمجھنے کی محققین ہی کو توفیق عطا ہوئی جسپر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ وہ مکلف کرنیکے مخالف ہے اور جب یہ حالت ہے تو عمل کی کیا ضرورت ہے' تقدیر ملزم کہلاتی ہے جو حوادثات کے وجود کو انکے موجود ہونے سے پہلے ضروری قرار دیتی ہے پس اسکے لازم کرنیکی وجہ سے وہ شئی موجود ہوتی ہے جس سے نہ انسان بھاگ سکتا ہے اور نہ کوئی تدبیر اسکو روک سکتی ہے اور یہ تقدیر پانچ مرتبہ واقع ہوئی ہے اول یہ کہ خدا تعالیٰ نے ازل میں ارادہ کر لیا تھا کہ عالم کو اس عمدہ طور سے پیدا کریگا جس میں سب مصلحتوں کی رعایت ہوگی اور موجود ہونے کے وقت اضافی خوبیوں میں وہ موثر ہوگا۔ اور خدا تعالیٰ نے جملہ صورتوں میں سے ہر ایک صورت کو اپنے علم میں اسطرح سے متعین کر لیا تھا کہ کوئی دوسری صورت اسمیں شریک نہ ہو سکے پس حوادثات کا سلسلہ اسطرح سے مرتب تھا اور انکا وجود اسطرح سے یک جا تھا کہ انکے مصداق میں کثرت نہ تھی۔ پس خدا تعالیٰ کا جسپر کوئی امر......

باب الايمان بالقدر

من اعظم انواع البر الايمان بالقدر وذلك فانه به يلاحظ الانسان التدبير الواحد الذى يجمع العالم ومن اعتقده على وجهه يصير طامح البصر الى ما عند الله يرى الدنيا وما فيها كالظل له ويرى اختيار العباد من قضاء الله كالصورة المنطبعة فى المرأة وذلك يعده لانكشاف ما هنالك من التدبير الوحدانى ولو فى المعاد ثم اعداد وقد نبه صلى الله عليه وسلم على عظم أمره من بين انواع البر حيث قال: ,,من لم يؤمن بالقدر خيره وشره فأنا برئ منه،، وقال صلى الله عليه وسلم: ,,لا يؤمن عبد حتى يؤمن بالقدر خيره وشره وحتى يعلم ان ما اصابه لم يكن ليخطئه وان ما اخطاه لم يكن ليصيبه. واعلم ان الله تعالى شمل علمه الازلى الذاتى كل ما وجد او سيوجد من الحوادث محال ان يتخلف علمه عن شئ او يتحقق غير ما علم فيكون جهلا لا علما، وهذه مسالة شمول العلم وليست بمسالة القدر ولا يخالف فيها فرقة من الفرق الاسلامية انما القدر الذى دلت عليه الاحاديث المستفيضة ومضى عليه السلف الصالح ولم يوفق له الا المحققون ويتجه عليه السؤال بأنه متدافع مع التكليف ولانه فيم العمل هو القدر الملزم الذى يوجب الحوادث قبل وجودها فيوجد بذلك الايجاب لا يدفعه هرب ولا تنفع منه حيلة وقد وقع ذلك خمس مرات فاولها انه اجمع فى الازل ان يوجد العالم على احسن وجه ممكن مراعيا للمصالح مؤثرا لما هو الخير النسبى حين وجوده وكان علم الله ينتهى الى تعيين صورة واحدة من الصور لا يشاركها غيرها فكانت الحوادث سلسلة مترتبة مجتمعا وجودها لا تصدق على كثيرين فارادة ايجاد العالم ممن لا تخفى عليه خافية هو بعينه تخصيص صورة وجوده الى اخر ما يجر اليه الامر، وثانيها انه قدر المقادير، و

اور یہبھی روایت کیجاتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے تمام مخلوقات کے مقداروں کو آسمان وزمین کے پیدا ہونے سے پچاس ہزار برس بیشتر لکھ لیا تھا یہ اسطرح ہوا کہ اسنے عرش کے وجود میں عنایت ازلیہ کے موافق تمام مخلوقات کو پیدا کیا پس اسجگہ تمام صورتیں بنائیں جسکو شریعت میں ذکر کہتے ہیں۔ مثلاً اس نے وہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت موجود کی اور مقرر کر دیا کہ وہ فلاں وقت میں لوگوں کیطرف مبعوث ہوں گے، لوگوں کو احکام الٰہیہ پر مطلع کریں گے۔ ابولہب ان کا انکار کرے گا، دنیا میں خطا اور گناہ اسکے دل کو احاطہ کریگا اور آخرت میں آتش دوزخ سے اسپر عذاب ہوگا۔ پس یہ صورت ازلیہ یہاں اس کے موافق حوادث پیدا ہونیکا سبب ہے جسطرح ہمارے خیال میں دیواروں پر رکھی ہوئی لکڑی پر سے گرنے کی صورت پاؤں پھسلنے کا سبب ہے اور اگر وہ لکڑی زمین پر ہوتی کبھی پاؤں نہ پھسلتا۔ سوم یہ کہ اس نے جب آدم کو اسلئے پیدا کیا کہ ابوالبشر بنائے اور نوع انسانی کو اس سے ظاہر فرمائے تو اس نے ان کی اولاد کی صورتیں عالم مثال میں پیدا کر دیں اور ان کی سعادت اور شقاوت کو نور یا تاریکی کی شکل میں ظاہر کیا اور ان کو مکلف ہونے کے قابل بنایا، ان میں اپنی عبادت اور معرفت کا مادہ پیدا کیا اور اس عہد کی اصل جو بنی آدم کی فطرت میں مخفی رکھا گیا ہے یہی ہے اسی کیوجہ سے مواخذہ ہے اگرچہ وہ واقعہ ان کو یاد نہ رہا ہو اس لئے جو نفوس اب زمین پر مخلوق ہیں یہ اس دن کی صور موجودہ کا عکس ہیں۔ پس ان میں وہ چیزیں مخفی ہیں جو اس روز ان میں مخفی رکھی جا چکی ہیں۔ چہارم یہ کہ جب جنین میں روح ڈالی جاتی ہے اور جس طرح سے تخم کو وقت مخصوص پر زمین میں ڈالتے ہیں اور اس کے ساتھ تدابیر مخصوصہ عمل میں لائی جاتی ہیں تو جو شخص درخت کے نوع کی خاصیت اور اس زمین پانی اور ہوا کی خاصیت پر مطلع ہے وہ جانتا ہے کہ یہ کیسا عمدہ درخت اُگے گا اور وہ اس کی بعض بعض حالات کا پتہ لگا لیتا ہے تو اسیطرح سے ملائکہ مدبرین کو اس روز اس کی عمر، رزق اور عمل کا حال معلوم ہو جاتا ہے اور یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ ایسے عمل کرے گا جن میں ملکیت کا غلبہ ہوگا یا ایسے عمل کرے گا جن میں بہیمیت کا غلبہ ہوگا۔ اور اس کی سعادت اور شقاوت کے سب ڈھنگ ان کو معلوم ہو جاتے ہیں۔ پنجم یہ کہ کسی حادثہ کے پیدا ہونے سے پہلے حکم حظیرہ قدس سے زمین کی طرف آ کر شئی مثالی میں منتقل ہو جاتا ہے۔

یروی انه کتب مقادیر الخلائق کلها والمعنی واحد قبل ان یخلق السموات والارض بخمسین الف سنة وذلك انه خلق الخلائق حسب العناية الازلية فی خیال العرش فصور هنالك جمیع الصور وهو المعبر عنه بالذکر فی الشرائع فتحقق هنالك مثلاً صورة محمد صلی الله علیه وسلم وبعثه الی الخلق فی وقت کذا وانذاره لهم وانکار ابی لهب واحاطة الخطیئة بنفسه فی الدنیا ثم اشتعال النار علیه فی الآخرة وهذه الصورة سبب لحدوث الحوادث علی نحو ما کانت هنالك کتاثیر الصورة المنتقشة فی انفسنا فی زلق الرجل علی الجذع الموضوع فوق الجدران ولم تکن لتزلق لو کانت علی الارض، وثالثها انه لما خلق آدم علیه السلام لیکون ابا للبشر ولیبدأ منه نوع الانسان احدث فی عالم المثال صور بنیه ومثل سعادتهم وشقاوتهم بالنور والظلمة وجعلهم بحیث یکلفون وخلق فیهم معرفته والاخبات له وهو اصل المیثاق المدسوس فی فطرتهم فیؤاخذون به وان نسوا الواقعة اذ النفوس المخلوقة فی الارض انما هی ظل الصور الموجودة یومئذ فمدسوس فیها مادس یومئذ، ورابعها حین نفخ الروح فی الجنین فکما ان النواة اذا القیت فی الارض فی وقت مخصوص واحاطها تدبیر مخصوص علم المطلع علی خاصیة نوع النخل وخاصیة تلك الارض وذلك الماء والهواء انه یحسن نباتها ویتحقق من شانه علی بعض الامر فکذلك تتلقی الملائکة المدبرة یومئذ وینکشف علیهم الامر فی عمره ورزقه وهل یعمل عمل من غلبت ملکیته علی بهیمیته او بالعکس وای نحو تکون سعادته وشقاوته، وخامسها قبیل حدوث الحادثة فینزل الامر من حظیرة القدس

پس اسکے احکام زمین میں پھیل جاتے ہیں اور میں نے بارہا اس کا مشاہدہ کیا ہے۔ اور ایک ان میں سے یہ ہے کہ ایک مرتبہ چند آدمی باہم جھگڑے اور ان میں رنجش پیدا ہوگئی پس میں نے خدا کی طرف رجوع کیا تو مجھ کو ایک نقطہ مثالیہ نورانیہ حظیرۂ قدس سے زمین پر اترتا دکھائی دیا پس وہ آہستہ آہستہ پھیلنے لگا اور جس قدر وہ پھیلتا جاتا تھا اسیقدر ان کا رنج وکینہ دور ہوتا جاتا تھا۔ ابھی ہم مجلس ہی میں تھے کہ ہر شخص دوسرے پر مہربانی کرنے لگا اور الفت اور محبت کیطرف آگیا جیسا پہلے تھا یہ بات میرے نزدیک خدا کی عجیب نشانیوں میں سے تھی ❊

ایسے ہی میری بعض اولاد بیمار تھی اور میرا دل اس کیطرف لگا ہوا تھا پس ایک بار میں ظہر کی نماز پڑھ رہا تھا کہ اسکی موت کو میں نے نازل ہوتی ہوئے دیکھا پس اس کا اسی رات میں انتقال ہوگیا۔ اور حدیث نے یہ بات خوب واضح کردی ہے کہ خدا تعالےٰ حوادث کو زمین پر پیدا ہونے سے پہلے پیدا کرتا ہے اسکے بعد اس عالم میں اسیطرح پیدا ہوکر ظاہر ہوتے ہیں جس طرح عالم مثال میں پیدا ہوچکے تھے، خدا کا قانون ایسا ہی ہے۔ پھر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ اس وجود کے اعتبار سے جو چیزیں وہاں موجود ہوچکی تھیں وہ مٹ جاتی ہیں۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے "خدا جس چیز کو چاہتا ہے محو کردیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اور اسکے پاس ام الکتاب ہے" مثلاً خدا تعالیٰ کسی بلا کو پیدا کرتا ہے، وہ مصیبت زدہ پر نازل ہونیکو ہوتی ہے کہ دعا اوپر کو چڑھتی ہے اور اسکو روک لیتی ہے۔ اور کبھی خدا تعالےٰ موت کو پیدا کرتا ہے کہ کوئی نیکی اوپر کو چڑھتی ہے اور اسکو روک لیتی ہے۔ اسکا راز یہ ہے کہ یہ نازل ہونیوالی شئی اسباب عادیہ میں سے ایک ایسا ہی سبب ہے جیسے بقائے زندگی کیلئے کھانا اور پینا اور موت کیلئے زہر کھا لینا یا تلوار مارنا۔ اکثر احادیث سے معلوم ہوگیا ہے کہ ایک عالم ایسا ہے جس میں تمام قائم بالغیر چیزیں مجسم ہوتی ہیں اور معانی وہیں منتقل ہوتے ہیں اور زمین پر پیدا ہونے سے پہلے یہاں ہر شئی پیدا ہوتی ہے جیسے رحم کا عرش سے معلق ہونا اور بارش کے قطروں کیطرح فتنے نازل ہونا نیل اور فرات کا سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ سے نکلنا پھر ان کا زمین پر اتارنا، لوہے اور انعام کا نازل کرنا، مجموعہ قرآن کا آسمان دنیا کی طرف نازل کرنا، آنحضرت اور دیوار مسجد کے بیچ میں جنت اور دوزخ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس طرح ہوجانا کہ خوشۂ انگور کو توڑ سکیں ❊ ❊

الى الارض وينتقل شئ مثالى فتنبسط احكامه فى الارض وقد شاهدت ذلك مرارا، منها ان ناسا تشاجروا فيما بينهم وتحاقدوا فالتجئت الى الله فرايت نقطة مثالية نورانية نزلت من حظيرة القدس الى الارض فجعلت تنبسط شيئا فشيئا وكلما انبسطت زال الحقد عنهم فما برحنا المجلس حتى تلاطفوا ورجع كل واحد منهم الى ما كان من الالفة و كان ذلك من عجيب آيات الله عندى ❊

ومنها ان بعض اولادى كان مريضا وكان خاطرى مشغولا به فبينا انا اصلى الظهر شاهدت موته نزل فمات فى ليلته، وقد بينت السنة بيانا واضحا ان الحوادث يخلقها الله تعالى قبل ان تحدث فى الارض خلقا ما ثم ينزل فى هذا العالم فيظهر فيه كما خلق اول مرة سنة من الله تعالى ثم قد يمحى الثابت ويثبت المعدوم بحسب هذا الوجود قال الله تعالى يمحوا الله ما يشاء ويثبت وعنده ام الكتاب مثل ان يخلق الله تعالى البلاء خلقا ما فيتوجه على المبتلى ويصعد الدعاء فيرده، وقد يخلق الموت فيصعد البر ويرده والفقه فيه ان المخلوق النازل سبب من الاسباب العادية كالطعام والشراب بالنسبة الى بقاء الحياة وتناول السم والضرب بالسيف بالنسبة الى الموت وقد دل احاديث كثيرة على ثبوت عالم تتجسد فيه الاعراض وتنتقل المعانى ويخلق الشئ قبل ظهوره فى الارض مثل كون الرحم معلقا بالعرش ونزول الفتن كمواقع القطر وخلق النيل والفرات فى اصل السدرة ثم انزالهما الى الارض وانزال الحديد والانعام وانزال القرآن الى السماء الدنيا مجموعا و حضور الجنة والنار بين يدى النبى صلى الله عليه وسلم وبين جدار المسجد بحيث يمكن تناول العنقود

اور دوزخ کی حرارت کو محسوس کر سکیں۔ بلا اور دعا کا باہم لڑنا ذریتِ آدم اور عقل کا پیدا کرنا، پھر عقل کا آگے بڑھنا اور پیچھے ہٹنا، سورہ بقرہ اور آلِ عمران کا پرندوں کی دو صفوں کی صورت میں ظاہر ہونا، اعمال کا وزن ہونا جنت کا ناگوار چیزوں سے اور دوزخ کا خواہشات سے بھرا ہوا ہونا اور ان کے مثل بہت سی چیزیں ہیں جو ادنیٰ ماہر حدیث پر مخفی نہیں۔

واضح ہو کہ تقدیر عالم اسباب کو مزاحم نہیں (یعنی سبب کی سببیت میں کچھ مخل انداز نہیں) کیونکہ اس کا تعلق اس سلسلہ سے ہے جو مجموعی طور پر ایک ہی مرتبہ مرتب ہو گیا ہے اور آں حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول کے یہی معنی ہیں جبکہ کسی شخص نے پوچھا تھا کہ منتر، دوا اور پرہیز کیا قضاء الٰہی سے بچا سکتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا یہ چیزیں بھی تقدیر الٰہی سے ہیں اور حضرت عمرؓ کے اس قول کے بھی یہی معنی ہیں جو انہوں نے سرغ (ایک گاؤں کا نام ہے) کے قصہ میں فرمایا تھا "کیا یہ بات نہیں ہے کہ اگر تم ناقہ کو شاداب جگہ میں چراتے تو تقدیر الٰہی سے ہی چراتے" بندوں کو اپنے افعال کا اختیار ہے لیکن اس اختیار میں ان کا کچھ اختیار نہیں ہے کیونکہ مطلوب کی صورت اور اسکا نفع دل میں آنے اور اسکی طرف عزم کرنے سے یہ اختیار پیدا ہوتا ہے جن کی بندہ کو کچھ خبر بھی نہیں ہوتی چہ جائیکہ اختیار ہو۔ اور آنحضرت کے اس قول میں اسی طرف اشارہ ہے کہ بنی آدم کے دل خدا کی دو انگلیوں میں ہیں جس طرح چاہتا ہے ان کو پھیر دیتا ہے۔ واللہ اعلم۔

چھٹا باب (۶) :- اس بات پر ایمان لانا کہ خدا کی عبادت کرنا بندوں پر اللہ کا حق ہے کیونکہ وہ انکو نعمت اور جزا بالارادہ دیتا ہے

واضح ہو کہ نیکیوں کے تمام اقسام میں بڑی نیکیوں سے یہ بات بھی ہے کہ انسان خالص دل سے اسطرح یقینی اعتقاد کرے کہ دوسرے کسی خلاف اعتقاد کا اسمیں احتمال بھی نہ ہو کہ عبادت کرنا بندوں پر خدا تعالیٰ کا حق ہے اور خدا کی طرف سے ان سے عبادت کے بارہ میں اسطرح سے مطالبہ کیا جائیگا جسطرح اور اہلِ حق اپنے حقداروں سے مطالبہ کرتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذؓ سے فرمایا تھا اے معاذ تم جانتے ہو کہ اللہ کا بندوں پر اور بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے؟ حضرت معاذ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی خوب جانتا ہے آپ نے فرمایا

ویاتی حر النار وکتعالج البلاء والدعاء وخلق ذریة آدم وخلق العقل وانه اقبل وادبر واتیان الزهراوین کانهما فرقان ووزن الاعمال وحفوف الجنة بالمکاره والنار بالشهوات وامثال ذلك مما لا یخفی علی من له ادنی معرفة بالسنة واعلم ان القدر لا یزاحم سببیة الاسباب لمسبباتها لانه انما تعلق بالسلسلة المترتبة جملة مرة واحدة وهو قوله صلی الله علیه وسلم فی الرقی والدواء والتقاة هل ترد شیئا من قدر الله؟ قال هی من قدر الله۔ وقول عمر رضی الله عنه فی قصة سرغ الیس ان رعیتها فی الخصب رعیتها بقدر الله؟ الخ وللعباد اختیار افعالهم نعم لا اختیار لهم فی ذلك الاختیار لکونه معلولا لحضور صورة المطلوب ونفعه ونهوض داعیة وعزم مما لیس له علم بها فکیف الاختیار فیها وهو قوله ان القلوب بین اصبعین من اصابع الله یقلبها کیف یشاء والله اعلم۔

باب الایمان بان العبادة حق الله تعالی علی عباده لانه منعم علیهم مجازلهم بالارادة

اعلم ان من اعظم انواع البر ان یعتقد الانسان بمجامع قلبه بحیث لا یحتمل نقیض هذا الاعتقاد عنده ان العبادة حق الله تعالی علی عباده وانهم مطالبون بالعبادة من الله تعالی بمنزلة سائر ما یطالبه ذوو الحقوق من حقوقهم قال النبی صلی الله علیه وسلم لمعاذ یا معاذ هل تدری ما حق الله علی عباده وما حق العباد علی الله؟ قال معاذ الله ورسوله اعلم قال فان

اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ خالص اسی کی عبادت کریں اسکے ساتھ کسی کو
شریک نہ ٹھہرائیں اور بندوں کا حق خدا پر یہ ہے کہ جو شرک نہ کرتا ہو اللہ تعالےٰ
اسکو عذاب نہ دے، اسلئے کہ جس شخص کا اس امر پر کہ عبادت خدا کا حق ہے یقینی
اعتقاد نہ ہوگا اور یہ خیال کریگا کہ انسان بیکار اور مہمل ہے اس سے نہ عبادت
مطلوب ہے نہ پروردگار مرید و مختار کی طرف سے عبادت کا اس سے کچھ
مواخذہ ہے تو وہ شخص دہریہ ہوگا اس کی عبادت دل سے نہ ہوگی گو اعضاء
ظاہری سے عبادت بھی کرے اور نہ اسکے لئے خدا تک رسائی کا دروازہ
کھلے گا اور اس کی یہ عبادت بھی دیگر عادات کیطرح ہوگی اسمیں اصل امر یہ ہے
کہ انبیاء اور ان کے وارثین کے معارف میں (صلوات اللہ علیہم والتسلیمات)
یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ عالم جبروت کے موقعوں میں ایک ایسا موقع ہے
جہاں قصد و ارادہ قرار پاتا ہے یعنی کسی کام کے کرنے کا فیصلہ ہوجاتا ہے۔
اور اس موقع کے لحاظ سے اس کام کو کرنا یا اس کو ترک کردینا دونوں
دونوں صحیح ہوتے ہیں اگرچہ مصلحت فوقانی میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے سوائے
اسکے کہ یا اس کا کرنا ضروری ہوگا یا نہ کرنا ضروری ہوگا۔ اس اعتبار سے
وہاں کوئی حالت منتظرہ نہیں ہوتی ان لوگوں کا کچھ اعتبار نہیں ہے جن کو
حکماء کہتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ارادہ میں کسی شئ کے ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ
ہوا کرتا ہے ایسے لوگوں نے بعض چیزیں محفوظ رکھیں اور بہت سی چیزیں انکی
نظر سے غائب رہیں وہ جبروت کے اس موقع کے مشاہدہ کرنے سے
محجوب ہیں اور آفاقی و انفسی دلائل ان پر قائم ہو سکتے ہیں ان کے محجوب
ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان کو اس مقام کی رہبری نہیں ہوئی جو تجلی اعظم
اور ملاء اعلیٰ کے بین بین ہے اس مقام کی حالت ایسی ہے جیسے شعاع
کی جو جوہر میں قائم ہوتی ہے وَلِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی۔ اس مقام میں کسی
امر کے ہونے کی صورت قرار پا جاتی ہے جس کے تقرر کے باعث ملاء اعلےٰ
کے علوم اور ان کے حالات ہوتے ہیں۔ لیکن اس شئ کا کرنا یا نہ کرنا امر
اختیاری ہوتا ہے۔ اور ان حکماء کے مقابلہ میں دلیل اس طرح پر قائم
ہوسکتی ہے کہ ہم میں سے ہر شخص بالبداہۃ یہ جانتا ہے کہ وہ مثلاً ہاتھ
بڑھا کر قلم لیتا ہے اور وہ شخص ایک شئ کا قصد کرنے والا ہی ہوتا ہے
اس قصد کے اعتبار سے اس شئ کا کرنا نہ کرنا یکساں ہوتا ہے اور
اس قوت کے لحاظ سے جو اس شخص کے نفس میں ہے ؁

حق اللہ علی عبادہ ان یعبدوہ ولا یشرکوا بہ شیئاً
وحق العباد علی اللہ تعالیٰ ان لا یعذب من لا
یشرک بہ شیئا۔ وذلک لان من لم یعتقد
ذلک اعتقادا جازما واحتمل عندہ ان یکون
سدی مھملا لا یطالب بالعبادۃ ولا یؤاخذ
بھا من جھۃ رب مرید مختار کان دھریا لا تقع
عبادتہ وان باشرھا بجوارحہ بموقع من
قلبہ ولا تفتح بابا بینہ وبین ربہ وکانت
عادۃ کسائر عاداتہ۔ والاصل فی ذلک انہ قد
ثبت فی معارف الانبیاء وورثتھم علیھم
الصلوات والتسلیمات ان موطنا من مواطن
الجبروت فیہ ارادۃ وقصد بمعنی الاجماع
علی فعل مع صحۃ الفعل والترک بالنظر الی
ھذا الموطن وان کانت المصلحۃ الفوقانیۃ لا
تبقی ولا تذر شیئا الا اوجب وجودہ او اوجب
عدمہ لا وجود للحالۃ المنتظرۃ بحسب ذلک و
لا عبرۃ بقوم یسمون الحکماء یزعمون ان الارادۃ
بھذا المعنی فقد حفظوا شیئا وغابت عنھم اشیاء
وھم محجوبون عن مشاھدۃ ھذا الموطن محجوجون
بادلۃ الآفاق والانفس، اما حجابھم فھو انھم
لم یھتدوا الی موطن بین التجلی الاعظم وبین
الملاء الاعلی شبیہ بالشعاع القائم بالجوھرۃ وللہ
المثل الاعلی، ففی ھذا الموطن یتمثل اجماع علی
شیء استوجبہ علوم الملاء الاعلی وھیأتھم بعد ما
کان مستوی الفعل والترک فی ھذا الموطن، واما
الحجۃ علیھم فھی ان الواحد منا یعلم بداھۃ انہ
یمد یدہ ویتناول القلم مثلا وھو فی ذلک مرید
قاصد یستوی بالنسبۃ الیہ الفعل والترک بحسب
ھذا القصد وبحسب ھذہ القوی المتشبحۃ فی نفسہ

فعل یا ترک فعل میں ترجیح نہیں ہوتی اگرچہ مصلحت بالا کے اعتبار سے ہر
چیز یا واجب الفعل ہے یا واجب الترک ہے۔ یہی حالت ان سب امور کی سمجھ
لینی چاہیئے کہ خاص خاص استعدادیں انکی باعث ہوا کرتی ہیں پس خالق صور
کیجانب سے مادہ پر ان صورتوں کا نزول ہوتا ہے جنکے لئے مادے قابل اور
مستعد ہوتے ہیں۔ جیسے دعا کے بعد قبولیت مرتب ہوتی ہے کہ اس جدید شئی
کے پیدا ہونے میں دعا کو ایک قسم کا دخل ہے۔ شاید آپ یہ کہیں گے کہ یہ (یعنی
ایک چیز کو مساوی الطرفین کہنا) بہ لحاظ مصلحت فوقانیہ کے وجوب شئی سے
ناواقفیت ہے پس ایسا کہنا صحیح اور حق کیسے ہو سکتا ہے۔ میں کہتا ہوں حاشا
للہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ عین علم اور اس مقام کا حق پورا کرنا ہے۔ جہل جب ہوتا
کہ یوں کہا جاتا کہ یہ شئی واجب نہیں ہے تمام شرائع الٰہیہ نے اس جہل کی نفی
کی ہے اسلئے کہ انہوں نے ایمان بالقدر کو ثابت کیا ہے اور یہ سنا دیا کہ جو چیز تمکو
پہنچی ہے اس میں چوک ہونیوالی نہ تھی اور جس چیز میں چوک ہوگئی وہ تم کو پیش آنے
والی نہ تھی۔ جب یہ کہا جائیگا کہ اس موقعہ کے لحاظ سے اس شئی کا کرنا یا نہ کرنا برابر
ہے تو یہ بھی علم حق ہے۔ یقیناً جب آپ بہائم میں سے کسی نر کو نرینہ کام کرتے ہوئے
اور مادین کو مادینہ کام کرتے ہوئے دیکھو گے تو اسوقت اگر یہ حکم کروگے کہ یہ کام مجبوری
سے ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے پتھر دوسرے نے اڑکانے سے لڑکتا ہے تو تم خلاف
واقع حکم کروگے۔ اور اگر یہ کہو گے کہ بلا سبب یہ کام صادر ہوئے ہیں نہ نر کا مزاج
ان کا باعث ہے نہ مادین کا تب بھی تمہارا حکم خلاف واقع ہوگا۔ اور اگر یہ کہوگے
کہ ان کا ارادہ جو ان کی طبیعت میں منقدح ہے صرف فوقانی ضرورت کا ناقل ہے
اس پر اسکا سہارا ہے خود ان میں کوئی مستقل جوش اور ہیجان کسی امر کا نہیں
ہے۔ اس فوقانی حالت کے علاوہ کوئی اور آماجگاہ نہیں ہے۔ تب بھی یہ حکم خلاف
واقع ہوگا بلکہ امر حق اور یقینی بین بین حالت ہے۔ وہ یہ کہ اختیار ایک امر معلول
ہے جو اپنے علل واسباب سے تخلف نہیں کرتا اور فعل مقصود کو علل واجب کرتے
ہیں اور علل کے بعد یہ ممکن نہیں کہ فعل نہ پایا جائے۔ لیکن اس اختیار کی
شان اور حالت یہ ہے کہ اس کی اپنی حالت کی وجہ سے اسمیں بہجت اور
سرور حاصل ہو اور اس میں کسی امر فوقانی کا لحاظ نہ ہو۔ اگر آپ اس مقام کا حق
ادا کریں اور یہ کہیں کہ میری ذات میں اسکا علم ہے کہ فعل کا کرنا یا نہ کرنا مساوی تھا
لیکن میں نے اسکا کرنا اختیار کر لیا پس میرا یہ اختیار ہی اس کام کی علت ہو تو البتہ آپ
اپنے قول میں سچے اور نیک ہیں۔ شرائع الٰہیہ نے اسی ارادہ کی خبر دی ہے ٭ ٭

وان كان كل شئ بحسب المصلحة الفوقانية اما واجب
الفعل او واجب الترك فكذلك الحال في كل ما يستوجب
استعداد خاص فينزل من بارئ الصور ونزول الصور
على المواد المستعدة لها كالاستجابة تعقيب الدعاء
فيه دخل لمتجدد حادث بوجه من الوجوه ولعلك
تقول هذا جهل بوجوب الشئ بحسب المصلحة الفوقانية
فكيف يكون فى موطن من مواطن الحق؟ فاقول حاش
لله بل هو علم واداء لحق هذا الموطن انما الجهل
ان يقال ليس بواجب اصلا وقد نفت الشرائع
الالهية هذا الجهل حيث اثبتت الايمان بالقدر
وان ما اصابك لم يكن ليخطئك وما اخطأك لم يكن
ليصيبك واما اذا قيل يصح فعله وتركه بحسب هذا
الموطن فهو علم حق لا محالة كما انك اذا رايت الفحل
من البهائم يفعل الافعال الفحلية ورايت الانثى
تفعل الافعال الانثوية فان حكمت بان هذه
الافعال صادرة جبرا كحركة الحجر فى تدحرجه كذبت
وان حكمت بانها صادرة من غير مزاج موجبة لها
فلا المزاج الفحلى يوجب هذه المبادى ولا المزاج الانثوى
يوجب ذلك كذبت وان حكمت بان الارادة المنبجسة
فى انفسهما تحكى وجوبا فوقانيا وتعتمد عليه وانها
لا تفور فورانا استقلاليا كان ليس وراء ذلك مرمى
فقد كذبت بل الحق اليقين امر بين الامرين وهو
ان الاختيار معلول لا يتخلف عن علله والفعل المراد
توجبه العلل ولا يمكن ان لا يكون ولكن هذا الاختيار
من شانه ان يبتهج بالنظر الى نفسه ولا ينظر الى ما
فوق ذلك فان اديت حق هذا الموطن وقلت اجد
فى نفسى ان الفعل والترك كانا مستويين واخترت
الفعل فكان الاختيار علة لفعله صدقت وبررت
فاخبرت الشرائع الالهية عن هذا الارادة

جو اس مقام میں منقش ہوا کرتا ہے - حاصل کلام یہ ہے کہ ایسے ارادہ کا ثبوت ہے جس کا تعلق وقتاً فوقتاً پیدا ہوتا ہے اور اسکے لحاظ سے دنیا و آخرت میں اعمال پر جزا بھی ثابت اور مرتب ہوتی ہے - اور یہ امر بھی ثابت ہوا کہ مدبر عالم نے احکام شریعت کے واجب کرنے سے عالم میں تدابیر کو قائم کیا تاکہ لوگ اس شریعت پر عمل کریں اور نفع اٹھائیں - پس شریعت سے لوگوں کو مامور کرنا ایسا ہی جیسے کوئی آقا اپنے غلاموں سے کوئی خدمت لینا چاہتا ہے وہ اپنے ان غلاموں سے خوش ہوتا ہے جو ان کی خدمت کریں اور ان سے وہ ناخوش ہوتا ہے جو خدمت کرنے سے انکار کریں - اسی طرز و انداز پر شریعتوں کا نزول ہوا ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا تھا کہ شرائع صفات الٰہیہ وغیرہا کے بیان میں سب سے زیادہ فصیح اور سب سے زیادہ حق ظاہر کرنیوالی عبارت میں نازل ہوئی ہیں - شریعت کی تعبیر کبھی حقیقت لغوی کے طور پر ہوتی ہے اور کبھی متعارف مجاز کی صورت میں - پھر شریعت الٰہیہ نے اس امر کے دریافت کرنے پر کہ عبادت خداوند عالم کا حق ہے، لوگوں کو تین مقامات کی وجہ سے قدرت دی ہے یہ تینوں اصول سب کے نزدیک مسلم ہیں اور بمنزلۂ امور مشہور اور بدیہی کے انکی نظر میں ہو گئے ہیں - اوّل یہ کہ خدا تعالیٰ المنعم ہے اور منعم کا شکر ادا کرنا واجب ہے - اور عبادت اس کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنا ہے - دوئم یہ کہ وہ خداوند تعالیٰ سے اعراض کرنے والوں اور دنیا میں عبادت کو ترک کرنیوالوں کو سخت سزا دیگا - سوئم یہ کہ یہ خدا تعالیٰ فرمانبرداروں اور نافرمانوں کو آخرت میں جزا و سزا دیگا پس اس مقام میں ان سے تین اور علوم کا اضافہ ہوا - اوّل انعامات الٰہی کے یاد دلانیکا علم، دوئم خدا کے عذابوں سے یاد دلانیکا علم - سوئم معاد کی باتوں سے سمجھانیکا علم - پس قرآن مجید ان تینوں علوم کی شرح کرنے کیلئے نازل ہوا ہے ان علوم کی تشریح کیطرف عنایت الٰہی اسلئے زیادہ متوجہ ہوئی کہ انسان کی اصل فطرت میں باری تعالےٰ جل جلالہٗ کی جانب ذاتی میلان پیدا کیا گیا ہے اور یہ میلان ایک امر دقیق ہے - اسکی صورت آدمی کی خلقت میں ہی منقش ہے اور وجدان صحیح سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ انسانی خلقت میں یہ مندرج ہے کہ اسپر ایمان لایا جائے کہ عبادت خدا کا بندوں پر حق ہے کیونکہ وہی تمام لوگوں کا منعم ہے، انکے اعمال کی جزا دیتا ہے - پس جو شخص ارادہ کا منکر ہے یا عبادت کا بندوں پر حق الٰہی ہونیکا انکار کرے یا جزا کو نہ مانے تو وہ شخص دہریہ ہے اسکی فطرت سلیم نہیں کیونکہ اس نے اس میلان کو کھو دیا جو فطرۃً اسکی طبیعت میں ودیعت رکھا گیا تھا ایسا ہی شخص دہریہ کا نائب اور خلیفہ ہے

المتشبحة فى هذا الموطن، وبالجملة فقد ثبتت ارادة يتجدد تعلقها وثبتت المجازاة فى الدنيا والاخرة وثبت ان مدبر العالم دبر العالم بايجاب شريعة يسلكونها لينتفعوا بها فكان الامر شبيها بان السيد استخدم عبيده وطلب منهم ذلك ورضى عمن خدم وسخط على من لم يخدم فنزلت الشرائع الالهية بهذه العبارة لما ذكرنا ان الشرائع تنزل فى الصفات وغيرها بعبارة ليس هنالك اقصح ولا ابين للحق منها اكانت حقيقة لغوية او مجازا متعارفا ثم مكنت الشرائع الالهية هذه المعرفة الغامضة من نفوسهم بثلاثة مقامات مسلمة عندهم جارية مجرى المشهورات البديهية بينهم، احدها انه تعالى منعم وشكر المنعم واجب والعبادة شكر له على نعمه، والثانى انه يجازى المعرضين عنه التاركين لعبادته فى الدنيا اشد الجزاء، والثالث انه يجازى فى الآخرة المطيعين والعاصين فانبسطت من هنالك ثلاثة علوم، علم التذكير بآلاء الله، وعلم التذكير بايام الله، وعلم التذكير بالمعاد فنزل القرآن العظيم شرحا لهذه العلوم وانما عظمت العناية بتشريح هذه العلوم لان الانسان خلق فى اصل فطرته ميل الى بارئه جل مجده وذلك الميل امر دقيق لا يتشبح الا بخليقته ومظنته، وخليقته ومظنته على ما اثبته الوجدان الصحيح الايمان بان العبادة حق الله تعالى على عباده لانه منعم لهم مجاز على اعمالهم فمن انكر الارادة او ثبوت حقه على العباد او انكر المجازاة فهو الدهرى الفاقد لسلامة فطرته لانه افسد على نفسه مظنة الميل الفطرى الموضوع فى جبلته ونائبه وخليفته والمأخوذ مكانه، و

اور اگر اس سیلان کی حقیقت معلوم کرنا چاہتے ہو تو سمجھو کہ روح انسانی
میں ایک لطیفہ نورانی ہے جسکو بالطبع خداوند عالم کیجانب ایسی ہی کشش ہے
جیسے لوہے کو مقناطیس کیطرف ہوتی ہے اور یہ بات وجدان سے معلوم
ہو سکتی ہے ۔ پس جو شخص اپنے لطائف نفسانی معلوم کرنیکا نہایت خوض
سے متلاشی ہوگا اور ہر لطیفہ کی کیفیت کو معلوم کریگا تو وہ اس لطیفہ نورانی
کی کیفیت بھی معلوم کرسکے گا اور اسکا سیلان بالطبع خدا تعالیٰ کی طرف بھی
معلوم کرسکیگا ۔ اہل وجدان کے نزدیک اس سیلان کا نام محبت ذاتی ہے
اور اس کا حال تمام وجدانی امور کا سا ہے جو دلائل سے حاصل نہیں ہوسکتے
جیسے گرسنہ کی بھوک اور پیاسے کی پیاس جب آدمی لطائف سفلی کے احکام
کی وجہ سے پردہ اور تاریکی کی حالت میں ہوتا ہے تو اس کی مثال ایسی
ہوتی ہے جیسے اس نے اپنے بدن میں کسی مخدر چیز کا استعمال کیا ہو اور
اس کی بالکل حس جاتی رہی ہو اس پر گرمی اور سردی کا کچھ اثر نہیں
ہوتا ۔ پس جب انسان کے لطائف سفلی مزاحمت سے تھک جاتے ہیں
یہ خواہ اضطراری موت سے ہو جس سے نسمہ[1] کے بہت سے اجزا منتشر ہو جاتے
ہیں اور نسمہ کی اکثر خاصیتیں گھٹ جایا کرتی ہیں ۔ یا اختیاری موت سے
ہو کہ نفسانی اور بدنی ریاضتوں کے ذرائع عجیب عجیب اس نے استعمال
کئے ہوں تب وہ بمنزلہ اس شخص کے ہوتا ہے کہ مخدر چیز کا اثر اس میں
سے دور ہو گیا ہو اس وقت وہ اپنے ذاتی اثروں کو معلوم کرسکتا ہے جنکی پہلے
اس کو خبر بھی نہ تھی ۔ پس جب آدمی کی وفات ہوتی ہے اور اسکو خدا کی طرف
توجہ نہیں ہوا کرتی اس حالت میں اگر اس کا اعراض محض جہل بسیط اور سادہ
لاعلمی سے ہے تو ایسا شخص کمال نوعی کے لحاظ سے شقی ہے اسکو برزخ کے
بعض حالات کا انکشاف تو ہوگا لیکن ذاتی استعداد نہ ہونے سے کامل
انکشاف نہ ہوگا اس لئے وہ حیران ہو کا بکا رہ جائیگا ۔ اور اگر اس اعراض کے
ساتھ اسکی علمی اور عملی قوتوں میں کوئی مخالف صورت توجہ الی اللہ کی قائم تھی تو
اس شخص میں کشاکشی پیدا ہو گی اس کا نفس ناطقہ جبروت کی طرف اور
نسمہ مخالف صورت حاصل کرنے کی وجہ سے عالم سفل کیطرف کھنچے گا ۔
پس اسمیں وحشت النفس ناطقہ کے جوہر سے صعود کرے گی اور اس نسمہ کے
جوہر پر پھیل جائے گی ۔ اور بسا اوقات تو حشش کے ہمرنگ اس کو
واقعات بھی پیش آئیں گے جیسے صفراوی مزاج والے کو خواب

ان شئت ان تعلم حقيقة هذا الميل فاعلم ان
في روح الانسان لطيفة نورانية تميل بطبعها الى
الله تعالى عزوجل ميل الحديد الى المغناطيس و
هذا امر مدرك بالوجدان فكل من امعن في
الفحص عن لطائف نفسه وعرف كل لطيفة
بحيالها لابد ان يدرك هذه اللطيفة النورانية
ويدرك ميلها بطبعها الى الله تعالى ويسمى ذلك
الميل عند اهل الوجدان بالمحبة الذاتية مثله
كمثل سائر الوجدانيات لاتقتنص بالبراهين كجوع
هذا الجائع وعطش هذا العطشان فاذا كان
الانسان في غاشية من احكام لطائفه السفلية كان
بمنزلة من استعمل مخدرا في جسده فلم يحس
بالحرارة والبرودة فاذا هدأت لطائفه السفلية
عن المزاحمة اما بموت اضطراري يوجب تناثر كثير
من اجزاء نسمته ونقصان كثير من خواصها و
قواها او بموت اختياري وتمسك حيل عجيبة من
الرياضات النفسانية والبدنية كان كمن زال
المخدر عنه فادرك ما كان عنده وهو لا يشعر
به فاذا مات الانسان وهو غير مقبل على الله
تعالى فان كان عدم اقباله جهلا بسيطا وفقدا
ساذجا فهو شقي بحسب الكمال النوعي وقد
يكشف عليه بعض ما هنالك ولا يتم الانكشاف
لفقد استعداده فيبقى حائرا مبهوتا وان كان ذلك
مع قيام هيئة مضادة في قواه العلمية والعملية
كان فيه تجاذب فانجذبت النفس الناطقة الى صقع
الجبروت والنسمة بما كسبت من الهيئة المضادة
الى السفل فكانت فيه وحشة ساطعة من جوهر
النفس منبسطة على جوهرها وربما اوجب ذلك
تمثل واقعات هي اشباح الوحشة كما يرى الصفراوي

[1] نسمہ روح ہوائی کو کہتے ہیں جو روح حقیقی کا اصلی مرکب ہے اور موت کے بعد بھی ساتھ رہتا ہے ۱۲

میں آگ کے شعلے نظر آیا کرتے ہیں اور معرفت نفس کی حکمت کی اصل توجیہ یہی ہے۔ اور نیز ملا اعلیٰ کیجانب سے ایسے شخص پر غضب ناک تند نظری بھی ہوگی جس کی وجہ سے ملائکہ وغیرہ ذی اختیار نفوس کے دلوں پر الہامات ہوں گے کہ ایسے لوگوں کو ایذا اور تکلیف پہنچائیں اور وہ ارادی اور خواہشات جو بنی آدم کے دل میں پیدا ہوئے ہیں ان کی معرفت کی اصل یہی توجیہ ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جبروت کی طرف میلان اور عمل کو واجب قرار دینا جس سے اس قید سے رہا ہو سکے جو لطائف سفلی کی مزاحمت سے پیدا ہوتی ہے اور اس واجب کردہ عمل کے ترک پر مؤاخذہ کرنا یہ صورت نوعیہ کے احکام اور اسکی قوتوں اور اثروں میں سے ہے جس کا خالق صور اور وجود کا فیضان عطا کرنے والے کی جانب سے افراد نوعی کے ہر فرد پر مصلحت کل کا لحاظ کر کے فیضان کیا گیا ہے لوگوں کے ذاتی التزام یا رسم و رواج کی پابندی سے نہیں ہے اور یہ تمام اعمال حقیقتہً اس لطیفہ نورانی کا ہی حق ہیں جو خدا تعالیٰ کی طرف کھینچتا ہے ان اعمال سے اسی لطیفہ کی خواہش کا پورا کرنا اور اس کی ہی کمی کا درست کرنا ہے۔ اور چونکہ یہ معنی نہایت دقیق تھے اور اس لطیفہ کو بخوبی سمجھنے والے بہت کم لوگ ہیں اسواسطے اس حق کی نسبت اس لطیفہ کی جانب نہیں کی جاتی ہے بلکہ اس کو ذات خداوندی کی طرف منسوب کرتے ہیں جس کی طرف اس لطیفہ کا میلان اور وہی اس کا قبلہ مقصود ہے گویا کہ یہ نفسانی قوتوں میں سے ایک قوت کو متعین کر لینا ہے جس کی وجہ سے یہ میلان کرتا ہے اور گویا کہ یہ ہمارے اس قول کا اختصار ہے کہ اس لطیفہ کا حق اس اعتبار سے ہے کہ اسکا خدا کی طرف میلان ہے پس شرائع الٰہیہ اس راز کو ایسی سہل عبارت میں واضح کرنے کے لئے نازل ہوئی ہیں جس کو بشر اپنے علوم فطریہ کے موافق سمجھ جائے خدا کا یہی طریقہ ہے کہ وہ دقیق معانی کو ان صورتوں کے لباس میں نازل کیا کرتا ہے جو وجود مثالی کے مناسب ہوا کرتی ہیں جیسے کہ ہم کو خواب کے ضمن میں مجرد معانی کسی شئ کی ایسی صورت میں نظر آیا کرتے ہیں جو ان معانی کو عادۃً لازم یا اس کے ہم رنگ اور مشابہ ہوا کرتی ہے اسی واسطے کہا جاتا ہے کہ عبادت بندوں پر خدا تعالیٰ کا حق ہے اور اسی طرح پر قرآن مجید کا حق اور پیغمبر کا حق "آقا کا" والدین کا اور رشتہ داروں کا حق قیاس کر لینا چاہئے۔

فی منامه النیران والشعل وهذا اصل توجیه حکمة معرفة النفس وکان ایضا فیه تصدیق غضب من الملأ الاعلی یوجب الهامات فی قلوب الملائکة وغیرها من ذوات الاختیار ان تعذبه وتؤلمه وهذا اصل توجیه معرفة اسباب الخطرات والدواعی الناشئة فی نفوس بنی آدم، وبالجملة فالمیل الی صقع الجبروت ووجوب العمل بما یفك وثاقه من مزاحمة اللطائف السفلیة والمؤاخذة علی ترك هذا العمل بمنزلة احکام الصورة النوعیة وقواها وآثارها الفائضة فی کل فرد من افراد النوع من باریٔ الصور ومفیض الوجود وفق المصلحة الکلیة لا باصطلاح البشر والتزامهم علی انفسهم وجریان رسومهم بذلك فقط وکل هذه الاعمال فی الحقیقة حق هذه اللطیفة النورانیة المنجذبة الی الله وتوفیر مقتضاها واصلاح عوجها، ولما کان هذا المعنی دقیقا وهذه اللطیفة لا تدرکها الا شرذمة قلیلة وجب ان ینسب الحق الی ما الیه مالت وایاه قصدت ونحوه انتحت کان ذلك تعیین لبعض قوی النفس التی مالت من جهته وکان ذلك اختصار قولنا حق هذه اللطیفة من جهة میلها الی الله فنزلت الشرائع الالهیة کاشفة عن هذا السر بعبارة سهلة یفهمها البشر بعلومهم الفطریة ویعطیها سنة الله من انزال المعانی الدقیقة فی صور مناسبة لها بحسب النشأة المثالیة کما یتلقی واحد منا فی منامه معنی مجردا فی صورة شئ ملازم له فی العادة او نظیره وشبهه فقیل العبادة حق الله تعالی علی عباده وعلی هذا ینبغی ان یقاس حق القرآن وحق الرسول وحق المولی وحق الوالدین وحق

پس یہ سب انسان کے نفس کے حقوق اسی کے نفس پر ہیں تاکہ اسکو کمال حاصل ہوجائے اور وہ اپنے اوپر ظلم نہ کرے لیکن یہ حق اسکی طرف منسوب کردیا گیا جس کی طرف سے یہ معاملہ اور جسکی جانب سے مطالبہ ہے پس تو ان لوگوں میں سے نہ ہو جو ظاہر پر ٹھیر گئے، بلکہ ان میں سے ہو جو ہر بات کی اصل تحقیق کرتے ہیں۔ فقط *

ساتواں باب (۴۲): خدا کے نشانات اور شعائر کی تعظیم کا بیان

خداتعالےٰ فرماتا ہے "دلی تقوی میں سے خدا کے نشانات کی تعظیم بھی ہے" واضح ہو کہ شریعتوں کی بنا شعائر الٰہی کی تعظیم اور ان کے ذریعہ سے خدا کے حضور میں تقرب حاصل کرنے پر ہے اس کی وجہ وہ ہے جسکی طرف ہم اشارہ کرچکے ہیں کہ جس طریقہ کو خدا نے مقرر کیا ہے وہ یہی ہے کہ عالم تجرد کے امور کو ان چیزوں کے ساتھ نقل کیا جائے جنکو قوت بہیمیہ آسانی سے حاصل کرسکے اور شعائر سے مراد وہ ظاہر محسوس چیزیں ہیں جنکی وجہ سے خدا کی عبادت کیجائے اور اسکے ساتھ اسطرح سے مخصوص ہوں کہ ان شعائر کی تعظیم خدا کی تعظیم اور انمیں کوتاہی بارگاہ خداوندی میں کوتاہی سمجھی جائے یہ تعظیم لوگوں کے دلونمیں اس طرح سے راسخ ہوجائے کہ ان کے دلوں سے نہ نکل سکے اگرچہ ان کے دلوں کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے جائیں۔ اور شعائر کا وجود قدرتی طور پر ہوجایا کرتا ہے اور یہ اس طرح ہوتا ہے کہ کوئی عادت یا خصلت لوگوں کے دلوں میں اس طرح بیٹھ جاتی ہے کہ وہ ان میں مشہور اور شائع ہوکر بمنزلہ بدیہی امور کے ہوجاتی ہے اور اس میں شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ پس اسوقت رحمت الٰہی ایسی چیزوں کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے جن کو ان کی طبیعتیں اور مشہور علوم ضروری قرار دیتے ہیں وہ سب ان کو قبول کرتی ہیں اور ان کی حقیقت پر سے پردہ اٹھ جاتا ہے۔ قریب اور بعید دونوں کو برابر دعوت الٰہی پہنچتی ہے پس اسوقت ان پر شعائر کی تعظیم فرض ہوجاتی ہے اور ایسی ہی حالت ہوجاتی ہے جیسے خدا کے نام کی قسم کھانیوالا اپنی قسم توڑنے سے خدا کے حق میں گویا کمی اور کوتاہی دل میں رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے اسی اندرونی دلی بات پر مواخذہ کیا جاتا ہے پس اسیطرح ان لوگوں میں بہت سی ایسی چیزیں مشہور ہوجاتی ہیں ~~

الارحام فكل ذلك حق نفسه على نفسه لتكمل كمالها ولا تقترف على نفسها جورا ولكن نسب الحق الى من معه هذه المعاملة، ومنه المطالبة فلا تكن من الواقفين على الظواهر بل من المحققين للامر على ما هو عليه *

باب تعظيم شعائر الله تعالى

قال الله تعالى ومن يعظم شعائر الله فانها من تقوى القلوب، اعلم ان مبنى الشرائع على تعظيم شعائر الله تعالى والتقرب بها اليه تعالى وذلك لما اومأنا اليه من ان الطريقة التى نصبها الله تعالى للناس هى محاكاة ما فى صقع التجرد باشياء يقرب تناولها للبهيمية و اعنى بالشعائر امورا ظاهرة محسوسة جعلت ليعبد الله بها واختصت به حتى صار تعظيمها عندهم تعظيما لله والتفريط فى جنبها تفريطا فى جنب الله ورسخ ذلك فى صميم قلوبهم لا يخرج منه الا ان تقطع قلوبهم، والشعائر انما تصير شعائر بنهج طبيعى وذلك ان تطمئن نفوسهم بعادة وخصلة وتصير من المشهورات الذائعة التى تلحق بالبديهيات الاولية و لا تقبل التشكيك فعند ذلك تظهر رحمة الله فى صورة اشياء تستوجبها نفوسهم وعلومهم الذائعة فيما بينهم فيقبلونها ويكشف الغطاء عن حقيقتها وتبلغ الدعوة الادانى و الاقاصى على السواء فعند ذلك يكتب عليهم تعظيمها ويكون الامر بمنزلة الحالف باسم الله يضمر فى نفسه التفريط فى حق الله ان حنث فيؤاخذ بما يضمر وكذلك لهؤلاء يشتهر

جن کی اطاعت ان کے علوم کرتے ہیں۔ پس ان کے علوم میں ان چیزوں کی
پابندی یہ بات واجب کرتی ہے کہ ان لوگوں پر رحمت الٰہی اسی چیز میں
ظاہر ہو جس کے وہ مطیع ہوں۔ تدبیر کی بنا اس پر ہے کہ پہلے سب سے زیادہ
آسان امر کیا جائے اسکے بعد اور آسان اور یہ بھی ضرور ہے کہ اپنے دل میں
ان شعائر کی نہایت درجہ تعظیم کریں کیونکہ ان کا کمال ایسی تعظیم کرنا ہے
جس میں اہمال اور سستی نہ ہو۔ اور خدا تعالیٰ نے اپنے فائدے کیلئے بندوں
پر کوئی چیز واجب نہیں کی خدا کی شان اس سے برتر ہے بلکہ جو کچھ کیا ہے
محض بندوں کے فائدے کے لئے کیا ہے اور چونکہ یہ فائدہ بغیر نہایت درجہ
کی تعظیم کے حاصل نہ ہو سکتا تھا اسلئے جو امور ان کے نزدیک تعظیمی تھے انہیں
کا مواخذہ کیا گیا اور یہ حکم ہوا کہ خدا کی شان میں کوتاہی نہ کریں اور تشریعی امور
میں مقصود بالذات جماعت کا حال ہے نہ کہ فرد واحد کا۔ گویا کہ یہ جماعت
ہی تمام لوگ ہیں۔ وللہ الحجۃ البالغہ ؛

خدا تعالیٰ کے بڑے شعائر چار ہیں قرآن کعبہ نبی نماز۔ قرآن
کا نشان الٰہی ہونا اس طرح پر ہے کہ لوگوں میں سلاطین کی طرف سے
فرامین کا رعایا کی طرف بھیجنا رائج تھا اور بادشاہوں کی تعظیم کے تابع
فرامین شاہی کی بھی تعظیم ہوتی ہے اور انبیاء کے صحیفے اور اور لوگوں
کی تصانیف بھی شائع اور رائج ہو گئی تھیں۔ لوگوں کا ان کے مذہب
کی پیروی کرنا ان کتابوں کی تعظیم اور تلاوت پر موقوف تھا اور عرصہ
دراز تک ان کے علوم کا پابند ہونا بغیر ایسی کتاب کے جسکو وہ
پڑھیں یا روایت کریں بادی الرائے میں محال بھی تھا اس واسطے
لوگوں کا استشعار ہوا کہ ایک کتاب کی صورت میں رحمت الٰہی کا ظہور
ہو جو رب العلمین کی طرف سے نازل ہو وے اور اس کی تعظیم کیجائے
منجملہ تعظیم کے یہ ہے کہ مصحف کو بغیر وضو کے ہاتھ نہ لگایا جائے جب
اس کتاب کو پڑھا جائے تو سب خاموش ہو کر سنیں اسکے اوامر کی فوراً
تعمیل کریں سجدہ تلاوت کریں جہاں تسبیح کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہاں تسبیح
کریں۔ اور کعبہ کا شعار میں سے ہونا اس لئے قرار پایا کہ حضرت
ابراہیمؑ کے زمانہ میں لوگوں نے آفتاب اور ستاروں کے نام پر
بکثرت عبادت خانے اور کنیسے بنائے تھے ان کی نظر میں
کسی ذات مجرد غیر محسوس کی طرف متوجہ ہونا مؤکو

فيما بينهم امور تنقاد لها علومهم فيوجب انقياد
علومهم لها ان لا تظهر رحمة الله بهم الا فيما
انقادوا له اذ مبنى التدبير على الاسهل فالاسهل
ويوجب ايضا ان يؤاخذوا انفسهم باقصى ما عندهم
من التعظيم لان كمالهم هو التعظيم الذى لا يشوبه
اهمال وما اوجب الله تعالى شيئا على عباده لفائدة
ترجع اليه تعالى عن ذلك علوا كبيرا بل لفائدة ترجع
اليهم وكانوا بحيث لا يكملون الا بالتعظيم الاقصى
فاخذوا بما عندهم وامروا ان لا يفرطوا فى
جنب الله وليس المقصود بالذات فى العناية
التشريعية حال فرد بل حال جماعة كانها كل
الناس ولله الحجة البالغة ؛

ومعظم شعائر الله اربعة، القران، والكعبة
والنبى، والصلوة، اما القران فكان الناس شاع فيما
بينهم رسائل الملوك الى رعاياهم وكان تعظيمهم
للملوك مساوقا لتعظيمهم للرسائل وشاع صحف
الانبياء ومصنفات غيرهم وكان تمذهبهم
لمذاهبهم مساوقا لتعظيم تلك الكتب وتلاوتها
وكان الانقياد للعلوم وتلقيها على مر الدهور
بدون كتاب يتلى ويروى كالمحال بادى الراى
فاستوجب الناس عند ذلك ان تظهر رحمة
الله فى صورة كتاب نازل من رب العالمين وجب
تعظيمه، فمنه ان يستمعوا له وينصتوا اذا قرئ،
ومنه ان يبادروا لاوامره كسجدة التلاوة وما
كالتسبيح عند الامر بذلك، ومنه ان لا يمسوا
المصحف الا على وضوء، واما الكعبة فكان الناس
فى زمن ابراهيم عليه السلام توغلوا فى بناء المعابد
والكنائس باسم روحانية الشمس وغيرها من
الكواكب وصار عندهم التوجه الى المجرد غير المحسوس

بغیر اسکے محال تھا کہ اسکے نام کی ہیکل بنائی جائے اور اس میں حلول سمجھا جائے اور اس کی پرستش کرنا باعثِ تقرب سمجھا جائے بادی الرائے میں انکی عقلوں میں اور کوئی بات نہیں آتی تھی اسواسطے اس زمانہ کے لوگوں نے چاہا کہ خدا کی رحمت کا ظہور ایک گھر کے ذریعہ سے ہو لوگ اسکا طواف کریں اسکی وجہ سے تقرب الی اللہ حاصل کریں اسلئے خدا نے ان کو خانہ کعبہ کیطرف بلایا اور اسکی تعظیم کا حکم دیا۔ اسکے بعد قرناً بعد قرن یہ علم پیدا ہوتا گیا کہ خانہ کعبہ کی تعظیم خدا کی تعظیم ہے اور اسمیں کمی کرنا خدا کی خدمت میں کمی کرنا ہے اس لئے خانہ کعبہ کا حج فرض ہو گیا اور اسکی تعظیم کا اسطرح حکم دیا گیا کہ بغیر صفائی اور طہارت کے اسکا طواف نہ کیا جائے، نماز میں اسکی طرف رخ کریں اور بول و براز کے وقت اسکی طرف منہ کرنا یا پشت کرنا مکروہ سمجھیں۔ اور نبی کا شعائر الہیہ میں سے ہونا پس ان کا نام رسول اس واسطے ہے کہ ان کو بادشاہوں کے ایلچیوں سے مشابہت دی گئی ہے جنکو بادشاہ امر و نہی کی اطلاع دینے کیلئے رعایا کیطرف بھیجا کرتے ہیں۔ اور رسولوں کی تعظیم کرنا بھیجنے والے کی تعظیم قرار دی گئی ہے پیغمبر کی تعظیم یہ ہے کہ اسکی اطاعت کو واجب سمجھیں اور اس پر درود بھیجیں اس سے بلند آواز سے گفتگو نہ کریں۔ اور نماز کا شعائر سے ہونا اسواسطے ہے کہ اس سے مقصود غلاموں کے حال کے ساتھ تشبیہ دینا ہے کہ جب وہ بادشاہ کے سامنے کھڑے ہو کر درخواست اور عاجزی کرتے ہیں اور اسلئے دعا کرنے سے پہلے حمد و ثنا ضروری ہوئی اور آدمی کو ایسی ایسی ہیئتیں اختیار کرنا ضروری ہوئیں جو مناجات کے وقت بادشاہوں کے سامنے اختیار کیجاتی ہیں یعنی ہاتھ باندھنا اور ادھر ادھر التفات نہ کرنا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں اسی طرف اشارہ ہے "جب تم میں سے کوئی نماز پڑھتا ہے تو خدا اسکے سامنے ہوتا ہے۔ واللہ اعلم ❖

اٹھواں باب (۱۴۳) وضو اور غسل کے اسرار کا بیان

واضح ہو کہ کبھی کبھی انسان طبعی تاریکیوں سے حظیرۃ قدس کی روشنیوں میں لایا جاتا ہے اس پر یہ انوار غالب آتے ہیں اور تھوڑی تھوڑی دیر کیلئے کسی نہ کسی طرح طبیعت کے احکام سے بری ہو جاتا ہے

بدون هيكل يبنى باسمه يكون الحلول فيه و التلبس به تقرباً منه امراً محالاً تنفر عنه عقولهم بادى الرائ فاستوجب اهل ذلك الزمان ان تظهر رحمة الله بهم فى صورة بيت يطوفون به ويتقربون به الى الله فدعوا الى البيت و تعظيمه ثم نشأ قرن بعد قرن على علم ان تعظيمه مساوق لتعظيم الله والتفريط فى حقه مساوق للتفريط فى حق الله فعند ذلك وجب حجه وامروا بتعظيمه، فمنه ان لا يطوفوا الا متطهرين، ومنه ان يستقبلوها فى صلاتهم و كراهية استقبالها واستدبارها عند الغائط واما النبى فلم يسم مرسلاً الا تشبيها برسل الملوك الى رعاياهم مخبرين باوامرهم ونهيهم ولم يوجب عليهم طاعتهم الا بعد مساوقة تعظيمهم لتعظيم المرسل عندهم فمن تعظيم النبى وجوب طاعته والصلاة عليه و ترك الجهر عليه بالقول ❖ واما الصلاة فيقصد فيها التشبيه بحال عبيد الملك عند مثولهم بين يديه ومناجاتهم اياه وخضوعهم له ولذلك وجب تقديم الثناء على الدعاء و مؤاخذة الانسان نفسه بالهيئات التى يجب مراعاتها عند مناجاة الملوك من ضم الاطراف وترك الالتفات وهو قوله صلى الله عليه وسلم اذا احدكم صلى فان الله قبل وجهه والله اعلم

باب اسرار الوضوء والغسل

اعلم ان الانسان قد يختطف من ظلمات الطبيعة الى انوار حظيرة القدس فتغلب عليه تلك الانوار ويصير ساعة ما بريئاً

پس یہ ملائکہ کے مسلک میں منسلک ہوجاتا ہے اور باعتبار تجرید نفس
کے گویا انہی میں سے ہوجاتا ہے اسکے بعد پھر اسکی وہی اصلی حالت
ہوجاتی ہے اسکے بعد پہلی حالت کی مناسب چیزوں کا وہ مشتاق
ہوتا ہے تاکہ اسکی عدم موجودگی میں ان امور کو غنیمت جانے اور ان
امور کے ذریعہ اس فوت شدہ حالت کو حاصل کرے۔ پس اسوقت بھی
اسکو ایک حالت منجملہ احوال کے پیش آتی ہے جسکو سرور اور انشراح کہتے
ہیں یہ کیفیت میل کچیل دور کرنے اور مطہرات کے استعمال کرنے سے حاصل
ہوتی ہے پس وہ ان امور کا پختگی سے پابند ہوتا ہے اور اسکے بعد میں
شخص کا مرتبہ ہے کہ اسنے مخبر صادق کو یہ تعلیم دیتے سنا کہ یہ حالت آدمی کیلئے
موجب کمال ہے اور اسکا پروردگار اس سے ایسی حالت کو پسند کرتا ہے اور
اسمیں بے شمار فوائد ہیں یہ سنکر اس نے دلی شہادت سے اسکو سچ جانا اور
جیسا اسکو حکم دیا تھا ایسے ہی اسنے تعمیل کی جتنا وہ اسپر کاربند ہوتا گیا تو تمامی
اسکی خبروں کو حق پاتا گیا اور اسپر رحمت کے دروازے کھلتے گئے اور فرشتوں کی سی
حالت اسکی ہوتی گئی۔ اسکے بعد اس شخص کا رتبہ ہے کہ خود اس حالت کو کچھ
نہ سمجھ سکتا تھا لیکن انبیاء نے اسکو ایسی ہیئتوں کی طرف زبردستی کھینچا اور
مجبور کیا جو معاد میں آدمی کو فرشتوں کے ساتھ ملحق کردیتی ہیں یہی لوگ وہ ہیں
جو جنت کیطرف زنجیروں کے ذریعہ سے کھینچے جاتے ہیں اور وہ ناپاکی جسکا اثر بادی
الرائے میں نفس پر محسوس ہوتا ہے اور وہ ناپاکی جسکے انضباط مواقع کیلئے
تمام آدمی مخاطب ہوسکتے ہیں اور وہ ناپاکی جو کثیر الوقوع ہے اور اسکی تعلیم
میں کمی کرنے سے لوگوں کو بڑا ضرر پہنچ سکتا ہے تلاش سے دو قسموں میں منحصر
ہیں۔ اول یہ کہ انسان کے معدہ میں فضلات پیشاب، پاخانہ، ریح
پیدا ہوتے ہیں اور ان سے اسکا دل رک جاتا ہے پس ہر شخص اپنے
نفس میں یہ بات پاتا ہے کہ جب اس کے پیٹ میں ریح یا
پیشاب، پاخانہ رکا ہوا ہوتا ہے تو اس کا دل برا ہوجاتا ہے
پس وہ زمین کی طرف رجوع کرتا ہے اور حیران و پریشان
ہوجاتا ہے۔ اس کے اور بشاشی کے درمیان پردہ حائل ہوجاتا
ہے۔ پس جب وہ پیشاب یا پاخانہ اور ریح سے فارغ ہوجاتا
ہے اور غسل و وضوء وغیرہ کا استعمال کرتا ہے جس سے نفس کی پاکیزگی
پر تنبیہ ہوتی ہے تو اسوقت دل میں بشاشت اور سرور پاتا ہے

من احكام الطبيعة بوجه من الوجوه فينسلك
في سلكهم ويصير فيما يرجع الى تجريد
النفس كانه منهم ثم يرد الى حيث كان فيشتاق
الى ما يناسب الحالة الاولى ليغتنمه عند فقدها
ويجعله شركا لاقتناص الفائت منها فيجد
بهذه الصفة حالة من احواله وهي السرور و
الانشراح الحاصل من هجر الرجز واستعمال
المطهرات فيعض عليها بنواجذه ويتلوه انسان
سمع المخبر الصادق يخبر بان هذه الحالة كمال
الانسان وانه ارتضاها منه باريه وان فيها
فوائد لا تحصى فصدقه بشهادة قلبه ففعل
ما امر به فوجد ما اخبر به حقا وفتحت عليه
ابواب الرحمة وانصبغ بصبغ الملائكة ويتلوه
رجل لا يعلم شيئا من ذلك لكن قادة الانبياء
والجأوه الى هيأت تعدله في معاده للانسلاك
في سلك الملائكة واولئك قوم جروا بالسلاسل
الى الجنة والحدث الذي يحس اثره في النفس بادي
الرأي والذي يليق ان يخاطب به جمهور الناس
لانضباط مظانه والذي يكثر وقوع مثله وفي
اهمال تعليمه ضرر عظيم بالناس منحصر باستقراء
في جنسين، احدهما اشتغال النفس بما يجد
الانسان في معدته من الفضول الثلاثة الريح
والبول والغائط فليس من البشر احد الا ويعلم
من نفسه انه اذا وجد في بطنه الرياح اوكان
حاقبا حاقنا خبثت نفسه فاخذت الى الارض و
صارت كالحائرة المنقبضة وكان بينها وبين
انشراحها حجاب فاذا اندفعت عنه الرياح و
تخفف عنه الاخبثان واستعمل ما ينبه نفسه
للطهارة كالغسل والوضوء وجد انشراحا وسرورا

اور ایسا خوش ہوتا ہے کہ گویا کوئی گم شدہ چیز مل گئی۔ دوم شہوتِ
جماع سے نفس کا مشغول ہونا اور اسمیں غرق ہوجانا ہے۔ کیونکہ یہ
چیز نفس کو طبیعت بہیمہ کیطرف بالکل متوجہ کردیتی ہے۔ جب
بہائم کو ریاضت کے ذریعہ مقصود آداب کی مشق کرائی جاتی ہے
اور شکاری جانوروں کو بھوکا اور بیدار رکھکر مطیع بنایا جاتا ہے اور شکار
پکڑنا سکھایا جاتا ہے اور پرندوں کو آدمیوں کی بولیاں سکھائی جاتی ہیں
حاصل یہ ہے کہ جب جانور کی خواہش اور مقتضائے طبیعت کے
کھودینے کی بخوبی کوشش کیجاتی ہے اور خلافِ طبع باتوں کی تعلیم دیجاتی
ہے۔ پھر یہ جانور مادیوں میں رل مل کر اپنی خواہش ان سے پوری
کرتا ہے اور چند روز انہیں لذائذ میں ڈوبا رہتا ہے تو سب سیکھے سکھائے
امور بھول جاتا ہے اور ویسا ہی جاہل، اندھا اور بےخبر ہوجاتا ہے۔ اور
جو ان امور میں غور کریگا تو اسکو ضرور معلوم ہوجائیگا کہ شہوت نفس کی آلودگی
جسقدر اثر کرتی ہے کوئی دوسری چیز (جو نفس کو بہیمیت کیطرف مائل
کرتی ہے جیسے کثرتِ طعام اور نشہ وغیرہ) اسقدر اثر نہیں کرتی۔ آدمی
کو اسکا تجربہ اپنی نفسانی حالت سے ہی کرلینا چاہیئے اور ان تدابیر کو یاد کرلینا چاہیئے
جنکا ذکر اطباء نے تارکِ دنیا راہبوں کی طبیعتوں کو نفسِ بہیمی کیطرف
پھیر دینے کیلئے کیا ہے۔ اور طہارت جسکا اثر ظاہراً محسوس ہوتا ہے
اور جو عام لوگوں کو سمجھائی جاسکتی ہے کیونکہ اس طہارت کا ذریعہ یعنی
پانی آباد ملکوں میں بکثرت موجود ہے اور اسکے اوقات منضبط ہیں
اور جو نفس بشر میں ہر طہارت سے زیادہ دل نشین ہے اور جو باوجود
قدرتی طریقہ ہونے کے تمام لوگوں میں مسلم اور مشہور بھی ہے ایسی
طہارت تلاش کرنے سے دو قسموں میں پائی جاتی ہے (۱) طہارتِ
صغریٰ (۲) طہارت کبریٰ۔ طہارتِ کبریٰ سے یہ مراد ہے کہ تمام
بدن دھویا جائے اسلئے کہ پانی خود ایک پاک چیز ہے سب نجاستوں
کو دور کردیتا ہے تمام طبیعتوں نے اسکے اثر کو تسلیم کرلیا ہے یہ نہایت
عمدہ ذریعہ ہے کہ اسکی وجہ سے صفتِ طہارت پر نفس متنبہ کیا جائے
اور اکثر آدمی شراب پیتے ہیں اور نشہ میں چور ہوجاتے ہیں اسی بیہوشی
میں وہ ناحق خون کر ڈالتے ہیں یا نہایت نفیس مال کو ضائع کردیتے
ہیں تو دفعۃً ان کا نفس متنبہ ہوجاتا ہے ٭ ٭ ٭ ٭

وصار کانه وجد ما فقد، والثانی اشتغال النفس
بشهوة الجماع وغوصها فیها فان ذلك یصرف
وجه النفس الی الطبیعة البهیمیة بالکلیة حتی ان
البهائم اذا ارتیضت ومرنت علی الآداب المطلوبة
والجوارح اذا ذللت بالجوع والسهر وعلمت امساك
الصید علی صاحبها والطیور اذا کلفت بمحاکاة کلام
الناس، وبالجملة کل حیوان افرغ الجهد فی ازالة
ماله من طبیعته واکتساب ما لا تقتضیه طبیعته ثم
قضی هذا الحیوان شهوة فرجه وعافس الاناث و
غاص فی تلك اللذة ایاما لا بد ان ینسی ما اکتسبه
ورجع الی عمه وجهل وضلال، ومن تأمل فی
ذلك علم لا محالة ان قضاء هذه الشهوة یؤثر فی
تلویث النفس ما لا یؤثره شیء من کثرة الاکل و
المخامرة وسائر ما یمیل النفس الی الطبیعة
البهیمیة ولیجرب الانسان ذلك من نفسه و
لیرجع الی ما ذکره الاطباء فی تدبیر الرهبان المنقطعین
اذا ارید ارجاعهم الی النفس البهیمیة والطهارة
التی یحس اثرها بادی الرأی والتی یلیق ان یخاطب
بها جمهور الناس لکثرة وجود آلتها فی الاقالیم
المعمورة اعنی الماء وانضباط امرها والتی هی
اوقع الطهارات فی نفوس البشر وکالمسلمات
المشهورة بینهم مع کونها کالمذهب الطبیعی تنحصر
بالاستقراء فی جنسین صغری وکبری، واما الکبری
فتعمیم البدن بالغسل والدلك اذ الماء طهور مزیل
للنجاسات قد سلمت الطبائع منه ذلك فهی آلة
صالحة لتنبیه النفس علی خلة الطهارة وارب
انسان شرب الخمر وثمل وغلب السکر علی
طبیعته ثم فرط منه شیء من قتل بغیر حق او
اضاعة مال فی غایة النفاسة فتنبهت نفسه دفعة

وہ ہوش میں آجاتے ہیں اور ان کا نشہ دور ہوجاتا ہے اور اکثر ناتواں لوگوں کو نشست و برخاست کی طاقت نہیں ہوتی اور وہ کوئی کام نہیں کرسکتے پس اتفاقاً کوئی ایسا واقعہ پیش آتا ہے جس سے نفس متنبہ اور قوی ہوجاتا ہے جیسے غصہ یا حمیت یا رغبت۔ پس اسوقت وہ بڑے سے بڑا کام کرسکتے ہیں یا کوئی بڑی خونریزی کر بیٹھتے ہیں۔ بہرحال نفس کی حالت بعض امور سے دفعۃً بدل جایا کرتی ہے اور ایک عادت سے دوسری عادت کیلئے بیداری اسمیں آجاتی ہے اور نفسانی علاجوں میں اس قسم کی تبدیلیاں مفید اور عمدہ ہیں اس قسم کی بیداری اس چیز سے ہوتی ہے جسکا کامل طہارت ہونا طبیعتوں اور دلوں میں پیوست ہوگیا ہے اور ایسی چیز صرف پانی ہی ہے ــ اور طہارت صغریٰ صرف ہاتھ، پاؤں اور منہ کے دھونے سے حاصل ہوتی ہے اور یہ اسلئے ہے کہ تمام آباد ملکوں میں یہ معمول جاری ہے کہ یہ اعضاء قدرتی طور سے کھلے رہتے ہیں اور لباس بدن سے باہر رہتے ہیں اور اسی کیطرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ ہے کہ آپ نے چادر میں لپٹنے سے منع فرمایا۔ تو ان اعضاء کے کھلا رہنے سے انکے دھونے میں کوئی دقت نہیں ہوتی اور یہ غسل تمام اعضاء کا نہیں ہے۔ تمام شہر والوں کا معمول ہے کہ ان اعضاء کو روزانہ دھوتے ہیں اور بادشاہوں اور امراء کے دربار میں جاتے وقت پاک وصاف کرتے ہیں۔ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ اعضاء ظاہر اور کھلے رہتے ہیں بہت جلد میلے ہوجاتے ہیں اور باہم ملاقات کیوقت بھی یہی اعضاء نظر پڑتے ہیں۔ اور نیز تجربہ سے شہادت ملتی ہے کہ ہاتھ، پاؤں کے دھونے سے، منہ اور سر پر پانی چھڑکنے سے نفس پر بڑا اثر ہوتا ہے۔ خواب یا نہایت بیہوشی اس سے دور ہوجاتی ہے۔ اور انسان اسکا تجربہ کرسکتا ہے اس تجربہ اور علم کی تصدیق اطباء کی تجویز سے بھی ہوتی ہے وہ اس شخص کے لئے جسکو غشی ہو یا اسکو زیادہ اسہال آتے ہوں یا کسی کی فصد زیادہ لی گئی ہو، یہی پانی چھڑکنا تجویز کرتے ہیں۔ تدابیر ثانیہ کے ابواب سے جن پر انسانی کمال کا مدار ہے اور لوگوں کے لئے وہ بمنزلہ فطرت کے ہوگئے ہیں طہارت بھی ایک باب ہے اور اس کی وجہ سے فرشتوں سے قرب اور شیاطین سے بُعد حاصل ہوتا ہے اور عذاب قبر بھی اس سے دور ہوجاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

وعقلت وكشفت عنها الثمالة ورب انسان ضعيف لا يستطيع ان ينهض ولا ان ياشر شيئًا فاتفقت واقعة تنبه النفس تنبيها قويا من عروض غضب او حمية او منافسة فعالج معالجة شديدة وسفك سفكا بليغا، وبالجملة فللنفس انتقال دفعي وتنبه من خصلة الى خصلة هو العمدة في المعالجات النفسانية وانما يحصل هذا التنبه بما ركز في صميم طبائعهم وجذر نفوسهم انه طهارة بليغة وما ذلك الا الماء، والصغرى الاقتصار على غسل الاطراف وذلك لانها مواضع جرت العادة في الاقاليم الصالحة بانكشافها وخروجها من اللباس لمذهب طبيعي اليه وقعت الاشارة حيث نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن اشتمال الصماء فلا يتحقق حرج في غسلها وليس ذلك في سائر الاعضاء، وايضا جرت العادة في اهل الحضر بتنظيفها كل يوم وعند الدخول على الملوك واشباههم وعند قصد الاعمال النظيفة وفقه ذلك انها ظاهرة تسرع اليها الاوساخ وهي التي ترى وتبصر عند ملاقاة الناس بعضهم لبعض وايضا التجربة شاهدة بان غسل الاطراف ورش الماء على الوجه والراس ينبه النفس من نحو النوم والغشي المثقل تنبيها قويا وليرجع الانسان في ذلك الى ما عنده من التجربة والعلم والى ما امر به الاطباء في تدبير من غشي عليه او افرط به الاسهال والفصد، والطهارة باب من ابواب الارتفاق الثاني الذي يتوقف كمال الانسان عليه وصار من جبلتهم وفيها قرب من الملائكة وبعد من الشياطين وتدفع عذاب القبر وهو قوله صلى الله عليه وآله وسلم

کہ پیشاب سے بچو کیونکہ عام عذابِ قبر اسی سے ہوتا ہے" اور طہارت
کو اس میں بڑا دخل ہے کہ اسکے ذریعہ سے نفس احسان کا درجہ حاصل کرسکتا
ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اسیطرف اشارہ ہے "پاکیزہ
رہنے والوں کو خدا دوست رکھتا ہے" جب طہارت کی کیفیت نفس میں
خوب راسخ ہوجاتی ہے تو نور ملکی کا ایک شعبہ اسمیں ٹھیر جاتا ہے اور بہیمیت
کی تاریکی کا حصہ مغلوب ہوجاتا ہے۔ نیکیوں کے لکھے جانے اور خطاؤں
کے دور ہونے کے یہی معنی ہیں۔ اور اگر رسمی طور سے بھی عمل میں لائی جائے تو رسمی
بلاؤں میں مفید ثابت ہوتی ہے۔ اور جب کوئی پاک آدمی اسکی ان ہیئتوں
کی پابندی کرتا ہے جنکا لوگ سلاطین کے حضور میں لحاظ رکھا کرتے ہیں اور
اسکے ساتھ ساتھ اذکار اور نیت کی بھی پابندی کرتا ہے تو سوءِ معرفت سے نجات
پاتا ہے اور جب انسان خوب سمجھ جاتا ہے کہ طہارت اسکا کمال ہے تو بغیر
کسی داعیہ حسیّہ کے اسکے اعضاء عقل کے تابع ہوجاتے ہیں اور سب سے زیادہ نفع
کی بات یہ ہوتی ہے کہ طبیعت عقل کی مطیع ہوجاتی ہے واللہ اعلم ❖

نواں باب (۴۴) نماز کے اسرار کا بیان

واضح ہو کہ کبھی آدمی حظیرہ قدس کی سی حالت کو اخذ کرلیتا ہے پس
جناب باری سے اسکو نہایت قرب ہوجاتا ہے پھر اس پر وہاں سے
مقدس تجلیات کا نزول ہوتا ہے اور یہ شخص اپنے نفس پر غالب اگر
ایسی حالت کا مشاہدہ کرتا ہے جس کو زبان نہیں بیان کرسکتی جہاں
تھا وہاں کا وہیں آجاتا ہے اور وہ بیقرار ہوجاتا ہے لہذا اپنے نفس کو
ایسی حالت سے تسکین دیتا ہے جو حالات سفلیہ میں سب سے عمدہ ہے۔
یعنی اپنے پروردگار کی معرفت میں مستغرق ہوجاتا ہے۔ پس وہ اسی کو
پہلی حالت کے حاصل کرنیکا ذریعہ سمجھتا ہے اور یہ حالت خدا کی
عظمت اور اپنی عاجزی کے اظہار سے اور اُن افعال و اقوال کے
ذریعہ سے جو خدا کی حضور میں مناجات کرنے کیلئے مقرر ہیں ہوا کرتی ہے۔
اسکے بعد اس شخص کا درجہ ہے جو کسی مخبرِ صادق کو اس حالت کیطرف بلاتے
اور رغبت دلاتے سنتا ہے پھر دلی شہادت سے اسکی تصدیق کرتا ہے اور
اسکے احکام کی تعمیل کرتا ہے اور اسکے تمام وعدوں کو سچا پاتا ہے اور مراد
کو پہنچ جاتا ہے۔ اسکے بعد اسکا مرتبہ ہے جسکو انبیاء نے نمازوں پر مجبور کیا لیکن

استنزهوا من البول فان عامة عذاب القبر منه
ولها مدخل عظيم في قبول النفس لون الاحسان
وهو قوله تعالى والله يحب المتطهرين، واذا
استقرت في النفس وتمكنت منها تقررت فيها شعبة من نور
الملائكة وانقهرت شعبة من ظلمة البهيمية وهو معنى
كتابة الحسنات وتكفير الخطايا واذا جعلت رسما
نفعت من غوائل الرسوم واذا حافظ صاحبها
على ما فيها من هيات يؤاخذ الناس بها انفسهم
عند الدخول على الملوك وعلى النية المستصحبة و
الاذكار نفعت من سوء المعرفة واذا عقل الانسان
ان هذه كماله فاداب جوارحه حسبما عقل من
غير داعية حسية واكثر من ذلك كانت تمرينا
على انقياد الطبيعة للعقل والله اعلم ❖

باب اسرار الصلوة

اعلم ان الانسان قد يختطف الى الحظيرة
المقدسة فيلتصق بجناب الله تعالى اتم لصوق
وينزل عليه من هنالك التجليات المقدسة
فتغلب على النفس ويشاهد هنالك ما لا يقدر
اللسان على وصفه ثم يرد الى حيث كان فلا
يقر به القرار فيعالج نفسه بحالة هي اقرب
الحالات السفلية من استغراق النفس في معرفة
بارئها ويتخذها شركا لاقتناص ما فاته منها
وتلك الحالة هي التعظيم والخضوع والمناجاة
في ضمن افعال واقوال بنيت لذلك ويتلوه
رجل سمع المخبر الصادق يدعوه الى هذه الحالة
ويرغب فيها فصدقه بشهادة قلبه ففعل و
وجد ما وعد به حقا وارتقى الى ما يرجوه ثم
يتلوه رجل الجأه الانبياء الى الصلوات وهو

اسکو نماز کی خوبیوں کا ذاتی علم نہ تھا اسکی مجبوری ایسی ہی تھی جیسے باپ
اپنے بیٹے کو مفید صنعتوں کی تعلیم دے اور وہ ان کو پسند نہ کرتا ہو۔ کبھی
آدمی خدا تعالےٰ سے مصیبت کے دور ہونے یا کسی نعمت کے ملنے کی
درخواست کرتا ہے اسوقت زیادہ مناسب یہی ہوتا ہے کہ وہ تعظیمی
افعال واقوال میں ہمہ تن مستغرق ہو جائے تاکہ اسکی ہمت کا جو دعا کی
روح ہے کچھ اثر پڑ سکے ۔ اور اسیوجہ سے نماز استسقا مسنون ہوئی
ہے ۔ نماز میں اصلی امور تین ہیں (۱) خدا تعالےٰ کی بزرگی اور جلال دیکھ
کر نہایت خشوع اور خضوع کرنا (۲) خدا کی بزرگی اور اپنی عاجزی
کو خوش بیانی سے ظاہر کرنا (۳) اس عاجزی کی حالت کے
موافق اعضاء میں آداب کا استعمال کرنا ۔

(الشعر) تیری نعمتوں نے مجھ سے تین چیزیں خدمت میں لیں میرے
ہاتھ اور زبان اور پوشیدہ دل میں اب ان تینوں سے تیری جناب میں شکر
گذاری کرتا ہوں ۔

افعال تعظیمی میں سے یہ ہے کہ اسکے روبرو کھڑا ہو کر مناجات کرے
اور ہمہ تن اسکی طرف متوجہ ہو ۔ اور کھڑے ہونے سے بھی زیادہ تعظیم یہ
ہے کہ اپنی عاجزی اور خدا کی برتری کا خیال کر کے اسکے سامنے سرنگوں
ہو جائے کیونکہ تمام بنی آدم اور بہائم میں یہ فطری امر ہے کہ گردن بلند کرنا
تکبر اور خود پسندی کی علامت اور سرنگوں ہونا عاجزی اور تعظیم کی
علامت سمجھی جاتی ہے ۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے "انکی گردنیں اسکے سامنے
جھک گئیں" اور اس سے بھی زیادہ تعظیم کی بات یہ ہے کہ اپنے چہرے کو
جو تمام اعضاء میں زیادہ بزرگ اور حواس انسانی کے جمع ہونیکی جگہ
ہے اسکے سامنے رکھدے ۔ یہی تینوں قسم کی فعلی تعظیمیں تمام لوگوں میں
رائج ہیں جنکو اپنی نمازوں میں اپنے سلاطین اور امراء کے دربار میں
عمل میں لاتے ہیں اور سب صورتوں میں نماز کی وہ صورت عمدہ ہے
جس میں یہ تینوں امر جمع ہوں اور اسکے ساتھ ہی ادنیٰ تعظیمی حالت سے
اعلیٰ کیطرف ترقی ہو تاکہ خشوع اور خضوع میں ترقی ہوتی جائے اور
جو فائدہ اس ترقی کی حالت میں ہوسکتا ہے وہ تنہا اعلیٰ درجہ کی تعظیم
میں یا اعلیٰ حالت سے ادنیٰ کی طرف منتقل ہونے میں معلوم نہیں
ہوسکتا ۔ نماز میں اعمال مخصوصہ ہی کو اصل قرار دیا گیا ہے

لا یعلم بمنزلة الوالد یحبس اولاده علی تعلیم
الصناعات النافعة وهم کارهون وربما
یسأل الانسان من ربه دفع بلاء او ظهور نعمة
فیکون اقرب حینئذ الاستغراق فی افعال و
اقوال تعظیمیة لتؤثر همته التی هی روح السؤال
وذلك ما سن من صلاة الاستسقاء واصل
الصلوة ثلاثة اشیاء ان یخضع القلب عند
ملاحظة جلال الله وعظمته ویعبر اللسان
عن تلك العظمة وذلك الخضوع افصح عبارة
وان یؤدب الجوارح حسب ذلك الخضوع قال
القائل "شعر"

افادتکم النعماء منی ثلاثة
یدی ولسانی والضمیر المحجبا

ومن الافعال التعظیمیة ان یقوم بین یدیه
مناجیا ویقبل علیه مواجها واشد من ذلك
ان یستشعر ذله وعزة ربه فینکس راسه اذ
من الامر المجبول فی فطرة البشر والبهائم ان
دفع العنق آیة التیه والتکبر وتنکیسه آیة
الخضوع والاخبات وهو قوله تعالیٰ فظلت
اعناقهم لها خاضعین ، واشد من ذلك ان
یعفر وجهه الذی هو اشرف اعضائه ومجمع
حواسه بین یدیه فتلك التعظیمات الثلاث
الفعلیة شائعة فی طوائف البشر لا یزالون یفعلونها
فی صلواتهم وعند ملوکهم وامرائهم واحسن
الصلوة ما کان جامعا بین الاوضاع الثلاثة
مترقیا من الادنی الی الاعلی لیحصل الترقی فی
استشعار الخضوع والتذلل وفی الترقی من
الفائدة ما لیس فی افراد التعظیم الاقصی ولا فی
الانحطاط من الاعلی الی الادنی وانما جعلت الصلوة

عظمت الٰہی میں صرف غور کر لینا یا ہمیشہ خدا کا ذکر کرنا اسمیں اصل
نہیں ٹھیرائے گئے اسلئے کہ خدا کی عظمت کا صحیح خیال صرف وہی لوگ
کر سکتے ہیں جنکی طبیعتیں اعلیٰ درجہ کی ہیں اور ایسے لوگ بہت ہی کم
ہیں اور ایسے لوگوں کے علاوہ اور عام لوگ اگر غور و خوض کرنے لگیں
تو کند ذہن ہو جائیں اور فائدہ کے بجائے اصل مال کو بھی کھو بیٹھیں
اور محض ذکر بغیر شرح کے اور بغیر اسکے کہ کوئی عمل تعظیمی بھی اسکے ساتھ
لگایا جائے اور جوارح میں آداب کا لحاظ رکھا جائے اکثر لوگوں کے حق
میں ایک بیکار دردسری ہے البتہ نماز سو وہ ایسا معجون ہے جسکی ترکیب
میں ایک تو فکر ہے جو خدا کی عظمت کیطرف ثانوی ارادہ کے ساتھ پھیرا
جاتا ہے۔ اور دوسری وہ توجہ ہے جو ہر شخص سے تبعاً پیدا ہوتی ہے۔
اور جسکو گرداب شہود میں خوض کرنے کی استعداد حاصل ہو اسکو بھی کوئی
مانع نہیں ہے وہ بخوبی اسمیں غور کر سکتا ہے بلکہ نماز اسکی اس امر میں
اسکی خوب اعانت کرے گی۔ اور نماز میں وہ دعائیں بھی ہیں جو اخلاص
عمل پر اسیطرف متوجہ ہونے پر اور اسی سے مدد مانگنے پر دلالت کرتی
ہیں۔ اور تعظیمی افعال رکوع و سجود بھی ہیں جو ایک دوسرے کے معین
مکمل اور تنبیہ کرنے والے ہیں اسلئے نماز ہر خاص و عام کے حق میں
نافع اور تریاق قوی الاثر ہو گئی تاکہ ہر انسان اس سے اپنی استعداد
کے موافق فائدہ اٹھائے۔ نماز ایمان والے کیلئے معراج ہے اور اس کو
اخروی تجلیات کیلئے تیار کرتی ہے اور آنحضرت علیہ السلام کے اس
قول میں اسیطرف اشارہ ہے کہ "تم عنقریب اپنے پروردگار کو دیکھو گے،
پس تم فجر اور عصر کی نماز سے غافل نہ ہو جایا کرو ان کو پڑھا کرو" اور
یہ نماز خدا کی محبت اور رحمت کا بڑا سبب ہے اور آنحضرت علیہ السلام کے
اس قول میں اسیطرف اشارہ ہے " جنت میں لیجانے کیلئے" کہ میں شفاعت
کر کے لے جاؤں گا تو بھی میری اعانت کر کہ اکثر نماز پڑھا کر" اور خدا تعالیٰ
کا اہل جہنم کے اس قول کے نقل کرنے میں بھی اسیطرف اشارہ ہے "لَمْ
نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ" (ہم نماز نہیں پڑھا کرتے تھے) اور جب نماز کا شوق مومن
کے دل میں جم جاتا ہے تو وہ نور الٰہی میں غرق ہو جاتا ہے اور اسکے گناہ دور
ہو جاتے ہیں (نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں) معرفت الٰہی کیلئے کوئی چیز
نماز سے زیادہ مفید نہیں ہے بالخصوص جب نماز کے تمام افعال و اقوال

اما الاعمال المقربة دون الفكر فی عظمة الله و
دون الذكر الدائم لان الفكر الصحیح فیها لا یتأتی
الا من قوم عالیة نفوسهم وقلیل ما هم وسوی
اولئك لو خاضوا فیه تبلدوا و ابطلوا راس مالهم
فضلا عن فائدة اخری والذكر بدون ان یشرح
و یعضده عمل تعظیمی یعمله بجوارحه و یتوقی
آدابها القلقة خالیة عن الفائدة فی حق الاكثرین
اما الصلوة فهی المعجون المركب من الفكر المصروف
تلقاء عظمة الله بالقصد الثانی والالتفات التبع
المتاتی من كل واحد ولا حجر لصاحب استعداد
الخوض فی لجة الشهودات یخوض بل ذلك متنبه
له اتم تنبیه، ومن الادعیة المبینة اخلاص
عمله لله و توجیه وجهه تلقاء الله وقصر الاستعانة
فی الله ومن افعال تعظیمیة كالسجود والركوع
یصیر كل واحد عضد الآخر و مكمله و المنبه علیه
فصارت نافعة لعامة الناس و خاصتهم تریاقا
قوی الاثر لیكون لكل انسان منه ما استوجبه
اصل استعداده والصلاة معراج المؤمن معدة
للتجلیات الاخرویة وهو قوله صلی الله علیه و
سلم انكم سترون ربكم فان استطعتم ان لا
تغلبوا علی صلاة قبل طلوع الشمس و قبل غروبها
فافعلوا و سبب عظیم لمحبة الله و رحمته و هو
قوله صلی الله علیه وسلم اعنی علی نفسك بكثرة
السجود و حكایته تعالی عن اهل النار و لم نك
من المصلین واذا تمكنت من العبد اضمحل
فی نور الله و كفرت عنه خطایاه، ان الحسنات
یذهبن السیئات ولا شئ انفع من سوء المعرفة
منها لا سیما اذا فعلت افعالها و اقوالها علی حضور
القلب و النیة الصالحة و اذا جعلت رسما مشهورا

توبھی رسمی برائیوں سے بچاتے میں اسکا بیّن نفع ہوگا۔ اور مسلمانوں کے لئے ایسی علامت قرار دیجائیگی جو کافر سے تمیز کردیگی چنانچہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس قول میں اسی طرف اشارہ ہے کہ اہل اسلام اور کفار کے درمیان نماز کا عہد ہے پس جس نے نماز ترک کردی وہ کافر ہوگیا۔ اور اسمیں کچھ شک نہیں ہے کہ نفس کو عقل کے ماتحت رہنے کا اور اسکے احکام پر چلنے کا عادی بنانے میں نماز کے برابر کوئی چیز نہیں واللہ اعلم۔

دسواں باب (۴۵)۔ زکوٰۃ کے اسرار کا بیان

واضح ہو کہ جب کسی مسکین کو کوئی حاجت پیش آتی ہے اور وہ زبان حال یا قول سے خدا کے حضور میں گریہ وزاری کرتا ہے تو اس کیلئے خدا کی بخشش کا دروازہ کھلتا ہے اور کبھی مصلحت یہ ہوتی ہے کہ کسی نیک بندہ کے دل میں یہ الہام ہوتا ہے کہ مسکین کی حاجت روائی کردے۔ پس جب اسپر الہام چھاجاتا ہے اور اسکے موافق عمل کرتا ہے تو اس سے خدا خوش ہوتا ہے اور اوپر سے نیچے سے دائیں سے بائیں سے اسپر برکتیں نازل ہوتی ہیں اور اللہ کی رحمت ہوتی ہے۔ ایک روز ایک مسکین نے اپنی انتہائی حاجت کیوقت مجھ سے سوال کیا تب میں نے اپنے دلمیں الہام کی آہٹ پائی کہ وہ اسکو کچھ دینے کا مجھے حکم کرتا ہے اور وہ دنیا و آخرت میں بڑے اجر کی بشارت دیتا تھا میں نے اس مسکین کی حاجت برآری کرائی اور میں نے اپنے پروردگار کے وعدہ کو سچا دیکھ لیا اس طرح بابِ جودِ الٰہی کے دروازہ کو کھٹکھٹانا اور اسکو دینے کیلئے مجھ پر اسرورِ الہام ہونا اور اجر کا ظاہر ہونا یہ سب امور آنکھ کے سامنے محسوس ہوئے اور کبھی کسی موقع پر خرچ کرنا رحمت الٰہی کا باعث ہوتا ہے مثلاً جب ملاءِ اعلیٰ کی خواہش کسی مذہب کے مشہور اور معزز کرنے کیلئے طے ہوجاتی ہے تو جو اس کی اعانت کے درپے ہوتا ہے اسپر رحمت ہوتی ہے اور اس روز اسکا اس امر میں صرف کرنا غزوۃ العسرت[1] کے مانند ہوتا ہے۔ یا مثلاً جب کوئی قوم ایام قحط میں نہایت محتاج ہو اور خدا کو انہیں زندہ رکھنا منظور ہو۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ان وجوہات سے مخبر صادق ایک کلیہ بنا کر یوں فرماتا ہے کہ جو اس طرح کے فقیر کو ایسی ایسی حالت میں کچھ دیگا تو اس کا عمل مقبول ہوگا۔ پس ان امور کو کوئی شخص سنتا ہے

نفحت من غوائل الرسوم نفعاً بيناً وصارت شعاراً للمسلم يتميز به من الكافر وهو قوله صلى الله عليه وسلم العهد الذى بيننا وبينهم الصلوٰة فمن تركها فقد كفر، ولا شئ فى تمرين النفس على انقياد الطبيعة للعقل وجريانها فى حكمه مثل الصلوٰة والله اعلم ۔

باب اسرار الزكوٰة

اعلم ان المسكين اذا عنت له حاجة وتضرع الى الله فيها بلسان المقال او الحال قرع تضرعه باب الجود الالٰهى وربما تكون المصلحة ان يلهم فى قلب زكى ان يقوم بسد خلته فاذا انتشا الالهام وانبعث وفقه رضى الله عنه وافاض عليه البركات من فوقه ومن تحته وعن يمينه وعن شماله وصار مرحوما، وسألنى مسكين ذات يوم فى حاجة اضطر فيها فوجدت فى قلبى الهاماً يامرنى بالاعطاء ويبشرنى بالاجر الجزيل فى الدنيا والاخرة فاعطيت وشاهدت ما وعدنى ربى حقاً وكان قرعه لباب الجود وانبعاث الالهام واختيار لقلبى يومئذ وظهور الاجر كل ذلك بمرائى منى وربما كان الانفاق فى مصرف مظنة لرحمة الٰهية كما اذا انعقدت داعية فى الملأ الاعلى بتنويه ملة فصار كل من يتعرض لتمشية امرها مرحوماً وتكون تمشيته يومئذ فى الانفاق كغزوة العسرة وكما اذا كان ايام قحط وتكون امة هى احوج خلق الله ويكون المراد احياءهم وبالجملة فياخذ المخبر الصادق من هذه المظنة كلية فيقول من تصدق على فقير كذا وكذا او فى حالة كذا وكذا تقبل منه عمله، فيسمعه

[1] [illegible] ۱۲۔

اس پر عمل کرتا ہے اور وعدہ الٰہی کو حق پاتا ہے ۔ اور بعض اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ بعض لوگ مال کی محبت اور حرص زر کو اپنے مقصود اصلی کے لئے سدراہ اور مانع پاتے ہیں اسلئے اس سے انکو تکلیف ہوتی ہے اس تکلیف کو وہ اسطرح دفع کر سکتے ہیں کہ وہ اس مالِ محبوب اور زر مرغوب کے صرف کرنے پر دل کو عادی کریں اسلئے خرچ کرنا ہی اسکے حق میں سب چیزوں سے زیادہ نافع ہوتا ہے اگر وہ صرف نہ کرے تو محبت اور بخیلی ویسی کی ویسی ہی اسمیں باقی رہ جائے اور آخرت میں وہ بخل اور حرص سانپ بن کر نظر آئے یا یہ اموال کسی مضر چیز کی شکل میں ظاہر ہو کر ایذاء پہنچائیں اور اس حدیث کا یہی مطلب ہے کہ قیامت کے دن وہ اموال جنکی زکوٰۃ ادا نہیں کی گئی صاحب مال کو روندینگے اور اسکو اسکے روبرو چٹیل میدان میں لٹادیا جائیگا۔ اور اس آیت میں بھی اسیطرف اشارہ ہے "جو لوگ سونا چاندی جمع کرکے رکھتے ہیں اور زکوٰۃ نہیں دیتے تو اس سے انکی پیشانی، پہلو اور پشت پر داغ لگائے جائینگے" اور کبھی انسان کو بلا گھیر لیتی ہے اور اسکی ہلاکت کا عالم مثال میں حکم ہو چکتا ہے اتنے میں وہ عمدہ عمدہ مال صرف کرتا ہے وہ خود اور اسکے ساتھ اچھے لوگ دعا کرتے ہیں تو مال کے صرف سے اسکی بلا کی محو ہو جاتی ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قضاء کو دعا ہی ہٹا سکتی ہے اور عمر کو سوائے نیکی کے کوئی چیز نہیں زیادہ کرتی" اور آدمی کبھی طبیعت کے غلبہ سے کوئی برا کام کر لیتا ہے پھر اسکی برائی معلوم کرکے نہایت شرمندہ ہوتا ہے لیکن طبیعت پھر غالب آجاتی ہے اور اسی کام کو پھر کرتا ہے ایسے نفس کا علاج یہی ہے کہ اپنے فعل کے تاوان کیلئے بہت سا مال صرف کرے تاکہ یہ نقصان اسکے پیش نظر رہے اور پھر آئندہ ایسے قصد سے اسکو باز رکھے ۔ اور کبھی حسن خلق اور انتظام خاندانی کا حفظان اسطرح سے ہوتا ہے کہ خوب کھانا کھلایا جائے، سلام میں تقدیم کیجائے اور اور طرح طرح کے سلوک کئے جائیں، ان امور کا حکم دیا جاتا ہے اور یہ امور اسکے لئے صدقہ شمار کئے جاتے ہیں ۔ اور زکوٰۃ سے برکت زیادہ ہوتی ہے اس سے غضب الٰہی بجھ جاتا ہے اور فیضان رحمت ہونے لگتا ہے اور عذاب آخرت کو جو بخل پر مرتب ہوتا ہے، زکوٰۃ دور کر دیتی ہے اور ان ملاء اعلیٰ کی دعا کو جو زمین میں مصلح اور مدبر ہیں اس بندہ کے حق میں کوٹا
لاتی ہے ۔ واللہ اعلم ❖

سامع وينقاد لحكمه بشهادة قلبه فيجد ما وعد حقا وربما تفطنت النفس بان حب الاموال والشح بها يضره وىصدہ عما هو بسبيله فيتأذى منه اشد تأذ ولا يتمكن من دفعه الا بالتمرين على انفاق احب ما عنده فصار الانفاق في حقه انفع شئ ولولا الانفاق لبقي الحب والشح كما هو فيتمثل في المعاد شجاعا اقرع او تمثلت الاموال ضارة في حقه وهو حديث بطح لها بقاع قرقر وقوله تعالى والذين يكنزون الذهب والفضة الآية، وربما يكون العبد قد احيط به وقضي بهلاكه في عالم المثال فاندفع الى بذل اموال خطيرة وتضرع الى الله هو وناس من المرحومين فيها هلاكه بنفسه باهلاك ماله وهو قوله صلى الله عليه وسلم لا يرد القضاء الا الدعاء ولا يزيد في العمر الا البر وربما يفرط من الانسان ان يعمل عملا شريرا بحكم غلبة الطبيعة ثم يتألم على قبحه فيندم ثم تغلب عليه الطبيعة فيعود له فتكون الحكمة في معالجة هذه النفس ان تلزم بذل مال خطير غرامة على ما فعل ليكون ذلك بين عينيه فيردعه عما يقصد وربما يكون حسن الخلق والمحافظة على نظام العشيرة منحصرا في اطعام طعام وافشاء سلام وانواع من المواساة فيؤمر بها وتعد صدقة، والزكوة تزيد في البركة وتطفئ الغضب بجلبها فيضا من الرحمة
وتدفع عذاب الآخرة المترتب على الشح و
تعطف دعوة الملا الاعلى المصلحين
في الارض على هذا العبد
والله
اعلم

گیارہواں باب (۴۶): روزہ کے اسرار کا بیان

واضح ہو کہ کبھی انسان الہام الٰہی کے ذریعہ یہ بات معلوم کرتا ہو کہ طبیعت بہیمی کا جوش اسکو کمال ذاتی سے باز رکھتا ہے اور وہ کمال قوت ملکیہ کا مطیع ہونا ہے اسلئے وہ بہیمیت کو برا سمجھتا ہے وہ کوشش کرتا ہے کہ اسکے جوش کو مار دے۔ کوئی چیز اسکو اسکے تدارک کیلئے بجز اسکے نہیں ملتی کہ بھوکا، پیاسا رہے، مجامعت ترک کردے، اپنی زبان، دل اور اعضاء کو روکے رہے، ان امور سے وہ مرض نفس انسانی کا علاج کرتا ہے۔ اسکے بعد اس شخص کا درجہ ہے جس نے سچی خبر دینے والے سے ان تدابیر کو دلی شہادت سے اخذ کیا ہو۔ اسکے بعد وہ شخص ہے جسکو انبیاء شفقت اور مہربانی سے اس حالت کیطرف لاتے ہیں اور اسکو ان خوبیوں کا ذاتی علم نہیں ہوتا پس اس کسر شہوت کا فائدہ وہ آخرت میں پائیگا۔ اور کبھی انسان کو یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ طبیعت کا مطیع عقل ہونا کمال ہے اور اس کی طبیعت باغی ہے کبھی اطاعت کرتی ہے اور کبھی نہیں کرتی تو لامحالہ محنت کی ضرورت پڑتی ہے اسلئے محنت کے کام روزہ جیسے اختیار کرنے پڑتے ہیں وہ اپنی طبیعت کو ایسے کاموں پر مجبور کرتا ہے اور اطاعت کے عہد کو طبیعت سے پورا کرتا ہے۔ وہ اسطرح انہیں امور کے اہتمام میں رہتا ہے حتی کہ اسکا مقصود اصلی حاصل ہوجاتا ہے۔ کبھی کبھی کسی شخص سے گناہ سرزد ہوجاتا ہے تو وہ مدتوں تک روزے رکھے چلا جاتا ہے جنمیں بہ نسبت گناہ کے زیادہ محنت ہوتی ہے تاکہ دوبارہ اس سے ایسا کام نہ ہو۔ اور نیز کبھی دلمیں عورتوں کی رغبت پیدا ہوتی ہے لیکن نکاح کرنے کی قدرت نہیں ہوتی اسلئے زنا کے خوف سے وہ اپنی رغبت کو روزہ سے مار دیتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "جس شخص کو شادی کرنیکی طاقت نہ ہو تو وہ روزہ رکھے کیونکہ روزہ شہوت کے زور کو ختم کردیتا ہے"۔ اور روزہ ایک بڑی نیکی ہے اس سے ملکی قوت بڑھتی ہے اور بہیمی طاقت کمزور ہوجاتی ہے روح کی صفائی اور طبیعت کے دبانے کیلئے روزہ سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ اسلئے خدا تعالےٰ فرماتا ہے "روزہ خاص میرے لئے ہے اور میں ہی اسکی جزا دونگا"۔ روزہ سے بہیمیت کا جوش جسقدر کمزور ہوتا ہے اسیقدر گناہ دور ہوتے ہیں اور اس سے انسان کو فرشتوں کی حالت کے ساتھ مشابہت

باب اسرار الصوم

اعلم انه ربما يتفطن الانسان من قبل الهام الحق اياه ان سورة الطبيعة البهيمية تصده عما هو كماله من انقيادها للملكية فيبغضها ويطلب كسر سورتها فلا يجد ما يغيثه في ذلك كالجوع والعطش وترك الجماع والاخذ على لسانه وقلبه وجوارحه ويتمسك بذلك علاجا لمرضه النفساني ويتلوه من يأخذ ذلك من المخبر الصادق بشهادة قلبه، ثم الذي يقوده الانبياء شفقة عليه وهو لا يعلم فيجد فائدة ذلك في المعاد من انكسار السورة وربما يطلع الانسان على ان انقياد الطبيعة للعقل كمال له وتكون طبيعته باغية تنقاد تارة ولا تنقاد اخرى فيحتاج الى تمرين فيعمد الى عمل شاق كالصوم فيكلف طبيعته ويلتزم وفاء العهد ثم وثم حتى يحصل الامر المطلوب وربما يفرط منه ذنب فيلتزم صوم ايام كثيرة يشق عليه بازاء الذنب ليردعه عن العود في مثله وربما تاقت نفسه الى النساء ولا يجد طولا ويخاف العنت فيكسر شهوته بالصوم وهو قوله صلى الله عليه وسلم فان الصوم له وجاء والصوم حسنة عظيمة يقوى الملكية ويضعف البهيمية ولا شئ مثله في صيقلة وجه الروح وقهر الطبيعة ولذلك قال الله تعالى الصوم لي وانا اجزي به "ويكفر الخطايا بقدر ما اضمحل من سورة البهيمية ويحصل به تشبه عظيم بالملائكة فيحبونه فيكون متعلق الحب اثر ضعف البهيمية وهو قوله صلى الله عليه وسلم لخلوف فم الصائم اطيب عند الله من ريح المسك

اگر روزہ رسمی طور پر ہو تاہم رسمی امور کے لحاظ سے مفید ہے جب
کوئی امت اسکی پابندی کرتی ہے تو ان کے شیاطین زنجیر میں جکڑے
جاتے ہیں ان کے لئے جنت کے دروازے کھلجاتے ہیں اور دوزخ کے
دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ اور جب کوئی انسان نفس کو مغلوب کرنیکی
اور اسکی برائی دور کرنے کی کوشش کرتا ہے تو عالم مثال میں اسکے عمل کی
ایک مقدس صورت پیدا ہو جاتی ہے اور بعض ازکیاء عارفین اس صورت
کیطرف متوجہ ہوتے ہیں تو عالم غیب سے انکو علمی مدد ملتی ہے اور تنزیہ و
تقدیس کے ذریعہ سے ذات باریتعالی سے اس شخص کو قرب حاصل ہو جاتا
ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے یہی معنی ہیں " روزہ میرا
ہے اور میں ہی اسکی جزا ہوں " بسا اوقات انسان کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ
امور معاش میں مصروف ہونا اور خارجی باتوں سے خواہش کا پُر ہونا اس کے
لئے مضر ہے۔ اور ایک مسجد میں جو عبادت کیلئے ہی ہے یکسو ہو کر عبادت
کرنا بہتر اور نافع ہے۔ اور ہمیشہ کیلئے تو علیحدگی نہیں ہو سکتی لیکن اگر تمام کا
تمام نہ ہو سکے تو بالکل ترک بھی نہ کرنا چاہئے اسلئے اپنے اوقات میں سے قدر فرصت
نکال کر جتنا بھی ہو سکے اعتکاف میں وقت گذارتا ہے۔ اسکے بعد اس شخص کی حالت
ہے جسکے دل کی شہادت سے مخبر صادق کے ذریعہ سے اعتکاف کی خوبی کو قبول
کر لیا ہو۔ اسکے بعد وہ شخص ہے جسکو زبردستی اعتکاف کیطرف بلایا جاتا ہے
جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص روزہ تو رکھتا ہے لیکن
زبان کو بغیر اعتکاف کے پاک و صاف نہیں رکھ سکتا۔ کبھی لیلۃ القدر اور
اسمیں فرشتوں کی ملاقات کا طالب ہوتا ہے یہ بھی بغیر اعتکاف کے میسر نہیں
ہو سکتا۔ لیلۃ القدر کے معنی آپ کو عنقریب معلوم ہوں گے واللہ اعلم

بارھواں باب (۱۲) حج کے اسرار کا بیان

واضح ہو کہ حج کی حقیقت یہ ہے کہ صالحین کی ایک بڑی جماعت ایک وقت
خاص میں جمع ہو کر انبیاء اور صدیقین شہداء اور صالحین کے حالات کو جن پر خدا نے
اپنا انعام کیا ہے یاد کرے اور ایسی جگہ میں جمع ہوں جہاں خدا کی ظاہر نشانیاں
موجود ہوں۔ ائمہ دین کی بڑی بڑی جماعتیں حج کیلئے گئی ہیں جنکا مقصود خدا
کے شعائر کی تعظیم خاکساری اور رغبت خدا سے گناہوں کی معافی اور خیر کی امید
تھی جب اس کیفیت سے لوگوں کی ہمتیں جمع ہوتی ہیں تو لازمی طور پر خدا کی

واذا اجل رسماً مشهوراً نفع عن غوائل الرسوم
واذا التزمته امة من الامم سلسلت شياطينها
وفتحت ابواب جنانها وغلقت ابواب النيران
عنها والانسان اذا سعى في قهر النفس وازالة
رذائلها كانت لعمله صورة تقدسية في المثال
ومن ازكياء العارفين من يتوجه الى هذه الصورة
فيمد من الغيب في علمه فيصل الى الذات من
قبل التنزيه والتقديس وهو معنى قوله صلى الله عليه
وسلم الصوم لي وانا اجزي به وربما يتفطن الانسان
بضرر توغله في معاشه وامتلاء حواسه مما يدخل
عليه من خارج وينفع التفرغ للعبادة في مسجد
بني للصلوات ولا يمكنه ادامة ذلك وما لا يدرك
كله فيختطف من احواله فرصاً فيعتكف ما قدر
ويتلوه المتلقي له من المخبر الصادق بشهادة قلبه
والعامي المغلوب عليه كما مر وربما يصوم ولا
يستطيع تنزيه لسانه الا بالاعتكاف وربما
يطلب ليلة القدر واللصوق بالملائكة فيها فلا
يتمكن منها الا بالاعتكاف وسياتيك معنى ليلة
القدر والله اعلم

باب اسرار الحج

اعلم ان حقيقة الحج اجتماع جماعة عظيمة
من الصالحين في زمان يذكر حال المنعم عليهم
من الانبياء والصديقين والشهداء والصالحين
ومكان فيه آيات بينات قد قصده جماعات
من ائمة الدين معظمين لشعائر الله متضرعين
راغبين وراجين من الله الخير وتكفير الخطايا فان
الهمم اذا اجتمعت بهذه الكيفية لا يتخلف عنها
نزول الرحمة والمغفرة وهو قوله صلى الله

اورآں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا یہی مطلب ہے "کہ شیطان جیسا
کہ عرفہ کے روز نہایت ذلیل صغیر اور حقیر اور غصہ میں نظر آتا ہے ایسا کسی
روز نظر نہیں آتا۔ حج کی اصل ہر قوم میں موجود ہے کیونکہ ہر قوم کیلئے ایک ایسی
جگہ ضرور ہوتی ہے جس میں خدا کی آیات ظاہرہ دیکھ کر لوگ اسکو تبرک سمجھتے
ہیں اور ہر است میں نذر و قربانی اور ایک ہیئت خاص بھی ہے جو ان کے
بزرگوں سے چلی آتی ہے اور وہ اسکا التزام کرتے ہیں کیونکہ یہ ہیئت (احرام
وتلبیہ وہدی وغیرہ) مقربین کو ان کا وہ کام جسمیں وہ لگے ہوئے ہیں ہر وقت
یاد دلاتی رہتی ہے اور بیت اللہ ہی حج کرنے کے قابل ہے اسمیں آیات
بینات ہیں اسکو خدا کے حکم اور وحی سے صاف اور پاک زمین میں حضرت
ابراہیمؑ نے بنایا ہے اسکی مدح اکثر اقوام کی زبان پر چلی آتی ہے کیونکہ سوائے
اس جگہ کے اور کوئی ایسی جگہ جہاں لوگ جاتے ہیں شرک سے یا بے اصل
من گھڑت چیزوں سے خالی نہیں۔ طہارت نفسانی میں سے یہ بھی ہے کہ
ایسی جگہ رہنا اور ٹھیرنا اختیار کیا جائے جسکی صلحا ہمیشہ تعظیم کرتے رہے ہوں
ذکر الٰہی سے اسکو معمور رکھا ہو کیونکہ اس مقام پر ملائکہ ارضیہ کی توجہات
ہوتی ہیں اور اہل خیر کے حق میں ملا اعلیٰ کی دعا نازل ہوتی رہتی ہے پس
جب کوئی شخص اس جگہ میں ٹھیرتا ہے تو انکے رنگ اس پر غالب آجاتے
ہیں اور میں نے اس کا بارہا مشاہدہ کیا ہے۔ اور ذکر الٰہی کے قسم میں
خدا کے نشانات کا دیکھنا اور ان کی تعظیم کرنا بھی داخل ہے۔ پس ان
چیزوں کے دیکھنے سے خدا اسطرح یاد آتا ہے جیسے ملزوم کے دیکھنے سے
کوئی لازم چیز یاد آتی ہے بالخصوص ایسے وقت پر جبکہ تعظیمی حالتوں
اور ان حدود کی پابندی کی جائے جن سے نفس کو کمال درجہ تنبیہ
حاصل ہوتی ہے۔ اور کبھی انسان کو اپنے پروردگار کے دیدار کا شوق
ہوتا ہے پس اس شوق کو پورا کرنے والی حج کے سوا اور کوئی چیز نہیں
جس طرح پر ہر سلطنت کو ایک مدت کے بعد دربار کرنے کی
ضرورت ہوتی ہے تاکہ سرکش اور فرماں بردار میں تمیز ہو،
بادشاہت کی شہرت اور سلطنت کا بول بالا ہو اور اسکو ہر شخص
جان جائے ایسے ہی مذہب کو حج کی ضرورت
ہے تاکہ موافق اور مخالف میں
تمیز ہو جائے

علیہ وسلم ما رئی الشیطان یوما ہو فیہ اصغر
ولا ادحر ولا احقر ولا اغیظ منہ فی یوم عرفۃ
الحدیث واصل الحج موجود فی کل امۃ لابد
لھم من موضع یتبرکون بہ لما راوا من ظہور
آیات اللہ فیہ ومن قرابین وھیات ماثورۃ
عن اسلافھم یلتزمونھا لانھا تذکر المقربین
وما کانوا فیہ، واحق ما یحج الیہ بیت اللہ فیہ
آیات بینات بناہ ابراھیم صلوات اللہ علیہ
المشھود لہ بالخیر علی السنۃ اکثر الامم بامر
اللہ ووحیہ بعد ان کانت الارض قفرا و
عرا اذ لیس غیرہ محجوج الا وفیہ اشراک او
اختراع ما لا اصل لہ، ومن باب الطہارۃ
النفسانیۃ الحلول بموضع لم یزل الصالحون
یعظمونہ ویحلون فیہ ویعمرونہ بذکر اللہ
فان ذلک یجلب تعلق ھمم الملائکۃ السفلیۃ
ویعطف علیہ دعوۃ الملأ الاعلی الکلیۃ
لاھل الخیر فاذا حل بہ غلب الوانھم علی
نفسہ وقد شاھدت ذلک رأی عین، و
من باب ذکر اللہ تعالی رؤیۃ شعائر اللہ
وتعظیمھا فانھا اذا رؤیت ذکر اللہ کما یذکر
الملزوم اللازم لاسیما عند التزام ھیات
تعظیمیۃ وقیود وحدود تنبہ النفس تنبیھا
عظیما وربما یشتاق الانسان الی ربہ اشد
شوق فیحتاج الی شئ یقضی بہ شوقہ فلا یجدہ
الا الحج وکما ان الدولۃ تحتاج الی عرضۃ بعد
کل مدۃ لیتمیز الناصح من الغاش والمنقاد
من المتمرد ولیرتفع الصیت وتعلو الکلمۃ
ویتعارف اھلھا فیما بینھم فکذلک الملۃ
تحتاج الی حج لیتمیز الموفق من المنافق و

اور دین الٰہی میں لوگوں کا گروہ گروہ ہو کر داخل ہونا عیاں ہو جائے۔ اور تاکہ ایک دوسرے سے مل کر ان فوائد کو حاصل کرے جو اسکو حاصل نہیں ہیں اسلئے کہ باہمی مقاصد ایک دوسرے کے ملنے ہی سے حاصل ہوتے ہیں۔ اور رسمی حج بھی بہت سے رسمی فوائد کا اضافہ کرتا ہے ائمۂ دین کی حالت یاد کرنے اور اسکے پابند ہونے میں حج سے زیادہ کوئی چیز مفید نہیں ہے۔ اور چونکہ حج میں دور دراز سفر کرنا پڑتا ہے وہ نہایت دشوار عمل ہے جو بغیر مشقت کے پورا نہیں ہوتا ہے اسلئے اسکا ادا کرنا خالص اللہ کی عبادت ہے جس سے خطائیں معاف ہوتی ہیں وہ پچھلے گناہوں کو ایسا دور کرتا ہے جیسا کہ ایمان ❊

تیرہواں باب (۴۸)

اقسام نیکی کے اسرار کا بیان

نیکی کے اقسام میں سے ذکر الٰہی ہے کیونکہ ذکر الٰہی اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے سو معرفت کی اصلاح کیلئے اور خدا کی حضوری حاصل کرنے کے لئے اور دل کی قساوت دور کرنے کیلئے کوئی چیز ذکر سے زیادہ مفید نہیں ہے چنانچہ اس حدیث میں اسیطرف اشارہ ہے "کیا تم کو سب اعمال میں افضل عمل نہ بتاؤں؟ الحدیث" خصوصًا اس شخص کے لئے جسکی قوت بہیمی فطری طور پر یا عملاً ضعیف ہوتی ہے یا اس شخص کیلئے بھی جو فطرتًا اپنے خیال میں محسوس چیزوں کے احکام مجرد میں خلط ملط کر دیتا ہے۔ اور انہیں اقسام میں سے دعا بھی ہے کیونکہ اس سے حضوری کا بڑا دروازہ کھلتا ہے اور نہایت درجہ اطاعت اور پروردگار عالم کیطرف احتیاج کو داعی کے سامنے کر دیتی ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں اسیطرف اشارہ ہے کہ "دعا عبادت کا مغز ہے"۔ یہ دعا مبداء کیجانب متوجہ ہونیکی ظاہری صورت ہے جو درخواست کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے اور اس چیز کے حاصل ہونیکی جس کیلئے دعا مانگی گئی ہے روح ہے نیز بڑی نیکی تلاوت قرآن اور اسکی نصائح کا سننا ہے جو شخص توجہ سے اسکو سنیگا اور اسکو دل میں جگہ دیگا تو بیم و امید کی حالتیں خدا کی عظمت میں حیرانی اسکے احسانات میں استغراق کے اثرات پیدا ہو جائینگے اور طبیعت کی پژمردگی سے نہایت درجہ نفع محسوس کریگا اور عالم بالا کے

ليظهر دخول الناس في دين الله افواجا وليرى بعضهم بعضا فيستفيد كل واحد ما ليس عنده اذ الرغائب انما تكتسب بالمصاحبة والترائي، واذا جعل الحج رسما مشهورا نفع عن غوائل الرسوم ولا شئ مثله في تذكر الحالة التي كان فيها ائمة الملة والتحضيض على الاخذ بها، ولما كان الحج سفرا شاسعا و عملا شاقا لا يتم الا بجهد الانفس كان مباشرته خالصا لله مكفرا للخطايا هادما لما قبله بمنزلة الايمان ❊

باب اسرار انواع من البر

منها الذكر فانه لا حجاب بينه وبين الله تعالى ولا شئ مثله في علاج سوء المعرفة و هو قوله صلى الله عليه وسلم الا انبئكم بافضل اعمالكم الحديث وفي كسب المحاضرة وطرد القسوة لا سيما لمن ضعفت بهيميته جبلة او ضعفت كسبا ولمن سكت خياله جبلة عن خلط المجرد باحكام المحسوس، ومنها الدعاء فانه يفتح بابا عظيما من المحاضرة ويجعل الانقياد التام والاحتياج الى رب العالمين في جميع الحالات بين عينيه وهو قوله صلى الله عليه وسلم الدعاء مخ العبادة و هو شبح توجه النفس الى المبدأ بصفة الطلب لكن هو السر في جلب الشئ المدعو اليه، ومنها تلاوة القران واستماع المواعظ فمن القى السمع الى ذلك ومكنه من نفسه انصبغ بحالات الخوف و الرجاء والحيرة في عظمة الله والاستغراق في منة الله وغيرها فينفع من خمود الطبيعة نفعا بينا و يعد النفس لفيضان الوان ما فوقها ولذلك كان

اور اسی لئے آخرت میں وہ نہایت نافع ہے اور ملائکۂ قبر کے اس قول سے یہی مراد ہے "تو نے نہ حق کو جانا نہ قرآن کی تلاوت کی"۔ قرآن کی تلاوت سے نفس کو سفلی کیفیتوں سے پاکی حاصل ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "ہر چیز کیلئے ایک خاص صیقل ہوتی ہے اور دل کی صیقل قرآن کا تلاوت کرنا ہے"۔ اور نیز نیکیوں میں سے قرابت والوں اور ہمسایوں کے حقوق ادا کرنا ہے۔ اہل شہر اور اہل مذہب کے ساتھ سلوک سے پیش آنا ہے اور غلاموں کو آزادی دینا ہے" ان امور سے رحمت اور اطمینان نازل ہوتا ہے' تدابیر دوم اور سوم کے انتظامات ان سے مکمل ہوتے ہیں اور ان ہی امور کیوجہ سے فرشتوں کی نیک دعا لگتی ہے۔ نیز نیکیوں میں سے جہاد ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کسی برے آدمی سے جسکا نہ ہونا مصلحت کلیہ کے موافق ہے۔ اور وہ جمہور کو ضرر پہنچاتا ہے' ناراض ہو کر کسی نیک آدمی کے دل میں اسکے قتل کرنیکا الہام کرتا ہے اسکی طبیعت سے محض خدا کیلئے بغیر کسی سبب طبعی کے غصہ پیدا ہوتا ہے وہ اپنے تمام ذاتی امور سے اس کام کیلئے علیحدہ ہو کر خدا کی مرضی میں ہمہ تن مصروف ہو کر خدا کی رحمت اور نور میں غرق ہو جاتا ہے اور اور اس موذی کو قتل کر کے تمام آدمیوں اور شہروں کو نفع پہنچاتا ہے اسی کے قریب یہ حالت بھی ہے کہ خدا تعالیٰ کو کسی ایسی قوم کا برباد کرنا منظور ہوتا ہے جو ظالم' خدا کی منکر اور نہایت بدکار ہوتی ہے اسلئے کسی نبی کو جہاد کرنے کا حکم دیا جاتا ہے' اسکی قوم کے دل میں جہاد کی خواہش پیدا کیجاتی ہے تاکہ سب قوموں میں اچھی قوم ہو جائے اور ان پر رحمت الٰہی ہو۔ اور کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ رائے کلی سے کسی قوم کو معلوم ہوتا ہے کہ مظلوموں کو درندہ خصلت لوگوں سے بچایا جائے اور نافرمانوں کو سزا دیجائے اور بری باتوں سے منع کیا جائے' ان کوششوں سے لوگوں میں امن و اطمینان پیدا ہو جاتا ہے اور خدا اس قوم کو اس خدمت کا بدلہ دیتا ہے۔ اور انہی میں سے تقریبات ہیں جو بلا قصد پیش آجاتے ہیں جیسے مصائب اور امراض' پس یہ امور چند وجوہ سے نیکی میں شمار ہوتے ہیں انہیں سے ایک وجہ یہ ہے کہ جب رحمت الٰہی انسان کی اصلاح عمل چاہتی ہے اور اسباب عالم کا مقتضیٰ ہوتا ہے کہ اسکی حالت تنگ ہو جائے تو وہی رحمت اسکے تکمیل نفس کی باعث ہو کر اسکی خطاؤں کو مٹاتی ہے اور اسکے لئے حسنات لکھے جاتے ہیں' جیسے کہ جب پانی کے جاری ہونیکا راستہ بند کر دیا جاتا ہے اور پانی اسکے اوپر اور نیچے سے بہنے لگتا ہے تو یہ بہنا اس تنگی کیطرف منسوب کیا جاتا ہے اور سر اسمیں خیر کلی پر محافظت رکھنا ہے علیٰ

انفع شئ فی المعاد و هو قول الملك للمقبور لا دريت ولا تليت وفي القرآن تطهير للنفس عن الهيئات السفلية وهو قوله صلى الله عليه وسلم لكل شئ مصقلة ومصقلة القلب تلاوة القرآن' ومنها صلة الارحام والجيران وحسن المعاشرة مع اهل القرية واهل الملة وفك العانى بالاعتاق فان ذلك يعد لنزول الرحمة والطمانية وبها يتم نظام الارتفاق الثانى والثالث وبها يستجلب دعوة الملائكة ومنها الجهاد وذلك ان يلعن الحق انسانا فاسقا ضارا بالجمهور اهدامه اوفق بالمصلحة الكلية من ابقائه فيظهر الالهام فى قلب رجل زكى ليقتل فينبجس من قلبه غضب ليس له سبب طبيعى ويكون فانيا عن مراده باقيا بمراد الحق ويضمحل فى رحمة الله ونوره وينتفع العباد والبلاد بذلك ويتلوه ان يقضى الله بزوال دولة مدن جائرة كفروا بالله واساؤا السيرة فيؤمر نبى من انبياء الله تعالى بمجاهدتهم فينفخ داعية الجهاد فى قلوب قومه ليكون امة اخرجت للناس وتشمله الرحمة الالهية ويتلوه ان يطلع قوم بالراى الكلى على حسن ان يذبوا انفسا سبعية عن المظلومين و اقامة الحدود على العصاة والنهى عن المنكر فيكون سببا لامن العباد وطمانينتهم فيشكر الله له عمله ومنها تقريبات ترد على البشر من غير اختيار كالمصائب والامراض فتعد من باب البر لمعان، ومنها ان الرحمة اذا توجهت الى عبد باصلاح عمله واقتضت الاسباب التضييق عليه انصرفت الى تكميل نفسه فكفرت خطاياه وكتبت له الحسنات كما اذا اصمد مجرى الماء نبع الماء من فوقه ومن تحته فينسب الاجراء الى ذلك التضييق والسر فيه المحافظة على

اوران امور میں کبھی اسوجہ سے نیکی آجاتی ہے کہ جب مومن پر ایسی مصیبتیں پڑتی ہیں کہ زمین بھی اسپر تنگ ہوجاتی ہے تو اسوقت میں طبیعت اور رسم کا حجاب اٹھ جاتا ہے اور اسکا دل خدا کے سوا سب سے ہٹ جاتا ہے لیکن کافر اپنی گم شدہ چیز کو ہمیشہ یاد کرتا رہتا ہے اور اسی زندگی میں ڈوبا رہتا ہے حتی کہ یہ مصیبت پڑنے سے اور بھی خبیث تر ہوجاتا ہے۔ اور کبھی وہ سختیاں نیکی کا باعث اسلئے ہوتی ہیں کہ تمام روکنے والی برائیاں غلیظ اور کثیف قوت طبعی میں جمع ہوتی ہیں پس جب یہ شخص بیمار ہوتا ہے اور کمزور ہوجاتا ہے اور جتنا کہ بدن کو پہنچتا ہے اس سے زیادہ مادہ تحلیل ہوجاتا ہے تو برائیوں کی قوت حاملہ بھی تحلیل ہوجاتی ہے اور بقدر قوت حاملہ کی تحلیل کے گناہ بھی کم ہوجاتے ہیں جیسے ہم دیکھتے ہیں کہ مریض کی خواہش نفسانی غصہ وغیرہ سب ہوجاتے ہیں اسکے اخلاق بدل جاتے ہیں اور وہ پچھلے امور کو ایسا بھول جاتا ہے کہ گویا اسمیں وہ موجود ہی نہ تھے اور ایک صورت یہ ہے کہ جب مسلمان کی قوت بہیمی اسکی قوت ملکی سے آزاد ہوتی ہے تو دنیا ہی میں اسکے اکثر گناہوں پر مواخذہ ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ دنیا کی مصیبت مومن کے لئے عذاب ہے۔ واللہ اعلم ؆

چودھواں باب (۴۹) مراتب گناہ کا بیان

واضح ہو کہ جسطرح بہت سے عمل ہیں جو اطاعت کا جسم ہیں اور بہت سے طریقہ ہیں جن سے اطاعت حاصل ہوتی ہے جن سے قوت بہیمی کا قوت ملکی کے تابع ہونا معلوم ہوجاتا ہے۔ اسیطرح ایسے بھی اعمال مواقع اور طریقے ہیں جن سے نافرمانی کی حالت معلوم ہوتی ہے انہی امور کو گناہ کہتے ہیں ان گناہوں کے مختلف مرتبے ہیں (١) وہ گناہ ہیں جو انسانی کمال اور ترقی کا راستہ بالکل مسدود کردیں ایسے بڑے گناہ دو قسم کے ہیں۔ اول قسم خدا تعالی سے متعلق ہے وہ یہ کہ اپنے رب کو ہی نہ پہچانتا ہو یا اسکا علم تو رکھتا ہو لیکن مخلوقین کے اوصاف اسمیں ثابت کرتا ہو یا خدا کی صفات مخلوقین میں ثابت کرتا ہو۔ دوسری صورت تشبیہ کی ہے اور تیسری شرک کی کیونکہ نفس اسوقت مقدس ہوتا ہے جب تجرد فوقانی کا اور تدبیر عام کا جو تمام عالم کو محیط ہو رہی ہے بصیرت کی آنکھ سے مطالعہ کرتا رہے جب اس قسم کا غور ضائع کردیگا تو نفس اپنی ہی حالت میں مشغول رہیگا یا اپنی ہی جیسی حالت

الخير النسبي ومنها ان المؤمن اذا اشتدت به المصائب ضاقت عليه الارض بما رحبت فانكسر حجاب الطبع والرسم وانقطع قلبه الا عن الله اما الكافر فلا يزال يتذكر الفائت ويخوض في الحياة الدنيا حتى يصير اخبث مما قبل ان يصيبه ما اصاب، ومنها ان حامل السيأت المتحجرة انما هو البهيمية الغليظة الكثيفة فاذا مرض وضعف وتحلل منه اكثر مما يدخل فيه اضمحل كثير من الحامل وانتقص بقدر ذلك المحمول كما نرى ان المريض يزول شبقه وغضبه وتبدل اخلاقه وينسى كثيرا مما كان فيه كانه ليس الذي كان، ومنها ان المؤمن الذي انفكت بهيميته عن ملكيته نوع انفكاك اخذ على سيأته في الدنيا غالبا وذلك حديث، نصيب المؤمن من العذاب نصب الدنيا - والله اعلم ؆

باب طبقات الاثم

اعلم انه كما ان للانقياد البهيمية للملكية اعمالا هي اشباحه ومظانه والسنن الكاسبة له فكذلك للحالة المضادة للانقياد كل المضادة اعمال ومظان وكواسب وهي الآثام وهي على المرتبة الاولى ان ينسد سبيله الى الكمال المطلوب راسا ومعظم ذلك في نوعين، احدهما ما يرجع الى المبدأ بان لا يعرف ان له ربا او يعرفه متصفا بصفات المخلوقين او يعتقد في مخلوق شيئا من صفات الله، فالثاني التشبيه، والثالث الاشراك فان النفس لا تتقدس ابدا حتى تجعل مطمح بصيرتها التجرد الفوقاني والتدبير العام المحيط بالعالم فاذا فقدت هذه بقيت مشغولة بنفسها او بما هو

میں مقید رہیگا اور بیگانگی کا پردہ ذرا سا بھی نہ ہٹا سکے گا پس یہ سب سے
بڑی بلا ہے۔ اور دوسری قسم بڑے گناہ کی اس امر کا اعتقاد کرتا ہے کہ بجز
اس بدنی زندگی کے اور کوئی زندگی نہیں ہے اور بدن کیلئے اور کوئی کمال
دوسرا نہیں ہے جسکا طلب کرنا اسکے لئے ضروری ہو۔ پس جب دلمیں یہ برا
اعتقاد قائم ہوگا تو کمال کیطرف نظر نہ کریگا اور جب کہ اس بات کا ثبوت
کہ نفس کیلئے کمال جسمانی کے علاوہ اور بھی کمال ہے عام لوگوں کیلئے بغیر
اسکے ممکن نہ تھا کہ وہ ایک ایسی حالت کا تصور کریں جو حالت موجودہ
کے بالکل مخالف ہو کیونکہ اگر ایسی حالت کا تصور نہ کیا جائے گا تو
انسان معقول کو چھوڑ کر محسوس ہی میں مشغول ہو جائیگا پس اسلئے ایک
یاد دلانے والی چیز مقرر کی گئی اور وہ اللہ تعالےٰ کے سامنے حاضر ہونے اور
اور روز قیامت کے آنے پر ایمان لانا ہے چنانچہ اس آیت میں یہی مراد
ہے "جو لوگ آخرت کا یقین نہیں کرتے انکے دل منکر ہیں اور وہ متکبر ہیں"
حاصل کلام یہ ہے کہ جب انسان اس درجہ کے گناہ میں رہ کر مرجاتا ہے اور
اسکی قوت بہیمی مضمحل ہو جاتی ہے تو نہایت درجہ کی نفرت آسمانی جانب
سے اسکو لپٹتی ہے جس سے وہ کبھی چھٹکارا نہیں پا سکتا۔ اور دوسرا مرتبہ
گناہ کا یہ ہے کہ قوت بہیمی کے غرور سے آدمی ان فضائل سے تکبر کرتا ہے
جو خدا تعالےٰ نے لوگوں کیلئے اپنے کمالات تک پہنچنے کیلئے قرار دیے ہیں
اور ملاء اعلےٰ نہایت اہتمام سے پیغمبروں اور شریعتوں کے ذریعہ سے انکے
شائع کرنے اور انکی شان بلند کرنے کا قصد کرتے ہیں لیکن ایسا شخص ان
امور کا انکار کرکے ان سے دشمنی کرتا ہے اور جب یہ مرجاتا ہے تو ملاء اعلیٰ
کی تمام ہیئتیں اس سے نفرت کرتی ہیں اور اسکو عذاب دینے کیطرف مائل
ہوتی ہیں اور اسکے گناہ اسکو اسطرح گھیر لیتے ہیں کہ پھر اسکو نکلنے کا موقع نہیں
ملتا اور چونکہ وہ اپنے کمال کو نہیں پہنچتا اور اگر پہنچتا بھی ہے تو وہ پہنچنا
قابل لحاظ نہیں ہوتا اسواسطے یہ حالت اس سے کبھی جدا نہیں ہوتی۔ یہ مرتبہ
آدمی کو تمام مذاہب میں اپنے نبی کے طریقہ سے باہر کر دیتا ہے۔ اور تیسرا مرتبہ
گناہ کا یہ ہے کہ آدمی نجات کے کاموں کو ترک کردے اور ایسے ایسے کام کرے
جنکے کرنیوالے پر لعنت مقرر ہے۔ یا تو ان کاموں کی وجہ سے زمین میں کسی بڑے
فساد کا گمان غالب ہوتا ہے یا اسکی صورتیں تہذیب نفس کے بالکل خلاف ہوتی
ہے اسکی چند صورتیں ہیں یا وہ شریعت کے ان احکام کی تعمیل نہ کرے جن سے
فرماں برداری حاصل ہوتی ہے یا فرماں برداری کی کچھ نہ کچھ اس میں آمادگی پیدا ہوتی ہے

مثل نفسها فی التقید، کل الشغل لا یقدح حجاب
النکرة ولا موضع ابرة فهذا هو البلاء کل البلاء والثانی
ان یعتقد ان لیس للنفس نشأة غیر النشأة الجسدیة
وانه لیس لها کمال آخر یجب علیها طلبه فان النفس
اذا اضمرت ذلک لم یطمح بصرها الی الکمال اصلاً
ولما کان القول باثبات کمال غیر کمال الجسد
لا یتأتی من الجمهور الا بتصور حالة تباین الحالة
الحاضرة من کل وجه ولولا ذلک لتعارض الکمال
المعقول والمحسوس فمال الی المحسوس واهمل
المعقول نصب له مظنة هو الایمان بلقاء الله و
الیوم الآخر وهو قوله تعالی فالذین لا یؤمنون
بالآخرة قلوبهم منکرة وهم مستکبرون - و
بالجملة فاذا کان الانسان فی هذه المرتبة من
الاثم فمات واضمحلت بهیمیته وشحت علیه
المنافرة من فوقه کل المنافرة بحیث لا یجد سبیلاً
الی الخلاص ابداً - والمرتبة الثانیة ان یتکبر بکبرة
البهیمی علی ما نصبه الله تعالی لوصول الناس الی
کمالهم وقصدت الملأ الاعلی باقصی همها اشاعة
امره وتنویه شانه من الرسل والشرائع فینکرها
ویعادیها فاذا مات انعطف جمیع هممهم منافرة
له وموذیة ایاه واحاطت به خطیئته من حیث
لم یجد للخروج منه سبیلاً علی انه لا تنفک هذه
الحالة من عدم الوصول الی کماله او الوصول الذی
لا یعتد به وهذه المرتبة تخرج الانسان من ملة نبیه
فی جمیع الشرائع والمرتبة الثالثة ترک ما ینجیه و
فعل ما انعقد فی الذکر اللعن علی فاعله من جهة
کونه مظنة غالباً لفساد کبیر فی الارض وهیئة
مضادة لتهذیب النفس، فمنها ان لا یفعل من
الشرائع الکاسبة للانقیاد او المهیئة له ما یعتد به

شرائع کی تعمیل لوگوں کیلئے جداگانہ اور مختلف طور پر ہے جو لوگ بہیمیت میں
ڈوبے ہوئے ہوں اور یہ قوت انمیں کمزور ہو ان کو تو احکام شرعیہ کی کثرت کی
ضرورت ہوتی ہے اور جنمیں یہ قوت شدید اور غلیظ ہوتی ہے ان کو اعمالِ
شاقہ کی کثرت کی ضرورت ہوا کرتی ہے ان اعمال میں سے بعض اعمال
درندوں کے سے ہوتے ہیں جو بڑی لعنت کے مستحق ہوتے ہیں مثلاً قتل بعض
اعمال شہوانی ہیں بعض ضرر پہنچانیوالے پیشے ہیں جیسے جوّا اور سودؔ اور ان
تینوں قسم کے گناہوں سے نفس میں بڑا رخنہ پیدا ہوتا ہے کیونکہ ان امور میں
راہ راست کے خلاف اقدام ہے جیسا کہ ہمنے ذکر کیا اور ان گناہوں کے سبب سے
ملاء اعلےٰ کیجانب سے ایسی لعنت پڑتی ہے جو انسان کا ہر طرف سے احاطہ
کر لیتی ہے اسلئے ان دونوں کے ملنے سے عذاب حاصل ہوتا ہے یہ تیسرا مرتبہ
سب گناہوں سے بڑا ہے حظیرۃ القدس میں اسکی حرمت اور اسکے مرتکب پر
لعنت قرار پا چکی ہے تمام انبیا ہمیشہ اسکو بیان کرتے آئے ہیں انمیں سے
اکثر تمام شرائع میں متفق علیہ ہیں۔ چوتھا مرتبہ ان شرائع اور طریقوں کی نافرمانی
کرنا ہے جو زمانہ اور اقوام کے بدلنے سے بدلتے جاتے ہیں اور اسکی وجہ یہ ہے
کہ اللہ تعالےٰ جب کسی قوم کیطرف کوئی نبی مبعوث کرتا ہے تاکہ انکو تاریکیوں سے
روشنی کیطرف لائے، انکے نقص کی اصلاح کرے اور انمیں اچھے طور پر سیاست
جاری کرے تو اسکے مبعوث ہونے میں یہ بات داخل ہوتی ہے کہ نہایت اہم
امور جنکے بغیر انکی اصلاح اور سیاست نہیں ہو سکتی واجب قرار پاتے ہیں
اسلئے ہر ایک مقصد کی ایک معیار دائمی یا اکثری ضرور ہوتی ہے اسکے لحاظ
سے ان سے مؤاخذہ اور خطاب کیا جاتا ہے۔ ہر ایک امر کیلئے اوقات متعین
کرنے کیلئے ضروری قاعدے ہوا کرتے ہیں۔ اور بعض امور کسی مصلحت یا فساد کی
طرف داعی ہوتے ہیں تو انکے بموجب حکم کیا جاتا ہے اور انمیں سے بعض امور
کا مامور بہ اور منہی عنہ ہونا قطعی ہے اور بعض کا قطعی نہیں ہے۔ انمیں سے
قلیل کے بارہ میں وحی ظاہر نازل ہوئی ہے اور انمیں سے اکثر نبی کے اجتہاد
سے ثابت ہوئے ہیں۔ پانچواں مرتبہ وہ ہے جسکی نسبت نہ تو شارع نے کچھ
تصریح کی اور نہ ملاء اعلیٰ میں اسکا کوئی حکم ثابت ہوا لیکن بندہ جب خدا کیطرف
اپنی پوری ہمت سے متوجہ ہوتا ہے تو اسکو قیاس یا تخریج وغیرہ سے کسی چیز کے
مامور یا ممنوع ہونیکا گمان ہوتا ہے جس طرح بعض عوام کو ناقص تجربہ سے یا
حکیم کے کسی جلت پر حکم لگا دینے سے بعض دواؤں کی تاثیر معلوم ہو جاتی ہے

ويختلف باختلاف النفوس الا ان المنغمسة في لهيأت
البهيمية الضعيفة احوج الناس الى اكثارها والامم
التي بهيميتها اشد واغلظ احوج الناس الى اكثار
الشاق منها، ومنها اعمال سبعية تستجلب لعنا
عظيما كالقتل، ومنها اعمال شهوية ومنها مكاسب
ضارة كالقمار والربا وفي كل شئ من هذه المذكورات
ثلمة عظيمة في النفس من جهة الاقدام على خلاف
السنة اللازمة كما ذكرنا ولعن من الملا الاعلى يحيط به
فبمجموع الامرين يحصل العذاب وهذه المرتبة
اعظم الكبائر قد انعقد في حظيرة القدس تحريمها
ولعن صاحبها ولم يزل الانبياء يترجمون ما انعقد
هنالك واكثرها مجمع عليه في الشرائع المرتبة الرابعة
معصية الشرائع والمناهج المختلفة باختلاف الامم
والاعصار وذلك ان الله تعالى اذا بعث نبيا الى قوم
ليخرجهم من الظلمات الى النور وليقيم عوجهم
وليسوسهم احسن السياسة كان بعثه متضمنا لايجاب
ما لا يمكن اقامة عوجهم وسياستهم الا به فلكل
مقصد مظنة اكثرية او دائمة يجب ان يؤاخذوا
عليها ويخاطبوا بها وللتوقيف قوانين توجبه وربما
يكون داعيا الى مفسدة او مصلحة فيؤمرون حسبما
يدعون اليه ومن ذلك ما هو مامور او منهي عنه
حتما، ومنه ما هو مامور او منهي عنه من غير عزم
واقل ذلك ما نزل به الوحي الظاهر واكثره ما لا
يثبته الا اجتهاد النبي صلى الله عليه وسلم؛
المرتبة الخامسة ما لم ينص عليه الشارع ولم
ينعقد في الملا الاعلى حكمه لكن توجه عبد الى الله
بجامع همته فاعتراه شئ يظنه ممنوعا عنه او مامورا
به من قبل قياس او تخريج او نحو ذلك كما يظهر
للعوام تاثير بعض الادوية من قبل تجربة ناقصة

حالانکہ نہ انکو تاثیر کی وجہ معلوم ہے نہ طبیب نے تصریح فرمائی ہے اس قسم کی چیزوں سے بھی انسان بغیر احتیاط برتے بری الذمہ نہیں ہو سکتا ورنہ اسکے اور خدا تعالیٰ کے درمیان اسکے گمان کیوجہ سے ایک پردہ حائل ہو جائیگا اور وہ اسکی وجہ سے ماخوذ ہوگا۔ اس مرتبہ میں اصل خوشنودی کے قابل یہ ہے کہ ان چیزوں کو چھوڑ دے اور ان کی طرف بالکل توجہ نہ کرے لیکن بعض لوگ ایسی چیزوں کو از خود اپنے اوپر واجب کر لیتے ہیں پھر اسکے بموجب خدا تعالیٰ ان سے مطالبہ کرتا ہے چنانچہ اس بارہ میں خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ "میں بندہ کے گمان کے موافق پیش آتا ہوں"۔ اور یہ آیت بھی اسی بارے میں وارد ہے "رہبانیت جسکو انھوں نے خود ایجاد کر لیا ہے ہم نے ان پر اسکو اسلئے واجب کیا تھا کہ خدا کی رضامندی کی تلاش میں رہیں"۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اپنے اوپر سختی نہ کرو ورنہ خدا تم پر سختی کرے گا۔ اور فرمایا کہ گناہ وہی ہے جو تیرے دل میں برا اثر پیدا کرے۔ یہی حال اس حکم کی نافرمانی کا ہے جو کسی مجتہد کے اجتہاد سے ثابت ہوا ہو اور اسی مجتہد کا جس نے یہ حکم دیا ہے نافرمانی کرنیوالا پیرو اور مقلد ہو۔ واللہ اعلم ✦

او دوران حکم الطبيب الحاذق على علة ولا يعلم وجه التاثير ولا ينص عليه الطبيب فلا يخرج مثل هذا الانسان من العهدة حتى ياخذ بالاحتياط والا كان بينه وبين ربه حجاب فيما يظن فيؤاخذ بظنه، واصل المرضى فى هذه المرتبة ان يهمل امرها ولا يلتفت اليها غيران فى الوجود انفسا يستوجبون ذلك فيوفر عليهم الجواد ما استوجبوه وفيها قوله تعالى انا عند ظن عبدي بى وقوله عز في القران العظيم ورهبانية ابتدعوها ما كتبناها عليهم الا ابتغاء رضوان الله وقوله صلى الله عليه وسلم لا تشددوا فيشدد الله عليكم وقوله صلى الله عليه وسلم الاثم ما حاك فى صدرك ويلحق بها معصية حكم مجتهد فيه اذا كان مقلدا مجمعا تقليد من يرى ذلك والله اعلم۔

پندرہواں باب ۱۵۔ گناہوں کی خرابیوں کا بیان

باب مفاسد الاثام

واضح ہو کہ گناہ صغیرہ اور کبیرہ کا اطلاق دو لحاظ سے کیا جاتا ہے اول نیکی اور گناہ کی حکمت کے لحاظ سے دوسرے شریعتوں اور طریقوں کے لحاظ سے جو ہر زمانہ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ نیکی اور گناہ کی حکمت کی نظر سے گناہ کبیرہ ایسے گناہ کو کہتے ہیں جسکے سبب سے قبر یا قیامت میں عذاب واجب یا ضروری ہو جائے اور نفس میں بڑی خرابی پیدا کر دے اور فطرت کے بالکل خلاف ہو۔ اور صغیرہ گناہ وہ ہے جس میں مقصود بالا میں سے کسی امر کے ہونے کا شبہ ہو یا اکثر اوقات ان امور کیطرف مفضی ہو یا ایک وجہ سے اسمیں اس قسم کی کوئی خرابی پیدا ہوتی ہو اور دوسری وجہ سے وہ خرابی نہ پیدا ہوتی ہو۔ مثلاً کوئی شخص خدا کی راہ میں خرچ کرے اور گھر کے لوگ بھوکے رہ جائیں تو اس نے بخل کا عیب تو دفع کیا لیکن خانہ داری کی تدبیر کو کھو دیا۔ اور گناہ کبیرہ باعتبار شریعت کے وہ گناہ ہے جسکے حرام ہونے کی شارع نے تصریح کر دی ہو یا اسکے مرتکب کیلئے دوزخی ہونے کی وعید کی گئی ہو یا اسپر کوئی حد مقرر کی ہو یا اس فعل کی برائی کی شدت بیان کرنے کیلئے اسکے مرتکب کو کافر دائرہ اسلام سے خارج کہا ہو

واعلم ان الكبيرة والصغيرة تطلقان باعتبارين احدهما بحسب حكمة البر والاثم، وثانيهما بحسب الشرائع والمناهج المختصة بعصر دون عصر، اما الكبيرة بحسب حكمة البر والاثم فهى ذنب يوجب العذاب فى القبر وفى المحشر ايجابا قويا ويفسد الارتفاقات الصالحة افسادا قويا ويكون من الفطرة على الطرف المخالف جدا، والصغيرة ما كان مظنة لبعض ذلك او مفضيا اليه فى الاكثر او يوجب بعض ذلك من وجه ولا يوجبه من وجه كمن ينفق فى سبيل الله واهله جياع فيدفع رذيلة البخل ويفسد تدبير المنزل، واما بحسب الشرائع الخاصة فما نصت الشريعة على تحريمه او اوعد الشارع عليه بالنار او شرع عليه حدا او سمى مرتكبه كافرا

کبھی بعض امور نیکی اور گناہ کے لحاظ سے صغیرہ ہوتے ہیں لیکن شریعت کے لحاظ سے وہی کبیرہ قرار پاتے ہیں اور اسکی وجہ یہ ہوتی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بعض گناہ صغیرہ یہانتک رواج پا جاتے ہیں کہ وہ رسم ہوکر انمیں پھیل جاتے ہیں، ان کے دلوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں جب بھی وہ انکے دلوں سے نہیں نکلتے' اسکے بعد زمانہ شریعت میں انکی ممانعت ہوتی ہے لیکن وہ لوگ اس کام پر اڑ جاتے ہیں اسکے کرنے پر اصرار کرتے ہیں، شرع سے ان کے اصرار پر تہدید اور سختی ہوتی ہے یہاں تک کہ اسکا مرتکب شریعت کا دشمن سمجھا جاتا ہے ایسے فعل کو وہی شخص کرتا ہے جو مردود اور سرکش ہو جسکو خدا سے اور لوگوں سے کسی قسم کی حیا نہ ہو۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ہم ان گناہوں کی تفصیل جو شریعت کے لحاظ سے کبیرہ قرار دیئے گئے ہیں اس کتاب کی دوسری قسم میں بیان کرینگے وہیں انکے بیان کا موقع ہے لیکن ان گناہوں کی خرابیاں جو بر و اثم کی حکمت سے کبیرہ قرار دی گئی ہیں ہم یہیں بیان کرتے ہیں جیسا کہ ہمنے انواع بر میں اسی طور پر کلام کیا تھا۔

لوگوں کا اس میں اختلاف ہے کہ کوئی شخص جو گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے بغیر توبہ کے مر جائے تو یہ جائز ہے یا نہیں کہ خدا اس گناہ کو معاف کر دے' ہر فریق نے کتاب و سنت سے اپنے اپنے دلائل بیان کئے ہیں لیکن میرے نزدیک اس اختلاف کا حل یہ ہے کہ خدا کے افعال دو طرح پر ہیں اول وہ افعال جو بعادت استمراری ہوتے رہتے ہیں دوسرے وہ جو خلاف عادت ظہور پذیر ہوتے ہیں اور جو مسائل لوگوں کے سامنے ذکر کئے جاتے ہیں وہ بھی دو قسم کے ہوتے ہیں' ایک موافق عادت اور دوسری مطلق۔ اور تناقض کی شرط جہت کا ایک ہونا ہے جیسا کہ منطقیوں نے قضایا موجہ میں ذکر کیا ہے۔ اور کبھی جب جہت کو ذکر نہیں کرتے تو وہاں قرائن کو دیکھنا ضروری ہو جاتا ہے سو جب ہم یہ کہتے ہیں کہ جو زہر کھائیگا مر جائیگا تو اسکے معنی یہ ہیں کہ عادت کے موافق زہر کا یہ اثر ضرور ہوگا اور جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے کہ جو زہر کھائے وہ مر ہی جائے تو اسکے معنی یہ ہیں کہ اگر ایسا ہوگا تو خلاف عادت ہوگا پس ان دونوں قولوں میں جہت و اعتبار کے مختلف ہونے کیوجہ سے کوئی تناقض نہیں۔ اور جسطرح خدا تعالے کے افعال دنیا میں عادت کے موافق اور عادت کے خلاف ہیں اسیطرح آخرت میں اسکے افعال عادت کے موافق اور عادت کے خلاف ہیں۔ پس عادت مستمرہ تو یہی ہے کہ وہ اس گنہگار کو جو بغیر توبہ کے مر جائے ایک مدت دراز تک

خارجا من الملة ابانة لقبحه وتغليظا للامر فهو كبيرة وربما يكون شئ صغيرة بحسب حكمة البر والاثم كبيرة بحسب الشريعة وذلك ان الملة الجاهلية ربما ارتكبت شيئا حتى فشا الرسم به فهم لا يخرج منهم الا ان تتقطع قلوبهم ثم جاء الشرع ناهيا عنه فحصل منهم لجاج ومكابرة وحصل من الشرع تغليظ وتهديد بحسب ذلك حتى صار ارتكابها كالمناواة الشديدة للملة ولا يأتي الاقدام على مثله الا من كل مارد متمرد لا يستحيي من الله ولا من الناس فكتب كبيرة عند ذلك، وبالجملة فنحن نؤخر الكلام في الكبائر بحسب الشريعة الى القسم الثاني من هذا الكتاب لان ذلك موضعه وننبه على مفاسد الكبائر بحسب حكمة البر والاثم ههنا كما فعلنا في انواع البر نحوا من ذلك •

وقد اختلف الناس في الكبيرة اذا مات صاحبها عليها ولم يتب هل يجوز ان يعفو الله عنه اولا؟ وجاء كل فرقة بادلة من الكتاب والسنة، وحل الاختلاف عندي ان افعال الله تعالى على وجهين منها الجارية على العادة المستمرة، ومنها الخارقة للعادة، والقضايا التي يتكلم بها الناس موجهة بجهتين، احداهما في العادة، والثانية مطلقا و شرط التناقض اتحاد الجهة مثل ما قرره المنطقيون في القضايا الموجهة وقد تحذف الجهة فيجب اتباع القرائن فقولنا كل من تناول السموم مات معناه بحسب العادة المستمرة وقولنا ليس كل من تناول السموم مات معناه بحسب خرق العادة فلا تناقض وكما ان لله تعالى في الدنيا افعالا خارقة وافعالا جارية على العادة فكذلك في المعاد افعال خارقة وعادية، اما العادة المستمرة فان يعاقب العاصي

عذاب میں رکھے اور کبھی خلاف عادت بھی کر گذرتا ہے ایسے ہی حقوق العباد کا حال ہے۔ اور صاحب کبیرہ کا ہمیشہ عذاب میں رہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ بات خدا کی حکمت سے بہت بعید ہے کہ وہ صاحبِ کبیرہ سے ایسا ہی معاملہ کرے جو کافر کے ساتھ کریگا یعنی دونوں کو مساوی کر دے واللہ اعلم ؛

سولھواں باب ۱۵: ان گناہوں کا بیان جو بندے کے نفس سے متعلق ہیں

واضح ہو کہ انسان کی قوت ملکیہ کا قوت بہیمیہ نے ہر طرف سے احاطہ کر رکھا ہے اسکی حالت اس پرندہ کے مانند ہے جو قفس میں بند ہے اس پرند کی خوش نصیبی اسی میں ہے کہ اس قفس سے نکل کر اپنے اصلی مکان کو چمن میں پہنچ جائے اور وہاں بیٹھکر اچھے اچھے دانے اور عمدہ عمدہ پھل کھائے اور اپنے ہم جنس پرندوں میں ملکر خوشیاں منائے اسیطرح انسان کی حد درجہ بدنصیبی اسمیں ہے کہ وہ دہریہ بن جائے، دہریہ کی حقیقت یہی ہے کہ وہ ان علوم فطریہ کا مخالف ہوجائے جو خدا تعالیٰ نے اسمیں پیدا کئے ہیں۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ انسان کی اصل فطرت میں مبدأ جل جلالہٗ کیجانب ذاتی میلان ہے اور نہایت درجہ اسکی تعظیم کرنے کی خواہش ہے، اس آیت میں اسیطرف اشارہ ہے "اور اسوقت کو یاد کرو جبکہ تیرے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے انکی اولاد کو نکالا اور ان کو اپنی جانوں پر گواہ کیا" اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول میں کہ "سب کی پیدائش فطرتِ اسلام پر ہوتی ہے" اسیطرف اشارہ ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی بے انتہا تعظیم دل میں جب ہی راسخ ہوتی ہے کہ خدا کی نسبت اعتقاد کیا جائے کہ وہ اپنے قصد اور اختیار سے ہر قسم کا تصرف کرتا ہے اعمال کی جزا دیتا ہے ان کے لئے شریعت مقرر کرتا ہے جو شخص اسکا منکر ہو کہ اسکا کوئی پروردگار ہے جسپر تمام ہستی کا سلسلہ ختم ہوتا ہے، یا ایسا اعتقاد کرے کہ خدا تعالیٰ معطل ہے عالم میں کوئی تصرف نہیں کرتا یا تصرف کرتا ہے تو بلا قصد اور مجبورانہ کرتا ہے، یا وہ اپنے بندوں کے اچھے برے افعال کی جزا نہیں دیتا، یا وہ خدا تعالیٰ کو دیگر مخلوقات جیسا اعتقاد کرے یا اس کے سے صفات کا مخلوق میں اعتقاد کرے،

اذا مات من غير توبة زمانا طويلا وقد تخرق العادة وكذلك حال حقوق العباد واما خلود صاحب الكبيرة فى العذاب فليس بصحيح ليس من حكمة الله ان يفعل بصاحب الكبيرة مثل ما يفعل بالكافر سواء والله اعلم ؛

باب فى المعاصى التى هى فيما بينه وبين نفسه

اعلم ان القوة الملكية من الانسان قد اكتنفت بها القوة البهيمية من جوانبها وانما مثلها فى ذلك مثل طائر فى قفص سعادته ان يخرج من هذا القفص فيلحق بحيزه الاصلى من الرياض الاريضة وياكل الحبوب الغاذية والفواكه اللذيذة من هنالك ويدخل فى زمرة ابناء نوعه فيبتهج بهم كل الابتهاج فاشد شقاوة الانسان ان يكون دهريا وحقيقة الدهرى ان يكون مناقضا للعلوم الفطرية المخلوقة فيه وقد بينا ان له ميلا فى اصل فطرته الى المبدئ جل جلاله وميلا الى تعظيمه اشد ما يجد من التعظيم واليه الاشارة فى قوله تبارك وتعالى واذ اخذ ربك من بنى ادم الاية وقوله صلى الله عليه وسلم كل مولود يولد على الفطرة والتعظيم الاقصى لا يتمكن من نفسه الا باعتقاد تصرف فى بارئه بالقصد والاختيار ومجازاة وتكليف لهم وتشريع عليهم فمن انكر ان له ربا تنتهى اليه سلسلة الوجود او اعتقد ربا معطلا لا يتصرف فى العالم او يتصرف بالايجاب من غير ارادة او لا يجازى عباده على ما يفعلون من خير وشر او اعتقد ربه كمثل سائر الخلق او اشرك عباده فى صفاته

یا یہ اعتقاد کرے کہ خدا بندوں پر کسی نبی کی معرفت شریعت فرض نہیں کرتا
پس ایسا ہی شخص دہریہ ہے جسکے دل میں نہ اللہ تعالےٰ کی تعظیم ہے اور نہ
اسکے فہم کو حظیرۃ القدس تک رسائی ہے وہ بمنزلہ ایک پرند کے ہے
جو اپنے قفس میں بند ہے جسمیں سوئی کے برابر بھی سوراخ نہیں مرنے کے
بعد اسپر سب چیزیں ظاہر ہو جائینگی اور کسیقدر قوت ملکی ظاہر ہوگی
اور اسکے فطری میلان میں حرکت پیدا ہوگی لیکن پروردگار کے علم اور
حظیرۃ القدس کی رسائی سے عوائق مانع ہونگے اور اس سے اسکے نفس میں
نہایت وحشت کا جوش ہوگا اور اس ناپاک حالت پر باریتعالےٰ اور
ملاء اعلےٰ کی نظر پڑیگی تو ناخوشی اور حقارت کی نگاہ تند سے وہ دیکھا جائیگا
اور ملائکہ کیطرف اس کو عذاب دینے کا الہام ہوگا اور وہ عالم مثال
اور عالم خارجی میں عذاب پائیگا - اور اسمیں بھی انسان کی بڑی بدبختی ہے
کہ وہ کافر ہو جائے اور خدا تعالےٰ کی اس شان سے تکبر کرے جس کا اس
آیت میں ذکر ہے "كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ" اور شان سے مراد یہ ہے کہ
عالم کیلئے حکمت الٰہی کے موافق دور اور طریقے معین ہوتے ہیں پس جب
کوئی دور شروع ہوتا ہے تو خدا تعالےٰ ہر آسمان میں اسکے احکام جاری کرتا
ہے اور ملاء اعلےٰ کو مناسب تدابیر پر لگاتا ہے اور لوگوں کے لئے ایک
شریعت اور مصلحت مقرر کرتا ہے ✦

پھر خدا تعالےٰ ملاء اعلےٰ کو الہام کرتا ہے کہ عالم میں اس طریقہ کے پھیلانے
پر متفق ہو جائیں پس انکے اتفاق سے لوگوں کے دلوں پر الہام ہوتا ہے
یہ مرتبہ شان کا' اسی قدیم مرتبہ کا پرتو ہے جسمیں حدوث کا شائبہ بھی نہیں
اور یہ بھی اس پہلے مرتبہ کی طرح باریتعالیٰ کے کمالات کو ظاہر کرنے والا
ہے سو جو شخص اس شان کے خلاف ہوا' اس سے بیزاری ظاہر کی اور لوگوں
کو روکا تو اسپر ملاء اعلیٰ سے ایسی لعنت پڑتی ہے جو ہر طرف سے اسکا احاطہ
کر لیتی ہے اور اسکی وجہ سے اسکے عمل ضائع ہو جاتے ہیں' دل سخت ہو جاتا
ہے اور اچھی باتوں کو جو اسکے لئے نفع بخش ہوں حاصل نہیں کر سکتا چنانچہ
اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے "جو لوگ ہماری کھلی نشانیوں اور
ہدایت کو اسکے بعد بھی چھپاتے ہیں کہ ہم نے لوگوں کے لئے کتاب
میں صاف صاف بیان کر دیا ہے انپر خدا اور لعنت کرنیوالے لعنت کرتے
ہیں" اور اس آیت میں بھی اسیطرف اشارہ ہے "خدا نے ان کے دلوں اور...

او اعتقد انه لا يكلفهم بشريعة على لسان نبى فذلك
الدهرى الذى لم يجمع فى نفسه تعظيم ربه وليس
لعلمه نفوذ الى حيز القدس اصلا وهو بمنزلة الطائر
المحبوس فى قفص من حديد ليس فيه منفذ ولا
موضع ابرة فاذا مات شف الحجاب وبرزت الملكية
بروزاما وتحرك الميل المفطور فيه وعاقته العوائق
فى علمه بربه وفى الوصول الى حيز القدس فهاجت
فى نفسه وحشة عظيمة ونظر اليها بارئها والملأ الاعلى
وهى فى تلك الحالة الخبيثة فاحدقت فيها بنظر
السخط والازدراء وترشحت فى نفوس الملائكة
الهامات السخط والعذاب فعذب فى المثال وفى
الخارج او كافرا تكبر على الشأن الذى تطوربه الله
تعالى كما قال كل يوم هو فى شان واعنى بالشأن
ان للعالم ادوارا واطوارا حسب الحكمة الالهية
فاذا جاء دورة اوحى الله تعالى فى كل سماء امرها و
دبر الملأ الاعلى بما يناسبها وكتب لهم شريعة و
مصلحة ✦

ثم الهم الملأ الاعلى ان يجمعوا تمشية هذا
الطور فى العالم فيكون اجماعهم سببا لالهامات
فى قلوب البشر فهذا الشأن تلو المرتبة القديمة
التى لا يشوبها حدوث وهذه ايضا شارحة لبعض
كمال الواجب جل مجده كالمرتبة الاولى فكل من
باين هذا الشأن وابغضه وصد عنه اتبع من
الملأ الاعلى بلعنة شديدة تحيط بنفسه فتحبط
اعماله ويقسو قلبه ولا يستطيع ان يكسب من
اعمال البر ما ينفعه واليه الاشارة فى قوله تعالى
ان الذين يكتمون ما انزلنا من البينات والهدى
من بعد ما بيناه للناس فى الكتاب اولئك يلعنهم
الله ويلعنهم اللاعنون، وقوله ختم الله على قلوبهم

پس یہ شخص اس پرندہ کے مانند ہے جو ایسے قفس میں بند ہے جسمیں سوراخ ہیں
لیکن اسکے اوپر بڑا غلاف پڑا ہوا ہے۔ اس درجہ والا کافر سے کم تر ہے یہ
وہ شخص ہے جو توحید اور تعظیم الٰہی کا اعتقاد تو ٹھیک ٹھیک رکھتا ہے لیکن
نیکی اور گناہ کی حکمت کے لحاظ سے جن احکام کا حکم دیا گیا تھا اس نے انکی
تعمیل نہیں کی، اسکی مثال ایسے شخص کی سی ہے جو شجاعت کو اور اس کے
فائدہ کو تو جانتا ہے لیکن یہ صفت شجاعت اسمیں حاصل نہیں ہے
کیونکہ شجاعت کا جاننا اور ہے اور صفت شجاعت کا حاصل ہونا اور ہے یہ
شخص اس سے اچھا ہے جو شجاعت کے معنی بھی نہیں جانتا۔ اسکی حالت
اس پرندہ کی سی ہے جو ایسے قفس میں بند ہے جسمیں سوراخ ہیں وہ سبزہ زار
اور میوہ جات کو دیکھتا ہے، مدتوں وہاں رہ چکا تھا لیکن اب آ پھنسا
پس اسی کے شوق میں بازو پھڑپھڑاتا ہے اور سوراخوں میں چونچ ڈال
ڈال دیتا ہے لیکن باہر نکلنے کا راستہ نہیں پاتا۔ نیکی اور گناہ کی حکمت
کے لحاظ سے کبائر یہی ہیں۔ اور اس شخص سے بھی کمتر درجہ اس شخص
کا ہے جس نے تمام احکام کی بجا آوری تو کی لیکن ان شرائط کے ساتھ
نہیں کی جو ان کے لئے ضروری ہیں، پس اسکی مثال اس پرندہ کی ہے
جو ایک شکستہ قفس میں بند ہے جس میں سے بدقت نکل سکتا ہے جبتک
جلد میں خراش نہ ہو اور پر نچ نہ جائیں وہاں سے نکلنا متصور نہیں۔
پس وہ بڑی جدوجہد سے باہر نکل سکتا ہے لیکن چونکہ اسکے پروں میں
اور بازو میں نکلتے وقت خراش پہنچی ہے اسلئے اپنے ابناء جنس کے
ساتھ نہ باغ کے پھل کھا سکتا ہے نہ ان کے ساتھ مل کر خوشیاں منا
سکتا ہے یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اعمال صالحہ کے ساتھ برے اعمال
بھی کیے ہیں ان کے لئے عوائق اور موانع وہ گناہ ہیں جو نیکی اور گناہ کی
حکمت کے اعتبار سے صغیرہ گناہ ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پلصراط
کی حدیث میں ان تین کی طرف اشارہ کیا ہے آپ نے فرمایا بعض
لوگ پلصراط سے گر کر جہنم میں چلے جائیں گے بعض
زخمی ہو کر نجات پالیں گے اور بعض کو آگ
کی لپیٹ کے بعد نجات ملجائیگی
واللہ اعلم

وعلى سمعهم فهذا كطائر في قفص له منافذ الا
انه قد غشي من فوقه بغاشية عظيمة وادنى من
ذلك ان يعتقد التوحيد والتعظيم على وجههما
ولكن ترك الامتثال لما امر به في حكمة البر و
الاثم ومثله كمثل رجل عرف الشجاعة ما هي و
ما فائدتها ولكن لا يستطيع الاتصاف بها لان
حصول نفس الشجاعة غير حصول صورتها في
النفس وهو احسن حالا ممن لا يعرف معنى
الشجاعة ايضا ومثله كمثل طائر في قفص مشبك
يرى الخضرة والفواكه وقد كان فيما هنالك اياما
ثم طرا عليه الحبس فيشتاق الى ما هنالك ويضرب
بجناحه ويدخل في المنافذ مناقيره ولا يجد طريقا
يخرج منه وهذه هي الكبائر بحسب حكمة البر و
الاثم، وادنى من ذلك ان يفعل هذه الاوامر و
لكن لا على شريطتها التي تجب لها فمثله كمثل طائر
في قفص مكسور في الخروج منه حرج ولا يتصور
الخروج الا بخدش في جلده ونتف في ريشه فهو
يستطيع ان يخرج من قفصه ولكن بجهد وكد ولا
يبتهج في ابناء نوعه كل الابتهاج ولا يتناول من
فواكه الرياض كما ينبغي لما اصابه من الخدش
والنتف وهؤلاء هم الذين خلطوا عملا صالحا
وآخر سيئا وعوائقهم هذه هي الصغائر بحسب
حكمة البر والاثم وقد اشار النبي صلى الله عليه
وسلم في حديث الصراط الى هذه الثلاثة حيث
قال ساقط في النار ومخدول
ناج ومخدوش ناج و
الله اعلم

ستر ہواں باب (۵۲) :- ان گناہوں کا بیان جنکا تعلق لوگوں سے ہوتا ہے

واضح ہو کہ حیوانات کی قسمیں مختلف ہیں بعض تو ایسے ہیں جو کیڑوں کیطرح زمین میں پیدا ہوتے ہیں ان کا حق یہ ہے کہ پروردگار صور کیطرف سے یہ الہام ہوتا ہے کہ وہ کیسے اپنی غذا حاصل کریں انکو تدبیر منازل کا الہام نہیں ہوتا۔ اور بعض حیوانات ایسے ہیں کہ ان میں توالد و تناسل ہوتا ہے بچوں کی پرورش میں نر و مادہ مل کر باہم ایک دوسرے کے معاون ہوتے ہیں انکے لئے حکمت الٰہی سے تدبیر المنزل کی نسبت بھی الہام ہوتا ہے۔ پس پرندوں کو یہ الہام ہوتا ہے کہ کسطرح سے غذا حاصل کریں کس طرح سے پرواز کریں اور یہ کہ کیسے وہ جفتی کریں، کیسے اپنا آشیانہ بنائیں اور اپنے بچوں کو کیسے پرورش کریں۔ ان سب حیوانات میں انسان مدنی الطبع ہے وہ اپنی ہی نوع کی دستگیری کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا کیوں کہ نہ وہ گھاس کھا سکتا ہے، نہ کچے پھل کھا کر جی سکتا ہے اور نہ پشم سے اپنے اندر گرمی پیدا کر سکتا ہے، اسکے علاوہ اور بہت سے امور ہیں جنکو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، انسان کا حق ہے کہ خانہ داری کی تدابیر اور آداب معاش کے ساتھ سیاست مدن کا بھی الہام کیا جائے، انسان اور حیوانات میں فرق اسقدر ہے کہ اور حیوانات کو ضرورت کیوقت طبعی الہام ہوتا ہے اور انسان پر علوم معیشت کے ایک مختصر حصہ کا الہام ہوتا ہے مثلاً یہ الہام ہوتا ہے کہ دودھ پیتے وقت پستان کو کیسے چوستے ہیں، آواز کی تنگی کیوقت کیسے کھانستے ہیں، دیکھنے کیوقت پلکوں کو کیسے کھولتے ہیں اور اسکی وجہ یہ ہے کہ اسکا خیال خود ہر ایک چیز کو بناتا اور اہتمام کرتا ہے وہ تدبیر منزل اور سیاست مدن کے علوم کو رسم و رواج سے اور ان لوگوں کی پیروی سے حاصل کرتا ہے جنکی ملکی روشنی سے خدا تائید کرتا ہے، یہ روشنی ان علوم میں ظاہر ہوتی ہے جو وحی کے ذریعہ انکو معلوم ہوتے ہیں، نیز تجربہ اور تدابیر غیبی سے وہ ان علوم کو حاصل کرتا ہے، نیز وہ خود غور کر کے قیاس اور برہان سے انکو معلوم کرتا ہے اور اس کی مثال اس امر کے حاصل کرنے میں جس کا فیضان باوجود اختلاف استعداد کے باری الصور کیجانب سے ضروری ہوتا ہے، خواب کی

باب الآثام التي هي فيما بينه وبين الناس

اعلم ان انواع مراتب الحيوان على شتى، منها ما يتكون تكون الديدان من الارض و من حقها ان تلهم من بارئ الصور كيف تتغذى ولا تلهم كيف تدبر المنازل، ومنها ما يتناسل و يتعاون الذكر والانثى منها في حضانة الاولاد و من حقها في حكمة الله تعالى ان تلهم تدبير المنازل ايضا فالهم الطير كيف يتغذى ويطير والهم ايضا كيف يسافد وكيف يتخذ عشا وكيف تزق الفراخ و الانسان من بينها مدني الطبع لا يتعيش الا بتعاون من بني نوعه فانه لا يتغذى الحشيش النابت بنفسه ولا بالفواكه نيئة ولا يتدفأ بالوبر الى غير ذلك مما شرحنا من قبل، ومن حقه ان يلهم تدبير المدن مع تدبير المنازل وآداب المعاش غير ان سائر الانواع تلهم عند الاحتياج الهاما جبليا و الانسان لم يلهم الهاما جبليا الا في حصة قليلة من علوم التعيش كمص الثدي عند الارتضاع والسعال عند البحة وفتح الجفون عند ارادة الرؤية ونحو ذلك وذلك لان خياله كان صناعا هماما ففوض له علوم تدبير المنازل وتدبير المدن الى الرسم وتقليد المؤيدين بالنور الملكي فيما يوحى اليهم والى تجربة ورصد تدبير غيبي ورؤية بالاستقراء والقياس والبرهان ومثله في تلقى الامر الشائع الواجب فيضانه من بارئ الصور مع الاختلاف الناشئ من قبل استعداداتهم كمثل الواقعات التي يتلقاها

پھر وہ اپنی مناسب چیزوں کی صورتوں میں متشکل ہو کر نظر آتے ہیں۔ ان کی
صورتیں مفیض کی وجہ سے نہیں بلکہ لوگوں کی حالت کی وجہ سے مختلف ہوتی
ہیں ان علوم میں سے جو تمام افراد انسانی کو عطا ہوتے ہیں خواہ وہ عرب،
بدوی یا عجم، شہری ہوں یا بدوی گو ان کے حاصل ہونے کا طریقہ مختلف ہو،
چند خصائل کا حرام ہونا ہے جن کی وجہ سے تمام انتظام بلاد درہم برہم
ہو جاتا ہے۔ ایسے خصائل تین قسم کے ہیں شہوانی اعمال، درندوں کے
سے اعمال، باہمی بد معاملگی۔ ان کے حرام ہونے کی دلیل یہ ہے کہ انسان
اپنے بنی نوع کے ساتھ شہوت، غیرت اور حرص کے اوصاف میں شریک
ہے اور جیسے قوی بہائم کو مادہ کی طرف میلان ہوتا ہے وہ دوسرے کی
مداخلت کو اپنے جوڑے میں گوارہ نہیں کرتے، ایسے ہی قوی انسانوں کی طبیعت
ہوتی ہے لیکن فرق اتنا ہے کہ نر بہائم باہم لڑنے لگتے ہیں جو زور آور اور
تیز ہوتا ہے وہ کمزور پر غالب ہو جاتا ہے، دوسرا اس کے سامنے سے بھاگ
جاتا ہے، یا جفتی کرتے ہوئے نہ دیکھنے کی وجہ سے اس کو مزاحمت کرنے کا
خیال ہی نہیں ہوتا۔ اور انسان نہایت زیرک پیدا کیا گیا ہے اٹکل سے
چیزوں کو ایسا معلوم کر لیتا ہے گویا ان کو دیکھ رہا ہے یا سن رہا ہے
اور اس کو الہام سے یہ معلوم ہو گیا کہ ایسے امور میں لڑنے جھگڑنے سے
شہر ویران ہو جائیں گے کیونکہ شہروں کی آبادگی بغیر باہمی تعاون کے
نہیں ہو سکتی اور اس تعاون اور مدد میں بہ نسبت عورتوں کے زیادہ
دخل قوی مردوں کو ہے اس لئے بہ الہام الٰہی ان میں یہ خیال پیدا کیا گیا
کہ ہر شخص اپنی ہی بیوی سے کام رکھے اور اپنے بھائی کی بیوی سے مزاحمت
نہ کرے۔ حرمت زنا کی وجہ یہی ہے۔ اور زوجات کے مخصوص ہونے کی
صورت رسوم اور شرائع سے تعلق رکھتی ہے۔ نیز انسانوں میں مرد،
نر بہائم سے اس بات میں بھی مشابہ ہیں کہ فطرت سلیمہ کی حالت میں
مرد کی رغبت عورت کی جانب رہتی ہے جس طرح بہائم میں سے نر
سوائے مادینوں کے کسی سے مانوس نہیں ہوتا البتہ جن لوگوں
پر ناپاک خواہش نفسانی غالب ہوتی ہے ان کا مزاج ایسا
فاسد ہو جاتا ہے جیسے کسی کو مٹی یا کوئلہ کھانے میں مزا
معلوم ہوتا ہے وہ سلامتی فطرت سے بالکل نکل جاتے
ہیں ایسے لوگ اپنی خواہش نفسانی مردوں سے پوری کرتے ہیں

في المنام يفاض عليهم العلوم الفوقانية من
حيزها فتتشبح عندهم بأشباح مناسبة فتختلف
الصور لمعنى في المفاض عليه لا في المفيض ۔
فمن العلوم الفائضة على افراد الانسان جميعا
عربهم وعجمهم حضرهم وبدوهم وان اختلف
طريق التلقي منهم حرمة خصال تدبر نظام
مدنهم وهي ثلاثة اصناف منها اعمال
شهوية، ومنها اعمال سبعية، ومنها اعمال
ناشئة من سوء الاخذ في المعاملات، والاصل
في ذلك ان الانسان متوارد ابناء نوعه في الشهوة
والغيرة والحرص، والفحول منهم يشبهون
الفحول من البهائم في الطموح الى الاناث وفي عدم
تجويز المزاحمة على الموطوءة غير ان الفحول من
البهائم تتقارب حتى يغلب اشدها بطشا واحدها
نفسا وينهزم ما دون ذلك او لا تشعر بالمزاحمة
لعدم رؤية المسافدة والانسان ألمعي يظن
الظن كأنه يرى ويسمع والهم ان التقارب لأجل
ذلك مدمر لمدنهم لانهم لا يتمدنون الا بتعاون
من الرجال والفحول ادخل في التمدن من
الاناث فالهمهم انشاء اختصاص كل واحد بزوجته
وترك المزاحمة فيما اختص به اخوه وهذا اصل
حرمة الزنا، ثم صورة الاختصاص بالزوجات
امر موكول الى الرسم والشرائع والفحول منهم
ايضا يشبهون الفحول من البهائم من حيث ان
سلامة فطرتهم لا تقتضي الا الرغبة في الاناث
دون الرجال كما ان البهائم لا تلتفت هذه اللفتة
الا قبل الاناث غير ان رجالا غلبتهم الشهوة
الفاسدة بمنزلة من يتلذذ بأكل الطين و
الحممة فانسلخوا من سلامة الفطرة يقضي

اور یہ متکلم ایسی لذت حاصل کرتا ہے جو سلیم الطبع لوگوں کو حاصل نہیں
ہوتی۔ پس ان عادات کی وجہ سے ان کا مزاج بدل جاتا ہے دلکے دل
روگی ہو جاتے ہیں اور نیز ان عادات سے نسل انسانی کی بیخ کنی ہوتی ہے
کیونکہ جب اس نے اپنی اس حاجت کو جسکو خدا نے نسل پھیلانے کے
لئے پیدا کیا ہے مخالف طریقہ سے پورا کیا تو خدائی انتظام میں خلل اندازی
کی اسلئے ان افعال کا مذموم ہونا لوگوں کے دلوں میں پیوست ہو گیا
ہے اسیوجہ سے فاسق، فاجر اس کام کو خاموشی سے کرتے ہیں اور اسمیں
اپنی شہرت نہیں چاہتے اور اگر انکی طرف ایسے افعال کی نسبت کیجائے
تو شرم کے مارے مر جائیں، ہاں انسانیت سے جب وہ بالکل نکل گئے
ہوں تو برملا ایسے افعال عمل میں لاتے ہیں۔ جب یہاں تک نوبت
پہنچ جائے تو غضب الٰہی نازل ہونے میں بھی کچھ دیر نہ ہوگی جیسا کہ
سیدنا لوط علیہ السلام کے وقت میں ہوا اور یہی وجہ حرمت لواطت
کی ہے۔ اور چونکہ لوگوں کی معاش، خانگی تدبیر اور سیاست مدن بغیر عقل
اور تمیز کے مکمل نہیں ہوسکتیں اور ہر وقت کی شراب خوری انتظام
کیلئے سخت مخل ہے، جنگ وجدل اور کینہ پیدا کرتی ہے لیکن بعض
لوگوں پر بیہودہ خواہشیں غالب آئیں انہوں نے اس رذالت کو
اختیار کیا اور انتظامی تدابیر کو تلف کیا۔ اگر ان کو اس فعل بد سے روکنے
کا قانون نہ ہوتا تو سب لوگ ہلاک ہو جاتے یہی وجہ دائم الخمری کے
حرام ہونے کی ہے لیکن اسکے کم و زیادہ حرام ہونے کو، پس وہ ہم
شرائع کی بحث میں بیان کریں گے۔ اور جسطرح نر بہائم میں اس
چیز پر غصہ کرنے کا مادہ ہوتا ہے جو ان کو اپنے مقصود سے باز رکھے یا
کوئی نقصانی یا بدنی تکلیف ان کو پہنچائے اسیطرح لوگوں میں بھی اس
قسم کا مادہ ہوتا ہے لیکن فرق اتنا ہے کہ بہائم محسوس یا موہوم مقصود
کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور انسان محسوس اور معقول دونوں کی
جستجو کرتا ہے اور بہ نسبت بہائم کے آدمی میں حرص کا مادہ
زیادہ ہے۔ اور بہائم آپس میں لڑتے ہیں جب ان میں
سے کوئی بھاگ جاتا ہے تو ان کی طبیعت میں کینہ باقی
نہیں رہتا۔ ہاں بعض بہائم ایسے ہیں جن میں کینہ کا اثر
بعد کو بھی رہتا ہے جیسے اونٹ، بیل، گھوڑا۔

هذا شهوته بالرجال وذلك صار مأبونا يستلذ
ما لا يستلذه الطبع السليم فأعقب ذلك تغيرا
لأمزجتهم ومرضا في نفوسهم وكان مع ذلك
سببا لإهمال النسل من حيث أنهم قضوا حاجتهم
التي قيض الله تعالى عليهم منهم ليذرأ بها
نسلهم بغير طريقها فغيروا النظام الذي خلقهم
الله تعالى عليه فصار قبح هذه الفعلة مندمجا
في نفوسهم فلذلك يفعلها الفساق ولا يتحدثون
بها ولا تنسبوا إليها لماتوا حياء إلا أن يكون
انسلاخا قويا فيجهرون ولا يستحيون فلا
يتراخى أن يعاقبوا كما كان في زمن سيدنا
لوط عليه السلام، وهذا أصل حرمة اللواطة
ومعاش بني آدم وتدبير منازلهم وسياسة
مدنهم لا يتم إلا بعقل وتميز، وإدمان الخمر
ترجع إلى نظامهم بالخرم قوي ويورث محاربات
وضغائن غير أن أنفسا غلبت شهوتهم الرديئة
على عقولهم فأقبلوا على هذه الرذيلة وأفسدوا
عليهم ارتفاقاتهم فلو لم يجر الرسم بمنع عن
فعلتهم تلك لهلك الناس، وهذا أصل حرمة
إدمان الخمر، أما حرمة قليلها وكثيرها فلا
يبين إلا في مبحث الشرائع والفحول منهم
يشبهون الفحول من البهائم في الغضب على
من يصد عن مطلوب ويجري عليه مؤلما
في نفسه أو في بدنه لكن الفحول من البهائم
لا تتوجه إلا إلى مطلوب محسوس أو متوهم
والانسان يطلب المتوهم والمعقول وحرصه
أشد من حرص البهائم وكانت البهائم تتقاتل
حتى ينهزم واحد ثم ينسى الحقد إلا ما كان
من مثل الفحول من الإبل والبقر والخيل

لیکن آدمی اپنی عداوت کو نہیں بھولتا پس اگر انسانوں میں باہم جنگ جاری رہے تو تمام شہر برباد ہو جائیں اور تمام امور معاش مختل ہو جائیں، اسواسطے قتل اور زد و کوب کے حرام ہونیکا انکو الہام ہوا ہاں کسی مصلحت عظیمہ کیوجہ سے جائز ہے جیسا کہ قصاص وغیرہ میں ہوتا ہے اور کبھی لوگوں کے دلوں میں قاتلین کیطرح کینہ کا جوش پیدا ہوتا ہے اور قصاص کا ان کو اندیشہ ہوتا ہے پس ایسے لوگ کھانے میں زہر دیکر یا سحر سے مارنے کی فکر کرتے ہیں اسکا حال بھی قتل کا سا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے قتل تو برملا ہوتا ہے اس سے انسان بچ سکتا ہے لیکن اس سے بچنا مشکل ہے اور کبھی متہم کر کے قتل کروا دینے کی غرض سے بادشاہ کے پاس چغلخوری کیجاتی ہے اور معاش کے طریقے خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے یہی قرار دئے ہیں کہ مباح زمین سے کوئی چیز حاصل کریں اسمیں مویشی چرائیں یا زراعت و تجارت وغیرہ سے معاش پیدا کریں شہر اور مذہب کا انتظام کریں جو پیشے ان کے علاوہ ہیں انکے لئے تمدن میں کوئی جگہ نہیں لیکن بعض لوگ برے پیشے اختیار کر لیتے ہیں جن سے ضرر پہنچتا ہے مثلاً چوری اور غصب، ان سے شہر تباہ ہو جاتے ہیں، اسواسطے خدا نے لوگوں کو اپنے الہام سے ان سب مضر پیشوں کو حرام ہونا تلقین کیا ہے تمام بنی آدم ان کی حرمت پر متفق ہیں گو سرکش لوگ ان کے مرتکب ہوتے ہیں لیکن انصاف پسند سلاطین انکو مٹانے اور دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور جب بعض نے یہ سمجھا کہ سلاطین ان کو مٹانے کی کوشش کرتے ہیں تو انھوں نے جھوٹے دعاوی، جھوٹی قسمیں، جھوٹے گواہوں کا پیشہ اختیار کر لیا، ناپ تول میں کمی کی، جوا کھیلنا اختیار کیا، دوچند، سہ چند سود کھانے لگے ان سب امور کا حکم بھی انہی مضر پیشوں کا سا ہے اور خراج زیادہ لینا بھی بمنزلہ رہزنی کے ہے بلکہ اس سے بدتر ہے بہرحال انہیں اسباب سے لوگوں کے دلوں میں ایسے امور کی حرمت آگئی ہے۔

؎ ؎ ؎ ؎ ؎

؎ ؎ ؎ ؎

؎

والانسان يحقد ولا ينسى فلو فتح فيهم باب التقاتل لفسدت مدينتهم واختلت معايشهم فالهموا حرمة القتل والضرب الا لمصلحة عظيمة من قصاص ونحوه وهاج من الحقد في صدور بعضهم مثل ما هاج في صدور الاولين وخافوا القصاص فانحدروا الى ان يدسوا السم في الطعام او يقتلوا بسحر، وهذا حاله بمنزلة حال القتل بل اشد منه فان القتل ظاهر يمكن التخلص منه وهذه لا يمكن التخلص منها وانحدروا ايضا الى القذف والمشي به الى ذي سلطان ليقتل والمعايش التي جعلها الله تعالى لعباده انما هي الالتقاط من الارض المباحة والرعي والزراعة والصناعة والتجارة وسياسة المدينة والملة وكل كسب تجاوز عنها فانه لا مدخل له في تمدنهم وانحدر بعضهم الى اكساب ضارة كالسرقة والغصب وهذه كلها مدمرة للمدينة فالهموا انها محرمة واجتمع بنو آدم كلهم على ذلك وان باشرها العصاة منهم في غلواء نفوسهم وسعى الملوك العادلة في ابطالها ومحقها واستشعر بعضهم سعي الملوك في ابطالها فانحدروا الى الدعاوى الكاذبة واليمين الغموس وشهادة الزور وتطفيف الكيل والوزن والقمار والربا اضعافا مضاعفة وحكمها حكم تلك الاكساب الضارة واخذ العشر الناهك بمنزلة قطع الطريق بل اقبح، وبالجملة فلهذه الاسباب دخلت في نفوس بني آدم حرمة هذه

جو لوگ زیادہ عقل مند، سلیم الرائے، مصالح عامہ کے زیادہ واقف ہوتے ہیں وہ ہمیشہ قرناً بعد قرنٍ ان سے منع کرتے آئے ہیں یہاں تک کہ یہ عام رواج ہو کر بدیہیات اولیہ میں بمنزلہ دیگر مشہورات کے شامل ہو گئیں۔ پس اسوقت ان کا اثر ملاء اعلےٰ کی طرف پہنچتا ہے جسطرح سے ملاء اعلیٰ کی طرف سے اولاً یہ الہام ہوا تھا کہ یہ چیزیں حرام ہیں اور یہ نہایت مضر ہیں اس لئے جب کوئی شخص ایسے افعال کا مرتکب ہوتا ہے تو ملاء اعلیٰ کو سخت اذیت ہوتی ہے جس طرح کہ کوئی شخص انگارے پر پاؤں رکھتا ہے تو فوراً اسی لمحہ میں قوائے ادراکیہ تک اس کا اثر منتقل ہو جاتا ہے، اور اس سے تکلیف پاتا ہے۔ پھر ملاء اعلےٰ کے ایذا پاتے سے خطوط شعاعیہ پیدا ہوتے ہیں جو اس عاصی کو گھیر لیتے ہیں، اور ملائکہ وغیرہ مستعدین کے دلوں میں یہ الہام ہوتا ہے کہ اس کو ایذا پہنچائیں اور وہ مصلحت جو اس کے حق میں مقرر ہو چکی ہے جس کو شرع میں الہام ملائکہ کہتے ہیں کہ اسقدر اس کا رزق ہے اور اسقدر عمر ہے اور فلاں وقت تک زندگی ہے، اور وہ نیک ہے یا برا ہے اور جس کو نجوم میں احکام طالع کہتے ہیں اسکے حق میں وسیع کر دی جاتی ہے۔ پس جب مر جاتا ہے اور وہ مصلحت پوری ہو جاتی ہے تو اس کے لئے خدا تعالےٰ فارغ ہوتا ہے جیساکہ فرماتا ہے "اے انس و جن میں تمہارے لئے

❁ عنقریب فارغ ہونے والا ہوں "❁

❁ اور اس کو پوری پوری جزا ❁

❁ دیتا ہے ❁

❁ واللہ اعلم ❁

❁ ❁ ❁

الاشياء وقاما قواهم عقلاً واسدهم رأياً واعلمهم بالمصلحة الكلية يمنع عن ذلك طبقة بعد طبقة حتى صار رسماً فاشياً ودخلت في البديهيات الاولية كسائر المشهورات الذائعة فمند ذلك يرجع الى الملأ الاعلى لون منهم حسبما كان انحدر اليهم من الالهام ان هذه محرمة وانها ضارة اشد الضرر فصار واكلما فعل واحد من بني ادم شيئاً من تلك الافعال تأذوا منه مثل ما يضع احد رجله على الجمرة فتنتقل الى القوى الادراكية في تلك اللمحة وتتاذى منه ثم صار لتأذيها خطوط شعاعية تحيط بهذا العاصي وتدخل في قلوب المستعدين من الملائكة وغيرهم ان يؤذوه اذا امكن ايذاؤه ورخصت فيه مصلحته المكتوبة عليه المسماة في الشرع بالهام الملائكة ما رزقه وما اجله وما عمره وشقي وسعيد وفي النجوم باحكام الطالع حتى اذا مات وهدأت عنه هذه المصلحة فرغ له بارئه كما قال سنفرغ لكم ايها الثقلان وجازاه الجزاء الاوفى والله اعلم

❁ ❁ ❁

چھٹا مبحث سیاستِ ملیہ کا بیان

پہلا باب (۵۳): مذہبی رہنماؤں اور مذہب کے قائم کرنے والوں کی ضرورت کا بیان

خدا تعالے فرماتا ہے "بے شک تو ڈرانے والا ہے اور ہر ایک قوم کیلئے کوئی نہ کوئی رہبر ہوا کرتا ہے۔" واضح ہو کہ وہ طریقے جن سے قوتِ بہیمیت، قوتِ ملکی کی مطیع ہو جاتی ہے اور وہ گناہ جو قوتِ ملکی کے بالکل مخالف ہیں اگرچہ عقلِ سلیم ان کو جان سکتی ہے اور ان طریقوں کے فوائد اور ان گناہوں کی مضرتوں کو پہچان سکتی ہے لیکن اکثر لوگ ان سے غافل ہیں کیونکہ ان کی سمجھ پر پردے پڑے ہوئے ہیں اسلئے ان کی وجدانی قوت صفراوی آدمی کی طرح بگڑ جاتی ہے پس مقصود حالت اور اسکی منفعت اور اندیشناک حالت اور اسکی مضرت ان کے خیال میں نہیں آتی اسلئے تمام لوگوں کو ایک ایسے واقف کی ضرورت ہے جو رہنمائی کے قوانین کو خوب جانتا ہو، لوگوں کا انتظام کرے، ان کو اچھی باتوں کا حکم کرے، ان کو ہدایت کرکے آمادہ کرے اور ان قوانین کی مخالفت سے باز رکھے۔ بعض لوگوں کی رائے ایسی فاسد ہوتی ہے کہ وہ طریقہ مطلوب کے خلاف ہی قصد کرتے ہیں اسلئے وہ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں پس قوم کی اصلاح ایسے خیالات کے مٹائے بغیر نہیں ہوتی۔ اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ انکی رائے کسی قدر ٹھیک ہوتی ہے، انکو ہدایت کا بہت مختصر سا حصہ حاصل ہوتا ہے اسلئے چند امور انکی یاد میں رہتے ہیں اور بہت سے امور ان کی نظر سے چوک جاتے ہیں یا انکو خیال ہوتا ہے کہ وہ فی نفسہٖ بڑے کامل ہیں، انکو کسی مکمل کی حاجت نہیں ہے اسلئے انکی اصلاح کیواسطے ایسے شخص کی ضرورت پڑتی ہے جو انکو جہل پر مطلع کردے۔ الغرض لوگوں کو ایسے کامل اور عالم کی ضرورت ہے جو غلطیوں سے محفوظ ہو اور جبکہ شہر باوجودیکہ اس کے اکثر باشندے عقلِ معاش رکھتے ہیں جو تمدن کی اصلاحات اور انتظامات مستقل طور پر معلوم کرسکتے ہیں ایک ایسے شخص کا ضرورت مند ہے جو تمدن کی مصلحتوں سے بخوبی واقف ہو۔ لوگوں کی سیاست شائستگی سے کرسکتا ہو۔ تو پھر جب ایسا فرقہ ہو جس میں مختلف استعدادیں ہوں؟

المبحث السادس

مبحث السياسات الملية

باب الحاجة الى هداة السبل ومقيمي الملل

قال الله تعالى انما انت منذر ولكل قوم هاد واعلم ان السنن الكاسبة لانقياد البهيمية للملكية والآثام المباينة لها وان كان العقل السليم يدل عليها ويدرك فوائد هذه ومضار تلك لكن الناس في غفلة منها لانه تغلب عليهم الحجب فيفسد وجدانهم كمثل الصفراوى فلا يتصورون الحالة المقصودة ولا نفعها ولا الحالة المخوفة ولا ضررها فيحتاجون الى عالم بالسنة الراشدة يسوسهم ويامر بها ويحض عليها وينكر على مخالفتها، ومنهم ذو راى فاسد لا يقصد بالذات الا اضداد الطريقة المطلوبة فيضل ويضل فلا يستقيم امر القوم الا بكبته واخماله، ومنهم ذو راى راشد فى الجملة لا يدرك الا حصة ناقصة من الاهتداء فيحفظ شيئا ويغيب عنه اشياء او يظن فى نفسه انه الكامل الذى لا يحتاج الى مكمل فيحتاج الى من ينبه على جهله، وبالجملة فالناس يحتاجون لا محالة الى عالم حق العلم تؤمن فلتاته، ولما كانت المدينة مع استبداد العقل المعاشى الذى يوجد عند كثير من الناس بادراك النظام المصلح لها تضطر الى رجل عارف بالمصلحة على وجهها يقوم بسياستها فما ظنك بامة عظيمة من الامم تجمع استعدادات

اور ایسے طریقے کے بارہ میں ہو کہ اسکو دلی شہادت سے وہی لوگ قبول کر سکیں جو نہایت زیرک ہوں، ان کی فطرت علائق سے صاف ہو، کامل تجربہ انکو حاصل ہو، اس طریقہ کی رہبری صرف انہی کو ہو سکتی ہو جو انسانی طبقہ میں اعلیٰ درجہ کے ہوتے ہیں، حالانکہ ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں۔ تو ایسی حالت میں کیوں کر کامل کی حاجت نہ ہوگی۔ اور اسیطرح جبکہ آہنگری اور نجاری وغیرہ پیشے عام لوگوں کو بغیر سلف کے طریقوں کی پیروی کے اور بغیر اساتذہ کی رہبری کے حاصل نہیں ہو سکتے تو آپ ان عمدہ مطالب کے متعلق کیا گمان کر سکتے ہیں جنکو سوائے اہل توفیق کے اور کوئی نہیں سمجھ سکتا اور جنکی طرف سوائے مخلصین کے اور کوئی رغبت نہیں کرتا ❖

پھر ایسے عالم کے لئے ضروری ہے کہ برملا لوگوں کے سامنے یہ ثابت کر دے کہ وہ راہ راست کا عالم ہے، اپنے اقوال میں خطا اور گمراہی سے معصوم اور محفوظ ہے اور وہ اس سے بھی محفوظ ہے کہ اصلاح کے ایک حصہ کو اختیار کرے اور دوسرے ضروری حصہ کو ترک کر دے، اسکی دو صورتیں ہیں (۱) یہ کہ یہ کسی ایسے شخص سے کلام کو نقل کرے جسپر سلسلہ کلام کا ختم ہوتا ہے کیونکہ لوگ اسکے کمالات اور عصمت پر متفق ہوتے ہیں اور لوگوں میں اسکی روایت محفوظ ہوتی ہے پس وہ انہی کے اعتقاد کے موافق لوگوں سے مؤاخذہ کرتا ہے اور ان ہی کی دلیل پیش کرکے ان کو ساکت کر دیتا ہے (۲) یہ کہ خود یہ وہ شخص ہو جسپر بات ختم ہو جائے اور وہ سب کا متفق علیہ ہو۔ حاصل کلام یہ ہے کہ لوگوں کے واسطے ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جو معصوم ہو اور اسکی عصمت پر سب کا اتفاق ہو یا اس سے روایت محفوظ ہو۔ اب رہا اس بات کا معلوم کرنا کہ اس شخص کو اطاعت کے علوم حاصل ہیں اور ان سے اچھے طریقے پیدا ہوتے ہیں اور یہ شخص ان طریقوں کی بھلائی، برائی کی وجوہات سے واقف ہے، سو یہ بات نہ تو دلیل سے معلوم ہوتی ہے نہ اس عقل سے جو معاش میں تصرف کرتی ہے اور نہ حس سے بلکہ یہ وہ امور ہیں جن کو خاص وجدان ہی جانتا ہے۔ پس جس طرح بھوک، پیاس اور دوا حار یا بارد کی تاثیر بغیر وجدان کے معلوم نہیں ہوتی

مختلفة جدا فی طریقة لایقبلها بشهادة القلوب الا الاذکیاء اهل الفطرة الصافیة او التجربة البالغ ولایهتدی الیها الا الذین هم فی علی درجة من اصناف النفوس وقلیل ما هم وکذلك ایضا لما کانت الحدادة والنجارة وامثالهما لا تتأتی من جمهور الناس الا بسنن ماثورة عن اسلافهم واساتذة یهدونهم الیها ویحضونهم علیها فما ظنك بهذه المطالب الشریفة التی لایهتدی الیها الا الموفقون ولایرغب فیها الا المخلصون ❖

ثم لابد لهذا العالم ان یثبت علی رؤس الاشهاد انه عالم بالسنة الراشدة وانه معصوم فیما یقوله من الخطا والاضلال ومن ان یدرك حصة من الاصلاح ویترك حصة اخری لابد منها وذلك ینحصر فی وجهین، اما ان یکون راویا عن رجل قبله انقطع عنده الکلام لکونهم مجمعین علی اعتقاد کماله وعصمته وکون الروایة محفوظة عندهم فیمکن له ان یؤاخذهم بما اعتقدوه ویحتج علیهم ویفحمهم او یکون هو الذی انقطع عنده الکلام واجمعوا علیه، وبالجملة فلابد للناس من رجل معصوم یقع علیه الاجماع یکون فیهم او تکون الروایة محفوظة عندهم وعلمه بحالة الانقیاد وتولید هذه السنن منها ووجوه منافعها وعلمه الاثام ووجوه مضارها لایمکن ان یحصل بالبرهان ولا بالعقل المتصرف فی المعاش ولا بالحس بل هی امور لایکشف عن حقیقتها الا الوجدان فکما ان الجوع والعطش وتاثیر الدواء

اسیطرح کسی شئ کا روح کے موافق یا مخالف ہونا بغیر ذوق سلیم
کے دریافت نہیں ہوسکتا اور اس شخص کے خطاء سے محفوظ ہونیکی
صورت یہ ہے کہ خدا تعالے اسکی ذات میں علم بدیہی پیدا کرتا ہے
کہ وہ چیزیں جنکا اس نے ادراک کیا ہے بالکل حق اور واقع کے
مطابق ہیں جیسے کہ دیکھنے والے کو دیکھتے ہی معلوم ہوجاتا ہے۔
اسکو کچھ احتمال نہیں ہوتا کہ میری بینائی میں کچھ فرق ہے ، یا
خلاف واقع چیزوں کو میں دیکھ رہا ہوں۔ اور جیسے زبان کے موضوع
الفاظ کا علم ہوتا ہے مثلاً عربی داں کو اسمیں شک نہیں ہوتا کہ 'ماء' (پانی)
اس عنصر کے لئے موضوع ہے اور 'ارض' (زمین) کا لفظ اس عنصر
کے لئے موضوع ہے حالانکہ اس علم کے لئے نہ کوئی عقلی دلیل ہے
اور نہ اس لفظ اور معنی میں کوئی لزوم عقلی ہے تاہم خدا تعالے ان
امور کا بدیہی علم طبیعتوں میں پیدا کرتا ہے۔ اور اکثر لوگوں میں یہ علم
اسطرح سے پیدا ہوتا ہے کہ ان کے نفوس میں ایک ملکہ جبلیہ ہوتا
ہے جس سے ان کو صحیح صحیح طریقہ پر ہمیشہ علم وجدانی حاصل ہوتا
رہتا ہے اور وہ تجربہ سے اپنے وجدان کو صحیح اور سچا پاتے ہیں
اور عام لوگوں کو اس رہبر کے معصوم ہونے کا اس طرح سے
علم ہوتا ہے کہ ان کو بہت سے یقینی یا مشہور دلائل سے خوب
ثابت ہوجاتا ہے کہ یہ شخص جن امور کی طرف ہم کو بلاتا ہے
وہ سب حق ہیں اور اس کی عادت حمیدہ سے جھوٹ بولنا بعید
ہے۔ اور کبھی اس کے معصوم ہونے کا اس طرح علم ہوتا ہے کہ
اس کی ذات میں تقرب کے آثار دیکھتے ہیں' معجزات اس
سے صادر ہوتے ہیں' اس کی دعائیں مقبول ہوتی ہیں جن سے
ان کو یقین ہوجاتا ہے کہ سماوی تدابیر میں اس کا بڑا مرتبہ ہے
اور اسکا نفس ان نفوس قدسیہ میں سے ہے جو ملائکہ سے ملحق ہیں۔
ایسے شخص سے کبھی یہ نہیں ہوسکتا کہ خدا کی طرف جھوٹی بات
منسوب کرے اور کسی گناہ کو عمل میں لائے۔ اس کے بعد
اس شخص سے ایسے ایسے امور ظاہر ہوتے ہیں جن سے وہ لوگ
باہم مجتمع ہوکر اس شخص کو اپنے مال سے' اولاد سے اور سرد پانی سے
جس کو پیاس کے وقت دوست رکھتے ہیں' زیادہ محبوب رکھتے ہیں۔

المسخن او المبرد لا یدرك الا بالوجدان فكذلك
معرفة ملاءمة الشئ للروح ومباينته
لها لا طريق اليها الا الذوق السليم وكونه
ماموناً عن الخطاء فى نفسه انما يكون بخلق
الله علما ضروريا فيه بان جميع ما ادرك
وعلم حق مطابق للواقع بمنزلة ما يقع
للمبصر عند الابصار فانه اذا ابصر شيئا
لا يحتمل عنده ان تكون عينه مؤفة وان
يكون الابصار على خلاف الواقع وبمنزلة
العلم بالموضوعات اللغوية فان العربى مثلا
لا يشك ان الماء موضوع لهذا العنصر ولفظ
الارض لذلك مع انه لم يقم له على ذلك
برهان وليس بينهما ملازمة عقلية ومع
ذلك فانه يخلق فيه علم ضرورى وانما
يحصل ذلك فى الاكثر بان يكون لنفسه ملكة
جبلية يكون بها تلقى العلم الوجدانى على سنن
الصواب دائما وان يتتابع الوجدان ويتكرر
تجربة صدق وجدانه وعند الناس انما
يكون بان يصح عندهم بادلة كثيرة برهانية
اوخطابية ان ما يدعو اليه حق وان سيرته
صالحة يبعد منها الكذب وان يروا منه
آثار القرب كالمعجزات واستجابة الدعوات
حتى لا يشكوا ان له فى التدبير العالى منزلة
عظيمة وان نفسه من النفوس القدسية
اللاحقة بالملائكة وان مثله حقيق بان
لا يكذب على الله ولا يباشر معصية، ثم
بعد ذلك تحدث امور تؤلفهم تاليفا عظيما
وتصيره عندهم احب من اموالهم و
اولادهم والماء الزلال عند العطشان

بغیر ایسے شخص کے کسی فرقہ اور قوم میں حالت مقصودہ کا رنگ نہیں چڑھ سکتا ہے اسی وجہ سے لوگ اس قسم کی عبادت میں مصروف رہا کرتے ہیں اور اپنے تمام امور کی ایسے شخص کی طرف نسبت کرتے ہیں جس میں ایسے امور کے ہونے کا ان کو اعتقاد ہوا کرتا ہے خواہ اس اعتقاد میں وہ صحیح ہوں یا غلط۔ واللہ اعلم

دوسرا باب (۵۴): نبوت کی حقیقت اور اسکے خواص کا بیان

واضح ہو کہ انسانی طبقوں میں سب سے اعلیٰ درجہ کے لوگ اہلِ فہم ہیں یہ لوگ اہلِ اصطلاح ہوتے ہیں ان کی ملکی قوت نہایت بلند ہوتی ہے یہ لوگ حقانی خواہش سے انتظام مقصود کے قائم کرنے پر آمادہ ہونیکی صلاحیت رکھتے ہیں اور ملاءِ اعلیٰ سے ان پر علوم اور احوال الٰہیہ نازل ہوتے ہیں۔ مفہم کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کے مزاجِ خلقت اور خلق میں اعتدال اور تناسب ہو نہ اس میں جزئی رایوں کے اعتبار سے بیتابی ہو اور نہ ایسے پرلے درجہ کی ذکاوت ہو کہ کلی سے جزئی کو اور روح سے صورت کو معلوم نہ سکے اور نہ ایسا غبی ہو کہ جزئی سے کل کی طرف اور صورت سے روح کی جانب منتقل نہ ہو سکے۔ اور سب لوگوں میں راہ راست کا زیادہ التزام رکھنے والا ہو، عبادت میں ہمیشہ مصروف ہو، لوگوں کے ساتھ معاملات میں انصاف کو پسند کرتا ہو، تدابیر کلی کو ہمیشہ پسند کرتا ہو منفعتِ عام میں راغب رہتا ہو، کسی شخص کو ایذا نہ دیتا ہو، ہاں، اگر تکلیف اور ایذا اپر عام نفع موقوف ہو یا نفعِ عام کو ایذا لازم ہو تو البتہ اس سے ایذا پہنچ سکتی ہے عالم غیب کیجانب ہمیشہ اسکا میلان رہتا ہو، اس میلان کا اثر اس کی بات میں، چہرہ میں اور ہر کام میں محسوس ہوتا ہو، اسکے ہر پہلو سے معلوم ہوتا ہو کہ عالم غیب سے اسکو تائید پہنچتی ہے، ادنیٰ ریاضت سے اسکو ایسا قرب اور تسکین حاصل ہو جو دوسروں کو بڑی ریاضت اور عبادت سے حاصل نہ ہو۔ مفہمین کی چند قسمیں ہیں اور ان کی استعدادیں مختلف ہیں۔ پس جسکی اکثر یہ حالت ہو کہ خدا کیجانب

فهذا كله لا يتحقق انصباغ امة من الامم بالحالة المقصودة بدونه ولذلك لم يزل المشغولون بنظائر هذه العبادات يسندون امرهم الى من يعتقدون فيه هذه الامور اصابوا ام اخطأوا والله اعلم۔

باب حقيقة النبوة وخواصها

اعلم ان اعلى طبقات الناس المفهمون وهم ناس اهل اصطلاح ملكيتهم فى غاية العلو يمكن لهم ان ينبعثوا الى اقامة نظام مطلوب بداعية حقانية ويترشح عليهم من الملأ الاعلى علوم واحوال لهية ومن سيرة المفهم ان يكون معتدل المزاج سوى الخلق والخلق ليس فيه خبابة مفرطة بحسب الأراء الجزئية ولا ذكاء مفرط لا يجذبه من الكلى الى الجزئى ومن الروح الى الشبح سبيلا ولا غباوة مفرطة لا يتخلص بها من الجزئى الى الكلى ومن الشبح الى الروح ويكون الزم الناس بالسنة الراشدة ذا سمت حسن فى عباداته ذا عدالة فى معاملته مع الناس محبا للتدبير الكلى راغبا فى النفع العام لا يؤذى احدا الا بالعرض بان يتوقف النفع العام عليه او يلازمه لا يزال مائلا الى عالم الغيب يحس اثر ميله فى كلامه ووجهه وشانه كله يرى انه مؤيد من الغيب ينفتح له بادنى رياضة ما لا ينفتح لغيره من القرب والسكينة۔ والمفهمون على اصناف كثيرة واستعدادات مختلفة فمن كان اكثر حاله ان يتلقى من الحق علوم تهذيب

جن سے عبادتوں کے ذریعہ سے نفس میں تہذیب پیدا ہوتی ہے اسکو
کامل کہتے ہیں - اور جسکا اکثر حال یہ ہو کہ اخلاق حمیدہ اور تدبیر منزل وغیرہ
چیزوں کے علوم حاصل کرتا ہو تو وہ حکیم ہے - اور جسکے اکثر احوال یہ
ہوں کہ وہ سیاستِ کلیہ کو حاصل کرے پھر اسکو لوگوں میں عدل کرنے
اور ظلم کے مٹانے کی توفیق ہو تو وہ خلیفہ ہے اور جسکو ملاء اعلیٰ کی جنود یا
ہو، یہ فرشتے اسکو تعلیم دیں، اس سے خطاب کریں اور اسکو آنکھوں
سے نظر آئیں اور مختلف قسم کی کرامتیں اس سے ظاہر ہوں اس کا
نام مؤید بروح القدس ہے - اور جس کی زبان اور دل پُر نور ہوں،
جس کی صحبت اور نصیحت سے لوگ نفع حاصل کریں اور پھر وہی تسلی،
اور نور اس کے خاص صحابہ اور حواریئین میں منتقل ہو، وہ اسکے ذریعہ
سے کمال درجات تک پہنچ جائیں، اسکو ان کی ہدایت اور رہبری
کی نہایت ہی حرص ہو تو اسکو ہادی مزکّی کہتے ہیں - اور جس کا بڑا حصہ
علمی مذہب کے قواعد اور مصالح ہوں، وہ اسکا زیادہ مشتاق ہو کہ ان
علوم کو قائم کرے جو محو ہو گئے ہیں تو اسکو امام کہتے ہیں - اور جسکے دل میں
القا کیا گیا ہو کہ لوگوں کو ان مصائب کا حال بتادے جو دنیا میں ان کے
لئے مقدر ہیں، یا کسی قوم کے ملعون ہونے کو معلوم کر کے ان کو اسکی
اطلاع دے، یا بعض اوقات تجرید نفس کی حالت میں ان واقعات
کو اس نے معلوم کیا جو قبر اور حشر میں لوگوں کو پیش آنے والے ہیں
اور یہ اس قسم کے حالات لوگوں کو بتائے تو اس کو منذر کہتے ہیں
جب حکمت الٰہی کا اقتضاء ہوتا ہے کہ کسی مفہم کو لوگوں کی طرف بھیجے
تو خدا تعالٰے اس شخص کے باعث سے لوگوں کو ظلمتوں سے نور
کیطرف نکالتا ہے - بندوں پر خدا کا فرض ہوتا ہے کہ اپنی زبانوں
اور دلوں سے اس کے آگے سر بہ تسلیم ہوں، ملاء اعلےٰ کو اسکی
تاکید ہوتی ہے کہ اس کے فرماں برداروں سے خوشنود ہو کر
ان کے شریک رہیں اور جو اس کی مخالفت کرے اور عداوت سے
پیش آئے اسپر لعنت کریں اور اس سے علیحدگی کریں، خدا لوگوں
کو اسکی اطلاع کرتا ہے، ان پر اسکی اطاعت واجب کرتا ہے، ایسا
شخص نبی ہوتا ہے - اور سب میں معظم الشان وہ نبی ہے جسکے لئے
بعثت کی کوئی اور نوع بھی ہو اور وہ یہ کہ خدا کو یہ منظور ہو کہ

النفس بالعبادات فهو الكامل، ومن كان
اكثر حاله تلقي الاخلاق الفاضلة وعلوم
تدبير المنزل ونحو ذلك فهو الحكيم، و
من كان اكثر حاله تلقي السياسات الكلية
ثم وفق لاقامة العدل في الناس وذب
الجور عنهم يسمى خليفة، ومن المت به
الملأ الاعلى فعلمته وخاطبته وتراءت له
وظهرت انواع من كراماته يسمى بالمؤيد
بروح القدس، ومن جعل منهم في لسانه
وقلبه نور فنفع الناس بصحبته وموعظته
وانتقل منه الى حواريين من اصحابه سكينة
ونور فبلغوا بواسطته مبالغ الكمال وكان
حثيثا على هدايتهم يسمى هاديا مزكيا، ومن
كان اكثر علمه معرفة قواعد الملة ومصالحها
وكان حثيثا على اقامة المندرس منها يسمى
اماما، ومن نفث في قلبه ان يخبرهم بالداهية
المقدرة عليهم في الدنيا او تفطن بلعن الحق
قوما فاخبرهم بذلك اوجرد بنفسه في بعض
اوقاته فعرف ما سيكون في القبر والحشر
فاخبرهم بتلك الاخبار يسمى منذرا، واذا
اقتضت الحكمة الالهية ان يبعث الى الخلق
واحدا من المفهمين فيجعله سببا لخروج
الناس من الظلمات الى النور وفرض الله
على عباده ان يسلموا وجوههم وقلوبهم
له وتأكد في الملأ الاعلى الرضا عمن انقاد له
وانضم اليه واللعن على من خالفه وناواه
فاخبر الناس بذلك والزمهم طاعته فهو النبي
واعظم الانبياء شانا من له نوع اخر من
البعثة ايضا وذلك ان يكون مراد الله تعالى

اسکو لوگوں کے لئے ظلمات سے نکل کر نور میں آنے کا سبب بنائے اور
اسکی قوم عام لوگوں کے لئے رہبر بنے اسطرح پر اس نبی کی بعثت میں
ایک دوسرے قسم کی بعثت ہوا کرتی ہے۔ پہلی بعثت کیطرف اس
آیت میں اشارہ ہے " خدا ہی نے اَن پڑھوں میں انہیں میں سے ایک نبی
بھیجا" اور دوسری کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے " تم بہترین
امت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے" اور آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا ہے " تم لوگوں میں آسانی کے لئے بھیجے گئے ہو نہ کہ دشواری
کے لئے" اور ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم میں مفہمین کے جمیع فنون
پائے جاتے تھے اور آپ کے لئے دونوں بعثتیں حاصل تھیں اور گزشتہ
انبیاء میں کسی کو ایک فن کسی کو دو فن حاصل تھے۔

واضح ہو کہ حکمت الٰہیہ انبیاء کی بعثت کی اسلئے مقتضی ہوتی ہے کہ
لوگوں کی اضافی اور قابل اعتبار بہتری تدابیر بعثت میں ہی منحصر ہوتی
ہے اور اس بہتری کی اصلی حقیقت کا علم سوائے علام الغیوب کے اور
کوئی نہیں جانتا۔ لیکن ہم اس قدر جانتے ہیں کہ چند ایسے ایسے اسباب
ہیں جو بعثت کے لئے ضروری ہیں اور ان سے بعثت جدا نہیں ہو سکتی
اور یہ بھی جانتے ہیں کہ طاعت جب ہی فرض ہوتی ہے جب خدا تعالےٰ
کسی قوم کی اصلاح اور بہبودی اس بات میں پائے کہ یہ لوگ خدا
کی عبادت کریں۔ اور ان لوگوں کے نفوس اس قابل نہیں ہوتے کہ
وہ خود علوم الٰہی کو اخذ کریں۔ اور انکے حال کی درستی اسمیں ہوتی ہے
کہ وہ نبی کی اطاعت کریں اسلئے خدا خطیرۃ القدس میں مقرر فرماتا ہے
کہ نبی کی اطاعت واجب ہے۔ وہاں اس امر کا فیصلہ ہو جاتا ہے کہ
ایک قوم کی ترقی اور دوسری قوم کے تنزل کا وقت آگیا ہے۔ پس،
اسوقت خدا تعالےٰ اس با اقبال قوم میں نبی پیدا کرتا ہے تاکہ انکے
دین کی اصلاح فرمائے جیسا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا
یا یہ کہ خدا کو منظور ہوتا ہے کہ کسی قوم کو باقی رکھے اور دوسروں پر اسکو
فضیلت عطا کرے اسلئے ایسے شخص کو مبعوث کرتا ہے جو انکی کجی کو
درست کر دے اور ان کو کتاب الٰہی کی تعلیم دے جیسے سیدنا حضرت
موسیٰ علیہ السلام کی بعثت۔ یا جس قوم کی دولت اور دین
کا استمرار مقدر ہوتا ہے اسکے انتظام کیواسطے کسی نبی مجدد کو بھیجتا ہے

فيه ان يكون سبباً لخروج الناس من الظلمات
الى النور وان يكون قومه خير امة اخرجت
للناس فيكون بعثه يتناول بعثاً اخر ٭

والى الاول وقعت الاشارة فى قوله تعالى
هو الذى بعث فى الاميين رسولاً منهم الأية
والى الثانى فى قوله تعالى كنتم خير امة اخرجت
للناس وقوله صلے الله عليه وسلم فانما بعثتم
ميسرين ولم تبعثوا معسرين - ونبينا صلے الله
عليه وسلم استوعب جميع فنون المفهمين
واستوجب اتم البعثين وكان من الانبياء
قبله من يدرك فنا او فنين ونحو ذلك - واعلم ان
اقتضاء الحكمة الالهية لبعث الرسل لا يكون الا
لانحصار الخير النسبى المعتبر فى التدبير فى البعث
ولا يعلم حقيقة ذلك الا علام الغيوب الا انا
نعلم قطعا ان هنالك اسبابا لا يتخلف عنها
البعث البتة وافتراض الطاعة انما يكون بان
يعلم الله تعالى صلاح امة من الامم ان يطيعوا
الله ويعبدوه ويكونوا بحيث لا تستوجب
نفوسهم التلقى من الله ويكون صلاح امرهم
محصورا يومئذ فى اتباع النبى فيقضى الله فى
حظيرة القدس بوجوب اتباعه ويتقرر هنالك
الامر وذلك اما بان يكون الوقت وقت ابتداء
ظهور دولة وكبت الدول بها فيبعث الله تعالى
من يقيم دين اصحاب تلك الدولة كبعث سيدنا
محمد صلے الله عليه وسلم او يقدر الله تعالى
بقاء قوم واصطفاءهم على البشر فيبعث من
يقوم عوجهم ويعلمهم الكتاب كبعث سيدنا
موسى عليه السلام او يكون نظم ما قضى لقوم
من استمرار دولة او دين يقتضى بعث مجدد

جیسے داؤد اور سلیمان اور انبیاء بنی اسرائیل علیہم السلام کی ایک
جماعت کی یہی حالت تھی ۔ اور خدا تعالٰے نے یہ بات مقرر کر دی
تھی کہ ہم ان انبیاء کو ان کے اعداء پر غالب کرینگے جیسے کہ خدا تعالیٰ
فرماتا ہے " اپنے پیغمبر بندوں کے لئے ہمارا قول پہلے ہی طے ہو چکا
تھا کہ وہ ہمیشہ فتحمند رہیں گے اور ہمارا لشکر ہی غالب ہو کر رہیگا" ان
انبیاء کے علاوہ ایسے لوگ بھی ہوا کرتے ہیں جو اتمام حجت کیلئے پیدا کئے جاتے ہیں
واللہ اعلم ؛

اور جب کسی قوم کیطرف نبی بھیجا جائے تو ان پر اسکی پیروی واجب
ہو جاتی ہے خواہ وہ راہ راست پر ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ ایسے بلند مرتبہ
شخص کی مخالفت کرنے سے ملاء اعلیٰ کی لعنت پیدا ہوتی ہے اور مخالفہ
کی ذلت پر اجماع ہو جاتا ہے جس سے تقرب الی اللہ کا راستہ انپر
بند ہو جاتا ہے اور ان کی سعی کچھ کام نہیں آتی' ان کے مرنے کے بعد
چاروں طرف سے ان کے دلوں کو لعنت گھیر لیگی ۔ علاوہ اسکے یہ ایک
فرضی صورت ہے واقع میں نہیں[ملہ] ۔ تمکو یہود کی حالت سے عبرت حاصل
کرنی چاہیئے انہوں نے دین میں کیسی کیسی زیادتیاں اور کتاب الٰہی میں
کیسی تحریف کی تھی اسلئے سب لوگوں سے زیادہ انکے لئے پیغمبر کی بعثت کی
ضرورت تھی ۔ اور انبیاء کی بعثت سے بندوں پر حجت الٰہی اسطرح قائم ہے
کہ اکثر لوگونکی پیدائش اس قابل نہیں ہوتی کہ وہ بغیر کسی کے بتلائے مفید اور مضر
امور کو حاصل کر سکیں بلکہ یا تو انکی استعداد ضعیف ہوتی ہے جو انبیاء کے خبر
دینے اور بتلانے سے قوی ہو جاتی ہے ۔ یا ایسے موانع اور مفاسد ہوتے ہیں جو بغیر
جبر اور ویل کے دفع نہیں ہو سکتے اور انکی حالت یہ ہوتی ہے کہ دنیا اور
آخرت میں انکو عذاب دیا جائے تب بعض اسباب علوی اور سفلی کے جمع ہونیکے
بعد لطف خداوندی کا اقتضاء ہوتا ہے کہ کسی قوم میں سے نہایت ازکی شخص پر
وحی کرے کہ لوگونکو حق کیجانب رہنمائی کرے اور راہ راست کیجانب انکو بلائے
پس نبی کا حال رہبری کے بارہ میں ایسا ہے جیسے کسی سردار کے کئی غلام بیمار
ہو جائیں اور وہ کسی اپنے خاص رازداں کو انکے لئے دوا پلانے پر متعین فرمائے کہ یہ کہنا
مانتے ہیں یا نہیں پس اگر وہ انکو زبردستی پلائیگا تب بھی حق پر ہوگا لیکن اسکے
لطف کامل نے تو یہ کیا کہ اولاً ان کو بتلایا کہ تم بیمار ہو اور یہ دوا تمہارے لئے
نافع ہے اور اپنے اقوال میں سچا ہونے کیلئے اس نے امور خارق عادت دکھلائے

[ملہ] [illegible] ۱۱۳ ؁

كداؤد وسليمان وجمع من انبياء بني اسرائيل
عليهم السلام وهؤلاء الانبياء قد قضى الله
بنصرتهم على اعدائهم كما قال ولقد سبقت
كلمتنا لعبادنا المرسلين انهم لهم المنصورون
وان جندنا لهم الغالبون" ووراء هؤلاء قوم
يبعثون لاتمام الحجة والله اعلم ؛

واذا بعث النبي وجب على المبعوث اليهم
ان يتبعوه وان كانوا على سنة راشدة لان
مناواة هذا المنوه شأنه يورث لعنا من الملا
الاعلى واجماعا على خذلانه فينسد سبيل
تقربهم من الله ولا يفيد كدهم شيئا واذا
ماتوا احاطت اللعنة بنفوسهم على ان هذا صورة
مفروضة غير واقعة ولك عبرة باليهود كانوا
احوج خلق الله الى بعث الرسل لغلوهم في
دينهم وتحريفاتهم في كتابهم وثبوت حجة الله
على عباده ببعثه الرسل انما هو بان اكثر
الناس خلقوا بحيث لايمكن لهم تلقي ما لهم
وما عليهم بلا واسطة بل استعدادهم اما
ضعيف يتقوى باخبار الرسل او هنالك مفاسد
لاتندفع الا بالقسر على رغم انفهم وكانوا بحيث
يؤاخذون في الدنيا والآخرة فاوجب لطف
الله عند اجتماع بعض الاسباب العلوية و
السفلية ان يوحي الى ازكى القوم ان يهديهم
الى الحق ويدعوهم الى الصراط المستقيم فمثله
في ذلك كمثل سيد مرض عبيده فامر بعض
خواصه ان يكلفهم شرب دواء اشاؤا ام ابوا
فلو انهم اكرههم على ذلك كان حقا ولكن تمام
اللطف يقتضي ان يعلمهم اولا انهم مرضى وان
الدواء نافع وان يعمل امورا خارقة تطمئن

تاکہ ان کے دل مطمئن ہوجائیں۔ اور نیز اسکو مناسب ہے کہ اس دوا میں کوئی شیریں چیز بھی ملادے، پس اسوقت وہ اسکے احکام کی بجاآوری اپنی بصیرت اور رغبت سے کرینگے اسیوجہ سے معجزات اور قبولیتِ دعا، وغیرہ امور اصل نبوت سے خارج ہیں۔ ہاں، اکثر حالتوں میں لازم ضرور ہوا کرتے ہیں اور بڑے بڑے معجزات کا ظہور اکثر تین اسباب سے ہوا کرتا ہے (۱) اس نبی کا مفہمین میں سے ہونا، اسوجہ سے بعض حوادث اسپر منکشف ہوجاتے ہیں اور یہ ظہور دعاؤں کی قبولیت، اور ان امور میں موجب برکات ہوجاتا ہے جسکے لئے برکت کی دعا کیجاتی ہے اور برکت کے ہونیکی بھی مختلف صورتیں ہوتی ہیں، کبھی کسی شئی کا نفع زیادہ ہوجاتا ہے مثلاً اعداء کے دلوں میں نبی کی طرف سے یہ خیال جمادیا جائے کہ اس کا لشکر بہت ہے، اس لئے وہ بزدل ہوجاتے ہیں۔ یا طبیعت غذاء کو خلط صالح بنادیتی ہے تب ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے دو چند کھانا کھایا ہے۔ اور کبھی خود اصل شئی ہی بڑھ جاتی ہے، اور اسکی وجہ یہ ہوتی ہے کہ مادہ ہوائی قوت مثالی کے حلول کرنے کی وجہ سے اس صورت میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ ان اسباب کے علاوہ اور بھی اسباب ظہور برکات کے ہوتے ہیں جنکا شمار کرنا دشوار ہے — دوسرا سبب ظہور معجزات کا یہ ہوتا ہے کہ ملاء اعلے متفق ہوکر نبی کے احکام جاری کرنا چاہیں، اسوجہ سے الہامات، انتقالات اور تقریبات پیش آتے ہیں جو پہلے سے نہ ہوتے تھے پس نبی کے احباب فتحمند اور اعداء خوار وخراب ہوتے ہیں۔ اور حکم الہٰی کا ظہور ہوتا ہے اگرچہ کفار کو ناگوار معلوم ہو۔ تیسرا سبب معجزات کا یہ ہوتا ہے کہ اسباب خارجی کیوجہ سے بہت سے حوادث پیدا ہوجائیں جیسے نافرمانوں کو سزا دیجائے اور جو میں بڑے بڑے امور کا احداث ہو، پس ان امور کو خدا تعالےٰ کسی نہ کسی وجہ سے معجزہ بنادیتا ہے یا تو نبی پہلے سے انپر لوگوں کو مطلع کردیتا ہے یا اسکی نافرمانی پر لوگوں کو سزا مل جاتی ہے یا جو طریقہ سزا کا نبی نے بتادیا تھا، وہ حوادث اسی کے موافق ہوتے ہیں، یا اسی قسم کے اور امور ہوا کرتے ہیں۔ انبیاء کے معصوم ہونیکے بھی تین اسباب ہیں (۱) یہ کہ خدا تعالیٰ انسان کو شہوات رذیلہ سے پاک اور آزاد پیدا کرے، بالخصوص ان امور میں جو محافظتِ حدود اور شریعت سے متعلق ہیں (۲) یہ کہ وحی کے ذریعہ نیکی کی بھلائی اور گناہ کی برائی اور اسکا انجام اسکو معلوم ہوجائے (۳) یہ کہ اسکے اور شہوات رذیلہ کے درمیان خود خدا تعالیٰ حائل ہوجائے۔

نفوسهم بها على انه صادق فيما قال وان يشوب الدواء بحلو فحينئذ يفعلون ما يؤمرون به على بصيرة منه وبرغبة فيه فليست المعجزات ولا استجابة الدعوات ونحو ذلك الا امورا خارجة عن اصل النبوة لازمة لها في الاكثر وظهور معظم المعجزات يكون من اسباب ثلاثة، احدها كونه من المفهمين فان ذلك يوجب انكشاف بعض الحوادث عليه ويكون سببا لاستجابة الدعوات وظهور البركات فيما يبرك عليه *

والبركة اما زيادة نفع الشئ بان يُخيّل اليهم مثلا ان الجيش كثير فيفشلوا او بصرف الطبيعة الغذاء الى خلط صالح فيكون كمن تناول اضعاف ذلك الغذاء او زيادة عين الشئ بان تنقلب المادة الهوائية بتلك الصورة لحلول قوة مثالية ونحو ذلك من الاسباب التي يعسر احصاؤها، والثاني ان تكون الملا الاعلى مجمعة الى تمشية امره فيوجب ذلك الهامات واحالات وتقريبات لم تكن تعهد من قبل فينصر الاحباء ويخذل الاعداء ويظهر امر الله ولو كره الكافرون والثالث ان تحدث حوادث لاسبابها الخارجية من مجازاة العصاة وحدوث الامور العظام في الجو فيجعلها الله تعالى معجزة له بوجه من الوجوه اما لتقدم اخباره بها او ترتب المجازاة على مخالفة امره او كونها موافقة بما اخبر من سنة المجازاة او امر مما يشبه ذلك والعصمة لها اسباب ثلاثة، ان يخلق الانسان نقيا عن الشهوات الرذيلة سيما لاسيما فيما يرجع الى محافظة الحدود الشرعية وان يوحى اليه حسن الحسن وقبح القبيح ومآلهما وان يحول الله بينه وبين ما يريد من الشهوات

واضح ہو کہ انبیاء علیہم السلام کی سیرت میں سے یہ ہے کہ وہ خدا کی ذات
اور صفات میں غور اور فکر کرنیکا حکم نہ کریں کیونکہ عام لوگ اسکی طاقت نہیں
رکھتے۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "خدا کی ذات میں
غور نہ کرو بلکہ اسکی مخلوق میں غور کرو"۔ اور اس آیت کی تفسیر میں " تیرے رب
کی طرف نہایت ہے" فرمایا کہ خدا کی ذات میں کچھ غور نہ کرنا چاہئے۔ انبیاء
ہمیشہ خدا تعالٰی کے نعائم او عجائب قدرت میں فکر کرنیکا حکم دیتے ہیں۔ نیز
انبیاء علیہم السلام کی سیرت میں سے یہ بھی ہے کہ لوگوں سے ان کی عقلوں کے
موافق اور ان کے علوم کے مناسب جو ان کے اندر پیدائشی طور پر پائے جاتے
ہیں، کلام کیا کریں اور اسکی وجہ یہ ہے کہ نوع انسان کیلئے خواہ وہ کہیں ہو،
ادراک کی ایک حد معین ہے جسکا مرتبہ تمام حیوانی ادراک سے زیادہ ہے
مگر جسکا مادہ اس قسم کے انسانی ادراک کے قابل نہ ہو تو وہ حیوانات سے زائد
نہیں۔ اور اس نوع انسان کے لئے اس ادراک کے علاوہ اور زائد علوم
اور ادراک بھی ہیں جو انہیں عادت مستمرہ کے خلاف حاصل ہوتے ہیں،
جیسا کہ انبیاء اور اولیاء کے قدسی نفوس کو حاصل ہوتے ہیں یا ان ریاضات
شاقہ سے حاصل ہوتے ہیں جو نفس میں ان علوم کی صلاحیت بخشتے ہیں،
جیسا کہ حساب سے یا ایک مدت تک قواعد حکمت اور کلام اور اصول و
فقہ وغیرہا کی ممارست کرنے سے۔ پس انبیاء علیہم السلام لوگوں سے
اس سادہ ادراک کے موافق کلام کرتے ہیں جو بلحاظ اصلی پیدائش کے
لوگوں کی طبائع میں موجود ہوتا ہے اور ان امور کیطرف التفات نہیں
کرتے جنکے علوم کے اسباب نادر ہیں اور ان کے موجود ہونیکا کمتر اتفاق
ہوتا ہے پس اسی لئے انبیاء نے لوگوں سے یہ نہیں فرمایا کہ تم اپنے رب کو
تجلیات اور مشاہدات سے پہچانو اور نہ یہ فرمایا کہ براہین اور قیاسات
سے جانو اور نہ یہ فرمایا کہ اسکو جمیع جہات سے منزہ سمجھو، کیونکہ اسطرح پر
معلوم کرنا ان لوگوں کیلئے محال سا ہے جنہوں نے ایک مدت تک ریاضیات
کا شغل نہیں رکھا اور نہ ایک مدت دراز تک معقولیوں کے ساتھ صحبت رکھی
جو ان کو استنباط اور استدلال کے طریقے بتلاتے اور استحسانات کے
طریقے اور ان مقدمات کے ذریعہ سے جن کے ماخذ بہر دقت ہیں،
اشباہ اور نظائر میں فرق کرنا سکھاتے ہیں یا اور دیگر وہ امور سکھاتے
جن کی وجہ سے اصحاب الرائے اہل حدیث پر فخر کیا کرتے ہیں۔

الرذيلة واعلم ان من سيرة الانبياء عليهم السلام
ان لا يامروا بالتفكر في ذات الله تعالى وصفاته فان
ذلك لا يستطيعه جمهور الناس وهو قوله صلى
الله عليه وسلم تفكروا في خلق الله ولا تفكروا
في الله وقوله في اية وان الى ربك المنتهى قال
لا فكرة في الرب وانما يامرون بالتفكر في نعم
الله تعالى وعظيم قدرته، ومن سيرتهم ان
لا يكلموا الناس الا على قدر عقولهم التي خلقوا
عليها وعلومهم التي هي حاصلة عندهم باصل
الخلقة وذلك لان نوع الانسان حيثما وجد فله
في اصل الخلقة حد من الادراك زائد على ادراك
سائر الحيوانات الا اذا عصت المادة جدا وله
علوم لا يخرج اليها الا بخرق العادة المستمرة
كالنفوس القدسية من الانبياء والاولياء او
برياضات شاقة تهيئ نفسه لادراك ما لم يكن
عنده بحساب او بممارسة قواعد الحكمة والكلام
واصول الفقه ونحوها مدة طويلة فالانبياء لم
يخاطبوا الناس الا على منهاج ادراكهم الساذج
المودع فيهم باصل الخلقة ولم يلتفتوا الى ما
يكون نادر الاسباب قلما يتفق وجودها فلذلك
لم يكلفوا الناس ان يعرفوا ربهم بالتجليات و
المشاهدات ولا بالبراهين والقياسات ولا ان
يعرفوه منزها عن جميع الجهات فان ذلك كالممتنع
بالاضافة الى من لا يشتغل بالرياضات ولم يخالط
المعقوليين مدة طويلة ولم يرشدوهم الى
طرق الاستنباط والاستدلالات ووجوه استحسانات
والفرق بين الاشباه والنظائر بمقدمات دقيقة
الماخذ وسائر ما يتطاول به اصحاب الرأي على
اهل الحديث، ومن سيرتهم ان لا يشتغلوا بما

اور نیز انبیاء کی سیرت میں یہ امر بھی داخل ہے کہ وہ ان امور کیجانب توجہ نہیں رکھتے جو تہذیب نفس اور سیاستِ امت سے تعلق نہ رکھتے ہوں ۔ وہ ان اسباب کو بیان نہیں کرتے جو عالم جو میں پیدا ہوتے ہیں مثلاً بارش کسوف اور ہالہ کے اسباب ۔ نباتات اور حیوان کے عجائب، چاند اور سورج کی چال کا اندازہ، روزمرہ حوادث کے اسباب، انبیاء، سلاطین، اور شہروں وغیرہ کے حالات اور قصے ۔ ہاں، اسمیں کچھ مضائقہ نہیں کہ آسان طریقہ پر چند باتیں جن سے ان کے کان آشنا اور دل خوگر ہوں اس غرض سے بیان کیجائیں کہ انکے سننے سے خوف اور رغبت پیدا ہو ۔ لیکن، ان کو بھی طبعاً اور اجمالاً اسطرح سے بیان کرنا چاہیے جسمیں استعارات اور مجازات کا استعمال کرنا جائز رکھا جائے اور یہی وجہ ہے کہ جب لوگوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے چاند کے کم اور زیادہ ہونیکا سبب پوچھا تو خدا تعالیٰ نے اس سے اعراض فرما کر مہینوں کا فائدہ بیان کر دیا اور فرما دیا "تجھ سے لوگ ہلالوں کا حال دریافت کرتے ہیں، ان سے کہدو لوگوں کا اور حج کا وقت معلوم ہوتا ہے" اکثر لوگوں کو تم دیکھو گے کہ ان فنون رسمی کی الفت سے یا اور وجوہ سے انکا ذوق سلیم خراب ہو گیا ہے اسلئے انھوں نے رسول کے کلام کے بے موقع معنی لگا لئے واللہ اعلم ❖

تیسرا باب (۵۵) : اس بیان میں کہ مذہب کی اصل ایک ہی ہے اسکے طریقے اور راستے مختلف ہیں

خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے "خدا نے دین کا تمکو وہی راستہ بتایا ہے جسکی نوح کو وصیت کی تھی اور جو وحی ہم نے تمپر نازل کی، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو بھی اسی کی وصیت کی تھی، وہ یہی بات تھی کہ دین حق کو ٹھیک رکھنا اور اسمیں تفرقہ نہ ڈالنا" مجاہد اسکی تفسیر میں کہتے ہیں کہ "اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) ہمنے تجھکو اور نوح کو ایک ہی دین کی وصیت کی تھی ۔ اور خدا تعالےٰ فرماتا ہے "تم سب کی امت ایک ہی ہے میں ہی تمہارا رب ہوں، مجھ سے ڈرتے رہو پھر اپنے کام کو انہوں نے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا، اپنی اپنی بات پر ہر ایک فریق خوش ہے" یعنی ملت اسلام تم سب کی ایک ہی ملت ہے، پھر مشرکین، یہود، نصاریٰ اسمیں مختلف ہو گئے اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے "ہمنے تم میں سے ہر ایک کیلئے ایک ایک طریق اور راستہ مقرر کر دیا" ابن عباس کہتے ہیں، اسکے معنی یہ ہیں کہ ہر ایک کیلئے ایک دستور

لا يتعلق بتهذيب النفس وسياسة الامة كبيان اسباب حوادث الجو من المطر والكسوف والهالة وعجائب النبات والحيوان ومقادير سير الشمس والقمر واسباب الحوادث اليومية وقصص الانبياء والملوك والبلدان ونحوها اللهم الا كلمات يسيرة الفها اسماعهم وقبلتها عقولهم يؤتى بها فى التذكير بآلاء الله والتذكير بايام الله على سبيل الاستطراد بكلام اجمالى يسامح فى مثله بايراد الاستعارات والمجازاة ولهذا الاصل لما سألوا النبى صلى الله عليه وسلم عن لمية نقصان القمر وزيادته اعرض الله تعالىٰ عن ذلك الى بيان فوائد الشهور فقال يسئلونك عن الاهلة قل هى مواقيت للناس والحج وترى كثيرا من الناس فسد ذوقهم بسبب الالفة بهذه الفنون او غيرها من الاسباب فحملوا كلام الرسل على غير محمله والله اعلم ❖

باب بيان ان اصل الدين واحد والشرائع والمناهج مختلفة

قال الله تعالىٰ شرع لكم من الدين ما وصى به نوحا والذى اوحينا اليك وما وصينا به ابراهيم وموسى وعيسى ان اقيموا الدين ولا تتفرقوا فيه، قال مجاهد اوصيناك يا محمد واياهم دينا واحدا، وقال تعالىٰ وان هذه امتكم امة واحدة وانا ربكم فاتقون فتقطعوا امرهم بينهم زبرا كل حزب بما لديهم فرحون، يعنى ملة الاسلام ملتكم فتقطعوا يعنى المشركين واليهود والنصارى وقال تعالىٰ لكل جعلنا منكم شرعة ومنهاجا، قال ابن عباس سبيلا وسنة وقال تعالىٰ لكل امة جعلنا

واضح ہو کہ سب کا دین ایک ہی ہے جسپر انبیاء علیہم السلام متفق ہیں محض شریعتوں اور دستوروں اختلاف ہے اسکی تفصیل یہ ہے کہ نبیوں کا اسپر اتفاق ہے کہ استعانت اور عبادت میں خدا کا کوئی شریک نہیں اور جو امور اسکی بارگاہ کے مناسب نہیں ان سے پاک ہے اور اسکے اسماء میں کجروی کرنا حرام ہے اور بندوں پر خدا کا یہ حق ہے کہ اسکی نہایت درجہ تعظیم کریں جس میں ذرہ کوتاہی نہ ہو اور اپنے منہ اور دلوں کو اسکے آگے جھکا دیں اور اسکے شعائر کے ذریعہ سے قرب خداوندی حاصل کریں اور یہ بھی متفق علیہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے جمیع حوادث کے پیدا ہونے سے پیشتر ان کا اندازہ کر لیا تھا۔ اور فرشتے خدا کی مخلوق میں سے ہیں، جو خدا کی کسی امر میں نافرمانی نہیں کرتے اور اسی کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ اور خدا اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنی کتاب نازل فرما کر اپنی اطاعت کو بندوں پر فرض کر دیتا ہے۔ اور قیامت کا ہونا حق ہے اور مرنے کے بعد جی اٹھنا حق ہے۔ جنت و دوزخ حق ہیں۔ اور اسیطرح سے تمام انبیاء نیکی کے تمام اقسام طہارت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور عبادات نافلہ دعا، ذکر کتاب الٰہی کی تلاوت کے ذریعہ سے خدا کی بارگاہ میں تقرب حاصل کرنے پر متفق ہیں۔ اور اسیطرح سے ان امور پر اتفاق ہے کہ نکاح جائز اور زنا حرام ہے، لوگوں میں عدل و انصاف کرنا فرض اور ظلم کرنا حرام ہے، نافرمانوں پر حدود مقرر کرنا اور دشمنان الٰہی سے جہاد کرنا، احکام الٰہی اور دین کی اشاعت میں کوشش کرنا واجب ہے۔ پس یہ امور دین کی بنیاد ہیں اور اسی لئے قرآن عظیم نے ان امور کی لمیت سے بحث نہیں کی مگر شاذ و نادر، اسلئے کہ یہ سب امور ان لوگوں کے نزدیک جن کی زبان میں قرآن نازل ہوا ہے مسلم اور متفق علیہ تھے البتہ ان امور کی صورتوں میں اختلاف ہے پس موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں نماز کے وقت بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا دستور تھا اور ہمارے پیغمبر علیہ السلام کی شریعت کعبہ کی طرف رخ کرنا چاہیے۔ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں زانی کے لئے فقط رجم کی سزا تھی اور ہماری شریعت میں محصن کے لئے رجم ہے اور غیر محصن کے لئے تازیانہ مارنے کی سزا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں محض قصاص تھا

منسكا هم ناسكوه يعني شريعة هم عاملون بها۔

اعلم ان اصل الدين واحد اتفق عليه الانبياء عليهم السلام وانما الاختلاف فی الشرائع والمناهج تفصيل ذلك انه اجمع الانبياء عليهم السلام على توحيد الله تعالى عبادة واستعانة وتنزيهه عما لا يليق بجنابه وتحريم الالحاد فی اسمائه وان حق الله على عباده ان يعظموه تعظيما لا يشوبه تفريط وان يسلموا وجوههم وقلوبهم اليه وان يتقربوا بشعائر الله الى الله وانه قدر جميع الحوادث قبل ان يخلقها وان لله ملائكة لا يعصونه فيما امرهم يفعلون ما يؤمرون وانه ينزل الكتاب على من يشاء من عباده ويفرض طاعته على الناس وان القيامة حق والبعث بعد الموت حق والجنة حق والنار حق وكذلك اجمعوا على انواع البر من الطهارة والصلاة والزكوة والصوم والحج والتقرب الى الله بنوافل الطاعات من الدعاء والذكر وتلاوة الكتاب المنزل من الله وكذلك اجمعوا على النكاح وتحريم السفاح واقامة العدل بين الناس وتحريم المظالم واقامة الحدود على اهل المعاصی والجهاد مع اعداء الله والاجتهاد فی اشاعة امر الله ودينه فهذا اصل الدين ولذلك لم يبحث القرآن العظيم عن لمية هذه الاشياء الا ما شاء الله فانها كانت مسلمة فيمن نزل القرآن على السنتهم وانما الاختلاف فی صور هذه الامور واشباحها فكان فی شريعة موسى عليه السلام الاستقبال فی الصلاة الى بيت المقدس وفی شريعة نبينا صلى الله عليه وسلم الى الكعبة وكان فی شريعة موسى عليه السلام الرجم فقط وجاءت شريعتنا بالرجم للمحصن والجلد لغيره وكان فی شريعة موسى عليه السلام القصاص

ہماری شریعت میں قصاص اور دیت دونوں ہیں اور ایسے ہی طاعتوں کے اوقات اور ان کے آداب وارکان میں اختلاف ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ نیکی اور تدابیر نافعہ کی جو خاص خاص صورتیں مقرر کی گئی ہیں ان کا نام شریعت اور منہاج ہے۔

واضح ہو کہ ہر مذہب اور ملت میں جس عبادت اور طاعت کا اللہ تعالے نے حکم فرمایا ہے وہ انہی اعمال کا نام ہے جنکا اصل منشا اور مبداء انسان کی ایک دلی حالت ہے جو اسکو آخرت میں فائدہ یا نقصان پہنچائے گی۔ اصل طاعت اور عبادت یہ دلی حالت ہی ہے اور اعمال اور افعال اسکی صورت اور شرح ہیں۔ یہی دلی حالت عبادت کے لئے میزان اور مدار علیہ ہے جو اس امر کو معلوم نہ کرے گا اسکو اعمال کے کرنے میں بصیرت حاصل نہ ہوگی اور اکثر ان اعمال پر اکتفا کرے گا جو غیر کافی ہونگے بغیر قرأت اور دعاء کے ہی نماز پڑھ لیا کریگا اسلئے نماز کچھ مفید نہ ہوگی پس دین میں ایک ایسے کامل شناسا کی سیاست کی ضرورت ہے جو مخفی اور مشتبہ امور کو صاف صاف قرائن اور نشانات سے منضبط کردے انکو بمنزلہ امر محسوس کے بنادے جنکو ادنی اور اعلی قسم کے لوگ تمیز کرسکیں اور انکو پہنچاننے کے سمجھنے میں اشتباہ نہ رہے تاکہ عند اللہ تعالی کیجانب سے حجت اور دلیل کیساتھ مطالبہ کرنا درست ہو جائے۔

اور کبھی گناہ غیر گناہ سے مشابہ ہوجایا کرتا ہے جیسا کہ مشرکین نے کہا تھا کہ بیع بھی ربوا ہی کے مانند ہے' ایسا اشتباہ کیا علم کی کوتاہی سے ہوتا ہے یا دنیوی غرض کیوجہ سے جو اسکو اندھا کردیتی ہے پس اسلئے ایسے نشانات کی ضرورت پڑی جنکی وجہ سے گناہ غیر گناہ سے ممیز ہوسکے۔ اور اگر عبادات کیلئے اوقات معین نہ کئے جاتے تو بہت سے لوگ تھوڑے ہی سے نماز روزہ کو زیادہ خیال کرتے جو کہ انکے کچھ کام نہ آتا اور انکی حیلہ بازی اور بہانہ جوئی پر کوئی سرزنش نہ ہوسکتی اور اگر لوگوں کیلئے عبادتوں کے ارکان اور شروط معین نہ ہوتے تو وہ بے بصیرتی سے ہاتھ پاؤں مارتے۔ اور اگر گناہوں پر سزائیں مقرر نہ ہوتیں تو سرکش لوگ کبھی باز نہ آتے۔ حاصل کلام تمام لوگوں کے حق میں احکام الہیہ کی تکلیف جب ہی مکمل ہوسکتی ہے کہ انکے لئے اوقات' ارکان' شروط' سزائیں' احکام کلیہ وغیرہ قرار دیئے جائیں اور اگر آپ تشریع کا قاعدہ معلوم کرنا چاہیں تو آپ طبیب حاذق کی حالت پر غور کر لیجئے جب وہ مریضوں کی درستی میں نہایت درجہ کوشش کرتا ہے

فقط، وجاءت شريعتنا بالقصاص والدية جميعا وعلى ذلك اختلافهم في اوقات الطاعات وآدابها واركانها، وبالجملة فالاوضاع الخاصة التي مهدت وبنيت بها انواع البر والارتفاقات هي الشرعة والمنهاج، واعلم ان الطاعات التي امر الله تعالى بها في جميع الاديان انما هي اعمال تنبعث من الهيات النفسانية التي هي في المعاد للنفوس او عليها وتمد فيها وتشرحها وهي اشباحها وتماثيلها ولاجرم ان ميزانها وملاك امرها تلك الهيات فمن لم يعرفها لم يكن من الاعمال على بصيرة فربما اكتفى بما لا يكفي وربما صلى بلا قراءة ولا دعاء فلا يفيد فلابد من سياسة عارف حق المعرفة يضبط الخفي المشتبه بامارات واضحة ويجعلها امرا محسوسا يميزه الاداني والاقاصي ولا يشتبه عليهم ليطالبوا به ويؤاخذوا عليه على حجة من الله و استطاعة منهم؛

والآثام ربما تشتبه بما ليس باثم كقول المشركين انما البيع مثل الربوا اما لقصور العلم او لغرض دنيوي يفسد بصيرته فمست الحاجة الى امارات يتميز بها الاثم من غيره ولو لم يوقت الاوقات لاستكثر بعضهم القليل من الصلاة و الصوم فلم يغن ذلك عنهم شيئا ولم تتمكن المعاقبة على تسللهم واحتيالهم ولو لم يعين لهم الاركان والشروط لخبطوا خبط عشواء ولو لا الحدود لم ينزجر اهل الطغيان، وبالجملة فجمهور الناس لا يتم تكليفهم الا باوقات واركان وشروط وعقوبات واحكام كلية ونحو ذلك و اذا شئت ان تعرف للتشريع ميزانا فتامل حال الطبيب الحاذق عند ما يجتهد في سياسة المرضى

جن چیزوں کو وہ نہیں جانتے انکی خبر دیتا ہے، جن امور سے وہ واقف نہیں ہیں انکا مریضوں کو حکم دیتا ہے، دیکھئے وہ کسطرح امور محسوسہ کو مخفی امور کے قائم مقام قرار دیتا ہے جیساکہ چہرہ کی سرخی اور مسوڑوں سے خون جاری ہونے کو غلبہ خون کی علامت قرار دیتا ہے۔ اور کسطرح سے مرض کی قوت، مریض کی عمر، اسکے شہر اور موسم کی حالت میں غور کرتا ہے، دوا کی قوت اور علاج کے تمام متعلقات میں غور کرتا ہے پس اپنے اندازہ سے دوا کی ایک مقدار مخصوص جسکو مریض کی حالت کے مناسب سمجھتا ہے مریض کو اسکے استعمال کا حکم دیتا ہے۔ اور کبھی علامت بجائے سبب مرض کے قرار دیکر اور دوا کی خاص مقدار کو جسکو اپنی فطانت سے مادہ موذیہ کے ازالہ کی بجائے یا اس مادہ کے ہیئت فاسد کے بدل دینے کے قائم مقام جان کر ایک قاعدہ کلیہ بنا لیتا ہے مثلاً وہ کہتا ہو کہ جسکا چہرہ سرخ ہو، اسکے مسوڑوں سے خون نکلتا ہو تو اسکو طبی احکام کے لحاظ سے نہار منہ شربت عناب یا ماء العسل پینا چاہئے اور جو ایسا نہیں کریگا وہ عنقریب ہلاک ہو جائیگا۔ یا وہ کہتا ہے جو شخص فلاں معجون کو اتنی مقدار میں فلاں مرض کے لئے کھائیگا تو اسکا مرض زائل ہو جائے گا اور اس مرض سے محفوظ رہیگا، پس اسطرح کا کلیہ طب اخذ کیا جاتا ہے، لوگ اسکے کلیہ پر عمل کرتے ہیں جس سے خدا تعالیٰ ان کو بڑا نفع پہنچاتا ہے۔ یا اس تشریع کے قاعدہ کو سمجھنے کیلئے اس بادشاہ کی حالت میں غور کرنا چاہیئے جو نہایت حکیم، ملکی اصلاحات اور انتظامات لشکر کا نگراں رہتا ہے، وہ کسطرح سے زمین، اسکی پیداوار، کاشتکاروں کے کام اور مشقت پر نظر رکھتا ہے اور کسطرح سے سپاہیوں، انکی کارگذاری اور کفایت پر غور کرتا ہے، پس اسی کے موافق عشر اور خراج مقرر کرتا ہے، وہ کسطرح محسوس صورتوں اور قرائن کو ان اخلاق اور ملکات کے قائم مقام قرار دیتا ہے جنکا معاونین ملک میں پایا جانا ضروری ہے اسی قانون سے وہ ان کی گرفت کرتا ہے، وہ بادشاہ کسطرح سے ضرورتوں پر نظر رکھتا ہے جو ملک کے لئے کافی ہو سکیں، معاونین اور انکی تعداد پر نظر رکھتا ہے پس ان کو ہر ہر کام پر اسطرح سے تقسیم کرتا ہے جس سے کار برآری ہو جائے اور کسی پر تنگی نہ ہو۔ اور اسیطرح معلم اطفال کا حال اسکے شاگردوں کی نسبت اور مالک کا حال اسکے غلاموں کی نسبت دیکھئے۔ استاد لڑکوں کی تعلیم چاہتا ہے اور مالک حاجت مقصودہ کو غلاموں کے ہاتھوں پورا کرانا چاہتا ہے حالانکہ شاگرد اور غلام نہ تو مصلحت کی حقیقت سمجھتے ہیں اور نہ اسکی پابندی کو دوست رکھتے ہیں،

ويخبرهم بما لا يعرفون ويكلفهم بما لا يحيطون به ذائقة علما كيف يعمد إلى مظنات محسوسة فيقيمها مقام الأمور الخفية كما يقيم حمرة البشرة وخروج الدم من اللثة مقام غلبة الدم وكيف ينظر الى قوة المرض وسن المريض وبلده وفصله والى قوة الدواء وجميع ماهناك فيحدس بمقدار خاص من الدواء يلائم الحال فيكلفه به وربما اتخذ قاعدة كلية من قبل اقامة المظنة مقام سبب المرض واقامة هذا القدر الذي تفطن به من الدواء مقام ازالة المادة المؤذية او تغيير هيئتها الفاسدة فيقول مثلا من احمرت بشرته ودميت لثته وجب عليه بحكم الطب ان يحتسي على الريق شراب العناب او ماء العسل ومن لم يفعل ذلك فانه على شرف الهلاك ويقول من تناول من معجون كذا وكذا وزن مثقال زال عنه مرض كذا وامن من مرض كذا فيؤثر عنه تلك الكلية فيجعل الله في ذلك نفعا كثيرا، وتامل حال الملك الحكيم الناظر في اصلاح المدينة وسياسة الجيوش كيف ينظر الى الاراضي وريعها والى الزراع ومؤنتهم والى الحراس وكفايتهم فيضرب العشر والخراج حسب ذلك وكيف يقيم هيأت محسوسة وقرائن مقام الاخلاق والملكات التي يجب وجودها في الاعوان فيتخذ على ذلك القانون وكيف ينظر الى الحاجات التي لا بد من كفايتها والى الاعوان وكثرتهم فيوزعهم توزيعا يكفي المقصود ولا يضيق عليهم، وتامل حال معلم الصبيان بالنسبة الى صبيانه والسيد بالنسبة الى غلمانه يريد هذا تعليمهم وذلك كفاية الحاجة المقصودة بايديهم وهم لا يعرفون حقيقة المصلحة ولا يرغبون في اقامتها

بلکہ حیلہ اور بہانہ کرکے اس سے الگ ہونا چاہتے ہیں لیکن معلم اور مالک خوب جانتے ہیں کہ اس امر سے یہ رخنہ پیدا ہوگا وہ پہلے ہی سے خلل کو روکتے ہیں اور ان کو اسطرح سے حکم دیتے ہیں کہ رات کو دن اور دن کو رات کہنا پڑتا ہے جس سے نہ ان کو حیلہ میسّر ہوتا ہے اور نہ وہ کسیطرح سے عدول حکمی کرسکتے پس اسطرح سے مقصود حاصل ہوجاتا ہے خواہ وہ اس سے واقف ہوں یا نہ ہوں، حاصل کلام یہ ہے کہ جو شخص بہت بڑے گروہ کی اصلاح کا ذمہ دار ہوتا ہے جنکی استعدادیں مختلف ہیں، جنکو نہ بصیرت ہے نہ اصلاح کی طرف رغبت ہے تو وہ مجبوراً ہر چیز کا اندازہ کرتا ہے، وقت معین کرتا ہے، اسکے طریقوں اور صورتوں کو مقرر کرتا ہے جو مطالبہ اور مؤاخذہ میں نہایت عمدہ قانون سمجھا جاتا ہے ❖

واضح ہو کہ جب خدا تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ رسول بھیجکر لوگوں کو تاریکی سے روشنی کی طرف نکالے تو اس کام کے لئے ان پر وحی بھیجی، اپنا نور ان کے دلوں میں ڈالا اور ان میں اصلاح عالم رغبت پیدا کی - اس زمانہ میں ان لوگوں کے ہدایت یافتہ ہونے کے لئے خاص خاص امور اور مقدمات کی ضرورت تھی، اسلئے یہ حکمتِ الٰہی ضرور ہوا کہ تمام ان مصلح امور کو انبیاء کے ارادہ بعثت میں شامل کردے اور انبیاء کی اطاعت اور فرماں برداری کی فرضیت میں ان مقدماتِ اصلاح کی فرضیت بھی شامل ہو اور ہر وہ امر شامل ہو جسکے بغیر اطاعتِ انبیاء عقلاً یا عادۃً مکمل نہیں ہوسکتی - پس یہ ایک ایسا مجموعہ ہے جس کا بعض، بعض کے ساتھ وابستہ ہے - اور خدا تعالےٰ پر کوئی امر مخفی نہیں ہے، اور دین الٰہی میں بیہودگی نہیں ہے - پس کوئی شئی جب واجب کی جاتی ہے اور اسکے نظائر کا وہ حکم نہیں ہوتا تو اس میں حکمتیں اور اسباب ہوتے ہیں جنکو راسخین فی العلم ہی جانتے ہیں - ہم چاہتے ہیں کہ ان حکمتوں اور اسباب کے ایک عمدہ مجموعہ پر لوگوں کو متنبہ کریں - واللہ اعلم ❖

ويتسللون ويعتذرون ويحتالون كيف يعرفان مظنة الثلمة قبل وقوعها فيسدان الخلل ولا يخاطبانهم الا بطريقة ليلها نهارها ونهارها ليلها لا يجدون منها حيلة ولا يتمكنون من التسلل وهى تفضى الى المقصود من حيث يعلمون اولا يعلمون، وبالجملة فكل من تولى لاصلاح جم غفير مختلفة استعدادهم وليسوا من الامر على بصيرة ولا فيه على رغبة يضطر الى تقدير وتوقيت وتعيين اوضاع وهيئات يجعلها العمدة فى المطالبة والمؤاخذة ❖

واعلم ان الله تعالى لما اراد ببعثة الرسل ان يخرج الناس من الظلمات الى النور فاوحى اليهم امره لذلك والقى عليهم نوره ونفث فيهم الرغبة فى اصلاح العالم وكان اهتداء القوم يومئذ لا يتحقق الا بامور ومقدمات وجب فى حكمة الله ان يلتوى جميع ذلك فى ارادة بعثتهم وان يكون افتراض طاعة الرسل وانقيادهم منفسحا الى افتراض مقدمات الاصلاح وكل ما لا يتم فى العقل او العادة الا به فانه جملة يجر بعضها بعضا والله لا تخفى عليه خافية وليس فى دين الله جزاف فلا يعين شئ دون نظائره الا لحكم واسباب يعلمها الراسخون فى العلم ونحن نريد ان ننبه على جملة صالحة من تلك الحكم والاسباب والله اعلم ❖

چوتھا باب (٥٦) :- خاص خاص شرائع کا ایک قوم اور ایک زمانہ کے ساتھ مخصوص ہونیکے اسباب

اسکی دلیل خدا تعالےٰ کا یہ قول ہے "بنی اسرائیل کے لیے سب کھانے حلال تھے البتہ توریت کے نازل ہونے سے پہلے جو یعقوبؑ نے اپنے اوپر حرام کر لیئے تھے وہ حلال نہ تھے اگر تم سچے ہو تو توریت لاکر پڑھو" اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام ایک بار سخت بیمار ہوئے پس انھوں نے اپنے دل میں یہ نذر مانی کہ اگر خدا نے مجھ کو تندرست کر دیا تو میں اپنے اوپر سب چیزوں سے زیادہ مرغوب کھانے اور پینے کی چیز حرام کر لوں گا ۔ چنانچہ جب تندرست ہوئے تو اونٹ کا گوشت اور دودھ اپنے اوپر حرام کر لیا اور ان کی پیروی کرتے ہوئے ان کی اولاد نے بھی ان چیزوں کو حرام ہی سمجھا ' ان امور کی حرمت پر زمانے گذرتے گئے یہاں تک کہ لوگوں کے دلوں میں یہ بات بیٹھ گئی کہ اگر کسی نے ان چیزوں کو کھا کر انبیاء کی مخالفت کی تو اس نے انکی شان میں بے ادبی کی ' پس اسلئے تورات میں ان چیزوں کی حرمت نازل ہوئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بیان فرمایا کہ میں ملت ابراہیم پر ہوں تو یہود نے اعتراض کیا کہ آپ تو اونٹ کا گوشت کھاتے ہیں اور ان کا دودھ پیتے ہیں آپ کیسے ملت ابراہیم پر ہو سکتے ہیں " اسواسطے خدا تعالےٰ نے انکے قول کو رد کیا کہ اصل میں سب کھانے حلال تھے لیکن اونٹ ایک عارضی وجہ سے جو یہودیوں کو لاحق ہوئی تھی حرام ہو گئے تھے ۔ اور جبکہ نبوت اولادِ اسمٰعیل میں ظاہر ہوئی اور اس عارضی امر سے وہ بری ہیں تو اسکی رعایت ان پر واجب نہ رہی اور اس امر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول بھی دلیل ہے جو آپنے نماز تراویح کے بارے میں فرمایا تھا " یہ تمہارا فعل یعنی تراویح پڑھنا میں ہمیشہ دیکھتا ہوں جس سے مجھے اندیشہ ہے کہ تمپر فرض نہ ہو جائے اگر فرض ہو گئی تو تم سے ادا نہ ہو سکے گی اسلئے اے مسلمانوں اسکو جدا جدا اپنے گھروں میں پڑھ لیا کرو " اسلئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو تراویح کے شائع ذائع کرنے سے منع فرمایا تھا کہ شعائرِ دین نہ ہو جائے اور لوگ اسکے ترک کو خدا کی شان میں تقصیر کا اعتقاد نہ کرنے لگیں اور یہی فرضیت کا باعث نہ ہو جائے ' اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں میں سب سے زیادہ گنہ گار وہ شخص ہے جس نے کسی امر کا

باب اسباب نزول الشرائع الخاصة بعصر دون عصر وقوم دون قوم

والاصل فيه قوله تعالى كل الطعام كان حلا لبني اسرائيل الا ما حرم اسرائيل على نفسه من قبل ان تنزل التورٰية قل فاتوا بالتورٰية فاتلوها ان كنتم صٰدقين تفسيرها ان يعقوب عليه السلام مرض مرضا شديدا فنذر لئن عافاه الله ليحرمن على نفسه احب الطعام والشراب اليه فلما عوفي حرم على نفسه لحمان الابل والبانها واقتدى به بنوه في تحريمها ومضى على ذلك القرون حتى اضمروا في نفوسهم التفريط في حق الانبياء ان خالفوهم باكلها فنزل التوراة بالتحريم، ولما بين النبي صلى الله عليه وسلم انه على ملة ابراهيم قالت اليهود كيف يكون على ملته وهو ياكل لحوم الابل والبانها فرد الله تعالى عليهم ان كل الطعام كان حلا في الاصل وانما حرمت الابل لعارض لحق باليهود فلما ظهرت النبوة في بني اسماعيل وهم براء من ذلك العارض لم يجب رعايته وقول النبي صلى الله عليه وسلم في صلاة التراويح ما زال بكم الذي رايت من صنيعكم حتى خشيت ان يكتب عليكم ولو كتب عليكم ما قمتم به فصلوها ايها الناس في بيوتكم فكبحهم النبي صلى الله عليه وسلم عن جعلها شائعا ذائعا بينهم لئلا تصير من شعائر الدين فيعتقد واتركها تفريطا في جنب الله فتفرض عليهم، وقوله صلى الله عليه وسلم اعظم المسلمين في المسلمين جرما من سال عن

سوال کیا پس اسکی پوچھ گچھ ہی سے وہ شئی حرام ہوگئی - اور آنحضرت صلے
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا اسکے لئے
انھوں نے دعا کی تھی - اور جیسے حضرت ابراہیمؑ نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا میں
مدینہ کو حرم قرار دیتا ہوں اور اسکی مُد (ایک پیمانہ ہے) اور صاع (ایک پیمانہ
ہے) میں برکت کی ایسی ہی دعا کرتا ہوں جیسی حضرت ابراہیم علیہ السلام
نے مکہ کیلئے کی تھی - اور ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حج
کے متعلق سوال کیا کہ کیا حج ہر سال ہونا چاہیئے آپنے فرمایا اگر میں ہاں
کہدوں تو ہر سال ہی حج کرنا فرض ہوجائے اور پھر ادا نہ ہوسکتا اور جب
ادا نہ ہوسکتا تو عذاب الہی میں گرفتار ہوجاتے - واضح ہو کہ انبیاء علیہم السلام
کی شریعتیں چند مصالح اور اسباب کی وجہ سے مختلف ہوگئی ہیں - اور یہ
اختلاف اسطرح ہوا کہ شعائر خداوندی کا شعار قرار پانا معدات کیوجہ سے ہے
اور انکی مقداریں مقرر کرنے میں مکلفین کی عادات اور حالات کا لحاظ رکھا گیا ہے۔
چنانچہ نوح علیہ السلام کی قوم نہایت قوی المزاج اور شہ زور تھی جیسا کہ خدا
تعالے نے اسکی خبر دی ہے اسلئے وہ اسی قابل تھے انکو ہمیشہ کیلئے روزہ رکھنے
کا حکم دیا جائے تاکہ ان کی قوت بہیمی کمزور ہوجائے - اور چونکہ اس امّت کے
مزاج ضعیف تھے اسلئے ہمیشہ روزہ رکھنے سے منع کردئے گئے - اور
اسیطرح مال غنیمت کو خدا تعالے نے اگلے لوگوں کے لئے حلال نہیں کیا
تھا لیکن ہمارے نبی کی امت کا ضعف دیکھ کر ہمارے لئے اسکو حلال کردیا
اور یہ بھی ضروری ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا اصل مقصد لوگونکے کاروبار
اور معاملات کی اصلاح کرنا ہے اسلئے وہ امر مالوف سے تجاوز نہیں
کرتے تھے الّا ماشاء اللہ - اور اصلاح کے طریقے عادات اور زمانوں کے
بدلنے سے بدلتے رہتے ہیں اسی بنا پر نسخ کا ہونا صحیح ہے - نسخ کی مثال ایسی
ہے جیسے کوئی طبیب اس امر کا قصد کرے کہ سب حالتوں میں مزاج
حالتِ اعتدال پر محفوظ رہے اسی لئے ہر زمانہ میں اور ہر شخص کیلئے
اسکے جدا جدا احکام ہیں، وہ جوان کو ایسی باتیں بتائے گا کہ ان سے بوڑھے
کو منع کردے گا - وہ گرمی میں باہر سونے کا حکم کرے گا کیونکہ اسمیں
〃 〃 〃 اعتدال کا احتمال ہے اور 〃 〃 〃
〃 〃 〃 سردی میں اندر سونے کا 〃 〃 〃
〃 〃 〃 حکم کرے گا 〃 〃 〃

شئ فحرم لاجل مسألته، وقوله صلى الله عليه
وسلم ان ابراهيم حرم مكة ودعا لها واني
حرمت المدينة كما حرم ابراهيم مكة ودعوت
لها في مدها وصاعها مثل ما دعا ابراهيم
لمكة وقوله صلى الله عليه وسلم لمن سأله
عن الحج أهو في كل عام لو قلت نعم لوجبت
ولو وجبت لم تقوموا بها ولو لم تقوموا بها
عذبتم. واعلم انه انما اختلفت شرائع
الانبياء عليهم السلام لاسباب ومصالح وا
ذلك ان شعائر الله انما كانت شعائر لمعدات
وان المقادير يلاحظ في شرعها حال المكلفين
وعاداتهم ⁂

فلما كانت امزجة قوم نوح عليه السلام
في غاية القوة والشدة كما نبه عليه الحق تعالى
استوجبوا ان يؤمروا بدوام الصيام ليقاوم
سورة بهيميتهم، ولما كانت امزجة هذه الامة
ضعيفة نهوا عن ذلك وكذلك لم يجعل الله تعالى
الغنائم حلالا للاولين واحلها لنا لما راى ضعفنا
وان مراد الانبياء عليهم السلام اصلاح ما عندهم
من الارتفاقات فلا يعدل عنها الى ما يباين
المألوف الا ما شاء الله وان مظان المصالح
تختلف باختلاف الاعصار والعادات ولذلك
صح وقوع النسخ وانما مثله كمثل الطبيب
يعمد الى حفظ المزاج المعتدل في جميع
الاحوال فتختلف احكامه باختلاف الاشخاص
والزمان فيامر الشاب بما لا يامر به الشائب و
يامر في الصيف بالنوم في الجو لما يرى ان الجو
مظنة الاعتدال حينئذ ويامر في الشتاء بالنوم
داخل البيت لما يرى انه مظنة البرد حينئذ

پس جو شخص اصلیت دین سے واقف ہے اور ان اسباب سے واقف ہے جنکی وجہ
سے مذہبی طریقے مختلف ہوتے ہیں تو اسکی نظر میں نہ کوئی تغیر ہے اور نہ تبدیلی،
اسیوجہ سے شریعتوں کی نسبت ہر قوم کیطرف جدا جدا کی گئی، اور چونکہ وہ قوم
اپنی استعدادی حالت کیوجہ سے اس شریعت کی مستحق ہو گئی تھی اور انہوں
نے بہ زبانِ حال نہایت اصرار سے گویا اسکی درخواست کی تھی اسلئے وہی
ہدفِ ملامت ہوئی، اور اسیواسطے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی
فضیلت ظاہر ہوتی ہے کہ جمعہ کا روز ان کے حق میں معین کیا گیا کیونکہ وہ ناواقف
تھے اور تمام علوم کسبی سے بری تھے۔ اور یہود کے لئے ہفتہ کا دن قرار دیا گیا،
کیونکہ یہود کا اعتقاد تھا کہ ہفتہ ہی کے روز خدا تعالیٰ دنیا کے پیدا کرنے کے کام سے
فارغ ہوا تھا اسلئے عبادت کیلئے یہی دن بہت اچھا ہے حالانکہ دونوں
دنوں کا تقرر محض امرالٰہی اور وحی سے ہوا ہے، اور شریعتوں کی مثال ایسی ہے
جیسے کسی امر مامور بہ کی حالت ہوتی ہے جسکا حکم دیا جاتا ہے لیکن اسکے بعد
عذر اور حرج پیش آجاتے ہیں اسلئے ان لوگوں کی ذاتی حالت کے لحاظ سے
اجازتیں اور رخصتیں مشروع ہو جاتی ہیں، تو اسوجہ سے کہ انہوں نے اپنی
ذاتی حالت کیوجہ سے اس امر کے قابل اپنے آپ کو بنا لیا تھا۔ کبھی کبھی وہی
لوگ قابل ملامت ہوتے ہیں، خدا تعالےٰ فرماتا ہے "جب تک لوگ اپنی ذاتی
حالت کو نہ بدلیں، خدا تعالےٰ کسی قوم کو نہیں بدلا کرتا" اور اسی ذاتی اور استعدادی
اختلاف کیوجہ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "اے عورتو! میں نے
تم سے زیادہ کسی ناقص عقل اور ناقص دین کو بڑے دانشمند کی عقل خراب کرنے
والا نہیں دیکھا" پھر آپ نے اسکے دین کا نقصان بیان کیا کہ جب عورت حیض
سے ہوتی ہے تو نہ نماز پڑھتی ہے نہ روزہ رکھتی ہے۔
واضح ہو کہ مذہب کے ایک صورت خاصہ میں نازل ہونے کے بہت سے اسباب ہیں
لیکن وہ دو نوع میں منحصر ہیں، اول قسم بمنزلہ امر طبعی کے ہے جسکی وجہ سے لوگ
احکام کے مکلف ہوتے ہیں، پس جسطرح تمام افراد انسانی کیلئے ایک خاص
طبیعت اور حالات معین ہیں جو نوع انسانی کیطرف سے سبکو وراثۃً ملے ہیں
اور جنکی وجہ سے لوگ احکام کے مکلف ہوتے ہیں، اور جسطرح مادر زاد اندھے
کے خزانۂ خیال میں رنگتیں اور صورتیں نہیں ہوتیں بلکہ محض الفاظ اور وہ چیزیں
ہوتی ہیں جو چھوئی جا سکتی ہیں اور اسی قسم کی اور چیزیں ہوتی ہیں، پس جب
غیب سے اسکو کوئی علم یا واقعہ وغیرہ خواب میں حاصل ہوتا ہے تو صرف انہی
چیزوں کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جو اسکے خزانۂ خیال میں جمع ہیں نہ کہ اور چیزوں کی صورت میں، اور جسطرح اس عربی کیلئے جو سوائے زبانِ عرب کے اور کوئی زبان نہیں جانتا

فمن عرف اصل الدين واسباب اختلاف المناهج
لم يكن عنده تغيير ولا تبديل ولذلك نسبت الشرائع
الى اقوامها ورجعت اللائمة اليهم حين استوجبوا
بها بما عندهم من الاستعداد وسالوها جهد
سوالهم بلسان الحال وهو قوله تعالى فتقطعوا
امرهم بينهم زبرا كل حزب بما لديهم فرحون
ولذلك ظهر فضل امة نبينا صلى الله عليه وسلم
حين استحقوا تعيين الجمعة لكونهم اميين براء
من العلوم المكتسبة واستحقت اليهود السبت
لاعتقادهم انه يوم فرغ الله فيه من الخلق وانه
احسن شئ لاداء العبادة مع ان الكل بامر الله و
وحيه، ومثل الشرائع فى ذلك كمثل العزيمة يؤمرون
بها اولا ثم يكون هنالك اعذار وحرج فتشرع لهم
الرخص لمعنى يرجع اليهم فربما توجه بذلك بعض
اللائمة اليهم لكونهم استوجبوا ذلك بما عندهم
قال الله تعالى ان الله لا يغير ما بقوم حتى يغيروا ما
بانفسهم وقال النبى صلى الله عليه وسلم ما رايت من
ناقصات عقل ودين اذهب للب الرجل الحازم من
احداكن وبين نقصان دينهن بقوله ارايت انها اذا
حاضت لم تصل ولم تصم - واعلم ان اسباب نزول
المناهج فى صورة خاصة كثيرة لكنها ترجع الى نوعين
احدهما كالامر الطبيعى الموجب لتكليفهم بتلك الاحكام
فكما ان لافراد الانسان جميعها طبيعة واحوالا و
رثتها من النوع توجب تكليفهم باحكام، وكما ان
الاكمه لا يكون فى خزانة خياله الالوان والصور و
انما هنالك الالفاظ والملموسات ونحو ذلك فاذا
تلقى من الغيب علما فى رؤيا او واقعة او نحو ذلك فانما
يتشبح علمه فى صورة ما اختزنه خياله دون غيره،
وكما ان العربى الذى لا يعرف غير لغة العرب اذا

الفاظ کے ذریعہ سے کوئی بات معلوم کرائی جاتی ہے تو محض لغتِ عرب میں نہ کہ غیر عربی زبان میں۔ اور جسطرح کہ جن شہروں میں ہاتھی وغیرہ حیوانات ہیبت ناک ہوتے ہیں تو ان شہروں کے باشندوں کی نظر میں جنوں کا سامنے آجانا یا بھوتوں اور شیاطین کا ڈرانا انہی حیوانات کی صورت میں ہوتا ہے اور جن ملکوں میں جو چیزیں معظم ہوتی ہیں اور جو عمدہ کھانے اور لباس پائے جاتے ہیں تو ان کو ملائکہ کی خوشی اور نعمتیں انہی چیزوں میں دکھائی دیتی ہیں اور جیسے کوئی عربی شخص جب کسی کام کے کرنے کا قصد کرتا ہے یا کسی سفر کا ارادہ کرتا ہے اور وہ راشد یا نجیح (کامیاب) کے لفظ کو سنتا ہے تو آئندہ حالت کی عمدگی اور کامیابی کی دلیل اسکو قرار دیتا ہے جو عربی نہیں ہے اس پر ان الفاظ کا کوئی اثر نہیں ہوتا ہے چنانچہ کسیقدر احادیث میں بھی اسکا ذکر آیا ہے، تو جیسے کہ امور بالا کے اثر اپنا پرتو حالات پر ڈالتے ہیں ایسے ہی شرائع میں ان علوم کا جو کسی قوم میں مخزون اور جمع ہوتے ہیں اور ان اعتقادات کا جو انہیں مخفی ہوتے ہیں اور ان کی عادات کا جو کَلَب[1] بیماری کیطرح انمیں ساری اور جاری ہوتی ہیں، لحاظ اور اعتبار ہوا کرتا ہے۔

اسی واسطے اونٹوں کا گوشت اور دودھ بنی اسرائیل کے لئے حرام تھا، نہ بنی اسمٰعیل کے لئے۔ اور اسی وجہ سے اچھے اور برے کھانوں کی تمیز عاداتِ عرب پر تفویض کی گئی، اور اسیوجہ سے ہمشیرزادیاں ہمارے لئے حرام کی گئیں، یہودیوں میں وہ حرام نہ تھیں کیونکہ یہود ان کو ان کے باپ کی قوم سے شمار کرتے تھے، ان سے کسی قسم کا میل جول، ربط و صحبت نہیں رکھتے تھے بلکہ ان کو بمنزلہ اجنبیہ کے سمجھتے تھے۔ بخلاف عرب کے کہ ان میں یہ رسم نہ تھی۔ اور ایسے ہی گائے کے بچہ کا گوشت اسکی ماں کے دودھ میں پکانا یہودیوں میں حرام تھا، ہمارے یہاں حرام نہیں ہے کیونکہ یہودیوں کو معلوم تھا کہ اس سے خدا کی پیدائش اور تدبیرِ الٰہی کی مخالفت ہوتی ہے جو چیز خداتعالیٰ نے گائے کے بچہ کی پیدائش اور نشو و نما کیلئے پیدا کی ہے اس سے ہی اس صورت میں گویا اسکی بنیاد اکھاڑنا اور اسکے اجزاء کو جدا جدا کر دینا ہوگی۔ اور عرب کے لوگ اس قسم کے علم و فہم سے نہایت درجہ دور تھے، اگر انکو اس قسم کے راز سمجھائے جاتے تاہم انکی سمجھ میں نہ آتے، وہ اس امر کو کبھی معلوم نہ کر سکتے جو حکم دینے کا مناسب مدار علیہ تھا اور یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ نزول شرائع میں صرف انہی علوم، حالات اور ان اعتقادات کا ہی اعتبار نہیں کیا جاتا ہے جو لوگوں کے سینہ میں متمثل ہوتے

تمثل له علم فی نشأة اللفظ فانما يتمثل له فی لغة العرب دون غيرها، وكما ان البلاد التی يوجد فيها الفيل وغيره من الحيوانات سيئة المنظر يتراءى لاهلها المام الجن وتخويف الشياطين فی صورة تلك الحيوانات دون غير تلك البلاد والتی يحظم فيها بعض الاشياء ويوجد فيها بعض الطيبات من الاطعمة والالبسة تتراءى لاهلها النعمة وانبساط الملائكة فی تيك الصور دون غير تلك البلاد، وكما ان العربی المتوجه الی شیء ليفعله او طريق ليسلكه اذا سمع لفظة راشد او نجيح كان دليلا علی حسن ما يستقبله دون غير العربی وقد جاءت السنة ببعض هذا النوع فكذلك يعتبر فی الشرائع علوم مخزونة فی القوم و اعتقادات كامنة فيهم وعادات تتجاری فيهم كما يتجاری الكلب۔

ولذلك نزل تحريم لحوم الابل والبانها علی بنی اسراءيل دون بنی اسماعيل ولذلك كان الطيب والخبيث فی المطاعم مفوضا الی عادات العرب، و لذلك حرمت بنات الاخت علينا دون اليهود فانهم كانوا يعدونها من قوم ابيها لا مخالطة بينهم وبينها ولا ارتباط ولا اصطحاب فهی كالاجنبية بخلاف العرب ولذلك كان طبخ العجل فی لبن امه حراما عليهم دوننا فان علم كون ذلك تغييرا لخلق الله ومضادة لتدبير الله حيث صرف ما خلقه الله لنشء العجل ونموه الی فك بنيته وحل تركيبه كان راسخا فی متجاديا فيهم وكان العرب ابعد خلق الله عن هذا العلم حتی لو القی عليهم لما فهموه ولما ادركوا المناط المناسب للحكم، والمعتبر فی نزول الشرائع ليس العلوم والحالات والعقائد المتمثلة فی صدورهم فقط بل اعظمها اعتبارا واولاها اعتدادا ما نشأوا

[1] کتے کے کاٹنے سے جو دیوانگی ہو جاتی ہے اسکو کَلَب کہتے ہیں ۱۲۔

جنکی طرف انکی عقلیں مائل ہوتی رہتی ہیں خواہ ان امور کا ان کو علم ہو یا نہ ہو، تم اس نکتہ کو ان تعلقات میں دیکھ سکو گے کہ جب ایک شئی کسی دوسری شکل اور پیرایہ میں ظاہر ہوتی ہے جیسے مونہوں پر مہر لگانیکی صورت میں لوگوں کو سحری سے باز رکھنا ظاہر ہوا تھا، اسلئے کہ لوگوں کی نظر میں مہر لگانا ایک شئی کے بند کرنے اور روکنے کی صورت ہوا کرتی ہے خواہ یہ امر لوگوں کے پیش نظر ہو یا نہ ہو۔ اور خدا تعالے کا بندوں پر یہ حق اور فرض ہے کہ غایت درجہ اسکی تعظیم کریں اور کسیطرح مخالفت نہ کریں۔ اور لوگوں کا باہم یہ فرض ہے کہ ہمدردی اور باہمی الفت کی مصلحت کو ہمیشہ قائم رکھیں اور کوئی کسی کو نہ ستائے، ہاں جبکہ رائے کلی وغیرہ اسکا حکم کرے۔ اسی وجہ سے اگر کوئی شخص کسی عورت کو اجنبی خیال کرکے اس سے ہم بستر ہو جائے تو خدا تعالی کے اور اسکے درمیان پردہ حائل ہو جائیگا، خدا تعالی کے مقابلہ میں یہ کام اسکی دلیری کا خیال کیا جائے گا اگرچہ یہ عورت واقع میں اسکی بیوی ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ اس نے حکم الہی کی مخالفت پر پیش قدمی کی۔ اور جس شخص نے کسی اجنبی عورت سے اپنی بیوی سمجھ کر ہم بستری کرلی تو بلاشک وہ خدا کے نزدیک معذور سمجھا جائیگا۔ اور جو شخص روزہ کی نذر مانتا ہے وہی اسکے مطالبہ میں ماخوذ ہوتا ہے اور جس نے نذر نہ کی ہو وہ ماخوذ نہیں ہوتا۔ اور جو دین میں اپنے اوپر سختی کرتا ہے اسپر سختی کیجاتی ہے۔ اور یتیم کو ادب سکھانے کے لئے طمانچہ مارنا نیکی ہے اور ایذا دینے کیلئے مارنا گناہ ہے۔ خطا کار اور بھول چوک کرنے والا بہت سے احکام میں قابل معافی ہے، پس یہ وہ اصل ہے جسکے مطابق لوگوں کے علوم اور عادت ظاہرا اور پوشیدہ ہیں، پس انہی کے موافق ان کے حق میں شریعتوں کی تعیین ہوتی ہے۔

واضح ہو کہ اکثر عادات اور مخفی علوم ایسے ہیں کہ ان پر تمام عرب و عجم اور تمام معتدل اقالیم کے باشندے اور ایسے لوگ جنکا مزاج عمدہ اور بزرگ ترین اخلاق کے قابل ہے متفق ہیں، جیسے اپنے مردہ پر غم کرنا، اسکے حق میں نرم دلی کو پسند کرنا، حسب و نسب پر فخر کرنا، چوتھائی یا تہائی شب کے گذرنے کے بعد سونا علی الصبح بیدار ہونا ان کے علاوہ اور اکثر امور ہیں جنکی طرف ہم نے ارتفاقات کے بیان میں اشارہ کیا ہے۔ تو اس قسم کے جتنے عادات اور علوم ہیں انکا سب چیزوں سے زیادہ اعتبار اور لحاظ کیا جاتا ہے، انکے بعد اکثر عادات اور عقائد ایسے ہوتے ہیں جو صرف انہی لوگوں میں خاص ہوتے ہیں جن میں نبی مبعوث کیا جاتا ہے اس لئے

عليهم وانذفعت عقولهم اليه من حيث يعلمون و من حيث لا يعلمون كما ترى ذلك فى علاقات تمثل شئ بصورة غيره كتمثل منع الناس عن السحور فى صورة الختم على الافواه فان الختم شبه المنع عند القوم استحضروه ام لا وحق الله على عباده فى الاصل ان يعظموه غاية التعظيم ولا يقدموا على مخالفة امره بوجه من الوجوه والواجب فيما بين الناس ان يقيموا مصلحة التاليف والتعاون ولا يؤذى احد احدا الا اذا امر به الرأى الكلى ونحو ذلك، ولذلك كان الذى وقع على امرأة يعلم انها اجنبية قد ارخى بينه وبين الله حجاب وكتب ذلك من اجترائه على الله وان كانت امراته فى الحقيقة لانه اقدم على مخالفة امر الله وحكمه والذى وقع على اجنبية وهو يعلم انها امراته لايالو فى ذلك معذورا فيما بينه وبين الله وكان الذى نذر الصوم ماخوذا بنذره دون من لم ينذر وكان من تشدد فى الدين شدد عليه وكانت لطمة اليتيم للتاديب حسنة وللتعذيب سيئة و كان المخطئ والناسى معفوا عنهما فى كثير من الاحكام فهذا الاصل يتلقاه علوم القوم وعاداتهم الكامنة منها والبارزة فيتشخص الشرائع فى حقهم حسب ذلك واعلم ان كثيرا من العادات والعلوم الكامنة يتفق فيها العرب والعجم وجميع سكان الاقاليم المعتدلة واهل الامزجة القابلة للاخلاق الفاضلة كالحزن لميتهم واستحباب الرفق به وكالفخر بالاحساب والانساب وكالنوم اذا مضى ربع الليل او ثلثه او نحو ذلك والاستيقاظ فى تباشير الصبح الى غير ذلك مما اومانا اليه فى الارتفاقات، فتلك العادات والعلوم احق الاشياء بالاعتبار ثم بعدها عادات وعقائد تختص بالمبعوث اليهم فتعتبر تلك ايضا وقد

ان عادات کا اعتبار بھی ضروری ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک اندازہ کر رکھا ہے۔

واضح ہو کہ نبوت بسا اوقات ملت کے تابع ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ" اور فرمایا "اور نوحؑ کے طریقہ والوں میں سے ابراہیمؑ بھی تھے" اسکا راز یہ ہے کہ سالہائے دراز تک لوگ ایک مذہب کی پابندی کرتے ہیں اور اس دین کے شعائر کی تعظیم کرتے ہیں، اس مذہب کے احکام نہایت مشہور اور شائع بمنزلہ بدیہیات اولیٰ کے ہوجاتے ہیں جن کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ پھر جب اس مذہب کے نبی کی روایتوں میں اختلاط ہوجاتا ہے تو اسکے بعد ایک دوسری نبوت کا زمانہ آتا ہے تاکہ پہلے مذہب کی کجی بالکل دور ہوجائے، اسکی بگڑی ہوئی باتیں درست ہوجائیں، یہ دوسری نبوت لوگوں میں مشہور اور معتبر احکام کی تفتیش کرتی ہے۔ پس جو صحیح سیاست مذہبی کے قواعد کے موافق ہوتے ہیں دوسری نبوت ان کو نہیں بدلتی بلکہ انکی لوگوں کو رغبت دلاتی ہے اور ان پر عمل کرنے کی تاکید فرماتی ہے، اور جو احکام کھوٹے ہوتے ہیں جن میں تحریف ہوگئی ہے ان میں بقدر ضرورت تبدیلی کردیتی ہے اور جو احکام قابل اضافہ ہوتے ہیں تو ان میں کچھ اضافہ کردیتی ہے، اور بسا اوقات یہ نبی آخر ان امور سے جو پہلی شریعت کے باقی رہ جاتے ہیں اکثر اپنے مطالب اور دعاوی پر استدلال کرتا ہے پس اسوقت یہ کہا جاتا ہے کہ یہ نبی فلاں نبی کی ملت میں ہے یا اسکے گروہ میں سے ہے۔ اور بسا اوقات یہ نبوتیں اختلاف ملل کے سبب سے مختلف بھی ہوجاتی ہیں۔ مذاہب کے ایک صورت خاص میں نازل ہونے کی دوسری قسم بمنزلہ ایک امر عارضی طاری کے ہے اور یہ اسلئے ہے کہ خدا تعالیٰ گو زمانہ سے بلند و برتر ہے لیکن اسکو کسی نہ کسی وجہ سے زمانہ اور زمانہ کی چیزوں سے ربط اور تعلق ہے چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ ہر ایک صدی کے بعد خدا تعالیٰ حوادثات عظیمہ میں سے ایک نہ ایک حادثہ کو پیدا کرتا ہے اور حضرت آدم علیہ السلام اور دیگر انبیاء نے بھی حدیث شفاعت میں کسیقدر اس بارہ میں خبر دی ہے کہ ہر ایک نبی قیامت کے روز کہیگا کہ آج کے دن خدا تعالیٰ ایسا غضبناک ہے کہ ایسا کبھی غضبناک نہیں ہوا ہے اور نہ آئندہ کبھی ہوگا پس جب عالم آمادہ اور تیار ہوتا ہے کہ شریعتوں کا اسپر فیضان کیا جائے اور امور دینی کے حدود معین کیے جائیں، اور اللہ تعالیٰ تجلی فرما کر دین کو لوگوں پر نازل کرتا ہے اور اسی کے موافق ملاء اعلیٰ بلند ہمتی سے لبریز ہوجاتے ہیں تو ایسے وقت میں عارضی اسباب میں سے ایک ادنیٰ سبب بھی جود الٰہی کا دروازہ کھٹکھٹانے کیلئے کافی ہوجاتا ہے اور جو کریم کا دروازہ

جعل الله لكل شئ قدرا

واعلم ان النبوة كثيرا ما تكون من تحت الملة كما قال الله تعالى ملة ابيكم ابراهيم وكما قال وان من شيعته لابراهيم وسر ذلك انه تنشأ قرون كثيرة على التدين بدين وعلى تعظيم شعائره وتصير احكامه من المشهورات الذائعة اللاحقة بالبديهيات الاولية التي لا تكاد تنكر فتجئ نبوة اخرى لاقامة ما اعوج منها وصلاح ما فسد منها بعد اختلاط رواية نبيها فتفتش عن الاحكام المشهورة عندهم فما كان صحيحا موافقا لقواعد السياسة الملية لا تغيره بل تدعو اليه وتحث عليه وما كان سقيما قد دخله التحريف فانها تغيره بقدر الحاجة وما كان حريا ان يزاد فانها تزيده على ما كان عندهم، وكثيرا ما يستدل هذا النبي في مطالبه بما بقي عندهم من الشريعة الاولى فيقال عند ذلك هذا النبي في ملة فلان النبي او من شيعته، وكثيرا ما تختلف النبوات لاختلاف الملل النازلة تلك النبوة فيها، والنوع الثاني بمنزلة طارئ عارض وذلك ان الله تعالى وان كان متعاليا عن الزمان فله ارتباط بوجه من الوجوه بالزمان والزمانيات، وقد اخبر النبي صلى الله عليه وسلم ان الله يقضي بعد كل مائة بحادثة عظيمة من الحوادث واخبر آدم وغيره من الانبياء عليهم السلام في حديث الشفاعة بشئ من هذا الباب حيث قال كل واحد منهم ان ربي تبارك وتعالى قد غضب اليوم غضبا لم يغضب قبله مثله ولن يغضب بعده مثله فاذا تهيأ العالم لافاضة الشرائع وتعيين الحدود وتجلى الحق منزلا عليهم الدين وامتلأ الملأ الاعلى بهمة قوية حسب ذلك يكون حينئذ ادنى سبب من الاسباب الطارئة كافيا في قرع باب الجود ومن دق باب الكريم انفتح

وذلك عبرة بفصل الربيع يؤثر فيه ادنى شئ من الغرس
والبذر ما لا يؤثر فى غيره اضعاف ذلك وهمة النبى صلى
الله عليه وسلم واستشرافه للشئ ودعوته له مع
اشتياقه اليه وطلبه اياه سبب قوى لنزول القضاء
فى ذلك الباب واذا كانت دعوته تحيى السنة الشهباء
وتغلب فئة عظيمة من الناس وتزيد الطعام والشراب
زيادة محسوسة فما ظنك فى نزول الحكم الذى هو
روح لطيف ؟ انما يتعين بوجود مثالى وعلى هذا
الاصل ينبغى ان يخرج ان حدوث حادثة عظيمة
مخيفة فى ذلك الزمان يفزع لها النبى صلى الله عليه وسلم
كقصة الافك وسوال سائل يراجع النبى صلى الله عليه
وسلم ويحاوره فيهم له صلى الله عليه وسلم كقصة
الظهار يكون سببا لنزول الاحكام وان يكشف عليه
فيها جلية الحال وان استبطاء القوم عن الطاعة
وتبلدهم عن الانقياد واخلادهم الى العصيان و
كذا رغبتهم فى شئ وعضهم عليه بالنواجذ واعتقادهم
التفريط فى جنب الله عند تركه يكون سببا لان يشدد
عليهم بالوجوب الاكيد والتحريم الشديد، ومثل
ذلك كله فى استمطار الجود كمثل الانسان الصالح
قوى الهمة يتوخى ساعة انتشار الروحانية وقوة
السعادة فيسأل الله فيها يجهد همته فلا تتراخى
اجابته، والى هذه المعانى وقعت الاشارة فى قوله
تبارك وتعالى يايها الذين امنوا لا تسالوا عن اشياء
ان تبد لكم تسؤكم وان تسالوا عنها حين ينزل
القرآن تبد لكم واصل المرضى ان يقل هذا النوع
من اسباب نزول الشرائع لانه يحد لنزول ما
يغلب فيه حكم المصلحة الخاصة بذلك الوقت
فكثيرا ما كان تضييقا على الذين ياتون من بعد
ولذلك كان النبى صلى الله عليه وسلم يكره المسائل

کھنکھناتا ہے تو وہ کھل ہی جاتا ہے، آپ موسم بہار پر ہی نظر ڈالئے کہ اس موسم
میں بونے اور تخم ریزی کرنے کیلئے ادنیٰ سبب اثر کر جاتا ہے کہ اور موسم میں
اس سے کئی گنا اہتمام بھی اثر نہیں کرتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ کسی شئی کیلئے
اسکا انتظار کرنا اور اس شئی کیلئے اسکا دعا کرنا اور نہایت شوق کے ساتھ اس کو
طلب کرنا اس امر میں احکام کے نازل ہونیکا قوی سبب ہوتا ہے۔ اور جب
نبی کی دعا، روشن طریقہ کو زندہ کرتی ہے اور دعا کیوجہ سے بڑی بڑی جماعتوں پر
غلبہ حاصل ہو جاتا ہے اور اس سے نظر کے سامنے کھانے پینے کی زیادتی ہو جاتی
ہے تو اسکی وجہ سے نزول حکم جو روح لطیف ہے اور اسکا تعین محض وجود مثالی
میں ہے کیا بعید ہے۔ اور اسی قاعدہ پر سمجھ لینا چاہئے کہ اس زمانہ کے وہ
بڑے بڑے حوادث جن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تشویش ہوتی تھی جیسے
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان کا قصہ، یا جب کوئی سائل ایک امر
دریافت کرتا تھا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسمیں بار بار پوچھ گچھ کرتا
تھا جسکی وجہ سے آپ کو فکر ہو جاتی تھی جیسے ظہار کا قصہ، تو یہ امور نزولِ احکام
کے سبب بن جاتے تھے اور اس سے اصل حال کا انکشاف ہو جاتا تھا۔ اور
اسیطرح سے کسی قوم کا طاعت میں سستی کرنا فرماں برداری میں پہلو تہی کرنا
اور ہمیشہ گناہ میں مصروف رہنا اور ایسے ہی کسی چیز کی نہایت رغبت کرنا اور
نہایت اہتمام اور قصد سے اسکی پابندی کرنا اور اسکے ترک کو خدا تعالیٰ کا
گناہ سمجھنا بھی ان پر کسی چیز کے فرض اور حرام ہونیکا سبب ہوتا ہے اور
بارانِ جود برسولنے میں ان سب کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص صالح،
قوی الہمت روحانیت کے منتشر ہونے اور سعادت کی کمالیت کے وقت
قصد کر کے خدا کی بارگاہ میں نہایت اہتمام کے ساتھ درخواست کرتا ہے تو
اسیوقت وہ مقبول ہو جاتی ہے اور انہی معانی کی طرف خدا تعالیٰ کے اس
قول میں اشارہ ہے "مسلمانو! بہت سی چیزوں کا سوال مت کیا کرو اگر وہ تمہارے
لئے کھل جائینگی تو تم کو ناگوار معلوم ہونگی اگر قرآن کے نازل ہوتے وقت پوچھو گے
تو خود بخود تم کو معلوم ہو جائیں گی۔" خداوند کریم کی اصل مرضی یہی ہے کہ نزولِ
شرائع کے اس قسم کے سوالات کم ہوا کریں کیونکہ اس سے وہ امور نازل ہو جاتے
ہیں جن میں مصلحتِ خاص کا حکم اور اثر غالب ہوتا ہے، پس اکثر اس میں
آئندہ نسلوں کے لئے تنگی پیش آ جاتی ہے اسی لئے نبی صلی
اللہ علیہ وسلم سوال کرنے کو برا سمجھتے تھے ۞ ۞ ۞ ۞

اور فرماتے تھے کہ جو کچھ میں تم کو بتلاؤں اسی پر بس کرو اور مجھ سے نہ پوچھو کیونکہ پہلی امتوں کی ہلاکی کا یہی سبب بنا ہے کہ انہوں نے بہت سوالات کئے اور انبیاء کی مخالفت پر کمر باندھی اور فرمایا کہ مسلمانوں میں وہ شخص بڑا گنہگار ہے جس کے سوال کرنے سے کوئی چیز حرام کر دیجائے، اور حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ بنی اسرائیل جس گائے کو ذبح کر ڈالتے وہی کافی ہو جاتی، لیکن انھوں نے سختی کی اسلئے ان پر خدا نے بھی سختی کی، واللہ اعلم ؏

پانچواں باب۵ ـ شریعت کے طریقوں پر مؤاخذہ کرنیکے اسباب کا بیان

ہم اس امر کو بیان کرتے ہیں کہ خدا تعالےٰ نے جو شرائع اپنے بندوں کیلئے مقرر فرمائی ہیں ان پر عذاب و ثواب ایسے ہی مرتب ہوتا ہے جیسے کہ نیکی اور گناہ کے اصول پر مرتب ہوتا ہے یا صرف انہی امور پر مرتب ہوتا ہے جو نیکی اور گناہ کے مواقع، صورت اور قالب قرار دیئے گئے ہیں، مثلاً کسی شخص نے ایک وقت کی نماز ترک کر دی لیکن اسکے دل میں خشوع وخضوع ہو تو نماز ترک کرنے پر اس شخص کو عذاب ہوگا یا نہ ہوگا، اور ایک شخص نے نماز تو ادا کی اور اسکے ارکان و شروط اسطرح سے ادا کیے کہ وہ بری الذمہ ہو گیا لیکن نہ اس میں خشوع وخضوع تھا اور نہ حضورِ قلب تو اس نماز پر اسکو ثواب ملے گا یا نہ ملے گا، اس میں کچھ کلام نہیں ہے کہ شریعت کے طریقوں کی نافرمانی کرنے میں فسادِ عظیم ہے اس جہت سے کہ اس سے سنت راشدہ میں روک ہوتی ہے معصیت کا دروازہ کھلتا ہے اور جماعت مسلمین میں تکدر آتا ہے، قوم، شہر اور ملک کو ضرر پہنچتا ہے جیسے شہر کی مصلحت کے لئے سیلاب کی وجہ سے بند باندھا تھا، ایک شخص نے نقب دیکر اس بند کو توڑ دیا، وہ شخص خود تو بچ گیا لیکن اہلِ شہر کو اس نے ہلاک کر دیا گفتگو اس میں ہے کہ گناہ یا نیکیاں خود اس شخص کا احاطہ کرتی ہیں یا نہیں ؏

پس تمام اہلِ مذاہب کا یہ مسلک ہے کہ خود ان شرائع پر ثواب وعذاب ہوتا ہے۔ اور ان میں سے اہلِ تحقیق راسخین فی العلم اور انبیاء علیہم السلام کے حواری لوگ اسکے ساتھ انکے قوالب،

٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭

وكان يقول ذروني ما تركتكم فانما هلك من قبلكم بكثرة سؤالهم واختلافهم على انبيائهم وقال ان اعظم المسلمين فى المسلمين جرما من سأل شيئا فحرم لاجل مسئلته، وجاء فى الخبر ان بنى اسراءيل لو ذبحوا اى بقرة شاءوا لكفت عنهم لكن شددوا فشدد عليهم والله اعلم

باب اسباب المؤاخذة على المناهج

لنبحث عن المناهج والشرائع التى شرعها الله تعالى لعباده هل يترتب الثواب والعذاب عليها كما يترتب على اصول البر والاثم او لا يترتب الا على ما جعلت مظنات واشباحا و قوالب له؛ فمن ترك صلاة وقت من الاوقات وقلبه مطمئن بالاخبات هل يعذب بتركها ومن صلى صلاة وادى الاركان والشروط حسبما يخرج عن العهدة ولم يجئ بشئ من الاخبات و لم يدخل ذلك فى صميم قلبه هل يثاب على فعله وليس الكلام فى كون معصية المناهج مفسدة عظيمة من جهة كونها قد حاق السنة الراشدة وفتحا لباب الاثم وغشا بالنسبة الى جماعة المسلمين وضررا للحى والمدينة والاقليم بمنزلة سيل سد مجراه لمصلحة المدينة فجاء رجل و نقب السد ونجا بنفسه واهلك اهل مدينته و لكن الكلام فيما يرجع الى نفسه من احاطة السيئات بها او احاطة الحسنات ؏

فذهب اهل الملل قاطبة الى انها توجب الثواب والعذاب بنفسها فالمحققون منهم و الراسخون فى العلم والحواريون من اصحاب الانبياء عليهم السلام يدركون مع ذلك روحه

ارواح اشباح اور اصول میں وجہ مناسبت بھی نکالتے ہیں اور جانتے ہیں اور عام حاملانِ دین اور داعیانِ شریعت پہلی بات پر اکتفا کرتے ہیں،

فلاسفہ اسلام یہ کہتے ہیں کہ ثواب وعذاب صفات نفسانیہ اور ان اخلاق کی وجہ سے ہوتے ہیں جو انسان کی روح کے ساتھ متعلق ہیں ان صفات کے قالبوں اور صورتوں کا شرائع میں مذکور ہونا محض سمجھانے کے لئے اور دقیق معانی کو لوگوں کے ذہنوں سے قریب کرنے کیلئے ہے مذاقِ قوم کے موافق اس مقام کے متعلق یہ تحریر کیا گیا ہے،

میں کہتا ہوں کہ مذہبی محققین کا مذہب حق ہے۔ اسکا بیان یہ ہے کہ شرعی امور کے لئے اسباب اور باعث ہوتے ہیں جن سے بعض شرعی امور کو بعض پر ترجیح ہوتی ہے اور ان کی تشخیص ہوتی ہے۔ خدا تعالے خوب جانتا ہے کہ بغیر ان شرعی احکام کے لوگ دین پر عمل نہ کرسکیں گے اور یہ بھی خدا تعالے کو معلوم ہے کہ یہی طریقے لوگوں پر واجب کردینے کے قابل ہیں، پس یہ طریقے خدا کی اس توجہ میں مندرج ہوتے ہیں جو ازل میں لوگوں کے ساتھ تھی، پھر جب یہ عالم اس امر کے لئے مستعد اور تیار ہوگیا کہ اسپر شرعی صورتوں کا فیضان کیا جائے اور اسکے پیکر پیدا کئے جائیں تو اسوقت خدا تعالے نے اسکو پیدا کیا اور شرعی امور پیدا کرکے اپنا فیضان پورا کیا اور ازل سے اسکا تعین ہوگیا اسلئے یہی امور بمنزلہ اصل کے ہوگئے اسکے بعد جب خدا تعالے نے ملاءِ اعلیٰ کو اس سے مطلع کردیا اور انکو الہام سے بتادیا کہ یہی موقع شرعی اصول کے قائم مقام ہیں، اور یہی اصول کی صورتیں اور اشباح ہیں، اور ان اشباح اور صورتوں کے بغیر لوگ مکلف نہیں ہوسکتے تب حظیرۃ القدس میں اسپر اتفاق ہوگیا کہ ان صُوَر کو ایسی ہی نسبت ہے جو لفظ کو اپنے معنی موضوع لہ سے اور صور ذہنیہ کو حقیقت خارجیہ سے ہوا کرتی ہے جو اسی صورت خارجی سے حاصل کیجاتی ہے، یا جو تصویری صورت کو اس شئی سے نسبت ہوتی ہے جس کی یہ تصویر ہے یا جو خطوط کو الفاظ موضوعہ سے ہوتی ہے کیونکہ جب ان سب امور میں دال اور مدلول میں نہایت قوی تعلق اور ان میں باہمی لزوم اور گرفت ثابت ہوگئی تو اپنے موقع پر یہ طے ہوگیا کہ یہ دال ہی مدلول ہے اور دونوں شئی واحد ہی ہیں، اسکے بعد اس علم کا پرتو یا اس علم کی خود حقیقت تمام بنی آدم عرب اور عجم کی عقلوں پر منکشف کردی گئی اور سب نے اتفاق کرلیا کہ وہ شرائع اور اصول

المناسبة والارتباط لتلك الاشباح والقوالب باصولها وارواحها وعامة حملة الدين ودعاة الشرائع يكتفون بالاول وذهب فلاسفة الاسلام الى ان العذاب والثواب انما يكونان على الصفات النفسانية والاخلاق المتشبثة بذيل الروح وانما ذكر قوالبها واشباحها فى الشرائع تفهيما وتقريبا للمعانى الدقيقة الى اذهان الناس، هذا تحرير المقام على مشرب القوم

اقول والحق ماذهب اليه المحققون من اهل الملل - بيان ذلك ان الشرائع لها معدات واسباب تشخصها وترجح بعض محتملاتها على بعض والحق يعلم ان القوم لايستطيعون العمل بالدين الابتلك الشرائع والمناهج ويعلم ان هذه الاوضاع هى التى يليق ان تكون عليهم فتندرج فى عناية الحق بالقوم ازلا ثم لما تهيأ العالم لفيضان صور الشرائع وايجاد شخوصها المثالية فاوجدها وافاضها وتقرر هنالك امرها كانت اصلا من الاصول ثم لما فتح الله على الملأ الاعلى هذا العلم والهمهم ان المظنات قائمة مقام الاصول وانها اشباحها وتماثيلها وانه لايمكن تكليف القوم الابتلك حصل فى حظيرة القدس اجماع ما على انها هى بمنزلة اللفظ بالنسبة الى الحقيقة الموضوع لها و الصورة الذهنية بالنسبة الى الحقيقة الخارجية المنتزعة منها والصورة التصويرية بالنسبة الى من انتقشت مكشافاله والصورة الخطية بالنسبة الى الالفاظ الموضوعة هى لها فانه فى كل ذلك لما قويت العلاقة بين الدال والمدلول وحصل بينهما تلازم وتعانق اجمع فى حيز ما من الاحياز انه هو ثم ترشح شبح هذا العلم او حقيقته فى مدركات بنى آدم عربهم وعجمهم فاتفقوا عليه فلن ترى احدا

ایک ہی شئی ہیں۔ تم ایسا کوئی شخص نہ دیکھوگے جسکے دل میں اس علم کا ایک حصہ نہ ہو، اکثر ہم نے اسکا نام وجود شبیہی للمدلول رکھا ہے۔ اور کبھی اس وجود کے آثار عجیبہ ہوتے ہیں جو غور کرنے والے پر مخفی نہیں ہیں شرائع میں اسکے بعض بعض آثار کا لحاظ کیا گیا ہے اسی وجہ سے صدقہ کو صدقہ دینے والوں کا میل کچیل قرار دیا گیا ہے اور اسی وجہ سے کسی کام کی برائی مزدوری میں بھی سرایت کر جاتی ہے۔ اسکے بعد جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی، روح القدس سے آپ کی تقویت کی گئی، آپ کے دل میں قومی اصلاح کا الہام ہوا، اور آپ کی روح کے لئے ایک وسیع راستہ جو شریعت کے نازل ہونے اور صورِ مثالیہ کے صادر کرنے کی ہمت کیطرف جاتا ہے مفتوح ہوگیا تب آپ نے نہایت درجہ کی اولوالعزمی سے اس اصلاح کا اہتمام فرمایا اور موافقین کے لئے نہایت قصد اور ہمت سے دعائیں کیں مخالفین پر لعنت کی اور انبیاء علیہم السلام کی ہمتیں ساتوں آسمان کے طبقوں کو پھاڑ کر پار ہوجاتی ہیں۔ وہ جب پانی برسنے کی دعا کرتے ہیں اور آسمان پر ابر کا ذرا سا ٹکڑا بھی نہیں ہوتا تو ان کی دعا سے اسیوقت پہاڑوں جیسے بادل پیدا ہوجاتے ہیں اور ان کی دعا سے مردے زندہ ہوجاتے ہیں اسلئے حظیرۃ القدس میں ان کی وجہ سے خوشی اور ناخوشی پختگی سے قرار پاجاتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں یہی مراد ہے کہ "ابراہیم تیرے نبی اور بندے نے مکہ کیلئے دعا کی تھی اور مدینہ کیلئے میں دعا کرتا ہوں" الحدیث۔ پھر جس بندہ کو یہ معلوم ہوجائے کہ خدا نے ایسا ایسا حکم کیا ہے اور یہ بھی معلوم ہوجائے کہ ملاء اعلیٰ تمام اوامر اور نواہی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید کرتے ہیں اور اس بات کو خوب جان لے کہ مامور بہ کو ترک کرنا اور منہی عنہ کام کا اقدام کرنا خدا کے مقابلہ میں دلیری اور خدا کی شان میں کوتاہی کرنا ہے پھر جان بوجھ کر قصداً و عمداً کسی کام کو کر بیٹھتا ہے تو اسکی وجہ صرف یہی ہے کہ وہ حجابات کی گہری تاریکی میں مبتلا ہے اور اسکی ملکی قوت منکسر ہوگئی ہے اور اس فعل سے دل پر گناہ جم جاتا ہے اور وہ جب کوئی پرمشقت کام کرتا ہے جس سے اسکی طبیعت بھاگتی ہے اسکو وہ کسی کی نمائش کیلئے نہیں کرتا بلکہ تقرب الٰہی اور اس کی رضامندی کی حفاظت کیلئے کرتا ہے تو اسکی وجہ سوائے اسکے کچھ نہیں ہوسکتی کہ مرتبہ احسان کی فضیلت میں وہ لپٹا ہوا ہے اسکی بہیمی قوت اچھی طرح کمزور ہوگئی ہے اور اسکے دل میں ایک نیکی جم جاتی ہے اب جو شخص کسیوقت کی نماز ترک کردے تو اس میں

الا ويضمر فى نفسه شعبة من ذلك، وربما سميناه وجودا شبهيا للمدلول وربما كان لهذا الوجود آثار عجيبة لا تخفى على المتتبع، وقد روعي فى الشرائع بعض ذلك ولذلك جعلت الصدقة من اوساخ المتصدقين وسرت شناعة العمل فى الاجرة ثم لما بعث النبى صلى الله عليه وسلم وايد بروح القدس ونفث فى روعه اصلاح القوم وفتح لهجوم روحه فج واسع الى الهمة القوية فى باب نزول الشرائع وصدور الشخوص المثالية فعزم على ذلك لقصى عزيمته ودعا للموافقين ولعن على المخالفين بجمع همته وان همم تخترق السبع الطباق وانهم يستسقون وما هنالك قزعة سحاب فتنشأ امثال الجبال فى الحال وانهم يدعون فيحيى الموتى بدعوتهم تاكد انعقاد الرضا والسخط فى حظيرة القدس هو قوله صلى الله عليه وسلم ان ابراهيم نبيك وعبدك دعا لمكة وانا ادعو للمدينة" الحديث ثم ان هذا العبد اذا علم ان الله تعالى امره بكذا او كذا وان الملأ الاعلى تؤيد النبى صلى الله عليه وسلم فيما يامر وينهى وعلم ان اهمال هذا او الاقدام على ذلك اجتراء على الله وتفريط فى جنب الله، ثم اقدم على العمل عن قصد وتعمد وهو يرى ويبصر فان ذلك لا يكون الا لغاشية عظيمة من الحجب وانكسار تام للملكية وذلك يوجب هيأة خطيئة بالنفس واذا اقدم على عمل شاق تنجع عنه طبيعته لا لمراءاة الناس بل تقربا من الله وحفظا على مرضياته فان ذلك لا يكون الا لغاشية عظيمة من الاحسان وانكسار تام للبهيمية وذلك يوجب هيأة حسنة بالنفس اما من ترك صلاة وقت من الاوقات فيجب ان يبحث عنه لم

اس امر کی تفتیش ضروری ہے کہ اس نے نماز کیوں ترک کیا اور کس امر نے اسکو اسپر آمادہ کیا، پس اگر وہ بھول گیا تھا یا سو گیا تھا یا نماز کی فرضیت سے ناواقف تھا یا کسی ضروری کام نے اسکو روک لیا تھا تو شریعت نے تصریح کردی کہ ایسا شخص گنہگار نہیں ہے اور اگر اس نے جان بوجھکر اور یاد رکھتے ہوئے نماز کو ترک کر دیا اور اسکے ادا کرنے کی قدرت تھی تو بلاشک یہ فعل دین میں سستی اور شیطانی حجاب سے ہوا جس نے اسکی بصیرت کو ڈھانک لیا ہو اور ان کا اثر اسکے نفس پر ہی پڑتا ہے۔ اور جس شخص نے نماز پڑھ لی اور وہ اس سے فارغ الذمہ ہوگیا تو ہمکو اسکے حال میں بھی تفتیش کرنی چاہیے اگر اس نے نمائش کیلئے یا لوگوں کی تعریف سننے کیلئے یا قومی عادت کی پابندی کیوجہ سے یا عبث سمجھ کر نماز پڑھی ہے تو شریعت نے تصریح کردی کہ یہ شخص مطیع نہیں ہے اور اسکی یہ نماز قابل اعتبار نہیں ہے اور اگر اس نے تقرب الی اللہ کیوجہ سے اور ایمان کیوجہ اور نیکی سمجھ کر اور خدائی وعدہ کی تصدیق کرتے ہوئے نماز پڑھی ہے اور حضور نیت اور خدا کے دین میں خلوص کے ساتھ یہ کام کیا ہے تو ضرور اسکے اور خدا کے درمیان ایک راستہ کھل جاتا ہے گو وہ سوئی کے ناکہ کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔ اور یہ جو کہا گیا تھا کہ اس شخص نے بند میں نقب لگانے سے شہر کو ہلاک کر دیا اور اپنے آپ کو بچا لیا، اسکو ہم تسلیم نہیں کرتے کہ اس نے خود اپنے آپ کو بچا لیا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ خدا تعالے کے ایسے فرشتہ مقرر ہیں جنکی کامل توجہ اس طرف مصروف رہتی ہے کہ جو شخص عالم کی اصلاح کرنے میں کوشش کرتا ہو اسکے لئے دعا کرتے ہیں اور جو فساد پھیلانے میں سعی کرتا ہے اسپر بددعا کرتے ہیں ان کی دعا کے اثر سے رحمت الٰہی کا دروازہ کھلتا ہے اور کسی نہ کسی طرح پر جزاء نازل ہوتی ہے اور لوگوں کی طرف خدا تعالیٰ کی توجہ جزا کے باعث ہوا کرتی ہے اسکا سمجھنا چونکہ مشکل تھا اسلئے فرشتوں کی دعا کو ہمنے انکا عنوان قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم۔

چھٹا باب (۵۸): حکمتوں اور علتوں کے اسرار کا بیان

واضح ہو کہ بندوں کے بعض افعال ایسے ہیں جن سے پروردگار عالم خوش ہوتا ہے اور بعض افعال ایسے ہیں جن سے ناخوش ہوتا ہے اور بعض افعال ایسے ہوتے ہیں جن سے نہ وہ خوش ہوتا ہے اور نہ ناخوش، اسلئے حکمت بالغہ اور رحمت تامہ کا اقتضا ہوا کہ انبیا علیہم السلام کو مبعوث کرے اور انکے ذریعہ سے لوگوں کو ان افعال پر مطلع کردے جن سے اس کی خوشی اور ناخوشی کا تعلق ہوتا ہے اور نیز لوگوں سے قسم اول کا مطالبہ ہو اور دوسری قسم کے اتباع ممنوع ہیں، اور باقی امور میں انکو اختیار ہو تاکہ جو ہلاک ہو تو جان بوجھ کر ہلاک ہو اور جو حیات ابدی حاصل کرے

تركها واى شئ حمله على ذلك فان نسيها او نام عنها او جهل وجوبها او شغل عنها بما لا يجد منه بدا فنص الملة انه ليس بآثم وان تركها وهو يعلم ويتذكر وامره بيده فان ذلك لا يكون لا محالة الا من حزازة في دينه وغاشية شيطانية او نفسانية غشيت بصيرته وهو يرجع الى نفسه، واما من صلى صلاة وخرج عن عهدة ما وجب عليه فيجب ان يبحث عنه ايضا ان فعلها رياء وسمعة او جريانا على عادة قومه او عبثا فنص الملة انه ليس بمطيع ولا يعتد بفعله ذلك وان فعلها تقربا من الله واقدم عليها ايمانا واحتسابا وتصديقا بالموعود واستحضر النية واخلص دينه لله فلا جرم انه فتح بينه وبين الله باب ولو كرأس ابرة واما من اهلك المدينة ونجا بنفسه فلا نسلم انه نجا بنفسه كيف وهنالك لله ملائكة اقصى همتهم الدعاء لمن يسعى في اصلاح العالم وعلى من سعى في افساده وان دعوتهم تقرع باب الجود ويكون سببا لنزول الجزاء بوجه من الوجوه بل هنالك لله تعالى عناية بالناس توجب ذلك ولدقة مدركها جعلنا دعوة الملائكة عنوانا لها والله اعلم

باب اسرار الحكم والعلة

اعلم ان للعباد افعالا يرضى لاجلها رب العالمين عنهم وافعالا يسخط لاجلها عليهم وافعالا لا تقتضي رضا ولا سخطا فاقتضت حكمته البالغة ورحمته التامة ان يبعث اليهم الانبياء ويخبرهم على السنتهم بتعلق الرضا والسخط بتلك الافعال ويطلب منهم الفصل الاول وينهى عن الثاني ويخيرهم فيما سوى ذلك ليهلك من هلك عن بينة ويحيى من حي عن

پس کسی فعل سے خدا تعالیٰ کی رضا یا عدم رضا کا متعلق ہونا یا دونوں افعال سے افعال کا غیر متعلق ہونا اور لوگوں سے کسی فعل کا مطالبہ کرنا اور اس سے روکنا یا اس میں مختار ٹھہرانا جو چاہیں سو کریں اسکو حکم کہتے ہیں۔ اور مطالبہ کبھی مؤکد ہوتا ہے جس سے فعل مطلوب کرنے پر رضا اور ثواب اور ترک کرنے پر ناراضی اور عذاب ہوتا ہے۔ اور کبھی غیر مؤکد ہوتا ہے جسکے کرنے پر رضا اور ثواب ہوتا ہے اور نہ کرنے پر ناراضی اور عذاب نہیں ہوتا۔

اور اسیطرح نہی کبھی مؤکد ہوتی ہے جسکی وجہ سے فعل کے نہ کرنے پر رضا اور ثواب ہوتا ہے اور اسکے کرنے سے ناراضی اور عذاب ہوتا ہے۔ اور نہی کبھی غیر مؤکد ہوتی ہے جسکی وجہ سے نہ کرنے سے رضا اور ثواب ہوتا ہے اور اسکے کرنے پر ناراضی اور عذاب نہیں ہوتا۔ تم اسکا اندازہ اپنے اور لوگوں کے محاورات سے الفاظ طلب اور منع میں کرسکتے ہو کیونکہ جو بات اوپر کہی جاتی ہے اسکے خلاف میں رضامندی اور ناراضی کے اثر سے ہر قسم کی دو قسمیں تم پاؤگے اور یہ بمنزلہ امر طبعی کے ہے جس سے چارہ نہیں، اسوجہ سے احکام کی پانچ قسمیں ہیں ا۔ وجوب، استحباب، اباحت، کراہت، حرمت۔ اور مکلفین کے احوال میں سے ہر فعل کی حالت علیحدہ علیحدہ لوگوں کے سامنے پیش کرنا ناممکن ہے کیونکہ یہ افعال حصر میں نہیں آسکتے اور نہ ہی لوگ پورے طور پر ان کو معلوم کرسکتے ہیں اسواسطے یہ ضروری ہوا کہ جس امر میں لوگوں سے خطاب کیا جائے وہ قواعد کلیہ ہوں جن میں ایک ایسی وحدت ہو جس میں بے شمار چیزیں مندرج ہوں تاکہ لوگ اسکو معلوم کرکے اپنے افعال کی حالت معلوم کرسکیں۔ تم فنون کلیہ میں غور کرلو کہ ان میں خاص خاص امور کے لئے قواعد کلیہ مقرر ہیں، دیکھو نحوی کہتا ہے کہ فاعل مرفوع ہوتا ہے تو سامع اسکا یہ قول محفوظ کرکے قام زید میں زید کا حال اور قعد عمرو میں عمرو کا حال معلوم کرسکتا ہے، وعلیٰ ہذا القیاس،

اور وہ وحدت جس میں کثرت معتبر ہوتی ہے اسکو علت کہتے جسپر حکم کا مدار ہوتا ہے اور اس علت کی دو قسمیں ہیں۔ قسم اول وہ ہے جس میں اسی حالت کا اعتبار کیا جاتا ہے جو مکلفین میں موجود ہوا کرتی ہے اور وہ ہمیشہ نہیں پائی جاتی کیونکہ اگر کسی دائمی حالت کا اعتبار کیا جاتا تو احکام ہمیشہ اور ہر وقت ایسے لازم ہوجاتے کہ کبھی جدا نہ ہوسکتے اور یہ امر

بينة فتعلق الرضا والسخط بالفعل وكونه غفلاً منهما وكون الشيء بحيث يطلب منهم وينهون عنه و يخيرون فيه أيا ما شئت فقل هو الحكم والطلب منه مؤكد يقتضي الرضا والثواب على فعل المطلوب والسخط والعقاب على تركه، ومنه غير مؤكد يقتضي الرضا والثواب على فعل المطلوب دون السخط و العقاب على تركه، وكذلك النهي منه مؤكد يقتضي الرضا والثواب على الكف منه لأجل النهي ويقتضي السخط والعقاب على فعل المنهي عنه، ومنه غير مؤكد يقتضي الرضا والثواب على الكف عنه لأجل النهي دون السخط والعقاب على فعله، واعتبر بما عندك من ألفاظ الطلب والمنع ومحاورات الناس في ذلك فإنك ستجد تثنية كل قسم من جهة سريان الرضا والسخط في ضد المنطوق أولا أمراً طبيعياً لا محيص عنه، فالأحكام خمسة، إيجاب، وندب، وإباحة وكراهية وتحريم والذي يؤتى به في مخاطبة الناس لا يمكن أن يكون حال كل فعل على حدته من أحوال المكلفين لعدم انحصارها ولعدم استطاعة الناس الإحاطة بعلمها فوجب إذاً أن يكون ما يخاطبون به قضايا كلية معنوية بوحدة تنتظم كثرة ليحيطوا بها علماً فيعرفوا منها حال أفعالهم ولك عبرة بالصناعات الكلية التي جعلت لتدون قانوناً في الأمور الخاصة يقول النحوي الفاعل مرفوع فيعي مقالته السامع فيعرف بها حال زيد في قولنا قام زيد وعمرو في قولنا قعد عمرو وهلم جرا وتلك الوحدة التي تنتظم كثرة هي العلة التي يدور الحكم على دورانها وهي قسمان، قسم يعتبر فيها حالة توجد في المكلفين ولا يمكن أن تكون حالة دائمة لا تنفك عنهم فيكون مضمون الخطاب تكليفهم بالأمر دائماً إذ لا يستطيعون

مکلفین کے قابو سے باہر ہے ایسی تکلیف صرف ایمان میں ہی ہو سکتی ہے پس
اس وجہ سے ضروری ہو گیا کہ ایک ایسی حالت کا اعتبار کیا جائے جو دو شئی سے
مرکب ہو، ایک مکلف کی صفتِ لازمہ جس سے وہ مخاطب ہونیکی صلاحیت
رکھتا ہے اور دوسرے ایک عارضی ہیئت کہ کبھی ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی
اور یہ قسم اکثر عبادات میں پائی جاتی ہے۔ اور یہ ہیئت یا وقت ہے یا استطاعتِ
میسّرہ ہے یا مظنہ حرج ہے یا کسی شئی کا قصد کرنا ہے وغیرہ الک۔ مثلاً شارع
کا قول ہے جس عاقل، بالغ شخص کو نماز کا وقت مل جائے تو اس پر نماز پڑھنا
فرض ہے، اور جو عاقل بالغ رمضان کو پالے اور وہ روزہ رکھنے پر قادر بھی ہو
تو روزہ رکھنا اس پر فرض ہے۔ اور جو شخص نصاب کا مالک ہو اور اس کے
مال پر ایک سال گذر جائے تو ایسے شخص پر اس مال کی زکوٰۃ دینا فرض ہے،
اور جو شخص حالتِ سفر میں ہو تو اسکے لئے نماز میں قصر کرنا اور روزہ افطار کرنا
جائز ہے اور جو شخص نماز پڑھنا چاہے اور وہ بے وضو ہے تو اسکو وضو کرنا ضروری
ہے۔ اس قسم میں اکثر ان صفات کا لحاظ نہیں کیا جاتا جو اکثر امور میں معتبر ہوتی
ہیں اور صرف اس صفت کا اعتبار کیا جاتا ہے جس سے ایک حکم کو دوسرے
سے امتیاز ہو گیا ہے اسلئے مسامحۃً اسی کو علت کہدیتے ہیں، مثلاً کہتے ہیں
کہ نماز کی علت وقت کا آنا ہے اور روزے کی علت ماہ رمضان کا آنا ہے،
اور کبھی شارع ان اوصاف میں سے بعض کو بالخصوص مؤثر قرار دیتا ہے جیسے
مالک نصاب کے لئے ایک سال یا دو سال کی پیشگی زکوٰۃ دینا جائز قرار دیا
ہے اور غیر مالک نصاب کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں ہے اسیوجہ سے فقیہ ہر ایک
امر کا ٹھیک اندازہ کرتا ہے کسی صفت کو سبب اور کسی کو شرط قرار دیتا ہے۔

اور علت کی دوسری قسم وہ ہے جس میں اس شئی کی حالت کا اعتبار ہوتا ہے
جس پر کسی کام کا اثر ہوتا ہے یا کام کا اس سے کچھ تعلق ہوتا ہے، اور یہ علت کبھی
صفتِ لازمہ ہوتی ہے جیسے شارع کا قول ہے کہ شراب پینا حرام ہے، خنزیر
کھانا حرام ہے اور درندوں اور پرندوں میں سے پنجہ دار جانوروں کا کھانا حرام ہے،
ماؤں سے نکاح کرنا حرام ہے۔ اور کبھی کوئی عارضی صفت ہوتی ہے جو اس شئی کے
قائم مقام ہوتی ہے جیسے خدا کا قول ہے "چور مرد اور عورت کے ہاتھ کاٹ ڈالو"۔ اور
جیسے کلام الٰہی "زنا کرنے والے اور زنا کرنیوالی کے سو سو درّے لگاؤ"۔ اور کبھی وہ شئی
جس پر فعل واقع ہوتا ہے اسکے حالات میں سے دو یا زیادہ کا لحاظ کیا جاتا ہے جیسے شارع
کا قول ہے "محصن زانی کو سنگسار کرنا چاہئے اور زانی غیر محصن کو درّہ لگانا چاہیے"

ذلك اللهم الا فى الايمان خاصة فلاجرم ان تعتبر
حالة مركبة من صفة لازمة فى المكلف بها يصح
كونه مخاطبا وهيئة طارئة تنوبه مرة بعد مرة
واكثر ما يكون هذا القسم فى العبادات والهيئة
اما وقت او استطاعة ميسرة او مظنة حرج او
ارادة شئ ونحو ذلك كقول الشرع "من ادرك
وقت صلاة وهو عاقل بالغ وجب عليه ان
يصليها ومن شهد الشهر وهو عاقل بالغ مطيق
وجب عليه ان يصومه ومن ملك نصابا وحال عليه
الحول وجب عليه ان يزكيه ومن كان على سفر
جاز له القصر والافطار ومن اراد الصلاة وكان
محدثا وجب عليه الوضوء" وفى مثل هذا ربما تسقط
الصفات المعتبرة فى اكثر الاوامر وتخص الصفة
التى بها امتاز بعضها من البعض فيسامح بتسميتها
علة فيقال علة الصلاة ادراك الوقت وعلة الصوم
شهود الشهر وربما يجعل الشارع لبعض تلك
الاوصاف دون بعض اثرا كما جوز تعجيل الزكاة
لسنة او سنتين لمن ملك النصاب دون من
لم يملكه فيعطى الفقيه كل ذى حق حقه فيخص
بعضها بالسبب والآخر بالشرط، وقسم يعتبر فيه
حال ما يقع عليه الفعل او يلابسه وهى اما صفة
لازمة له كقول الشارع "يحرم شرب الخمر ويحرم
اكل الخنزير ويحرم اكل كل ذى ناب من السباع
وكل ذى مخلب من الطير ويحرم نكاح الامهات"، او
صفة طارئة تنوبه كقوله تعالى السارق والسارقة
فاقطعوا ايديهما وقوله تعالى الزانية والزانى
فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة وربما يجمع
بين اثنين فصاعدا من احوال ما يقع عليه الفعل
كقول الشارع "يجب رجم الزانى المحصن وجلد الزان

اور کبھی مکلف کا اور جس پر کہ فعل واقع ہوتا ہے دونوں کے احوال کا لحاظ کیا
جاتا ہے جیسے شارع کا قول ہے کہ اس امت کے مردوں پر سونا اور حریر
حرام ہے لیکن عورتوں پر حرام نہیں ہے۔ دین الٰہی میں کسی قسم کی لغویت نہیں
ہے پس ان افعال سے رضا یا عدم رضا کا جو تعلق ہوتا ہے تو اسکی کوئی نہ کوئی
وجہ ضرور ہوتی ہے۔ اور یہ اسلئے کہ ان افعال کے لیے امور معینہ ہیں جن
سے فی الحقیقت رضا اور ناراضی متعلق ہوتی ہے، یہ امور دو قسم کے ہیں،
اول نیکی اور گناہ، تدابیر نافع اور ان کا ضائع کرنا اور انہی کی مثل اور امور،
دوم وہ امور ہیں جو احکام شریعت اور مذہب سے متعلق ہیں جیسے تحریف کا
دروازہ بند کرنا، حیلہ جوئی وغیرہ سے باز رکھنا۔

اور ان معین امور کے مواقع اور لوازم ہیں جن سے رضا اور عدم رضا کا
بالعرض تعلق ہوتا ہے۔ اور ان مواقع اور لوازم کی طرف رضامندی اور ناراضی
کو مجازاً منسوب کر دیتے ہیں اسکی ایسی مثال ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ دوا کا
کھانا آرام پانے کی علت ہے اور درحقیقت شفا کی علت، اخلاط کا نضج یا
ان کا اخراج ہے۔ اور یہ نضج اور اخراج عادةً دوا پینے سے حاصل ہوتا ہے
اور یہ خود علت نہیں ہے۔ اور جیسے کہا کرتے ہیں کہ تمازتِ آفتاب میں،
بیٹھنا یا محنت کا کام کرنا یا کسی گرم غذا کا کھانا بخار کی علت ہے اور بخار
کی اصل علت اخلاط کا گرم ہو جانا ہے اور اخلاط کا گرم ہونا ایک ایسی چیز
ہے جس کے بہت سے ذرائع ہیں اور متعدد صورتیں ہیں، اور مثل اصول
پر اکتفا کرنا اور ان کے متفرق وسائل اور مواقع کو ترک کر دینا ان لوگوں کا
مذاق ہے جنکی نگاہ علوم نظری میں عمیق ہوا کرتی ہے اور عام لوگوں کی یہ شان
نہیں ہے اور شریعت عام لوگوں کے موافق نازل ہوئی ہے اور یہ ضروری ہے
کہ حکم کی علت ایسی صورت ہونی چاہیے جسکو عام لوگ بھی سمجھ سکیں ان پر اس
علت کی حقیقت مخفی نہ رہے اور ہر شخص اسکے وجود اور عدم میں تمیز کر سکے
اور ان قاعدوں میں سے کسی نہ کسی قاعدہ سے ملتی جلتی ہو جن سے رضا یا عدم رضا
متعلق ہوتی ہے یا اس وجہ سے کہ یہ علت اس قاعدہ کی طرف مفضی ہے یا اسکے قریب
قریب ہے یا اس قسم کا کوئی اور علاقہ ہے مثلاً شراب خوری یہ بہت سی خرابیوں کا مظنہ
ہے جن سے خدا تعالیٰ کی ناخوشی ہوتی ہے جیسے اچھے کاموں سے اعراض کرنا
اور بری باتوں سے رغبت کرنا، تمدن اور خانہ داری کے انتظامات کا برہم ہو جانا
اور چونکہ یہ خرابیاں اکثر شراب خوری کو لازم ہوتی ہیں اسلئے شراب کی ہر قسم کو

غير محصن، وربما يجمع بين حال المكلف وحال
ما يقع عليه الفعل كقول الشارع: يحرم الذهب و
الحرير على رجال الأمة دون نسائها، وليس في
دين الله جزاف فلا يتعلق الرضا والسخط بتلك
الأفعال إلا بسبب وذلك ان ههنا شخوصا يتعلق
بها الرضا والسخط في الحقيقة وهي نوعان: احدهما
البر والاثم والارتفاقات واضاعتها وما يحذو
حذو ذلك، وثانيهما ما يتعلق بالشرائع والمناهج
من سد باب التحريف والاحتراز من التسلل
ونحو ذلك ولها مظان ولوازم يتعلقان بها بالعرض
وينسبان اليها توسعا نظيره ما يقال من ان علة
الشفاء تناول الدواء وانما العلة في الحقيقة
نضج الاخلاط او اخراجها وهو شيء يعقب الدواء
في العادة وليس هو هو ويقال علة الحمى قد
تكون الجلوس في الشمس وقد تكون الحركة المتعبة
وقد تكون تناول غذاء حار والعلة في الحقيقة
سخونة الاخلاط وهي واحدة في ذاتها و
لكنها طرق اليها واشباح لها وكان الاكتفاء
بالاصول وترك اعتبار تعدد الطرق والمظان
لسان المتعمقين في الفنون النظرية دون
العامة وانما نزل الشرع بلسان الجمهور
يجب ان يكون علة الحكم صفة يعرفها الجمهور
ولا تخفى عليهم حقيقتها ولا وجودها من عدمها
وتكون مظنة لأصل من الاصول التي تعلق بها
الرضا والسخط اما لكونها مفضية اليها او مجاورة
له ونحو ذلك كشرب الخمر فانه مظنة لمفاسد
يتعلق بها السخط من الاعراض عن الاحسان
والاخلاد الى الارض وافساد نظام المدينة و
المنزل وكان لازما لها غالبا فتوجه المنع الى

روکدینا پڑا۔ اور جب ایک شیٔ کے چند لوازم اور وسائل ہوں تو ان میں سے خاص اسی کو علت قرار دیا جائیگا جسکا علت ہونا بہ نسبت اوروں کے زیادہ ظاہر ہوگا اور زیادہ منضبط ہوگا یا اصل سے اسکو زیادہ تعلق اور لزوم ہوگا یا اسطرح کی کوئی اور وجہ ہو مثلاً نمازِ قصر اور افطارِ روزہ کی رخصت سفر اور مرض پر رکھی گئی ہے نہ کہ حرج کے دوسرے احتمالات پر، اسلئے کہ سخت پیشے جیسے کاشتکاری اور آہنگری، اگرچہ ان میں بھی حرج ہوتا ہے لیکن ان کے اعتبار کرنے سے طاعت میں خلل آتا ہے کیوں کہ ان پیشوں کے لوگ ہمیشہ انہیں مصروف رہتے ہیں انکی معاش انہی پیشوں پر موقوف ہوتی ہے اور گرمی اور سردی کا ہونا تو ان کا ٹھیک اندازہ نہیں ہوسکتا کیونکہ انکے مراتب مختلف ہیں جنکی تعداد کا لحاظ کرنا مشکل ہے اور قرائن اور علامات سے انکی بخوبی تعیین نہیں ہوسکتی اسلئے وہ احتمالات معتبر کیے جاتے ہیں جو قرنِ اول میں اکثر اور مشہور تھے اور سفر اور مرض ایک ایسا امر ہے جسکا سمجھنا کسی پر مشتبہ نہیں ہوسکتا اگرچہ اس زمانہ میں کسیقدر انمیں اشتباہ اسوجہ سے پیدا ہوگیا ہے کہ عرب اول کا زمانہ ختم ہوگیا اور لوگوں نے احتمالات میں زیادہ چھان بین کرنا شروع کی یہاں تک کہ وہ ذوق سلیم جو خالص عرب کو حاصل تھا اب لوگوں میں نہ رہا واللہ اعلم ؏

ساتواں باب (۵۹) :۔ اُن مصلحتوں کا بیان جن سے فرائض اور ارکان اور آداب وغیرہ معین کئے گئے ہیں

واضح ہو کہ امت کی درستی اور سیاست کے لئے ضروری ہے کہ ہر ایک قسم کی طاعت کی دو حدیں قرار دیجائیں ایک اعلیٰ اور دوسری ادنیٰ ۔ پس اعلیٰ وہ ہے جس سے پوری طرح پر مقصود حاصل ہوجائے اور ادنیٰ کے یہ معنٰی ہیں کہ اس سے کسیقدر مقصود حاصل ہو کہ اسکے بعد کا درجہ لحاظ کے قابل بھی نہ ہو۔ یہ دو قسمیں اس واسطے قرار پائی ہیں کہ یہ تو نہیں ہوسکتا کہ لوگوں سے کوئی شیٔ طلب کیجائے اور ان کے لئے اس شیٔ کے اجزاء، اسکی صورت، اس شیٔ مطلوب کی مقدار نہ بیان کیجائے کیونکہ ایسا ابہام تو موضوع شرع کے خلاف ہے اور یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ تمام لوگ اس پر مکلف کیے جائیں کہ ہر شیٔ کے آداب اور تتمہ اشیاء کی وہ تعمیل کریں ان لوگوں کو ایسی تکلیف بمنزلہ تکلیف بالمحال کے ہے

ذرع الخمر واذا كان لشئ لوازم وطرق لم يخص للعلية منها الا ما تميز من سائر ما هنالك برجحان من جهة الظهور والانضباط او من جهة لزوم الاصل او نحو ذلك كرخصة القصر والافطار اديرت على السفر والمرض دون سائر مظنات الحرج لان الاكساب الشاقة كالفلاحة والحدادة وان كان يلزمها الحرج لكنها مخلة بالطاعة لان المكتسب بها يداوم عليها ويتوقف عليها معاشه، واما وجود الحر والبرد فغير منضبط لان لهما مراتب مختلفة يعسر احصاؤها وتعيين شئ منها بامارات وعلامات وانما يعتبر عند السبر مظنات كانت فى الامة الاولى اكثرية معروفة وكان السفر والمرض بحيث لا يشتبه عليهم الامر فيهما وان كان اليوم بعض الاشتباه لانقراض العرب الاول وتعمق الناس فى الاحتمالات حتى فسد ذوقهم السليم الذى يجده قح العرب والله اعلم ؏

باب المصالح المقتضية لتعيين الفرائض والاركان والاداب ونحو ذلك

اعلم انه يجب عند سياسة الامة ان يجعل لكل شئ من الطاعات حدان اعلى وادنى فالاعلى هو ما يكون مفضيا الى المقصود منه على الوجه الاتم والادنى هو ما يكون مفضيا الى جملة من المقصود وليس بعدها شئ يعتد به وذلك لانه لا سبيل الى ان يطلب منهم الشئ ولا يبين لهم اجزاؤه وصورته ومقدار المطلوب منه فانه ينافى موضوع الشرع ولا سبيل الى ان يكلف الجميع باقامة الآداب والمكملات لانه بمنزلة التكليف بالمحال

جو کاروبار میں مصروف رہتے ہیں یا تنگ حال رہتے ہیں۔ امت کی سیاست اور انتظام کی بنیاد میانہ روی پر ہے نہ نہایت درجہ پر ہر شئی کی حالت کو پہنچانا، اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ اعلیٰ حالت کو چھوڑ کر ادنیٰ حالت پر ہی اکتفا کیا جائے کیونکہ یہ اعلیٰ حالت سابقین امت کا مشرب اور مخلصین کا حصہ ہے ایسے درجہ کو بالکل ترک کرنا لطف الٰہی کے منافی ہے اسلئے یہ ضروری ہوا کہ ادنیٰ حالت کی بخوبی توضیح کر کے اسکے ساتھ لوگ مکلف قرار دیئے جائیں اور اس سے زاید اور اعلیٰ امور کیطرف بھی لوگ مائل کئے جائیں لیکن ہر شخص پر انکو ضروری نہیں قرار دینا چاہیئے۔ جن امور سے لوگ مکلف کیے جاتے ہیں انکے حصے مختلف ہیں، ایک حصہ تو عبادت کی مخصوص مقدار ہے جیسے پنج وقت نماز رمضان کے روزے۔ اور بعض امور اس طاعت کے اجزا ہوتے ہیں جنکے بغیر وہ طاعت قابلِ اعتبار نہیں ہوتی جیسے تکبیر اور سورہ فاتحہ کا پڑھنا نماز کے لئے، ایسے اجزا کا نام ارکان ہے۔ اور بعض امور اس طاعت سے خارج ہوتے ہیں لیکن بدون ان امور کے طاعت غیر معتبر ہوتی ہو ان امور کا نام شروط ہے جیسے نماز کے لئے وضو۔

واضح ہو کہ کبھی تو کوئی شئی رکن امر طبعی کی وجہ سے قرار دیجاتی ہے اور کبھی کسی امر عارض کی وجہ سے، پہلی صورت میں بغیر اس رکن کے عبادت پوری نہیں ہوتی اور نہ فائدہ مند ہوتی ہے جیسے نماز میں رکوع اور سجدہ اور روزہ میں کھانے پینے اور مجامعت سے باز رہنا، یا ایسے رکن کی وجہ سے کوئی امر مخفی اور مبہم جو نہایت ضروری ہوتا ہے منضبط ہو جاتا ہے جیسے تکبیر سے نیت کا انضباط، اور حضوری حاصل ہوتی ہے اور سورہ فاتحہ سے دعاء کا انضباط ہو جاتا ہے اور سلام کے ذریعے نماز سے باہر آنے کی صورت ایسے عمدہ فعل سے منضبط ہو جاتی ہے جو وقار اور تعظیمی حالت کے منافی نہیں، اور جو امر عارضی کی وجہ سے رکن قرار دیا جاتا ہے وہ کسی اور سبب کی وجہ سے واجب ہو جاتا ہے وہ نماز کا رکن اسلئے قرار دیا جاتا ہے کہ اس سے نماز کی تکمیل ہوتی ہے اور پوری طرح نماز کی غرض اس سے حاصل ہو جاتی ہے اور اسکی پابندی وقت بھی نہایت عمدگی سے ظہور میں آتی ہے جیسے کہ اس شخص کے مسلک کے موافق جو کسی سورہ قرآنی کے پڑھنے کو رکن قرار دیتا ہے تو اس کا رکن ہونا اس لئے ہے کہ قرآن شعائر الٰہی میں سے ہے اس کی تعظیم واجب ہے اور اس سے بے پرواہی نہیں کرنی چاہیئے اور اس کی پابندی وقت میں اس سے بہتر کوئی بات نہیں کہ اس کی تلاوت کا اس عبادت میں حکم دیا جائے جو سب عبادتوں میں زیادہ مؤکد، کثیر الوجود ہے

فی حق المشتغلین او المتعسر وانما بناء سیاسة الامة علی الاقتصاد دون الاستقصاء ولا سبیل الی ان یهمل الاعلی ویکتفی بالادنی فانه مشرب السابقین وحظ المخلصین واهمال مثله لایلائم اللطف فلا محیص اذًا من ان یبین الادنی ویسجل علی التکلیف به ویندب الی ما یزید علیه من غیر ایجاب، والذی یسجل علی التکلیف به ینقسم الی مقدار مخصوص من الطاعة کالصلوات الخمس وصیام رمضان والی ابعاض لها لا یعتد بها بدونها کالتکبیر وکقراءة فاتحة الکتاب للصلاة وتسمی بالارکان، وامور خارجة عنها لا یعتد بها بدونها وتسمی بالشروط کالوضوء للصلوة۔

واعلم ان الشئ قد یجعل رکنا بسبب یشبه المذهب الطبیعی وقد یجعل بسبب طارئ فالاول ان تکون الطاعة لا تتقوم ولا تفید فائدتها الا به کالرکوع والسجود فی الصلاة والامساک عن الاکل والشرب والجماع فی الصوم او یکون ضبطا لمبهم خفی لابد منه فیها کالتکبیر فانه ضبط للنیة واستحضار لها وکالفاتحة فانها ضبط للدعاء وکالسلام فانه ضبط للخروج من الصلاة بفعل صالح لاینافی الوقار والتعظیم، والثانی ان یکون واجبا بسبب اخر من الاسباب فیجعل رکنا فی الصلاة لانه یکملها ویوفر الغرض منها ویکون التوقیت بها احسن توقیت کقراءة سورة من القرآن علی مذهب من یجعلها رکنا فان القرآن من شعائر الله یجب تعظیمه وان لا یترک ظهریا ولا احسن فی التوقیت من ان یؤمروا بها فی آکد عباداتهم واکثرها وجودا و

اور لوگ بہ نسبت دوسری عبادتوں کے اسکے زیادہ مکلف ہیں یا اسکی وجہ سے دو مشتبہ چیزوں میں تمیز ہوتی ہے اس سے مقدمۃ الشئی اور اس شی مستقل میں جو کسی شی پر موقوف ہے تفریق ہوتی ہے ایسی شئی کو بھی رکن کر لیتے ہیں اور اسکی بجا آوری کا حکم کیا جاتا ہے جیسے رکوع اور سجود میں قومہ، اسکی وجہ سے سر جھکانے میں جو سجدہ کا مقدمہ ہے اور رکوع میں جو مستقل تعظیم ہے فرق ہو جاتا ہے۔ اور جیسے نکاح میں ایجاب وقبول اور گواہوں کا حاضر ہونا اور ولی کا موجود ہونا اور عورت کی رضامندی، کیونکہ بغیر ان امور کے نکاح اور زنا میں تمیز نہیں ہو سکتی اور ممکن ہے کہ تعیین ارکان میں دونوں وجہیں ذاتی اور ضمنی جمع ہو جائیں، اور جو کچھ ہمنے رکن میں گفتگو کی ہے اسی پر شرط کا حال قیاس کر لینا چاہیئے اور کبھی کوئی شئی کسی وجہ سے واجب ہوتی ہے پس اسکو کسی شعائر دین کیلئے اسکی عظمت شان کی وجہ سے شرط بنا دیا جاتا ہے اور اس شرط کے ملجانے ہی سے اس طاعت کی کمالیت ہوتی ہے جیسے نماز میں قبلہ کیطرف منہ کرنا چونکہ خانہ کعبہ شعائر الٰہی میں سے ہے اسلئے اسکی تعظیم واجب ہے اور بڑی تعظیم کی صورت یہ ہے کہ عمدہ حالات اور افضل اوقات میں اسکی جانب اپنا رخ کریں اور نماز میں بھی ایک خاص جانب رخ کرنا شعائر الٰہی میں سے تھا کیونکہ اس سے نمازی کو خدا کی حضوری میں اظہار عاجزی وفرماں برداری پر آگاہی ہوتی ہے اور اس سے اسکو وہ حالت یاد آتی ہے جو مالکوں کے سامنے غلاموں کے کھڑا ہونے سے ہوتی ہے، اسلئے نماز میں قبلہ کی طرف رخ کرنا شرط قرار دیا گیا۔

اور لبا اوقات ایک شئی بغیر ایک خاص ہیئت کے معتدبہ فائدہ نہیں دیتی پس اس لئے اس کی صحت کے واسطے اس ہیئت کو شرط قرار دیا جاتا ہے جیسے نماز میں نیت کرنا کیونکہ اعمال کا اثر محض اسوجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ وہ دلی حالت کی تصویر اور صورت ہوتے ہیں۔ اور نماز خشوع اور خضوع کی تصویر ہے اور یہ خشوع بغیر نیت کے نہیں ہو سکتا، اور استقبال قبلہ بھی ایک دوسری وجہ سے شرط قرار دیا گیا کیونکہ دل کا یا حضور اور متوجہ ہونا ایک مخفی امر تھا اس لئے بیت اللہ کی طرف رُخ کرنا جو کہ خدا تعالےٰ کے شعائر میں سے ہے بجائے حضوری دل کے قرار دیا گیا۔ اور مثلاً وضو، ستر ڈھانکنا اور ناپاکی دور کرنا، کیونکہ دلی تعظیم ایک مخفی امر تھا اس لئے وہ حالتیں اس دلی تعظیم کے قائم مقام کی گئیں جن کا بادشاہوں

اشملها بتكليف او يكون التمييز بين مشتبهين او التفريق بين مقدمة الشئ والشئ المستقل موقوفا على شئ فيجعل ركنا ويؤمر به كالقومة بين الركوع والسجود بها يحصل الفرق بين الانحناء الذى هو مقدمة السجود وبين الركوع الذى هو تعظيم براسه وكالايجاب والقبول والشهود وحضور الولى ورضا المرأة فى النكاح فان التمييز بين النكاح والسفاح لا يحصل الا بذلك ويمكن ان يجتمع بعض الاركان على الوجهين جميعا وعلى ما ذكرنا فى الركن ينبغى ان يقاس حال الشرط فربما يكون الشئ واجبا بسبب من الاسباب فيجعل شرطا لبعض شعائر الدين تنويها به ولا يكون ذلك حتى تكون تلك الطاعة كاملة بانضمامه كاستقبال القبلة لما كانت الكعبة من شعائر الله وجب تعظيمها وكان من اعظم التعظيم ان تستقبل فى احسن حالاتهم وكان الاستقبال الى جهة خاصة هنالك بعض شعائر الله منبها للمصلى على صفات الاخبات والخضوع مذكرا له هيئة قيام العبيد بين ايدى ساداتهم جعل استقبال القبلة شرطا فى الصلاة وربما يكون الشئ لا يفيد فائدة بدون هيئة فيشترط لصحته كالنية فان الاعمال انما تؤثر لكونها اشباح هيئات نفسانية والصلاة شبح الاخبات ولا اخبات بدون النية وكاستقبال القبلة ايضا على تخريج آخر فان توجيه القلب لما كان خفيا نصب توجيه الوجه الى الكعبة التى من شعائر الله مقامه، وكالوضوء وستر العورة وهجر الرجز فانه لما كان التعظيم امرا خفيا نصبت الهيآت التى يؤاخذ الانسان بها

اور امراء کی حضوری میں جاتے وقت انسان لحاظ کیا کرتا ہے اور جنکو لوگ آداب تعظیمی سے شمار کرتے ہیں، یہ امور ان کے دل نشین ہوگئے ہیں اور تمام عرب وعجم ان پر متفق ہیں ۔ اور جب کوئی عبادت فرض ہونے کیلئے معین کیجائے تو چند اصول کا لحاظ کرنا ضروری ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ لوگوں کو صرف آسان امر کی تکلیف دینی چاہیئے چنانچہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں یہی مراد ہے کہ "اگر میں اپنی امت پر گراں نہ سمجھتا تو میں ہر نماز کے لئے وضو کی طرح مسواک کرنا فرض کر دیتا"

اور ان اصول میں سے ایک یہ ہے کہ جب امت کسی مقدار خاص کے متعلق یہ سمجھ لے کہ اسکے ترک کرنے سے خدا تعالےٰ کی شان میں کوتاہی کرتا ہے اور یہ امر ان کے دلوں میں اس لئے خوب جم جائے کہ وہ شئی انبیاء علیہم السلام سے منقول ہوتی چلی آتی ہے اور سلف کا برابر اس پر اتفاق رہا ہے، یا ایسے ہی امور اور بھی ہوں تو ایسی حالت میں، مقتضائے حکمت یہی ہے کہ جیسے لوگوں نے اسکو اپنے ذمہ واجب ٹھیرا لیا ہے ان پر وہ شئی واجب ہی کر دیجائے جیسے اونٹوں کا گوشت اور دودھ بنی اسرائیل پر حرام کر دیا گیا تھا ۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں جو آپ نے رمضان میں قیام کی نسبت فرمایا تھا یہی مراد ہے کہ میں اس بات سے ڈر گیا کہ کہیں یہ قیام تمپر فرض نہ ہو جائے،

اور ان اصول میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب تک کوئی شئی خوب صاف صاف اور ظاہر اور منضبط نہ ہو لوگوں پر وہ فرض نہ کیجائے یہی وجہ ہے کہ حیا اور تمام اخلاق اسلام کے ارکان نہیں قرار دیئے گئے گو وہ اسلام کے شعبے ہیں ۔ اور ادنیٰ طاعت کی حالت آسائش وسختی کی وجہ سے مختلف ہوتی ہے پس طاقت رکھنے والے کے لئے قیام فرض کیا گیا اور ناتواں کے لئے بیٹھنے کو قیام کا جانشین ٹھیرایا ۔ اور ایسے ہی طاعت حد اعلیٰ میں کمیت اور کیفیت کے لحاظ سے زیادہ ہوتی ہے ۔ کمیت کی زیادتی اس طرح ہے کہ نوافل کو بمنزلہ فرائض کے ادا کرنا، جیسے سنتِ مؤکدہ اور نماز تہجد اور ہر ماہ میں تین روزے رکھنا اور نفل صدقات دینا وغیرہ ۔ اور کیفیت کی زیادتی اسطرح ہوتی ہے کہ خاص خاص سنتیں اور اذکار ادا کرنا اور ان امور سے پرہیز کرنا جو عبادت کے نامناسب ہیں

نفسه عند الملوك واشباههم وبعد ونها تعظيما وصار ذلك كامنا فى قلوبهم واجمع عليه عربهم وعجمهم مقامه واذا عين شئ من الطاعات للفرضية فلابد من ملاحظة اصول، منها ان لايكلف الا باليسير وذلك قوله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم لولا ان اشق على امتى لامرتهم بالسواك عند كل صلوة، وتفسيره ما جاء فى رواية اخرى، لولا ان اشق على امتى لفرضت عليهم السواك عند كل صلوة كما فرضت عليهم الوضوء، ومنها ان الامة اذا اعتقدت فى مقدار ان تركه واهماله تفريط فى جنب الله واطمانت به نفوسهم اما لكونه ما ثورا عن الانبياء مجمعا عليه من السلف او نحو ذلك كانت الحكمة ان يكتب ذلك المقدار عليهم كما استوجبوه كتحريم لحوم الابل والبانها على بنى اسرائيل وهو قوله صلى الله عليه وآله وسلم فى قيام ليالى رمضان حتى خشيت ان يكتب عليكم، ومنها ان لا يجعل على التكليف بشئ حتى يكون ظاهرا منضبطا لايخفى عليهم فلذلك لايجعل من اركان الاسلام الحياء وسائر الاخلاق وان كانت من شعبة ثم الادنى قد يختلف باختلاف حالتى الرفاهية والشدة فيجعل القيام ركنا للصلوة فى حق المطيق ويجعل القعود مكانه فى حق غيره، واما الحد الاعلى فيزيد كمًّا وكيفا، اما الكمُّ فنوافل من جنس الفرائض كسنن الرواتب وصلاة الليل وصيام ثلاثة ايام من كل شهر، وكصدقات المندوبة ونحو ذلك واما الكيف فهيأت واذكار وكف لايلائم

پس ان امور کا عبادت میں اسلئے حکم دیا جاتا ہے کہ تکمیل ہوجائے
اور ان کی بجا آوری پورے طور پر مقصود تک پہنچا دے جیسے وضوء
میں ان جوڑوں کا خیال رکھنا جنمیں میل جمع ہوجاتا ہے، پس انکے دھونیکا
اسلئے حکم کیا گیا ہے کہ پورے طور پر پاکیزگی حاصل ہوجائے اور جیسے
دائیں جانب سے ابتدا کرنیکا اسلئے حکم دیا گیا ہے تاکہ نفس عبادت
کی عظمت پر متنبہ ہو اور اعمال مہمہ میں عبادت کیطرف متوجہ ہو،

واضح ہو کہ جب کوئی انسان کسی خلق کو حاصل کرنا چاہے اور قصد
کرے کہ یہ قصد اسکی رگ وپے میں سرایت کر جائے اور اسکا ہر طرف سے
احاطہ کرے تو اسکے حصول کا ذریعہ یہی ہے کہ اسکے مناسب جو جو افعال ہوں
ان سب کو انجام دے اگرچہ وہ تمام لوگوں کی نظر میں ادنیٰ اور نا قابل
اعتبار ہی کیوں نہ ہوں جیسے شجاعت کی مشق کرنیوالا کہ وہ نہ دلدلوں میں
چلنے سے جھجکتا ہے نہ آفتاب کی گرمی میں اور شب تاریک میں چلنے سے
گھبراتا ہے۔ ایسے ہی جسکو خوف خدا کی مشق منظور ہو تو ہر حال میں آداب
تعظیمہ کا التزام کرے، رفع حاجت کے وقت سر نگوں اور باحیا ہو کر
بیٹھے اور جب خدا تعالیٰ کا ذکر کرے تو اپنے ہاتھ پاؤں سمیٹ لے، اور جو
عدالت کی مشق کرنا چاہے تو وہ ہر چیز کا حق ادا کرے، کھانے اور پاکیزہ
چیزوں کے لئے دائیں ہاتھ کو خاص کرے اور نجاست دور کرنے کیلئے
بائیں ہاتھ کو کام میں لائے اور یہی راز تھا کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ
وسلم سے کہا گیا تھا کہ بڑے کو مسواک دو، (آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
کہ خواب میں میں نے دیکھا کہ مسواک کر رہا ہوں اتنے میں دو شخص آئے ان میں ایک بڑا تھا میں نے مسواک چھوٹے
کو دیدی اسوقت مجھ سے کہا گیا کہ بڑے کو دو) ایسے ہی حویصہ اور محیصہ کے قصہ میں آپ نے
فرمایا بڑے کو پہلے گفتگو کرنے دو (جنگ خیبر میں عبد اللہ بن سہیل قتل ہوگئے اور ان کی اطلاع جب
معلوم ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عبدالرحمٰن مقتول کے بھائی اور ان کے دو چچیرے بھائی
حویصہ اور محیصہ آئے عبدالرحمٰن نے گفتگو شروع کردی لیکن وہ عمر میں چھوٹے تھے اسلئے آپ نے ارشاد فرمایا
بڑے کو پہلے گفتگو کرنے دو۔) پس آداب کے بارے میں یہ بڑا قاعدہ کلیہ ہے ۞

واضح ہو کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا
ہے، اور ایسے ہی اور جگہ بھی شیاطین کی طرف بعض افعال کی نسبت کی گئی
ہے اس کے معنی میرے رب تبارک وتعالےٰ نے مجھ کو یہ سمجھائے
ہیں کہ شیاطین کو خدا تعالےٰ نے قدرت دی ہے کہ خواب میں یا بیداری

الطاعة يؤمر بها في الطاعة لتكمل وتكون
مفضية الى المقصود منها على الوجه الأتم وكتعهد
المغابن يؤمر به في الوضوء لتكميل النظافة
وكالابتداء باليمين يؤمر به لتكون النفس
متنبهة على عظم امر الطاعة وتقبل عليها
حين اخذت نفسها بما يفعل في الاعمال
المهمة۔ واعلم ان الانسان اذا اراد ان يحصل
خلقا من الاخلاق وتنصبغ نفسه ويحيط بها
من جميع جوانبها فحيلة ذلك ان يؤاخذ نفسه
بما يناسب ذلك الخلق من فعل وهيئات و
لو في الامور القليلة التي لا يعبأ بها العامة
كالمتمرن على الشجاعة يؤاخذ نفسه ان لا
يحجم عن الخوض في الوحل والمشي في الشمس
والسرى في الليلة الظلماء ونحو ذلك وكذلك
المتمرن على الاخبات يحافظ على الآداب التعظيمية
كل حال فلا يجلس على الغائط الا مطرقا مستحييا
واذا ذكر الله جمع اطرافه ونحو ذلك والتمرن
على العدالة يجعل لكل شيء حقا فيجعل
اليمين للاكل والطيبات واليسار لازالة
النجاسة وهو سر ما قيل للنبي صلى الله عليه
وسلم في السواك كبر كبر وقوله صلى الله
عليه وسلم في قصة حويصة ومحيصة الكبر
الكبر فهذا اصل ابواب من الآداب ۔

واعلم ان سر قوله صلى الله عليه وسلم ان
الشيطان يأكل بشماله ونحو ذلك من نسبة
بعض الافعال الى الشياطين على ما فهمني
ربي تبارك وتعالى ان الشياطين قد اقدرهم
الله تعالى على ان يتشكلوا في رؤيا الناس و
لابصارهم في اليقظة باشكال تعطيها امزجتهم

ان احوال سے جوان پر شکل بننے کے وقت طاری ہوتے ہیں، حاصل ہوتی ہیں
جن لوگوں کا وجدان سلیم ہوتا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ شیاطین کے مزاج
کی وجہ سے ایسے افعال سرزد ہوتے ہیں جو نہایت شنیع، خفیف اور برے
ہوتے ہیں اور ان کی مزاجی حالت ناپاکیوں سے قریب کر دیتی ہے، ذکرِ الٰہی
میں اسکی وجہ سے سنگ دلی ہو جاتی ہے، جتنے عمدہ انتظامات ہوتے
ہیں انہیں انکی مزاجی حالت کی وجہ سے ابتری ہو جاتی ہے، افعالِ
شنیعہ سے ہماری مراد ایسے افعال ہیں کہ جب انسان انکا ارتکاب کرے
تو لوگوں کے دل اسکی وجہ سے نہایت بیزار ہوں، انکے رونگٹے کھڑے
ہو جائیں، وہ زبان سے ان افعال پر لعن وطعن کریں۔ اور یہ بنی آدم کا
قدرتی طریقہ ہے جو صورتِ نوعیہ کے فیضان سے انہیں پیدا ہوا ہے اور
اور اس قدرتی طریقہ کے حصول میں تمام فرقے بلا لحاظ رسم اور قوم اور ملت و
مذہب کے مساوی ہیں۔ ایسے افعالِ شنیعہ مثلاً اپنی شرمگاہ کو ہاتھ میں لینا،
کودنا، ناچنا، اپنی دبر میں انگلی داخل کرنا، اپنی ڈاڑھی کو تھوک سے آلودہ کرنا
یا ناک کان کاٹ کر سیاہ رو ہونا، لباس کو الٹا پہننا، قمیص کا اوپر والا حصہ
نیچے کر لینا، یا کسی چوپایہ پر سوار ہو کر اسکی دم کیطرف اپنا منہ کر لینا، یا ایک
پاؤں میں موزہ پہنکر دوسرا برہنہ چھوڑ دینا، ایسے ہی اور افعال ہیں جنکو دیکھتے
ہی ہر شخص لعنت ملامت کرتا ہے۔

اور میں نے بعض واقعات میں شیاطین کو بعض ایسے افعال
کرتے ہوئے دیکھا ہے، اور خفیف کاموں سے میری مراد یہ ہے کہ اپنے
کپڑے یا کنکریوں سے کھیلنا یا بدنما طور پر ہاتھ پاؤں ہلانا،

حاصل کلام یہ ہے کہ خداوند کریم نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم
پر ان افعال کو منکشف کیا کہ یہ افعال شیطانی مزاجوں سے پیدا
ہوتے ہیں، پس شیاطین جب کسی کو خواب میں یا حالتِ بیداری
میں نظر آئیں گے تو ضرور ان افعال میں سے کوئی نہ کوئی حرکت
کرتے ہوئے دکھائی دیں گے، اور خدا تعالےٰ نے اپنے نبی کو
یہ بتلایا کہ خدا تعالےٰ مومن کے لئے یہ پسند کرتا ہے کہ
حتی الامکان شیاطین اور ان کی حالتوں سے گریز کیا جائے
پس اس لئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ان افعال
اور صورتوں کو بیان فرما دیا، ان کی کراہت ظاہر فرمائی

واحوال طارئة عليهم في وقت التشكل، وقد
علم اهل الوجدان السليم ان مزاجهم يعطي
التلبس بافعال شنيعة وافعال تميل الى
طيش وضجر والتقرب من النجاسات والقسوة
عن ذكر الله والافساد لكل نظام مستحسن
مطلوب، واعني بالافعال الشنيعة ما اذا
فعله الانسان اشمأزت قلوب الناس عنه
واقشعرت جلودهم وانطلقت السنتهم باللعن
والطعن ويكون ذلك كالمذهب الطبيعي لبني
آدم تعطيه الصورة النوعية ويستوي فيه طوائف
الامم لا للمحافظة على رسم قوم دون قوم او
ملة دون ملة مثل ان يقبض على ذكره او
يثب ويرقص او يدخل اصبعه في دبره و
يلطخ لحيته بالمخاط او يكون اجدع الانف و
الاذن مسخم الوجه او ينكس لباسه فيجعل
اعلى القميص اسفل او يركب دابة فيجعل وجهه
من قبل ذنبها او يلبس خفا في رجل والرجل
الاخرى حافية ونحو ذلك من الافعال والهيآت
المنكرة التي لا يراها احد الا لعن وسب
وشتم، وقد شاهدت في بعض الواقعات
الشياطين يفعلون بعض ذلك، واعني بافعال
الطيش مثل العبث بثوبه وبالحصى وتحريك
الاطراف على وجه منكر، وبالجملة فقد كشف
الله على نبيه صلى الله عليه وآله وسلم تلك
الافعال وانها تعطيها امزجة الشياطين فلا
يتمثل الشيطان في رؤيا احد او يقظته الا
وهو يتلبس ببعضها وان المرضي في حق المؤمن
ان يتباعد من الشياطين وهيأتهم بقدر
الاستطاعة، فبين النبي صلى الله عليه و

اوران سے محترز رہنے کا حکم دیا۔ اوراسی قسم سے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ قضائے حاجت کے موقعوں پر شیاطین آموجود ہوتے ہیں، اوراسی قسم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ شیاطین بنی آدم کی مقعدوں سے کھیل کرتے ہیں اور جب انسان جمائی لیتے وقت ہاہ ہاہ کرتا ہے توشیاطین "ہنستے" ہیں، اور ملائکہ کی حالتوں کی جو رغبت لوگوں کو دلائی گئی ہے اسکو بھی اسی پر قیاس کرلو۔ چنانچہ اس باب میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ "تم ایسی صفیں کیوں نہیں باندھتے ہو جیسی ملائکہ صفیں باندھتے ہیں"

اور یہ حدیث ابواب آداب کیلئے ایک دوسرا قاعدہ ہے،

واضح ہو کہ جب کوئی شئی فرض کفایہ مقرر کی جاتی ہے تو اس کا سبب یہی ہوتا ہے کہ اگر سب لوگ مجتمع ہوکر اسکو کرنے لگیں تو انتظام معاش درہم برہم ہوجائے، ان کی تدابیر نافع معطل ہوجائیں اور یہ بھی نہیں ہوسکتا ہے کہ بعض لوگ ایک کام کے لئے خاص کردیے جائیں اور اوروں سے کوئی دوسرا کام لیا جائے، مثلاً جہاد ہے اگر سب لوگ اسکے لئے جمع ہوجائیں اور زراعت، تجارت اور صناعات کو سب لوگ چھوڑ دیں تو معاش درہم برہم ہوجائیگی، اور یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ بعض کو جہاد کا کام سپرد کردیا جائے اور بعض کو تجارت کا اور بعض کو زراعت کا اور بعض کو قضاء اور تعلیم علوم کی خدمت پر مقرر کردیا جائے اسلئے کہ کسی کو کسی امر میں آسانی ہوتی ہے جو دوسرے کو نہیں ہوتی، اور جس امر کیلئے جو قابل ہو اس کا علم ناموں اور اقسام سے ہو نہیں سکتا کہ انکو حکم کا مدار علیہ بنایا جاسکے،

اور فرض کفایہ کے اسباب میں سے یہ بھی ہے کہ اس امر کفایہ سے ایسی مصلحت مقصود ہو کہ اس سے انتظام باقی رہے اور اسکے ترک سے کوئی نفسانی ابتری اور بہیمیت کا غلبہ نہ ہو مثلاً قاضی ہونا، علوم دین کی تعلیم اور خلافت کا بندوبست کرنا کیونکہ یہ سب امور انتظاماً مقرر ہوئے ہیں، اور یہ امور ایک آدمی کے ذریعہ بھی حاصل ہوسکتے ہیں، اور جیسے مریض کی عیادت اور جنازہ کی نماز پڑھنا اس لئے مشروع ہوئے ہیں کہ ان سے مقصود یہ ہے کہ بیمار اور مردہ ضائع نہ ہوجائے اور یہ مقصود بعض لوگوں کے پورا کرنے سے حاصل ہوجاتا ہے، واللہ اعلم،

سلم تلك الافعال والهيأت وكرهها وامر بالاحتراز عنها، ومن هذا الباب قوله صلى الله عليه وسلم ان هذه الحشوش محتضرة وقوله صلى الله عليه وسلم ان الشيطان يلعب بمقاعد بنى آدم وانه يضحك اذا قال الانسان هاه هاه وقس على ذلك الترغيب فى هيأت الملائكة وهو قوله صلى الله عليه وسلم "الا تصفون كما تصف الملائكة" وهذا الاصل آخر لابواب من الآداب - واعلم ان من اسباب جعل الشئ فرضا بالكفاية ان يكون اجتماع الناس عليه باجمعهم مفسداً لمعاشهم ومفضياً الى اهمال ارتفاقاتهم ولا يمكن تعيين بعض الناس له وتعيين آخرين لغيره كالجهاد لو اجتمعوا عليه وتركوا الفلاحة والتجارة والصناعات لبطل معاشهم ولا يمكن تعيين بعض الناس للجهاد وآخرين للتجارة وآخرين للفلاحة وآخرين للقضاء وتعليم العلم فان كل واحد يتيسر له ما لا يتيسر لغيره ولا يعلم المستعد لشئ من ذلك بالاسامى والاصناف ليدار الحكم عليها، ومنها ان تكون المصلحة المقصودة به وجود نظام ولا يلحق بتركه فساد حال النفس وغلبة البهيمية كالقضاء وتعليم علوم الدين والقيام بالخلافة فانها شرعت للنظام وتحصل بقيام رجل واحد بها وكعيادة المريض والصلاة على الجنازة فان المقصود ان لا تضيع المرضى والموتى وتحصل بقيام البعض بها

والله اعلم

آٹھواں باب (۶۱) :۔ اوقات کے اسرار کا بیان

امت کی سیاست بغیر اسکے پوری نہیں ہوتی کہ انکی عبادت کے اوقات مقرر کر دیئے جائیں اور تعیین اوقات میں اصلی امر فراست ہے جس سے مکلفین کی حالت خوب معلوم کیجا سکتی ہے اور اس سے وہ چیز اختیار کر لیجاتی ہے جو لوگوں پر گراں نہ ہو اور اصل مقصود کیلئے اسی قدر بات کافی ہے مگر اسکے علاوہ تعیّن اوقات میں اور بھی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں جن کو علم میں کامل اشخاص خوب جانتے ہیں اور ان حکمتوں کا تین قاعدوں پر استنباط ہوتا ہے، اولاً یہ کہ اگرچہ خداوند کریم زمانہ سے برتر ہے لیکن آیات اور احادیث سے یہ امر ثابت ہے کہ بعض اوقات میں خدا تعالےٰ اپنے بندوں سے قریب ہوتا ہے اور بعض اوقات میں لوگوں کے اعمال اسکے سامنے پیش ہوتے ہیں، اور بعض اوقات میں وہ بعض بعض حوادث کو دنیا میں مقرر اور مقدر کرتا ہے ۔ اور اسی قسم کے بہت سے احوال متجددہ ہیں اگرچہ ان کی اصلی حقیقت خدا تعالےٰ ہی کو معلوم ہے، پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جب تہائی رات باقی رہ جاتی ہے تو خدا تعالےٰ ہر شب آسمان دنیاں کی طرف نزول فرماتا ہے اور نیز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ پیر اور جمعرات کے دن لوگوں کے اعمال خدا کے حضور میں پیش ہوتے ہیں، اور آپ کا فرمان ہے کہ خدا تعالیٰ نصف شعبان کی شب آخیر میں جھانکتا ہے ۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آسمان دنیا کی طرف نزول کرتا ہے ۔ اس باب میں بہت سی حدیثیں وارد ہیں جو سب کو معلوم ہیں ۔

حاصل کلام یہ ہے کہ یہ امر ضروریات دین سے ہے کہ بعض اوقات میں زمین پر روحانیت پھیلتی ہے اور ان اوقات میں مثالی قوت سرایت کرتی ہے، قبولِ طاعت اور قبولیت دعا کے لئے ان اوقات سے عمدہ وقت کوئی نہیں ہوتا ہے ۔ ان اوقات میں ذرا سی کوشش کرنے سے نہایت وسعت کے ساتھ قوت بہیمی ملکی طاقت کے مطیع ہو جاتی ہے اور ملاء اعلیٰ اس روحانیت اور مثالی قوت کے پھیلنے کو دورات آسمانی کے حساب سے نہیں پہچانتے بلکہ اپنے ذوق اور وجدان سے اسکو اس طور پر معلوم کر لیتے ہیں کہ انکے دلوں میں اولاً کوئی شئ منطبع ہوتی ہے اس سے وہ سمجھ جاتے ہیں کہ

باب اسرار الاوقات

لا تتم سياسة الامة الا بتعيين اوقات طاعاتها، والاصل في التعيين الحدس المعتمد على معرفة حال المكلفين واختيار ما لا يشق عليهم وهو يكفي من المقصود، ومع ذلك ففيه حكم ومصالح يعلمها الراسخون في العلم وهي ترجع الى اصول ثلاثة، احدها ان الله تعالى وان كان متعاليا عن الزمان لكن قد تظاهرت الآيات والاحاديث على انه في بعض الاوقات يتقرب الى عباده، وفي بعضها تعرض عليه الاعمال، وفي بعضها يقدر الحوادث الى غير ذلك من الاحوال المتجددة وان كان لا يعلم كنه حقيقتها الا الله تعالى قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ينزل ربنا كل ليلة الى السماء الدنيا حين يبقى ثلث الليل الآخر، وقال ان اعمال العباد تعرض يوم الاثنين ويوم الخميس، وقال في ليلة النصف من شعبان، ان الله ليطلع فيها، وفي رواية ينزل فيها الى السماء الدنيا، والاحاديث في هذا الباب كثيرة معلومة، وبالجملة فمن ضروريات الدين ان هنالك اوقاتا يحدث فيها شئ من انتشار الروحانية في الارض وسريان قوة مثالية فيها وليس وقت اقرب لقبول الطاعات واستجابة الدعوات من تلك الاوقات ففي ادنى سعي حينئذ ينفتح باب عظيم من انقياد البهيمية للملكية والملأ الاعلى لا يعرفون انتشار تلك الروحانية وسريان تلك القوة بحساب الدورات الفلكية بل بالذوق والوجدان بان ينطبع شئ في قلوبهم فيعلموا ان هنالك

اور کسی قدر ان سے پہلے اور بعد تک روحانیت پھیلتی ہے اور برکات ظاہر ہوتے ہیں۔ اور دنیا کے تمام اہل مذاہب جانتے ہیں کہ ان اوقات میں عبادت زیادہ مقبول ہوتی ہے لیکن مجوس نے دین کی تحریف کر لی تھی اور خدا تعالےٰ کو چھوڑ کر ان اوقات میں سورج کی پوجا کرنے لگے تھے تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریف کا سد باب کرنے کے لئے ان اوقات کو ایسے وقتوں سے بدل دیا جو ان اوقات سے کچھ دور بھی نہ تھے اور اصلی غرض بھی اس تبدیلی سے فوت نہ ہوتی تھی، اور نصف شب میں اسلئے نماز فرض نہیں کی کہ اس میں حرج تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بروایت صحیح ثابت ہے آپ نے فرمایا "شب میں ایک ساعت ایسی ہے کہ اگر وہ مسلمان بندہ کو مل جائے اور اسمیں دنیا اور آخرت کی کسی بھلائی کو خدا تعالےٰ سے مانگے تو اسکو خدا قبول فرماتا ہے اور دیتا ہے، اور ہر شب میں یہ ساعت ہوتی ہے۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے "نصف شب کی نماز سب نمازوں سے افضل ہے لیکن اسکے پڑھنے والے لوگ کم ہیں"۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کون سے وقت میں دعا، زیادہ مقبول ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ نصف شب میں۔ اور زوال کی ساعت کی نسبت فرمایا کہ وہ ایسی ساعت ہے جس میں آسمان کے دروازے کھلتے ہیں اسلئے میں پسند کرتا ہوں کہ اس ساعت میں میرے اچھے عمل اوپر جائیں، اور فرمایا کہ دن کے فرشتے رات کے فرشتوں کے آنے سے پہلے آسمان کی طرف جاتے ہیں اور رات کے فرشتے دن کے فرشتوں کے آنے سے پہلے آسمان کی طرف چڑھ جاتے ہیں، ان مضامین کی طرف خدا تعالےٰ نے بھی اپنی محکم کتاب میں اشارہ فرمایا ہے، اس کا ارشاد ہے "خدا تعالےٰ کی پاکی ہے جس وقت کہ تم شام کرتے ہو اور جس وقت کہ تم صبح کرتے ہو، اور آسمانوں اور زمین میں خدا کی تعریف ہے شام کے وقت اور جبکہ تمہارا وقت ظہر آتا ہے" اور اس امر میں بہت سی نصوص ہیں جو سب کو معلوم ہیں اور میں نے اسکے متعلق بڑے بڑے مشاہدے کئے ہیں +

دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کی طرف متوجہ ہونے کا مناسب وقت وہ ہے کہ انسان تمام طبعی تشویشات سے فارغ ہو مثلاً زیادہ بھوک، زیادہ پیاس، زیادہ سیری، نیند کا غلبہ، سستی کا ظہور اور بول و براز کی حاجت وغیرہ امور نہ ہوں اور خیالی پریشانیوں سے بھی انسان آزاد ہو

وقبلها بقليل وبعدها بقليل تنتشر الروحانية وتظهر البركة وليست فى الارض ملة الاوهى تعلم ان هذه الاوقات اقرب شئ من قبول الطاعات لكن المجوس كانوا حرفوا الدين فجعلوا يعبدون الشمس من دون الله فسد النبى صلى الله عليه وسلم مدخل التحريف فغير تلك الاوقات الى ما ليس ببعيد منها ولا مفوت لاصل الغرض ولم يفرض عليهم الصلاة فى نصف الليل لما فى ذلك من الحرج، وقد صح عن النبى صلى الله عليه وسلم انه قال ان فى الليل لساعة لا يوافقها عبد مسلم يسال الله تعالى فيها خيرا من امر الدنيا والاخرة الا اعطاه اياه، وذلك كل ليلة، وعنه عليه الصلوة والسلام انه قال "افضل الصلوة نصف الليل وقليل فاعله وسئل اى الدعاء اسمع؟ قال جوف الليل وقال فى ساعة الزوال انها ساعة تفتح فيها ابواب السماء فاحب ان يصعد لى فيها عمل صالح وقال ملائكة النهار تصعد اليه قبل ملائكة الليل وملائكة الليل تصعد اليه قبل ملائكة النهار، وقد اشار الله تعالى فى محكم كتابه الى هذه المعانى حيث قال فسبحان الله حين تمسون وحين تصبحون وله الحمد فى السموات والارض وعشيا وحين تظهرون، والنصوص فى هذا الباب كثيرة معلومة وقد شاهدت منه امرا عظيما +

الاصل الثانى ان وقت التوجه الى الله هو وقت كون الانسان خاليا عن التشويشات الطبيعية كالجوع المفرط والشبع المفرط وغلبة النعاس وظهور الكلال وكونه حاقبا حاقنا والخيالية كامتلاء

مثلاً لغو اور بیہودہ گفتگوؤں سے کان بھرے ہوئے نہ ہوں اور مختلف صورتوں و پریشان کرنے والی رنگتوں سے آنکھ پرنہ ہو اور اسی قسم کی تشویشات سے فراغت ہو' اور یہ فراغت اور آزادی عادات کے مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف ہوا کرتی ہے لیکن وہ وقت جو تمام عرب اور عجم' مشرق و مغرب کے لوگوں کے لئے بمنزلہ طریقہ طبعی کے ہوگیا ہے اور جو اس قابل ہے کہ نوامیس کلی میں اسکو دستور بنا دیا جائے اور اسکے خلاف وقت کو شاذ و نادر ہی سمجھا جاتا ہے وہ صبح اور شام کا وقت ہے۔ اور انسان کو ایک صیقل کی ضرورت ہے جس سے دل کا زنگ دور ہو جائے جبکہ وہ اپنے نفس پر قادر ہوتا ہے اور یہ وہ وقت ہے جب وہ بستر کی طرف رجوع کرتا ہے اور اسکو سونے کی خواہش ہوتی ہے اور اسی لئے نبی علیہ السلام نے عشاء کے بعد قصہ گوئی اور شعر خوانی سے منع فرمایا ہے۔ سیاستِ امت کے اتمام کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ کچھ کچھ زمانہ کے بعد نفس کو عبادت کے لئے آمادہ رہنے کا حکم دیا جائے تاکہ نماز کا انتظار اور نماز پڑھنے سے پہلے اسکی تیاری اور آمادگی اور نماز پڑھنے کے بعد اسکا بقیہ نور اور رنگ نماز کے حکم میں سمجھا جائے اور اسطرح پر اگر تمام اوقات کا استیعاب نہ ہو سکے تو اکثر اوقات کا استیعاب ہو جائے۔ اور ہم نے اسکا تجربہ کیا ہے کہ جو شخص نمازِ تہجد کے قصد سے سوتا ہے وہ بہیمی خواب میں غرق نہیں ہوتا۔ اور یہ بھی تجربہ کیا ہے کہ جسکا دل کسی انتظامِ دنیوی یا محافظتِ وقتِ صلوٰۃ یا وظیفہ میں لگا رہتا ہے کہ وہ ناغہ نہ ہو تو اسکو بہیمی حالت میں محویت نہیں ہوتی' اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں یہی راز ہے " جو شخص خواب سے بیدار ہو اور پڑھے لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علے کل شئ قدیر وسبحان اللہ والحمد للہ و لا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ" اسکے بعد کہے رب اغفر لی' تو خدا تعالے اسکی دعا قبول کر لیتا ہے' اور اگر یہ شخص وضو کر کے نماز پڑھ لیگا تو اسکی نماز بھی قبول ہوگی) اور خدا تعالے کے اس قول میں بھی یہی راز ہے " وہ ایسے لوگ ہیں جنکو نہ تجارت خدا کی یاد سے غافل کرتی ہے اور نہ خرید و فروخت"۔ اور مناسب یہ ہے کہ دو وقتوں کے درمیان چوتھائی دن کا فاصلہ دیا جائے پس اتنے عرصہ میں تین گھنٹہ کی مہلت مل جاتی ہے اور یہ تین گھنٹہ مقدار مستعمل کی اول حد کثرت ہے جو تمام عرب و عجم کے ہاں شب و روز کی تقسیم میں معتبر ہے' حدیث میں آیا ہے۔ سب سے پہلے نوح علیہ السلام نے دن و رات کے حصے کے تھے ۔۔۔

السمع بالاراجیف واللغط والبصر بالصور المختلفة والالوان المشوشة ونحو ذلك من الانواع التشویشات وذلك مختلف باختلاف العادات لكن الذی یشبه ان یكون كالمذهب الطبیعی لعربهم وعجمهم ومشارقتهم ومغاربتهم، والذی یلیق ان یتخذ دستورا فی النوامیس الكلیة والذی یعد مخالفه كالشئ النادر هو الغدوة والدلجة و الانسان یحتاج الی مصقلة تزیل عنه الرین بعد تمكنه من نفسه وذلك اذا اوی الی فراشه ومال للنوم، ولذلك نهی النبی صلی الله علیه وسلم عن السمر بعد العشاء وعن قرض الشعر بعده، وسیاسة الامة لا تتم الا بان یؤمر بتعهد النفس بعد كل برهة من الزمان حتی یكون انتظاره للصلوة واستعداده لها من قبل ان یفعلها وبقیة لونها وصبابة نورها بعد ان یفعلها فی حكم الصلوة فیتحقق استیعاب اكثر الاوقات ان لم یمكن استیعاب كلها، وقد جربنا ان النائم علی عزیمة قیام اللیل لا یتغلغل فی النوم البهیمی وان المتوزع خاطره علی ارتفاق دنیوی وعلی محافظة وقت صلاة او ورد ان لا یفوته لا یتجرد للبهیمیة، وهذا سر قوله صلے الله علیه واله وسلم من تعار من اللیل، الحدیث وقوله تعالی رجال لا تلهیهم تجارة ولا بیع عن ذكر الله ویصلح ان یجعل الفصل بین كل وقتین ربع النهار فانه یحتوی علی ثلاث ساعات وهی اول حد كثرة للمقدار المستعمل عندهم فی تجزئة اللیل والنهار عربهم وعجمهم، وفی الخبر ان اول من جزء النهار واللیل الی الساعات نوح علیه السلام

ان کے بعد ان کی اولاد بھی حصے کرتی چلی آئی ۔

تیسرا قاعدہ اوقات میں یہ ہے کہ عبادت کا وقت ایسا ہونا چاہیئے جو کسی نعمتِ الٰہی کو یاد دلائے مثلاً یوم عاشورہ کہ اس روز خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون پر غلبہ عطا فرمایا تھا اسلئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود روزہ رکھا اور روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔ اور جیسے ماہ رمضان کہ اس ماہ میں قرآن نازل ہوا اور ملت اسلام کے ظہور کی ابتدا اسی سے ہوئی یا انبیاء علیہم السلام کی عبادت اور اسکے مقبول ہونے کو یاد دلائے جیسے عید الضحیٰ کا دن کیونکہ یہ روز حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ذبح اور انکے فدا ہونے کو یاد دلاتا ہے، یا یہ کہ اس روز عبادت کرنے سے بعض شعائر الٰہی کی تعظیم معلوم ہوتی ہو جیسے عید الفطر کے دن نماز پڑھتے ہیں صدقہ کرتے ہیں اس سے رمضان کی تعظیم اور خدا نے روزہ رکھنے کی جو توفیق عطا فرمائی تھی اسکے ادائے شکر کی ایک شان معلوم ہوتی ہے۔ اور جیسے عید الضحیٰ کا دن کہ اس میں حجاج کے ساتھ ایک قسم کی مشابہت ہوتی ہے اور جو رحمتیں خدا تعالیٰ نے حجاج کے لئے مقرر کی ہیں ان کو اپنے سامنے پیش کرنا ہوتا ہے یا یہ ہو کہ ان اوقات میں عبادت کرنا ان صالحین کی سنت ہو جن کو سب لوگ اچھا کہتے ہیں جیسے نمازِ پنجگانہ کے اوقات، حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا یہ تمہارا وقت ہے اور تم سے پہلے انبیاء کا وقت بھی یہی تھا۔ اور جیسے رمضان کے روزوں کے متعلق ارشاد الٰہی ہے "تم پر روزے ایسے ہی فرض ہوئے جیسے اگلے لوگوں پر فرض ہوئے تھے"۔ اس آیت کی ایک تفسیر یہی ہے۔ اور ہمارے متعلق یوم عاشورہ کے روزہ کا بھی یہی حال ہے۔ اور یہ تیسرا قاعدہ اکثر اوقات میں معتبر ہے، اور دونوں پہلے قاعدے اوقات کے اصل الاصول ہیں۔ واللہ اعلم ۔

نواں باب (٦١)

اعداد اور مقداروں کے اسرار کا بیان

واضح ہو کہ شریعت نے ایک چیز کی مقدار معین کی اور اسکی دوسری نظیر کی مقدار معین نہیں کی تو اسکی حکمتیں اور مصلحتیں خاص ہیں اگرچہ اس امر میں پورا اعتماد انسان کی فراست پر ہے جس سے مکلفین کی حالت اور وہ امور جانے جاتے ہیں

وتوارث ذلك بنوه ۔

الاصل الثالث ان وقت اداء الطاعة هو الوقت الذي يكون مذكرا لنعمة من نعم الله تعالى مثل يوم عاشوراء نصر الله تعالى فيه موسى عليه السلام على فرعون فصامه وامر بصيامه وكرمضان نزل فيه القران وكان ذلك ابتداء ظهور الملة الاسلامية، او مذكرا الطاعة انبياء الله تعالى لربهم، وقبوله اياها منهم كيوم الاضحى يذكر قصة ذبح اسمعيل عليه السلام وفدائه بذبح عظيم او يكون اداء الطاعة فيه تنويها ببعض شعائر الدين كيوم الفطر في ايقاع الصلوة والصدقة تنويه برمضان واداء شكر ما انعم الله تعالى من توفيق صيامه وكيوم الاضحى فيه تشبه بالحاج وتعرض لنفحات الله المعدة لهم، او تكون جرت سنة الصالحين المشهود لهم بالخير على السن الامم ان يطيعوا الله تعالى فيه، مثل اوقات الصلوات الخمس لقول جبرئيل هذا وقتك ووقت الانبياء من قبلك، ومثل رمضان على وجه واحد في تفسير قوله تعالى كتب عليكم الصيام كما كتب على الذين من قبلكم وكصوم يوم عاشوراء بالنسبة الينا ۔ ويشبه ان يكون الاصل الثالث معتبرا في اكثر الاوقات، والاصلان الاولان اصل الاصل والله اعلم ۔

باب اسرار الاعداد والمقادير

اعلم ان الشرع لم يخص عددا ولا مقدارا دون نظيره الا لحكم ومصالح وان كان الاعتماد الكلي على الحدس المعتمد على معرفة حال المكلفين

جو لوگوں کی سیاست کے لائق ہیں اور یہ مصلحتیں اور حکمتیں چند اصول کی طرف رجوع
کرتی ہیں (۱) یہ کہ طاق ایک ایسا مبارک عدد ہے کہ جب تک یہ کافی
ہو سکے گا اسکو ترک نہیں کریں گے۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس
فرمان میں یہی مراد ہے "بے شک خدا طاق ہے اور طاق کو پسند کرتا ہے پس
اے قرآن والو وتر نماز پڑھا کرو" اس میں راز یہ ہے کہ ہر کثرت کی ابتدا وحدت
سے ہوتی ہے' اور طاق عدد تمام کثرت کے عددوں میں وحدت کے قریب تر
ہے کیونکہ عدد کے ہر مرتبہ میں ایک غیر حقیقی وحدت شامل ہوتی ہے جسکی وجہ
سے وہ مرتبہ قرار پاتا ہے مثلاً دس کا عدد چند وحدتوں کا مجموعہ ہے جو ایک
عدد اعتبار کیا گیا ہے' پانچ اور پانچ کے دو عددوں کا نام دس نہیں ہے
اسی پر اور عددوں کو بھی قیاس کر لو۔ اور یہ غیر حقیقی وحدت ان مراتب عددی
میں حقیقی وحدت کا نمونہ ہے اور اسکی جانشین ہے' اور طاق عدد میں ایک تو
یہ غیر حقیقی وحدت ہوتی ہے اور اسکے ساتھ اسی قسم کی ایک اور وحدت ہوتی ہے
اور وہ یہ کہ اسکی تقسیم دو صحیح عددوں پر مساویانہ نہیں ہو سکتی اسلئے طاق عدد
بہ نسبت جفت عدد کے وحدت سے قریب تر ہے' اور ہر موجود شی کا اپنے
مبدا سے قریب ہونا خدا تعالےٰ کے قریب ہونے کی طرف رجوع کرتا ہے
کیونکہ خدا تعالےٰ تمام مبدوں کا مبدا ہے اور وحدت کامل اسمیں ہوگی
جو خلق الہی کا ایک نمونہ ہوگا۔

واضح ہو کہ طاق عدد کے چند مراتب ہیں' بعض طاق عدد جفت کے
مشابہ اور قریب ہوتے ہیں جیسے نو اور پانچ کا عدد کیونکہ اگر انمیں سے
ایک ایک ہندسہ کم کر دیا جائے تو ان کی تقسیم صحیح دو دو جفت عدد کیطرف
ہو جاتی ہے اور نو کا عدد اگرچہ دو صحیح عدد پر مساوی تقسیم نہیں ہوتا لیکن
اسکے برابر برابر تین حصے ہو سکتے ہیں۔ اور اسیطرح جفت کے بھی چند
مرتبے ہیں' بعض جفت عدد ایسے ہیں جو طاق عدد سے مشابہ ہوتے ہیں'
جیسے بارہ کا عدد کہ وہ تین بار چار چار عدد لینے سے حاصل ہوا ہے' اور جیسے
چھ کا ہندسہ ہے کہ وہ دو کو تین بار لینے سے بنا ہے۔ اور سب طاق عددوں
میں امام اور جس میں جفت کے ساتھ مشابہت بھی نہیں ہے وہ ایک کا
عدد ہے اور اسکے بعد اسکے وارث اور جانشین تین اور سات کے عدد ہیں
اور جو عدد انکے علاوہ ہیں وہ ایک عدد کی قوم اور امت میں سے ہیں اسی وجہ سے
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی مقادیر میں ایک' تین اور سات کو اختیار فرمایا

وما يليق بهم عند سياستهم، وهذه الحكم
والمصالح ترجع الى اصول، الأول ان الوتر عدد
مبارك لا يجاوز عنه ما كان فيه كفاية، وهو
قوله صلى الله عليه وسلم ان الله وتر يحب
الوتر فاوتروا يا اهل القرآن، وسره انه ما
من كثرة الا مبدؤها وحدة، واقرب الكثرات
من الوحدة ما كان وترا اذ كل مرتبة من العدد
فيها وحدة غير حقيقية بها تصير تلك المرتبة
فالعشرة مثلا وحدات مجتمعة اعتبرت واحدا
لا خمسة وخمسة، وعلى هذا القياس، وتلك
الوحدة نموذج الوحدة الحقيقية في تلك المراتب
ومياثها منها، وفي الوتر هذه الوحدة و
مثلها معها وهو الوحدة بمعنى عدم الانقسام
الى عددين صحيحين متساويين - فهو اقرب
الى الوحدة من الزوج وقرب كل موجود من
مبدئه يرجع الى قربه من الحق لانه مبدأ
المبادى والاتم في الوحدة متخلق بخلق الله -

ثم اعلم ان الوتر على مراتب شتى، وتر
يشبه الزوج ويجنبه كالتسعة والخمسة فانهما
بعد اسقاط الواحد ينقسمان الى زوجين، و
التسعة وان لم تنقسم الى عددين متساويين
فانها تنقسم الى ثلاثة متساوية، كما ان
الزوج ايضا على مراتب زوج يشبه الوتر كاثنى
عشر فانه ثلاث اربعات وكالستة فانها ثلاث
اثنينات، وامام الاوتار وابعدها من مشابهة
الزوج الواحد ووصيه فيها وخليفته ووارثه
ثلاثة وسبعة وما سوى ذلك فانه من قوم
الواحد وامته، ولذلك اختار النبي صلى الله
عليه وسلم الواحد والثلاثة والسبعة في كثير

من المقادير، وحيث اقتضت الحكمة ان يؤمر باكثر منها اختار عددا يحصل من احدها بالترفع كالواحد يترفع الى عشرة ومائة والف وايضا الى احد عشر، وكالثلاثة تترفع الى ثلاثين و ثلاثة وثلاثين وثلاثمائة، وكالسبعة الى سبعين وسبع مائة فان الذى يحصل بالترفع كانه هو بعينه، ولذلك سن النبى صلى الله عليه وسلم مائة كلمة بعد كل صلاة ثم قسمها الى ثلاثة وثلاثين ثلاث مرات، و افضل واحد ليصير الامر كله وترا راجعا الى الامام او وصيه، وكذلك لكل مقولة من مقولات الجوهر والعرض امام ووصى كالنقطة امام والدائرة والكرة وصياه، واقرب الاشكال اليه ❖

وحدثنى ابى قدس سره انه راى واقعة عظيمة تمثل فيها الحياة والعلم والارادة و سائر الصفات الالهية - او قال الحى والعليم والمريد وسائر الاسماء لا ادرى اى ذلك قال بصورة دوائر مضيئة ثم نبهنى على ان تمثل الشئ البسيط فى نشأة الاشكال انما يكون باقربها الى النقطة وهو فى السطح الدائرة وفى الجسم الكرة انتهى كلامه ❖

واعلم ان سنة الله جرت بان نزول الوحدة الى الكثرة انما يكون بارتباطات مثالية وعلى ذلك الارتباطات تتمثل الوقائع وايا ها يراعى تراجمة لسان القدم ما امكنت مراعاتها ❖

الاصل الثانى فى كشف السر ما بين فى الترغيب والترهيب ونحو ذلك من العدد - اعلم انه ربما يعرض على النبى صلى الله عليه وآله وسلم خصال

اور جہاں بمقتضائے حکمت ان اعداد سے زیادہ کسی اور عدد کا حکم دیا گیا ہے تو وہاں وہ عدد اختیار کیا جو ان تینوں میں سے کسی کے بڑھ جانے سے حاصل ہوتا ہے مثلاً ایک کا عدد ہے جو صفر سے دسؔ، دو صفر سے سوؔ اور تین صفر سے ہزار ہو جاتا ہے۔ اور اسیطرح سے اسکے ساتھ ایک اور ملانے سے گیارہ کا عدد ہو جاتا ہے۔ اور اسیطرح سے تین کا عدد ہے اسکے ساتھ صفر ملانے سے تیسؔ اور تین ملانے سے تینتیس اور دو صفر ملانے سے تین سو ہو جاتے ہیں، اور اسیطرح سات کا عدد صفر ملانے سے ستّر اور دو صفر ملانے سے سات سو تک پہنچتا ہے جو عدد بڑھانے کے بعد حاصل ہوتا ہے وہ گویا بعینہٖ وہی عدد ہوتا ہے جسکو بڑھالیا ہے، اسیواسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نماز کے بعد سو کلموں کا پڑھنا مسنون کر دیا پھر تین مرتبہ تینتیس سے اسکو تقسیم کر دیا اور ایک کو زاید کر کے چونتیس بار کر دیا تاکہ مجموعہ ملکر طاق ہو جائے جو طاق عددوں کے امام یا جانشین کیطرف رجوع کرتا ہو۔ اور اعداد کیطرح ہر ایک مقولہ جوہر اور عرض کیلئے بھی ایک امام اور جانشین ہوتا ہے مثلاً نقطہ بمنزلہ امام کے ہے اور دائرہ اور کرہ اس کے جانشین ہیں اور تمام شکلوں میں اس سے زیادہ قریب ہیں ❖

میرے والد قدس سرہ نے مجھ سے بیان فرمایا کہ انھوں نے ایک بڑے واقعہ کا معائنہ کیا جس میں حیات، علم، ارادہ اور تمام صفات الٰہیہ، یا انہوں نے فرمایا حی، علیم، مرید اور کل اسماء الٰہی (ان دونوں میں مجھ کو یاد نہیں کہ کونسا جملہ فرمایا تھا) روشن دائروں کی شکل میں سامنے آئے اور پھر مجھ سے یہ بھی فرمایا کہ بسیط شئ عالم اشکال میں وہ صورت قبول کرتی ہے جو نقطہ سے زیادہ قریب ہو اور ایسی شکل سطح میں دائرہ ہے اور جسم میں کرہ ہے، انتہی کلامہ۔

واضح ہو کہ عادت اللہ یہ رہی ہے کہ وحدت کا عالم کثرت میں نازل ہونا عالم مثال کے تعلقات کی وجہ سے ہوتا ہے اور انہی ارتباطات میں واقعات صورت پکڑتے ہیں اور زبان قدم کا ترجمان حتی الامکان انہیں ارتباطات کی رعایت رکھتا ہے ❖

دوسرا قاعدہ ان اعداد کے راز ظاہر کرنے میں ہے جن کا بیان ترغیب یا ترہیب کے موقع میں آیا ہے۔ معلوم ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نیکی اور برائی کے خصائل پیش کئے جاتے ہیں،

من البر والاثم ويكشف عليه فضائل هذه و مثالب تلك فيخبر عما علمه الله ويذكر عدد ما علم حاله حينئذ وليس من قصده الحصر قال صلى الله عليه وسلم عرضت على اعمال امتي حسنها وسيئها فوجدت في محاسن اعمالها الاذى يماط عن الطريق ووجدت في مساوي اعمالها النخاعة تكون في المسجد لا تدفن، و قال عرضت على اجور امتي حتى القذاة يخرجها الرجل من المسجد، وعرضت على ذنوب امتي فلم ار ذنبا اعظم من سورة من القرآن او اية اوتيها رجل ثم نسيها، وعلى هذا ينبغي ان يخرج قوله صلى الله عليه وآله وسلم ثلاثة لهم اجران الحديث وقوله صلى الله عليه وسلم ثلاثة لا يكلمهم الله تعالى الحديث، وقوله صلى الله عليه وسلم اربعون خصلة اعلاهن منحة العنز لا يعمل عبد بخصلة منها رجاء ثوابها او تصديق موعودها الا ادخله الله بها الجنة، و ربما يكشف عليه فضائل عمل او ايعاض شئ اجمالا فيجتهد في اقامة وجه ضبط لها ونصب عدد يحصر فيه ما كثر وقوعه او عظم شانه ونحو ذلك، فيخبر بذلك وعلى هذا ينبغي ان يخرج قوله صلى الله عليه وسلم صلوة الجماعة تفضل صلوة الفذ بسبع وعشرين درجة، فان هذا العدد ثلاثة في ثلاثة في ثلاثة و قد راى ان منافع الجماعة ترجع الى ثلاثة اقسام ما يرجع الى نفع نفسه من تهذيبها و ظهور الملكية وقهر البهيمية، وما يرجع الى الناس من شيوع السنة الراشدة فيهم وتنافسهم فيها وتهذيبهم بها واجتماع كلمتهم

اور نیکی کے فضائل اور برائی کے عیوب آپ پر منکشف ہو جاتے ہیں۔ پس خدا تعالیٰ نے جسطرح آپ کو بتلایا ویسے ہی آپ بیان کر دیتے ہیں اور انکشاف کے وقت جس شئ کا جو حال معلوم ہوا اسکا عدد آپ بتلاتے ہیں لیکن اس عدد کے بیان کرنے سے آپ کا قصد حصر کرنا نہیں ہوتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے بُرے اور بھلے اعمال مجھ کو دکھائے گئے، پس اچھے اعمال میں راستہ سے ایذا کا دور کر دینا بھی تھا۔ اور بُرے اعمال میں یہ بھی تھا کہ کوئی شخص مسجد میں لعاب دہن پائے اور بغیر دبائے ویسے ہی چھوڑ دے، اور نیز آپ نے فرمایا کہ میری امت کے اجر میرے سامنے پیش ہوئے حتیٰ کہ جو شخص مسجد سے ناپاکی دور کر دے اسکا بھی اجر تھا۔ اور میری امت کے گناہ بھی مجھ کو دکھائے گئے، ان میں میں نے اس سے زیادہ کوئی گناہ نہیں پایا کہ کسی شخص کو قرآن کی کوئی سورت یا آیت یاد ہو اور اسکو وہ بھلا دے، اسی قاعدہ پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول کو قیاس کرنا چاہیے کہ تین شخصوں کو دو دو اجر ملینگے اول اہل کتاب جو اپنے پیغمبر پر بھی ایمان لایا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لایا، دوسرے کسی کا غلام خدا کا حق بھی ادا کرے اور اپنے مالک کا بھی، تیسرے وہ شخص جسکے پاس کوئی کنیز ہو وہ اس سے ہم بستر ہوتا تھا پھر اسکو ادب سکھایا اور اچھی طرح اسکو تعلیم دی اور اسکو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیا) اور اسیطرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین شخصوں سے خدا کلام نہ کریگا (اور نہ انکو ستھرا کریگا ایک بوڑھا آدمی زانی، دوسرے جھوٹا بادشاہ تیسرے متکبر حاکم) اسیطرح آپ نے فرمایا کہ چالیس[۵۵] خصلتیں ایسی ہیں کہ جو انمیں سے ایک خصلت کو بھی ثواب کی امید سے اور اسکے وعدہ کی تصدیق کر کے کریگا خدا انکو جنت میں داخل کریگا۔ ان خصلتوں میں سب سے اعلیٰ یہ ہے کہ کسی کو بکری دیدی (تاکہ وہ شخص اسکے دودھ اور اون سے فائدہ اٹھائے اور پھر یہ شخص اسکو واپس لے لے) اور کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی عمل کے فضائل یا کسی شئ کے اجمالی حصے منکشف ہو جاتے ہیں پس آپ اسکو منضبط کرنے کی وجہ قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ایسا عدد مقرر کر کے خبر دیتے ہیں جسمیں اسکا کثیر الوقوع ہونا یا عظیم الشان ہونا محصور ہو جائے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کو کہ تنہا نماز پڑھنے پر جماعت کی نماز کو ستائیس درجہ فضیلت ہے اسی پر قیاس کر لینا چاہیے، اسلئے کہ ستائیس کا عدد تین میں تین کو ضرب دیکر پھر مضروب فیہ کو تین میں ضرب دینے سے حاصل ہوتا ہے، اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نظر میں جماعت کے منافع تین قسم کے تھے، ایک وہ جسکا اثر خود نمازی کے جسم پر ہوتا ہے کہ اسکے نفس کی تہذیب ہو جاتی ہے، قوت ملکی غالب اور بہیمی قوت دب جاتی ہے، دوم لوگوں میں سنت راشدہ کا اجرا ہوتا ہے، نماز پڑھنے میں ان کی رغبت بڑھ جاتی ہے اسکے ذریعہ انکے نفس کی تہذیب ہوتی ہے اور سب میں

۵۵ یعنی اور چالیس کے عدد سے کثرت مراد ہے، حصر مقصود نہیں ہے ۱۲

اتفاق پیدا ہوجاتا ہے۔ سوم یہ کہ ملت مصطفویہ کو بقا اور تازگی حاصل ہوتی
ہے جس میں تحریف اور سستی خلط نہیں ہوسکتی، اور نیز پہلے حصہ میں تین
منفعتیں ہیں، اللہ تعالے اور ملاء اعلیٰ سے تقرب، نیکیوں کا لکھا جانا، گناہوں
کا معاف ہونا۔ ایسے ہی دوسرے حصہ میں بھی تین منافع ہیں، قوم اور شہر کا
انتظام، دنیا میں برکات کا نازل ہونا، ایک کا دوسرے کے لئے قیامت کے
دن شفاعت کرنا۔ اور تیسرے حصہ میں بھی تین منافع ہیں، ملاء اعلےٰ کی
اتفاقی کوشش کا جاری ہونا، لوگوں کا خدا تعالے کی دراز رسی کو پکڑنا، ایک
دوسرے کے انوار کا باہم پرتو پڑنا۔ اور پھر ان نو امور میں سے ہر ایک کے
لئے تین تین منافع ہیں، خدا تعالے کی رضامندی، فرشتوں کا ان پر رحمت
بھیجنا، شیاطین کا ان سے دور ہونا۔ اور ایک روایت میں بجائے
ستائیس کے پچیس کا عدد آیا ہے، اس کی وجہ بھی یہ ہے کہ جماعت میں
پچیس خوبیاں ہیں، دلوں کا استقلال، جماعت میں باہمی الفت، ملت
کی پائداری، ملائکہ کا نزول، شیاطین کی روپوشی۔ اور ان پانچ میں سے
ہر ایک صورت میں پانچ پانچ منافع ہیں، خدا تعالے کی رضامندی،
دنیا میں لوگوں پر برکات کا نازل ہونا، ان کے لئے نیکیوں کا
لکھا جانا، گناہوں کا معاف ہونا، نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور فرشتوں
کی ان کے لئے شفاعت کرنا۔ اختلاف روایت کا سبب وجوہ
انضباط میں اختلاف واقع ہونا ہے۔ واللہ اعلم۔

اور کبھی عدد کو کسی شئ کی بڑائی اور عظمت ظاہر کرنے کے لئے
لایا کرتے ہیں، پس عدد کو صرف مثالی طور پر بیان کرتے ہیں،
اس کی نظیر یہ ہے کہ لوگ کہا کرتے ہیں، فلاں شخص کی محبت میرے
دل میں پہاڑ کے برابر ہے یا فلاں شخص کا مرتبہ آسمان تک بلند ہے،
پس آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو اسی معنی پر حمل
کرنا چاہیے، آپ نے فرمایا کہ مومن کی قبر میں ستر گز تک کشادگی
ہوجاتی ہے، اور فرمایا کہ جہاں تک نگاہ جاتی ہے وسعت ہوجاتی
ہے، اور فرمایا کہ میرے حوض کی وسعت اتنی ہے جس قدر
کعبہ اور بیت المقدس میں فاصلہ ہے، اور فرمایا کہ میرے
حوض کی وسعت اس سے زیادہ ہے جتنی شہر ایلہ سے عدن تک
ہے۔ ایسی صورتوں میں کبھی کوئی مقدار بیان کی جاتی ہے

عليها وما يرجع الى الملة المصطفوية من بقائها
غضة طرية لم يخالطها التحريف ولا التهاون،
وفي الاول ثلاثة - القرب من الله والملا الاعلى
وكتابة الحسنات لهم وتكفير الخطيات عنهم
وفي الثاني ثلاثة، انتظام حيهم ومدينتهم، و
نزول البركات عليهم في الدنيا وشفاعة بعضهم
لبعض في الاخرة، وفي الثالث ثلاثة، تمشية
اجماع الملا الاعلى، وتمسكهم بحبل الله الممدود
وتعاكس انوار بعضهم على بعض، وفي كل من
هذه التسعة ثلاثة، رضا الله عنهم وصلوات
الملائكة عليهم، وانخناس الشياطين عنهم
وفي رواية اخرى بخمس وعشرين ووجهه
ان منافع الجماعة خمسة في خمسة، استقامة
نفوسهم، وتالف جماعتهم، وقيام ملتهم،
وانبساط الملائكة وانخناس الشياطين عنهم
وفي كل واحد خمسة، رضا الله عنهم، وتزول
البركات في الدنيا عليهم، وكتابة الحسنات
لهم، وتكفير الخطيات عنهم، وشفاعة النبي
صلى الله عليه وآله وسلم والملائكة لهم، و
سبب اختلاف الروايات في ذلك اختلاف وجوه
الضبط والله اعلم؟

وربما يؤتى بالعدد اظهارا لعظم الشئ
وكبره فيخرج العدد مخرج المثل، نظيره ما يقال
محبة فلان في قلبي مثل الجبل، وقدر فلان
يصل الى عنان السماء وعلى هذا ينبغي ان
يخرج قوله صلى الله عليه وسلم يفسح في قبره
سبعون ذراعا، وقوله مد البصر، وقوله ان
حوضي ما بين الكعبة وبيت المقدس، وقوله
حوضي لابعد من ايلة الى عدن، وفي مثل ذلك

اور کبھی کوئی مقدار لیکن اصلی غرض کے لحاظ سے ان میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا۔

تیسرا قاعدہ مقادیر کے اندازہ میں یہ ہے کہ کسی شی کی مقدار ایسی ظاہر معلوم مقرر کیجائے جسکو مخاطبین اس حکم کے نظائر میں استعمال بھی کرتے ہوں اور اسکو حکم کے مدار علیہ اور حکم کی حکمت سے مناسبت ہو اسلئے درہموں کا اوقیوں[1] سے اور خرما کا وسقوں[2] سے اندازہ کرنا مناسب ہے۔ اور ایسی کسر بھی نہ لانی چاہیے جس کو حساب والے ہی غور و خوض سے معلوم کر سکیں جیسے سترہواں حصہ اور انیسواں حصہ، اسیواسطے خدا تعالے نے فرائض میں ایسی کسریں ذکر فرمائی ہیں جنکا نصف اور دو چند کرنا اور ان کا مخرج دریافت کرنا نہایت آسان ہے، ان فرائض اور سہام کے خدا تعالے نے دو حصے قرار دیے ہیں (١) چھٹا، تہائی، دو تہائیاں، (٢) آٹھواں، چوتھائی، نصف۔ اور اسکا راز یہ ہے کہ ان میں قابل زیادہ کی زیادتی اور قابل کمی کی کمی ظاہر نظر میں معلوم ہو جاتی ہے، اور مسائل کا سمجھنا ادنیٰ اور اعلےٰ پر آسان ہو جاتا ہے، اور جہاں ایسی مقدار مقرر کرنے کی ضرورت پڑے جو ان مقادیر معتبرہ مذکورہ کے علاوہ ہے اور انمیں باہم ضعف کی نسبت بھی نہیں ہے تو یہی مناسب ہے کہ دو ثلث سے تجاوز نہ کریں جو نصف سے زاید اور ایک سے کم ہے، اور ایک ثلث سے تجاوز نہ کریں جو ربع سے زاید اور نصف سے کم ہے، اس لئے کہ اور حصے ان دونوں حصوں کی نسبت زیادہ مخفی ہیں، اور جب کسی شئ کثیر کی مقدار بیان کرنا مقصود ہو تو اس کو تین کے عدد سے بیان کرنا چاہیئے اور اگر اس سے بھی زیادہ اس کی کثرت بیان کرنی ہو تو دس کے عدد سے اس کا اظہار کریں۔

اور جب کوئی شئ کبھی کم ہوتی ہے اور کبھی زیادہ ہوتی ہے تو اسکے لئے مناسب یہ ہے کہ اس کی کم حد اور زیادہ حد جمع کر کے نصف کرلیں، زکوٰۃ کے باب میں پانچواں، دسواں، بیسواں اور چالیسواں حصہ معتبر کیا گیا ہے اس لئے کہ زکوٰۃ کے زیادہ ہونے کا مدار کثرت منافع اور قلت مشقت پر ہے اور تمام اہل ولایت کے پیشے چار مراتب سے زیادہ میں منحصر نہ تھے ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭

[1] ایک اوقیہ کے چالیس درہم ہوتے ہیں ١٢۔ [2] وسق ایک پیمانہ جسمیں ساٹھ صاع یا تقریباً

ربما يذكر تارة مقدار و اخرى مقدار اٰخر و لا تناقض في ذلك بحسب ما يرجع الى الغرض

الاصل الثالث انه لا ينبغي ان يقدر الشئ الا بمقدار ظاهر معلوم يستعمله المخاطبون في نظائر الحكم وله مناسبة بمدار الحكم وحكمته فلا ينبغي ان يقدر الدراهم الا بالاواق ولا التمر الا بالاوساق ولا ينبغي ان يؤتى بجزء لا يستخرجه الا المتعمقون في الحساب كجزء من سبعة عشر وجزء من تسعة وعشرين ولذلك ما ذكر الله تعالى في الفرائض الاكسورا يسهل تنصيفها وتضعيفها ومعرفة مخرجها وذلك فصلان، احدهما سدس وثلث وثلثان، وثانيهما ثمن وربع ونصف، وسره ان يظهر فضل ذي الفضل ونقصان ذي النقصان بادي الراي وان يسهل تخريج المسائل على الادانى والاقاصي، وحيثما وقعت الحاجة الى مقدار دون المقدار المعتبر اولا ولا تكون النسبة بينهما نسبة الضعف فلا ينبغي ان يتعدى من الثلثين بين النصف والواحد ومن الثلث بين الربع والنصف لان سائر الاجزاء اخفى منهما، واذا اريد تقدير ما هو كثير في الجملة فالمناسب ان يقدر بثلاثة، واذا اريد تقدير ما هو اكثر من ذلك فالمناسب تقديره بعشرة، واذا كان الشئ قد يكون قليلا و قد يكون كثيرا فالمناسب ان يؤخذ اقل حد واكثر حد فينصف بينهما والمعتبر في باب الزكاة خمس وعشر و نصف العشر وربع العشر لان زيادة الصدقة تدور على كثرة الريع وقلة المؤنة وكانت مكاسب جمهور اهل الاقاليم لا تنتظم الا في اربع

اور ہر مرتبہ میں بیّن فرق رکھنا مناسب تھا اور وہ فرق یہ ہے کہ ہر مرتبہ دوسرے مرتبہ سے دو چند ہو، آئندہ اسکی تفصیل بیان کی جائے گی۔

جب دولت مندی کا اندازہ کیا جائے تو ان امور کا لحاظ کرنا چاہیئے جنکو عرفاً دولت مندی میں دخل ہے، اور دولت مندی کے احکام و آثار کو دیکھنا چاہیئے اور عرب و عجم اور اہل مشرق و مغرب کے حالات سے ان امور کو اخذ کرنا چاہیئے اور مانع نہ ہونے کی صورت میں جو قدرتی طریقہ کے موافق ان کی حالت ہے اسکو دیکھنا چاہیئے، پس اگر جمہور کے احوال کے اختلاف کی وجہ سے جمہور کی عادت پر مدار کار نہ ہو تو ان عرب اول کا اعتبار کیا جائیگا جن کی زبان میں قرآن نازل ہوا، اور ان کی عادت کے مطابق شریعت متعین ہوئی۔ اسی لئے شریعت نے دو سو درہم سے کنز کا اندازہ کیا ہے، کیونکہ آباد ملکوں میں ایک چھوٹے سے خاندان کو ایک سال تک کے لئے یہ مقدار کافی ہو سکتی ہے، ہاں اگر قحط سالی ہو یا شہر ہی بہت بڑے بڑے ہوں یا ان کے امراء کو کافی نہیں ہو سکتے۔

اور بکریوں کے چھوٹے ریوڑ کا اندازہ چالیس کے ساتھ اور بڑے کا ایک سو بیس کے ساتھ کیا گیا ہے۔

اور زیادہ کھیتی کا اندازہ پانچ وسقوں سے کیا گیا ہے کیونکہ گھر میں کم از کم میاں بیوی اور تیسرا کوئی نوکر یا لڑکا ہوتا ہے، اور روزانہ خوراک آدمی کی ایک مد[1] یا ایک رطل ہوگی اور اسکے ساتھ سالن وغیرہ کی بھی ضرورت ہوگی اور ایک سال کے لئے اتنی مقدار سے کاربراری ہو سکتی ہے اور آب کثیر کا اندازہ قلتین[2] سے کیا گیا ہے کیونکہ یہ ایک ایسی مقدار ہے جس سے کم کوئی چشمہ نہیں ہوتا اور عادت عرب میں ظروف میں اتنا پانی نہیں سما سکتا، انہی پر باقی تمام اندازوں کو قیاس کر لینا چاہیئے

واللہ اعلم۔

دسواں باب (۶۲): قضاء اور رخصت کے اسرار کا بیان

واضح ہو کہ امور سیاست سے یہ بھی ہے کہ جب کسی شئی کا حکم کیا جائے یا کسی شئی سے روکا جائے اور مخاطبین کو اچھی طرح سے اس حکم کی غرض معلوم نہ ہو

مراتب وكان المناسب ان يظهر الفرق بين كل مرتبتين، اصرح ما يكون، وذلك ان تكون الواحدة منها ضعف الاخرى وسياتيك تفصيله واذا وقعت الحاجة الى تقدير اليسار مثلا ينبغي ان ينظر الى ما يعد في العرف يسارا ويرى فيه ما هو من احكام اليسار، وذلك بحسب عادة جمهور المكلفين مشارقهم ومغاربهم عربهم وعجمهم وبحسب ما هو كالمذهب الطبيعي لهم لولا المانع فان لم يكن بناء الامر على عادة الجمهور لتشتتها لهم فالمعتبر حال العرب الاول الذين نزل القرآن بلغتهم وتعينت الشريعة في عاداتهم ولذلك قدر الشرع الكنز بخمس اواق لانها تكفي اقل اهل بيت سنة كاملة في اكثر اطراف المعمورة اللهم الا في الجدب او البلاد العظيمة جدا او اعمالها وقدر الثلة الصغيرة من الغنم باربعين والكبيرة بمائة وعشرين، وقدر الزرع الكثير بخمسة اوساق لان اقل البيت زوج وزوجة وثالث اما خادم او ولد بينهما واكثر ما ياكله الانسان في اليوم والليلة مد او رطل ويحتاج مع ذلك الى ادام وهذا القدر يكفي من ذلك سنة كاملة، وقدر الماء الكثير بقلتين ولانه حد لا ينزل منه المعادن ولا يرتقي اليه الاواني في عادة العرب وقس على ذلك سائر التقديرات والله اعلم۔

باب اسرار القضاء والرخصة

اعلم ان من السياسة انه اذا امر بشئ او نهى عن شئ وكان المخاطبون لا يعلمون

---

[1] دو مد کا ایک رطل ہوتا ہے اور ایک رطل آدھ سیر سے کچھ زیادہ کا ہوتا ہے۔ ۱۲ منہ

[2] قلّہ اُس مٹکے کو کہتے ہیں جس میں پانچ سو رطل پانی آتا ہے۔ ۱۲ منہ

تو ضروری ہے کہ اس حکم کو اسطرح سمجھیں جسطرح ایک شی مؤثر بالخاصیت
ہوتی ہے جس کی تاثیر کی تصدیق کی جاتی ہے اور تاثیر کا سبب معلوم نہیں،
ہوتا، یا جسطرح کسی منتر کی تاثیر معلوم ہوتی ہے مگر اس کی وجہ معلوم نہیں ہوتی
اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر جگہ اوامر ونواہی کے صریح طور پر اسرار
کے بیان کرنے سے سکوت فرمایا البتہ اپنی امت کے راسخین فی العلم کیلئے
ان اسرار کو کسیقدر ذہن نشیں کردیا، اسی لئے حاملین دین یعنی خلفاء راشدین
اور ائمہ دین کی توجہ شریعت کی صورت قائم کرنے کی طرف بہ نسبت
ان کی ارواح قائم کرنے کے زیادہ ترتھی حتی کہ حضرت عمرؓ سے روایت
ہے کہ میں نماز کی حالت میں بحرین کا جزیہ شمار کرتا ہوں اور لشکر کشی کی
تدابیر سوچا کرتا ہوں، اسی لئے سلف اور خلف میں مفتیوں کا یہ دستور
رہا ہے کہ فتوٰی دیتے وقت مسئلہ کی دلیل کیطرف توجہ نہیں کرتے تھے
اور یہ بھی ضروری ہے کہ امر مامور پر سخت تاکید کردی جائے اور
اسکے ترک پر سخت باز پرس ظہور میں آئے اور ان کو مامور بہ کیطرف
نہایت رغبت اور الفت دلائی جائے حتی کہ حق باتوں کی خواہش ان کے
ظاہر اور باطن کو ہر طرف سے احاطہ کرلے اور جب کسی ضروری مانع
سے وہ کام ترک ہوجائے تو کوئی بدل اس کے قائم مقام قرار دیا جائے
اس لئے کہ ایسی ضرورتوں میں مکلف کی دو حالتیں ہوسکتی ہیں، یا تو
اس شخص سے باوجود مشقت اور دقت کے احکام کی تعمیل کرائی جائے
اور یہ شرعی قاعدہ کے خلاف ہے، خدا تعالٰے فرماتا ہے "خدا تعالٰی
تمہارے لئے آسانی کا قصد کرتا ہے، دقت اور دشواری وہ تمہارے
لئے نہیں چاہتا"۔

یا ان احکام کی تعمیل بالکل ترک کرادی جائے، اس وقت میں
نفس ان کے ترک کا خوگر ہوجائے گا اور مہمل چھوڑ دیا جائے گا
اور نفس کو کسی فعل کی مشق کرانا ایسا ہے جیسے کسی تند چارپایہ کو تابع
کرنا جس میں امر مطلوبہ کی رغبت اور الفت غنیمت سمجھی جاتی ہے
جو لوگ اپنے نفس کی ریاضت کرتے ہیں، یا لڑکوں کو تعلیم دیتے
ہیں یا چارپایوں کو مشق کرواتے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ کسی کام پر مداومت

الغرض من ذلك حق العلم وجب ان يجعل
عندهم كالشئ المؤثر بالخاصية، يصدق
بتاثيره ولا يدرك سبب التاثير وكالرقى لا
يدرك سبب تاثيرها ولذلك سكت النبى صلى
الله عليه وسلم عن بيان اسرار الاوامر والنواهى
تصريحا فى الاكثر وانما لوح بشئ منه للراسخين
فى العلم من امته، ولذلك كان اعتناء حملة
الملة من الخلفاء الراشدين وائمة الدين
باقامة اشباح الملة اكثر من الاعتناء باقامة
ارواحها حتى روى عن عمر رضى الله عنه
انه قال احسب جزية البحرين وانا فى الصلوة
واجهز الجيش وانا فى الصلوة، ولذلك كان
سنة المفتين قديما وحديثا ان لا يتعرضوا
الدليل المسالة عند الافتاء ووجب ان يسجل
على الاخذ بالمامور حق التسجيل ويلام على
تركه اشد الملامة وتجعل انفسهم ترغب فيها
وتالفها حق الرغبة والالفة حتى تصير داعية
الحق محيطة بظواهرهم وبواطنهم واذا كان
كذلك ثم منع من المامور به مانع ضرورى
وجب ان يشرع له بدل يقوم مقامه لان
المكلف حينئذ بين امرين، اما ان يكلف به
مع ما فيه من المشقة والحرج وذلك خلاف
موضوع الشرع قال الله تعالى يريد الله بكم
اليسر ولا يريد بكم العسر، واما ان ينبذ وراء
الظهر بالكلية فتالف النفس بتركه وتسترسل
مع اهماله، وانما تمرن النفس تمرين الدابة
الصعبة يغتنم منها الالفة والرغبة، ومن
اشتغل برياضة نفسه او تعليم الاطفال او
تمرين الدواب ونحو ذلك يعلم كيف تحصل

کرنے سے رغبت پیدا ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے عمل کرنا سہل ہو جاتا ہے
اور ترک کرنے سے رغبت جاتی رہتی ہے اور پھر اسکا کرنا نفس پر گراں
معلوم ہوتا ہے اور دل تنگ ہوتا ہے پھر اگر اسکو دوبارہ کرنے کا ارادہ کیا
جائے تو از سر نو الفت اور میلان پیدا کرنے کی ضرورت پڑتی ہے اسواسطے
ضروری ہے کہ جب کسی کام کے کرنے کا وقت ہاتھ سے نکل جائے تو اسکے لئے
قضا مشروع ہو اور اسکی تعمیل میں رخصت دی جائے تاکہ بہ آسانی اس امر
کو بجالائے ۔ قضا اور رخصت کے قرار دینے میں عمدہ شئی قوت فراست ہے
جس سے مکلفین کی حالت کی شناخت اس عمل کی غرض اور عمل کے اجزا جو
اس غرض کے حاصل کرنے میں ضروری ہیں معلوم ہو سکتے ہیں ۔

علاوہ فراست کے اس قضا اور رخصت کے قواعد بھی ہیں جن کو
راسخین فی العلم جانتے ہیں ۔ اول قاعدہ یہ ہے کہ رکن اور شرط میں دو امر
ہیں ایک امر اصلی ہے جو شئی کی حقیقت میں داخل یا اسکو لازم ہے کہ اصل
غرض کا لحاظ کرتے ہوئے اس لازم کے بغیر وہ شئی غیر معتبر ہو جائے جیسے
دعا یا جھکنا جس سے تعظیم معلوم ہوتی ہے اور جیسے خصائل طہارت
و خصائل خشوع کے لئے نفس کو متنبہ کرنا ، یہ امور اس قسم کے ہیں جنکو تنگی
اور آسانی میں ہر وقت یکساں ادا کرنا چاہیئے اسلئے کہ ایسے امور کے ترک
کرنے سے عمل بالکل بے اثر ہو جاتا ہے ۔

اور دوسرا امر تکمیلی ہے جو اور معنی کے لئے واجب قرار دیا جاتا ہے ،
اور جو پابندی وقت کا محتاج ہوتا ہے اور اس کے لئے اس اطاعت
سے بہتر کوئی وقت نہیں ، اور یا اس لئے واجب قرار دیا جاتا ہے کہ
کامل اور عمدہ طرح پر غرض حاصل ہونے کے لئے یہ صحیح آلہ ہے یہ قسم
اس قابل ہے کہ ضرورتوں اور ناگواریوں کی حالت میں اس میں
رخصت دی جا سکتی ہے ۔ اسی قاعدہ کے موافق تاریکی وغیرہ کی حالت
میں استقبال قبلہ کے ترک ہونے کی رخصت اور تحری کا حکم ہے ،
اور جس کو کپڑا میسر نہ ہو وہ ستر عورت کو ترک کر سکتا ہے ، اور
جس کو پانی نہ ملے وہ وضو ترک کرکے تیمم کر سکتا ہے ، اور جو
سورہ فاتحہ نہ پڑھ سکتا ہو وہ اس کی جگہ کسی ذکر کو کر سکتا ہے ، اور
جس میں قیام کی طاقت نہ ہو وہ بیٹھ کر یا لیٹ کر نماز ادا کر سکتا
ہے ، اور جس میں رکوع کرنے یا سجدہ کرنے کی طاقت نہ ہو

الالفة بالمداومة ويسهل بسببها العمل وكيف
تذهب الالفة بالترك والاهمال فتضيق النفس
بالعمل ويثقل عليها فان رام العود اليه احتاج
الى تحصيل الالفة ثانيا فلا بد اذا من شرع
القضاء اذا فات وقت العمل ومن الرخص
في العمل ليتأتى منه ويتيسر له والعمدة في
ذلك الحدس المعتمد على معرفة حال المكلفين
وغرض العمل واجزائه التي لابد منها
في تحصيل ذلك الغرض ومع ذلك فله اصول
يعلمها الراسخون في العلم احدها ان الركن
والشرط فيهما شيأن * احدهما الاصلي
الذي هو داخل حقيقة الشئ او لازمه الذي
لا يعتد به بدونه بالنظر الى اصل الغرض
منه كالدعاء وفعل الانحناء الدال على
التعظيم والتنبه لخلق الطهارة والخشوع
وهذا القسم من شانه ان لا يترك في المكره و
المنشط سواء اذ لا يتحقق من العمل شئ عند
تركه * وثانيهما التكميلي الذي انما شرع
لكونه واجبا لمعنى اخر محتاجا الى التوقيت و
لا وقت له احسن من هذه الطاعة او لانه
آلة صالحة لاداء اصل الغرض كاملا وافرا و
هذا القسم من شانه ان يرخص فيه عند
المكاره، وعلى هذا الاصل ينبغي ان تخرج
الرخصة في ترك استقبال القبلة الى التحري
في الظلمة ونحوها، وترك ستر العورة لمن
لا يجد ثوبا، وترك الوضوء الى التيمم لمن لا
يجد ماء، وترك الفاتحة الى ذكر من الاذكار لمن
لا يقدر عليها، وترك القيام الى القعود والاضطجاع
لمن لا يستطيعه، وترك الركوع والسجود الى

وہ صرف سر جھکا کر نماز پڑھ سکتا ہے ۔

دوم قاعدہ یہ ہے کہ بدل میں کوئی ایسی شئ ضرور باقی رکھنا چاہئے جس سے اصل یاد آئے اور معلوم ہو جائے کہ یہ اسکا نائب اور بدل ہے اور اس میں راز یہ ہے کہ رخصتوں کو مشروع کر کے غرض مطلوب کو ثابت کرنا ہے اور وہ یہ ہے کہ پہلے عمل سے الفت بدستور باقی رہے اور نفس کو پہلے عمل کا انتظار سا باقی رہے، یہی وجہ ہے کہ موزوں پر مسح کرنے کے لئے موزہ پہننے کے وقت طہارت کا ہونا شرط قرار دیا گیا، اور اس مسح کی ایک مدت قرار دی گئی جس سے مسح کا اختتام ہو جاتا ہے اور اسی وجہ سے قبلہ میں تحری کو شرط قرار دیا گیا ۔

سوم قاعدہ یہ ہے کہ ہر حرج کی صورت میں رخصت نہ دیجائے اسلئے کہ حرج واقع ہونے کے بہت سے اسباب ہیں پس اگر ہر ایک میں رخصت دی جائے تو طاعت بالکل متروک ہو جائے، اور رخصتوں میں زیادہ اہتمام کرنے سے محنت اور سختی کی برداشت بالکل مفقود ہو جائے، اور سختی کو برداشت کرنے سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ شریعت کی پیروی ہو رہی ہے اور نفس میں استقامت ہے۔ اسواسطے حکمتِ الٰہی کا یہی مقتضی ہوا کہ رخصتوں کا تعلق انہی وجوہ سے ہو جو کثیر الوقوع ہیں اور وہ اکثر پیش آتی ہیں بالخصوص وہ ان لوگوں کو زیادہ پیش آتی جنکی زبان میں قرآن نازل ہوا ہے اور جن کی عادات کے موافق شریعت متعین ہوئی ہے، اور یہ بھی مناسب نہیں کہ حتی الامکان طاعت کے مؤثر بالخاصیت ہونیکو لحاظ نہ کیا جائے اسیواسطے سفر میں قصر نماز جائز ہوا اور مشقت کے کاموں میں کاشتکاروں یا اور کاریگروں کے قصر کرنا جائز نہیں کیا گیا۔ اور خوشحال مسافر کے لئے بھی وہ چیز جائز کر دی گئی جو غیر آسودہ حال مسافر کے لئے جائز ہوئی۔

قضاء کے چند اقسام ہیں، بعض قضا بمثل معقول ہوتی ہے اور بعض بمثل غیر معقول، اور جبکہ اصل طاعت خداوندی حکم کی دل سے طاعت کرنا اور نفس میں خداوندی تعظیم قائم کرنا ہے تو جس شخص کا عمل بغیر قصد کے ہوتا ہے یا اس کا قصد کامل نہیں ہوتا اور نہ اچھی طرح تعظیم پر پابند ہو سکتا ہے تو اس کو معذور سمجھنا چاہئے اور اسکو زیادہ تنگی میں نہ ڈالنا چاہئے ۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو اسی پر

* * * * * * * * * * * * * * *

الانحناء لمن لا يستطيعهما ۔

الاصل الثانى انه ينبغى ان يلتزم فى البدل شئ يذكر الاصل ويشعر بانه نائبه وبدله، وسره تحقيق الغرض المطلوب من شرع الرخص وهو ان تبقى الالفة بالعمل الاول وان تكون النفس كالمنتظرة، ولذلك اشترط فى المسح على الخفين الطهارة وقت اللبس وجعل له مدة ينتهى اليها واشترط التحرى فى القبلة ۔

والاصل الثالث انه ليس كل حرج يرخص لاجله فان وجوه الحرج كثيرة والرخصة فى جميع ذلك تفضى الى اهمال الطاعة والاستقصاء فى ذلك ينفى العناء ومقاساة التعب وهو المعرف لانقياد الشرع واستقامة النفس فاقتضت الحكمة ان لا يدور الكلام الا على وجوه كثر وقوعها و عظم الابتلاء بها لاسيما فى قوم نزل القرآن بلغتهم وتعينت الشريعة فى عاداتهم، ولا ينبغى ان يجاوز من ملاحظة كون الطاعة مؤثرة بالخاصية متى ما امكن، ولذلك شرع القصر فى السفر دون الاكساب الشاقة ودون الزراع والعمال وجوز للمسافر المترفة ما جوز لغير المترفة والقضاء منه قضاء بمثل معقول ومنه بمثل غير معقول، و لما كان اصل الطاعة انقياد القلب لحكم الله ومواخذة النفس بتعظيم الله كان كل من عمل عن غير قصد ولا عزيمة او هو من جنس من لا يتكامل قصده ولا يتمكن من مؤاخذة نفسه بالتعظيم كما ينبغى من حقه ان يعذر وان لا يضيق عليه كل التضييق

معمول کرنا چاہیے، آپ نے فرمایا "میری امت میں تین شخص مرفوع القلم ہیں ایک وہ جو نیند میں ہو، دوم وہ جو لڑکا ہو، سوم وہ جو کم عقل ہو" یعنی ان سے مؤاخذہ نہیں کیا جاتا - واللہ اعلم۔

گیارہواں باب (۶۳): تدابیر کی اقامت اور رسوم کی اصلاح کا بیان

ہم نے پہلے صراحۃً یا اشارۃً ذکر کیا ہے کہ تدابیر ثانی یا ثالث جن پر آدمی مجبول ہے اور جن کی وجہ سے وہ تمام حیوانات سے ممتاز ہے، ان تدابیر کا چھوڑ دینا یا ان میں سستی کرنا لوگوں کے لئے محال ہے، اور لوگ ان تدابیر کے اکثر حصہ کے پورا کرنے میں ایسے حکیم کے محتاج ہوتے ہیں جو انسانی ضرورتوں سے واقف ہو - ان تدابیر سے منتفع ہونے کا طریقہ جانتا ہو، مصالح کلیہ کا لحاظ رکھتا ہو، وہ غور و فکر سے ان اصول کو مستنبط کرتا ہو یا اسکے نفس میں پیدائشی طور پر قوت ملکی موجود ہو جس کی وجہ سے اسکا نفس ملاء اعلیٰ کے علوم نازل ہونے کے لئے ہمیشہ تیار رہتا ہو، یہ طریقہ انکشاف کا ان دونوں طریقوں میں سے زیادہ کامل اور قابل اعتماد ہوتا ہے۔

تدابیر کے باب میں رسوم کو ایسا ہی درجہ حاصل ہے جیسے دل کو بدن میں حاصل ہے - اور رسموں میں ایسے لوگوں کی سرداری کی وجہ سے خرابیاں پیدا ہوجاتی ہیں جنکو عقل کلی سے کچھ مس نہیں ہوتا اور وہ درندوں کے سے اعمال یا شہوانی اور شیطانی افعال کرتے ہیں اور لوگوں میں ان کو رواج دیتے ہیں اور اکثر لوگ ان کے پیرو ہوجاتے ہیں - اور اسکے علاوہ اور وجوہ سے بھی رسوم میں ابتری بڑھ جاتی ہے، بہر حال ان رخنوں کو روکنے کیلئے ایک ایسے شخص کی ضرورت پڑتی ہے جو غیب سے مؤید ہو اور مصلحت کلیہ کا پابند ہو تاکہ ان رسوم کو راہ راست کی جانب ایسی تدابیر کے ذریعہ مائل کردے جن کیطرف رہبری اکثر انہی لوگوں کو ہوا کرتی ہے جو روح القدس سے مؤید ہوتے ہیں۔

پس جب اسقدر آپ کو معلوم ہوچکا تو اب سمجھنا چاہیے کہ انبیاء کی بعثت اگرچہ اولاً اور بالذات عبادت کے طریقوں کی تعلیم دینے کے لئے ہوتی ہے لیکن ان کے ساتھ ساتھ یہ ارادہ بھی شامل ہوتا ہے کہ

وعلى هذا ينبغي ان يخرج قوله صلى الله عليه وآله وسلم رفع القلم عن ثلاثة الحديث والله اعلم

باب اقامة الارتفاقات واصلاح الرسوم

قد ذكرنا فيما سبق تصريحا وتلويحا ان الارتفاق الثاني والثالث مما جبل عليه البشر وامتازوا به عن سائر انواع الحيوان محال ان يتركوهما او يهملوهما وانهم يحتاجون في كثير من ذلك الى حكيم عالم بالحاجة وطريق الارتفاق منها منقاد للمصلحة الكلية اما مستنبط بالفكر والروية او يكون نفسه قد جبلت فيها قوة ملكية فيكون مهيأ لنزول علوم من الملأ الاعلى - وهذا اتم الامرين واوثق الوجهين - وان الرسوم من الارتفاقات هي بمنزلة القلب من الجسد، وانه قد يدخل في الرسوم مفاسد من جهة ترأس قوم ليس عندهم مسكة العقل الكلي فيخرجون الى اعمال سبعية او شهوية او شيطانية فيروجونها فيقتدي بهم اكثر الناس - ومن جهة اخرى نحو ذلك فتمس الحاجة الى رجل قوي مؤيد من الغيب منقاد للمصلحة الكلية ليغير رسومهم الى الحق بتدابير لا يهتدي له في الاكثر الا المؤيدون من روح القدس، فان كنت قد احطت علما بما هنالك، فاعلم ان اصل بعثة الانبياء وان كان لتعليم وجوه العبادات اولا وبالذات لكنه قد تنضم مع ذلك

خراب رسوم کو مٹا دیا جائے اور تدابیر کے طریقوں کی رغبت دلائی جائے۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا یہی مطلب ہے "میں دفوں اور لہوؤں کے مٹانے کے لئے پیدا ہوا ہوں" اور ارشاد فرمایا ہے "میں مکارم اخلاق کے پورا کرنے کو بھیجا گیا ہوں"

واضح ہو کہ نہ تو خدا تعالیٰ کی مرضی اس میں ہے کہ تدابیر دوم و سوم متروک کر دی جائیں اور نہ انبیاء میں سے کسی نے ایسا حکم کیا ہے۔ اور معاملہ ایسا نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگوں نے سمجھا ہے جو پہاڑوں کی طرف بھاگ گئے ہیں اور برائی بھلائی میں انھوں نے لوگوں سے میل جول بالکل ترک کر دیا ہے اور وحشیوں کی طرح ہو گئے ہیں، اسی واسطے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کا رد فرمایا جس نے عورتوں سے کنارہ کشی چاہی تھی اور فرما دیا "میں رہبانیت سکھلانے کے لئے نہیں بھیجا گیا ہوں بلکہ میں تو ایک پاک اور آسان دین کے ساتھ مبعوث ہوا ہوں" البتہ انبیاء علیہم السلام تدابیر و منافع میں میانہ روی کا حکم دیتے تھے کہ نہ تو عیش و آرام میں مستغرق لوگوں کی حالت، سلاطین عجم کی سی، اور نہ یہ کہ لوگوں کی زندگی پہاڑی باشندوں کی سی ہو جو وحشیوں سے ملتی جلتی ہوتی ہے۔

اس موقعہ پر دو قیاس باہم متعارض ہیں، ایک یہ کہ آسودگی اور آرام سے بسر کرنا عمدہ بات ہے جس سے مزاج صحیح ہوتا ہے، اخلاق درست ہوتے ہیں اور وہ اوصاف ظاہر ہوتے ہیں جن کی وجہ سے انسان اپنے تمام ابنائے جنس سے ممتاز ہے، غباوت اور عاجزی وغیرہ اوصاف سوء تدبیر سے پیدا ہوتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ آسودگی بری چیز ہے، اس سے باہمی نزاع پیدا ہوتا ہے، تکالیف جھیلنی پڑتی ہیں، جانب غیب سے اسکی وجہ سے اعراض ہو جاتا ہے، اخروی تدابیر کو آسودگی کی وجہ سے لوگ ترک کر دیتے ہیں، اسی واسطے پسندیدہ امر میانہ حالت ہے اور یہ کہ تدابیر کو باقی رکھیں اور ان کے ساتھ اذکار و آداب کو ملائیں، اور عالم جبروت کیجانب متوجہ ہونے کے لئے فرصت کے متلاشی رہیں۔

اس باب میں تمام انبیاء علیہم السلام نے جو خدا کی جانب سے لوگوں کے سامنے پیش کیا ہے وہ یہی ہے کہ لوگوں کی حالت دیکھنی چاہیے، ان کے کھانے پینے کے آداب، لباس،

ارادة اهمال الرسوم الفاسدة والحث على وجوه من الارتفاقات، وذلك قوله صلى الله عليه وآله وسلم بعثت لمحق المعازف وقوله عليه الصلوة والسلام بعثت لاتمم مكارم الاخلاق. واعلم انه ليس رضا الله تعالى في اهمال ارتفاق الثاني والثالث ولم يأمر بذلك احد من الانبياء عليهم السلام وليس الامر كما ظنه قوم فروا الى الجبال وتركوا مخالطة الناس راسا في الخير والشر وصاروا بمنزلة الوحش، ولذلك رد النبي صلى الله عليه وآله وسلم على من اراد التبتل وقال ما بعثت بالرهبانية وانما بعثت بالملة الحنيفية السمحة لكن الانبياء عليهم السلام امروا بتعديل الارتفاقات وان لا يبلغ بها حال المتعمقين في الرفاهية كملوك العجم ولا ينزل بها الى حال سكان شواهق الجبال اللاحقين بالوحش، وههنا قياسان متعارضان احدهما ان الترفه حسن يصح به المزاج ويستقيم به الاخلاق ويظهر به المعاني التي امتاز به الآدمي من سائر بني جنسه، والغباوة والعجز ونحوهما تنشأ من سوء التدبير، وثانيهما ان الترفه قبيح لاحتياجه الى منازعات ومشاحات وكد وتعب واعراض عن جانب الغيب واهمال لتدبير الآخرة، ولذلك كان المرضي التوسط وابقاء الارتفاقات وضم الاذكار معها والآداب وانتهاز فرص للتوجه الى الجبروت، والذي اتى به الانبياء قاطبة من عند الله تعالى في هذا الباب هو ان ينظر الى ما عند القوم من آداب الاكل و

تعمیر اور آرائش کے اسباب کیا ہیں، ان میں نکاح کا طریقہ کیا ہے اور
زن و شوہر کس طرح باہم پیش آتے ہیں، وہ باہمی خرید و فروخت کن وجوہ
سے کرتے ہیں، جرائم سے باز رکھنے کے لئے کیا کیا تعزیرات ان میں
مستعمل ہیں، مقدمات کا فیصلہ وہ کس طرح کرتے ہیں، پس اگر یہ امور
رائے کلی کے مطابق اور مناسب ہوں تو ان میں کسی قسم کی تبدیلی بے معنی
ہے بلکہ لوگوں کو ان کی پابندی پر اور زیادہ آمادہ کرنا چاہیے اور انکیں
ان کی رائے کو درست کہنا اور ان امور کی مصلحتیں بیان کر دینا چاہیے۔
اور اگر وہ امور رائے کلی کے موافق نہ ہوں اور ان امور میں اس وجہ
سے تبدیلی کی ضرورت پیش آئے کہ ان کے سبب سے ایک شخص
دوسرے کے لئے ایذا رساں ہو سکتا ہو یا دنیوی لذات میں ان کی وجہ
سے زیادہ انہماک ہو یا ان کی وجہ سے آخرت اور اچھی باتوں سے
اعراض ہوتا ہو، یا ان کی وجہ سے بے غمی پیدا ہوتی ہو جن سے دنیا
و آخرت کی مصلحتیں فوت ہوتی ہوں یا اسی طرح کی کوئی اور بات پیش
آتی ہو تو اسوقت ضروری ہے کہ ان امور کی تبدیلی ایسی صورت
میں کرنا چاہیے جو لوگوں کے مالوف کے بالکل مخالف نہ ہو بلکہ ایسے
نظائر میں ان کو تبدیل کرنا چاہیے جو لوگوں میں شائع ہوں، یا ایسے
نظائر کی جانب ان کو بدلیں جو ایسے صالحین میں مشہور ہوں جن کی بھلائی
کی لوگوں کی زبان شہادت دیتی رہی ہو۔

حاصل کلام یہ ہے کہ یہ تبدیل شدہ امور ایسے ہوں کہ اگر وہ انکے
سامنے پیش کئے جائیں تو ان کی عقلیں ان امور کو رد نہ کریں بلکہ اسپر
مطمئن ہو جائیں کہ یہ تبدیلی حق اور صحیح ہے، اسی وجہ سے انبیاء علیہم السلام
کی شریعتوں میں اختلاف واقع ہوا۔ وہ لوگ جنکا علم راسخ ہے اس امر کو
خوب جانتے ہیں کہ شریعت نے ابواب نکاح، طلاق، معاملات، زینت،
لباس، فیصلہ جات، حدود، تقسیم میراث میں وہ امور مقرر نہیں کیے ہیں
جن سے لوگ ناواقف ہوں، یا ان کے مکلف کرنے سے وہ تردد میں
پڑ جائیں، بلکہ شریعت نے ان امور کی کجی کو درست کر دیا ہے اور کمزور حالت
کو مضبوط کر دیا ہے۔ اسوقت کے لوگوں میں سود خواری کی کثرت ہو گئی تھی پس
اس سے وہ روک دیے گئے۔ اور باغوں کے پھل کار آمد ہونے سے پیشتر فروخت
کر دیا کرتے تھے اور جب پھلوں کو صدمہ پہنچتا تھا تو باہم جھگڑا کرتے تھے۔

الشرب واللباس والبناء ووجوه الزينة و
من سنة النكاح وسيرة المتناكحين ومن
طرق البيع والشراء ومن وجوه المزاجر
عن المعاصى وفصل القضايا ونحو ذلك فان
كان الواجب بحسب الراى الكلى منطبقا عليه فلا معنى
لتحويل شئ منه من موضعه ولا العدول
عنه الى غيره بل يجب ان يحث القوم على
الاخذ بما عندهم وان يصوب رايهم
فى ذلك ويرشد والى ما فيه من المصالح
وان لم ينطبق عليه ومست الحاجة الى
تحويل شئ او اخماله لكونه مفضيا الى
تاذى بعضهم من بعض او تعمقا فى لذات
الحياة الدنيا واعراضا عن الاحسان او من
المسليات التى تؤدى الى اهمال مصالح
الدنيا والاخرة ونحو ذلك فلا ينبغى ان
يخرج الى ما يباين مالوفهم بالكلية بل
يحول الى نظير ما عندهم او نظير ما اشتهر
من الصالحين المشهود لهم بالخير عند
القوم، وبالجملة فالى ما لو القى عليهم لم تدفعه
عقولهم بل اطمأنت بانه حق، ولهذا المعنى
اختلفت شرائع الانبياء عليهم السلام و
الراسخ فى العلم يعلم ان الشرع لم يجئ فى
النكاح والطلاق والمعاملات والزينة و
اللباس والقضاء والحدود وقسمة الغنيمة
بما لم يكن لهم به علم او يتردد وافيه
اذا كلفوا به نعم انما وقع اقامة المعوج
وتصحيح السقيم كان قد كثر فيهم الربا
فنهوا عنه وكانوا يبيعون الثمار قبل
ان يبدو صلاحها يختصمون ويحتجون

اسواسطے اس بیع سے بھی رو کے گئے۔ عبد المطلب کے زمانہ میں دیت کے دس اونٹ معین تھے جب انھوں نے دیکھا کہ اب بھی لوگ قتل سے باز نہیں آتے تو سو اونٹ مقرر کردیئے پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی سو باقی رکھے اور سب سے پہلے قسامۃ[1] ابو طالب کے حکم سے واقع ہوئی تھی۔ اور سردار قوم کے لئے مال غنیمت میں چہارم حصہ مقرر تھا آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اسکی جگہ ہر غنیمت میں سے خمس مقرر فرمایا قباذ اور اسکے بیٹے نوشیرواں نے لوگوں پر خراج اور عشر مقرر کیا تھا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی کے قریب قریب قرار دیا۔ بنی اسرائیل زانیوں کو سنگسار کرتے تھے اور چوروں کے ہاتھ کاٹتے تھے، جان کے بدلہ جان لیتے تھے، پس قرآن میں بھی یہی احکام نازل ہوئے۔ اس قسم کے احکام بے شمار ہیں جو تتبع کرنے والے پر مخفی نہیں ہیں بلکہ اگر کوئی فہیم ہو، احکام کے اطراف وجوانب پر اسکی نظر محیط ہو تو ضرور اسکو یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ انبیا علیہم السلام نے عبادات میں سوائے ان امور کے جو لوگوں میں پائے جاتے تھے یا ان کی نظیر تھے کوئی نیا طریقہ مقرر نہیں کیا ہاں انبیاء نے جاہلیت کی تحریفات کو مٹایا اور مبہم احکام کو اوقات وارکان سے منضبط کردیا اور جو پوشیدہ تھے ان کو لوگوں میں شائع کیا۔

واضح ہو کہ ایران اور روم میں جبکہ سالہا سال سے سلطنت چلی آئی اور دنیوی لذت میں مستغرق ہوگئے اور دار آخرت کو بھول گئے اور شیطان ان پر غالب آگیا تو وہ معیشت کے اسباب پیدا کرنے میں ہمہ تن مصروف ہوگئے، اور ان اسباب پر فخر کرنے لگے۔ اطراف عالم سے حکماء کی ان کے پاس آمد و رفت رہی، یہ لوگ معاش کے دقائق اور کار آمد باتیں مستنبط کرتے رہے، پس ہمیشہ وہ ان امور پر عملدر آمد کرتے رہے، ہر ایک شخص دوسرے پر ان امور میں سبقت کرنے اور فخر کرنے کی کوشش کرتا رہا یہاں تک کہ یہ بات مشہور ہوگئی کہ اگر ان کے سرداروں میں سے جو شخص ایسی پیٹی یا تاج نہ رکھتا تھا جسکی قیمت لاکھ درہم

بجاهات تصيبها فنهوا عن ذلك البيع وكانت الدية على عهد عبد المطلب عشرة من الابل فلما راى ان القوم لا يرتدعون عن القتل بلغها مائة فابقاها النبي صلى الله عليه وسلم على ذلك، واول قسامة وقعت هي التى كانت بحكم ابى طالب وكان لرئيس القوم مرباع كل غارة فسن رسول الله صلى الله عليه وسلم الخمس من كل غنيمة وكان قباذ وابنه انوشروان وضعا عليهم الخراج والعشر فجاء الشرع بنحو من ذلك وكانوا بنو اسرائيل يرجمون الزناة ويقطعون السراق ويقتلون النفس بالنفس فنزل القران بذلك وامثال هذه كثيرة جدا لا تخفى على المتتبع بل لو كنت فطنا محيطا بجوانب الاحكام لعلمت ايضا ان الانبياء عليهم السلام لم يأتوا فى العبادات غير ما عندهم هو او نظيره لكنهم نفوا تحريفات الجاهلية وضبطوا بالاوقات والاركان ما كان مبهما واشاعوا بين الناس ما كان خاملا ؞

اعلم ان العجم والروم لما توارثوا الخلافة قرونا كثيرة وخاضوا فى لذة الدنيا ونسوا الدار الآخرة واستحوذ عليهم الشيطان تعمقوا فى مرافق المعيشة وتباهوا بها وورد عليهم حكماء الآفاق يستنبطون لهم دقائق المعاش ومرافقه فما زالوا يعملون بها ويزيد بعضهم على بعض ويتباهون بها حتى قيل انهم كانوا يعيرون من كان يلبس من صناديدهم منطقة او

[1] قاتل کا حال معلوم نہ ہو تو قسم سے فیصلہ کیا جائے ۱۲

تاجا قيمتها دون مائة الف درهم اولا يكون
له قصر شامخ و ابزن وحمام وبساتين
و لا يكون له دواب فارهة وغلمان
حسان ولا يكون له توسع فى المطاعم
وتجمل فى الملابس وذكر ذلك يطول و
ما تراه من ملوك بلادك يغنيك عن
حكاياتهم فدخل كل ذلك فى اصول
معاشهم وصار لا يخرج من قلوبهم الا
ان تمزع وتولد من ذلك داء عضال دخل
فى جميع اعضاء المدينة وآفة عظيمة لم
يبق منهم احد من اسواقهم ورستاقهم
وغنيهم وفقيرهم الا قد استولت عليه
واخذت بتلابيبه واعجزته فى نفسه و
اهاجت عليه غموما وهموما لا ارجاع
لها وذلك ان تلك الاشياء لم تكن لتحصل
الا ببذل اموال خطيرة ولا تحصل تلك
الاموال الا بتضعيف الضرائب على الفلاحين
والتجار واشباههم والتضييق عليهم فان
امتنعوا قاتلوهم وعذبوهم وان اطاعوا
جعلوهم بمنزلة الحمير والبقر يستعمل
فى النضح والدياس والحصاد ولا تقتنى الا
ليستعان بها فى الحاجات ثم لا تترك ساعة
من العناء حتى صاروا لا يرفعون رؤسهم الى
السعادة الاخروية اصلا ولا يستطيعون
ذلك وربما كان اقليم واسع ليس فيهم
احد يهمه دينه ولم يكن ليحصل ايضا الا
بقوم يتكسبون بتهيئة تلك المطاعم والملابس
والابنية وغيرها ويتركون اصول المكاسب
التى عليها بناء نظام العالم وصار عامة من

کم ہوتی تھی، یا جس کے پاس بلند محل، آبزن، حمام اور باغ نہ ہوتے تھے
اور اسکے پاس عمدہ عمدہ گھوڑے اور خوبصورت غلام نہ ہوتے تھے اور اس کو
کھانے اور پینے میں فراغ دستی نہ ہوتی تھی اور لباسوں میں تجمل نہ ہوتا تھا تو
اس پر طعن و تشنیع کرتے تھے، ایسے ہی بہت سے امور تھے جنکا ذکر کرنا
طوالت ہے۔ اور اپنے شہروں کے سلاطین کے حالات جو تم خود دیکھ رہے
ہو ان کے ہوتے ہوئے ان گذشتہ کے حالات بیان کرنے کی ضرورت نہیں
رہتی۔ پس یہ تکلفات ان کے اصول معاش میں اسطرح پیوست ہو گئے کہ
اگر ان کے دلوں کو ریزہ ریزہ کر دیا جاتا تو یہ باتیں ان سے نکلنے والی تھیں
اور اس سے ایک ایسا سخت مرض پیدا ہوا جو شہر کے ایک ایک جز میں
سرایت کر گیا اور ایسی آفت برپا ہوئی جس سے نہ دیہاتی بچا نہ بازاری اور
نہ غریب بچا اور نہ امیر بلکہ یہ عیش و آرام کی آفت ہر ایک پر غالب آگئی
تھی اور ان کے دست بگریباں ہو گئی تھی اور اس نے ہر ایک کو تھکا دیا تھا
اور ایسے مصائب اور رنجشوں میں پھنسا دیا تھا جن کی کوئی انتہا نہ رہی، یہ
عیش و آرام زیادہ تکالیف کے باعث اسلئے ہو گئے تھے کہ جب تک
بہت سامان صرف نہ کیا جائے یہ لطف حاصل نہیں ہو سکتے اور مال کی
اتنی مقدار حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ کاشتکاروں، تاجروں اور
پیشہ وروں پر ٹیکس زیادہ کے جائیں، ان پر سختی کیجائے اور اگر وہ ادا
نہ کریں تو حکام ان سے جنگ کریں اور ان کو طرح طرح کی تکلیف
دیں اور اگر وہ لوگ ان کے احکام کی تعمیل کرتے رہیں تو انکو بمنزلہ
گدھے اور بیل کے کردیں جو آب پاشی، جوتنے اور اناج کی کٹائی میں
استعمال کئے جاتے ہیں، اور اگر ان کو ذخیرہ کیا جاتا ہے تو محض
اپنے کام میں لانے کے لئے، پھر ذرا دیر بھی ان کو مشقت سے آرام
نہیں دیا جاتا۔ یہ افراد ایسے ہی گرفتار بلا ہو کر سعادت اخروی کیطرف
سر بھی نہیں اٹھا سکتے اور نہ اس مرتبہ کے قابل رہتے ہیں،
اور اکثر بڑے بڑے سے بڑے ہر مملکت میں ایک شخص بھی ایسا نہیں
ہوتا جس کو دین کا اہتمام اور خیال ہو۔ اور یہ عیش کے سامان بھی
ایسے ہی لوگوں کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں جو کھانے، لباس،
مکانات وغیرہا کے حاصل کرنے میں مصروف رہتے ہیں اور
کاروبار کے ان اصول کو جن پر نظام عالم کا مدار ہے ترک کرتے ہیں

اور عموماً جو لوگ ان سے ملتے جلتے ہیں تو وہ ان سب امور میں انہی کی نقل کرتے ہیں ورنہ ان کو ان امراء کی خدمت میں باریابی نہ ہو اور نہ انکے دلوں میں ان کی کچھ وقعت رہے۔

اور تمام لوگ بادشاہ کے محتاج ہوتے ہیں، اس سے اپنی ضروریات کی کفالت چاہتے ہیں، بعض اسوجہ سے کہ وہ لشکری اور شہر کے منتظم ہیں یہ لوگ ان سرداروں کی روش تو اختیار کر لیتے ہیں لیکن اپنے فرائض ادا کرنے کا کچھ بھی قصد نہیں کرتے صرف اپنے رسوم اور سلف کے طریقہ کو پورا کرتے ہیں، اور بعض اسلئے کہ وہ شاعر ہیں جن پر انعام واکرام کرنے کے سلاطین عادی ہوتے ہیں، بعض اسلئے کہ وہ درویش اور پارسا ہیں، اور بادشاہوں کے لئے یہ زیبا نہیں کہ ان کی خبرگیری نہ کریں۔ اسواسطے یہ فرقے ایک دوسرے پر تنگی کرتے ہیں اور ان کے ذرائع معاش اسپر موقوف ہوتے ہیں کہ وہ بادشاہوں کی خدمت میں رہیں اُن سے نرم کلامی اور خوشامد سے پیش آئیں انہی فنون میں ان کی فکر ڈوبی رہتی ہے، اور ان کے اوقات ضائع ہوتے رہتے ہیں۔ پس جب ان اشغال کی کثرت ہو جاتی ہے تو لوگوں کے دلوں میں ایک خسیس حالت پیدا ہو جاتی ہے اور عمدہ اخلاق سے وہ اعراض کرتے ہیں،

اگر تم اس مرض کی حقیقت معلوم کرنا چاہو تو ان قوموں کو دیکھو جن میں کوئی سلطنت نہیں اور نہ لذیذ کھانوں اور عمدہ لباسوں میں انہماک ہے بلاشک تم ان اقوام میں سے ہر شخص کو آزاد پاؤ گے، نہ ان پر بھاری محصول مقرر ہوں گے جن سے ان کی کمر جھک گئی ہو، پس ایسے لوگ دین وملت کے امور میں مصروف ہو سکتے ہیں۔ پھر انہی لوگوں کی حالت کو اسطرح خیال کرو کہ ان میں سلطنت قائم ہو جائے، سلاطین وامراء ان کو اپنا مطیع بنا کر ان پر اپنا قبضہ کر لیں۔

جب ایسی مصیبت زیادہ بڑھ گئی اور یہ بیماری سخت ہو گئی تو خدا تعالے اور ملائکہ مقربین نے ان پر غصہ ظاہر فرمایا اور خدا کی مرضی ہوئی کہ اس مرض کو بالکل زائل کر دے اس واسطے اس نے ایک نبی امی صلے اللہ علیہ وسلم کو بھیجا جس کا عجم اور روم سے کوئی میل جول نہ تھا، اس نے ان کے رسوم کو بالکل اختیار نہ کیا۔ اس پیغمبر کو خدا تعالے نے ہدایت کے لئے میزان قرار دیا ہے،

يطوف عليهم يتكلفون محاكاة الصناديد في هذه الاشياء والا لم يجد واعندهم حظوة ولا كانوا عندهم على بال، وصار جمهور الناس عيالا على الخليفة يتكففون منه تارة على انهم من الغزاة والمدبرين للمدينة يترسمون برسومهم ولا يكون المقصود دفع الحاجة ولكن القيام بسيرة سلفهم، و تارة على انهم شعراء جرت عادة الملوك بصلتهم، وتارة على انهم زهاد و فقراء يقبح من الخليفة ان لا يتفقد حالهم فيضيق بعضهم بعضا وتتوقف مكاسبهم على صحبة الملوك والرفق بهم وحسن المحاورة معهم والتملق منهم وكان ذلك هو الفن الذي تتعمق افكارهم فيه وتضيع اوقاتهم معه فلما كثرت هذه الاشغال تشبح في نفوس الناس هيآت خسيسة واعرضوا عن الاخلاق الصالحة، وان شئت ان تعرف حقيقة هذا المرض فانظر الى قوم ليست فيهم الخلافة ولا هم متعمقون في لذائذ الاطعمة والالبسة تجد كل واحد منهم بيده امره وليس عليه من الضرائب الثقيلة ما يثقل ظهره فهم يستطيعون التفرغ لامر الدين والملة ثم تصور حالهم لو كان فيهم الخلافة وملأوها وسخروا الرعية و تسلطوا عليهم فلما عظمت هذه المصيبة واشتد هذا المرض سخط عليهم الله والملائكة المقربون وكان رضاه تعالى في معالجة هذا المرض بقطع مادته فبعث نبيا اميا صلى الله عليه وآله وسلم لم يخالط العجم والروم ولم يترسم برسومهم وجعله ميزانا يعرف به الهدى الصالح

جس کے ذریعیان طریقوں ہیں جو خدا کے نزدیک پسندیدہ یا ناپسندیدہ ہیں، تمیز ہوجاتی ہے خدا تعالے نے اسکے عجمیوں کی رسموں کی مذمت بیان کرادی اور دنیوی زندگی میں مطمئن اور مستغرق ہوجانے کی قباحتیں ظاہر کرادیں، اس پیغمبر کے دل میں خدا تعالے نے الہام فرمایا کہ وہ بڑے بڑے امور جن کے عجمی خوگر ہو گئے تھے اور ان پر فخر کرتے تھے لوگوں پر حرام ہیں، مثلاً ریشمی لباس، ارغوانی کپڑے پہننا، سہری اور روپہلی برتن، سونے کے زیور، ایسے کپڑے جن میں تصویریں بنی ہوئی ہوں، مکانوں پر نقش و نگار کرنا وغیرہ، خدا تعالے نے مقدر کردیا کہ اسکی دولت سے انکی دولتوں کا خاتمہ کردے اور اسکی حکومت سے ان کی حکومتوں کا خاتمہ کردے اسکے وجود سے کسریٰ ہلاک ہوگیا اب اسکے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوگا، اور ہلاک ہوگیا قیصر، اب کوئی قیصر نہ ہوگا۔

واضح ہو کہ زمانہ جاہلیت میں ایسے ایسے جھگڑے پیدا ہوگئے تھے جن سے تمام لوگ تنگ آگئے تھے اور ان کا رفع ہونا جب ہی ممکن تھا کہ ان کو اصل سے ہی ختم کردیا جائے جیسے مقتولوں کے بدلہ میں خون لینا، ایک شخص دوسرے کو قتل کردیتا تھا پھر مقتول کا ولی قاتل کے بھائی یا بیٹے کو مار ڈالتا تھا پھر اس مقتول کا ولی بھی قاتل کے بھائی یا بیٹے کو قتل کرتا تھا اور اسیطرح سے ہیر پھیر رہتا تھا اسکے رفع کرنے کیلئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "تمام خون میرے اس پاؤں کے نیچے باطل کردیئے گئے اور سب سے پہلے میں نے ربیعہ کے خون کو معاف کیا"

اور اسیطرح سے میراث کے باب میں قوم کے رؤسا مختلف طور پر فیصلے کیا کرتے تھے اور اس زمانہ کے لوگ غصب اور سود خوری وغیرہ سے باز نہیں آتے تھے اور اسی پر عملدرآمد کرتے تھے۔ پھر اسکے بعد ایک اور زمانہ آیا تھا جس میں لوگ طرح طرح کی دلیلیں پیش کرتے تھے، اسواسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سرے سے یہ جھگڑا ہی ختم کردیا اور فرمایا زمانہ اسلام میں ہر چیز کی تقسیم قرآن کے مؤافق ہوگی اور جو شئی زمانہ جاہلیت میں تقسیم ہوچکی یا وہ کسی نہ کسی طرح کسی شخص کے قبضہ میں آگئی تو وہ بدستور اپنے حال پر باقی رہے گی اور وہ اس سے نہ لیجائیگی، مثلاً سود، اس زمانہ میں کوئی شخص قرض دیتا تھا اور کسیقدر اسپر بیشی کی شرط کرلیا کرتا تھا اسکے بعد مدیون کو تنگ کرتا تھا اور اصل و شرط کو اصل سرمایہ قرار دیتا تھا اور اسپر اور بیشی کی شرط کرلیا کرتا تھا اسیطرح

المرضی عند اللہ من غیر المرضی وانطقه بذم عادات الاعاجم وقبح الاستغراق فی الحیاة الدنیا والاطمئنان بها ونفث فی قلبه ان یحرم علیهم رؤس ما اعتاده الاعاجم وتباهوا بها کلبس الحریر والقسی والارجوان و استعمال اوانی الذهب والفضة وحلی الذهب غیر المقطع والثیاب المصنوعة فیها الصور وتزویق البیوت وغیر ذلك وقضی بزوال دولتهم بدولته وریاستهم بریاسته وبانه هلك کسری فلا کسری بعده وهلك قیصر فلا قیصر بعده واعلم انه کان فی اهل الجاهلیة مناقشات ضیقت علی القوم وصعبت ولم یکن زوالها الا بقطع رؤسهم فی ذلك الباب کثأر القتلی کان الانسان یقتل انسانا فیقتل ولی المقتول اخا القاتل او ابنه ویعود هذا فیقتل واحدا منهم ویدور الامر کذلك فقال النبی صلی اللہ علیه وسلم کل دم موضوع تحت قدمی هذه واول دم اضعه دم ربیعة وکالمواریث کان رؤساء القوم یقضون فیها بقضایا مختلفة وکان الناس لا یمتنعون من نحو غصب وربا فیمرقون علی ذلك ثم یاتی قرن اخر فیحتجون بحجج فقطع النبی صلی اللہ علیه وسلم المناقشة من بینهم فقال کل شیء ادرکه الاسلام یقسم علی حکم القرآن وکل ما قسم فی الجاهلیة او حازه انسان فی الجاهلیة بوجه من الوجوه فهو علی ما کان لا ینقض وکالربا کان احدهم یقرض مالا ویشترط زیادة ثم یضیق علیه فیجعل المال وما اشترط جمیعا اصلا ویشترط الزیادة علیه وهلم جرا

بڑھتے بڑھتے وہ مال ایک تودہ ہو جاتا ہے، پس آپ نے سرے سے سود ہی کو مٹا دیا اور اصل سرمایہ ادا کرنے کا حکم فرمایا، اور فرمایا "نہ کسی پر ظلم کرو اور نہ کسی کا ظلم سہو" انکے علاوہ اور بھی بہت سی خرابیاں تھیں کہ اگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود نہ ہوتا تو لوگ ان کو ترک کرنے والے نہ تھے ٭

واضح ہو کہ بہت سی رسمیں اسواسطے مشروع ہوئی ہیں کہ لوگوں کی دلی رنجشیں دور ہو جائیں جیسے پانی پلانے میں ابتدا دائیں جانب سے کرنا، اسلئے کہ بعض اوقات مخالف لوگ جمع ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے کی بزرگی تسلیم نہیں کرتا جس سے کہ ابتدا کیجائے تو دفع خصومت کیلئے اسی قسم کا کوئی طریقہ ہو سکتا ہے اور جیسے (امامتِ جنازہ میں) مالک مکان کا امامت کرنا اور جب دو شخص ایک گھوڑے پر سوار ہونیکا قصد کریں تو گھوڑے کے مالک کا آگے بیٹھنا اور ساتھ والے کا پیچھے بیٹھنا وغیر ذالک، واللہ اعلم ٭

بارہواں باب (۲۶)۔ ان احکام کا بیان جو ایک دوسرے سے پیدا ہوتے ہیں

خدا تعالےٰ فرماتا ہے "ہم نے تجھ سے پہلے انہی لوگوں کو پیغمبر کیا ہے جن پر وحی بھیجی ہے اگر تم نہیں جانتے ہو تو ذکر والوں سے دریافت کرو، اور ہم نے تجھ پر قرآن اسواسطے نازل کیا ہے کہ تو لوگوں سے نازل شدہ باتیں بیان کر دے اور امید ہے کہ لوگ غور کریں "

واضح ہو کہ خدا تعالےٰ نے نبی علیہ السلام کو اسواسطے مبعوث کیا ہے کہ لوگوں کو وہ عبادت کے طریقے بیان فرما دیں جو بذریعہ وحی آپ کو معلوم ہوئے ہیں تاکہ لوگ اس پر عمل کریں، اور گناہوں کے ابواب کو بتلا دیں تاکہ لوگ ان سے پرہیز کریں، اور عمدہ تدابیر سے آگاہ کریں تاکہ لوگ اسکا اتباع کریں۔ اسی بیان میں یہ بھی ہے کہ نبی لوگوں کو ان امور کی بھی تعلیم دے جو وحی کے اقتضاء یا ایماء سے ثابت ہوں ٭

اور یہ قواعد کلیہ ہیں جن پر احادیث نبوی کا بہت بڑا حصہ منطبق کیا جاتا ہے ہم یہاں اس میں سے بڑے بڑے قواعد ذکر کرتے ہیں۔ ان قواعد میں سے ایک یہ ہے کہ جب عادت الٰہی اس طور پر جاری ہے کہ اسباب کو مرتب کر کے مسببات کو ان سے پیدا کرتا ہے تاکہ وہ مصلحت حاصل ہو جائے جو خدا تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ

حتی یصیر قناطیر مقنطرة فوضع الربا وقضی براس المال (لا یظلمون ولا یظلمون) الی غیر ذلك من امور لم تكن لتترك لولا النبي صلی الله علیه وسلم ٭

واعلم انه ربما یشرع للناس رسم قطعا لضغائنهم كالابتداء من الیمین فی السقی ونحوه فانه قد یكون ناس متشاكسون ولا یسلم الفضل لیبدأ بصاحبه فلا تنقطع المناقشة بینهم الا بمثل ذلك وكما مر من صاحب البیت وكتقدم صاحب الدابة علی رفیقه اذا ركباها ونحو ذلك والله اعلم ٭

باب الاحكام التی یجر بعضها البعض

قال الله تعالیٰ "وما ارسلنا من قبلك الا رجالا نوحی الیهم فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون بالبینٰت والزبر وانزلنا الیك الذكر لتبین للناس ما نزل الیهم ولعلهم یتفكرون" اعلم ان الله تعالی بعث نبیه صلی الله علیه وسلم لیبین للناس ما اوحاه الیه من ابواب العبادات لیأخذوا بها ومن ابواب الآثام لیجتنبوها وما ارتضاه لهم من الارتفاقات لیقتدوا بها، ومن هذا البیان ان یعلمهم ما یقتضیه الوحی او یومی الیه ونحو ذلك ٭

وهذه اصول یخرج علیها جملة عظیمة من احادیث النبي صلی الله علیه وسلم ونذكر ههنا معظمها، منها ان الله تعالی اذا اجری سنته علی نحو بأن رتب الاسباب مفضیة الی مسبباتها لتنتظم المصلحة المقصودة بحكمته

اور رحمت کاملہ سے مقصود ہے تو اس انتظامی حالت کا مقتضا ر یہ ہے
کہ مخلوق الٰہی کو بدلدینا شر کی بات ہوگی اور خرابی برپا کرنے کی کوشش
ہوگی اور ملاء اعلےٰ سے نفرت نازل ہونیکا سبب بنے گی، پس جبکہ خدا
تعالےٰ نے انسان کو اس طرح پیدا کیا کہ اکثر اوقات اسکی پیدائش ایسی ہو
جسطرح کیڑے مکوڑے زمین سے پیدا ہوجاتے ہیں، اور حکمت الٰہی کا
مقتضا ر بھی یہ تھا کہ نوع انسانی باقی رہے بلکہ کثرت کے ساتھ دنیا میں
پھیلے تو اس نے انسان میں تناسل کے قوی پیدا کئے اور طلب نسل کی انکو
رغبت دلائی اور خواہش نفسانی کو ان پر غالب کردیا تاکہ اسکی وجہ سے
اللہ تعالےٰ اس کام کو پورا کردے جسکو اسکی حکمت بالغہ نے ضروری قرار
دیا ہے،

جب خدا تعالےٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس راز پر مطلع کردیا
اور اصلی حالت آپ پر بالکل منکشف ہوگئی تو ضروری ہوا کہ آپ اس راستہ
کے بند کرنے کو یا ان قوی کے معطل کردینے کو یا ان کے بیجا استعمال کو منع
فرمائیں، یہی وجہ ہے کہ خصی کرنے سے اور لواطت سے نہایت سختی کے
ساتھ منع کردیا اور عزل[1] کو مکروہ قرار دیا،

واضح ہو کہ جب لوگوں کا مزاج سلیم ہوتا ہے اور ان کے مادہ میں
احکام نوعی کے ظہور کی قوت ہوتی ہے تو اسکی ایک معین صورت اور شکل
ہوتی ہے، یعنی قد کا سیدھا ہونا، جلد کا صاف ہونا وغیرہ ذالک، یہ امور
لوگوں میں نوع کا حکم، اسکا مقتضا ر اور اثر ہوتے ہیں، اور عالم بالا کی بھی
خواہش ہوتی ہے کہ انواع باقی رہیں اور ان کی صورتیں زمین پر باقی رہیں
اسی واسطے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاً کتوں کو مار ڈالنے کا
حکم کیا تھا لیکن بعد میں اس کو منع فرمادیا اور ارشاد کیا "کتا بھی گروہوں
میں سے ایک گروہ ہے" یعنی یہ ایک نوع ہے جس کو اللہ تعالےٰ
موجود رکھنا چاہتا ہے اور اس کا زمین سے مٹا دینا خدا کو پسند نہیں
اس قسم کی خواہش کا یہ اثر ہے کہ نوع کے احکام تمام افراد نوع میں
ظہور پذیر ہوں اس واسطے اس خواہش کے خلاف کرنا اور اس کے
رد کرنے میں کوشش کرنا قبیح اور مصلحت کلی کے خلاف ہے،

[1] یعنی انزال کے وقت عورت سے علیحدہ ہوجانا تاکہ حمل نہ قرار پائے ۱۲

البالغة ورحمته التامة اقتضى ذلك ان يكون
تغيير خلق الله شرا وسعيا في الافساد وسببا
لترشح النفرة عليه من الملأ الاعلى، فلما خلق
الله الانسان على وجه لا يتكون في اكثر الاوقات
والاحيان من الارض تكون الديدان منها و
كانت حكمته تقتضي بقاء نوع الانسان بل
انتشار افراده وكثرتهم في العالم اودع فيهم
قوى التناسل ورغبهم في طلب النسل وجعل
الغلمة مسلطة عليهم منهم ليقضي الله بذلك
امرا اوجبته الحكمة البالغة، فلما اطلع الله
النبي صلى الله عليه وسلم على هذا السر وا
كشف عليه جلية الحال اقتضى ذلك ان
ينهى عن قطع هذا السبيل واهمال تلك
القوى المقتضية اوصرفها في غير محلها ولذلك
نهى اشد النهي عن الخصاء واللواطة وكره
العزل واعلم ان افراد الانسان عند سلامة
مزاجها وتمكين المادة احكام النوع من
نفسها تكون على هيئة معلومة من استواء
القامة وظهور البشرة ونحو ذلك وهذا احكم
النوع ومقتضاه واثره في الافراد، وفي الخير
العالي طلب واقتضاء لبقاء الانواع وظهور
اشباحها في الارض ولذلك كان النبي صلى
الله عليه وسلم امر بقتل الكلاب ثم نهى عن
ذلك وقال، انها امة من الامم، يعني ان
النوع له مقتض عند الله ونفي اشباحه من
الارض غير مرضي وهذا الاقتضاء ينجر
الى اقتضاء ظهور احكام النوع في الافراد فمناقضة
هذا الاقتضاء والسعي في رده قبيح منافر
للمصلحة الكلية وعلى هذه القاعدة يخرج

اسی قاعدہ سے ان بدنی تصرفات کا حکم نکلتا ہے جن کو نوعی احکام نہیں چاہتے جیسے خصی کرنا، اگلے دانتوں کے بیچ میں کشادگی پیدا کرنا اور چہرہ سے بالوں کا چننا وغیر ذالک، لیکن آنکھوں میں سرمہ لگانا یا بالوں میں کنگھی کرنا یہ ایسے امور ہیں جن سے احکام مقصودہ کے ظہور کو مدد ملتی ہے اور انکے موافق ہیں،

جب خدا تعالیٰ نے بنی آدم کے لئے ایک شریعت مقرر کر دی جس سے ان کے حالات منتظم اور درست ہوں اور عالم بالا میں بھی اس شریعت کے ظہور کا منشا رتھا اسلئے شریعت کی حالت بھی انواع کی سی ہوگئی جو زمین میں اپنے افراد کا ظہور چاہتی ہے اور اسیو جہ سے شریعت کے بگاڑنے میں سعی کرنا عالم بالا میں ناراضی کا باعث ہے، ان کے مقتضا کے بالکل خلاف اور ان کی سطح ہمت سے بعید ہے۔ ایسے ہی وہ منافع اور تدابیر بھی بمنزلہ امر طبعی کے ہوگئے ہیں جن پر لوگوں کے عام فرقوں نے عرب ہوں یا عجم، ادنی ہوں یا اعلےٰ اتفاق کر لیا ہے۔

اور جبکہ اللہ تعالےٰ نے قسموں اور دستاویزوں کو مشروع فرمایا جن سے اصل حال اور واقعہ کا انکشاف ہوتا ہے تو اس سے یہ ضروری ہوگیا کہ جھوٹی گواہی اور جھوٹی قسم خدا اور اسکے ملائکہ کی نظر میں ناخوشی کا باعث ہے۔

ان قواعد میں سے یہ بھی ہے کہ جب خدا تعالےٰ اپنے پیغمبر کو کسی حکم شرعی کی وحی کرتا ہے اور اسکی حکمت اور سبب بھی بتا دیتا ہے تو نبی کو مناسب ہے کہ اس مصلحت کا پابند ہو جائے اور اسکی کوئی علت مقرر کرکے اس حکم کا مدار علیہ اس علت کو ٹھیرائے، یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قیاس ہے۔ اور امت کا قیاس یہ ہے کہ حکم منصوص کی علت معلوم کرکے جہاں علت پائی جائے وہاں اس حکم کو بھی پہنچا دیں، اسکی مثال وہ اذکار ہیں جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح، شام اور سوتے وقت معین فرمائے، اس لئے کہ جب آپ نماز کے مشروع ہونیکی حکمت پر مطلع ہوگئے تو آپ نے یہ بھی اجتہاد سے ثابت کر لیا۔

انہی قواعد میں سے یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی آیت سے سیاق کلام کی وجہ دریافت فرما لیتے تھے اگرچہ اور لوگ دقت کلام یا کثرت احتمالات کے ہونے سے وجہ نہ سمجھ سکتے تھے

التصرف فی البدن بما لا یقتضیه حکم النوع کالخصاء والتفلج والتنمص ونحو ذلك، اما الكحل والتسريح فان ذلك كالاعانة على ظهور الاحكام المقصودة والموافقة بها، ولما شرع الله تعالى لبنى آدم شريعة ينتظم بها شملهم ويصلح بها حالهم وكان فى الملكوت داعية لظهورها كان امرها كامر الانواع فى طلب ظهور الاشباح فى الارض ولذلك كان السعى فى اهمالها مسخوطا عند الملأ الاعلى منافرا لما هو مقتضاهم ومطمح هممهم وكذلك الارتفاقات التى اجمع عليها طوائف الناس من عربهم وعجمهم واقاصيهم وادانيهم فانها كالامر الطبيعى

فاما شرع الله تعالى الايمان والبينات موضحة لجلية الحال اقتضى ذلك ان تكون شهادة الزور واليمين الكاذبة مسخوطة عند الله وملائكته، ومنها انه اذا اوحى اليه بحكم من احكام الشرع واطلع على حكمته و[illegible]به كان له ان ياخذ تلك المصلحة وينصب لها علة ويدير عليها ذلك الحكم وهذا قياس النبى صلى الله عليه وسلم وانما قياس امته ان يعرفوا علة الحكم المنصوص عليه فيديروا الحكم حيث دارت، مثاله الاذكار التى وقتها النبى صلى الله عليه وسلم بالصبح والمساء ووقت النوم فانه لما اطلع على حكمة شرع الصلوات اجتهد فى ذلك، ومنها انه اذا فهم النبى صلى الله عليه وسلم من آية وجه سوق الكلام وان لم يكن غيره يفهم منه ذلك لدقة مأخذه او تزاحم الاحتمالات فيه كان له ان

تو آپ اپنے فہم کے موافق حکم دیتے تھے جیسے خدا تعالے کا قول ہے "کوہ صفا اور مروہ خدا کی نشانیوں میں سے ہیں"۔ اس آیت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ گئے کہ صفا کو مروہ پر مقدم کرنے سے اس امر کے بیان کی موافقت ہوتی ہے جو لوگوں کے لئے مشروع ہوا ہے جیسے کہ یہ تقدیم کبھی موافقت سوال یا کسی اور وجہ سے ہوتی ہے پس آپ نے فرمادیا "جس چیز سے خدا نے ابتدا کی ہے اسی سے تم بھی ابتدا کرو"۔ اور ایسے ہی اجتہاد کی مثال یہ بھی ہے "خدا تعالے فرماتا ہے "سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرو بلکہ انکے خالق کو سجدہ کرو"۔ اور نیز خدا تعالے کا قول ہے "جب چاند ڈوب گیا تو ابراہیمؑ نے کہا میں ڈوبنے والے کو پسند نہیں کرتا"۔ ان دونوں آیتوں کے مضمون سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سمجھ گئے کہ کسوف اور خسوف کی حالت میں عبادتِ الٰہی کرنا مستحب ہے۔ اور خدا تعالےٰ کے اس قول سے "مشرق و مغرب خدا ہی کے لئے ہے" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سمجھ لیا کہ نماز کی حالت میں استقبال قبلہ فرض ہے اور عذر کی حالت میں اسکی فرضیت ساقط ہو سکتی ہے۔ اسی سے آپ نے اس شخص کا حکم مستنبط کیا جس نے تحری سے شبِ تاریک میں نماز پڑھی اور سمت قبلہ اسکو ٹھیک معلوم نہ ہوئی اور کسی اور سمت رُخ کر کے اس نے نماز پڑھ لی۔ اور اسی آیت سے آپ نے اس شخص کے متعلق بھی حکم معلوم کر لیا جو شہر سے باہر سواری پر نوافل پڑھتا ہے ❊

انہی قواعد میں سے یہ بھی ہے کہ جب خدا کسی شخص کو لوگوں سے معاملہ کرنے کا حکم دیتا ہے تو یہ اس امر کا مقتضی ہے کہ لوگوں کو ان معاملات میں اسکی اطاعت کا حکم دیا جائے۔ جب قاضیوں کو حدود الٰہی قائم کرنیکا حکم دیا گیا تو سرکشوں کو ان کے احکام کی فرماں برداری کرنیکا حکم دیا گیا۔ اور جب مصدق کو قوم سے زکوٰۃ وصول کرنیکا حکم دیا تو لوگوں کو یہ حکم کیا گیا کہ مصدق جب ان کے پاس سے واپس آئے تو ناخوش واپس نہ آئے۔ اور جب عورتوں کو پردہ کرنے کا حکم دیا تو مردوں کو حکم دیا کہ اپنی نگاہیں ان سے نیچی رکھیں ❊

اور انہی قواعد میں سے یہ ہے کہ جب کسی شئ سے منع کیا جائے تو اس کا اقتضاء یہ ہوتا ہے کہ اسکے خلاف کا وجوبًا یا استحبابًا حکم کیا جائے جیسا موقع کے مناسب ہو، اور جب کسی شئ کے کرنیکا حکم کیا جائے تو اسکی ضد منع کردی جائے۔ پس جب نمازِ جمعہ پڑھنے اور اسکی طرف سعی کرنیکا حکم دیا گیا تو ضرور ہے کہ خرید و فروخت اور دیگر مشاغل اسوقت میں ممنوع قرار دیئے جائیں ❊

اور انہی قواعد میں سے یہ بھی ہے کہ جب کسی شئ کے واجب ہونے کا حکم کیا جائے تو مناسب ہے کہ اسکے مقدمات اور دواعی کی ترغیب دیجائے اور جب

یحکم حسبما فھم کقولہ تعالیٰ "ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ" فھم منہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان تقدیم الصفا علی المروۃ لاجل موافقۃ البیان لما ھو المشروع لھم کما قد یکون لموافقۃ السوال ونحو ذلک فقال "ابدءوا بما بدا اللہ بہ"، وکقولہ تعالیٰ "لا تسجدوا للشمس ولا للقمر واسجدوا للہ الذی خلقھن" وقولہ تعالی، فلما افل قال لا احب الآفلین، فھم منھما النبی صلی اللہ علیہ وسلم استحباب ان یعبدوا اللہ تعالی عند الکسوف والخسوف، وکقولہ تعالی وللہ المشرق والمغرب الآیۃ فھم منہ ان استقبال القبلۃ فرض یحتمل السقوط عند العذر فخرج حکم من تحری فی اللیلۃ الظلماء فاخطأ جھۃ القبلۃ وصلی لغیرھا وحکم الراکب علی الدابۃ یصلی النافلۃ خارج البلد، ومنھا انہ اذا امر اللہ تعالی احدًا بشئ من معاملۃ الناس اقتضی ذلک ان یؤمر الناس بالانقیاد لہ فیھا فلما امر القضاۃ ان یقیموا الحدود اقتضی ذلک ان یؤمر العصاۃ بان ینقادوا لھم فیھا، ولما امر المصدق باخذ الزکوۃ من القوم امروا ان لا یصدر عنھم الا راضیا، ولما امر النساء ان یسترن امر الرجال ان یغضوا ابصارھم عنھن، ومنھا انہ اذا نھی عن شئ اقتضی ذلک ان یؤمر بضدہ وجوبا او ندبا حسب اقتضاء الحال واذا امر بشئ اقتضی ذلک ان ینھی عن ضدہ فلما امر بصلاۃ الجمعۃ والسعی الیھا وجب ان ینھی عن الاشتغال بالبیع والمکاسب حینئذ، ومنھا انہ اذا امر بشئ حتما اقتضی ذلک ان یرغب فی مقدماتہ ودواعیہ واذا نھی

کسی شئی کو قطعی طور پر منع کیا جائے تو ضروری ہے کہ اسکے داعی اور اسباب کی بندش کردیجائے اور ان کو نابود کردیا جائے۔ اور جبکہ بُت پرستی گناہ تھی اور تصویروں وبتوں سے میل ملاپ بت پرستی کی طرف لیجا سکتا تھا جیسا کہ پہلی امتوں میں یہ چیز پیش آچکی ہے اسواسطے ضروری ہوا کہ مصوروں سے مؤاخذہ کیا جائے۔ اور جبکہ شراب پینا گناہ تھا اسواسطے ضروری ہوا کہ شراب بنانے والوں سے مؤاخذہ کیا جائے اور جس دسترخوان پر شراب ہو اسمیں حاضر ہونا منع کردیا جائے۔ اور جب کہ فتنہ کے وقت جنگ وجدال گناہ تھا اس واسطے ضروری ہوا کہ ایسے وقت میں ہتھیاروں کی فروخت سے منع کردیا جائے ۔

اور سیاستِ مدن میں اس باب کی نظیر یہ ہے کہ جب حکام کو کھانے پینے میں زہر دیے جانے کا خوف ہوتا ہے تو دوا فروشوں سے عہد ہوجاتا ہے کہ زہریلی چیزوں کی بیع نہ کریں مگر اس قدر کہ جس سے پینے والا اکثر ہلاک نہ ہو۔ اور جب کسی قوم کی خیانت کا حال معلوم ہوتا ہے تو ان کو گھوڑوں پر چڑھنے کی اور ہتھیار رکھنے کی ممانعت ہوجاتی ہے۔ اور اسی طرح باب عبادت میں جب نماز تمام نیکی کے ذرائع میں بلند مرتبہ تھی تو ضرور ہوا کہ لوگوں کو جماعت کا شوق دلایا جائے تاکہ نماز کی پابندی میں اس سے مدد ملے، اور یہ بھی ضرور ہوا کہ اذان کی رغبت لوگوں میں پیدا کیجائے تاکہ سب لوگ ایک ہی وقت میں ایک ہی جگہ جمع ہوسکیں۔ اور ایسے ہی لوگوں کو مساجد کی تعمیر اور مساجد کے پاکیزہ اور ستھرا رکھنے پر آمادہ کرنا ضرور ہے، اور جبکہ ابر وغیرہ کیحالتمیں ماہ رمضان کی پہلی تاریخ کا معلوم کرنا ماہ شعبان کے دنوں کے شمار کرنے پر موقوف تھا تو ہلالِ شعبان کا خیال رکھنا مستحب ہوگیا،

اور سیاستِ مدینہ میں اس کی نظیر یہ ہے کہ جب دیکھتے ہیں کہ تیر اندازی میں بڑی منفعت ہے تو زیادہ کمانیں بنانے، تیر بنانے اور ان کی تجارت کرنے کا حکم دیا جاتا ہے،

انہی قواعد میں سے یہ بھی ہے کہ جب کسی کام کے کرنیکا حکم دیاجائے یا کسی شئی کی ممانعت کیجائے تو ضرور ہے کہ فرماں بردار وںکی عزت وشان ظاہر کیجائے اور نافرمانوں کی تحقیر کیجائے، اور جبکہ قرارت قرآن سے اسکی اشاعت اور اسکی تلاوت کا التزام مقصود تھا تو یہ امر مسنون قرار دیا گیا کہ

عن شئ حتما اقتضى ذلك ان يسد ذرائعه ويخمل دواعيه ولما كانت عبادة الصنم اثما وكانت المخالطة بالصور والاصنام مفضية اليه كما وقع فى الامم السالفة وجب ان يقبض على ايدى المصورين، ولما كان شرب الخمر اثما وجب ان يقبض على ايدى العصارين وينهى عن الحضور على المائدة التى فيها الخمر - ولما كان القتال فى الفتنة اثما وجب ان ينهى عن بيع السلاح فى وقت الفتنة ؛

ونظير هذا الباب من سياسة المدينة انهم لما اطلعوا على مفسدة دس السم فى الطعام والشراب اخذوا المواثيق من بائعى الادوية ان لا يبيعوا السم الا قدرا لا يهلك شاربه غالبا، و لما اطلعوا على خيانة قوم اشترطوا عليهم ان لا يركبوا الخيل ولا يحملوا السلاح وكذلك باب العبادات لما كانت الصلوة اعظم ابواب الخير وجب ان يحض على الجماعة فانها اعانة على الاخذ بها ووجب ان يحض على الأذان ليحصل الاجتماع فى زمان واحد فى مكان واحد ووجب الحث على بناء المساجد وتطييبها وتنظيفها، و لما كانت معرفة اول يوم من رمضان متوقفة عند الغيم ونحوه على عدة شعبان استحب احصاء هلال شعبان، ونظيره من سياسة المدينة انهم لما رأوا فى الرمى منفعة عظيمة امروا بالاكثار من اصطناع القسى والنبل و التجارة فيها، ومنها انه اذا امر بشئ اونهى عن شئ اقتضى ذلك ان ينوه بشان المطيعين ويزرى بالعصاة، ولما كانت قراءة القران مطلوبا شيوعها والمواظبة عليها وجب ان يسن ان

لوگوں کی امامت وہی شخص کرے جو سب سے عمدہ قرآن پڑھتا ہو اور مجالس میں قرآن پڑھنے والوں کی توقیر کیجائے، اور جبکہ زنا کی تہمت لگانا گناہ تھا تو ضروری ہوا کہ تہمت لگانیوالے کی شہادت قبول نہ کیجائے اور حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ بدعتی اور فاسق سے سلام وکلام کی ابتدا نہیں کرنا چاہیے تو وہ اسی پر محمول ہے، سیاست مدن میں اسکی نظیر یہ ہے کہ تیراندازوں کو تنخواہ زیادہ دیجاتی ہے، ان کو انعام زیادہ ملتا ہے اور تقرر میں ان کو مقدم رکھاجاتا ہے۔

انہی قواعد میں سے یہ بھی ہے کہ جب کسی شئ کا حکم کیاجائے یا اس سے روکاجائے تو اسکا پورا حق یہ ہے کہ لوگوں کو امر کا حکم کردیاجائے کہ دلی قصد سے اس پر اقدام کریں اور عزیمت قلبی سے منہی عنہ سے باز رہیں اور ان سے اس امر کا مطالبہ کیاجائے کہ دل میں اس کام کے کرنے کی خواہش رکھیں، اسیواسطے مہر اور قرض میں عدم ادائیگی کے قصد کرنے پر نہایت سخت سرزنش وارد ہوئی ہے، اور انہی قواعد میں سے یہ بھی ہے کہ جس شئ میں خرابی کا احتمال ہو اسکو مکروہ قرار دیاجائے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص سوکر اٹھے وہ اپنا ہاتھ ہرگز برتن میں نہ ڈالے کیونکہ اسکو کیا معلوم کہ رات کو اس کا ہاتھ کس جگہ پر پڑا تھا"

حاصل کلام یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عبادت اور عمدہ تدابیر کے احکام تعلیم فرمادیئے، اور اسیطرح سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بیان فرمادیا اور ہر ایک باب کے متعلق بڑے بڑے احکام کو آپنے مستنبط کیا، اس باب میں اور اس باب میں جو اسکے بعد آتا ہے جو امور بیان کئے گئے ہیں ان سب کو فقہاء امت نے علوم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا اور ان کے دلوں نے نہایت تدبر سے ان کو یاد رکھا، پس جو کچھ انہوں نے اپنی تصنیفات میں لکھا ہے وہ انہی علوم نبوی سے حاصل ہوا ہے، واللہ اعلم۔

تیرہواں باب (۱۳) : مبہم شئ کے انضباط، مشکل کی تمیز اور کلیہ سے حکم نکالنے وغیرہ کا بیان

واضح ہو کہ بہت سی چیزیں جن کا نام لیکر حکم بتائے گئے ہیں، تقسیم اور مثال کی وجہ سے تو معلوم ہیں لیکن وہ اشیاء باعتبار ایسی تعریف کے غیر معلوم ہیں جو جامع اور مانع ہو اور اس سے

لا يؤمهم الا اقرؤهم وان يوقر القراء في المجالس ولما كان القذف اثما وجب ان يسقط القاذف من مرتبة قبول الشهادة، وعلى ذلك يخرج ما ورد من النهي عن مفاتحة المبتدع والفاسق بالسلام والكلام، ونظيره من سياسة المدينة زيادة جائزة الرماة وتقديمهم في الاثبات والاعطاء، ومنها انه اذا امر القوم بشئ او نهوا عنه كان من حق ذلك ان يؤمروا بعزيمة الاقدام على هذا والكف عن ذلك وان يؤاخذوا قلوبهم باضمار الداعية حسب الفعل ولذلك ورد التوبيخ عن اضمار ان يقصد عدم الاداء في القرض والمهر، ومنها انه اذا كان شئ يحتمل مفسدة كان من حقه ان يكره كقوله صلى الله عليه وسلم "فلا يغمس يده في الاناء فانه لا يدري اين باتت يده" وبالجملة علم الله تعالى نبيه احكاما من العبادات والارتفاقات فبينها النبي صلى الله عليه وسلم بهذا النحو من البيان وخرج منها احكاما جليلة في كل باب باب، وهذا الباب من البيان مع الباب الذي يليه ان شاء الله تعالى تلقاهما فقهاء الامة من بين علوم النبي صلى الله عليه وسلم ووعاها قلوبهم بتدبر فانشعب منهما او دعوه في مصنفاتهم وكتبهم والله اعلم۔

باب ضبط المبهم وتميز المشكل والتخريج من الكلية ونحو ذلك

اعلم ان كثيرا من الاشياء التي اديرت الاحكام على اساميها معلوم بالمثال والقسمة غير معلوم بالحد الجامع المانع الذي يكشف

ہر ہر فرد کا حال معلوم ہو جائے کہ یہ اس شئ کا فرد ہے یا نہیں مثلاً سرقہ کی نسبت خدا تعالےٰ فرماتا ہے" چوری کرنے والے اور چوری کرنیوالی کے ہاتھ کاٹ ڈالو" خدا تعالےٰ نے حد، چور کے نام پر جاری کی ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ بنی ابیرق، طعیمہ اور مخزومی عورت کے قصہ میں یہی سرقہ واقع ہوا تھا، اور یہ بھی معلوم ہے کہ غیر کا مال لینے کے چند اقسام ہیں منجملہ ان کے چوری ہے، رہزنی ہے، اچک لینا ہے، بددیانتی ہے، زمین سے پڑی ہوئی چیز اٹھا لینا ہے، زبردستی چھین لینا ہے، اور منجملہ ان کے بے پروائی ہے ایسی صورتوں میں بسا اوقات نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر ہر صورت کے متعلق دریافت کرنے کی ضرورت پڑتی ہے کہ آیا یہ بھی چوری میں داخل ہے۔ ایسا سوال خواہ زبانی ہو یا حالی، اس لئے آپ پر ضروری ہے کہ چوری کی حقیقت اس طرح سے بیان فرمائیں کہ اس کے مشابہ چیزوں سے تمیز ہو جائے اور ہر ہر فرد کا حال واضح ہو جائے۔

اس تمیز کا طریقہ یہی ہے کہ ان چیزوں کے ذاتی امور دیکھے جائیں جو چوری میں نہ پائے جاتے ہوں، اور ان کی وجہ سے چوری اور غیر چوری میں امتیاز ہو جائے، ایسے ہی سرقہ کی ذاتیات میں نظر کرنا چاہیئے جن کو اہل عرف اس لفظ سرقہ سے سمجھ جاتے ہیں، پھر سرقہ کی تعریف ان امور معلومہ کے ساتھ بیان کی جائے جنکی وجہ سے چوری ممیز ہو جائے، مثلاً یہ بات علم میں آتی ہے کہ رہزنی اور لڑائی وغیرہ ایسے الفاظ ہیں جن سے مظلوموں کے مقابلہ میں قوت پر اعتماد کرنا کرنا پایا جاتا ہے اور ایسی جگہ اور ایسے وقت کو اختیار کرنا پایا جاتا ہے جہاں لوگوں کی جماعت مدد کے لئے نہیں پہنچ سکتی اور لفظ اختلاس بتلاتا ہے کہ لوگوں کی نظروں کے سامنے سے کوئی شئ اچک لیجائے۔ اور لفظ خیانت سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے کسی قسم کی شرکت یا بے تکلفی یا حفاظت اس کی کی گئی تھی، اور لفظ التقاط سے کسی چیز کا بغیر حفاظت پایا جانا ثابت ہوتا ہے، اور لفظ غصب سے معلوم ہوتا ہے کہ مظلوم کی نسبت غاصب میں علانیہ قوت زیادہ تھی، اسکو لڑائی میں غالب آنے پر اعتماد تھا، یا یہ خیال تھا کہ حاکموں تک یہ قصہ نہ پہنچے گا یا ان پر پورا حال منکشف نہ ہوگا، یا رشوت وغیرہ دینے سے وہ سچا فیصلہ نہ کریں گے، اور بے پروائی سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حقیر چیزوں میں اطلاق کیجاتی ہے جنکو عرف میں خرچ کرتے رہتے ہیں،

حال كل فرد فرد انه منه اولا كالسرقة قال الله تعالى السارق والسارقة فاقطعوا ايديهما، اجرى الحد على اسم السارق ومعلوم ان الواقع في قصة بني الابيرق وطعيمة والمرأة المخزومية هي السرقة ومعلوم ان اخذ مال الغير اقسام منها السرقة، ومنها قطع الطريق، ومنها الاختلاس ومنها الخيانة، ومنها الالتقاط، ومنها الغصب ومنها قلة المبالاة، وفي مثل ذلك ربما يسأل النبي صلى الله عليه وآله وسلم عن صورة صورة هل هي من السرقة سوال مقال او سوال حال فيجب عليه ان يبين حقيقة السرقة متميزة عما يشاركها بحيث يتضح حال كل فرد فرد، وطريق التمييز ان ينظر الى ذاتيات هذه الاسامي التي لا توجد في السرقة ويقع بها التفارق بين القبيلتين، والى ذاتيات السرقة التي يفهمها اهل العرف من تلك اللفظة ثم يضبط السرقة بامور معنوية يحصل بها التمييز فيعلم مثلا ان قطع الطريق والحرابة ونحوهما من الاسماء تنبئ عن اعتماد القوة بالنسبة الى المظلومين و اختيار مكان او زمان لا يلحق فيه الغوث من الجماعة، وان الاختلاس ينبئ عن اختطاف على اعين الناس وفي مرأى منهم ومسمع، و الخيانة تنبئ عن تقدم مشركة او مباسطة وحفظ الالتقاط ينبئ عن وجدان شئ في غير حرز، والغصب ينبئ عن غلبة بالنسبة الى المظلوم جهرة متعمدًا على جدل او ظن ان لا ترفع القضية الى الولاة او لا ينكشف عليهم جلية الحال او لا يقضوا بالحق لنحو رشوة، وقلة المبالاة تقال في الشئ التافه الذي جرى العرف

اور اس سے ہمدردی کا اظہار کیا جاتا ہے جیسے پانی اور لکڑی، اور
سرقہ ایسا لفظ ہے جس سے مخفی طور پر لینا ثابت ہوتا ہے اسواسطے
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سرقہ کی حد چوتھائی دینار یا تین درہم مقرر کردی
تاکہ حقیر چیزوں سے تمیز ہو جائے' اور فرمایا کہ خیانت کرنے والے
اور لوٹنے والے اور اوچکے کا ہاتھ نہ کاٹا جائے' اور فرمایا کہ اس پھل
میں بھی ہاتھ نہ کاٹا جائے جو درخت پر لٹکتا ہو' اور نہ ایسی چیز میں جو پہاڑ
میں پڑی ہے' ان احادیث سے سرقہ میں حفاظت کا شرط ہونا پایا جاتا
ہے ۔ اور منجملہ ان چیزوں کے جنکی تمیز جامع ومانع تعریف کے لحاظ سے
نہیں ہو سکتی' انتہا درجہ کی عیش پسندی بھی ہے ایسی حالت فساد میں ڈالنے
والی ہے جسکی نہ ہی کچھ تعیین ہے اور نہ ہی اسکے پائے جانے کے مواقع
ظاہری نشانات سے متمیز ہیں جنکی وجہ سے ہر ایک ادنیٰ اور اعلیٰ کی گرفت
کی جا سکے اور اسمیں کسی کو شبہ نہ رہے کہ انہی امور میں عیش پسندی پائی جاتی
ہے ۔ یہ امر معلوم ہے کہ عجمیوں کی عادات عمدہ عمدہ سواریوں' بلند مکانات'
بیش قیمت لباس' اور زیورات وغیرہ میں نہایت درجہ کی عیش پسندی
تک پہنچ گئی ہیں ۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ لوگوں کی حالت مختلف ہونے
سے انکی عیش پسندی بھی مختلف ہوتی ہے' پس بعض لوگوں کا سامان عیش
دوسروں کی نظر میں تنگی اور سختی ہوتی ہے اور بہت سی چیزیں جو ایک ملک میں
عمدہ سمجھی جاتی ہیں دوسرے ملک میں وہی چیزیں نہایت حقیر خیال کیجاتی
ہیں ۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ منافع کا حصول عمدہ شئی سے بھی ہوتا ہے اور
ناقص شئی سے بھی ہوتا ہے لیکن ردی اور ناقص شئی کا استعمال عیش پسندی
نہیں ہے' اور بغیر عمدگی کا قصد کئے کسی عمدہ شئی سے منتفع ہونا یا اکثر اوقات
میں کسی شخص کا عمدہ اشیاء کا پابند نہ ہونا عیش پسندی نہیں ہو سکتا اسواسطے
شرع نے ہر صورت میں عیش پسندی کی خرابیوں پر مطلع کیا ہے اور ان اشیاء
کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کر دیا ہے جن سے لوگ صرف عیش و آرام ہی کے
لئے منتفع ہوتے ہیں اور ان سے عیش حاصل کرنا لوگوں کی عام عادت ہے' اور
شرع نے عجم اور روم کو گویا ان اشیاء پر متفق پایا تھا اسواسطے شرع نے
کمال عیش و آرام کے مواقع ان امور کو قرار دیکر ان کو حرام کر دیا اور شاذ
و نادر جن اشیاء سے نفع اٹھایا جاتا ہے یا اطراف و ممالک میں انکی عادت
ہے ان پر شارع نے کچھ التفات نہیں کیا' پس حریر اور سونے چاندی کے
برتنوں کی حرمت اسی قبیل سے ہے ۔ پھر نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے عیش و آرام کی حقیقت اس کو پایا کہ ہر ایک امور نافع سے عمدہ شئی پسند کی جاتے ہیں

يبذل له والمواساة به كالماء والحطب، والسرقة
تنبئ عن الاخذ خفية فضبط النبي صلى الله عليه
وآله وسلم السرقة بربع دينار او ثلاثة دراهم
ليتميز عن التافه "وقال ليس على خائن ولا
منتهب ولا مختلس قطع وقال" لا قطع في ثمر
معلق ولا في حريسة الجبل" يشير الى اشتراط
الحرز، وكالرفاهية البالغة فانها مفسدة غير
مضبوطة ولا متميز مواقع وجودها بامارات
ظاهرة يؤاخذ بها الادانى والاقاصى، ولا
يشتبه على احد ان الرفاهية متحققة فيها
معلوم ان عادة العجم في اقتناء المراكب الفارهة
والابنية الشامخة والثياب الرفيعة والحلى
المترفة ونحو ذلك من الرفاهية البالغة، و
معلوم ان الترفه مختلف باختلاف الناس
فترفه قوم تقشف عند الآخرين وجيد
اقليم تافه في اقليم آخر ومعلوم ان الارتفاق قد يكون
بالجيد وبالردئ والثاني ليس بترفه والارتفاق
بالجيد قد يكون من غير قصد الى جودته
او من غير ان يكون ذلك غالبا عليه في اكثر
امره فلا يسمى في العرف مترفها فاطلق الشرع
التنبيه على مفاسد الرفاهية مطلقا وخص
اشياء وجدهم لا يرتفقون بها الا للترفه
ووجد الترفه بها عادة فاشية فيهم، ورأى
اهل العصر من العجم والروم كالمجمعين على
ذلك فنصبها مظنة للرفاهية البالغة وحرمها
ولم ينظر الى الارتفاقات النادرة ولا الى
عادة الاقاليم البعيدة فتحريم الحرير و
اواني الذهب والفضة من هذا الباب، ثم
انه وجد حقيقة الرفاهية اختيار الجيد

اور ردی سے اعراض کیا جائے ، اور کامل درجہ کی عیش پسندی یہ ہے کہ ایک جنس کی اشیاء میں سے صرف عمدہ ہی کو اختیار کریں اور ردی کو بالکل ترک کر دیں اور معاملات میں ان معاملات کو بھی موجب عیش قرار دیا جن میں ایک جنس کی اشیاء میں سے صرف عمدہ ہی کو اختیار کی جائیں اور ردی بالکل ترک کر دیجائیں ، البتہ بعض بعض مادوں میں اسکا لحاظ نہ بھی کیا جاتا ہو لیکن قوانین شرع میں ایسے مادوں کا کچھ اعتبار نہیں، اسواسطے آپ نے ایسے معاملات کو بھی حرام قرار دیا کیونکہ یہ معاملات عیش پسندی کے لئے بمنزلہ صورت اور مثال کے ہیں ان کی تحریم بھی بمقتضائے طبع ہے کیونکہ مقتضائے طبع کے لحاظ سے عیش پسندی مکروہ امر ہے اور جب اسی مقتضائے طبیعت کیوجہ سے اشیاء کے مواقع حرام ہیں تو ان مواقع کی صورتیں اور مثالیں بھی بطریقہ اولیٰ حرام ہوں گی پس نقد کو نقد کے بدلہ میں اور کھانے کی چیز کو اسی کے جنس کے بدلہ میں بڑھا کر فروخت کرنے کی حرمت اسی قاعدہ سے مستنبط ہے لیکن کسی عمدہ شئی کو زیادہ قیمت پر خریدنا حرام نہیں ہے کیونکہ قیمت اختلافِ جنس کے وقت ذات مبیع کی طرف رجوع کرتی ہے نہ کہ اسکے وصف کیطرف ، ایسے ہی ایک لونڈی کا دو لونڈیوں کے بدلہ میں اور ایک کپڑے کا دو کپڑوں کے بدلہ میں خریدنا حرام نہیں ہے اسلئے کہ یہ اشیاء ذوات القیم میں سے ہیں اسواسطے قیمت کی زیادتی اس شئی خاص کے خواص کے بدلہ میں قرار دیجائیگی اور اسکا عمدہ پن انہی خواص میں مندرج ہوجائیگا، پس اس عمدہ پن کا بادی الرائے میں کچھ اعتبار نہ ہوگا - اور ہماری ان تمہیدات سے بہت سے نکتے جو اس باب سے متعلق ہیں منکشف ہوجاتے ہیں ، مثلاً حیوان کے بدلہ حیوان کی بیع کے مکروہ ہونیکی وجہ وغیرِ ذالک ، پس انھیں غور کرنا چاہیے ۔

اور کبھی دو شئی آپس میں نہایت مشابہ ہوتی ہیں کہ ان دونوں میں مخفی امور کیوجہ فرق ہوتا ہے جنکو سوائے نبی علیہ السلام اور آپکی امت کے علماء کے اور کوئی نہیں سمجھ سکتا اسواسطے ضرورت پیش آئی کہ انمیں سے ہر ایک کی ظاہر علامت معلوم کیجائے ، نیکی اور برائی کا حکم ان دونوں اشیاء کی علامات پر لگایا جائے اور انکی تفریق کے احکام بیان کیے جائیں ، مثال اسکی نکاح اور شہوت رانی ہے پس نکاح کی حقیقت اس مصلحت کو قائم کرنا ہے جس پر زن و شوہر میں باہم ہمدردی سے نسل کی طلب اور شرمگاہ کی حفاظت و دیگر وجوہ سے انتظام عالم موقوف ہے اور یہ تمام امور خدا کے نزدیک پسندیدہ اور مطلوب ہیں ، اور شہوت رانی کی حقیقت نفس کو گمراہی کیطرف

من كل ارتفاق والاعراض عن رديئه، والرفاهية البالغة اختيار الجيد وترك الردئ من جنس واحد ووجد من المعاملات ما لا يقصد فيه الا اختيار الجيد والاعراض عن الردئ من جنس واحد اللهم الا في مواد قليلة لا يعبأ بها في قوانين الشرائع فحرمها لانها كالشبح لمعنى الرفاهية وكالتمثال لها وتحريمها كالمقتضى الطبيعي لكراهة الرفاهية واذا كانت مظان الشئ محرمة لاجله وجب ان يحرم شبحه وتمثاله بالاولى، وتحريم بيع النقد والطعام بجنسهما متفاضلا مخرج على هذه القاعدة ولم يحرم اشتراء الجيد بالثمن الغالى لان الثمن ينصرف الى ذات المبيع دون وصفه عند اختلاف الجنس ولم يحرم اشتراء جارية بجاريتين ولا ثوب بثوبين لانها من ذوات القيم فتنصرف زيادة الثمن الى خواص الشخص وتكون الجودة مغمورة فى تلك الخواص فلا يتحقق اعتبار الجودة بادى الراى، ومما مهدنا ينكشف كثير من النكت المتعلقة بهذا الباب كسبب كراهية بيع الحيوان بالحيوان وغير ذلك فليتدبر وقد يكون شيئان مشتبهين لا يتميزان لامر خفى لا يدركه الا النبى صلى الله تعالى عليه وآله وسلم والراسخون فى العلم من امته فتمس الحاجة الى معرفة علامة ظاهرة لكل منهما وادارة حكم البر والاثم على علاماتهما واحكام التفريق بينهما، مثاله النكاح والسفاح فحقيقة النكاح اقامة المصلحة التى يبنى عليها نظام العالم بالتعاون بين الزوج وزوجته وطلب النسل وتحصين الفرج ونحو ذلك وذلك مرضى عنه مطلوب، وحقيقة السفاح جريان النفس فى غلوائها وامعانها فى

چھوڑنا، نفسانی خواہش کا اتباع کرنا، حیا کی پردہ دری کرنا اور اس سے آزاد ہوجانا، مصلحتِ کلی اور انتظام عالم کی راہ کو ترک کرنا ہے اور یہ امور خدا کے نزدیک نہایت ناپسندیدہ اور ممنوع ہیں، لیکن نکاح اور شہوت رانی اکثر امور میں مشابہ ہیں کیونکہ دونوں خواہش نفسانی پورا کرنے میں طبیعت کی شورش کے ازالہ میں، عورتوں کی جانب رغبت کرنے میں برابر ہیں، اسی طرح سے دونوں اور امور میں بھی مشترک ہیں اسواسطے ضرورت ہوئی کہ ظاہری علامت سے ایک کو دوسرے سے بالکل الگ کر دیا جائے اور طلب و منع کا اس پر مدار ہو، پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے نکاح کی تعیین چند امور کے ساتھ قرار دی، منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ نکاح عورتوں سے کیا جائے نہ مردوں سے کیونکہ نسل کی طلب صرف عورتوں سے ہو سکتی ہے اور یہ کہ نکاح اپنے قصد، مشورہ اور اعلان کے ساتھ ہو اس لئے گواہوں اور ولی کی موجودگی اور عورت کی رضامندی شرط کی گئی ہے، منجملہ ان امور کے ایک یہ ہے کہ دونوں اپنے نفس کو باہمی تعاون پر آمادہ کریں، اور یہ صورت اکثر اوقات جب ہی ہوسکتی ہے کہ نکاح دائمی اور لازمی ہو، اسکی کوئی میعاد معین نہ ہو، اسواسطے نکاح پوشیدگی میں (جو بغیر گواہوں کے ہو) اور متعہ اور لواطت حرام قرار پائے،

اور کبھی کوئی نیک کام ایسے کام کے مشابہ ہوتا ہے جو دوسرے نیک کام کے مقدمات میں سے ہوتا ہے اسواسطے ان دونوں میں فرق کی ضرورت ہوتی ہے جیسے قومہ اسلئے مشروع ہوا کہ رکوع اور سر نگوں ہونے میں جو سجدہ کے مقدمات میں سے ہے فرق ظاہر ہو جائے، اور کبھی کوئی شئی ایسی بھی ہوتی ہے جو بہت کارآمد اور ارتفاق میں داخل نہیں ہوتی، جیسے دو سجدوں کے درمیان جلسہ کرنا، اور کبھی کسی شئی کی شرط یا رکن حقیقت میں ایک امر مخفی ہوتا ہے جو قلب سے متعلق ہوتا ہے پس اسکے لئے افعال بدنی میں سے کوئی فعل یا کوئی قول اس امر مخفی کیلئے علامت قرار دیا جاتا ہے اور اسی کو رکن بنا دیا جاتا ہے تاکہ امر مخفی کا انضباط ہوجائے جیسا کہ نیت، اور خدا کے لئے اخلاص سے کوئی کام کرنا امر مخفی ہے اسلئے استقبال قبلہ اور تکبیر اسکی علامت مقرر کرکے نماز میں اصل قرار دیے گئے اور جب نص کسی صیغہ کے ساتھ مذکور ہو یا حال کسی نوع کو کسی حکم کا مدار بنانا چاہے اور پھر بعض مواقع میں اشتباہ واقع ہو جائے تو یہی مناسب ہے کہ اس صیغہ کی تفسیر میں یا اس نوع کی جامع و مانع تعریف معلوم کرنے میں

اتباع شهوتها وخرق جلباب الحياء والتقيد عنها وترك التحريج الى المصلحة الكلية والنظام الكلي وذلك مسخوط عليه ممنوع عليه وهما مشتبهان في اكثر الصور فانهما يشتركان في قضاء الشهوة وازالة الم الغلمة والميل الى النساء ونحو ذلك فمست الحاجة الى تمييز كل واحد عن صاحبه بعلامة ظاهرة وادارة الطلب والمنع عليها فخص النبي صلى الله عليه وآله وسلم النكاح بامور، منها ان يكون بالنساء دون الرجال فان طلب النسل لا يكون الا منهن، وان يكون من عزم ومشورة واعلان فشرط حضور الشهود والاولياء ورضا المرأة، ومنها توطين النفس على التعاون ولا يكون ذلك في الأكثر الا بان يكون دائما لازما غير مؤقت فحرم نكاح السر والمتعة وحرم اللواطة وربما يكون فعل من البر مشتبها بما هو من مقدمات الآخر فمست الحاجة الى التفرقة بينهما كالقومة شرعت فاصلة بين الركوع والانحناء الذي هو من مقدمات السجود وربما لا يكون الشئ متكثر الارتفاق كالجلوس بين السجدتين وربما يكون الشرط والركن في الحقيقة امرا خفيا وفعلا من افعال القلب فينصب له امارة من افعال الجوارح او الاقوال ويجعل هو ركنا ضبطا للخفي به كالنية واخلاص العمل لله امر خفي فنصب استقبال القبلة والتكبير له مظنة وجعلا اصلا في الصلاة واذا ورد النص بصيغة او اقتضى الحال اقامة نوع مدارا للحكم ثم حصل في بعض المواد اشتباه فمن حقه ان يرجع في تفسير تلك الصيغة او تحقيق حد جامع مانع لذلك

عرف عرب کیطرف رجوع کیا جائے جیسے ماہِ رمضان کے روزے
رکھنے کیلئے نص وارد ہوئی ہے لیکن ابر کے وقت شبہ پڑجاتا ہے اسواسطے
اسکا حکم وہی ہوگا جو عرب کے عرف میں تھا کہ شعبان کے تیس دن پورے
کرلئے جائیں اور یہ کہ مہینہ کبھی تیس روز کا ہوتا ہے کبھی انتیس کا، آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں یہی مراد ہے "ہم ان پڑھ لوگ ہیں نہ لکھنا
جانتے ہیں نہ حساب کرنا جانتے ہیں کہ مہینہ کتنے دن کا ہوتا ہے" الحدیث،
ایسے ہی قصر میں سفر کے صیغہ کے ساتھ نص مذکور ہے۔ پھر بعض مواقع میں سفر
کے معنی معلوم کرنے میں اشتباہ واقع ہوا اسلئے صحابہ نے حکم کیا کہ سفر گھر سے
اتنی دور جانیکو کہتے ہیں کہ جہاں پورے ایک روز اور اس شب کے شروع حصہ
میں نہ پہنچ سکے اور اسکے لئے ضروری ہے کہ اسکی مسافت ایک روز اور دوسرے
روز کا کچھ حصہ ہو اسطرح پر سفر کا اندازہ چار بردوں کے ساتھ کیا گیا ہے،

واضح ہو کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو کسی حکم کے ساتھ مخصوص کرنے
میں۔ اور آپ کی امت کے لئے اس حکم کے نہ ہونے میں عمدہ اور اصل یہ ہے
کہ اس حکم کا مدار علیہ اس شئ کی حقیقت نہیں ہے بلکہ وہ حکم امر مظنون کی
طرف رجوع کرتا ہے، چنانچہ حضرت طاؤس[رح] نماز عصر کے بعد دو رکعت
نماز کے متعلق فرماتے ہیں کہ انکی ممانعت اسلئے کی گئی ہے کہ لوگ انکو وسیلہ
نہ بنالیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم حقیقت سے واقف تھے، پس حقیقت کے
معلوم ہوجانے کے بعد آپ کی شان میں امر مظنون کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا،
مثلاً چار عورتوں سے زیادہ سے شادی کرنے میں احتمال تھا کہ بیویوں کے
ساتھ عمدہ معاشرت نہ ہو اور ان کے حقوق میں کسی قسم کی غفلت ہوجائے
اور تمام لوگوں پر اس امر کا شبہ ہوسکتا ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم خوب جانتے
تھے کہ عورتوں کے ساتھ معاشرت میں کون سے امور پسندیدہ ہیں اسلئے خاص
اپنے لئے جائز رکھا اور احتمالی مواقع کو ناجائز قرار دیا، یا وہ حکم رسم کی طرف
رجوع کرتا ہے تہذیب نفس سے اسکا تعلق نہیں، جیسے آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے بیع کے ساتھ کسی شرط کے لگانے سے منع فرمایا ہے پھر آپ نے
حضرت جابر[رض] سے ایک اونٹ اس شرط پر خریدا کہ مدینہ تک وہ جابر کی
سواری میں رہے، یا وہ حکم ایسے شخص کو جو معصوم نہیں ہے کسی اور کام کیطرف لیجاتا
ہے چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روزہ دار کے بوسہ لینے کی بابت
فرماتی ہیں "تم میں سے کون شخص آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح خواہش نفس پر

النوع الى عرف العرب كما ورد النص فى الصوم
بشهر رمضان ثم وقع الاشتباه فى صورة الغيم
فكان الحكم ما عند العرب من اكمال عدة شعبان
ثلاثين وان الشهر قد يكون ثلاثين يوما وقد يكون
تسعة وعشرين وهو قوله صلى الله عليه واله
وسلم انا امة امية لا نكتب ولا نحسب الشهر
كذا الحديث، وكما ورد النص فى القصر بصيغة
السفر ثم وقع الاشتباه فى بعض المواد فحكم
الصحابة انه خروج من الوطن الى موضع لا
يصل اليه فى يومه ذلك ولا اوائل ليلته تلك
ومن ضرورته ان يكون مسيرة يوم وشئ
معتد به من اليوم الاخر فضبط باربعة برد
واعلم ان العمدة فى تخصيص النبى صلى الله عليه
وسلم بحكم من بين امته ان يكون الحكم
راجعا الى مظنة شئ دون حقيقته وهو قول
طاؤس فى ركعتين بعد العصر انما نهى عنهما
لئلا يتخذ سلما والنبى صلى الله عليه وسلم
يعرف الحقيقة فلا اعتبار فى حقه للمظنة بعد
ما عرف المئنة كتزوج اكثر من اربعة نسوة هو
مظنة ترك الاحسان فى العشرة الزوجية و
اهمال امرهن ويشتبه على سائر الناس اما
النبى صلى الله عليه وسلم فهو يعرف ما هو
المرضى عنه فى العشرة الزوجية فامر بنفسه
دون مظنته او يكون راجعا الى تحقيق الرسم
دون معنى تهذيب النفس كنهيه عن بيع وشرط
ثم ابتاع من جابر بعيرا على ان له ظهره الى المدينة
او يكون مفضيا الى شئ بالنسبة الى من ليس له
ملكة العصمة وهو قول عائشة رضى الله عنها
فى قبلة الصائم ايكم يملك اربه كما كان رسول

غالب ہوسکتا ہے"۔ یا وجہ تخصیص یہ ہوتی ہے کہ آپ کا نفسِ قدسی کسی خاص نیک امر کا مقتضی ہوتا ہے اس واسطے آپ پر اس کا کرنا واجب کردیا جاتا ہے کیونکہ آپ کا نفسِ قدسی خدا تعالیٰ کی طرف زیادہ متوجہ ہونے کا اور غفلت کی چادر اُتار دینے کا بہت مشتاق تھا جیسے قوی آدمی زیادہ غذا کھانے کا آرزومند ہوتا ہے جیسا کہ ایک روایت کے بموجب تہجد اشراق اور چاشت کی نماز کی بابت ہے، واللہ اعلم۔

چودہواں باب (٦٦) :- مذہبی آسانیوں کا بیان

خدا تعالیٰ فرماتا ہے "خدا کی رحمت کے ساتھ لوگوں سے نرمی کرو اگر تم سخت دل سے پیش آؤ گے تو لوگ تمہارے پاس سے منتشر ہو جائیں گے" اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے "خدا تعالیٰ اگر تمہارے حق میں آسانی کا ارادہ کرتا ہے نہ دشواری کا"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت معاذ ابن جبل کو یمن کیجانب روانہ کیا تو ان سے فرمایا "آسانیاں پیدا کرنا نہ دشواریاں، لوگوں کو خوش کرنا، متنفر نہ کرنا، باہم اتفاق رکھنا اختلاف نہ کرنا" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم آسانیاں بڑھانیکو پیدا ہوئے ہو نہ دشواریاں پیدا کرنے کو"۔ اور آسانی چند وجوہات سے حاصل ہوتی ہے منجملہ ان کے یہ ہے کہ کسی دشوار امر کو عبادت کا رکن یا شرط نہ قرار دیا جائے اور اسکی اصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے " اگر میں امت کے لوگوں پر دشوار نہ سمجھتا تو ان کو ہر نماز کے وقت مسواک کرنیکا حکم دیتا"۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ عبادات میں سے بعض امور کو ایسی رسومات بنا دیا جائے جن سے لوگ خوش ہوتے ہیں اور ان امور میں داخل کر دیا جائے جنکو لوگ اپنی نفسانی رغبتوں سے عمل میں لاتے ہیں مثلاً عیدین اور جمعہ، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے " تاکہ یہودی جان لیں کہ ہمارے مذہب میں کیسی وسعت ہے"۔ کیونکہ بڑے بڑے مجمعوں میں اپنے آپکو مزین کرنا اور فخر کے کاموں میں ایک دوسرے سے سبقت کا طالب ہونا لوگوں کی عادت میں داخل ہے۔ منجملہ انکے یہ ہے کہ عبادات میں بعض وہ امور مسنون کردیے جائیں جو لوگوں کو بالطبع مرغوب ہوں تاکہ جس امر کی عقل خواہاں ہے طبیعت بھی اسکی خواہاں رہے، پس دونوں رغبتیں جمع ہوکر ایک دوسرے کی مددگار رہیں اسلیے جیسے مساجد کو پاک اور مزین رکھنا،

الله صلى الله عليه وسلم يملك اربه اوتكون نفسه العالية مقتضية لنوع من البر فيؤمر به لان هذه النفس تشتاق الى زيادة التوجه الى الله والى زيادة خلع جلباب الغفلة كما يشتاق الرجل القوى الى اكل طعام كثير كالتهجد والضحى والاضحية على قول والله اعلم۔

باب التيسير

قال الله تعالى "فبما رحمة من الله لنت لهم ولو كنت فظا غليظ القلب لانفضوا من حولك" وقال يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لابي موسى ومعاذ بن جبل رضي الله تعالى عنهما لما بعثهما الى اليمن "يسرا ولا تعسرا وبشرا ولا تنفرا وتطاوعا ولا تختلفا" وقال صلى الله عليه وسلم فانما بعثتم ميسرين ولم تبعثوا معسرين، والتيسير يحصل بوجوه، منها ان لا يجعل شيء يشق عليهم ركنا او شرطا لطاعة والاصل فيه قوله صلى الله عليه وسلم لولا ان اشق على امتي لامرتهم بالسواك عند كل صلاة، ومنها ان يجعل شئ من الطاعات رسوما يتباهون بها داخلة فيما كانوا يفعلونه بداعية من عند انفسهم كالعيدين والجمعة وهو قوله صلى الله عليه وسلم "ليعلم اليهود ان في ديننا فسحة" فان التجمل في الاجتماعات العظيمة والمنافسة فيما يرجع الى التباهي ديدن الناس، ومنها ان يسن لهم في الطاعات ما يرغبون فيه بطبيعتهم ليكون الطبيعة داعية الى ما يدعو اليه العقل فيتعاضد الرغبتان ولذلك سن تطييب المساجد

وتنظيفها والاغتسال يوم الجمعة والتطييب فيه واستحب التغنى بالقران وحسن الصوت بالاذان ؛

ومنها ان يوضع عنهم الاصر وما يتنفرون منه بطبيعتهم ولذلك كره امامة العبد والاعرابى ومجهول النسب فان القوم يتحجبون من الاقتداء بمثل ذلك، ومنها ان يبقى عليهم شئ مما تقتضيه طبيعة اكثرهم اويجدون عند تركه حرجا فى انفسهم كالسلطان هو احق بالامامة وصاحب البيت احق بالامامة والذى ينكح امرأة جديدة يجعل لها سبعا او ثلاثا ثم يقسم بين ازواجه، ومنها ان يجعل السنة بينهم تعليم العلم والموعظة والامر بالمعروف والنهى عن المنكر لتمتلئ به اوعية قلوبهم فينقادوا للنواميس من غير كلفة وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يتخولهم بالموعظة ومنها ان يفعل النبى صلى الله عليه وسلم افعالا يأمرهم به او يرخصهم فيه ليعتبروا بفعله ؛

ومنها ان يدعو الله تعالى ان يجعل القوم مهذبين كاملين، ومنها ان تنزل عليهم سكينة من ربهم بواسطة الرسول فيصيروا بين يديه بمنزلة من على راسه الطير، ومنها ان يرغم انف من اراد غير الحق بتأييسه كالقاتل لا يرث والمكره فى الطلاق لاينفذ طلاقه فيكون كابحا للجبارين من الاكراه اذ لم يحصل غرضهم، ومنها ان لا يشرع لهم ما فيه مشقة الاشياء فشيئا وهو قول عائشة رضى الله عنها انما انزل اول ما نزل منه سور من المفصل فيها ذكر الجنة والنار حتى اذا ثاب الناس الى الاسلام نزل الحلال و

اور جمعہ کے دن غسل کرنا اور خوشبو لگانا مسنون قرار دیا اور قرآن کو خوش الحانی سے پڑھنا اور اذان کا خوش آواز سے پڑھنا مستحب قرار دیا،

منجملہ ان کے یہ ہے کہ جس سے لوگوں کو دلی نفرت ہو اور ان کو وہ بوجہ معلوم ہو اسکو دور کر دیا جائے، اسی لئے غلام، اعرابی اور مجہول النسب کی امامت مکروہ قرار دی گئی ہے کیونکہ لوگ ایسے آدمیوں کے پیچھے نماز پڑھتے ہوئے دل گرفتہ ہوتے ہیں،

منجملہ ان کے یہ ہے کہ لوگوں پر وہ شئی باقی رکھی جائے جس کو اکثر لوگوں کی طبیعت چاہتی ہو یا اس امر کے ترک کرنے سے ان کے دل تنگ ہوتے ہوں، جیسے امامت کیلئے سب سے زیادہ مستحق سلطان اور مالک خانہ قرار دیئے گئے ہیں، اور جو شخص نئی عورت سے شادی کرے تو اس کے پاس سات روز یا تین روز رہ کر پھر ایام کو برابر تقسیم کر دے،

منجملہ ان کے یہ ہے کہ لوگوں کو علم و نصائح کی ہمیشہ تعلیم دیتا رہے، نیکی کا حکم کرتا رہے اور ممنوعات سے روکتا رہے تاکہ ان امور سے لوگوں کے دل بھر جائیں اور پھر احکام الٰہی کو بسہولت قبول کریں اور کلفت پیش نہ آئے، اور اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ لوگوں کو نصیحت فرماتے رہا کرتے تھے، منجملہ ان کے یہ ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم بعض ان امور کو عمل میں لائیں جن کا لوگوں کو حکم کرتے ہوں یا ان کے کرنے میں لوگوں کو اختیار دیتے ہوں تاکہ آپ کے فعل سے لوگوں کو اعتبار حاصل ہو ؛

منجملہ ان کے یہ ہے کہ نبی ہمیشہ خدا سے دعا کرتا رہے کہ لوگ مہذب اور کامل بن جائیں، منجملہ ان کے یہ ہے کہ نبی علیہ السلام کے ذریعہ سے ان پر خدا کی جانب سے اطمینان اور تسکین ایسی نازل ہوتی رہے کہ لوگ آپ کے سامنے سر جھکا کر اسطرح بیٹھے رہیں گویا ان کے سر پر پرند ہیں، منجملہ ان کے یہ ہے کہ جو شخص حق سے سرتابی کرے اسکی سرکوبی کر دیجائے اور اسکو محروم کر دیا جائے جیسے قاتل کو مقتول کے ورثہ سے محروم کیا گیا، اور زبردستی کی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوتی پس ایسا کرنا زبردستی کرنے والوں کو جبر اور اکراہ کرنے سے باز رکھیگا، جبکہ انکی غرض حاصل نہ ہوگی، منجملہ انکے یہ ہے کہ جن امور میں مشقت ہو انکو آہستہ آہستہ شروع کرنا چاہیے چنانچہ حضرت عائشہ کا اسی کے متعلق قول ہے کہ قرآن میں اول وہ مفصل سورتیں نازل ہوئیں جن میں صرف جنت اور دوزخ کا ذکر تھا، اور جب اسلام کیطرف لوگ آ گئے

تو حلال و حرام کے احکام نازل ہوئے اگر شروع ہی میں یہ نازل ہوتا کہ شراب مت پیو تو لوگ کہدیتے کہ ہم شراب کبھی ترک نہ کریں گے، اور اگر شروع ہی میں یہ نازل ہوتا کہ زنا نہ کرو تو لوگ کہدیتے کہ ہم زنا کبھی ترک نہ کریں گے۔

منجملہ ان کے یہ ہے کہ نبی ایسے فعل کو ترک کردے جس سے لوگوں کے دلوں میں تشویش پیدا ہو اسلئے بعض امور مستحبہ کو ترک کردیا گیا ہے چنانچہ آں حضرت علیہ السلام کے اس قول سے جو آپنے حضرت عائشہؓ سے فرمایا تھا، یہی مراد ہے "اگر تیری قوم سے کفر کا زمانہ قریب نہ ہوتا تو میں کعبہ کو منہدم کرکے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد پر تعمیر کرتا۔"

منجملہ ان کے یہ ہے کہ شارع نے مختلف نیکیوں، وضو، غسل، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج وغیرہ کا خود حکم دیا اور ان امور کو لوگوں کی رائے پر موقوف نہ رکھا بلکہ ان سب کے ارکان، شروط و آداب وغیرہا کو منضبط کردیا، پھر ان ارکان، شروط اور آداب کو زیادہ منضبط نہ کیا بلکہ ان کی تکمیل کو لوگوں کی عقلوں پر چھوڑ دیا کہ وہ ان الفاظ کے معانی اپنی عادات کے موافق خود سمجھ لیں مثلاً شارع نے یہ تو بیان کردیا کہ بغیر سورہ فاتحہ کے نماز نہیں ہوتی لیکن حرفوں کے مخارج نہیں بیان کئے جن پر سورہ فاتحہ کا ٹھیک طور پر پڑھنا موقوف ہے اور نہ ان کی تشدیدات و حرکات و سکنات بیان فرمائے، اور نیز شارع نے یہ بیان کردیا کہ استقبال قبلہ نماز میں شرط ہے لیکن کوئی ایسا قاعدہ نہیں بتایا جس سے استقبال قبلہ معلوم ہو سکے۔ اور اسی طرح یہ بھی بیان کردیا کہ زکوٰۃ کا نصاب دو سو درہم ہے لیکن یہ نہیں بیان فرمایا کہ درہم کا وزن کتنا ہو اور جب اس قسم کی کوئی بات آپ سے دریافت کی گئی تو اسیقدر بتایا جسکو وہ سمجھ سکتے تھے اور کوئی ایسی بات نہیں بتلائی جو ان کی عادات میں نہیں تھی، اسی واسطے ماہ رمضان کے چاند کی نسبت فرمادیا "اگر ابر ہو تو ماہ شعبان کے تیس روز پورے کرلو۔" اور اس پانی کی نسبت جو بیابان میں ہوتا ہے درندے اور چہار پائے وہاں آتے جاتے ہیں یہ فرمایا "جب پانی بقدر قلتین کے ہو تو ناپاک نہیں ہوتا۔"

اور ایسے امور کی اصل اہل عرب میں موجود تھی جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ سب اشیاء کی حقیقتوں کا بیان کرنا انہی اشیاء کے ساتھ ممکن ہے جن میں ظہور، خفار اور عدم انضباط ویسا ہی ہو،

الحرام ولو نزل اول شئ لا تشربوا الخمر لقالوا لا ندع الخمر ابدا ولو نزل لا تزنوا لقالوا لا ندع الزنا ابدا، ومنها ان لا يفعل النبي صلى الله عليه وسلم ما تختلف به قلوبهم فيترك بعض الامور المستحبة لذلك وهو قوله صلى الله عليه وسلم لعائشة لولا حدثان قومك بالكفر لنقضت الكعبة وبنيتها على اساس ابراهيم عليه السلام، ومنها ان الشارع امر بانواع البر من الوضوء والغسل والصلاة والزكوة والصوم والحج وغيرها ولم يتركها مفوضة الى عقولهم بل ضبطها بالاركان والشروط والآداب ونحوها ثم لم يضبط الاركان والشروط والآداب كثير ضبط بل تركها مفوضة الى عقولهم والى ما يفهمونه من تلك الالفاظ وما يعتادونه في ذلك الباب فبين مثلا انه لا صلوة الا بفاتحة الكتاب ولم يبين مخارج الحروف التي تتوقف عليها صحة قراءة الفاتحة وتشديداتها وحركاتها وسكناتها وبين ان استقبال القبلة شرط في الصلوة ولم يبين قانونا نعرف به استقبالها وبين ان نصاب الزكوة مائتا درهم ولم يبين ان الدرهم ما وزنه وحيث سئل عن مثل ذلك لم يزد على ما عندهم ولم يأتهم بما لا يجدونه في عاداتهم فقال في مسالة هلال شهر رمضان "فاذا اغم عليكم فاكملوا عدة شعبان ثلاثين" وقال في الماء يكون في فلاة من الارض ترده السباع والبهائم "اذا بلغ الماء قلتين لم يحمل خبثا" واصله معتاد فيهم كما بينا، والسر في ذلك ان كل شئ منها لا يمكن ان يبين الا بحقائق مثلها في الظهور والخفاء وعدم

اور پھر انکے بیان کی ضرورت پڑے گی اور ایسے ہی ضرورت پڑتی جائیگی
اور اسمیں بڑا حرج ہے اسلئے کہ ہر پابندی میں کسی قدر دقت ہوتی ہے، پس
جب پابندیاں زیادہ ہو جائیں گی تو دقتیں بھی انتہا کو پہنچ جائیں گی، اور
نیز شرعی احکام ادنیٰ اور اعلےٰ سب ہی کیلئے ہیں تو ان تعریفات کو تفصیل وار
یاد کرنے میں سخت دقت پڑے گی، اور نیز جب لوگ نیکی کی قیودات کیطرف
زیادہ متوجہ ہوں گے تو وہ ان نیکیوں کے فوائد نہ معلوم کرسکیں گے اور نہ ہی
نیکیوں کے ارواح کیجانب وہ متوجہ ہوسکیں گے جیسا کہ تم بہت سے قاریوں
کو دیکھتے ہو کہ وہ اسوجہ سے کہ ان کی دلی توجہ الفاظ کیطرف رہتی ہے قرآن کے
معنی میں غور و فکر نہیں کرتے اسلئے اس سے بہتر کوئی اور مصلحت نہ تھی کہ اصول
کو منضبط کر کے باقی امور لوگوں کی رائے پر چھوڑ دیں، واللہ اعلم ؀

منجملہ ان کے یہ ہے کہ شارع نے لوگوں سے انکی عقل کے موافق ہی خطاب
کیا ہے جو ان کی اصل فطرت میں فن حکمت، علم کلام اور علم اصول کے دقائق میں
غور کرنے سے پیشتر ہی ودیعت رکھی گئی تھی، اسیواسطے خدا تعالےٰ نے اپنے
واسطے جہت کو ثابت کیا اور فرمایا "خدا تعالےٰ عرش پر بیٹھا ہوا ہے" اور
آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک کالے رنگ کی عورت سے پوچھا تھا
اللہ تعالےٰ کہاں ہے؟ اس نے آسمان کیطرف اشارہ کیا، تو آپ نے فرمایا
یہ عورت مومنہ ہے۔ اور اسیطرح قبلہ کی سمت پہچاننے میں، نماز کے
اوقات دریافت کرنے میں اور عیدین مقرر کرنے میں علم ہیئت اور ہندسہ کے
مسائل کو حفظ کرنے کی تکلیف نہیں دی اور مسئلہ کی وجہ کیطرف اپنے اس قول میں
اشارہ فرمادیا "قبلہ، مشرق اور مغرب کے درمیان ہے جب کعبہ کی سمت
منہ ہو جائے" اور فرمادیا "حج کا دن وہی ہے جس روز تم حج کرتے ہو
اور یوم الفطر وہی ہے جس روز تم افطار کرتے ہو" واللہ اعلم ؀

پندرھواں باب (۶۷)

ترغیب اور ترہیب کے اسرار کا بیان

خدا تبارک وتعالےٰ کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت یہ ہے
کہ اس نے وحی کے ذریعہ سے انبیاء علیہم السلام کو ثواب اور عذاب بتلایا
جو اعمال پر مرتب ہوتے ہیں تاکہ وہ لوگوں کو مطلع کر دیں اور لوگوں کے دل خوف
اور امید سے پُر ہو جائیں اور وہ دلی خواہش اور ارادہ سے شرائع کی پیروی کریں

الانضباط فيحتاج ايضاً الى البيان وهلم جرا
وذلك حرج عظيم من حيث ان كل توقيت
تضييق عليهم في الجملة فاذا كثرت التوقيتات
ضاق المجال كل الضيق ومن حيث ان الشرع يكلف
به الادانى والاقاصى كلهم وفي حفظ تلك الحدود
على تفصيلها حرج شديد وايضاً فالناس اذا
اعتنوا باقامة ما ضبط به البر اعتناء شديداً
لم يحسوا بفوائد البر ولم يتوجهوا الى ارواحها
كما ترى كثيراً من المجودين لا يتدبرون معنى
القران لاشتغال بالهم بالالفاظ فلا اوفق
بالمصلحة من ان يفوض اليهم الامر بعد
اصل الضبط والله اعلم، ومنها ان الشارع لم
يخاطبهم الا على ميزان العقل المودع في اصل خلقتهم
قبل ان يتعانوا دقائق الحكمة والكلام و
الاصول فاثبت لنفسه جهة فقال "الرحمن على
العرش استوى" وقال النبي صلى الله عليه وسلم
لامرأة سوداء اين الله فاشارت الى السماء فقال
هي مؤمنة، ولم يكلفهم في معرفة استقبال القبلة
واوقات الصلوة والاعياد حفظ مسائل الهيئة
والهندسة واشار بقوله القبلة ما بين المشرق
والمغرب، اذا استقبل الكعبة الى وجه
المسئلة، وقال الحج يوم تحجون والفطر يوم
تفطرون والله اعلم ؀

باب اسرار الترغيب والترهيب

من نعمة الله تبارك وتعالى على عباده ان
اوحى الى انبيائه صلوات الله عليهم ما يترتب
على الاعمال من الثواب والعذاب ليخبروا القوم
به فتمتلئ قلوبهم رغبة ورهبة ويتقيدوا بالشرائع

جسطرح وہ باقی اور امور کو عمل میں لاتے ہیں جن سے کوئی ضرر دور ہوتا ہے یا ان سے کوئی نفع حاصل ہوتا ہے چنانچہ اس آیت میں یہی مراد ہے "بے شک نماز ایک بڑی بھاری چیز ہے لیکن نہ ان خوف کرنے والوں پر جنکو خیال رہتا ہے کہ ہم اپنے پروردگار سے ملیں گے اور اسی کی طرف لوٹ کر جائیں گے "

پھر ترغیب اور ترہیب سے متعلق قواعد کلی ہیں جن سے ترغیب اور ترہیب کے تمام جزئی امور متفرع ہوتے ہیں، فقہاء صحابہ ان کو اجمالاً جانتے تھے اگرچہ انہوں نے ان قواعد کو تفصیلاً منضبط نہیں کیا تھا اور جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس پر دلیل یہ حدیث ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اپنی بیوی سے مباشرت کرنے میں بھی تمہارے لئے اجر ہے، صحابہ نے عرض کیا کہ کیا کوئی خواہش پوری کرے جب بھی ثواب ملتا ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر حرام میں خواہش کا استعمال کرتا، کیا اسپر اسکو گناہ نہ ہوتا " اسلئے صحابہ کا اسی مسئلہ میں توقف کرنا اور ان پر اس کی علت کا مشتبہ ہوجانا اسی وجہ سے تھا کہ ان کے نزدیک اعمال اور ان کی جزا میں جو کچھ مناسبت ہوتی ہے اسکو وہ جانتے تھے اور اسکو خوب جانتے تھے کہ اعمال کے نتائج ایسے قاعدہ پر مبنی ہیں جو معقول المعنی ہے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو ان کے سوال کرنے کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب دینے کی جو آپ نے ایک واضح شئی پر قیاس کرکے دیا ہے، کوئی وجہ نہ ہوتی ۔ اور میرے اس قول کی نظیر یہ بھی ہے کہ جو فقہاء نے اس حدیث کے بارہ میں کہا ہے، حدیث یہ ہے :۔ اگر تیرے باپ پر قرضہ ہوتا تو اسکو ادا کرتا یا نہیں ؟ اس نے کہا ہاں، ادا کرتا آپ نے فرمایا پس خدا کا قرضہ زیادہ ادا کرنے کے قابل ہے " فقہا کہتے ہیں اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ احکام کو قواعد کلیہ سے تعلق ہوتا ہے ؛

صحابہ کے سوال کا حاصل یہ ہے کہ نیکیوں سے تہذیب نفس حاصل ہوتی ہے مثلاً تسبیح، تہلیل، تکبیر، یا ان سے شہری انتظام میں کوئی مصلحت حاصل ہوتی ہے، اور برائیوں سے ان دونوں کے خلاف امور حاصل ہوتے ہیں اور خواہش نفس کے پورا کرنے میں بہیمیت کے غلبہ کی پیروی ہوتی ہے اور اس میں عادت سے زیادہ اور کوئی مصلحت بھی نہیں ہوتی اور قضاء شہوت کے پورا کرنے میں بہیمیت کے غلبہ کی پیروی ہوتی ہے اور اس میں عادت کے علاوہ نہ تو کوئی مصلحت سمجھی جاتی ہے اور نہ ہی اسکے مثل کوئی ایسی شئی سمجھی جاتی ہے جو معرفت کلیہ کیطرف رجوع کرتی ہو، اور قضاء شہوت کے مسئلہ کو معرفت کلیہ کیطرف لوٹانا نہایت ہی عجیب وغریب ہے ۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اپنی بیوی سے مباشرت کرنے میں خاوند اور بیوی کی پاکدامنی مستحکم ہوتی ہے اور اس میں بے موقع خواہش نفس پورا کرنے سے نجات ملتی ہے ۔ اور ترغیب اور ترہیب کے چند طریقے ہیں ۔

بداعية منبعثة من انفسهم كسائر ما فيه دفع ضرر او جلب نفع وهو قوله تعالى وانها لكبيرة الا على الخاشعين الذين يظنون انهم ملاقوا ربهم وانهم اليه راجعون ثم ان ههنا قواعد كلية اليها ترجع جزئيات الترغيب والترهيب وكان فقهاء الصحابة يعلمونها اجمالا وان لم يكونوا احرزوها تفصيلا، ومما يدل على ما ذكرنا ما جاء في الحديث ان النبي صلى الله عليه وسلم قال وفي بضع احدكم صدقة فقالوا ايأتي احدنا شهوته ويكون له فيها اجر؟ قال ارايتم لو وضعها في حرام كان عليه وزر، فما توقفوا في هذه المسألة دون غيرها وما اشتبه عليهم لميتها الا لما عندهم من معرفة مناسبة الاعمال لاجزيتها وانها ترجع الى اصل معقول المعنى ولولا ذلك لم يكن لسؤالهم ولا لجواب النبي صلى الله عليه وسلم بالاعتبار باصل واضح، وجه، وقولي هذا نظير ما قاله الفقهاء في حديث «لو كان على ابيك دين اكنت قاضيه؟ قال نعم قال فدين الله احق ان يقضى»، من انه يدل على ان الاحكام معلقة باصول كلية ؛

وحاصل السؤال ان الصدقات ترجع الى تهذيب النفس كالتسبيح والتهليل والتكبير او اقامة المصلحة في نظام المدينة وان السيئات ترجع الى اضداد هاتين وقضاء شهوة الفرج اتباع لداعية البهيمية ولا يعقل فيه مصلحة زائدة على العادات او نحو ذلك مما يرجع الى معرفة كلية واستغراب رجوع المسألة اليها ؛

وحاصل الجواب ان جماع الحليلة يحصن فرجها وفرجه وفيه خلاص مما يكون قضاء الشهوة في غير محلها اقتحاما فيه، وللترغيب والترهيب

اور ہر طریقہ کا ایک راز ہے اور ہم تم کو ان میں سے بڑے بڑے طریقے بتلاتے ہیں۔ ان طریقوں میں سے ایک یہ ہے کہ تہذیب نفس کے بارہ میں کسی کام کا جو اثر مرتب ہوتا ہے وہ بیان کر دیا جائے یعنی نفس کی نیک و بد قوتوں میں سے کسی کا کمزور پڑنا یا اسکا غالب آنا، اسی کو زبان شرع میں نیکیوں کا لکھا جانا اور برائیوں کا مٹ جانا کہتے ہیں۔ چنانچہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شئ قدیر، روزانہ سو بار پڑھ لیا کرے تو یہ دس غلام آزاد کرنے کے برابر ہے اور اسکے لئے سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اسکے سو گناہ مٹا دئے جاتے ہیں اور اس روز شام تک وہ شیطان سے محفوظ رہتا ہے اور ایسے شخص سے افضل کسی کا عمل نہیں ہوتا مگر اس شخص کا جو اس سے بھی زیادہ عمل کرے۔ اس حدیث کا راز ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

اور ان طریقوں میں سے ایک یہ ہے کہ شیطان وغیرہ سے محفوظ رہنے کی بابت اس عمل کے اثر کو بیان کیا جائے جیسے آپ نے فرمایا تھا " اور شام تک وہ شیطان سے محفوظ رہتا ہے" اور جیسے آپ کا یہ فرمان ہے " بدکار لوگ اس کو نہیں کر سکتے" یا اس عمل کا اثر رزق کی وسعت اور برکت کا ظہور بیان کیا جائے وغیر ذالک۔

ان میں سے بعض میں یہ راز ہے کہ کوئی شخص خدا سے سلامتی کو طلب کرتا ہے اور اس کی یہ طلب قبولیت دعا کا سبب بنجاتی ہے چنانچہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس حدیث میں جسکو آپ خدا کیجانب سے روایت کرتے ہیں یہی غرض ہے آپنے فرمایا "اگر بندہ مجھ سے پناہ چاہیگا تو میں اسکو پناہ دوں گا اور اگر کسی امر کی مجھ سے درخواست کرے گا تو میں اسکو ضرور دونگا"

اور بعض احادیث میں یہ راز ہے کہ ذکر الہٰی میں مستغرق ہونے سے اور عالم جبروت کیطرف متوجہ ہونے سے اور ملکوت سے مدد طلب کرنے سے شیاطین سے مناسبت منقطع ہو جاتی ہے اور تاثیر کا مدار مناسبت پر ہوا کرتا ہے، اور بعض احادیث میں یہ راز ہے کہ جس کی ایسی حالت ہوتی ہے تو ملائکہ اسکے لئے دعا کرتے ہیں اسلئے وہ بہت سی راہوں پر چل پڑتا ہے پس کبھی تو وہ حصول منافع کے راستہ پر ہوتا ہے اور کبھی مضرت کے دفع ہونے کے راستہ پر۔

اور ان ترغیب و ترہیب کے طریقوں میں سے یہ ہے کہ اعمال کا وہ اثر جو آخرت میں ظاہر ہوگا بیان کر دیا جائے اور اسکا راز دو مقدموں سے معلوم ہوتا ہے۔

طرق ولكل طريقة سر ونحن ننبهك على معظم تلك الطرق، فمنها بيان الأثر المترتب على العمل في تهذيب النفس من انكسار احدى القوتين او غلبتها وظهورها، ولسان الشارع ان يعبر عن ذلك بكتابة الحسنات ومحو السيئات كقوله صلى الله عليه وسلم من قال لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير في يوم مائة مرة كان له عدل عشر رقاب وكتبت له مائة حسنة ومحيت عنه مائة سيئة وكانت له حرزا من الشيطان يومه ذلك حتى يمسي ولم يأت احد بافضل مما جاء به الا رجل عمل اكثر منه، وقد ذكرنا سره فيما سبق، ومنها بيان اثره في الحفظ عن الشيطان وغيره كقوله صلى الله عليه وسلم وكان في حرز من الشيطان حتى يمسي، وقوله صلى الله عليه وسلم لا يستطيعها البطلة او توسيع الرزق وظهور البركة ونحو ذلك، والسر في بعض ذلك انه طلب من الله السلامة وهو سبب ان يستجاب دعاؤه وهو قوله صلى الله عليه وسلم راويا عن الله تبارك وتعالى ولئن استعاذني لاعيذنه ولئن سألني لاعطينه وفي البعض الآخر ان الغوص في ذكر الله والتوجه الى الجبروت والاستمداد من الملكوت يقطع المناسبة بهؤلاء وانما التاثير بالمناسبة وفي البعض الآخر ان الملائكة تدعو لمن كان على هذه الحالة فيدخل في شرايع كثيرة فتارة في جلب نفع وتارة في دفع ضرر۔

ومنها بيان اثره في المعاد وسره ينكشف بمقدمتين، احدهما ان الشيء لا يحكم عليه بكونه سببا للثواب والعذاب في المعاد حتى يكون

جزاء کے دونوں سببوں میں سے کسی سبب کے ساتھ مناسبت نہ ہو، یا تو اسکو ان چاروں اخلاق میں دخل ہو جن پر سعادت اور تہذیب النفس کا ہونا یا نہ ہونا مبنی ہے، اور وہ چاروں اخلاق یہ ہیں:- پاکیزگی حاصل کرنا، رب العالمین کے حضور میں عاجزی کرنا، سخاوت کرنا، لوگوں میں عدل و انصاف قائم کرنے کی کوشش کرنا۔ یا اس شئی کو ان امور کے اجراء میں نفیًا و اثباتًا دخل ہو جس اجراء پر ملاء اعلیٰ کا اتفاق ہے جیسے شرائع کو مستحکم کرنا، انبیاء علیہم السلام کی امداد کرنا، اور عمل اور سبب جزاء میں مناسبت کے معنی یہ ہیں کہ وہ عمل اس معنی سببی کے وجود کا محل سمجھا جاتا ہو یا عادۃً اس معنی سببی کو لازم ہو یا اسکے لئے ذریعہ ہو جیسے دو رکعت نماز کو اسطرح سے ادا کرنا کہ کوئی نفسانی وسوسہ واقع نہ ہو، اس میں خدا کے حضور میں عاجزی، خدا کے جلال کی یاد اور بہیمیت کی پستی سے ایک قسم کی ترقی کا ظہور ہے۔ اور ایسے ہی پورا پورا وضو کرنا اس پاکیزگی کا باعث ہے جو نفس میں اثر کرتی ہے اور ایسے ہی مال کثیر کا خرچ کرنا جس میں عادۃً بخل کیا جاتا ہے، اور کسی کے ظلم کو معاف کرنا اور اپنے حقوق میں جھگڑے کو ترک کرنا سخاوت نفس کی دلیل اور اسکو متلازم ہے۔ اور ایسے ہی بھوکے کو کھانا کھلانا، پیاسے کو پانی پلانا اور لوگوں میں آتش جنگ کو بجھانے میں سعی کرنا اصلاح عالم کا سبب اور ذریعہ ہے۔ اور اسی طرح عرب سے محبت رکھنا ان کی روش اختیار کرنے کا ذریعہ ہے اور یہ دین الٰہی حاصل کرنے کا آسان طریق ہے کیونکہ شریعت عادات عرب کے ہی موافق معین کی گئی ہے۔ اور نیز اس پسندیدگی میں شریعت مصطفوی کی تعظیم ہے۔ اور اسی طرح روزہ کے افطار کرنے میں عجلت کرتے رہنا، دوسرے مذاہب کے اختلاط اور ان کی تحریفات سے جدا رہنا ہے۔

اور ہمیشہ سے لوگوں کے فرقے یعنی حکماء، ارباب صناعت اور اطباء، احکام کو ان کی علتوں پر جاری کرتے آئے ہیں اور عرب بھی ہمیشہ اپنے خطبات اور محاورات میں اسی قانون پر چلتے آئے ہیں اور کسیقدر اس کو ہم نے ذکر بھی کیا ہے،

اور یا یہ عمل نہایت شاق ہو یا گم شدہ ہو یا سخت ناگوارِ طبع ہو جس پر وہی شخص اقدام کر سکے جس میں کامل اخلاص ہو اس لئے ایسا عمل اس کے اخلاص کی شرح ہو جائے گا

ہو ہو ہو ہو ہو ہو ہو ہو ہو ہو ہو ہو ہو

له مناسبة باحد سببى المجازاة اما ان يكون له دخل فى الاخلاق الاربعة المبنية عليها السعادة وتهذيب النفس اثباتا او نفيا وهى النظافة والخشوع لرب العالمين وسماحة النفس والسعى فى اقامة العدل بين الناس او يكون له دخل فى تمشية ما اجمع الملأ الاعلى على تمشيته من التمكين للشرائع والنصرة للانبياء عليهم السلام اثباتا او نفيا ومعنى المناسبة ان يكون العمل مظنة لوجود هذا المعنى او متلازما له فى العادة او طريقا اليه كما ان كونه يصلى ركعتين لا يحدث فيهما نفسه مظنة الاخبات وتذكر جلال الله والترقى من حضيض البهيمية وكما ان اسباغ الوضوء طريق الى النظافة المؤثرة فى النفس وكما ان بذل المال الخطير الذى يشح به عادة والعفو عمن ظلم وترك المراء فيما هو حق له مظنة لسماحة النفس ومتلازم لها وكما ان اطعام الجائع وسقى الظمآن والسعى فى اطفاء ثائرة الحرب من بين الاحياء مظنة اصلاح العالم وطريق اليه وكما ان حب العرب طريق الى التزيى بزيهم وذلك طريق عطف الى الاخذ بالملة الحنيفية لانها تشخصت فى عاداتهم وتنويه بامر الشريعة المصطفوية وكما ان المحافظة على تعجيل الفطر تباعد عن اختلاط الملل وتحريفها، وما زالت طوائف الناس من الحكماء واهل الصناعات والاطباء يديرون الاحكام على مظانها وما زال العرب جارين على ذلك فى خطبهم ومحاوراتهم، وقد ذكرنا بعض ذلك او يكون عملا شاقا او خاملا او غير موافق للطبيعة لا يقصده ولا يقدم عليه الا المخلص حق الاخلاص فيصير شرحا لاخلاصه كالتنقلم

مثلاً خوب سیر ہو کر زمزم کا پانی پینا اور حضرت علیؓ سے محبت رکھنا اسوجہ سے کہ حضرت علیؓ خدا کے احکام کی تعمیل میں نہایت سخت تھے، اور جیسے انصار سے محبت کرنا، کیونکہ معد اور یمن کے عرب باہم ایک دوسرے سے متنفر تھے یہانتک کہ اسلام نے ان میں الفت پیدا کردی، اسواسطے ان سے محبت کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ دل میں اسلام کی بشاشت اثر کرگئی ہے، اور جیسے پہاڑ پر چڑھکر دیکھنا اور لشکر اسلام کی حفاظت میں جاگنا، پس یہ اس امر کو بتلاتا ہے کہ اس کا ارادہ دین الٰہی کے قائم کرنے میں سچا ہے اور اسکو دین سے محبت ہے ٭

دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص مرجاتا ہے اور وہ اپنے نفس اور نفس کی ان حالتوں کی طرف رجوع کرتا ہے جن کی مؤافقت یا منافرت کا نفس پر رنگ چڑھا تھا تو وہاں کے مناسب تکلیف و آرام کی صورتیں اس پر ضرور ظاہر ہوتی ہیں، ان نفسانی حالات اور تکلیف و آرام میں ملازمت عقلیہ کا کچھ اعتبار نہیں ہے بلکہ یہ ملازمہ ایک دوسری قسم کا ہے جس سے نفس کے بعض امور کی بعض کیطرف کشش ہوتی ہے اور اسی کے موافق خواب میں معانی متشکل ہوتے ہیں جیسے ماہ رمضان میں مؤذن کا اذان دیکر لوگوں کو مباشرت اور کھانے پینے سے منع کرنا ان کے مونہوں اور شرمگاہوں پر مہر لگادینے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، پھر عالم مثال میں اور مناسبات ہیں جن پر احکام مبنی ہیں۔ پس حضرت جبریل علیہ السلام دحیہ کلبی کی صورت میں آئے اور کسی کی صورت میں نہ آئے تو یہ ایک خاص مناسبت کیوجہ سے تھا اور خاص وجہ ہی کے سبب سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے آگ کا ظہور ہوا تھا۔ پس ان مناسبات کا سمجھنے والا ہی خوب جان سکتا ہے کہ اس عمل کی جزاء کس صورت میں ہوگی جیسے خواب کی تعبیر دینے والا خوب جانتا ہے کہ جو صورت اس نے خواب میں دیکھی ہے اس صورت میں کونسی شئ ظاہر ہوئی ہے،

بالجملہ کلام یہ ہے کہ اسی طریقہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ جو شخص علم کو چھپائے اور وقت ضرورت تعلیم سے سکوت کرے تو اسکو آتشی لگام سے عذاب دیا جائیگا یہ تشبیہ اس لئے دی گئی ہے کہ ایسے سکوت سے نفس کو تکلیف ہوتی ہے اور لگام سکوت کے مشابہ اور اسکی صورت ہے، اور جو شخص مال سے زیادہ محبت کرتا ہے اور ہمیشہ اسکا دل مال سے ہی متعلق رہتا ہے تو اسکی گردن میں گنجے سانپ کا طوق ڈالا جائیگا، اور جو شخص دراہم، دنانیر اور مویشیوں کی حفاظت میں مصروف رہتا ہے

من ماء زمزم وكحب علي رضي الله عنه فانه كان شديدا في امر الله وكحب الانصار فانه لم تزل العرب المعدية واليمنية متباغضين فيما بينهم حتى ألفهم الاسلام. فالتأليف معرف لدخول بشاشة الاسلام في القلب وكالطلوع على الجبل و السهر في حراسة جيوش المسلمين فانه معرف لصدق عزيمته في اعلاء كلمة الله وحب دينه ٭

المقدمة الثانية:- ان الانسان اذا مات ورجع الى نفسه والى هيأتها التي انصبغت بها الملائمة لها والمنافرة اياها لابد ان تظهر صورة التألم والتنعم باقرب ما هنالك ولا اعتبار في ذلك للملازمة العقلية بل لنوع اخر من الملازمة لاجلها يجر بعض حديث النفس بعضا وعلى حسبها يقع تشبح المعاني في المنام كما يظهر منع المؤذن الناس عن الجماع والاكل بصورة الختم على الفروج والافواه ثم ان في عالم المثال مناسبات تبنى عليها الاحكام فما ظهر جبريل في صورة دحية دون غيره الا لمعنى ولا ظهرت النار على موسى عليه السلام الا لمعنى فالعارف بتلك المناسبات يعلم ان جزاء هذا العمل في اي صورة يكون كما ان العارف بتأويل الرؤيا يعرف انه اي معنى ظهر في صورة مادة، و بالجملة فمن هذا الطريق يعلم النبي صلى الله عليه وسلم ان الذي يكتم العلم ويكف نفسه عن التعليم عند الحاجة اليه يعذب بلجام من نار لانه تالمت النفس بالكف واللجام شبح الكف وصورته والذي يحب المال ولا يزال يتعلق به خاطره يطوق بشجاع اقرع والذي يتعانى في حفظ الدراهم والدنانير

اوران کو خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے باز رہتا ہے تو اسکو انہی اشیاء کے ذریعہ سے عذاب دیا جائیگا جیسے تکلیف دینے کا طریقہ ملاء اعلیٰ کی نظر میں مقرر ہے، اور جو شخص کسی ہتھیار یا زہر سے خودکشی کرتا ہے اور اسوجہ سے وہ خدا کے حکم کی مخالفت کرتا ہے تو انہی صورتوں سے اسکو عذاب دیا جائیگا، اور جو شخص فقیر کو کپڑے پہنائیگا تو اسکو روز قیامت میں حریر جنت کا لباس پہنایا جائیگا، اور جو شخص کسی مسلمان غلام کو آزاد کریگا اور غلامی کی مصیبت سے جو اسکو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے آزاد کریگا تو اس غلام کے ہر عضو کے بدلہ میں اس شخص کا ہر عضو دوزخ سے آزاد کیا جائیگا ؛

اوران ترغیب اور ترہیب کے طریقوں میں سے ایک یہ ہے کہ عمل کو اس چیز سے تشبیہ دیجائے جسکی خوبی یا برائی ذہنوں میں شرع یا عادت کی وجہ سے پائی جاتی ہے اور اسوقت میں ضرور ہے کہ ان دونوں امروں میں کوئی جامع شئ ہو جو کسی نہ کسی وجہ سے دونوں میں مشترک ہو جیسے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو جو صبح کی نماز کے بعد سے طلوع آفتاب تک مسجد میں عبادت کیلئے بیٹھا رہے' صاحب حج وعمرہ کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور ہبہ کرکے واپس لینے والے کو اس کتے کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو قئ کرکے پھر اسکو چاٹ لیتا ہے، اور تشبیہ میں یہ بھی ضرور ہے کہ اس عمل کو محبوب لوگوں یا قابل نفرت لوگوں کی طرف منسوب کیا جائے یا اس عمل کرنیوالے کے حق میں دعا یا بددعا کیجائے، اوران امور سے اگرچہ اس عمل کے عمدہ یا قبیح ہونیکی وجہ کا لحاظ بھی نہ کیا جائے' اس عمل کی اجمالی حالت معلوم ہو جاتی ہے جیسے شارع کا قول ہے " یہ منافق[1] کی نماز ہے " اور جیسے آپ نے فرمایا " جو شخص ایسا کام کریگا وہ ہم سے نہیں " یا فرمایا " یہ کام شیطان کا ہے یا یہ کام فرشتوں کا سا ہے اور خدا اسپر رحم کرے جو ایسا کرتا ہے " اور اسی کے مثل اور عبادتوں کو قیاس کرلینا چاہیئے ۔ اوران ترغیب وترہیب کے طریقوں میں سے ایک یہ ہے کہ فعل کی حالت ہی خدا کی خوشی یا ناخوشی سے متعلق ہے اور یہ حالت ہی ملائکہ کی دعا یا بددعا کا سبب ہے جیسے شارع کا قول ہے " خدا ایسے ایسے امور کو پسند کرتا ہے اور ایسے ایسے امور کو ناپسند کرتا ہے " اور جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " خدا تعالیٰ اور فرشتے دائیں جانب کی صفوں پر رحمت بھیجتے ہیں " اور اسکا راز ہم پہلے بیان کرچکے ہیں ۔ واللہ اعلم ،

والانعام والمحوط بها عن البذل لله يعذب بنفس تلك الاشياء على ما تقرر عندهم من وجه التاذى، والذى يعذب نفسه بحديدة او سم ويخالف امر الله بذلك يعذب، بتلك الصورة والذى يكسو الفقير يكسى يوم القيامة من سندس الجنة، والذى يعتق مسلما ويفك رقبته عن آفة الرق المحيط به يعتق بكل عضو منه عضو منه من النار؛

ومنها تشبيه ذلك العمل بما تقرر فى الاذهان حسنه او قبحه اما من جهة الشرع او العادة وفى ذلك لا بد من امر جامع بين الشيئين مشترك بينهما ولو بوجه من الوجوه كما شبه المرابط فى المسجد بعد صلاة الصبح الى طلوع الشمس بصاحب حجة وعمرة، وشبه العائد فى هبته بالكلب العائد فى قيئه ونسبته الى المحبوبين او المبغوضين والدعاء لفاعله او عليه وكل ذلك ينبه على حال العمل اجمالا من غير تعرض لوجه الحسن او القبح كقول الشارع تلك صلوة المنافق، وليس منا من فعل كذا، وهذا العمل عمل الشياطين او عمل الملائكة، ورحم الله امرءا فعل كذا وكذا ونحو هذا العبارات، ومنها حال العمل فى كونه متعلقا لرضا الله او سخطه وسببا لانعطاف دعوة الملائكة اليه او عليه كقول الشارع ان الله يحب كذا وكذا ويبغض كذا وكذا وقوله صلى الله عليه واله وسلم ان الله تعالى وملائكته يصلون على ميامن الصفوف وقد ذكرنا سره

والله اعلم

[1] جو عصر کی نماز تنگ وقت میں پڑھے ۱۲۔

سولہواں باب (۶۸)۔ کمال مطلوب کے حاصل ہونے یا نہ ہونیکے اعتبار سے امت کے درجات کا بیان

اس باب میں اصل خدا تعالے کا وہ قول ہے جو سورہ واقعہ میں مذکور ہے " تم تین قسم جوڑے ہو، اصحاب الیمین ۔ اور اصحاب الیمین کیا ہیں؟ اور اصحاب المشئمہ ۔ اور اصحاب المشئمہ کیا ہیں اور جو لوگ سب پر سبقت لیجانے والے ہیں وہی مقرب ہیں " الیٰ اخر السورہ ۔ اور نیز خدا تعالیٰ کا وہ قول ہے " پھر ہم نے ان لوگوں کو وارث بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے برگزیدہ کیا تھا ۔ پس بعض لوگ اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں بعض میانہ رَو اور بعض نیکیوں میں سب سے آگے بڑھنے والے ہیں، خدا کے حکم سے یہ خدا تعالے کا بہت بڑا فضل ہے "۔

تم معلوم کر چکے ہو کہ سب سے اعلیٰ درجہ کے نفوس مفہمین کے ہیں اور ہم ان کا ذکر کر چکے ہیں، مفہمین کے بعد اس گروہ کا درجہ ہے جس کو سابقین کہتے ہیں ۔ سابقین کی دو قسمیں ہیں، اول قسم اہل علوم اصطلاح کی ہے جن کی استعداد کمالات کے حاصل کرنے میں مفہمین کی سی ہوتی ہے لیکن انکی سعادت ان کو ان کے مرتبہ تک نہیں پہنچاتی ، پس ان کی استعداد خوابیدہ آدمی کی سی ہے جو ایک بیدار کرنے والے کا محتاج ہوتا ہے ۔ پس جب ان کو رسولوں کی خبریں بیدار کرتی ہیں تو وہ ان علوم کیطرف متوجہ ہو جاتے ہیں جو ان کی استعداد کے مناسب ہوتے ہیں ایسی مخفی مناسبت کی وجہ سے جو ان کے باطن نفوس میں موجود ہوتی ہے اس لئے یہ لوگ مجتہدین فی المذہب کے مرتبہ کے ہو جاتے ہیں اور ان کے الہام کی حالت یہ ہے کہ وہ اس الہام اجمالی کلی کو حاصل کرتے ہیں جو ان کے نفوس کیطرف متوجہ ہوتا ہے اس استعداد کی وجہ سے جو بارگاہ الٰہی میں انکو محیط ہوتی ہے اور یہ ایسا امر ہے جو اکثر سابقین میں مشترک ہے اور پیغمبروں نے اس کو بیان کیا ہے،

دوسری قسم اہل جذب اور علو کی ہے جن کو رہبر توفیق نے ایسی ریاضات اور توجہات کیطرف چلا کر مشغول رکھا ہے جس سے انکی بہیمیت مغلوب ہو گئی پس خدا تعالیٰ نے انکو کمال علمی اور کمال عملی دونوں عطا فرمائے ہیں

باب طبقات الامة باعتبار الخروج الى الكمال المطلوب او ضده

والاصل فى هذا الباب قوله تعالى فى سورة الواقعة كنتم ازواجا ثلاثة فاصحاب الميمنة ما اصحاب الميمنة واصحاب المشئمة ما اصحاب المشئمة والسابقون السابقون اولئك المقربون الى آخر السورة وقوله تعالى ثم اورثنا الكتاب الذين اصطفينا من عبادنا فمنهم ظالم لنفسه ومنهم مقتصد ومنهم سابق بالخيرات باذن الله ذلك هو الفضل الكبير، قد علمت ان اعلى مراتب النفوس هى نفوس المفهمين وقد ذكرناها ويتلو المفهمين جماعة تسمى بالسابقين وهم جنسان جنس اصحاب اصطلاح وعلو كان استعدادهم كاستعداد المفهمين فى تلقى تلك الكمالات الا ان السعادة لم تبلغ بهم مبلغهم فكان استعدادهم كالنائم يحتاج الى من يوقظه فلما ايقظه اخبار الرسل اقبلوا على ما يناسب استعدادهم من تلك العلوم مناسبة خفية فى باطن نفوسهم فصاروا كالمجتهدين فى المذهب وصار الهامهم ان يتلقوا من الالهام الجملى الكلى الذى توجه الى نفوسهم بما يشملهم من الاستعداد فى حظيرة القدس وهو الامر المشترك فى اكثرهم وترجم عنه الرسل، وجنس اصحاب تجاذب وعلو ساقهم سائق التوفيق الى رياضات وتوجهات قهرت بهيميتهم فآتاهم الحق كمالا علميا وكمالا عمليا و

اور اپنے امور میں ان کو پوری بصیرت حاصل ہوگئی ہے اسی واسطے انکو
خداوندی واقعات، رہنمائی اور اطلاع حاصل ہوتی رہتی ہے جیسے طرقِ
صوفیہ کے اکابر صوفیہ تھے، تمام سابقین میں دو امر ضرور جمع ہوتے
ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اپنی طاقت خدا کیطرف متوجہ ہونے
میں اور قرب حاصل کرنے میں صرف کرتے ہیں، اور دوسرا امر یہ ہے کہ
ان کی فطرت نہایت قوی ہوتی ہے پس ملکات مقصودہ ہو بہو ان کے
سامنے متمثل ہوتے ہیں بغیر اس کے کہ ان کو ملکات کے قالب اور
صورتوں کیطرف ضرورت پڑے، ان کو ان قالبوں کی ضرورت صرف
ان ملکات کی تشریح کے لئے ہوتی ہے اور اسلئے ہوتی ہے کہ وہ
قوالب ان ملکات کے لئے ذرائع ہوتے ہیں، سابقین میں سے ایک قسم
مفردین کی ہے جو عالم غیب کیطرف متوجہ رہتے ہیں ذکر الٰہی انکے بوجھ
اور دقتوں کو دور کر دیتا ہے، ایک قسم صدیقین کی ہے جو خدا تعالےٰ کی
شدت کے ساتھ فرمانبرداری کرنے کی وجہ سے اور اسی کیلئے خاص ہونے
کی وجہ سے تمام لوگوں سے ممتاز ہوتے ہیں۔ اور ایک قسم شہداء کی ہے
جو لوگوں کی رہبری کیلئے پیدا کئے گئے ہیں، ان میں عالم بالا کا یہ اثر ہوتا ہے
کہ کافروں پر لعنت کرتے ہیں، ایمان والوں سے خوش ہوتے ہیں نیک
امور کا حکم کرتے ہیں، برے کاموں سے منع کرتے ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ
وسلم کے ذریعہ سے اسلام کو غالب کرتے ہیں، پس یہ قیامت کے روز
کفار سے مخاصمہ کرینگے اور ان کے خلاف شہادت دیں گے اور یہ لوگ نبی
صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت میں بمنزلہ اعضاء کے ہیں تاکہ بعثت سے جو
مقصود ہے وہ ان کے ذریعہ سے تکمیل کو پہنچ جائے، اسی واسطے انکو اوروں سے
افضل جاننا اور انکی عزت و توقیر کرنا ضروری ہے، اور ایک قسم راسخین فی
العلم کی ہے جن میں ذکاوت اور ہوشمندی کامل ہوتی ہے اور جب نبی صلی
اللہ علیہ وسلم سے علم و حکمت کی باتیں سنتے ہیں تو ان میں ایک استعداد پیدا
ہو جاتی ہے پس کتاب الٰہی کے ٹھیک ٹھیک معنی سمجھنے میں وہ استعداد
انکے باطن کی مدد کرتی ہے، اسی طرف حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اشارہ
کیا ہے جبکہ فرمایا "یا استنباط قرآنی کی طاقت جو مسلمان آدمی کو دیجاتی ہے"
اور ایک قسم عباد کی ہے جو عبادت کے فوائد کو عیاناً دیکھتے ہیں اور اسکے نفوس اس عبادت
کے انوار سے منور ہو جاتے ہیں اور وہ فوائد انکے صمیم قلب میں داخل ہو جاتے ہیں

صادوعلى بصيرة من امرهم فكانت لهم
وقائع الهية وارشاد واشراق مثل
اكابر طرق الصوفية ويجمع السابقين امران
احدهما انهم يستفرغون طاقتهم في التوجه
الى الله والتقرب منه، وثانيهما ان جبلتهم
قوية فتمثل الملكات المطلوبة عندهم على
وجهها من غير نظر الى اشباح لها وانما
يحتاجون الى الاشباح شرحا لتلك الملكات
وتوسلا بها اليها منهم المفردون المتوجهون
الى الغيب طرح الذكر عنهم اثقالهم والصديقون
المتميزون عن سائر الناس بشدة انقياد
الحق والتجرد له والشهداء الذين اخرجوا
للناس وحل فيهم صبغ الملأ الاعلى من
لعن الكفرين والرضا عن المؤمنين والامر
بالمعروف والنهى عن المنكر واعلاء الملة
بواسطة النبي صلى الله عليه وسلم فاذا كان يوم
القيامة قاموا يخاصمون الكفرة ويشهدون
عليهم وهم بمنزلة اعضاء النبي صلى الله
عليه وسلم في بعثته بهم ليكمل الامر المراد
في البعثة ولذلك وجب تفضيلهم على غيرهم
وتوقيرهم والراسخون في العلم اولو ذكاء
وعقل لما سمعوا من النبي صلى الله عليه وآله
وسلم العلم والحكمة صادف ذلك منهم
استعدادا فصار يمد لهم في باطنهم فهم
معانى كتاب الله على وجهها واليه اشار
على رضى الله عنه حيث قال او فهم اعطيه
رجل مسلم، والعباد الذين ادركوا فوائد
العبادة عيانا وانصبغت نفوسهم بانوارها
ودخلت في صميم افئدتهم فهم بعيد وزالله

پس یہ لوگ عبادت الٰہی نہایت بصیرت سے کرتے ہیں اور ایک درجہ سابقین میں سے زہاد کا ہے ان کو عالم معاد اور وہاں کے لذائذ کا کامل یقین ہوتا ہے ان لذائذ کے مقابلہ میں انکو دنیوی لذت نہایت حقیر معلوم ہوتی ہے اور لوگ انکی نظر میں اونٹ کی مینگنیوں کی مانند بیقدر معلوم ہوتے ہیں، اور سابقین میں سے بعض لوگ انبیاء علیہم السلام کی جانشینی کی استعداد رکھتے ہیں جو وصف عدالت کے ساتھ موصوف ہو کر خدا تعالیٰ کی عبادت کرتے رہتے ہیں اور اس وصف عدالت کو احکام الٰہی میں صرف کرتے ہیں، اور سابقین میں سے خوش خلق لوگ ہیں یعنی ان میں سخاوت، تواضع اور عفو کی صفات ہوتی ہیں، اور سابقین میں سے ایک جماعت ان لوگوں کی ہے جو فرشتوں کے ساتھ مشابہ ہوتے ہیں اور ان کا فرشتوں کے ساتھ اختلاط رہتا ہے جیسے حدیث میں آیا ہے کہ بعض صحابہ کو فرشتے سلام کیا کرتے تھے،

ان سابقین کے فرقوں میں سے ہر ایک فرقہ میں ایک تو جبلی اور فطری استعداد ہوتی ہے جو اپنے کمال کا ایسی بیداری کے ذریعہ تقاضا کرتی ہے جو انبیاء کی اطلاعوں سے پیدا ہوتی ہے، اور ایک استعداد کسبی ہوتی ہے جو احکام کو قبول کرنے کیلئے آمادہ کرتی ہے پس ان دونوں استعدادوں کے ذریعہ سابقین کو کمالیت حاصل ہوتی ہے مفہمین میں سے جو لوگ ہدایت کیلئے مبعوث نہیں ہوئے وہ بھی شرائع میں سابقین میں سے شمار کئے جاتے ہیں،

سابقین کے بعد اس جماعت کا درجہ ہے جنکو اصحاب الیمین کہتے ہیں، اصحاب الیمین کی بھی چند قسمیں ہیں، ایک قسم ان لوگوں کی ہے جنکے قلوب سابقین کے درجہ سے بہت قریب ہیں لیکن انکو فطری امور کی تکمیل کی توفیق نہیں ہوئی اسلئے انہوں نے اعمال کی ارواح کو چھوڑ کر صرف اعمال کی صورتوں پر ہی اکتفا کیا لیکن انکو ان ارواح سے بالکل بیگانگی بھی نہیں ہے۔ اور ایک قسم اصحاب تجاذب کی ہے ان کی نفوس میں قوت ملکی ضعیف ہوتی ہے اور قوت بہیمی قوی ہوتی ہے اسلئے سخت سخت ریاضتوں کی انکو توفیق ہوتی ہے اس سے انکو وہ علوم حاصل ہو جاتے ہیں جو ملاء سافل کیلئے ہوتے ہیں، یا انکی بہیمی قوت ضعیف ہوتی ہے اور وہ ذکر الٰہی سے تزکیہ قلب حاصل کرتے ہیں پس ان پر جزئی الہامات، جزئی عبادت اور طہارت کا ترشح ہوتا ہے، اور ایک قسم اہل اصطلاح کی ہے جنکی ملکی قوت نہایت ضعیف ہوتی ہے ان لوگوں کی بہیمی طاقت اگر قوی ہے تو سخت سخت ریاضتوں میں مصروف رہتے ہیں اور اگر قوت بہیمی ضعیف ہے تو ہمیشہ

على بصيرة من امرهم و الزهاد الذين ايقنوا بالمعاد وبما هنالك من اللذة فاستحقروا فى جنبها لذة الدنيا وصار الناس عندهم كاباعير الابل والمستعدون لخلافة الانبياء عليهم السلام ممن يعبدون الله تعالى بخلق العدالة فيصرفونه فيما امر الله تعالى واصحاب الخلق الحسن اعنى اهل السماحة من الجود والتواضع والعفو عمن ظلم والمتشبهون بالملائكة والمخالطون بهم كما يذكر ان بعض الصحابة كان يسلم عليهم الملائكة، ولكل فرقة من هذه الفرق استعداد جبلى يقتضى كماله بتيقظ باخبار الانبياء عليهم السلام واستعداد كسبى يتهيأ باخذ للشرائع فيهما يحصل كمالهم ومن كان من المفهمين لم يبعث الى الخلق فانه يعد فى الشرائع من السابقين ويتلو السابقين جماعة تسمى باصحاب اليمين وهم اجناس، جنس نفوسهم قريبة المأخذ من السابقين لم يوفقوا لتكميل ما جبلوا له فاقتصروا على الاشباح دون الارواح لكنهم ليسوا باجنبيين منها، وجنس اصحاب التجاذب نفوسهم ضعيفة الملكية قوية البهيمية وفقوا الرياضات شاقة فاثرت فيهم ما للملاء السافل او ضعيفة البهيمية استهتروا بذكر الله تعالى فترشح عليهم الهامات جزئية وتعبد وتطهر جزئيات، وجنس اهل الاصطلاح ضعيفة الملكية جدا عضوا على الرياضات الشاقة ان كانوا قوي البهيمية او الاوراد الدائمة ان كانوا ضعيفيها فلم يثمر ذلك لهم شيئا من الانكشاف لكن

یہ اعمال اور صورتیں جو عمدہ ملکات کی تصویریں ہیں انکے نفوس میں راسخ
ہو جاتی ہیں، ان میں سے اکثر لوگوں کے عمل میں کامل اخلاص اور طبیعت
وعادت کے میلان سے پورے طور پر علیحدگی شرط نہیں ہوتی ایسے لوگ
صدقہ دیتے ہیں لیکن تنگدلی اور ثواب کی امید دونوں انکی نیت میں داخل
ہوتی ہیں وہ نماز اسلئے پڑھتے ہیں کہ انکے خاندان میں نماز پڑھنے کا طریقہ جاری
ہے اور انکو ثواب کی امید بھی رہتی ہے وہ خدا تعالیٰ کے خوف سے اور لوگوں کے
خوف سے زنا اور شراب خوری سے اجتناب کرتے ہیں، یا یہ لوگ مرغوبات
حاصل کرنے کے قابل نہیں ہوتے اور لہو ولعب میں مال خرچ نہیں کر سکتے تو
ایسے لوگوں سے اعمال قابل قبول ہوں گے بشرطیکہ انکے قلوب اخلاص
خالص کی طاقت نہ رکھتے ہوں اور انکے نفوس نفس اعمال کے پابند رہیں نہ صرف
ان کاموں کے جو کسیقدر ملکات کی شرح ہوتے ہیں، پیشتر زمانہ کی حکمت میں
مندرج تھا کہ بعض صورت میں تو حیاء خیر ہے اور بعض صورت میں حیاء عاجزی
اور ضعف ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حیاء سب صورتوں میں عمدہ شئی
ہے پس نبی کا یہ فرمان ہماری مذکورہ بالا تقریر کی تائید کرتا ہے، اور ان میں سے
اکثر ایسے ہیں جن پر کبھی کبھی قوت ملکی کی بجلی چمک جاتی ہے لیکن ان میں اسکا ملکہ
نہیں ہوتا اور نہ ہی ایسی تجلی سے وہ بالکل ناواقف ہوتے ہیں ایسے لوگ وہ
ہیں جو خدا سے استغفار کرتے ہیں، برائیوں پر اپنے نفس کو ملامت کرتے ہیں،
اور وہ ہیں جو تنہائی میں خدا کو یاد کرتے ہیں اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری
ہو جاتے ہیں، اور ایسے لوگ وہ ہیں جن کا نفس برائی کا پابند نہیں ہو سکتا انکا
دل پرندوں کا سا ہوتا ہے، اسوجہ سے کہ یا تو ان کی فطرت ضعیف ہوتی ہے
یا قوت کو زائل کرنے والی کوئی شئی انکے مزاج میں پیدا ہو جاتی ہے جیسے کسی کو شکم
میں بیماری ہو یا مصیبتوں میں گرفتار ہو ایسے لوگوں کے مصائب انکے گناہوں
کا کفارہ ہو جاتے ہیں، حاصل کلام یہ ہے کہ اصحاب الیمین کو سابقین کی
دونوں خصلتوں میں سے ایک حاصل ہوتی ہے اور ایک حاصل نہیں ہوتی،
اصحاب الیمین کے بعد ان لوگوں کا درجہ ہے جنکو اصحاب الاعراف کہتے
ہیں ان کی بھی دو قسمیں ہیں، ایک قسم کے تو وہ لوگ ہیں جن کے مزاج صحیح
اور فطرت پاکیزہ ہے اور ان کو دعوت اسلام کی کچھ خبر نہیں ہوتی ہے یا خبر تو ہوئی
ہے لیکن اسطرح سے کہ وہ ان پر حجت نہ بن سکی اور نہ ہی اس سے انکے دلوں کا
شبہ دور ہو سکا اسواسطے ان لوگوں کو خسیس ملکات اور برے اعمال میں نہ تو

دخلت الاعمال والهيأت التي هي اشباح الملكات
الحسنة في جذر نفوسهم، وكثير منهم لا
يشترط في عمله الاخلاص التام والتبري
من مقتضى الطبع والعادة بالكلية
فيتصدقون بنية ممتزجة من دقة الطبع
ورجاء الثواب ويصلون لجريان سنة قومهم
على ذلك ولرجاء الثواب ويمتنعون من
الزنا وشرب الخمر خوفا من الله وخوفا
من الناس او لا يستطيعون اتباع العشيقات
ولا بذل الاموال في الملاهي فيقبل منهم
ذلك بشرط ان تضعف قلوبهم عن الاخلاص
الصرف وان تتمسك نفوسهم بالاعمال نفسها
لا بما هي شروح للملكات، وكان في الحكمة
الاولى ان من الحياء خيرا ومنه ضعفا، فقال
النبي صلى الله عليه وسلم الحياء خير كله، ينبه
على ما ذكرنا وكثير منهم يبرق عليهم بارقة
ملكية في اوقات يسيرة فلا يكون ملكة لهم
ولا يكونون اجنبيين عنها كالمستغفرين اللوامين
انفسهم وكالذي يذكر الله خاليا وفاضت عيناه
وكالذي لا تمسك نفسه الشر لضعف في جبلته
انما قلبه كقلب الطير او لتحلل طارئ على
مزاجه كالمبطون واهل المصائب كفرت بلاياهم
خطاياهم، وبالجملة فاصحاب اليمين فقدوا
احدى خصلتي السابقين وحصلوا الاخرى و
بعدهم جماعة تسمى باصحاب الاعراف وهم
جنسان، قوم صحت امزجتهم وزكت فطرتهم
ولم تبلغهم الدعوة الاسلامية اصلا او بلغته
ولكن بنحو لا تقوم به الحجة ولا تزول به
الشبهة فنشأوا غير منهمكين في الملكات

انہماک ہوتا ہے اور نہ ہی جناب حق کیطرف ان کی توجہ ہوتی ہے نہ اثباتاً
اور نہ نفیاً، یہ لوگ اپنے اکثر حالات میں دنیوی کاروبار میں مشغول رہتے
ہیں پس یہ لوگ جب مریں گے تو ایک کورانہ حالت کیطرف رجوع کرینگے
نہ ان کو عذاب ہوگا اور نہ ثواب یہاں تک کہ ان کی بہیمیت محو ہو جائے
اور پھر ملکی قوت کی بجلیوں میں سے کچھ ان پر چمکیں، اور دوسری قسم کے وہ لوگ
ہیں جن میں عقلی مادہ کم ہے جیسے اکثر لڑکے، دیوانے، کاشتکار اور غلام،
اور اکثر و بیشتر ان کے متعلق لوگوں کا یہ خیال ہوتا ہے کہ ان کو کوئی خوف نہیں
اور جب رسوم کی پابندی ان میں نہ ہو تو خود محض بے عقل رہ جاتے ہیں ایسے
لوگوں کے مومن ہونے میں اتنا ہی کافی ہے جتنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے سیاہ لونڈی کے لئے کافی سمجھا تھا، اس سے آں حضرت صلی اللہ علیہ
وسلم نے دریافت فرمایا۔ خدا کہاں ہے؟ اس نے آسمان کیجانب اشارہ
کیا۔ ایسے لوگوں سے یہی مقصود ہوتا ہے کہ مسلمانوں سے مشابہ رہیں تا کہ
کلمہ کی تفریق نہ ہو، لیکن وہ لوگ جو بری باتوں میں زندگی بسر کرتے ہیں
اور نامناسب طریقہ سے جناب حق کیطرف میلان کرتے ہیں تو ایسے لوگ
اصحاب جاہلیت ہیں جن کو مختلف صورتوں سے عذاب دیا جائے گا،
اصحاب اعراف کے بعد ایک اور جماعت ہے جن کو منافقین کہتے ہیں
ان کا نفاق عملی ہوتا ہے، ان لوگوں کی چند قسمیں ہیں، ان منافقین میں وہ
سعادت پیدا نہ ہوئی جس سے کمالِ مطلوب پورے طور پر حاصل ہو اسکی
وجہ یا تو یہ ہے کہ ان پر طبیعت کے حجاب غالب آگئے پس وہ برے
خصائل میں پڑے رہے جیسے کھانے و عورتوں کی خواہش ہے اور کینہ ہے،
ان کی طاعت نے ان کے گناہوں کو زائل نہیں کیا یا رسم کے حجاب
ان پر غالب آگئے اس وجہ سے رسوم جاہلیت یا بھائی بندیوں یا وطنوں
کو ترک کرنے کی جراءت نہ کر سکتے تھے، یا ان پر سوء معرفت اور کج فہمی
کا حجاب پڑ گیا جیسے اللہ تعالےٰ کے ساتھ اوروں کو تشبیہ دینے والے
یا عبادت اور استعانت میں خدا کے ساتھ اوروں کو شریک کر کے
شرک خفی کرنے والے جو اس بات کے قائل ہیں کہ شرک مبغوض
اسکے علاوہ کوئی اور ہے، یہ شرک ان امور میں ہوتا ہے جنکی مذہب میں
پوری تصریح نہیں اور نہ ہی ان کو بخوبی واضح اور روشن کیا گیا انہیں سے
بعض لوگ ضعیف المزاج، نحیف اور کمزور عقل کے ہوتے ہیں،

الخسيسة والاعمال المردية ولا ملتفتين الى
جناب الحق لا نفيا ولا اثباتا كان اكثر امرهم
الاشتغال بالارتفاقات العاجلة فاولئك اذا
ماتوا رجعوا الى حالة عمياء لا الى عذاب و لا
الى ثواب حتى تنفسخ بهيميتهم فيبرق عليهم
شئ من بوارق الملكية، وقوم نقصت عقولهم
كاكثر الصبيان والمعتوهين والفلاحين و
الارقاء وكثير يزعمهم الناس انهم لا باس
بهم واذا انقطع حالهم عن الرسوم بقوا لا
عقل لهم فاولئك يكتفى من ايمانهم بمثل
ما اكتفى رسول الله صلى الله عليه وسلم من
الجارية السوداء سالها اين الله؟ فاشارت
الى السماء انما يراد منهم ان يتشبهوا بالمسلمين
لئلا تتفرق الكلمة، اما الذين نشأوا منهمكين
في الرذائل والتفتوا الى جناب الحق على غير
الوجه الذي ينبغي ان يكون فهم اهل الجاهلية
يعذبون باصناف العذاب وبعدهم جماعة
تسمى بالمنافقين نفاق العمل وهم اجناس
لم تبلغ بهم السعادة الى وجود الكمال المامور
به على ما هو عليه اما غلب عليهم حجاب الطبيعة
فقنوا في ملكة رذيلة مثل شره الطعام والنساء
والحقد ما وضعت عنهم طاعتهم اوزارهم او
حجاب الرسم فلا يكادون يسمحون بترك رسوم
الجاهلية ولا بمهاجرة الاخوان والاوطان او
حجاب سوء المعرفة مثل المشبهة والذين
اشركوا بالله عبادة او استعانة شركا خفيا
زاعمين ان الشرك المبغض غير ما يفعلونه
وذلك فيما لم تنص فيه الملة ولم يكشف
عنه الغطاء، ومنهم اولو ضعف وسماجة و

جنکو خدا اور رسول کی محبت نے گناہوں سے باز نہ رکھا، جیسے اس شخص
کا قصہ جو خدا اور رسول سے دلی محبت رکھتا تھا اور شراب پیا کرتا تھا چنانچہ
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی محبت کی شہادت دی، اور ایک جماعت
ہے جسکو فاسقین کہتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن پر ملکات رذیلہ کی بہ نسبت برے
اعمال غالب ہیں، ان فاسقین میں سے بعض میں بہیمیت بہت زیادہ
ہوتی ہے وہ درندوں اور بہائم کی خواہشوں میں منہمک رہتے ہیں اور ان میں
سے بعض کے مزاج فاسد ہوتے ہیں اور ان کی رائیں لغو ہوتی ہیں، وہ بمنزلہ
اس مریض کے ہوتے ہیں جو مٹی اور جلی ہوئی روٹی کھانے کو پسند کرتا ہے، پس
ایسے لوگوں سے شیطانی امور سرزد ہوتے رہتے ہیں، فاسقین کے بعد درجہ
کفار کا ہے یہ وہ متمرد اور سرکش لوگ ہیں جنہوں نے باوجود کمال عقل اور صحیح
تبلیغ کے لا الہ الا اللہ کہنا بھی گوارا نہ کیا، یا شریعت انبیاء علیہم السلام
کے پھیلانے میں باری تعالیٰ کا جو ارادہ تھا اسکی مخالفت کی پس انہوں نے
لوگوں کو خدا کی راہ سے باز رکھا اور دنیوی زندگی پر قناعت کی اور دنیا کے
مابعد زندگی کی کچھ پرواہ نہیں کی، ایسے لوگ ابدی لعنت اور دائمی قید میں
رہیں گے، ان کفار میں سے اہل جاہلیت ہیں اور ان میں وہ منافق بھی
شامل ہے جو صرف زبان سے ایمان کا اظہار کرتا ہے اور اس کا دل
کفر خالص پر قائم ہے، واللہ اعلم۔

ستر ہواں باب (۶۹) - اس بیان میں کہ ایک ایسے مذہب کی ضرورت ہے جو اور مذاہب کا ناسخ ہو

تمام مذاہب جو روئے زمین پر موجود ہیں تم ان کی چھان بین کرو، کیا
تم ان امور میں جن کا ہم نے گذشتہ ابواب میں ذکر کیا ہے کچھ خلاف نظر
آتا ہے؟ بخدا ہرگز نہیں، بلکہ تمام مذاہب میں صاحب مذہب کی نسبت
اعتقاد، صداقت اور اس کی تعظیم ہوتی ہے، اسکی نسبت یہ اعتقاد ہوتا ہے
کہ وہ بڑا کامل اور بے نظیر ہے، اور اس اعتقاد کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ عبادات
میں لوگ اسکے استقلال کو دیکھتے ہیں یا اس سے خلاف عادت امور کے
ظہور کو دیکھتے ہیں یا اسکی دعاؤں کی مقبولیت کو دیکھتے ہیں، اور نیز مذاہب میں ایک
حصہ حدود، شرائع اور تعزیرات کا ہوتا ہے جنکے بغیر مذہب کا انتظام نہیں ہوسکتا،
پھر اسکے بعد ہمارے مذکورہ بالا اور انکے مماثل امور میں سے کچھ امور ایسے ہوتے ہیں

اهل مجون وسخافة لم ينفع حب الله وحب
رسوله فيهم التبرى عن المعاصى كقصة من
كان يشرب الخمر وكان يحب الله ورسوله بشهادة
النبى صلى الله عليه وسلم له، وجماعة تسمى
بالفاسقين وهم الذين يغلب عليهم اعمال
السوء اكثر من الملكات الرذيلة منهم اصحاب
بهيمية شديدة اندفعوا الى مقتضيات السبعية
والبهيمية، ومنهم اولو امزجة فاسدة وآراء
كاسدة بمنزلة المريض الذى يحب اكل الطين
والخبز المحترق فصاروا ايندفعون الى الشيطنة
وبعدهم الكفار وهم المردة المتمردة ابوا ان
يقولوا لا اله الا الله مع تمام عقلهم وصحة
التبليغ اليهم او ناقضوا ارادة الحق فى تمشية
امر الانبياء عليهم السلام فصدوا عن سبيل
الله واطمأنوا بالحياة الدنيا ولم يلتفتوا الى
ما بعدها فاولئك يلعنون لعنا مؤبدا و
يسجنون سجنا مخلدا، ومنهم اهل الجاهلية،
ومنهم المنافق الذى آمن بلسانه وقلبه
باق على الكفر الخالص والله اعلم.

باب الحاجة الى دين ينسخ الاديان

استقرى الملل الموجودة على وجه الارض
هل ترى من تفاوت عما اخبرتك فى الابواب
السابقة؟ كلا والله بل الملل كلها لا تخلو من
اعتقاد صدق صاحب الملة وتعظيمه وانه
كامل منقطع النظير لما رأوا منه من الاستقامة
فى الطاعات او ظهور الخوارق واستجابة الدعوات
ومن الحدود والشرائع والمزاجر مما لا تنتظم
الملة بغيرها ثم بعد ذلك امور تفيد الاستطاعة

جو عمل میں آسانی کی استطاعت پیدا کرتے ہیں،

ہر ایک قوم کا ایک طریقہ اور شریعت ہوتی ہے جس میں انکے بزرگوں کی عادت کا اتباع کیا جاتا ہے اور اسمیں ائمہ دین اور حاملین مذہب کی روش کو پسند کیا جاتا ہے پھر اس مذہب کی بنیادوں کو اور ارکان کو نہایت مستحکم کیا جاتا ہے حتیٰ کہ اس مذہب کے پیرو اسکی حمایت میں جنگ کرتے ہیں اور جان و مال اسکے لئے قربان کرتے ہیں، یہ جاں بازیاں نہایت مضبوط تدابیر اور پختہ مصلحتوں کی وجہ سے ہوتی ہیں جنکو عوام لوگ نہیں سمجھ سکتے اور جب ایک فرقہ کا مذہب جدا قرار پا جاتا ہے اور وہ اپنے طریقے مقرر کر لیتے ہیں اور اسکے مخالف امور کی اپنی زبانوں سے مدافعت کرتے ہیں اور اپنی تلوار ولسے اسکے لئے مقاتلہ کرتے ہیں اور پھر ان میں اسوجہ سے بے اعتدالی پیدا ہو جاتی ہے کہ جو شخص ملت کے قیام کی صلاحیت نہیں رکھتا وہ اسکا سربراہ کار ہو جاتا ہے، یا نئے نئے طریقے اسمیں خلط ملط ہو جاتے ہیں اور اسمیں ملکر پوشیدہ ہو جاتے ہیں، یا حاملین ملت اشاعتِ مذہب میں سست ہو جاتے ہیں تو ان اسباب سے لوگ مذہب کے اکثر حصہ کو چھوڑ دیتے ہیں اور کچھ نام ونشان باقی رہ جاتا ہے جس سے حالت کا پتہ نہیں چلتا، اور ہر ایک مذہب والا اپنے مخالف مذہب کو برا بھلا کہتا ہے، اسکا انکار کرتا ہے اور اسکے خلاف قتال کرتا ہے اور حق پوشیدہ ہو جاتا ہے تب ایک ایسے کامل رہنما کی ضرورت ہوتی ہے جو تمام مذاہب سے ایسا ہی معاملہ کرے جیسا کہ ہدایت یافتہ خلیفہ ظالم بادشاہوں کے ساتھ کرتا ہے اور تم اسمیں غور کرو جسکو کتاب "الکلیلۃ والدمنہ" کے مترجم نے جسکا اس نے ہندی سے فارسی میں ترجمہ کیا ہے مذاہب کے خلط ملط ہونے کے متعلق ذکر کیا ہے، مترجم نے قصد کیا تھا کہ درست اور صحیح بات ثابت ہو جائے لیکن سوائے قدر قلیل کے وہ اسکو نہ کر سکا، اسی طرح مؤرخین کے اس بیان میں غور کرو جو زمانہ جاہلیت کے حالات اور ان کے مذاہب کی ابتری سے متعلق ہے، اس امام کو جو تمام فرقوں کو ایک مذہب پر جمع کرنا چاہتا ہے علاوہ ان اصول امامت کے جو پیشتر مذکور ہو چکے ہیں اور اصول کی بھی ضرورت پڑتی ہے، انہیں سے ایک یہ ہے کہ وہ لوگوں کو راہِ راست کیطرف بلائے انکے نفوس کا تزکیہ کرے اور انکی حالت کو درست کرے، پھر انکو بمنزلہ اپنے اعضاء کے بنالے تاکہ انکے ذریعہ تمام عالم میں جہاد کرے اور انکو دنیا میں پھیلا دے، چنانچہ خدا کے اس قول میں یہی مراد ہے "تم بہترین امت ہو جو لوگوں کی تکمیل کیلئے پیدا کئے گئے ہو" اور یہ اسلئے ہے کہ یہ امام خود تنہا بے شمار قوموں سے

الميسرة مما ذكرنا وما يضاهيه ولكل قوم سنة وشريعة يتبع فيها عادة اوائلهم ويختار فيها سيرة حملة الملة وائمتها ثم احكم بنيانها وتشدد اركانها حتى صار اهلها ينصرونها ويتناضلون دونها ويبذلون الاموال والمهج لاجلها وما ذلك الا لتدبيرات محكمة ومصالح متقنة لا تبلغها نفوس العامة ولما انفرز كل قوم بملة وانتحلوا سننا وطرائق وناضلوا دونها بالسنتهم وقاتلوا عليها باسنتهم ووقع فيهم الجور اما لقيام من لا يستحق اقامة الملة بها او لاختلاط الشرائع الابتداعية ودسها فيها او لتهاون حملة الملة فاهملوا كثيرا مما ينبغي فلم تبق الا دمنة لم تتكلم من ام اوفى ولامت كل ملة اختها وانكرت عليها وقاتلتها واختفى الحق مست الحاجة الى امام راشد يعامل مع الملل معاملة الخليفة الراشد مع الملوك الجائرة، ولك عبرة فيما ذكره ناقل كتاب الكليلة والدمنة من الهندية الى الفارسية من اختلاط الملل وانه اراد ان يتحقق الصواب فلم يقدر الا على شئ يسير وفيما ذكره اهل التاريخ من حال الجاهلية واضطراب اديانهم وهذا الامام الذى يجمع الامم على ملة واحدة يحتاج الى اصول اخرى غير الاصول المذكورة فيما سبق، منها ان يدعو قوما الى السنة الراشدة ويزكيهم ويصلح شانهم ثم يتخذهم بمنزلة جوارحه فيجاهد اهل الارض ويفرقهم فى الآفاق وهو قوله تعالى كنتم خير امة اخرجت للناس وذلك لان هذا الامام نفسه لا يتأتى منه مجاهدة امم غير محصورة واذا كان كذلك

تو ضروری ہے کہ اسکی شریعت کا مادہ تمام معتدل اقالیم کے باشندوں کیلئے
اور تمام عرب و عجم کے لئے بمنزلہ طبعی مذہب کے ہو اسکے بعد وہ مادہ
شریعت اسکی قوم کے علوم و اتفاقات کے موافق ہو اور اس میں بہ نسبت دوسروں
کے اسکی قوم کی حالت کا زیادہ لحاظ رکھا گیا ہو، پھر تمام لوگوں کو اس شریعت
کی پیروی کا حکم دیا جائے کیونکہ یہ نہیں ہو سکتا کہ ہر ہر قوم کی حالت کو اسی کے
سپرد کر دیا جائے یا ہر زمانہ کے اماموں پر اسکو چھوڑ دیں اسلئے کہ اس سے
شریعت مقررہ بے سود ہو جاتی ہے اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ ہر ہر قوم کے حالات
و عادات دیکھ کر ہر ایک کیلئے جداگانہ شریعت مقرر کیجائے اسلئے کہ انکی
عادات اور ان کے حالات کا احاطہ کرنا باوجود ان کے شہر اور مذاہب کے
اختلاف کے محال کے درجہ میں ہے۔ حالانکہ تمام نقل کرنیوالے صرف
ایک شریعت کے نقل کرنے میں آجز آگئے ہیں تو مختلف شرائع کی نسبت
تم کیا خیال کر سکتے ہو، اور نیز اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک مدت دراز کے بعد دوسرے
لوگ شریعت کے مطیع ہوتے ہیں جس کے لئے نبی کی عمر وفا نہیں کرتی اس
وقت کی موجودہ شریعتوں میں ایسا ہی ہوا ہے، یہود، نصاریٰ اور مسلمانوں
کے متقدمین میں سے ایک مختصر سی جماعت ہی ایمان لائی تھی پھر اسکے بعد
ان کو غلبہ حاصل ہو گیا تھا۔ تو اس سے زیادہ عمدہ اور آسان طریقہ نہیں ہے
کہ شرائع، حدود اور تدابیر میں اسی قوم کی عادت کا اعتبار کیا جائے جسکی
طرف رسول مبعوث ہوا ہے۔ اور یہ کہ ان کے بعد دوسرے آنے والوں
پر یہ امور بالکل تنگی کا باعث نہ ہوں گو کسی قدر ان پر تنگی رہے،

متقدمین کے لئے تو اس شریعت کو قبول کرنا اپنی دلی شہادت
اور اپنی عادات کی وجہ سے آسان ہو جاتا ہے اور متاخرین کے لئے اس
شریعت کا اختیار کرنا اس مذہب کے ائمہ اور خلفاء کی سیرتوں میں رغبت
رکھنے کی وجہ سے سہل ہو جاتا ہے کیونکہ یہ امر ہر قوم کے لئے ہر زمانہ میں
خواہ قدیم ہو یا جدید بمنزلہ امر طبعی کے ہے،

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تمام ممالک جو مزاج
معتدل کی تولید کی صلاحیت رکھتے ہیں دو بڑے بادشاہوں کے
ماتحت تھے، ایک ان میں سے کسریٰ جو ملک عراق، یمن
خراسان اور ان کے متصل ملکوں کا بادشاہ تھا

وجب ان تكون مادة شريعته ما هو بمنزلة
المذهب الطبيعي لاهل الاقاليم الصالحة
عربهم وعجمهم ثم ما عند قومه من العلوم
والارتفاقات ويراعى فيه حالهم اكثر من غيرهم
ثم يحمل الناس جميعا على اتباع تلك الشريعة
لانه لا سبيل الى ان يفوض الامر الى كل قوم
او الى ائمة كل عصر اذ لا يحصل منه فائدة
التشريع اصلا ولا الى ان ينظر ما عند كل
قوم ويمارس كلا منهم فيجعل لكل شريعة
اذ الاحاطة بعاداتهم وما عندهم على اختلاف
بلدانهم وتباين اديانهم كالممتنع وقد عجز
جمهور الرواة عن رواية شريعة واحدة فما
ظنك بشرائع مختلفة والاكثر انه لا يكون
انقياد الآخرين الا بعد عدد ومدد لا يطول
عمر النبي اليها كما وقع في الشرائع الموجودة
الآن فان اليهود والنصارى والمسلمين ما آمن
من اوائلهم الا جمع ثم اصبحوا ظاهرين بعد
ذلك فلا احسن ولا ايسر من ان يعتبر
في الشعائر والحدود والارتفاقات عادة
قومه المبعوث فيهم ولا يضيق كل التضييق
على الآخرين الذين يأتون بعد ويبقى عليهم في
الجملة والاولون يتيسر لهم الاخذ بتلك
الشريعة بشهادة قلوبهم وعاداتهم والآخرون
يتيسر لهم ذلك بالرغبة في سير ائمة الملة و
الخلفاء فانها كالامر الطبيعي لكل قوم في كل
عصر قديما او حديثا والاقاليم الصالحة
لتولد الامزجة المعتدلة كانت مجموعة تحت
ملكين كبيرين يومئذ، احدهما كسرى، و
كان متسلطا على العراق واليمن وخراسان

اور ماوراء النہر اور ہند کے بادشاہ اسکے محکوم تھے، ہر سال وہ کسریٰ کو خراج بھیجتے تھے اور دوسرا قیصر جو شام، روم اور ان کے قرب وجوار کے ملکوں پر مسلط تھا، مصر مغرب اور افریقہ کے بادشاہ اسکے زیر فرمان اور باج گزار[1] تھے، اسی وجہ سے ان دونوں شہنشاہوں کی طاقت کو متزلزل کر دینا اور ان کے ممالک پر قبضہ کر لینا گویا تمام روئے زمین پر قبضہ کر لینا تھا، ان سلاطین کے عادات واطوار جو آسائش سے متعلق تھے تمام ان کے ماتحت ملکوں میں پھیل گئے تھے پس ان عادات کو تبدیل کرنا اور ایسی حرکات سے ان کو باز رکھنا گویا تمام ملکوں کی عادات پر تنبیہ کر دینا تھا اگرچہ بعد میں ان کے امور مختلف ہو گئے۔ اور حضرت عمرؓ نے جب عجم کی لڑائیوں میں ہرمزان سے مشورہ لیا تھا تو کسیقدر اس حالت کا اس نے ذکر کیا تھا۔ ان کے علاوہ اطراف دنیا جو اعتدال مزاجی سے دور تھے مصلحتِ کلی میں قابل اعتبار نہ تھے اسی وجہ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تک ترک تم سے کنارہ کریں تم بھی ان سے تعرض نہ کرو اور اہل حبش جب تک تم سے نہ لڑیں تم ان سے نہ لڑو"۔

حاصل یہ ہے کہ جب خداوند عالم نے ارادہ کیا کہ مذہب کی کجی کو دور کر دے اور لوگوں کے لئے ایسا گروہ پیدا کر دے جو لوگوں کو نیک امور بتلائے اور برائیوں سے روکے اور لوگوں کی خراب رسموں کو بدل ڈالے تو ایسا انتظام دونوں دولتوں کے زوال پر موقوف تھا اور ان دونوں سلطنتوں کے حال پر تعرض کرنے سے بہ سہولت حاصل ہو سکتا تھا، کیونکہ انہی کی حالتیں تمام عمدہ ملکوں میں سرایت کر گئی تھیں یا سرایت کرنے کے قریب تھیں اس واسطے خدا تعالےٰ نے ان دونوں سلطنتوں کا زوال مقدر کر دیا اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا کہ کسریٰ ہلاک ہو گیا اب کوئی کسریٰ اسکے بعد نہ ہوگا اور قیصر ہلاک ہو گیا اب کوئی قیصر اسکے بعد نہ ہوگا، اور اس حق کو نازل کیا جو تمام دنیا کی بیہودگی کو دور کرے اس طور سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے ذریعہ عرب کی اصلاح کی گئی،

[1] اسوقت کی یورپ کی سلطنتیں جیسے فرانس، انگلینڈ، جرمنی، اٹلی وغیرہ بہت چھوٹی چھوٹی سلطنتیں تھیں اور اکثر قیصر کے ماتحت رہا کرتی تھیں، ۱۲ ـ

وما وليهما، وكانت ملوك ما وراء النهر والهند تحت حكمه يجبى اليه منهم الخراج كل سنة، والثانى قيصر وكان متسلطا على الشام والروم وما وليهما وكان ملوك مصر والمغرب والافريقية تحت حكمه يجبى اليه منهم الخراج، وكان كسر دولة هذين الملكين والتسلط على ملكهما بمنزلة الغلبة على جميع الارض وكانت عاداتهم فى الترفه سارية فى جميع البلاد التى هى تحت حكمهما وتغيير تلك العادات وصدهم عنها مفضيا فى الجملة الى تنبيه جميع البلاد على ذلك وان اختلفت امورهم بعده، وقد ذكر الهرمزان شيئا من ذلك حين استشاره عمر رضى الله عنه فى غزوة العجم، اما سائر النواحى البعيدة عن اعتدال المزاج فليس بها كثير اعتداد فى المصلحة الكلية ولذلك قال النبى صلى الله عليه واله وسلم اتركوا الترك ما تركوكم ودعوا الحبشة ما ودعوكم، وبالجملة فلما اراد الله تعالى اقامة الملة العوجاء وان يخرج للناس امة تامرهم بالمعروف وتنهاهم عن المنكر وتغيير رسومهم الفاسدة كان ذلك موقوفا على زوال دولة هذين متيسرا بالتعرض لحالهما فان حالهما يسرى فى جميع الاقاليم الصالحة او يكاد يسرى فقضى الله بزوال دولتهما واخبر النبى صلى الله عليه وسلم بان هلك كسرى فلا كسرى بعده وهلك قيصر فلا قيصر بعده ونزل الحق الدامغ لباطل جميع الارض فى دمغ باطل العرب بالنبى صلى الله عليه وسلم واصحابه

اور عرب کے ذریعہ ان دونوں سلطنتوں کی بیہودگی رفع کیجائے اور پھر ان دونوں کے ذریعہ سے تمام عالم کو دروغ اور ناراستی سے پاک صاف کر دیا جائے
اور امام کے لئے جن اصول کی ضرورت پڑتی ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ خلافت عامہ کا بھی انتظام کرتا رہے اور اپنے بعد خلفاء اپنے ہی اہل شہر اور قوم میں سے مقرر کرے جن کا نشو ونما انہیں عادات اور طریقوں پر ہوا ہے کیونکہ آنکھیں سیاہ کرنا سرمہ لگانے کے مانند[1] نہیں، اور لوگوں میں خاندانی حمیت اور غیرت کے ساتھ مذہبی حمیت بھی ہوتی ہے اور ان کی شان اور رتبہ کی بلندی صاحب مذہب کی شان اور اسکے مرتبہ کی بلندی سمجھی جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" امام خاندان قریش سے ہونے چاہئیں" امام ہمیشہ خلفاء کو دین کے قائم کرنے اور شائع کرنے کی ہدایت کرتا رہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ تمہارا دین برباقی رہنا اسوقت تک ہو جبتک تمہارے ائمہ تمہارے ساتھ ٹھیک ٹھیک پیش آتے رہیں،

اور ان اصول میں سے یہ بھی ہے کہ امام اپنے مذہب کو سب مذاہب پر غالب کرے اور کسی شخص کو ایسا نہ چھوڑے جس پر دین غالب نہ ہو جائے خواہ اس میں کسی کی عزت ہو یا ذلت، پس لوگ تین درجہ کے ہو جائینگے ایک وہ جو ظاہرًا و باطنًا دین کے فرماں بردار ہونگے، دوسرے وہ جو مجبورًا ظاہر میں اسکی اطاعت کریں گے اور اس سے مخالفت نہ کر سکیں گے، تیسرے کفار ذلیل، جن کو کھیتی کاٹنے، اناج نکالنے اور تمام کاموں میں امام اسی طرح مسخر اور ذلیل بنا کر رکھے گا جیسے چار پائے کھیتی اور بوجھ لادنے کے کام میں آتے ہیں، اور ایسے لوگوں پر ذلت کی کوئی بات ضرور مقرر کیجائے گی اور ان سے بحالت ذلت جزیہ وصول کیا جائیگا،

دوسرے مذاہب پر ایک دین کے غالب آجانے کے چند اسباب ہوتے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ تمام مذاہب کے شعاروں پر اپنے مذہب کے شعار کا اعلان کرے، اور مذہبی شعار ایک امر ظاہری ہوتا ہے جو اس مذہب کے ساتھ خاص ہوتا ہے اسی کی وجہ سے یہ مذہب والا دوسرے مذاہب سے ممتاز ہوتا ہے مثلاً ختنہ، مسجدوں کی تعظیم، اذان، جمعہ اور جماعات۔ اور ان اسباب میں سے ایک یہ ہے کہ صاحب مذہب اپنے لوگوں کو تمام ادیان کے شعائر عمل میں لانے سے روک دے، اور ان اسباب میں سے ایک یہ ہے

ودمغ باطل هذين الملكين بالعرب ودمغ سائر البلاد بملئهما ولله الحجة البالغة ومنها ان يكون تعليمه الدين اياهم مضموما الى القيام بالخلافة العامة وان يجعل الخلفاء من بعده اهل بلده وعشيرته الذين نشؤا على تلك العادات والسنن وليس التكحل فى العينين كالكحل، ويكون الحمية الدينية فيهم مقرونة بالحمية النسبية ويكون علو امرهم منباهة شانهم علوا لامر صاحب الملة ونباهة لشانه وهو قوله صلى الله عليه وآله وسلم الائمة من قريش، ويوصى الخلفاء باقامة الدين واشاعته وهو قول ابى بكر الصديق رضى الله عنه بقاؤكم عليه ما استقامت بكم ائمتكم، ومنها ان يجعل هذا الدين غالبا على الاديان كلها ولا يترك احدا الا قد غلبه الدين بعز عزيز او ذل ذليل فينقلب الناس ثلاث فرق، منقاد للدين ظاهرا وباطنا، ومنقاد بظاهره على رغم انفه لا يستطيع التحول عنه، وكافر مهان يسخره فى الحصاد والدياس وسائر الصناعات كما تسخر البهائم فى الحرث وحمل الاثقال ويلزم عليه سنة زاجرة ويؤتى الجزية عن يد وهو صاغر

وغلبة الدين على الاديان لها اسباب منها اعلان شعائره على شعائر سائر الاديان وشعائر الدين امر ظاهر يختص به يمتاز صاحبه به من سائر الاديان كالختان وتعظيم المساجد والاذان والجمعة والجماعات ومنها ان يقبض على ايدى الناس ان لا يظهروا شعائر سائر الاديان، ومنها ان

[1] یعنی اصل اور نقل میں بڑا فرق ہوا کرتا ہے، ۱۲۔

کہ قصاص میں، دیتوں میں، نکاحوں میں، ریاستوں کے انتظام میں کافروں کو مسلمانوں کے ہمسر نہ کرے تاکہ یہ امور ان کو ایمان پر مجبور کریں،

اور ان اسباب میں سے ایک یہ ہے کہ لوگوں کو نیکی اور بدی کے اعمالِ ظاہری کی تکلیف دے اور لوگوں پر ان اعمال کی سخت پابندی کرادے اور ان کی ارواح کیطرف زیادہ اشارہ نہ کرے اور شریعت کی کسی بات میں ان کو خود مختار نہ کرے، شرائع کے علم اسرار کو جو تفصیلی احکام کا ماخذ ہے عام لوگوں سے مخفی رکھے جس کا پتہ راسخ العلم ہی لگا سکے اسواسطے کہ اکثر مکلفین نہ تو ان مصالح کو معلوم کرسکتے ہیں اور نہ ہی انکی معرفت کی استطاعت ان کو حاصل ہوسکتی ہے جب تک کہ ان مصالح کے قواعد منضبط نہ کردیئے جائیں اور وہ بمنزلہ محسوسات کے ہوجائیں کہ ہر حاصل کرنیوالا ان کو حاصل کرسکے پس اگر کسی امر کے چھوڑنے کی ان کو اجازت دیدیجائے یا ان کو یہ بتلادیا جائے کہ مقصود اصلی ان ظاہری اعمال کے سوا کوئی اور امر ہے تو انکے واسطے غور کرنے کے مواقع وسیع ہوجائیں گے اور وہ نہایت سخت اختلاف میں مبتلا ہوجائینگے، اور لوگوں کے متعلق خدا تعالےٰ کا جو مقصود ہے وہ حاصل نہ ہوسکے گا، واللہ اعلم،

منجملہ ان اسباب کے یہ ہے کہ تلوار کے ذریعہ محض غلبہ پانے سے لوگوں کے دلوں کے شبہات دور نہیں ہوسکتے پس احتمال رہتا ہے کہ کچھ عرصہ بعد پھر وہ کفر کیطرف رجوع کرجائیں،۔ اسواسطے امام کیلئے ضروری ہے کہ یقینی اور قطعی دلائل کے ذریعہ یا خطابی امور کے ذریعہ جو عام لوگوں کے اذہان میں مفید ہوں یہ ثابت کردے کہ اور مذاہب اتباع کے قابل نہیں ہیں اسلئے کہ وہ کسی معصوم شخص سے منقول نہیں ہیں یا وہ قواعد ملت کے مطابق نہیں ہیں یا ان میں تحریف اور تبدیلی واقع ہوگئی ہے، اور بعض امور بے موقع ہیں اور سب لوگوں کے سامنے دین اسلام کی صحت اور اسکے مرجحات کو صاف صاف بیان کردے کہ یہ دین آسان اور صاف ہے اور اسکے احکام واضح ہیں جن کی خوبیاں عقل معلوم کرسکتی ہے اور اسکی رات بمنزلہ دن کے ہے[1]، اور اسکے طریقے عام لوگوں کو زیادہ نافع ہیں اور انبیاء سابقین کی سیرتوں میں سے جو امور لوگوں میں باقی ہیں ان کے ساتھ یہ دین زیادہ مشابہ ہے اور اسی جیسی تفاصیل امام کو واضح کرنا چاہیئے، واللہ اعلم،

لایجعل المسلمین اکفاء للکافرین فی القصاص والدیات ولا فی المناکحات ولا فی القیام بالریاسات لیلجئهم ذلك الی الایمان الجاء، ومنها ان یکلف الناس باشباح البر والاثم ویلزمهم ذلك التزاما عظیما ولا یلوح لهم بارواحها کثیر تلویح ولا یخیرهم فی شیء من الشرائع ویجعل علم اسرار الشرائع الذی هو ماخذ الاحکام التفصیلیة علما مکنونا لا یناله الا من ارتسخت قدمه فی العلم وذلك لان اکثر المکلفین لا یعرفون المصالح ولا یستطیعون معرفتها الا اذا ضبطت بالضوابط وصارت محسوسة یتعاطاها کل متعاط فلو رخص لهم فی ترك شیء منها او بین ان المقصود الاصلی غیر تلك الاشباح لتوسع لهم مذاهب الخوض ولاختلفوا اختلافا فاحشا ولم یحصل ما اراد الله فیهم والله اعلم، ومنها انه لما کانت الغلبة بالسیف فقط لاتدفع رین قلوبهم فعسی ان یرجعوا الی الکفر عن قلیل وجب ان یثبت بامور برهانیة او خطابیة نافعة فی اذهان الجمهور ان تلك الادیان لا ینبغی ان تتبع لانها غیر ماثورة عن المعصوم او انها غیر منطبقة علی قوانین الملة او ان فیها تحریفا ووضعا للشیء فی غیر موضعه ویصیح ذلك علی رءوس الاشهاد ویبین مرجحات الدین القویم من انه سهل سمح وان حدوده واضحة یعرف العقل حسنها وان لیلها نهارها وان سننها انفع للجمهور واشبه بما بقی عندهم من سیرة الانبیاء السابقین علیهم السلام وامثال ذلك والله اعلم

[1] یعنی دین اسلام میں مشتبہ امر بھی بالکل واضح ہے ۱۲،

اٹھارہواں باب :- دین کو تحریف سے محفوظ اور مضبوط کرنے کا بیان

اس شخص کے لئے جو نہایت بڑے انتظام کا مالک ہے خدا کیطرف سے ایسے دین کو لاتا ہے جو تمام مذاہب کا ناسخ ہے، یہ امر ضروری ہے کہ وہ اپنے مذہب کو اسطرح پختہ کرے کہ کسی قسم کی تحریف کا اس تک گذر نہ ہو سکے اور یہ اسلئے کہ یہ شخص متفرق جماعتوں کو شامل کرتا ہے جنکی استعدادیں اور اغراض مختلف ہوا کرتی ہیں، پس بسا اوقات ان کی ہوائے نفسانی یا اس مذہب کی الفت جس میں وہ پہلے رہ چکے ہیں، یا قصور فہم کہ کسی شئی کو وہ سمجھ لیتے ہیں اور اسکی اکثر مصلحتیں ان کو معلوم نہیں ہوتیں یہ امور ان کو آمادہ کرتے ہیں کہ مذہب کے مخصوص مسائل میں فروگذاشت کریں، یا جو چیزیں اس مذہب میں شامل نہیں ہیں ان کو مندرج کر دیں اسلئے اس مذہب میں خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں جیسا کہ گذشتہ مذاہب میں ایسا ہی ہوا ہے، اور جبکہ خرابیوں کے تمام طریقوں کا ضبط کرنا ناممکن تھا کیونکہ وہ حصر میں نہیں آسکتے اور نہ ہی ان کی تعیین ہو سکتی ہے اور یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ جو بتمامہ حاصل نہ ہو وہ بالکل چھوڑا بھی نہ جائے تو یہ ضروری ہے کہ اجمالی طور پر تحریف کے اسباب سے ان کو خوب متنبہ کر دے اور ان مسائل کو متعین کر دے جن میں ظن اور تخمین سے یہ معلوم ہو گیا ہے کہ ان میں سستی اور تحریف کرنا بنی آدم میں ایک استمراری بیماری ہے، پس ان میں فساد کے راستے کو نہایت اہتمام سے بند کر دے اور ایک ایسی شئی کو مشروع قرار دے جو تمام مذاہب فاسدہ کے مالوف کے خلاف ہو ایسے امر میں جو لوگوں کے نزدیک سب سے زیادہ مشہور ہو جیسا کہ مثلاً نمازیں ہیں،

منجملہ اسباب تحریف کے ایک سستی ہے اور اس سستی کی حقیقت یہ ہے کہ حواریوں کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہو جاتے ہیں جو نمازوں کو تباہ کرتے ہیں اور اپنی خواہشوں کا اتباع کرتے ہیں، درس و تدریس اور عمل کے ذریعہ اشاعتِ دین میں کچھ بھی سعی نہیں کرتے نہ وہ لوگوں کو نیکی کی تعلیم کرتے ہیں اور نہ برائی سے انکو روکتے ہیں اسی واسطے بہت جلد مذہب کے خلاف رسمیں قائم ہو جاتی ہیں اور لوگوں کی طبیعتیں ان امور کی طرف ہو جاتی ہیں جو شرائع کے خلاف ہوتے ہیں، ان کے بعد اور ناخلف پیدا ہوتے ہیں جو سستی میں ان سے بھی بڑھ کر ہوتے ہیں یہاں تک کہ علم مذہب کا بڑا حصہ بھلا دیا جاتا ہے،

باب احکام الدين من التحريف

لابد لصاحب السياسة الكبرى الذى ياتى من الله بدين ينسخ الاديان من ان يحكم دينه من ان يتطرق اليه تحريف وذلك لانه يجمع امما كثيرة ذوى استعدادات شتى واغراض متفاوتة فكثيرا ما يحملهم الهوى او حب الدين الذى كانوا عليه سابقا او الفهم ناقص حيث عقلوا شيئا وغابت مصالح كثيرة ان يهملوا ما نصت الملة عليه او يدسوا فيها ما ليس منها فيختل الدين كما قد وقع فى كثير من الاديان قبلنا، ولما لم يمكن الاستقصاء فى معرفة مداخل الخلل فانها غير محصورة ولا متعينة وما لا يدرك كله لا يترك كله وجب ان ينذرهم من اسباب التحريف اجمالا اشد الانذار ويخص مسائل قد علم بالحدس وان التهاون والتحريف فى مثلها او بسببها داء مستمر فى بنى آدم فيسد مدخل الفساد منها بالتوجه وان يشرع شيئا يخالف مالوف الملل الفاسدة فيما هو اشهر الاشياء عندهم كالصلوات مثلا

ومن اسباب التحريف التهاون وحقيقته ان يخلف بعد الحواريين خلف اضاعوا الصلوة واتبعوا الشهوات لا يهتمون باشاعة الدين تعلما وتعليما وعملا ولا يأمرون بالمعروف ولا ينهون عن المنكر فينعقد عما قريب رسوم خلاف الدين وتكون رغبة الطبائع خلاف رغبة الشرائع فيجئ خلف آخرون يزيدون فى التهاون،

بزرگانِ قوم اور رؤسا کی سُستی لوگوں کے حق میں زیادہ ضرر رساں اور باعث فساد ہوتی ہے اسی سبب سے حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کا مذہب نیست و نابود ہوگیا اور اب لوگوں میں سے کوئی بھی ان مذاہب کی اصلی حالت کو جاننے والا نہ رہا، اور سستی کے اسباب چند امور ہیں ؛

ازانجملہ صاحب مذہب سے مذہبی امور کا نقل نہ کرنا اور ان پر عمل نہ کرنا ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں یہی مراد ہے "ہوشیار ہو جاؤ عنقریب ایسا ہوگا کہ پیٹ بھرا آدمی اپنی مسند پر بیٹھ کر یہ کہے گا، اس قرآن کو مضبوطی سے لو پس جو چیز تم قرآن میں حلال پاؤ ان کو حلال سمجھو اور جو حرام پاؤ ان کو حرام سمجھو، حالانکہ جو شئی رسول اللہ نے حرام کی ہے وہ ویسی ہی حرام ہے جیسی خدا تعالےٰ نے حرام کی ہے" اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "خدا تعالےٰ علم کو لوگوں کے دلوں سے بھلا کر دور نہ کرے گا بلکہ علماء کو ختم کر کے علم کو چھین لیگا یہاں تک کہ جب کوئی عالم ہی باقی نہ رکھے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے، لوگ ان سے مسائل دریافت کریں گے وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے اسلئے خود بھی گمراہ ہونگے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے"

اور سستی کے اسباب میں سے ایک سبب اغراض فاسدہ ہیں جن کی خاطر لوگ جھوٹی تاویلیں کرتے ہیں جیسے بادشاہوں کی خوشنودی کی خاطر ان کی خواہش نفسانی پورا کرنے کیلئے لوگ ایسا کرتے ہیں، خدا تعالےٰ فرماتا ہے "جو لوگ کتاب الٰہی کے احکام کو جو منزل من اللہ ہیں چھپاتے ہیں اور ان کے عوض کچھ قیمت لیتے ہیں وہ اپنے شکموں میں آگ کو کھاتے ہیں" اور ان اسباب میں سے ایک سبب یہ ہے کہ لوگوں میں برائیاں پھیل جاتی ہیں اور علماء ان سے لوگوں کو باز نہیں رکھتے اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے "پس تم سے پہلی نسلوں میں سے اہل فضل زمین میں فساد پیدا کرنے سے منع کرنے والے کیوں نہ ہوئے سوائے ان چند لوگوں کے جن کو انمیں سے ہم نے بچالیا اور ظالم اسی چیز کے پیچھے پڑے جس میں ان کو فارغ البالی دی گئی تھی اور وہ مجرم بن گئے" اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "جب بنی اسرائیل گناہوں میں مبتلا ہوگئے تو ان کے علماء نے ان کو روکا لیکن وہ باز نہ آئے پس علماء بھی ان کی مجلسوں میں شریک ہونے لگے اور ان کے ساتھ کھانے پینے لگے تو خدا نے سب کے دل یکساں کردیے

حتی ینسی معظم العلم، والتهاون من ساقة القوم وكبرائهم اضرّ بهم واكثر افسادا، و بهذا السبب ضاعت ملة نوح وابراهيم عليهما السلام فلم يكد يوجد منهم من يعرفها على وجهها ومبدأ التهاون امور؛

منها عدم تحمل الرواية عن صاحب الملة والعمل به وهو قوله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم "الا يوشك رجل شبعان على اريكته يقول عليكم بهذا القرآن فما وجدتم فيه من حلال فاحلوه وما وجدتم فيه من حرام فحرموه وان ما حرم رسول الله كما حرم الله" وقوله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ان الله لا يقبض العلم انتزاعا ينتزعه من الناس ولكن يقبض العلم بقبض العلماء حتى اذا لم يبق عالما اتخذ الناس رؤساء جهالا فسئلوا فافتوا بغير علم فضلوا واضلوا، ومنها الاغراض الفاسدة الحاملة على التاويل الباطل كطلب مرضاة الملوك فى اتباعهم الهوى لقوله تعالى ان الذين يكتمون ما انزل الله من الكتاب ويشترون به ثمنا قليلا اولئك ما ياكلون فى بطونهم الا النار، ومنها شيوع المنكرات وترك علمائهم النهى عنها وهو قوله تعالى فلولا كان من القرون من قبلكم اولوا بقية ينهون عن الفساد فى الارض الا قليلا ممن انجينا منهم واتبع الذين ظلموا ما اترفوا فيه وكانوا مجرمين، وقوله صلى الله عليه وسلم لما وقعت بنو اسرائيل فى المعاصى نهتهم علماؤهم فلم ينتهوا فجالسوهم فى مجالسهم وآكلوهم وشاربوهم فضرب الله قلوب بعضهم ببعض

اور حضرت داؤد و حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی زبان سے ان پر لعنت کی، یہ لعنت ان کی نافرمانی اور حد سے تجاوز کرنے کی وجہ سے ہوئی، اور تحریف کے اسباب میں سے ایک سبب تعمق ہے اسکی حقیقت یہ ہے کہ شارع کسی شئی کا حکم کرتا ہے اور کسی چیز سے ممانعت کرتا ہے پس اسکی امت کا کوئی شخص اسکو سنتا ہے اور اپنے ذہن کے موافق اسکو سمجھتا ہے پس وہ اس حکم کو ان امور میں تجویز کرتا ہے جو کسی وجہ سے اصل شئی کے مشابہ ہوتے ہیں یا ان میں اس حکم شرعی کی علت کے بعض اجزاء پائے جاتے ہیں یا شارع کے حکم کو اس شئی کے اجزاء میں یا اسکے محتمل مواقع یا اسکے اسباب میں بھی تجویز کرتا ہے اور روایتوں کے تعارض کیوجہ سے جب اسکو کسی امر میں شبہ ہو جاتا ہے تو وہ نہایت استحکام کی پابندی کرتا ہے اور اسکو واجب قرار دیتا ہے، اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام افعال کو عبادت پر محمول کرتا ہے حالانکہ حق بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے کام حسب عادت بھی کئے ہیں پس اسکا یہی خیال رہتا ہے کہ امر اور نہی ان امور عادیہ کو بھی شامل ہیں اور وہ بآواز بلند یہ کہنے لگتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے اور اس شئی سے منع کیا ہے، مثلاً شارع نے جب نفس کو مغلوب کرنے کیلئے روزہ کو مقرر کیا اور روزہ کی حالت میں جماع سے روکا تو بعض لوگوں نے سحر کا کھانا خلاف مشروع اور ناجائز سمجھ لیا اسلئے کہ وہ نفس کی مغلوبیت کے خلاف ہے اور روزہ کیحالت میں بیوی کا بوسہ لینا بھی حرام سمجھ لیا اسلئے کہ بوسہ لینا، ہم بستری کے اسباب میں سے ہے اور اسلئے کہ نفس کی شہوت پورا کرنے میں بوسہ لینا ہم بستری کے مشابہ ہے پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس قول کی خرابی بیان فرمادی اور رد و منع کر دیا کہ یہ دین میں تحریف ہے،

اور تحریف کے اسباب میں سے ایک تشدد ہے اور اسکی حقیقت یہ ہے کہ جن شاق امور کا شارع نے حکم نہیں دیا ہے انکی پابندی کیجائے مثلاً ہمیشہ روزہ رکھنا، تمام رات نماز پڑھنا، دنیا سے آزاد رہنا اور شادی نہ کرنا اور واجبات دین کی مانند مستحبات اور سنن کی پابندی کرنا، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن عمر اور حضرت عثمان بن مظعون کو جبکہ انھوں نے نہایت سخت سخت عبادات کی پابندی کا قصد کیا تھا منع کرتے ہوئے فرمایا "جس نے مذہبی امور میں زیادہ تعمق کیا ہے دین اس پر غالب آگیا ہے اور جب ایسا سخت اور پابند آدمی کسی فرقہ کا معلم اور رئیس ہو جاتا ہے

ولعنهم على لسان داؤد وعيسى بن مريم ذلك بما عصوا وكانوا يعتدون، ومن اسباب التحريف التعمق وحقيقته ان يامر الشارع بامر وينهى عن شئ فيسمعه رجل من امته و يفهمه حسبما يليق بذهنه فيعدى الحكم الى ما يشاكل الشئ بحسب بعض الوجوه او بعض اجزاء العلة او الى اجزاء الشئ ومظانه ودواعيه وكلما اشتبه عليه الامر لتعارض الروايات التزم الاشد ويجعله واجبا ويحمل كل ما فعله النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم على العبادة والحق انه فعل اشياء على العادة فيظن ان الامر والنهي شملا هذه الامور فيجهر بان الله تعالى امر بكذا ونهى عن كذا، كما ان الشارع لما شرع الصوم لقهر النفس ومنع عن الجماع فيه ظن قوم ان السحور خلاف المشروع لانه يناقض قهر النفس وان يحرم على الصائم قبلة امراته لانها من دواعي الجماع ولانها تشاكل الجماع في قضاء الشهوة فكشف رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم عن فساد هذه المقالة وبين انه تحريف ؛

ومنها التشدد وحقيقته اختيار عبادات شاقة لم يامر بها الشارع كدوام الصيام والقيام والتبتل وترك التزوج وان يلتزم السنن والآداب كالتزام الواجبات وهو حديث نهي النبي صلى الله عليه وآله وسلم عبد الله بن عمر وعثمان بن مظعون عما قصدا من العبادات الشاقة وهو قوله صلى الله عليه وآله وسلم لن يشاد الدين احد الا غلبه، فاذا صار هذا المتعمق او المتشدد معلم

تو لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ یہ شرع کا حکم اور شارع کی مرضی سے ہے، یہود و
نصاریٰ کے راہبوں میں یہی بیماری تھی، تحریف کے اسباب میں سے استحسان
بھی ہے اور اسکی حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی شخص شارع کو ہر حکم کے لئے
مناسب موقع تجویز کرتے ہوئے دیکھتا ہے اور امور شرعیہ کو منضبط کرتے
ہوئے پاتا ہے تو امور شرعی کے بعض بعض اسرار جن کو ہم ذکر کر چکے ہیں معلوم
کر لیتا ہے اور اپنے نزدیک مصلحت سمجھ کر لوگوں کے لئے احکام جاری کرتا
ہے جیساکہ یہود نے جب دیکھا کہ شارع نے حدود کا اسلئے حکم دیا ہے کہ لوگ
گناہوں سے باز رہیں اور ان کی اصلاح ہو جائے اور پھر خیال کیا کہ رجم سے
اختلاف اور جنگ و جدال پیدا ہوتا ہے اور اسمیں اور زیادہ فساد کا اندیشہ
ہے تو انہوں نے زانی کا منہ سیاہ کرنا اور تازیانے مارنا اختیار کر لیا، پس
نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ یہ مذہب میں تحریف ہے اور توریت کے
حکم منصوص کے بالکل مخالف ہے، حضرت ابن سیرین سے منقول ہے کہ
سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کیا ہے اور سورج و چاند کی عبادت قیاس کی
وجہ سے ہوئی ہے، اور حضرت حسن سے روایت ہے کہ انھوں نے یہ آیت
پڑھی خلقتنی من نار وخلقته من طین (مجھ کو تو نے آگ سے
پیدا کیا اور آدم کو مٹی سے) اور فرمایا ابلیس نے یہ قیاس کیا تھا اور سب سے
پہلے ابلیس ہی نے قیاس کیا تھا، اور امام شعبی فرماتے ہیں کہ واللہ اگر تم
قیاسوں پر عملدرآمد کروگے تو حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر لوگے، اور
حضرت معاذ ابن جبل سے منقول ہے کہ قرآن لوگوں پر کشادہ ہو جائیگا یہانتک
کہ عورت، بچہ، اور آدمی سب اسکو پڑھا کریں گے پس ایک شخص کہیگا کہ میں نے
قرآن پڑھا لیکن لوگ میرے مطیع نہ ہوئے، واللہ میں اس پر خوب عمل کرونگا
تاکہ لوگ میرے تابع ہو جائیں پس وہ ان میں رہ کر عمل کریگا لیکن لوگ اسکے
تابع نہ ہوں گے، پس وہ کہیگا میں نے قرآن پڑھا اور لوگ میرے تابع نہ ہوئے
میں نے ان میں رہ کر عمل کیا پھر بھی وہ میرے تابع نہ ہوئے اب میں اپنے
گھر میں ایک مسجد بناؤں گا تاکہ لوگ تابع ہوں، پس وہ مسجد بنا کے بیٹھے گا
تب بھی لوگ اسکی پیروی نہ کریں گے پھر وہ کہیگا میں نے قرآن پڑھا لیکن لوگ
میرے تابع نہ ہوئے، اس پر میں نے عمل کیا تب بھی کسی نے پیروی نہ کی،
میں مسجد بنا کے بیٹھا تب بھی کوئی تابع نہ ہوا، واللہ اب میں ان کو ایسی
حدیث بنا کر سناؤنگا جو نہ قرآن میں ہوگی اور نہ انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ

قوم ورئیسهم ظنوا ان هذا امر الشرع ورضاه
وهذا داء رهبان اليهود والنصارى، ومنها
الاستحسان وحقيقته ان يرى رجل الشارع
يضرب لكل حكمة مظنة مناسبة ويراه
يعقد التشريع فيختلس بعض ما ذكرنا من
اسرار التشريع فيشرع للناس حسبما عقل
من المصلحة كما ان اليهود راوا ان الشارع
انما امر بالحدود زجرًا عن المعاصي للاصلاح
وراوا ان الرجم يورث اختلافا وتقاتلا بحيث
يكون في ذلك اشد الفساد واستحسنوا التحميم
الوجه والجلد فبين النبي صلى الله تعالى عليه
وآله وسلم انه تحريف ونبذ لحكم الله المنصوص
في التوراة بآرائهم، عن ابن سيرين قال
اول من قاس ابليس وما عبدت الشمس
والقمر الا بالمقاييس، وعن الحسن انه تلا
هذه الآية خلقتني من نار وخلقته من طين
قال قاس ابليس وهو اول من قاس وعن
الشعبي قال والله لئن اخذتم بالمقاييس لتحرمن
الحلال ولتحلن الحرام، وعن معاذ بن جبل
يفتح القرآن على الناس حتى يقرأه المرأة و
الصبي والرجل فيقول الرجل قد قرأت القرآن
فلم اتبع والله لاقومن به فيهم لعلي اتبع
فيقوم به فيهم فلا يتبع فيقول قد قرأت
القرآن فلم اتبع وقد قمت به فيهم فلم اتبع
لاحتظرن في بيتي مسجدا لعلي اتبع فيحتظر في
بيته مسجدا فلا يتبع فيقول قد قرأت القرآن
فلم اتبع وقمت به فيهم فلم اتبع وقد
احتظرت في بيتي مسجدا فلم اتبع والله لآتينهم
بحديث لا يجدونه في كتاب الله ولم يسمعوه

علیہ وسلم سے سنی ہوگی، اس سے شاید کوئی میرا مطیع ہو جائے، اس کے بعد حضرت معاذ نے فرمایا اے لوگو! تم ایسی باتوں سے بچنا جن کو یہ شخص بیان کرے، یہ چیزیں جنکو وہ بیان کریگا سرتاپا گمراہی ہوں گی، حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ عالم کی لغزش، منافق کا کتاب الٰہی کے ساتھ جھگڑنا، گمراہ اماموں کا حکم اسلام کو منہدم کر دیتا ہے، اور ان سب امور سے وہی مراد ہیں جو کتاب الٰہی اور سنت رسول اللہ سے مستنبط نہ ہوں،

اور اسباب تحریف میں سے اجماع کی پیروی ہے اور اسکی حقیقت یہ ہے کہ حاملین دین کا ایک فرقہ جنکی نسبت عام لوگوں کا یہ گمان ہو کہ انکی رائے اکثر یا ہمیشہ درست ہوتی ہے کسی امر پر اتفاق کر لے اور اس اتفاق سے یہ خیال کیا جائے کہ ثبوت حکم کیلئے یہ اتفاق قطعی دلیل ہے اور یہ اجماع ایسے امر میں ہے جس کی قرآن وحدیث میں کچھ اصل نہیں ہے، یہ اجماع اس اجماع کے علاوہ ہے جس پر امت کا اتفاق ہے کیونکہ سب کے سب لوگ ایسے اجماع پر متفق ہیں جس کی سند قرآن وحدیث میں ہو یا ان دونوں میں سے کسی نہ کسی سے مستنبط ہو، اور لوگوں نے ایسے اجماع کو جائز قرار نہیں دیا جسکی سند قرآن وحدیث میں کوئی بھی نہیں، چنانچہ اس قول الٰہی میں اسی طرف اشارہ ہے " اور جب کفار سے کہا جاتا ہے کہ ان چیزوں پر ایمان لے آؤ جو خدا تعالیٰ نے نازل کی ہیں تو وہ یہی جواب دیتے ہیں کہ ہم تو ان ہی باتوں کی پیروی کرینگے جن پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے " الآیۃ ۔ اور یہودیوں کی دلیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور علیہ السلام کی نبوت کے انکار کرنے میں یہی تھی کہ ان کے بزرگوں نے حضرت عیسیٰ اور محمدؐ کے حالات کی چھان بین کی لیکن انبیاء کے شرائط ان میں نہیں پائے، عیسائیوں کے بہت سے احکام توریت وانجیل کے بالکل خلاف ہیں، ان کے بزرگوں کا صرف اجماع ہی انکی دلیل ہے، اور اسبابِ تحریف میں سے غیر معصوم کی تقلید ہے یعنی نبی، جس کی عصمت ثابت ہے اسکے علاوہ کسی اور کی تقلید کیجائے، اس تقلید کی حقیقت یہ ہے کہ علماء امت میں سے کوئی شخص کسی مسئلہ میں اجتہاد کرے اور اس عالم کے پیرو یہ خیال کریں کہ یہ اجتہاد بالکل صحیح ہے اور اس کے مقابلہ میں حدیث صحیح کو بھی رد کر دیں ۔ اس قسم کی تقلید اس تقلید کے مخالف ہے جس پر امت مرحومہ نے اتفاق ہے اس لئے کہ سب کا اتفاق ہے کہ مجتہدین کی تقلید جائز ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی جاننا چاہیے کہ

عن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم لعلي اتبع قال معاذ فاياكم وما جاء به فان ما جاء به ضلالة، وعن عمر رضي الله عنه قال يهدم الاسلام زلة العالم وجدال المنافق بالكتاب وحكم الائمة المضلين، والمراد بهذا كله ما ليس استنباطا من كتاب الله وسنة رسوله، ومنها اتباع الاجماع وحقيقته ان يتفق قوم من حملة الملة الذين اعتقد العامة فيهم الاصابة غالبا او دائما على شئ فيظن ان ذلك دليل قاطع عن ثبوت الحكم وذلك فيما ليس له اصل من الكتاب والسنة وهذا غير الاجماع الذي اجمعت الامة عليه فانهم اتفقوا على القول بالاجماع الذي مستنده الكتاب والسنة او الاستنباط من احدهما ولم يجوزوا القول بالاجماع الذي ليس مستندا الى احدهما وهو قوله تعالى واذا قيل لهم امنوا بما انزل الله قالوا بل نتبع ما الفينا عليه اباءنا الأية وما تمسكت اليهود في نفي نبوة عيسى ومحمد عليهما الصلاة والسلام الا بان اسلافهم فحصوا عن حالهما فلم يجدوهما على شرائط الانبياء، والنصارى لهم شرائع كثيرة مخالفة للتوراة والانجيل ليس لهم فيها متمسك الا اجماع سلفهم، ومنها تقليد غير المعصوم اعني غير النبي الذي ثبتت عصمته وحقيقته ان يجتهد واحد من علماء الامة في مسألة فيظن متبعوه انه على الاصابة قطعا او غالبا فيردوا به حديثا صحيحا وهذا التقليد غير ما اتفق عليه الامة المرحومة فانهم اتفقوا على جواز التقليد للمجتهدين مع العلم بان

مجتہد سے خطاء اور صواب دونوں سرزد ہوتے ہیں اور ہر مسئلہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے منصوص حکم پر نظر رکھنی چاہیئے اور یہ عزم ہونا چاہیے کہ جب امر تقلیدی کے خلاف کوئی حدیث صحیح ظاہر ہوجائے تو تقلید کو ترک کردیا جائیگا اور حدیث کا اتباع کیا جائیگا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں (یہودیوں نے اپنے عالموں اور راہبوں کو بجز خدا کے اپنا رب قرار دیا) فرمایا کہ یہودی ان علماء اور راہبوں کی پرستش نہیں کرتے تھے بلکہ ان کے علماء جسکو حلال کہتے وہ اسکو حلال سمجھتے اور جسکو حرام کہدیتے اسکو حرام جانتے تھے،

اسباب تحریف میں سے ایک مذہب کو دوسرے میں خلط ملط کردینا بھی ہے یہانتک کہ ایک دوسرے میں تمیز باقی نہ رہے۔ اور یہ اختلاط اسطرح ہوتا ہے کہ جب انسان کسی مذہب کا پابند ہوتا ہے تو اس کا دلی تعلق اس مذہب کے علوم سے ہوتا ہے پھر یہ شخص مذہب اسلام میں داخل ہوجاتا ہے لیکن اسکا قلبی میلان انہی امور کیجانب باقی رہتا ہے جن کے ساتھ اسکا پہلے تعلق تھا اسواسطے ان امور کے جواز کے لئے ملت اسلام میں کوئی وجہ تلاش کرتا ہے خواہ ضعیف یا موضوع ہی کیوں نہ ہو اور بسا اوقات اس وجہ کی خاطر جھوٹی حدیث بناتا ہے اور روایت کرتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں یہی مراد ہے کہ "بنی اسرائیل کا معاملہ درست رہا حتی کہ انمیں مخلوط النسل لوگ اور قیدیوں کی اولاد پیدا ہوئی تب انہوں نے رائے سے کہنا شروع کیا، وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا،

اور منجملہ ان چیزوں کے جو ہمارے دین میں داخل ہوگئی ہیں بنی اسرائیل کے علوم اور زمانہ جاہلیت کے خطباء کے وعظ و پند ہیں، یونانیوں کا فلسفہ اور اہل بابل کے وظائف ہیں، اہل فارس کی تاریخ، علم نجوم و رمل اور علم کلام ہے اور جناب رسول اللہ ؐ کے ناراض ہونیکا سبب یہی تھا جسوقت کہ آپ کے سامنے توریت کا ایک نسخہ پڑھا گیا اور یہی راز تھا حضرت عمرؓ کے مارنے میں اس شخص کو مارنے کا جو حضرت دانیال کی کتابیں تلاش کرتا تھا،

واللہ اعلم

المجتهد يخطئ ويصيب ومع الاستشراف لنص النبي صلى الله عليه وسلم في المسالة والعزم على انه اذا ظهر حديث صحيح خلاف ما قلد فيه ترك التقليد واتبع الحديث قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم في قوله تعالى اتخذوا احبارهم ورهبانهم اربابا من دون الله انهم لم يكونوا يعبدونهم ولكنهم كانوا اذا احلوا لهم شيئا استحلوه واذا حرموا عليهم شيئا حرموه

ومنها خلط ملة بملة حتى لا تتميز واحدة من الاخرى وذلك ان يكون انسان في دين من الاديان تعلق بقلبه علوم تلك الطبقة ثم يدخل في الملة الاسلامية فيبقى ميل قلبه الى ما تعلق به من قبل فيطلب لاجله وجها في هذه الملة ولو ضعيفا او موضوعا وربما جوز الوضع ورواية الموضوع لذلك وهو قوله صلى الله عليه وسلم لم يزل امر بني اسرائيل معتدلا حتى نشأ فيهم المولدون وابناء سبايا الامم فقالوا بالراي فضلوا واضلوا، ومما دخل في ديننا علوم بني اسرائيل وتذكير خطباء الجاهلية وحكمة اليونانيين ودعوة البابليين وتاريخ الفارسيين والنجوم والرمل والكلام وهو سر غضب رسول الله صلى الله عليه وسلم حين قرئ بين يديه نسخة من التوراة وضرب عمر رضي الله عنه من كان يطلب كتب دانيال والله اعلم

انیسواں باب (١٧) :- ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مذہب اور یہود و نصاریٰ کے مذہب کے مختلف ہونے کے اسباب کا بیان

واضح ہو کہ جب خدا تعالیٰ کسی قوم میں رسول بھیجتا ہے تو پیغمبر اپنی زبان میں لوگوں کے لئے اس مذہب کو قائم کرتا ہے پس وہ نبی اسمیں کسی قسم کی کجی باقی نہیں رکھتا، پھر مذہبی روایتیں اس سے منتقل ہوتی ہیں اور اس پیغمبر کے حواری ایک مدت تک مناسب حالت میں ان روایتوں کے حامل ہوتے ہیں پھر ان حواریوں کے بعد ایسے ناخلف لوگ پیدا ہوتے ہیں جو دین میں تحریف اور سستی کرتے ہیں اسلئے وہ دین حق خالص نہیں رہتا بلکہ اس میں جھوٹ کی آمیزش ہوتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے "خدا تعالیٰ نے جب کبھی کوئی نبی بھیجا ہے تو اسکی امت میں سے حواری اور ایسے لوگ پیدا کئے ہیں جو اسکے طریقے کی پیروی اور اسکے حکم کی فرماں برداری کرتے ہیں، پھر ان حواریوں کے بعد ایسے ناخلف جانشین ہوتے ہیں جو کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں اور احکام الٰہی کے خلاف اعمال کے مرتکب ہوتے ہیں" یہ باطل امور جن کی مذہب میں آمیزش ہو جاتی ہے ان میں سے ایک حصہ تو شرک جلی اور صریح تحریف کا ہے جو ہر حالت میں مؤاخذہ کے قابل ہے - اور ایک حصہ شرک خفی اور مخفی تحریف کا ہے جس پر خدا تعالیٰ اسوقت مواخذہ کرتا ہے کہ رسول کو بھیج چکا ہوتا ہے تاکہ وہ رسول ہر شئی کی دلیلیں قوی ان کے سامنے پیش کر دے اور ہر قسم کا شبہ دور کر دے، اب جو کوئی زندگی چاہے یا ہلاکت اختیار کرے تو دیدہ و دانستہ کرے، جب کوئی پیغمبر لوگوں میں مبعوث ہوتا ہے تو ہر شئی کو اسکی اصل حالت کیطرف پھیر لاتا ہے وہ پہلی شریعت کے احکام میں غور و نظر کرتا ہے پس انمیں جو امور شعائر اللہ ہوتے ہیں جن میں شرک کی آمیزش نہیں ہوتی یا عبادات کے طریقے یا انتظامی امور کے طریقے جو مذہبی قوانین کے مطابق ہوتے ہیں ان سب کو وہ باقی رکھتا ہے اور جو نابود ہو جاتے ہیں ان کا مہتم بالشان ہونا بتاتا ہے اور ہر شئی کے ارکان و اسباب بیان کرتا ہے اور جو تحریف اور سستی کے امور ہوتے ہیں ان کو دور کرتا ہے اور بتلا دیتا ہے کہ یہ باتیں مذہب میں سے نہیں ہیں اور جو احکام اس زمانہ کی مصلحتوں پر مبنی تھے پھر اختلاف عادات کیوجہ سے وہ مواقع مصلحت بدل گئے تو ان احکام کو نبی بدل دیتا ہے کیونکہ احکام کے مشروع کرنے

باب أسباب اختلاف دين نبينا صلى الله عليه وسلم ودين اليهودية والنصرانية

اعلم ان الحق تعالى اذا بعث رسولا فی قوم فاقام الملة لهم علی لسانه فانه لا یترك فيها عوجا ولا امتا ثم انه تمضی الرواية عنه و یحملها الحواریون من امته كما ینبغی برهة من الزمان ثم بعد ذلك یخلف خلف یحرفونها ویتهاونون فيها فلا تكون حقا صرفا بل ممزوجا بباطل وهو قوله صلى الله عليه وسلم ما من نبی بعثه الله فی امته الا كان له من امته حواریون واصحاب یاخذون بسنته ويقتدون بامره ثم یخلف من بعدهم خلوف یقولون ما لا یفعلون ويفعلون ما لا یؤمرون الحديث وهذا الباطل منه اشراك جلی وتحریف صریح یؤاخذون علیه علی كل حال و منه اشراك خفی وتحریف مضمر لا یؤاخذ الله بها حتی یبعث الرسول فيهم فيقيم الحجة ويكشف الغمة ليحيا من حی عن بينة ويهلك من هلك عن بينة، فاذا ابعث فيهم الرسول رد كل شیٔ الی اصله فنظر الی شرائع الملة الاولی فما كان منها من شعائر الله لا يخالطها شرك ومن سنن العبادات او طرق الارتفاقات التی ینطبق عليها القوانين الملية ابقاها ونوه بالخامل منها ومهد لكل شیٔ اركانا واسبابا وما كان من تحریف وتهاون ابطله وبين انه ليس من الدين وما كان من الاحكام المنوطة بمظان المصالح یومئذ ثم اختلفت المظان بحسب اختلاف العادات بدلها اذ المقصود

سے مقصود اصلی مصلحتیں ہی ہیں اور مظان کو ان کے عنوان کے طور پر ذکر کر دیا جاتا ہے اور بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک شئی کسی مصلحت کا مظنہ ہوتی ہے اور بعد میں اس مصلحت کا مظنہ نہیں رہتی، مثلاً اصل میں بخار کا سبب خلطوں کا ہیجان ہے پس طبیب اس ہیجان کا ایک مظنہ مقرر کرتا ہے جسکی طرف وہ بخار کی نسبت کرتا ہے جیساکہ دھوپ میں چلنا اور سخت حرکت کرنا اور کسی خاص غذا کا کھالینا ہیجان کا مظنہ ہیں اور ہو سکتا ہے کہ یہ چیزیں ہیجان کا مظنہ نہ رہیں پس اسی کے لحاظ سے احکام بھی بدل جاتے ہیں، اور جو امور ایسے ہیں جن پر ملاء اعلےٰ کا اتفاق اور اجماع ہو گیا ہے جو ان کے اعمال، عادات، علوم اور نفسانی حالت میں داخل ہیں تو ان امور کو نبی اور زیادہ کر دیتا ہے اور ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے پیشتر کے انبیاء چند باتیں زیادہ ہی کر دیا کرتے تھے کچھ کم نہیں کرتے تھے اور بہت ہی کم تبدیلی کرتے تھے پس حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت نوح علیہ السلام کے مذہب پر چند عبادتیں، اعمال فطری اور ختنہ کو بڑھا دیا تھا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مذہب پر چند امور اور زیادہ کر دیئے جیسے اونٹ کے گوشت کو حرام کر دیا اور ہفتہ کے دن کو ضروری قرار دیا اور زانیوں کے لئے سنگسار کرنا قرار دیا اور اسی طرح کے اور امور تھے، اور ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے زیادتی بھی کی ہے، کمی بھی کی ہے اور تبدیلی بھی کی ہے، دقائق شریعت میں غوض کرنے والا جب اس زیادتی، کمی اور تبدیلی کی چھان بین کریگا تو ان کی چند وجوہات پائیگا،

ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہودی مذہب احبار اور راہبوں کے ہاتھ میں رہا پھر انہوں نے ان طریقوں کے ذریعہ تحریفات کیں جنکا پیشتر ذکر ہو چکا ہے۔ پس جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم آئے تو آپ نے ہر چیز کو اصلی حالت کے موافق کر دیا اسواسطے شریعت محمدیہ اس یہودیت سے مختلف ہو گئی جو یہود کے ہاتھ میں تھی پس اسلئے یہود کہنے لگے کہ اس شریعت میں زیادتی، کمی اور تبدیلی ہے حالانکہ حقیقت میں کوئی تبدیلی نہ تھی،

اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت میں ایک دوسری بعثت شامل تھی ایک بعثت تو یہ ہے کہ آپ بنی اسمٰعیل کی طرف مبعوث ہوئے چنانچہ خدا تعالیٰ کے اس قول

الاصل فی شرع الاحکام هی المصالح و یعنون بالمظان وربما کان شئ مظنة لمصلحة ثم صار لیس مظنة لها، کما ان علة الحمی فی الاصل ثوران الاخلاط فیتخذ الطبیب له مظنة ینسب الیها الحمی کالمشی فی الشمس والحرکة المتعبة وتناول الغذاء الفلانی ویمکن ان تزول مظنة هذه الاشیاء فتختلف الاحکام حسب ذلك وما کان انعقد علیه اجماع الملاء الاعلی فیما یعملون و یعتادون وفیما یثبت علیه علومهم ودخل فی جذر نفوسهم زاده وکان الانبیاء علیهم السلام قبل نبینا صلی الله علیه وسلم یزیدون ولا ینقصون ولا یبدلون الا قلیلا فزاد ابراهیم علیه السلام علی ملة نوح علیه السلام اشیاء من المناسك و اعمال الفطرة والختان، وزاد موسی علیه السلام علی ملة ابراهیم علیه السلام اشیاء کتحریم لحوم الابل و وجوب السبت و رجم الزناة وغیر ذلك، ونبینا صلی الله علیه وسلم زاد ونقص وبدل والناظر فی دقائق الشریعة اذا استقرأ هذه الامور وجدها علی وجوه، منها ان الملة الیهودیة حملها الاحبار والرهبان فحرفوها بالوجوه المذکورة فیما سبق فلما جاء النبی صلی الله علیه واله وسلم رد کل شئ الی اصله فاختلفت شریعته بالنسبة الی الیهودیة التی هی فی ایدیهم فقالوا هذا زیادة ونقص وتبدیل ولیس تبدیلا فی الحقیقة، ومنها ان النبی صلی الله علیه وسلم بعث بعثة تتضمن بعثة اخری فالاولی انما کانت الی بنی اسمٰعیل وهو قوله

میں یہی مراد ہے " خدا ہی نے امیوں کیلئے ان میں ہی سے ایک شخص کو پیدا کیا" اور خدا تعالے کا ارشاد ہے " تاکہ تو ان لوگوں کو ڈرائے جن کے آباء واجداد نہیں ڈرائے گئے تھے اسی لئے وہ غفلت میں ہیں "اس بعثت کے لئے ضروری ہے کہ شریعت محمدیہ کا مادہ وہی شعائر ہوں، وہی عبادات کے طریقے ہوں اور وہی انتظامی امور ہوں جو بنی اسمٰعیل کے پاس موجود تھے اسلئے کہ شریعت لوگوں کے امور متعارف کی اصلاح کیا کرتی ہے نہ کہ ان کو ایسے امور کا مکلف کرتے جنکو وہ جانتے بھی نہ ہوں، اور اسکی نظیر یہ قول الٰہی ہے " ہم نے قرآن عربی زبان میں نازل کیا ہے شاید تم اس کو سمجھو" اور یہ قول الٰہی ہے " اگر ہم قرآن کو عجمی زبان میں نازل کرتے تو لوگ کہتے۔ اسکی آیتیں جدا جدا مفصل کیوں نہ کی گئیں کیا یہ عجمی بھی ہے اور عربی بھی" اور یہ قول الٰہی ہے " ہم نے جو نبی بھیجا ہے اسی قوم کی زبان والا بھیجا ہے" اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری بعثت یہ ہے کہ آپ تمام اہل زمین کے لئے پیغمبر ہیں اس بعثت میں وہ علوم اور تدابیر بھی مندرج ہیں جو تمدن سے متعلق ہیں اور اسی وجہ سے خدا تعالے نے آپ کے زمانہ میں تمام قوموں پر لعنت کی اور ان کی سلطنت کے زوال کو مقدر کیا جیسا کہ عجم اور روم کے ساتھ ہوا اور حکم کیا کہ انتظام دنیوی کے آئین کا قیام ہو، اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے درجہ اور غلبہ کو امر مقصود کے اتمام کا ذریعہ قرار دیا اور ان سلاطین کے خزانوں کی کنجیاں آپ کو عطا کیں پس اس کمالیت کیوجہ سے احکام توریت کے علاوہ اور احکام بھی آپ کو حاصل ہوئے مثلاً خراج، جزیہ مجاہدات، اسباب تحریف سے احتیاط وغیرہ،

اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ ایسے انقطاع وحی کے زمانہ میں پیدا ہوئے جس میں تمام مذاہب حقہ محو ہو گئے تھے اور ان میں تحریف ہو چکی تھی اور تعصب واصرار نے لوگوں کو دبا لیا تھا پس وہ اپنے طریقہ باطل اور عادات جاہلیت کو ترک نہیں کر سکتے تھے تاوقتیکہ ان عادات کی سخت مخالفت نہ کی جاتی، پس یہ چیز بھی کثیر اختلافات کا باعث ہوئی،

* * * *
* * *
*

تعالی هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم وقوله تعالی لتنذر قوما ما انذر اٰباؤهم فهم غافلون وهذه البعثة تستوجب ان یکون مادة شریعته ما عندهم من الشعائر و سنن العبادات ووجوه الارتفاقات اذ الشرع انما هو اصلاح ما عندهم لا تکلیفهم بما لا یعرفونه اصلا ونظیره قوله تعالی قرانا عربیا لعلکم تعقلون وقوله تعالی لو جعلناه قرانا اعجمیا لقالوا لولا فصلت اٰیاته ءاعجمی وعربی، وقوله تعالی وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومه، و الثانیة کانت الی جمیع اهل الارض عامة بالارتفاق الرابع وذلك لانه لعن فی زمانه اقواما وقضی بزوال دولتهم کالعجم و الروم فامر بالقیام بالارتفاق الرابع و جعل شرفه وغلبته تقویبا لاتمام الامر المراد و اٰتاه مفاتیح کنوزهم فحصل له بحسب هذا الکمال احکام اخری غیر احکام التوراة کالخراج والجزیة والمجاهدات و الاحتیاط عن مداخل التحریف، ومنها انه بعث فی زمان فترة قد اندرست فیه الملل الحقة وحرفت وغلب علیهم التعصب واللجاج فکانوا لا یترکون ملتهم الباطلة ولا عادات الجاهلیة الا بتاکید بالغ فی مخالفة تلك العادات فصار ذلك معدا لکثیر من الاختلافات

ستائیسواں باب (۲۷):- اسبابِ نسخ کا بیان

نسخ کے باب میں اصل خدا تعالٰے کا یہ فرمان ہے ”ہم کوئی آیت منسوخ نہیں کرتے نہ اسکو بھلاتے ہیں مگر اسکے بدلہ میں اس سے بھی بہتر یا ویسی ہی لاتے ہیں“

واضح ہو کہ نسخ کی دو قسمیں ہیں، ایک یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم انتظامات یا عبادات کے طریقوں میں غور وفکر کرکے انکو شریعت کے قوانین کے موافق منضبط کرتے ہیں اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد ہے لیکن خدا تعالٰے آپ کو اس اجتہاد پر قائم نہیں رکھتا بلکہ اس مسئلہ میں جو اصلی حکم ہو اسکو آپ پر ظاہر کر دیتا ہے۔ اس حکم کا اظہار یا تو یوں کرتا ہے کہ اسکے موافق قرآن نازل فرماتا ہے یا اسطرح پر کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد ہی اس حکم کیطرف تبدیل ہو جاتا ہے اور دوسرا اجتہاد آپ کے ذہن میں قرار پا جاتا ہے، پہلی صورت کی مثال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں بیت المقدس کیطرف مُنہ کرنیکا حکم دیا تھا پھر قرآن میں اس حکم کی منسوخیت نازل ہوئی۔ اور دوسری صورت کی مثال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے چھاگل کے ہر برتن میں نبیذ بنانے سے منع کر دیا تھا پھر ہر برتن میں نبیذ بنانا لوگوں کے لئے جائز کر دیا اور فرما دیا کہ ”نشہ کی کوئی چیز نہ پیو“ اسکی وجہ یہ تھی کہ نشہ پیدا ہونا ایک مخفی امر ہے اسلئے اسکے ظاہری سبب کو اسکے قائم مقام کر دیا اور وہ ظاہری سبب ایسے برتنوں میں نبیذ بنانا ہے جن میں مسامات نہیں ہیں جیسے وہ ظروف جو مٹی، لکڑی اور کدو سے بنتے ہیں اسلئے کہ ان برتنوں میں وہ چیز بہت جلد مسکر ہو جاتی ہے جس کی نبیذ بنائی جائے، اور چھاگل میں نبیذ بنانے کو آپ نے تین دن تک اسکے نشہ آور نہ ہونیکا سبب قرار دیا پھر آپ کے اجتہاد میں تبدیلی ہوگئی اور حکم کا مدار سکر کو ٹھیرایا کیونکہ کسی چیز کا نشہ آور ہونا اسکے جوش کرنے اور جھاگ لانے سے معلوم ہو سکتا ہے اور اس چیز کو جو لوازم سکر ہے یا شئی مسکر کے صفات میں سے ہے سکر کا موقع اور مظنہ قرار دینا کسی امر اجنبی کو مظنہ سکر قرار دینے سے بہتر ہے اور اس اجتہاد کے بدل دینے کی ایک اور توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ لوگ نشہ آور چیزوں کی طرف

باب اسباب النسخ

والاصل فيه قوله تعالى ما ننسخ من اية او ننسها نات بخير منها او مثلها ، اعلم ان النسخ قسمان ، احدهما ان ينظر النبى صلى الله عليه وسلم فى الارتفاقات او وجوه الطاعات فيضبطها بوجوه الضبط على قوانين التشريع وهو اجتهاد النبى صلى الله عليه وسلم ثم لا يقرره الله عليه بل يكشف عليه ما قضى الله فى المسألة من الحكم اما بنزول القرآن حسب ذلك او تغيير اجتهاده الى ذلك وتقريره عليه ، مثال الاول ما امر النبى صلى الله عليه وسلم من الاستقبال قبل بيت المقدس ثم نزل القرآن بنسخه ، ومثال الثانى انه صلى الله عليه وسلم نهى عن الانتباذ الا فى السقاء ثم اباح لهم الانتباذ فى كل انية وقال لا تشربوا مسكرا ، وذلك انه لما رأى ان الاسكار امر خفى نصب له مظنة ظاهرة وهى الانتباذ فى الاوعية التى لا مسام لها كالماخوذة من الخزف والخشب والدباء فانه يسرع الاسكار فيما ينبذ فيها ونصب الانتباذ فى السقاء مظنة لعدم الاسكار الى ثلاثة ايام ثم تغير اجتهاده صلى الله عليه وسلم الى ادارة الحكم على الاسكار لانه يعرف بالغليان وقذف الزبد ونصب ما هو من لوازم السكر او من صفات الشئ المسكر مظنة اولى من نصب ما هو امر اجنبى وعلى تخريج اخر نقول راى النبى صلى الله عليه

بہت راغب ہیں اگر صرف نشہ آور شئی سے ہی منع کر دیا جائے تو اس کا احتمال تھا کہ کوئی شخص نشہ آور چیز کو پی لے اور یہ عذر کرنے لگے کہ اس کا خیال تھا کہ وہ مسکر نہیں ہے یا اس پر اسکے نشہ آور ہونے کی علامات مشتبہ ہوگئی تھیں یا برتنوں میں شراب لگی ہوئی تھی اور ایسے برتنوں میں نبیذ بنانے سے نشہ جلد پیدا ہو جاتا ہے، پس جب اسلام قوی ہوگیا اور نشہ آور چیزوں کے ترک پر وہ مطمئن ہوگئے اور وہ آلودہ برتن بھی نہ رہے تو آپ نے خاص نشہ آور ہونے کو حکم کا مدار ٹھیرایا اور اس توجیہ کے لحاظ سے یہ مثال اس امر کی ہو جاتی ہے کہ موقعوں کے بدلنے سے حکم بدل جایا کرتا ہے اور نسخ کی اسی قسم کے متعلق آپ نے فرمایا ہے "میرا کلام کلام اللہ کو منسوخ نہیں کر سکتا اور کلام اللہ میرے کلام کو منسوخ کر سکتا ہے اور کلام اللہ کا بعض بعض کو منسوخ کرتا ہے"

دوسری قسم نسخ کی یہ ہے کہ ایک شئی میں کوئی مصلحت یا خرابی ہوتی ہے اسی کے موافق اسکا حکم متعین کر دیا جاتا ہے اسکے بعد ایک زمانہ آتا ہے جس میں اس شئی کی وہ حالت نہیں رہتی اسواسطے اسکا حکم بھی بدل جاتا ہے، اسکی مثال یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کیجانب ہجرت فرمائی اور مسلمانوں میں اور آپکے رشتہ داروں میں امداد کا طریقہ منقطع ہوگیا اور اسوقت میں ہمدردی کا ذریعہ صرف وہ بھائی چارہ ہی تھا جسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ضروری مصلحت کیوجہ سے لوگوں میں قائم کر دیا تھا اسواسطے قرآن میں نازل ہوا کہ وراثت کے حقوق اخوت سے متعلق کر دیے جائیں اور اللہ تعالے نے اسکا فائدہ بھی بیان کر دیا "اگر ایسا نہ کروگے تو زمین میں شورش اور بڑا فساد ہو جائیگا" پھر جب اسلام کو قوت حاصل ہوگئی اور مہاجرین کے اقارب بھی مسلمان ہوکر ان سے آملے تو وہی طریقہ نسبی وراثت کا مقرر ہوگیا، یا ایسا ہوتا ہے کہ ایس نبوت کے زمانہ میں جسکے ساتھ خلافت کا مرتبہ شامل نہیں ہوتا ایک شئی میں کوئی مصلحت اور خوبی نہیں ہوتی جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل یا آپ ہی کے عہد میں ہجرت سے قبل اور اس نبوت کے زمانہ میں جسکے ساتھ خلافت منضم ہو جاتی ہے اسی شئی میں مصلحت پیدا ہو جاتی ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ خدا تعالی نے ہم سے پیشتر کسی امت کے لئے مال غنیمت کو حلال نہیں کیا تھا لیکن ہمارے لئے اس کو حلال کر دیا، حدیث میں اس حلت کی

وسلم ان القوم مولعون بالمسكر فلو نهوا عنه كان مدخل ان يشربه احد متعذرا بانه ظن انه ليس بمسكر وانه اشتبه عليه علامات الاسكار او كانت اوانيهم متلطخة بالمسكر والاسكار يسرع الى ما ينبذ في مثل ذلك فلما قوى الاسلام واطمأنوا بترك المسكرات ونفدت تلك الاواني ادار الحكم على نفس الاسكار، وعلى هذا التخريج هذا مثال لاختلاف الحكم حسب اختلاف المظنات وفي هذا القسم قوله صلى الله عليه وسلم كلامي لا ينسخ كلام الله وكلام الله ينسخ كلامي وكلام الله ينسخ بعضه بعضا، والثاني ان يكون شئ مظنة مصلحة او مفسدة فيحكم عليه حسب ذلك ثم ياتي زمان لا يكون فيه مظنة لها فيتغير الحكم، مثاله لما هاجر النبي صلى الله عليه وسلم الى المدينة وانقطعت النصرة بينهم وبين ذوي ارحامهم وانما كانت بالاخاء الذي جعله النبي صلى الله عليه وسلم لمصلحة ضرورية راها نزل القرآن بادارة التوارث على الاخاء وبين الله تعالى فائدته حيث قال الا تفعلوه تكن فتنة في الارض وفساد كبير ثم لما قوى الاسلام ولحق بالمهاجرين اولوا ارحامهم رجع الامر الى ما كان من التوارث بالنسب او لا يكون شئ مصلحة في النبوة التي لم يضم معها الخلافة كما كان قبل النبي صلى الله عليه وسلم وكما كان في زمانه قبل الهجرة ويكون مصلحة في النبوة المضمومة بالخلافة، ومثاله ان الله تعالى لم يحل الغنائم لمن قبلنا واحل لنا وعلل

دو وجہیں بیان کی گئی ہیں، ایک یہ کہ خدا تعالے نے ہماری عاجزی اور کمزوری دیکھ کر مال غنیمت کو ہمارے لئے حلال کر دیا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس حلت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت دوسرے انبیاء پر اور امت محمدیہ کی فضیلت دوسری امتوں پر ظاہر کرنا مقصود ہے۔ ان دونوں وجہوں کی تحقیق یہ ہے کہ آپ سے پہلے اور انبیاء کی بعثت محض اپنی قوم کیلئے ہوتی تھی جن کی تعداد محدود ہوتی تھی کبھی کبھی سال دو سال میں نوبت جہاد کی آیا کرتی تھی نیز ان کی امتیں قوی تھیں وہ جہاد بھی کر سکتے تھے اور اسکے ساتھ اسباب دنیوی زراعت وتجارت بھی کر سکتے تھے اسواسطے ان کو اموال غنیمت کی ضرورت نہ تھی پس خدا تعالیٰ نے بھی ارادہ فرمایا کہ ان کے عمل میں کوئی غرض دنیوی نہ ملے تاکہ ان کو ان کے عمل کا پورا پورا اجر ملے۔ اور ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت تمام لوگوں کے لئے تھی جو اندازہ اور شمار میں نہیں آسکتے تھے اور زمانہ جہاد بھی غیر معین تھا اور آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی تھی کہ جہاد بھی کرے اور کاروبار معاش، زراعت وتجارت بھی کرے، اسواسطے ان کو مال غنیمت کے جائز ہونے کی ضرورت پڑی، نیز آپ کی امت میں دعوت اسلام کے عام ہونے کی وجہ سے ایسے لوگ بھی شامل ہوتے تھے جن کی نیت وارادے کمزور ہوتے تھے اور انہی کی نسبت وارد ہے کہ خدا تعالے اس دین کی تائید مرد فاسق سے بھی کرا دیتا ہے، اس قسم کے ضعیف الاعتقاد لوگ بغیر فائدہ دنیوی کے جہاد نہیں کر سکتے۔ اور جہاد کے بارے میں خدا تعالے کی رحمت سب کو شامل تھی اور خدا تعالے کا غضب ان کے دشمنوں کی طرف حد درجہ متوجہ تھا،

چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں اسطرف اشارہ ہے کہ "خدا نے تمام لوگوں کو دیکھا اور عرب و عجم سب سے وہ ناخوش ہوا"

اسی ناخوشی کی وجہ سے خدا تعالے نے ضروری قرار دیا کہ ان کے مالوں اور جانوں کی حفاظت بالکل منقطع ہو جائے اور ان کے اموال میں تصرف کرکے خوب ان کے دل جلائے جائیں، جیسا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے

ذلك في الحديث بوجهين، احدهما ان الله راى ضعفنا فاحلها لنا، وثانيهما ان ذلك من تفضيل الله نبينا صلى الله عليه وسلم على سائر الانبياء وامته على سائر الامم، وتحقيق الوجهين ان الانبياء قبل النبي صلى الله عليه وسلم كانوا يبعثون الى اقوامهم خاصة وهم محصورون يتاتى الجهاد معهم في سنة او سنتين ونحو ذلك وكان اممهم اقوياء يقدرون على الجمع بين الجهاد والتسبب بمثل الفلاحة والتجارة فلم يكن لهم حاجة الى الغنائم فاراد الله تعالى ان لا يخلط بعملهم غرض دنيوي ليكون اتم لاجورهم وبعث نبينا صلى الله عليه وسلم الى كافة الناس وهم غير محصورين ولا كان زمان الجهاد معهم محصورا وكانوا لا يستطيعون الجمع بين الجهاد والتسبب بمثل الفلاحة والتجارة فكان لهم حاجة الى اباحة الغنائم وكانت امته لعموم دعوته تشتمل ناسا ضعفاء في النية وفيهم ورد ان الله يؤيد هذا الدين بالرجل الفاجر لا يجاهد اولئك الا لغرض عاجل، وكانت الرحمة شملتهم في امر الجهاد شمولا عظيما وكان الغضب متوجها الى اعدائهم توجها عظيما وهو قوله صلى الله عليه وسلم ان الله نظر الى اهل الارض فمقتت عربهم وعجمهم فاوجب ذلك زوال عصمة اموالهم ودمائهم على الوجه الاتم واوجب اغاظة قلوبهم بالتصرف في اموالهم كما اهدى

ابوجہل کی اونٹنی کو جس کی ناک میں چاندی کی نکیل تھی حرم میں قربانی کے لئے بھیجا تھا تاکہ کفار کو صدمہ پہنچے، اور جیسا کہ آپ نے کفار کے نخلستان کے کاٹنے اور جلانے کا حکم دیا تھا تاکہ ان کو پیچ و تاب ہو پس اسی وجہ سے اس امت کیلئے قرآن میں غنائم کی اباحت نازل ہوئی ۔

اسی قسم کی دوسری مثال یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں اس امت کے لئے کفار سے جنگ کرنا مناسب نہ تھا کیونکہ اسوقت نہ فوج تھی اور نہ خلافت، پھر جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی اور مسلمان واپس آگئے اور خلافت ظاہر ہوگئی اور دشمنان خدا سے جنگ کرنیکی قوت حاصل ہوگئی تو خدا تعالے نے یہ آیت نازل فرمائی "ان لوگوں کو لڑنے کی اجازت ہے جن کے ساتھ لڑائی کیجاتی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور بے شک خدا تعالے ان کو مدد پہنچانے پر قادر ہے" اسی قسم کے متعلق خدا تعالے کا یہ قول ہے "ہم جو آیت منسوخ کرتے ہیں یا کوئی آیت بھلاتے ہیں تو اس سے بہتر یا ویسی ہی اور نازل کرتے ہیں" پس خدا تعالی کے قول "بخیر منہا" کا اطلاق ان امور پر ہے جن میں نبوت کے ساتھ خلافت بھی شامل ہے، اور خدا تعالے کے قول "او مثلہا" کا اطلاق ان صورتوں میں ہے جن میں اختلاف مواقع کی وجہ سے حکم مختلف ہوجاتا ہے، واللہ اعلم،

اکیسواں باب:- اس حالت کا بیان جو زمانہ جاہلیت کے لوگوں کی تھی پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی اصلاح فرمائی

اگر تم شریعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حقائق میں غور کرنا چاہو تو اولاً ان ان پڑھ لوگوں کے حالات کی تحقیق کرو جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی، وہی حالات آپ کی شریعت کا مادہ ہیں اسکے بعد ان حالات کے اصلاح کی اس کیفیت کو دریافت کرو جو ایسے مقاصد کی وجہ سے ہے جو باب تشریع اور تیسیر اور احکام ملت میں مذکور ہیں،

واضح ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ملت حنفیہ اسماعیلیہ کی کجی کو

الى الحرم رسول الله صلى الله عليه وسلم بعير ابي جهل في انفه برة فضة يغيظ الكفار، وكما امر بقطع النخيل واحراقها اغاظة لاهلها فلذلك نزل القران باباحة الغنائم لهذه الامة ؛

مثال آخر - لم يحرم لهذه الامة قتال الكفار في اول الامر ولم يكن حينئذ هناك جند ولا خلافة ثم لما هاجر النبي صلى الله عليه وسلم وثاب المسلمون وظهرت الخلافة وتمكنوا من مجاهدة اعداء الله انزل الله تعالى اذن للذين يقاتلون بانهم ظلموا وان الله على نصرهم لقدير، وفي هذا القسم قوله تعالى ما ننسخ من اية او ننسها نات بخير منها او مثلها فقوله بخير منها فيما تكون النبوة مضمومة بالخلافة وقوله او مثلها فيما يختلف الحكم باختلاف المظان، و الله اعلم

باب بيان ما كان عليه حال اهل الجاهلية فاصلحه النبي صلى الله عليه وسلم

ان كنت تريد النظر في معاني شريعة رسول الله صلى الله عليه وسلم فتحقق اولا حال الاميين الذين بعث فيهم التي هي مادة تشريعه، وثانيا كيفية اصلاحه لها بالمقاصد المذكورة في باب التشريع والتيسير واحكام الملة، فاعلم انه صلى الله عليه وسلم بعث بالملة الحنيفية الاسماعيلية لاقامة

عوجها وازالة تحريفها واشاعة نورها و ذلك قوله تعالى ملة ابيكم ابراهيم ولما كان الامر على ذلك وجب ان تكون اصول تلك الملة مسلمة وسنتها مقررة اذ النبى اذا بعث الى قوم فيهم بقية سنة راشدة فلا معنى لتغييرها و تبديلها بل الواجب تقريرها لانه اطوع لنفوسهم واثبت عند الاحتجاج عليهم، وكان بنو اسماعيل توارثوا منهاج ابيهم اسماعيل فكانوا على تلك الشريعة الى ان وجد عمرو بن لحى فادخل فيها اشياء برايه الكاسد فضل واضل وشرع عبادة الاوثان وسيب السوائب وبحر البحائر فهنالك بطل الدين واختلط الصحيح بالفاسد وغلب عليهم الجهل والشرك والكفر فبعث الله سيدنا محمدا صلى الله عليه واله وسلم مقيما لعوجهم ومصلحا لفسادهم فنظر صلى الله عليه وسلم فى شريعتهم فما كان منها موافقا لمنهاج اسماعيل عليه السلام او من شعائر الله ابقاه، وما كان منها تحريفا او افسادا او من شعائر الشرك والكفر ابطله و سجل على ابطاله، وما كان من باب العادات وغيرها فبين آدابها ومكروهاتها مما يحترز عن غوائل الرسوم ونهى عن الرسوم الفاسدة وامر بالصالحة وما كان من مسالة اصلية او عملية تركت فى الفترة اعادها غضة طرية كما كانت فتمت بذلك نعمة الله واستقام دينه وكان

درست کرنے کے لئے تھی، اسکی تحریف کو دور کرنے کیلئے تھی اور اسکی روشنی کو پھیلانے کے لئے تھی۔ اور خدا تعالےٰ کے اس قول میں یہی مراد ہے " اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کا مذہب اختیار کرو "

اور جبکہ حالت ایسی ہے تو ضرور ہے کہ ملت ابراہیمؑ کے اصول قابل تسلیم اور اسکا طریقہ مقررہ ہو اسواسطے کہ نبی جب ایسی قوم میں مبعوث ہوتا ہے جن میں عمدہ طریقے باقی ہیں تو ان طریقوں میں تغیر و تبدل بے معنی ہے بلکہ ان کو قائم رکھنا ضروری ہے کیونکہ ان لوگوں کے نفوس ان کو اچھی طرح سے قبول کرتے ہیں اور ان سے ان پر خوب حجت ہو سکتی ہے،

اور بنی اسمٰعیل اپنے باپ ابراہیمؑ کے طریقے پر برابر چلتے رہے اور وہ اسی شریعت پر ثابت قدم رہے یہاں تک کہ عمرو بن لحیٰ پیدا ہوا اس شخص نے اپنی بیہودہ رائے سے ملت اسمٰعیل میں بہت سی چیزیں داخل کردیں پس خود بھی گمراہ ہوا اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا اسی نے بُت پرستی اولاً شروع کی، سانڈ چھوڑے اور بحیرہ مقرر کئے اسوقت سے دین بالکل خراب ہو گیا اور صحیح چیز غلط کے ساتھ مخلوط ہو گئی اور لوگوں پر جہالت، شرک اور کفر چھا گیا، تب خدا تعالےٰ نے ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی کج روی کی درستی کے لئے اور انکی خرابیوں کی اصلاح کے لئے مبعوث فرمایا پس آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بنی اسمٰعیل کی شریعت میں غور کیا اور اس میں جو طریقہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے مسلک کے موافق یا منجملہ شعائر الٰہی کے پایا اس کو باقی رکھا اور جس میں تحریف ہو گئی تھی یا اس میں خرابی پیدا ہو گئی تھی یا اس میں شرک و کفر کی علامات تھیں اسکو مٹا دیا اور اس کا بطلان مستحکم کر دیا،

اور جو امور عادات وغیرہ کی قسم سے تھے ان کی خوبیاں اور برائیاں اس طرح بیان کردیں کہ ان میں سے رسمی لوثوں سے احتراز کیا جا سکے، اور بری رسموں سے آپ نے منع فرما دیا اور عمدہ رسموں کا حکم فرمایا،

اور جو مسائل اصلی یا عملی زمانہ فترت میں متروک ہو گئے تھے ان کو شاداب و تر و تازہ ویسا ہی کر دیا جیسا کہ وہ تھے اس طرح پر خدا کا انعام مکمل اور اس کا دین مستقیم ہو گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کے عہد میں اہل جاہلیت بعثتِ انبیاء کو تسلیم کرتے تھے اور اعمال
کی سزا و جزا کے قائل تھے، اقسام نیکی کے اصول کے معتقد تھے اور
جو امور بر منافع قوم اور تمدن کے متعلق تھے ان پر عمل کرتے تھے،

ان اہل جاہلیت میں دو فرقے پائے جاتے تھے جو خوب ظاہر
اور پھیلے ہوئے تھے اور ایسے لوگوں کا ہونا ہمارے گذشتہ بیان کے
منافی نہیں ہے، ان میں ایک فرقہ فاسقین اور زندیقوں کا تھا پس
یہ فاسق لوگ بہائم اور درندوں کے سے کام کرتے تھے جو ملتِ
اسمٰعیل کے بالکل خلاف تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان میں خواہشات
نفسانی کا غلبہ تھا اور مذہبی امور کا لحاظ کم تھا، یہ لوگ ملت کے
دائرہ سے خارج تھے درآں حالیکہ اپنے حق میں برائی کا اقرار بھی کرتے
تھے،

اور زندیق لوگوں میں پیدائشی طور پر ناقص فہم تھا وہ پوری طرح
پر اس امر کی تحقیق نہیں کر سکتے تھے جو صاحب ملت کا مقصود تھا اور
نہ ہی صاحب ملت کی تقلید کرتے تھے اور نہ اس امر کو تسلیم کرتے
تھے جس کی وہ خبر دیتا تھا۔ وہ اپنے شکوک میں سرگرداں رہتے تھے
اور اسکے ساتھ ان کو اپنے لوگوں سے اندیشہ رہتا تھا، لوگ ان کو برا
جانتے تھے اور ان کو دین سے خارج سمجھتے تھے اور جانتے تھے کہ
انہوں نے اپنے آپ کو مذہب کی پابندی سے آزاد کر دیا ہے پس
جبکہ حالت یہ تھی کہ لوگ ان کو ناپسندیدہ اور برا جانتے تھے تو ان کا
مذہب سے خارج ہونا ضرر رساں نہ تھا،

دوسرا فرقہ جاہل اور غافل لوگوں کا تھا جنہوں نے دین
کیجانب کسی قسم کی توجہ اور التفات نہیں کیا تھا، اس قسم کے
اشخاص قریش اور ان کے قریب کے لوگوں میں بہت تھے کیونکہ
ان کا زمانہ انبیاء سے بہت دور ہو گیا تھا خدا تبارک وتعالی
کے اس قول میں اسی طرف اشارہ ہے " تاکہ تو ایسے لوگوں
کو ڈرائے جن کے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا ہے"

لیکن وہ راستہ سے اتنی دور نہیں ہوئے تھے کہ اسکے
سامنے دلیل بھی پیش نہ ہو سکے اور ان کو الزام بھی نہ دیا جاسکے

اهل الجاهلية في زمان النبي صلى الله
تعالى عليه وآله وسلم يسلمون
جواز بعثة الانبياء ويقولون بالمجازاة
ويعتقدون اصول انواع البر ويتعاملون
بالارتفاقات الثاني والثالث، ولا
ينافي ما قلناه وجود فرقتين فيهم
ظهورهما وشيوعهما، احداهما
الفساق والزنادقة فالفساق يعملون
الاعمال البهيمية او السبعية بخلاف
الملة لغلبة نفوسهم وقلة تدينهم
فاولئك انما يخرجون عن حكم الملة
شاهدين على انفسهم بالفسق، والزنادقة
يجبلون على الفهم الابتر لا يستطيعون
التحقيق التام الذي قصده صاحب الملة
ولا يقلدونه ولا يسلمونه فيما اخبر
فهم في ريبهم يترددون على خوف
من ملتهم والناس ينكرون عليهم
ويرونهم خارجين من الدين خالعين
ربقة الملة عن اعناقهم واذا كان
الامر على ما ذكرنا من الانكار وقبح
الحال فخروجهم لا يضر، والثانية
الجاهلون الغافلون الذين لم يرفعوا
رءوسهم الى الدين راسا ولم يلتفتوا
لفتة اصلا وكان هؤلاء اكثر شئ في
قريش وما والاها لبعد عهدهم
من الانبياء وهو قوله تبارك وتعالى
لتنذر قوما ما اتاهم من نذير غير
انهم لم يبعدوا من المحجة كل البعد
بحيث لا تثبت عليهم الحجة ولا يتوجه

اور ان میں خاموشی پیدا نہ کیجا سکے ،

جو اصول اہلِ جاہلیت میں مسلّم تھے ان میں سے ایک یہ تھا کہ آسمان و زمین اور جو جواہر ان دونوں کے درمیان ہیں انکے پیدا کرنے میں خدا تعالےٰ کا کوئی شریک نہیں ، اور بڑے بڑے امور کی تدبیر کرنے میں اس کا کوئی شریک نہیں ، اور ان کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ کوئی اسکے حکم کو رد نہیں کرسکتا اور نہ کوئی اسکی قضا ، اور فیصلہ کو روک سکتا ہے جبکہ وہ مبرم اور قطعی ہو جائے ، اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے "بے شک اگر تو ان لوگوں سے دریافت کرے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ سب کہیں گے کہ خدا نے پیدا کیا ہے" اور اس کا فرمان ہے " بلکہ تم خدا ہی کو پکارتے ہو" اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے " وہ گمراہ ہیں جن کو تم بجز خدا کے پکارتے ہو"

لیکن انکے زندیق ہونیکی ایک بات یہ تھی کہ وہ کہتے تھے کہ فرشتوں میں سے اور ارواح میں سے بعض ایسے ہیں جو علاوہ بڑے بڑے انتظامات کے اہلِ زمین کے دوسرے امور میں مدبر ہوتے ہیں جیساکہ اپنے پرستش کرنے والے کی حالت درست کرنا ہے جسکا تعلق خاص اسکی ذات سے ہوتا ہے اور اسکی اولاد اور اموال سے ہوتا ہے ، یہ مشرکین ان فرشتوں اور ارواح کو ان بادشاہوں کی حالت سے تشبیہ دیتے ہیں جو ان کی شہنشاہ کے مقابلہ میں ہوتی ہے اور جو حالت شفیعوں اور ندیموں کی ایسے بادشاہ کے سامنے ہوتی ہے جو طاقت کے ساتھ تصرف کرتا ہے ، اور اس سوءِ فہمی کا منشاء یہ ہوا کہ شریعتوں میں بہت سے امور فرشتوں کیطرف تفویض کئے گئے ، اور مقرب لوگوں کی دعا مقبول ہونیکی تصریح ہے اس سے وہ لوگ ان امور کو انہی کے تصرفات سمجھ گئے جیسے چھوٹے چھوٹے بادشاہوں کے ہوتے ہیں اور انہوں نے غائب کو حاضر پر قیاس کرلیا اور یہی شئی فساد کا باعث ہوئی ، اور اہل جاہلیت کے اصول میں سے ایک یہ تھا کہ وہ خدا تعالیٰ کی ذات کو اس شئی سے پاک سمجھتے تھے جو اسکی شان کے لائق نہیں ہے اور اسکے اسماء میں الحاد کو ناجائز جانتے تھے لیکن انہوں نے اپنی گمراہی کیوجہ سے یہ سمجھ لیا تھا کہ فرشتے خدا کی لڑکیاں ہیں اور فرشتے ایک واسطہ قرار دیئے گئے ہیں تاکہ خدا تعالےٰ انکے ذریعہ سے اس امر کو معلوم کرے جسکا اسکو علم نہیں ہے ، انہوں نے خدا تعالےٰ کو بادشاہوں پر قیاس کیا جیسا کہ وہ جاسوسوں کے ذریعہ سے حالات معلوم کیا کرتے ہیں ، اور ان کے مسئلہ ! ذیل میں

عليهم الالزام ولا يتحقق فيهم الافحام فمن تلك الاصول القول بانه لاشريك لله تعالى في خلق السموات والارض وما فيهما من الجواهر ولاشريك له في تدبير الامور العظام وانه لاراد لحكمه ولا مانع لقضائه اذا ابرم وجزم وهو قوله تعالى ولئن سالتهم من خلق السموات والارض ليقولن الله وقوله تعالى بل اياه تدعون ، وقوله تعالى ضل من تدعون الا اياه لكن كان من زندقتهم قولهم ان هنالك اشخاصا من الملائكة والارواح تدبر اهل الارض فيما دون الامور العظام من اصلاح حال العابد فيما يرجع الى خويصة نفسه واولاده وامواله وشبهوهم بحال الملوك بالنسبة الى ملك الملوك وبحال الشفعاء والندماء بالنسبة الى السلطان المتصرف بالجبروت ومنشأ ذلك ما نطقت به الشرائع من تفويض الامور الى الملائكة واستجابة دعاء المقربين من الناس فظنوا ذلك تصرفا منهم كتصرف الملوك قياسا للغائب على الشاهد وهو الفساد ، ومنها تنزيهه عما لا يليق بجنابه وتحريم الالحاد في اسمائه لكن كان من زندقتهم زعمهم ان الله اتخذ الملائكة بنات وان الملائكة انما جعلوا واسطة ليكتسب الحق منهم علما ليس عنده قياسا على الملوك بالنسبة الى الجواسيس ، ومنها ان الله تعالى قدر جميع الحوادث قبل ان يخلقها ، وهو

قول الحسن البصري لم يزل اهل الجاهلية
يذكرون القدر في خطبهم واشعارهم
ولم يزده الشرع الا تاكيدا، ومنها
ان هنالك موطنا يتحقق فيه القضاء
بالحوادث شيئا فشيئا، وان هنالك
لادعية الملائكة المقربين وافاضل
الآدميين تاثيرا بوجه من الوجوه لكن
صار ذلك في اذهانهم متمثلا بشفاعة
ندماء الملوك اليهم، ومنها انه كلف
العباد بما شاء فاحل وحرم وانه مجازي
على الاعمال ان خيرا فخيرا وان شرا فشرا
وان لله تعالى ملائكة هم مقربوا الحضرة
واكابر الملائكة وانهم مدبرون في
العالم باذن الله وبامره وانهم لا يعصون
الله ما امرهم ويفعلون ما يؤمرون وانهم
لا ياكلون ولا يشربون ولا يتغوطون
ولا ينكحون وانهم قد يظهرون لافاضل
الآدميين فيبشرونهم وينذرونهم و
ان الله قد يبعث الى عباده بفضله و
لطفه رجلا منهم فيلقي وحيه اليه و
ينزل الملك عليه وانه يفرض طاعته
عليهم فلا يجدون منها بدا ولا يستطيعون
دونها محيصا، وقد كثر ذكر الملا الاعلى و
حملة العرش في اشعار الجاهلية، وعن
ابن عباس رضي الله عنهما ان النبي صلى الله
عليه وآله وسلم صدق امية بن
ابي الصلت في بيتين من شعره فقال.

رجل وثور تحت رجل يمينه
والنسر للاخرى وليث مرصد

امام حسن بصری کا قول ہے کہ اہل جاہلیت اپنے خطبوں اور اشعار میں
ہمیشہ تقدیر کا ذکر کیا کرتے تھے پس شرع نے اسکو اور مؤکد کر دیا ہے،

اور انکے مسلمہ اصول میں سے ایک یہ تھا کہ عالم بالا میں ایک مقام
معین ہے جہاں بتدریج حوادث پائے جاتے ہیں اور اس جگہ فرشتوں اور
اور اچھے آدمیوں کی دعا میں کچھ نہ کچھ تاثیر ہے، لیکن اسکی صورت ان کے
ذہنوں میں ایسی تھی جیسے بادشاہوں کے وزیروں کی شفاعت کا اثر
بادشاہوں پر پڑتا ہے،

ان کے مسلمہ اصول میں سے یہ بھی تھا کہ خدا تعالے نے اپنے
بندوں پر احکام مقرر کئے ہیں ان میں سے بعض کو حلال اور بعض کو
حرام کیا ہے اور یہ کہ وہ ہر کام کی جزا دیتا ہے اگر اعمال اچھے ہیں تو جزا بھی
اچھی ہوتی ہے اور اگر اعمال برے ہیں تو جزا بھی بری ہوتی ہے، اور یہ کہ
خدا تعالے کے پاک فرشتے ہیں جو اسکی بارگاہ میں مقرب ہیں اور بڑے درجہ
والے ہیں خدا کے حکم سے وہ اس عالم کی تدابیر میں مصروف رہتے ہیں احکام
الٰہیہ کی تعمیل سے سرتابی نہیں کرتے اور جو حکم ان کو ملتا ہے اس کی تعمیل
کرتے ہیں وہ نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں نہ براز کرتے ہیں اور نہ شادی
کرتے ہیں اور کبھی کبھی نیک آدمیوں کے پاس حاضر ہوتے ہیں اور ان کو
بشارت اور خوف دلاتے ہیں،

اور ان کو اس پر بھی اعتقاد تھا کہ خدا تعالے اپنے فضل و کرم
سے ایسے شخص کو لوگوں کی طرف مبعوث کرتا ہے جس پر وحی
نازل کرتا ہے اور اس کے پاس فرشتوں کو بھیجتا ہے اور خدا تعالی
اسکی طاعت لوگوں پر فرض کرتا ہے پس لوگوں کو اس کے حکم کی
تعمیل اور فرماں برداری کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا،

ملاء اعلے اور حاملین عرش کا ذکر اشعار جاہلیت میں بکثرت
موجود ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالے عنہما سے مروی
ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے امیہ ابن ابی
الصلت کے ان دو اشعار کی تصدیق فرمائی ہے اسکا قول ہے

شعر:-

آدمی اور بیل اس کے دائیں پاؤں کے نیچے ہیں
" اور گرگس ایک پائے کا اور شیر دوسرے پائے کا محافظ ہے "

آن حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ شعر سنکر فرمایا امیہ نے سچ کہا اسکے بعد امیہ کا یہ شعر پڑھا، شعر:-

سورج ہر رات کے ختم ہونے کے بعد صبح کو سرخ اور
گلابی رنگ کا نکلتا ہے، وہ خوشی سے ہمارے لئے طلوع
نہیں ہوتا بلکہ وہ معذب ہوکر اور تازیانہ کھا کر آتا ہے،
(یعنی خدا کی قدرت سے مغلوب رہتا ہے)

پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امیہ نے سچ کہا، اور اسکی تحقیق یہ ہے کہ اہل جاہلیت کا یہ عقیدہ تھا کہ عرش کے اٹھانے والے چار فرشتے ہیں، ایک انسان کا ہم شکل ہے اور وہ خدا کے حضور میں بنی آدم کا شفیع ہے، اور دوسرے کی صورت بیل کی ہے اور وہ چارپایوں کا شفیع ہے، تیسرے کی صورت کرگس کی ہے اور وہ پرندوں کی شفاعت کرتا ہے، اور چوتھا شیر کی شکل کا ہے اور وہ درندوں کی شفاعت کرتا ہے،

پس شرع میں بھی اسکے قریب آیا ہے لیکن شرع نے ان تمام فرشتوں کا نام وعول (بز کوہی) رکھا ہے اس اعتبار سے کہ عالم مثال میں ان فرشتوں کی صورتیں ایسی ہی ظاہر ہوتی ہیں، یہ سب باتیں اہل جاہلیت کو معلوم تھیں اسکے ساتھ ساتھ وہ اس باب میں غائب کو حاضر پر قیاس کرتے تھے اور امور علمی اور یقینی کو اپنے پسندیدہ خیالات کے ساتھ خلط ملط کر دیتے تھے۔ اور اگر تم کو ہمارے مذکورہ بیان میں شبہ ہو تو ان مضامین میں غور کر لو جن کو خدا تعالٰے نے قرآن عظیم میں بیان فرمایا اور اس باقی علم کے ذریعہ جو ان کے پاس رہ گیا تھا ان پر دلیل قائم کی، اور ان شکوک و شبہات کو جو انہوں نے اپنی معلومات میں داخل کر لئے تھے دور فرمایا بالخصوص اس آیت کو دیکھو:- جبکہ اہل جاہلیت نے نزول قرآن کا انکار کیا تو خدا تعالٰے نے فرمایا "آپ فرما دیجئے کہ بتاؤ وہ کتاب کس نے نازل کی تھی جسے حضرت موسیٰ لائے تھے" اور جب ان لوگوں نے کہا "یہ کیسا رسول ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے" تو خدا تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "آپ رسولوں میں سے کوئی انوکھے اور عجیب نہیں ہیں"

فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم صدق - فقال

والشمس تطلع کل اخر لیلۃ
حمراء یصبح لونھا یتورد
تابی فما تطلع لنا فی رسلھا
الا معذبۃ والا تجلد

فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم صدق، وتحقیق ھذا ان اھل الجاھلیۃ کانوا یزعمون ان حملۃ العرش اربعۃ املاک احدھما فی صورۃ الانسان وھو شفیع بنی ادم عند اللہ، والثانی فی صورۃ الثور وھو شفیع البھائم، والثالث فی صورۃ النسر وھو شفیع الطیور، والرابع فی صورۃ الاسد وھو شفیع السباع،- فقد ورد الشرع بقریب من ذلک الا انہ سماھم جمیعھم وعولا وذلک بحسب ما یظھر فی عالم المثال من صورھم، فھذا کلہ کان معلوما عندھم مع ما دخل فیہ من قیاس الغائب علی الشاھد وخلط المالوف بالامور العلمیۃ، وان کنت فی ریب مما ذکرنا فانظر فیما قص اللہ تعالی فی القران العظیم واحتج علیھم بما عندھم من بقیۃ العلم وکشف ما ادخلوہ فیہ من الشبہ والشکوک لاسیما قولہ تعالی لما انکروا نزول القران قل من انزل الکتاب الذی جاء بہ موسی ولما قالوا مال ھذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق انزل قولہ تعالی قل ما کنت بدعا من الرسل، و

ایسی ہی اور بہت سی مثالیں ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین
اگرچہ راہ راست سے دور ہٹ گئے تھے لیکن جو علمی حصہ انہیں
باقی رہ گیا تھا اس کے ذریعہ سے ان پر حجت قائم ہو سکتی تھی
اہل جاہلیت میں جو لوگ حکیم ہوئے ہیں ان کے خطبوں کو دیکھو
مثلاً قس بن ساعدہ، زید بن عمرو بن نفیل اور عمرو بن لحی سے
پیشتر کے نیک لوگوں کے کلام کو دیکھو تو سب میں یہ بات مفصلاً
معلوم ہوگی، بلکہ ان کے کلام میں اگر نہایت غور و خوض کرو گے
تو ان کے فضلاء اور حکماء کو پاؤ گے کہ وہ عالم معاد اور فرشتوں
وغیرہ کا اعتقاد رکھتے تھے اور وہ توحید کو ٹھیک طور پر مانتے
تھے حتی کہ زید بن عمرو بن نفیل نے اپنے شعر میں یہ کہا یا

شعر:-

تو پروردگار ہے سب لوگوں کا بادشاہ ہے
موتیں اور فیصلے تیرے ہی قبضہ میں ہیں،

اور اس نے یہ بھی کہا:-

میں ایک پروردگار کو مانوں یا ہزار کو
جب کاموں کی تقسیم ہو
میں نے لات و عزیٰ سب کو چھوڑ دیا
سمجھ دار آدمی ایسا ہی کیا کرتا ہے،

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے امیہ بن ابی
الصلت کے حق میں فرمایا:- "اس کے شعر میں ایمان ہے لیکن
اس کے دل میں ایمان نہیں ہے" اور یہ سب باتیں وہ تھیں جو
ان میں حضرت اسمٰعیل کے طریقہ سے وراثۃً چلی آئی تھیں اور اہل
کتاب سے ان کو حاصل ہوئی تھیں ان کو بخوبی معلوم تھا کہ انسان
کا اصلی کمال یہی ہے کہ اپنے رب کے سامنے سرنگوں ہو اور
انتہائی کوشش سے خدا کی عبادت کرے، اور عبادت کے
ابواب میں ان کے ہاں ایک طہارت بھی تھی، اور غسل
جنابت تو ان کے ہاں ایک معمولی تھا، اور اسی طرح

ما يشابه ذلك فتعلم من هنالك ان
المشركين، وان كانوا قد تباعدوا عن
المحجة المستقيمة لكن كانوا بحيث تقوم
عليهم الحجة ببقية ما عندهم من
العلم، وانظر الى خطب حكمائهم كقس
ابن ساعدة، وزيد بن عمرو بن نفيل
والى اخبار من كان قبل عمرو بن لحي تجد
ذلك مفصلا بل لو امعنت في تصفح
اخبارهم غاية الامعان وجدت افاضلهم
وحكمائهم كانوا يقولون بالمعاد وبالحفظة
وغير ذلك ويثبتون التوحيد على وجهه
حتى قال زيد بن عمرو بن نفيل في
شعره -

عبادك يخطئون وانت رب
بكفيك المنايا والحتوم

وقال ايضا :-

اربا واحدا ام الف رب
ادين اذا تقسمت الامور
تركت اللات والعزى جميعا
كذلك يفعل الرجل البصير

وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم
في امية بن ابي الصلت آمن شعره ولم
يؤمن قلبه، وذلك مما توارثوه من
منهاج اسمعيل ودخل فيهم من اهل
الكتاب وكان من المعلوم عندهم ان
كمال الانسان ان يسلم وجهه لربه و
يعبده اقصى مجهوده، وان من ابواب
العبادة الطهارة وما زال الغسل من
الجنابة سنة معمولة عندهم وكذلك

ختنہ اور تمام فطری خصائل ان میں تھے، توریت میں ہے کہ خدا
تعالیٰ نے ختنہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کے لئے
ایک نشان قرار دیا تھا اور اس وضو کو مجوس اور یہود وغیرہ سب
کیا کرتے تھے اور حکماء عرب بھی اسکے پابند تھے اور ان میں نماز
بھی مروج تھی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی
خدمت میں حاضر ہونے سے پیشتر تین سال سے نماز پڑھا کرتے
تھے اور قس ابن ساعدہ ایادی بھی نماز پڑھا کرتے تھے، یہود،
مجوسی اور بقیہ عرب میں نماز کے تعظیمی افعال مروج تھے خاصکر
سجود کے پابند تھے اور دعا و ذکر الہی سے متعلق اقوال بھی تھے
اور وہ لوگ زکوٰۃ بھی دیا کرتے تھے،

اور مہمان کی ضیافت کرنا، مسافر کو کھانا کھلانا، کسی کے
اہل وعیال کا نفقہ، مساکین کو صدقہ دینا، اہل قرابت سے صلہ
رحمی کرنا اور مصائب حق میں مدد کرنا ان کا دستور تھا اور یہ سب
زکوٰۃ میں داخل تھے، انھی امور سے ان کی مدح ہوتی تھی اور
انھی امور کو انسان کا کمال اور اس کی سعادت سمجھتے تھے،

چنانچہ حضرت خدیجہ نے آپ سے عرض کیا تھا بخدا
اللہ تعالیٰ آپ کو پسماندہ نہ کرے گا کیونکہ آپ صلہ رحمی
کرتے ہیں، مہمانوں کو کھانا کھلاتے ہیں، دوسروں کے
عیال اور ضعفاء کے کفیل ہوتے ہیں، حوادث میں لوگوں کی
اعانت کرتے ہیں،

ایسا ہی ابن دغنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ
عنہ کی نسبت کہا تھا، اور وہ لوگ صبح صادق سے غروب
آفتاب تک روزہ رکھا کرتے تھے اور مسجد میں
اعتکاف کیا کرتے تھے،

اور حضرت عمر نے زمانہ جاہلیت میں ایک شب
کے اعتکاف کی نذر کی تھی اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ
وسلم سے اس میں استفتار کیا تھا،

اور عاص بن وائل نے وصیت کی تھی کہ میری جانب
سے فلاں فلاں غلام آزاد کئے جائیں،

الختان وسائر خصال الفطرة، وفي
التوراة ان الله تعالى جعل الختان
ميسمة على ابراهيم وذريته وهذا
الوضوء يفعله المجوس واليهود وغيرهم
وكانت تفعله حكماء العرب وكانت
فيهم الصلوة وكان ابوذر رضي الله
عنه يصلي قبل ان يقدم على النبي صلى
الله عليه وآله وسلم بثلاث سنين
وكان قس بن ساعدة الايادي يصلي، و
المحفوظ من الصلوة في امم اليهود و
المجوس وبقية العرب افعال تعظيمية
لاسيما السجود واقوال من الدعاء والذكر
وكانت فيهم الزكاة وكان المعمول عندهم
منها قرى الضيف وابن السبيل وحمل
الكل والصدقة على المساكين وصلة
الارحام والاعانة في نوائب الحق و
كانوا يمدحون بها ويعرفون انها كمال
الانسان وسعادته، قالت خديجة رض
فوالله لايخزيك الله ابدا انك لتصل
الرحم وتقري الضيف وتحمل الكل و
تعين على نوائب الحق، وقال ابن الدغنة
لابي بكر الصديق رضي الله عنه مثل ذلك
وكان فيهم الصوم من الفجر الى غروب
الشمس وكانت قريش تصوم عاشوراء
في الجاهلية وكان الجوار في المسجد، وكان
عمر نذر اعتكاف ليلة في الجاهلية فاستفتى
في ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم،
وكان عاص بن وائل اوصى ان يعتق
عنه كذا وكذا من العبيد، وبالجملة

حاصل کلام یہ ہے کہ اہل جاہلیت مختلف تعظیمات کے ذریعہ خدا کی عبادت کیا کرتے تھے لیکن حج بیت اللہ اور اسکے شعائر کی تعظیم اور بزرگ مہینوں کی عظمت، پس یہ امور تو اہل عرب میں ایسے مشہور تھے جو کسی پہ مخفی نہیں تھے ان کے پاس کئی قسم کے منتر اور تعویذات بھی تھے لیکن انہیں شرک کی باتیں داخل کر دی تھیں، حلق کا ذبح کرنا اور گردن میں برچھا مارنا ان کا طریقہ تھا نہ وہ ذبیحہ کا گلا گھونٹتے تھے اور نہ پیٹ چاک کرتے تھے وہ بقیہ دین ابراہیم علیہ السلام پہ قائم تھے، وہ علم نجوم کو نہ مانتے تھے اور سوائے بدیہی چیزوں کے علم طبیعیات کے دقائق میں غور و خوض نہ کرتے تھے، آئندہ امور کے دریافت کرنے میں ان کے ہاں عمدہ طریقہ خواب تھا اور گذشتہ انبیار کی بشارات تھیں، اس کے بعد کہانت اور تیروں سے آئندہ حالات کا اندازہ لگانا اور بدشگونی کرنا ان میں رواج پا گیا تھا اور وہ اس بات کو جانتے تھے کہ یہ امور اصل ملت میں داخل نہیں تھے چنانچہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام کی تصویریں دیکھیں جنکے ہاتھوں میں تیر تھے تو فرمایا۔ یہ لوگ خوب جانتے ہیں کہ انہوں نے تیروں کے ذریعہ کبھی اندازہ نہیں لگایا، بنی اسمٰعیل اپنے جد اسمٰعیل علیہ السلام کے طریقہ پر رہے یہاں تک کہ ان میں عمرو بن لحی پیدا ہو گیا جو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے تقریباً تین سو برس قبل پیدا ہوا تھا، ان لوگوں کے لئے کھانے میں، پینے میں، لباس میں، دعوتوں میں، عیدوں میں، مُردوں کے دفن کرنے میں، نکاح، طلاق، عدت اور سوگ میں اور خرید و فروخت و معاملات میں نہایت مستحکم طریقے معین تھے جن کے ترک کرنے پر لوگوں کو ملامت کی جاتی تھی اور ہمیشہ سے وہ محارم کو جیسے بیٹیاں، مائیں، بہنیں وغیرہ ہیں حرام سمجھتے تھے۔

كان اهل الجاهلية يتحنثون بانواع التحنثات واما حج بيت الله وتعظيم شعائره و الاشهر الحرم فامره اظهر من ان يخفى وكان لهم انواع من الرقى والتعوذات وكانوا ادخلوا فيها الاشراك ولم تزل سنتهم الذبح في الحلق والنحر في اللبة ما كانوا يخنقون ولا يبعجون وكانوا على بقية دين ابراهيم عليه السلام في ترك النجوم وترك الخوض في دقائق الطبيعيات غير ما الجأ اليه البداهة وكان العمدة عندهم في تقدمة المعرفة الرؤيا وبشارات الانبياء من قبلهم ثم دخل فيهم الكهانة والاستقسام بالازلام والطيرة وكانوا يعرفون ان هذه لم تكن في اصل الملة وهو قوله صلى الله عليه وآله وسلم حين راى صورة ابراهيم واسماعيل عليهما السلام في ايديهما الازلام لقد علموا انهما لم يستقسما قط، وكان بنو اسمٰعيل على منهاج ابيهم الى ان وجد فيهم عمرو ابن لحي وذلك قبل مبعث النبي صلى الله عليه وآله وسلم قريبا من ثلثمائة سنة، وكانت لهم سنن متأكدة يتلاومون على تركها في مآكلهم و مشاربهم ولباسهم وولائمهم و اعيادهم ودفن موتاهم ونكاحهم وطلاقهم وعدتهم واحدادهم وبيوعهم ومعاملاتهم وما زالوا يحرمون المحارم كالبنات والامهات والاخوات وغيرها

ظلم اور تعدی کے موقع پر ان کے ہاں سزائیں مقرر تھیں جیسے
قصاص، دیت اور قسامت کی سزائیں تھیں، ایسے ہی زنا اور
چوری کی سزائیں مقرر تھیں، نیز ایران و روم کی سلطنتوں کے
ذریعہ سے ان میں منزلی اور تمدنی تدابیر و علوم بھی آگئے تھے لیکن
ان میں بدکاری کی کثرت ہو گئی تھی، آپس میں ایک دوسرے کو
قید کر کے اور لوٹ مار کر کے ظلم کرتے تھے، زنا۔ فاسد نکاح
اور سود خوری خوب پھیل گئی تھی، نماز اور ذکر الٰہی کو بالکل ترک
کر دیا تھا اور ان کی طرف کچھ توجہ نہ کرتے تھے، پس ان حالات
میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے پس آپ نے ان کے
تمام امور میں غور و خوض کیا ان میں سے جو حصہ ملتِ ابراہیمی کا
صحیح تھا اس کو باقی رکھا اور اس پر عمل کرنے کی تاکید فرمائی، اور
آپ نے اسباب و اوقات، شروط و ارکان، آداب و مفسدات
رخصت و عزیمت اور اداء و قضاء کی تعلیم کر کے ان کے
لئے عبادات کو منضبط کر دیا اور معاصی کو بھی ارکان و شروط
بیان کر کے ان کے لئے منضبط کر دیا، اور گناہوں کی روک
تھام کے لئے حدود، سزائیں اور کفارات معین فرمائے،
ترغیب اور ترہیب کے بیان کے ذریعہ دین کو ان کے
لئے آسان کر دیا، گناہوں کے تمام ذرائع بند کر دیئے اور
اور ان امور پر آمادہ کیا جن سے نیکی کی تکمیل ہوتی ہے اور
وہ تمام باتیں بتلائیں جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے، ملتِ حنیفیہ
کے پھیلانے میں اور اس کو تمام مذاہب پر غالب کرنے
میں نہایت کوشش فرمائی، ان کی تمام تحریفات کو مٹایا
اور ان کے مٹانے میں انتہائی کوشش کی اور جو رسوم صحیح تھیں
ان کو باقی رکھا اور ان کا حکم فرمایا اور جس قدر ان کی رسومِ
فاسدہ تھیں ان سے روک دیا اور خلافتِ کبریٰ کو انہیں
قائم کیا اور اپنے ساتھیوں کی مدد سے غیروں سے جہاد
کیا یہاں تک کہ امر خداوندی پورا ہو گیا گو وہ ان پر شاق
ہی گذرتا رہا،

بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے

وكانت لهم مزاجر في مظالمهم كالقصاص
والديات والقسامة وعقوبات على الزنا
والسرقة ودخلت فيهم من الاكاسرة
والقياصرة علوم الارتفاق الثالث و
الرابع لكن دخلهم الفسوق والتظالم
بالسبي والنهب وشيوع الزنا والنكاحات
الفاسدة والربا وكانوا تركوا الصلوة
والذكر واعرضوا عنهما فبعث النبي صلى
الله عليه وآله وسلم فيهم وهذا
حالهم فنظر في جميع ما عند القوم فما
كان بقية الملة الصحيحة ابقاه وحض
على الاخذ به وضبط لهم العبادات
بشرع الاسباب والاوقات والشروط
والاركان والآداب والمفسدات والرخصة
والعزيمة والاداء والقضاء وضبط لهم
المعاصي ببيان الاركان والشروط وشرع
فيها حدودا ومزاجر وكفارات ويسر
لهم الدين ببيان الترغيب والترهيب و
سد ذرائع الاثم والحث على مكملات
الخير الى غير ذلك مما سبق ذكره وبالغ
في اشاعة الملة الحنيفية وتغليبها على
الملل كلها وما كان من تحريفاتهم نفاه
وبالغ في نفيه وما كان من الارتفاقات
الصحيحة سجل عليه وامر به وما كان
من رسومهم الفاسدة منعهم عنه و
قبض على ايديهم وقام بالخلافة الكبرى
وجاهد بمن معه من دونهم حتى تم
امر الله وهم كارهون، وجاء في بعض
الاحاديث ان رسول الله صلى الله عليه وسلم

فرمایا "مجھ کو آسان حنیفی روشن مذہب دیکر بھیجا گیا ہے"
آسانی سے آپ کی مراد یہ ہے کہ اس میں ایسی سخت
عبادتیں نہیں ہیں جن کو راہبوں نے ایجاد کر لیا تھا، بلکہ
اس ملت میں ہر ایک عذر کے لئے رخصت ہے جس کی
وجہ سے قوی اور ضعیف، کاربند اور بیکار سب عمل کر سکتے
ہیں، اور حنیفی سے مراد ملت ابراہیم ہے جس میں شعائر الہی
کا قیام اور شرک کے شعار کی برائی ہے اور تحریف رسوم فاسدہ
کا ابطال ہے،

اور روشن سے مراد یہ ہے کہ اس کی علتیں اور حکمتیں اور
وہ مقاصد جن پر شریعت کی بنیاد قائم ہے نہایت صاف ہیں جو شخص
ان میں تامل کریگا اسکو کچھ شبہ باقی نہ رہے گا بشرطیکہ وہ سلیم العقل
ہو اور ہٹ دھرمی کرنے والا نہ ہو، واللہ اعلم۔

قال "بعثت بالملة السمحة الحنيفية البيضاء"
يريد بالسمحة ما ليس فيه مشاق
الطاعات كما ابتدعه الرهبان بل فيها
لكل عذر رخصة يتأتى العمل بها للقوي
والضعيف والمكتسب والفارغ وبالحنيفية
ما ذكرنا من انها ملة ابراهيم صلوات
الله عليه فيها اقامة شعائر الله وكبت
شعائر الشرك وابطال التحريف والرسوم
الفاسدة وبالبيضاء ان عللها وحكمها
والمقاصد التي بنيت عليها واضحة لا يريب
فيها من تامل وكان سليم العقل غير
مكابر والله اعلم۔

ساتواں مبحث

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے احکام شرعی کے استنباط کی کیفیت

پہلا باب: علوم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقسام کا بیان

واضح ہو کہ جو کچھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اور کتب حدیث
میں مدون ہے اس کی دو قسمیں ہیں، اول وہ امور جن کا ذریعہ
تبلیغ رسالت ہے اس سے متعلق خدا تعالے کا یہ قول ہے،
"پیغمبر جو کچھ تم کو بتائے اس کی تعمیل کرو اور جس سے منع کرے
اس سے باز آؤ"

ایسے امور میں سے ایک حصہ علوم معاد اور عالم ملکوت
کے عجیب عجیب حالات کا ہے یہ سب امور بواسطہ وحی کے
ہوتے ہیں، اور ایک حصہ احکام شرعی، ضبط عبادات،

البحث السابع

مبحث استنباط الشرائع من حديث النبي صلى الله عليه وسلم

باب بيان اقسام علوم النبي صلى الله عليه وسلم

اعلم ان ما روي عن النبي صلى الله
عليه وسلم ودون في كتب الحديث
على قسمين، احدهما ما سبيله سبيل
تبليغ الرسالة وفيه قوله تعالى وما
اتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه
فانتهوا، منه علوم المعاد وعجائب
الملكوت وهذا كله مستند الى
الوحي ومنه شرائع وضبط للعبادات

اور ارتفاقات کا ہے ان وجوہ ضبط کے ساتھ جن کا ذکر پہلے گذر چکا ہے، ان میں سے بعض وحی کے ذریعہ سے معلوم ہوتے ہیں اور بعض آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد سے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد بھی وحی کے درجہ میں ہے کیونکہ خدا تعالےٰ نے آپ کو اس سے محفوظ رکھا تھا کہ آپ کی رائے خطا پر جم سکے اور یہ بھی ضروری نہ تھا کہ آپ کا اجتہاد کسی امر منصوص سے مستنبط ہو جیسا کہ بعض لوگ گمان کرتے ہیں بلکہ اکثر یہ حالت تھی کہ خدا تعالےٰ نے آپ کو شرع کے مقاصد بتلا دیے تھے اور تشریع، تیسیر و احکام کے قانون کی تعلیم کر دی تھی پس اسی قانون کے ذریعہ آپ ان مقاصد کی وضاحت کرتے رہا کرتے تھے جو بذریعہ وحی آپ کو حاصل ہوتے تھے،

انہی امور تبلیغ رسالت میں سے ایک حصہ ان حکمتوں اور مصلحتوں کا ہے جو بلا قید رکھی گئی ہیں جنکا نہ وقت متعین ہے اور نہ انکی حدیں بیان کی گئی ہیں جیسے عمدہ اور ناقص اخلاق کا بیان، اور یہ حصہ غالباً اجتہادی ہے بایں معنیٰ کہ خدا تعالےٰ نے آپ کو قوانین انتظامات تعلیم فرمائے پس ان قوانین سے حکمتوں کو اخذ کیا اور ان کو کلیہ بنایا۔

اور انہی امور میں سے ایک حصہ فضائل اعمال اور عاملین کے مناقب اور اوصاف کا ہے، میری رائے میں ان میں سے بعض امور وحی الٰہی کے واسطہ سے ہوتے ہیں اور بعض اجتہادی ہوتے ہیں، اور ان قوانین کا بیان پہلے گذر چکا ہے اور اسی حصہ کی تشریح اور ان کے مقاصد کا بیان کرنا ہمیں مقصود ہے۔

دوسؔم وہ امور جو تبلیغ رسالت کے باب سے نہیں ہیں اسی کے بارے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "میں ایک انسان ہوں جب میں تمکو کسی مذہبی امر کا حکم کروں تو اسکو لے لو اور جو بات میں تم سے اپنی رائے سے کہوں پس میں بشر ہوں" درخت خرما کے نر و مادہ کے ملانے میں بھی آپنے یہی فرمایا تھا "یہ میرا ایک گمان تھا پس ظنی بات میں میرا مواخذہ نہ کرو لیکن جب میں خدا کی جانب سے کوئی بات بیان کروں تو

والارتفاقات بوجوه الضبط المذكورة فيما سبق وهذه بعضها مستند الى الوحي وبعضها مستند الى الاجتهاد واجتهاده صلى الله عليه وآله وسلم بمنزلة الوحي لان الله تعالى عصمه من ان يتقرر رايه على الخطأ وليس يجب ان يكون اجتهاده استنباطا من المنصوص كما يظن بل اكثره ان يكون علمه الله تعالى مقاصد الشرع وقانون التشريع والتيسير والاحكام فبين المقاصد المتلقاة بالوحي بذلك القانون، ومنه حكم مرسلة ومصالح مطلقة لم يوقتها ولم يبين حدودها كبيان الاخلاق الصالحة واضدادها ومستندها غالبا الاجتهاد بمعنى ان الله تعالى علمه قوانين الارتفاقات فاستنبط منها حكمة وجعل فيها كلية، ومنه فضائل الاعمال ومناقب العمال، وارى ان بعضها مستند الى الوحي وبعضها الى الاجتهاد وقد سبق بيان تلك القوانين وهذا القسم هو الذي نقصد شرحه وبيان معانيه، وثانيهما ماليس من باب تبليغ الرسالة وفيه قوله صلى الله عليه وسلم انما انا بشر اذا امرتكم بشئ من دينكم فخذوا به واذا امرتكم بشئ من رأيي فانما انا بشر وقوله صلى الله عليه وسلم في قصة تابير النخل فاني انما ظننت ظنا ولا تؤاخذوني بالظن ولكن اذا حدثتكم عن الله شيئا

اسکو اختیار کرو اسلئے کہ میں نے خدا پر کبھی جھوٹ نہیں بولا۔"

اسی حصہ میں سے طب کا حصہ ہے اور اسی سے متعلق حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ "گھوڑا نہایت سیاہ جسکی پیشانی پر ہلکی سی سفیدی ہو ضرور رکھو" اور اس بارہ میں مستند آپ کا تجربہ تھا۔

اور اسی قبیل سے وہ امور بھی ہیں جن کو آپ عادۃً کیا کرتے تھے اور اُن کو بطور عبادت کے نہیں کرتے تھے، یا آپ نے انکو اتفاقاً کیا تھا قصداً نہیں کیا تھا، اور اسی قبیل سے وہ مذکورات ہیں جنکو آپ اپنی قوم سے کہا کرتے تھے "حدیث ام زرع اور حدیث خرافہ اسی قسم کی احادیث ہیں، اسی کو زید بن ثابت نے فرمایا ہے جبکہ چند آدمی آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ہم سے بیان کیجیے، حضرت زید نے کہا "میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمسایہ میں رہتا تھا جب آپ پر وحی نازل ہوتی تھی تو آپ مجھ کو بلا بھیجتے تھے پس میں اسکو لکھدیا کرتا تھا، آپ کی یہ عادت تھی کہ جب ہم دنیا کا ذکر کرتے تو آپ بھی ہمارے ساتھ دنیا کا ذکر کرتے، اور جب ہم آخرت کا ذکر کرتے تو آپ بھی ہمارے ساتھ آخرت کا ذکر کرتے، اور جب ہم کھانے کا ذکر کرتے تو آپ بھی ہمارے ساتھ کھانے کا ذکر کرتے، پس کیا میں تم سے ان سب قسم کی حدیثوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کروں؟" اور اسی قبیل سے وہ امور بھی ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں جزئی مصلحت مقصود تھی لیکن وہ تمام امت کیلئے ضروری نہ تھے اور ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بادشاہ فوجوں کی ترتیب کرتا ہے اور کوئی شعار مقرر کرتا ہے، اسی لئے حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے "ہم کو طواف میں رمل سے کیا تعلق، ہم ان لوگوں کو یہ حالت دکھاتے تھے جنکو خدا نے اب ہلاک کر دیا ہے۔" اسکے حضرت عمرؓ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں رمل کا کوئی اور سبب نہ ہو۔ اور بہت سے احکام اسی مصلحتِ جزئی پر محمول ہیں جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے "جہاد میں جو کوئی کسی کو قتل کرے وہی شخص اس مقتول کا اسباب وسامان لے۔"

اسی حصہ میں سے آپ کے احکام اور خاص فیصلے ہیں اور ان میں آپ گواہ اور قسم کا اعتبار کر لیتے تھے، حضرت علی سے آپ نے فرمایا تھا "جو کچھ شاہد ہو وہ دیکھتا ہے جو غائب نہیں دیکھ سکتا"

فخذوا به فانی لم اکذب علی اللہ، فمنه الطب ومنه باب قوله صلی اللہ علیه وسلم علیکم بالادهم الاقرح ومستنده التجربة، ومنه ما فعله النبی صلی اللہ علیه وسلم علی سبیل العادة دون العبادة وبحسب الاتفاق دون القصد، ومنه ما ذکره کما کان یذکر قومه کحدیث ام زرع وحدیث خرافة وهو قول زید بن ثابت حیث دخل علیه نفر فقالوا له حدثنا احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال کنت جاره فکان اذا انزل علیه الوحی بعث الی فکتبته له فکان اذا ذکرنا الدنیا ذکرها معنا واذا ذکرنا الاخرة ذکرها معنا واذا ذکرنا الطعام ذکره معنا فکل هذا احدثکم عن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم، ومنه ما قصد به مصلحة جزئیة یومئذ ولیس من الامور اللازمة لجمیع الامة وذلك مثل ما یامر به الخلیفة من تعبیة الجیوش وتعیین الشعار وهو قول عمر رضی اللہ عنه: ما لنا وللرمل کنا نترائ به قوما قد اهلکهم اللہ ثم خشی ان یکون له سبب اخر، وقد حمل کثیر من الاحکام علیه کقوله صلی اللہ علیه وسلم من قتل قتیلا فله سلبه، ومنه حکم وقضاء خاص وانما کان یتبع فیه البینات والایمان وهو قوله صلی اللہ علیه وسلم لعلی رضی اللہ عنه الشاهد یری ما لا یراه الغائب

۱ شعار وہ کلمات مقررہ ہوتے ہیں جن سے رات کو اپنے اور غیر میں تمیز ہو جاتی ہے۔ ۱۲۔ ۲ طواف کی حالت میں سینہ نکال کر چلنے کو رمل کہتے ہیں۔ ۱۲۔

دوسرا باب (۵۷) مصلحتوں اور شریعتوں کے مابین فرق کا بیان

واضح ہو کہ شارع نے ہم کو دو قسم کے علمی فائدے پہنچائے ہیں جن کے احکام اور مراتب جدا جدا ہیں، پس ان میں سے ایک قسم مصالح اور مفاسد کا علم ہے یعنی جس میں نفس کو مہذب کرنے کا بیان ہے اس طور پر کہ وہ اخلاق جو دنیا اور آخرت میں نافع ہیں حاصل کئے جائیں اور ان کے مخالف اخلاق کو دور کیا جائے، اور جس میں تدبیر خانہ داری، آداب، معاش اور سیاست مدنیہ کا بیان ہے جن کی شارع نے نہ مقدار معین کی، نہ کسی مبہم کو حدود کے ساتھ منضبط کیا اور نہ ہی علامات معلومہ کے ساتھ قابل اشکال امر کو ممتاز کیا بلکہ پسندیدہ امور کی ترغیب دی اور رذائل سے کنارہ کش رہنے کی ہدایت فرمادی اور اپنے کلام کو اہل زبان کے فہم پر چھوڑ دیا اور نفس مصالح کو طلب اور باز رہنے کا مدار علیہ قرار دیا، نہ ان کے لئے مواقع مقرر کئے اور نہ علامات جن سے طلب یا باز رہنے کی طرف رہبری ہو سکے، مثلاً آپ نے دانائی اور بہادری کی مدح فرمائی، اور امر معیشت میں نرمی، محبت اور میانہ روی کا حکم فرمایا اور دانائی کی کوئی حد نہیں بیان کی جو طلب کا مدار علیہ ہو اور نہ اس کا مظنہ بتلایا جس سے تجاوز کرنے پر لوگوں سے مواخذہ کیا جاتا ہو،

جس مصلحت کی شرع نے ہم کو ترغیب دی ہے اور جس خرابی سے باز رکھا ہے اس کی انتہا تین اصولوں میں سے ایک نہ ایک پر ہوتی ہے، ان میں سے اوّل ان چار خصلتوں کے ذریعہ نفس کو مہذب کرنا ہے جو آخرت میں نفع بخش ہوں، یا ان تمام خصائل سے نفس کو مہذب کرنا ہے جو دنیا میں مفید ہوں، دوّم، کلمۃ اللہ کا بلند کرنا، شرائع کا مستحکم کرنا اور ان کی اشاعت میں سعی کرنا ہے، سوّم، لوگوں کی حالت کا انتظام کرنا، ان کی تدابیر کو درست کرنا اور انکی رسوم کو مہذب صورت میں لانا ہے،

اور مصلحت اور خرابی کی انتہا ان اصول پر ہونے کے معنی یہ ہیں کہ کسی شئی کو ان امور میں اثباتًا یا نفیًا دخل ہوتا ہے

باب الفرق بين المصالح والشرائع

اعلم ان الشارع افادنا نوعين من العلم متمايزين باحكامهما متباينين في منازلهما، فاحد النوعين علم المصالح والمفاسد اعني ما بينه من تهذيب النفس باكتساب الاخلاق النافعة في الدنيا او في الآخرة وازالة اضدادها ومن تدبير المنزل وآداب المعاش وسياسة المدينة غير مقدر لذلك بمقادير معينة ولا ضابط مبهمه بحد ومضبوطة ولا مميز لمشكله بامارات معلومة بل رغب في الحمائد وزهد في الرذائل تاركا كلامه الى ما يفهم منه اهل اللغة مديرا للطلب او المنع على انفس المصالح لا على مظان منصوبة لها وامارات معرفة اياها كما مدح الكيس والشجاعة وامر بالرفق والتودد والقصد في المعيشة ولم يبين ان الكيس مثلا ما حده الذي يدور عليه الطلب وما مظنته التي يؤاخذ الناس بها وكل مصلحة حثنا الشرع عليها وكل مفسدة ردعنا عنها فان ذلك لا يخلو من الرجوع الى احد اصول ثلاثة احدها تهذيب النفس بالخصال الاربع النافعة في المعاد او سائر الخصال النافعة في الدنيا، وثانيها اعلاء كلمة الحق وتمكين الشرائع والسعي في اشاعتها وثالثها انتظام امر الناس واصلاح ارتفاقاتهم وتهذيب رسومهم، ومعنى رجوعها اليها ان يكون للشيء دخل في تلك الامور اثباتا او نفيا

بایں طور کہ یہ شئی ان میں سے کسی خصلت کا شعبہ ہو یا ان کے شعبہ کی ضد ہو
یا ان کے پائے جانے کا محل ہو یا نہ پائے جانے کا محل ہو یا ان سے متلازم ہو یا
ان کی ضد سے متلازم ہو، یا ان اصول کے حصول کا ذریعہ ہو یا ان سے اعراض کا
ذریعہ ہو، اور خدا کی خوشنودی اصل میں انہی مصلحتوں سے متعلق ہوتی ہے
اور اسکی ناراضی انہی مفاسد اور خرابیوں سے متعلق ہوتی ہے، پیغمبروں
کی بعثت سے پہلے کا زمانہ اور بعد کا زمانہ اس خوشنودی اور ناراضی
میں یکساں ہے، اگر ان دونوں حصوں سے خدا کی رضا اور ناراضی کا تعلق
نہ ہوتا تو پیغمبر نہ بھیجے جاتے اسلئے کہ یہ تمام شرائع اور حدود تو انبیاء کے
پیدا ہونے کے بعد ہوئے ہیں پس ابتداءً ان شرائع کا حکم دینا یا ان پر
مواخذہ کرنا لطف الٰہی نہیں تھا، لیکن مصالح اور مفاسد نفس کی
پاکی یا ناپاکی پر یا لوگوں کے انتظامی یا بد انتظامی امور پر بعثت انبیاء
سے پہلے ہی مؤثر تھے اسواسطے لطف الٰہی مقتضی ہوئی کہ لوگوں کو ضرر
رساں امور سے خبردار کیا جائے اور جو امور ان کے لئے ضروری ہیں
ان کا حکم دیا جائے اور یہ چیز بغیر مقادیر اور شرائع کے پوری نہیں ہوسکتی
تھی اسواسطے لطف الٰہی نے ان مقادیر اور شرائع کے تعین کا بالطبع
اقتضاء کیا، اور یہ قسم ایسی ہے جو عقل میں آتی ہے،

پس اس قسم میں سے بعض امور ایسے ہیں کہ عام لوگوں کی عقلیں
ان کے سمجھنے کی صلاحیت رکھتی ہیں، اور اسی قسم میں سے بعض امور
ایسے ہیں جن کو صرف ان اذکیاء کی عقلیں ہی سمجھتی ہیں جن پر انبیاء
کے قلوب کے انوار کا پرتو پڑا ہے، شریعت نے انہیں متنبہ کیا
تو خبردار ہوگئے اور کسی امر کا اشارہ کیا تو فوراً سمجھ گئے،

اور شخص ان اصول کو جن کا ہم نے ذکر کیا ہے اچھی طرح سے
ضبط کرلے تو اس کو ان مصالح اور مفاسد میں سے کسی میں بھی توقف
نہ ہوگا ـــ اور ان میں سے دوسری قسم شرائع، حدود اور فرائض کا
علم ہے یعنی وہ مقادیر جن کو شارع نے بیان کرکے مصالح کے لئے
مظان کو مقرر کردیا، اور مصالح کے لئے ایسی علامات معین کردیں جو
منضبط اور معلوم ہوں، اور ان پر حکم کا مدار رکھا اور لوگوں کو ان کا مکلف
بنایا، اور نیکی کے اقسام کو ان کے ارکان، شروط اور آداب متعین کرکے
منضبط کیا اور نیکی کے انواع میں سے ہر نوع کی ایک ایسی حد مقرر کی

او نفیا ایاها بان یکون شعبة من خصلة
منها او ضد الشعبة او مظنة لوجودها او
عدمها او متلازما معها او مع ضدها او
طریقا الیها او الی الاعراض عنها، والرضا
فی الاصل انما یتعلق بتلك المصالح، والسخط
انما یناط بتلك المفاسد قبل بعث الرسل
وبعده سواء، ولولا تعلق الرضا والسخط
بتینك القبیلتین لم یبعث الرسل وذلك
لان الشرائع والحدود انما كانت بعد
بعث الرسل فما كان فی التكلیف بها وا
المؤاخذة علیها ابتداء لطف ولكن المصالح
والمفاسد كانت مؤثرة مقتضیة لتهذیب
النفس او تلویثها او انتظام امورهم او
فسادها قبل بعث الرسل فاقتضی لطف
الله ان یخبروا بما یهمهم ویكلفوا بما لابد
لهم منه ولم یكن یتم ذلك الا بمقادیر و
شرائع فاقتضی اللطف تلك القبیلة بالعرض
وهذا النوع معقول المعنی، فمنه ما تستقل
العقول العامیة بفهمه، ومنه ما لا یفهمه
الا عقول الاذكیاء الفائض علیهم الانوار
من قلوب الانبیاء نبههم الشرع فتنبهوا
ولوح لهم فتفطنوا، ومن اتقن الاصول
التی ذكرناها لم یتوقف فی شیء منها، والنوع
الثانی علم الشرائع والحدود والفرائض
اعنی ما بین الشرع من المقادیر فنصب
للمصالح مظان وامارات مضبوطة معلومة
وادار الحكم علیها وكلف الناس بها و
ضبط انواع البر بتعیین الاركان والشروط
والآداب، وجعل من كل نوع حدا یطلب

جو لوگوں سے واجباً مطلوب ہے اور ایک ایسی حد مقرر کی جس کو وہ
بغیر ایجاب کے مستحباً کرتے ہیں، اور ہر نیکی میں سے ایک مقدار ایسی
اختیار کی جس کو لوگوں پر واجب کر دیا اور ایک مقدار ایسی اختیار کی
جو ان کے لئے مستحب کر دی، اسواسطے تکلیف شرعی خاص ان مظاہر
سے متعلق رہی اور احکام شرعی خاص ان علامات پر مبنی ہوئے اور یہ
نوع سیاستِ ملی کے قوانین کیطرف رجوع کرتی ہے، اور ایسا بھی نہیں
ہے کہ مصلحت کے ہر مظنہ کو لوگوں پر واجب کر دیا جائے بلکہ اسکو واجب
کیا جاتا ہے جو معلوم اور محسوس ہو یا ایسا وصف ظاہر ہو جسکو ہر خاص و
عام جانتا ہو، اور کبھی وجوب اور حرمت کے لئے عارضی اسباب ہوتے
ہیں جن کی وجہ سے عالم بالا میں وجوب اور تحریم لکھدی جاتی ہے پس
وہاں ایجاب و تحریم کی صورت متحقق ہو جاتی ہے جیسے کسی سائل کا
سوال کرنا اور لوگوں کا اس کی طرف التفات کرنا یا اس سے اعراض کرنا،
اور یہ سب ایسے معنی ہیں جن کو عقل نہیں سمجھ سکتی باایں معنی کہ ہم کو اگرچہ
اندازہ اور تشریع کے قوانین کا علم ہے لیکن ان کا عالم بالا میں لکھا جانا
اور حظیرۃ القدس میں وجوب کی صورت کا متحقق ہونا بغیر نص شارع
کے ہم کو معلوم نہیں ہوتا کیونکہ یہ ایسے امور ہیں جن کے ادراک کا
سوائے باری تعالےٰ کے اخبار کے کوئی اور ذریعہ نہیں، اس کی
مثال برف کی سی ہے، ہم کو یہ تو معلوم ہے کہ اس کا سبب
برودت ہے جو پانی کو جما دیتی ہے لیکن ہم یہ نہیں جانتے کہ
فلاں برتن کا پانی اسوقت جم گیا ہے یا نہیں، ہاں خود مشاہدہ
کرنے سے یا ایسے شخص کے خبر دینے سے جس نے مشاہدہ کیا
ہے معلوم ہو سکتا ہے،

پس اسی طرح ہم یہ جانتے ہیں کہ زکوٰۃ کے لئے کوئی
نصاب مقرر ہونا چاہیئے اور یہ بھی جانتے ہیں کہ دو سو درہم
یا پانچ وسق نصاب کے لئے ایک عمدہ مقدار ہے کیونکہ
اس مقدار سے معتد بہ غنا حاصل ہوجاتی ہے اور
یہ دونوں مقداریں لوگوں کے نزدیک معلوم اور
مستعمل ہیں، لیکن یہ امر کہ شارع نے ہم پر یہ نصاب
مقرر کیا ہے اور رضامندی اور ناراضی کا مدار اس پر

منهم لا محالة وحدًا يندبون اليه من غير
ايجاب، واختار من كل بر حدًا يوجب
عليهم وآخر يندبون اليه فصار التكليف
متوجها الى انفس تلك المظان وصارت
الاحكام دائرة على انفس تلك الامارات
ومرجع هذا النوع الى قوانين السياسة
الملية وليس كل مظنة لمصلحة توجب
عليهم ولكن ما كان منها مضبوطا امرًا
محسوسا او وصفا ظاهرا يعلمه الخاصة و
العامة وربما يكون للايجاب والتحريم
اسباب طارئة يكتب لاجلها في الملأ
الاعلى فيتحقق هنالك صورة الايجاب و
التحريم كسؤال سائل ورغبة قوم فيه او
اعراضهم عنه وكل ذلك غير معقول المعنى
بمعنى انا وان كنا نعلم قوانين التقدير
والتشريع فلا نعلم وجود كتابته في الملأ
الاعلى وتحقق صورة الوجوب في حظيرة
القدس الا بنص الشرع فانه من الامور
التي لا سبيل الى ادراكها الا الاخبار الالهي
مثل ذلك كمثل الجمد - نعلم ان سبب
حدوثه برودة تضرب الماء ولا نعلم
ان ماء القعب في ساعتنا هذه صار جمدا
اولا الا بالمشاهدة او اخبار من شاهد
فعلى هذا القياس نعلم انه لابد من
تقدير النصاب في الزكاة ونعلم ان مائتي
درهم وخمسة اوساق قدر صالح
للنصاب لانه يحصل بهما غنى معتد به
وهما امران مضبوطان مستعملان عند
القوم ولا نعلم ان الله تعالى كتب علينا

رکھا ہے بغیر نص شارع کے معلوم نہیں ہو سکتا، اور کیونکر
معلوم ہو سکتا ہے جبکہ بہت سے امور ایسے ہیں جن کا علم بغیر
باری تعالیٰ کے بتلائے ہو ہی نہیں سکتا۔ حضور صلے اللہ علیہ
وسلم کے اس قول میں یہی مراد ہے کہ "سب مسلمانوں میں بڑا گنہگار
وہ شخص ہے"، الحدیث[1]۔ اور اس قول میں بھی یہی مراد ہے "مجھ کو
خوف تھا کہ تم پر تراویح کہیں فرض نہ ہو جائے"۔

اور معتبر علماء اس پر متفق ہیں کہ مقادیر کے باب میں قیاس
کو دخل نہیں ہے اور اس پر بھی متفق ہیں کہ قیاس کی حقیقت یہ ہے
کہ کسی علت مشترکہ کی وجہ سے اصل کے حکم کو فرع کے لئے ثابت
کر دیا جائے نہ یہ کہ مصلحت کے مظنہ کو علت بنا دیا جائے یا کسی
مناسب شئی کو رکن یا شرط قرار دیدیا جائے،

اور اس پر بھی متفق ہیں کہ قیاس مصلحت کو پیدا کرنے کی
صلاحیت نہیں رکھتا بلکہ وہ ایسی علت پیدا کرتا ہے جس پر
حکم کا مدار ہوتا ہے۔ اسی واسطے اس مقیم کو جس کے ساتھ
کوئی حرج لاحق ہو نماز اور روزہ کی رخصت میں مسافر پر
قیاس نہیں کیا جا سکتا کیونکہ حرج کا زائل ہونا رخصت دینے
کی مصلحت ہو سکتا ہے، قصر اور افطار کی علت نہیں ہو سکتا
بلکہ علت وہی سفر ہے،

پس یہ ایسے مسائل ہیں جن میں اجمالاً علماء کا اختلاف نہیں
ہے لیکن ان میں سے بہت سے ان مسائل کی تفصیل میں اختلاف
کرتے ہیں کیونکہ بسا اوقات مصلحت، علت اور تشریع کے
ساتھ مشابہ ہو جایا کرتی ہے، اور بعض فقہاء نے جبکہ قیاس
میں غور وخوض کیا تو متحیر ہو کر بعض مقادیر کو لیا اور اس کو
اس کے مناسب چیزوں کے ساتھ بدلنے کو برا سمجھا اور بعض
میں تسامح کر کے اور چیزوں کو اس کے قائم مقام کر دیا، اسکی
مثال یہ ہے کہ فقہاء نے روئی کا نصاب پانچ گٹھے مقرر
کئے اور کشتی پر سوار ہونے کو دوران سر کا مظنہ خیال کر کے بیٹھ کر

هذا النصاب وادار الرضا والسخط عليه
الا بنص الشرع كيف وكم من سبب له
لا سبيل الى معرفته الا الخبر وهو قوله
صلى الله عليه وسلم: اعظم المسلمين في
المسلمين جرما الحديث وقوله صلى الله
عليه واله وسلم خشيت ان يكتب عليكم
وقد اتفق من يعتدّ به من العلماء على
ان القياس لا يجري في باب المقادير وعلى
ان حقيقة القياس تعدية حكم الاصل
الى الفرع لعلة مشتركة لا جعل مظنة
مصلحة علة او جعل شئ مناسب ركنا
او شرطا، وعلى انه لا يصلح القياس لوجود
المصلحة ولكن لوجود علة مضبوطة
ادير عليه الحكم فلا يقاس مقيم به
حرج على المسافر في رخص الصلوة والصوم
فان دفع الحرج مصلحة الترخيص لا
علة القصر والافطار وانما العلة هي
السفر،

فهذه المسائل لم يختلف فيها العلماء
اجمالا ولكن يجملها اكثرهم عند
التفصيل وذلك لانه ربما تشتبه
المصلحة بالعلة والتشريع وبعض
الفقهاء عند ما خاضوا في القياس
تحير وافلجوا ببعض المقادير وانكروا
استبدالها بما يقرب منها وتسامحوا
في بعضها فنصبوا اشياء مقامها، مثال
ذلك تقديرهم نصاب القطن بخمسة
احمال ونصبهم ركوب السفينة مظنة
للدوران الراس وادارة رخصة القعود

[1] حدیث کا پورا مضمون پہلے گذر چکا ہے، ۱۲

نماز پڑھنے کا حکم دیدیا اور پانی کا دہ دردہ کے ساتھ اندازہ کیا،
اور جبکہ شرع نے کسی مقام میں مصلحت کو سمجھا یا پھر اسی مصلحت
کو ہم نے دوسرے مقام میں پایا تو یہ سمجھ لیا کہ رضاء الٰہی خاص
اس مصلحت سے متعلق ہے اور خاص اس موقع سے اس کا تعلق
نہیں، بخلاف مقادیر کے کہ وہاں نفس مقادیر سے ہی رضا متعلق
ہوتی ہے ۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جو شخص ایک وقت کی نماز بھی ترک
کرے گا گنا ہگار ہوگا خواہ اسوقت میں ذکر الٰہی و دیگر تمام عبادات
ہی میں کیوں نہ مشغول ہو، اور جو زکوٰۃ ترک کریگا گنا ہگار ہوگا
خواہ اس سے زیادہ مال خیرات میں صرف کرتا ہو اور اسی طرح
وہ شخص بھی گناہگار ہوگا جو ریشم اور سونا خواہ ایسی تنہائی میں پہنے
جہاں فقراء کی دل شکنی اور لوگوں کو دنیوی دولت مندی پر برانگیختہ
کرنا متصور نہیں ہے اور نہ ہی اسکے ذریعہ ترفّہ مقصود ہے،
اور اسی طرح سے جو شخص دوا کے ارادہ سے شراب پیئے گا اور
وہاں فساد بھی نہیں ہے اور ترک نماز بھی نہیں ہے تب بھی وہ
گناہگار ہوگا کیونکہ ان سب میں رضامندی اور ناراضی خاص
ان امور سے متعلق ہے اگرچہ غرض اصلی لوگوں کو مفاسد سے
روکنا اور مصالح کی ترغیب دینا ہے لیکن خدا تعالےٰ جانتا
ہے کہ اس وقت میں امت کی سیاست ان چیزوں کے
واجب اور حرام کئے بغیر ممکن نہیں، اس واسطے اس کی
رضامندی اور ناراضی ان چیزوں سے متعلق ہوگئی اور ملاء اعلیٰ میں
یہ بات لکھدی گئی،

اس کے برخلاف اگر کوئی شخص اعلیٰ پشمینہ پہنتا ہے
جو ریشم سے کہیں زیادہ بیش قیمت اور عمدہ ہے اور
یاقوت کے برتن استعمال میں لاتا ہے تو وہ شخص محض
اس فعل کی وجہ سے گنا ہگار نہ ہوگا، البتہ اگر اس فعل سے
فقراء کی دل شکنی ہو اور لوگ اس سے برانگیختہ ہوتے ہوں
یا اپنا ترفّہ مقصود ہو تو ان خرابیوں کی وجہ سے وہ رحمت الٰہی

فی الصلاۃ علیہ و تقدیر الماء بالعشر فی
العشر، وکلما افهم الشرع المصلحة فی
موضع فوجدنا تلك المصلحة فی موضع
آخر عرفنا ان الرضا یتعلق بها بعینها لا
بخصوص ذلك الموضع بخلاف المقادیر
فان الرضا یتعلق هناك بالمقادیر انفسها،
تفصیل ذلك ان من ترك صلوۃ وقت کان
اثما و ان شغل ذلك الوقت بالذکر وسائر
الطاعات، ومن ترك زکاۃ مفروضة و
صرف اکثر من ذلك المال فی وجوه الخیر
کان اثما وکذلك ان لبس الحریر والذهب
فی الخلوۃ حیث لا یتصور کسر قلوب
الفقراء وحمل الناس علی الاکثار
من الدنیا ولم یقصد به الترفه کان
اثما وکذلك ان شرب الخمر بنیة
التداوی ولم یکن هناك فساد ولا ترك
صلوۃ کان اثما لان الرضا والسخط
متعلقان بانفس هذه الاشیاء وان
کان الغرض الاصلی کبحهم عن المفاسد
وحملهم علی المصالح لکن الحق علم ان
سیاسة الامة لا تمکن فی هذا الوقت
الا بایجاب انفس هذه الاشیاء وتحریمها
فتوجه الرضا والسخط الی انفسها وکتب
ذلك فی الملأ الاعلی بخلاف ما اذا لبس
الصوف الرفیع الذی هو اعلی واغلی من
الحریر واستعمل اوانی الیاقوت فانه لا
یاثم بنفس هذا الفعل ولکن ان تحقق
کسر قلوب الفقراء وحمل الناس علی
فعل ذلك او قصد الترفه بعد من

سے دور ہو جائے گا اور اگر یہ خرابیاں نہ ہوں تو اس کو رحمت الٰہی
سے بعید نہ ہوگا اور جہاں کہیں تم نے صحابہ اور تابعین کو پایا ہے کہ
انہوں نے اندازہ سا کیا ہے تو اس سے ان کی غرض محض مصلحت کا
بیان کرنا اور اس میں رغبت دلانا ہے یا مفسدہ کی تعریف بیان کرنا اور اس سے
ڈرانا ہے اور وہ اس صورت کو محض بطور مثال کے بیان کرتے ہیں تاکہ
یہ مثال مقصود نہیں ہوتی بلکہ اس سے ان کا مقصود معانی ہوتے ہیں،
گو بادی الرائے میں یہ امر مشتبہ معلوم ہو،

اور جہاں شرع نے ایک مقدار کو اس کی قیمت سے بدلنا
جائز رکھا ہے جیسا کہ ایک قول ہے کہ بنت مخاض[1] کو اس کی قیمت سے
مبادلہ کرنا جائز ہے تو علی التقدیر التسلیم یہ بھی اندازہ کی ایک قسم ہی ہے
کیونکہ پورا اندازہ نہیں ہو سکتا اور اس سے تنگی لازم آتی ہے، بلکہ
بسا اوقات ایسی شئی کے ذریعہ اندازہ کیا جاتا ہے جو بہت سی چیزوں
پر منطبق ہو سکے، مثلاً بنت مخاض ہی کو لیا جائے کہ کبھی ایک بنت
مخاض دوسری بنت مخاض سے عمدہ ہوتی ہے، اور کبھی قیمت کا
اندازہ بھی کسی قدر حد معلوم سے کیا جاتا ہے جیسے قطع ید کا نصاب ہے
کہ اس کا اندازہ ربع دینار یا تین درہم ہیں،

واضح ہو کہ ایجاب و تحریم بھی ایک قسم کا اندازہ ہے اس واسطے
کہ اکثر کسی مصلحت یا مفسدہ کی بہت سی صورتیں ظاہر ہوا کرتی ہیں
پس ایجاب یا حرمت کے لئے ایک صورت معین کی جاتی ہے
کیونکہ یہ صورت ان امور میں سے ہوتی ہے جن کا انضباط ہو سکتا
ہے یا اس کا حال پہلے مذاہب میں معلوم ہو چکا ہوتا ہے یا اس میں
لوگوں کی بہت زیادہ رغبت ہوتی ہے اسی واسطے نبی صلی اللہ علیہ
وسلم نے تراویح کے بارے میں عذر کیا تھا اور فرمایا کہ "میں ان کے
فرض ہو جانے سے ڈرتا ہوں" اور یہ بھی فرمایا "اگر میں اپنی امت
پر سختی نہ سمجھتا تو ان کو ہر نماز میں مسواک کا حکم دیتا" اور جب حالت
یہ ہے تو جس شئی کا حکم منصوص نہیں ہے اس کو ایسی شئی پر
محمول نہیں کیا جا سکتا جس کا حکم منصوص ہے لیکن ندب
اور کراہت،

الرحمة لاجل تلك المفاسد والا فلا
وحيث وجدت الصحابة والتابعين
فعلوا ما يشبه التقدير فانما مرادهم
بيان المصلحة والترغيب فيها والمفسدة
والترهيب عنها وانهم اخرجوا تلك الصورة
مخرج المثل لا انه قصد اليها بالخصوص
لانه قصد الى المثال وان اشتبه الامر بادى
الرأي وحيث جوز الشرع استبدال مقدر بقيمته
كبنت المخاض بقيمتها على قول فعلى التسليم
هو ايضا نوع من التقدير وذلك لان التقدير
لا يمكن الاستقصاء فيه بحيث يفضو الى التضييق
ولكن ربما يقدر بامر ينطبق على امور
كثيرة كبنت المخاض نفسها فانها ربما
كانت بنت مخاض ارفه من بنت مخاض
وربما كان التقدير بالقيمة تقديرا
بحد معلوم في الجملة كتقدير نصاب
القطع بما يكون قيمته ربع دينار او ثلاثة
دراهم - واعلم ان الايجاب والتحريم
نوعان من التقدير وذلك لانه كثيرا
ما تعين مصلحة او مفسدة لها صور
كثيرة فتعين صورة للايجاب او التحريم
لانها من الامور المضبوطة او لانها مما
عرفوا حالها في الملل السابقة او رغبوا
فيها اكثر رغبة ولذلك اعتذر النبي صلى
الله عليه وسلم وقال خشيت ان
يكتب عليكم وقال لولا ان اشق على
امتي لامرتهم بالسواك واذا كان الامر
على ذلك لم يجز حمل غير المنصوص حكمه
على المنصوص حكمه اما الندب والكراهة

[1] جیسا کہ سفر کا اندازہ چار منزل کے ساتھ کرنا، ۱۲- [2] اونٹنی کا دو سالہ بچہ، ۱۲-

پس ان دونوں میں تفصیل ہے، شارع نے اگر اس فعل کا بعینہٖ حکم دیا اور اس کی عظمت بیان فرمائی اور اس کو لوگوں کے لئے مسنون کر دیا تو اس کا حال واجب کا سا ہے، اور شارع نے جس مندوب کی صرف مصلحت بیان کرنے پر اکتفا کیا یا خود اس پر عمل کیا اور نہ اس کو لوگوں کے لئے مسنون کیا اور نہ اس کی عظمت بیان فرمائی تو وہ اپنی اس حالت پر باقی ہے جو تشریع سے پہلے تھی، اور اس میں اجر کا درجہ اس مصلحت کی وجہ سے ہے جو اس میں پائی جاتی ہے، خود اس فعل کی وجہ سے اجر نہیں ہے، اور اسی طرح کی تفصیل مکروہ کے حال کی ہے،

جب تم کو اس مقدمہ کی تحقیق ہو گئی تو یہ امر بھی تم پر واضح ہو گیا کہ اکثر قیاسات جن پر لوگ فخر کرتے ہیں اور ان کے ذریعہ جماعت اہل حدیث پر فوقیت ظاہر کرتے ہیں خود انہی کے لئے وبال ہیں جس کی انہیں خبر بھی نہیں ہے،

تیسرا باب (٧) امت کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شریعت کو اخذ کرنے کا بیان

واضح ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شریعت حاصل کرنے کے دو طریقے ہیں ان میں سے ایک طریقہ ظاہر قول سے حاصل کرنے کا ہے اور اس کے لئے اقوال نبوی کی نقل ضروری ہے خواہ یہ نقل متواتر ہو یا غیر متواتر، اور متواتر کی ایک قسم وہ ہے جس کے الفاظ بھی متواتر ہوتے ہیں جیسے قرآن مجید اور چند احادیث: ان میں سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے "روز قیامت تم اپنے رب کو صاف صاف دیکھو گے"

اور متواتر کی ایک قسم وہ ہے جس کے معنی متواتر ہوتے ہیں، جیسے طہارت، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، بیع، نکاح اور غزوات کے بہت سے احکام جن میں اسلامی فرقوں میں سے کسی نے اختلاف نہیں کیا۔

اور غیر متواتر میں سب سے بلند درجہ مستفیض کا ہے۔ مستفیض اس حدیث کو کہتے ہیں جس کو تین یا زیادہ صحابہ روایت کریں اور پانچویں طبقہ تک برابر اس کے راوی بڑھتے رہیں

فالفعل اذا امر به الشارع بعينه ونوه بامره وسنه للناس فحاله حال الواجب واي مندوب اقتصر الشارع على بيان مصلحته او اختار العمل بنفسه من غير ان يسنه و ينوه بامره فهو باق على الحالة التي كانت قبل التشريع وانما ثواب الاجر فيه من قبل المصلحة التي وجدت منه لا باعتبار نفسه وكذلك حال المكروه على هذا التفصيل واذا تحققت هذه المقدمة اتضح عندك ان اكثر المقاييس التي يفتخر بها القوم ويتطاولون لاجلها على معشر اهل الحديث يعود وبالا عليهم من حيث لا يعلمون،

باب كيفية تلقي الامة الشرع من النبي صلى الله عليه وسلم

واعلم ان تلقي الامة منه الشرع على وجهين احدهما تلقي الظاهر ولا بد ان يكون بنقل اما متواترا او غير متواتر، والمتواتر منه المتواتر لفظا كالقرآن العظيم وكشيء يسير من الاحاديث منها قوله صلى الله عليه وسلم انكم سترون ربكم، ومنه المتواتر معنى ككثير من احكام الطهارة و الصلوة والزكاة والصوم والحج والبيوع والنكاح والغزوات مما لم يختلف فيه فرقة من فرق الاسلام، وغير المتواتر اعلى درجاته المستفيض وهو ما رواه ثلاثة من الصحابة فصاعدا ثم لم يزل يزيد الرواة الى الطبقة الخامسة وهذا

اور اس قسم کی حدیثیں بہت ہیں اور بڑے سے بڑے مسائل فقہ کی انہی پر بنیاد ہے،

مبادیٔ فقہ کے بعد اس حدیث کا درجہ ہے جس کی صحت یا حسن کا فیصلہ حفاظ اور اکابر محدثین کے بیانات سے ہو گیا ہو، ایسی حدیثوں کے بعد ان احادیث کا مرتبہ ہے جن میں محدثین نے کلام کیا ہے بعض نے ان کو قبول کیا اور بعض نے قبول نہیں کیا پس ان میں سے جو حدیثیں شواہد یا اکثر اہل علم کے اقوال سے یا عقل صریح سے مؤید ہوں وہ بھی واجب العمل ہیں،

اور ان میں سے دوسرا طریقہ احادیث کی دلالت اور رہنمائی سے احکام شریعت اخذ کرنے کا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی امر فرماتے ہوئے یا کرتے ہوئے دیکھا اور اس سے کوئی حکم وجوب وغیرہ کا مستنبط کر لیا اور اس حکم کی لوگوں کو خبر کر دی کہ فلاں شئی واجب ہے اور فلاں شئی جائز ہے، پھر تابعین نے صحابہ سے ان احکام کو اسی طرح حاصل کیا پھر تیسرے طبقہ کے لوگوں نے ان کے فتووں اور فیصلوں کو جمع کر لیا اور خوب استحکام کر لیا اور اس طریقہ سے اخذ احکام شریعت کرنے والوں میں بڑے پایہ کے لوگ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ ابن مسعود اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہم ہیں، لیکن حضرت عمرؓ کی یہ عادت تھی کہ وہ صحابہ سے ہر مسئلہ میں مشورہ اور مناظرہ کیا کرتے تھے یہاں تک کہ اس امر کا پورا انکشاف ہو جاتا تھا، اور آپ کو یقینی امر معلوم ہو جاتا تھا اس واسطے حضرت عمرؓ کے فیصلوں اور فتووں کا تمام مشارق اور مغارب میں اتباع کیا گیا، چنانچہ ابراہیم فرماتے ہیں "جب حضرت عمر فوت ہو گئے تو علم کے دس حصوں میں سے نو حصے مفقود ہو گئے" اور عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ جب عمرؓ کسی راستہ پر چلتے تھے تو ہم اس کو سہل پاتے تھے، اور حضرت علیؓ اکثر اوقات مشورہ نہیں کرتے تھے اور ان کے اکثر فیصلے کوفہ میں واقع ہوئے ہیں اور ان فیصلوں کو بہت کم لوگوں نے لیا ہے اور عبداللہ ابن مسعود بھی کوفہ میں رہا کرتے تھے

قسم كثير الوجود وعليه بناء رؤوس الفقه، ثم الخبر المقضي له بالصحة أو الحسن على ألسنة حفاظ المحدثين وكبرائهم ثم أخبار فيها كلام قبلها بعض ولم يقبلها آخرون فما اعتضد منها بالشواهد أو قول أكثر أهل العلم أو العقل الصريح وجب اتباعه، وثانيهما التلقي دلالة وهي أن يرى الصحابة رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول أو يفعل فاستنبطوا من ذلك حكما من الوجوب وغيره فأخبروا بذلك الحكم فقالوا الشيء الفلاني واجب وذلك الآخر جائز، ثم تلقى التابعون من الصحابة كذلك فدون الطبقة الثالثة فتاواهم وقضاياهم وأحكموا الأمر، وأكابر هذا الوجه عمر وعلي وابن مسعود وابن عباس رضي الله عنهم لكن كان من سيرة عمر رضي الله عنه أنه كان يشاور الصحابة ويناظرهم حتى تنكشف الغمة ويأتيه الثلج فصار غالب قضاياه وفتاواه متبعة في مشارق الأرض ومغاربها وهو قول إبراهيم لما مات عمر رضي الله عنه ذهب تسعة أعشار العلم، وقول ابن مسعود رضي الله عنه كان عمر إذا سلك طريقا وجدناه سهلا، وكان علي رضي الله عنه لا يشاور غالبا وكان أغلب قضاياه بالكوفة ولم يحملها عنه إلا ناس وكان ابن مسعود رضي الله عنه بالكوفة فلم

اس لئے ان کے اکثر فتوے بھی اسی نواح کے لوگوں نے سیکھے ہیں
اور حضرت عبداللہ ابن عباس نے پہلے لوگوں کے زمانہ کے
بعد اجتہاد کیا اور بہت سے احکام میں ان کی مخالفت کی اور اس
امر میں ان کے اصحاب نے جو مکہ میں تھے، ان کی پیروی کی اور
جس امر میں حضرت عبداللہ ابن عباس تنہا ہیں اس کو جمہور
اہل اسلام نے اختیار نہیں کیا، ان چاروں کے علاوہ اور لوگ
بھی احادیث کی دلالت اور تعبیر سے واقف تھے لیکن ان کو
رکن اور شرط میں اور آداب و سنن میں فرق معلوم نہ ہوتا تھا اور
اختلاف احادیث و دلائل کی حالت میں بہت کم اپنی طرف سے
فرماتے تھے، حضرت عبداللہ ابن عمر، حضرت عائشہ، حضرت زید
ابن ثابت رضی اللہ عنہم اسی درجہ کے لوگ تھے،

اور اس طریقہ سے علم حاصل کرنے والے تابعین میں سب سے
بڑے مدینہ کے ساتوں فقیہ تھے بالخصوص مدینہ میں سعید ابن
مسیب، مکہ میں عطاء ابن ابی رباح اور کوفہ میں ابراہیم نخعی اور
شریح اور شعبی اور بصرہ میں حسن،

اور ان دونوں طریقوں میں سے ہر ایک میں خلل ہے
جو بغیر ایک دوسرے کے نہیں بھرتا ہے اور ایک طریقہ کو
دوسرے کی حاجت ہے،

پہلا طریقہ یعنی نقل ظاہر میں یہ نقصان ہے کہ روایت
بالمعنی میں تغیر و تبدل ہو جاتا ہے اور معنی کے بدل جانے کا خوف
ہوتا ہے۔ دوسرا نقصان یہ ہے کہ کسی خاص واقعہ میں کوئی حکم
دیا جاتا ہے اور راوی اس کو حکم کلی سمجھ لیتا ہے، اور تیسرا نقصان
یہ ہے کہ اس حکم میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے تاکیدی جملہ فرمایا
تاکہ لوگ اس کا خوب اہتمام کریں، پس راوی نے اس سے
اس کا واجب ہونا یا حرام ہونا سمجھ لیا اور واقع میں ایسا نہیں
تھا، پس جو شخص فقیہ ہے اور خود اس موقع پر موجود تھا
تو وہ قرائن سے حقیقت حال معلوم کر لے گا جیسے حضرت
زید رضی اللہ عنہ نے مزارعت کے متعلق اور پھل پکنے سے
پیشتر پھلوں کی خرید و فروخت کی نسبت کہا ہے کہ

يشهد عنه ما ليس الا اهل تلك الناحية،
وكان ابن عباس رضي الله عنهما اجتهد
بعد عصر الاولين فناقضهم في كثير من
الاحكام واتبعه في ذلك اصحابه من
اهل مكة ولم يأخذ بما تفرد به
جمهور اهل الاسلام، واما غير هؤلاء
الاربعة فكانوا يروون دلالة لكن
ما كانوا يميزون الركن والشرط من
الآداب والسنن ولم يكن لهم قول عند
تعارض الاخبار وتقابل الدلائل الا قليلا
كابن عمر وعائشة وزيد بن ثابت رضي
الله عنهم وأكثر هذا الوجه من التابعين
بالمدينة الفقهاء السبعة لا سيما ابن
المسيب بالمدينة، وبمكة عطاء بن ابي
رباح، وبالكوفة ابراهيم وشريح والشعبي
وبالبصرة الحسن، وفي كل من الطريقتين
خلل انما ينجبر بالاخرى ولا غنى لاحداهما
عن صاحبتها؛

اما الاولى فمن خللها ما يدخل
في الرواية بالمعنى من التبديل ولا يؤمن
من تغيير المعنى، ومنه ما كان الامر
في واقعة خاصة فظنه الراوي حكما كليا
ومنه ما اخرج فيه الكلام مخرج التاكيد
ليعضوا عليه بالنواجذ فظن الراوي
وجوبا او حرمة، وليس الامر على ذلك
فمن كان فقيها وحضر الواقعة استنبط
من القرائن حقيقة الحال كقول زيد
رضي الله عنه في النهي عن المزارعة وعن
بيع الثمار قبل ان يبدو صلاحها - ان

یہ نہی بطور مشورہ تھی،

اور دوسرے طریقہ یعنی اجتہادی حالت میں یہ نقصان ہے کہ اس میں صحابہ اور تابعین کے قیاسات جو کتاب وسنت سے مستنبط ہیں داخل ہو جاتے ہیں، اور اجتہاد ہر حالت میں یہ ضروری نہیں ہے کہ درست ہی ہوا کرے، اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان میں سے کسی کو حدیث نہیں پہنچی یا اس طرح سے پہنچی کہ اس جیسی حدیث قابل حجت نہیں ہوتی اس واسطے اس پر عمل نہیں کیا، پھر اس کے بعد اصل حال دوسرے صحابی کی زبانی معلوم ہوا جیسے تیمم جنابت کے متعلق حضرت عمرؓ اور عبداللہ ابن مسعودؓ کا قول ہے،

اور اکثر اوقات بڑے بڑے صحابہ ایسے امر پر متفق ہوئے ہیں جس کی خوبی عقل سے معلوم ہوئی ہے اسی لئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "میرے طریقہ کی اور میرے بعد خلفاء راشدین کے طریقہ کی پابندی کرو" حالانکہ یہ اتفاق اصولِ شریعت میں سے نہیں ہے، پس جس شخص کو اخبار اور الفاظ حدیث میں کمال حاصل ہے تو اس کو لغزش سے نجات پانے میں آسانی ہو سکتی ہے، اور جب ایسی حالت ہے تو فقہ میں خوض کرنے والے کو ضرور ہے کہ وہ دونوں مشربوں سے سیراب ہو اور دونوں مذہبوں میں کمال رکھتا ہو،

اور احکام ملت میں عمدہ وہ احکام ہیں جن پر جمہور رواۃ اور علماء متفق ہوں اور دونوں طریقے ان میں مطابق ہوں، واللہ اعلم۔

ذلك كان كالمشورة، واما الثانية فيدخل فيها قياسات الصحابة والتابعين و استنباطهم من الكتاب والسنة وليس الاجتهاد مصيبا في جميع الاحوال وربما كان لم يبلغ احدهم الحديث او بلغ بوجه لا ينتهض بمثله الحجة فلم يعمل به ثم ظهر جلية الحال على لسان صحابي آخر بعد ذلك كقول عمر وابن مسعود رضي الله عنهما في التيمم عن الجنابة و كثيرا ما كان اتفاق رءوس الصحابة رضي الله عنهم على شئ من قبل دلالة العقل على الارتفاق وهو قوله صلى الله عليه و سلم عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين من بعدي وليس من اصول الشرع فمن كان متبحرا في الاخبار والفاظ الحديث يتيسر له التفصي عن مزال الاقدام، و لما كان الامر كذلك وجب على الخائض في الفقه ان يكون متضلعا من كلا المشربين و متبحرا في كلا المذهبين، و كان احسن شعائر الملة ما اجمع عليه جمهور الرواة وحملة العلم وتطابق فيه الطريقتان جميعا والله اعلم۔

چوتھا باب (۲): کتب حدیث کے طبقات کا بیان

باب طبقة كتب الحديث

واضح ہو کہ ہمارے پاس آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے سوا کوئی ذریعہ شرائع اور احکام کے معلوم کرنے کا نہیں ہے بخلاف مصالح کے کہ ان کو تجربہ، غور کامل اور حدس وغیرہ سے بھی معلوم کر سکتے ہیں، اور ہمارے لئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا علم حاصل کرنے کا صرف

اعلم انه لا سبيل لنا الى معرفة الشرائع والاحكام الا خبر النبي صلى الله عليه وسلم بخلاف المصالح فانها قد تدرك بالتجربة والنظر الصادق والحدس ونحو ذلك، ولا سبيل لنا الى معرفة

یہی ذریعہ ہے کہ وہ روایتیں باہم پہنچیں جن کی سند آپ تک
پہنچتی ہے خواہ وہ احادیث آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم
کے الفاظ ہوں یا موقوف احادیث ہوں کہ ان کی روایت جماعت
صحابہ وتابعین سے بصحت پہنچی ہو، اس طرح کہ اگر شارع
کی جانب سے نص یا اشارہ نہ ہوتا تو وہ اس کے قطعی ہونے
پر اقدام نہ کرتے پس اس قسم کی روایت آں حضرت صلی اللہ
علیہ وسلم سے دلالۃً ماخوذ ہے،

اور ہمارے زمانہ میں اس قسم کی روایتوں کے حاصل
ہونے کا کوئی ذریعہ بجز اس کے نہیں ہے کہ جو کتابیں علم
حدیث میں مدوّن ہیں ان کا تتبع کیا جائے کیونکہ آج کل
سوائے کتب مدونہ کے کوئی معتبر روایت نہیں پائی جاتی،
کتب حدیث کے درجے اور طبقے مختلف ہیں اس لئے ان
طبقات کا معلوم کرنا ضروری ہے،

پس ہم کہتے ہیں کہ صحت وشہرت کے لحاظ سے
کتب حدیث کے چار درجات ہیں، اس کی وجہ یہ ہے
کہ پہلے تم جان چکے ہو کہ حدیث کی قسمیں یہ (تین) ہیں،
اوّل متواتر جس کے قبول کرنے اور عمل کرنے پر امت
کا اجماع ہے، اس کے بعد دوسری قسم کی وہ ہیں جو متعدد
طریقوں سے حاصل ہوئی ہوں اور کوئی معتد بہ شبہہ ان کے
ثبوت میں نہ رہا ہو اور ان پر عمل کرنے میں جمہور فقہاء
بلاد متفق ہوں، یا خصوصًا علماء حرمین نے اختلاف نہ
کیا ہو، اس واسطے کہ قرون اولی میں حرمین خلفاء راشدین
کے قیام کی جگہ تھی۔ اور پھر ہر زمانہ میں وہاں علماء آتے
رہے ہیں سو یہ بعید معلوم ہوتا ہے کہ علماء حرمین ظاہری خطا
کو تسلیم کر سکیں، یا کوئی قول مشہور ہو گیا ہو ملک کے بڑے
حصہ میں اس پر عمل کیا گیا ہو اور صحابہ وتابعین کی بڑی جماعت
نے اس کی روایت کی ہو،

اور تیسری قسم کی احادیث وہ ہیں جو صحیح ہوں،
ان کی اسناد حسن ہو، علماء حدیث نے ان کی شہادت دی ہو

اخباره صلى الله عليه وسلم الا تلقى الروايات
المنتهية اليه بالاتصال والعنعنة سواء
كانت من لفظه صلى الله عليه وسلم او كانت
احاديث موقوفة قد صحت الرواية بها
عن جماعة من الصحابة والتابعين بحيث
يبعد اقدامهم على الجزم بمثله لولا النص
او الاشارة من الشارع، فمثل ذلك رواية
عنه صلى الله عليه وسلم دلالة وتلقى
تلك الروايات لا سبيل اليه في يومنا هذا
الا تتبع الكتب المدونة في علم الحديث
فانه لا يوجد اليوم رواية يعتمد عليها
غير مدونة، وكتب الحديث على
طبقات مختلفة ومنازل متباينة فوجب
الاعتناء بمعرفة طبقات كتب الحديث *
فنقول هي باعتبار الصحة والشهرة على
اربع طبقات وذلك لان اعلى اقسام
الحديث كما عرفت فيما سبق، ما ثبت
بالتواتر واجمعت الامة على قبوله و
العمل به ثم ما استفاض من طرق
متعددة لا يبقى معها شبهة يعتد بها
واتفق على العمل به جمهور فقهاء الامصار
او لم يختلف فيه علماء الحرمين خاصة
فان الحرمين محل الخلفاء الراشدين في
القرون الاولى ومحط رحال العلماء طبقة
بعد طبقة يبعد ان يسلموا منهم الخطأ
الظاهر او كان قولا مشهورا معمولا به
في قطر عظيم مرويا عن جماعة عظيمة
من الصحابة والتابعين، ثم ما صح او حسن
سنده وشهد به علماء الحديث ولم

اور وہ حدیث ایسا قول متروک نہ ہو جس کی طرف علماء امت میں سے کسی نے التفات نہ کیا ہو، لیکن جو احادیث ضعیف، موضوع یا منقطع یا مقلوب السند یا مقلوب المتن ہوں یا مجہول الحال لوگوں سے مروی ہوں یا اس حدیث کے خلاف ہوں جس پر ہر طبقہ میں علماء کا اتفاق رہا ہو، پس ایسی حدیثوں کا قائل ہونا ممکن نہیں، کتب حدیث کے صحیح ہونے کے معنی یہ ہیں کہ مؤلف کتاب نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہو کہ وہ انہیں حدیثوں کو روایت کرے گا جو صحیح یا حسن ہوں گی نہ ایسی حدیث کو جو مقلوب ہوں یا شاذ ہوں یا ضعیف ہوں، ہاں اگر ضعیف کو روایت کرے تو ساتھ ہی اس کا حال بھی بیان کر دے کیونکہ ضعیف کا اس طرح روایت کرنا کہ اس کا ضعف بھی بیان کر دیا جائے کتاب میں موجب اعتراض نہیں ہے، اور شہرت حدیث کے معنی یہ ہیں کہ جو احادیث کتب میں مذکور ہیں وہ تدوین کتب حدیث سے پہلے اور بعد محدثین کی زبان پر دائر و سائر ہوں اور ائمہ حدیث نے مؤلف سے پہلے ہی ان حدیثوں کو مختلف طرق سے روایت کیا ہو اور اپنے مسندوں اور مجموعوں میں ان کو بیان کیا ہو اور مؤلف کے بعد کے لوگوں نے اس کی روایت کرنے اور محفوظ رکھنے کی طرف توجہ کی ہو، اس کا اشکال رفع کر دیا ہو، اس کے غریب الفاظ کی شرح کر دی ہو، اس کا اعراب بیان کیا ہو، اس کے طرق بیان کئے ہوں، مسئلہ فقہی اس سے مستنبط کیا ہو، اور ہر درجہ اور مرتبے میں ہمارے زمانہ تک اس کے راویوں کے حالات کا سراغ لگایا گیا ہو یہاں تک کہ کوئی چیز جو حدیث سے متعلق ہے ایسی باقی نہ رہے جس میں پورا غور نہ کر لیا ہو الا ما شاء اللہ، ناقدین حدیث نے مؤلف سے پہلے اور اس کے بعد اس کے اقوال سے موافقت کی ہو اور ان کی صحت کا حکم دیا ہو اور ان میں مصنف کی رائے پر رضامند ہو گئے ہوں اور اس کی کتاب کی ثناء خوانی بھی کی ہو اور ائمہ فقہ نے ہمیشہ ان احادیث سے استنباط مسائل کیا ہو اور ان پر اعتماد کیا ہو اور عام لوگ بھی ان پر اعتقاد رکھتے ہوں اور ان کی تعظیم کرتے ہوں،

حاصل کلام یہ ہے کہ جب کسی کتاب میں یہ دونوں اوصاف جمع ہوں، تو وہ طبقہ اولیٰ کی سمجھی جائے گی

يكن قولا متروكا لم يذهب اليه احد من الامة اما ما كان ضعيفا موضوعا او منقطعا او مقلوبا فى سنده او متنه او من رواية المجاهيل او مخالفا لما اجمع عليه السلف طبقة بعد طبقة فلا سبيل الى القول به، فالصحة ان يشترط مؤلف الكتاب على نفسه ايراد ما صح او حسن غير مقلوب ولا شاذ ولا ضعيف الا مع بيان حاله فان ايراد الضعيف مع بيان حاله لا يقدح فى الكتاب، و الشهرة ان تكون الاحاديث المذكورة فيها دائرة على السنة المحدثين قبل تدوينها وبعد تدوينها فيكون ائمة الحديث قبل المؤلف رووها بطرق شتى واوردوها فى مسانيدهم ومجاميعهم وبعد المؤلف اشتغلوا برواية الكتاب وحفظه وكشف مشكله وشرح غريبه وبيان اعرابه وتخريج طرق احاديثه واستنباط فقهها والفحص عن احوال رواتها طبقة بعد طبقة الى يومنا هذا حتى لا يبقى شئ مما يتعلق به غير مبحوث عنه الا ما شاء الله ويكون نقاد الحديث قبل المصنف وبعده وافقوه فى القول بها وحكموا بصحتها وارتضوا راى المصنف فيها وتلقوا كتابه بالمدح والثناء ويكون ائمة الفقه لا يزالون يستنبطون عنها ويعتمدون عليها ويعتنون بها ويكون العامة لا يخلون عن اعتقادها وتعظيمها وبالجملة فاذا اجتمعت هاتان الخصلتان كملا فى كتاب كان من الطبقة الاولى ثم

پھر ان اوصاف کے اعلیٰ درجہ کے لحاظ سے فوقیت دی جائے گی اور جس کتاب میں یہ دونوں اوصاف بالکل مفقود ہوں گے تو اس کتاب کا کچھ بھی اعتبار نہ ہوگا۔ اور جو کتاب طبقۂ اولیٰ میں اعلیٰ درجہ کی ہو تو وہ تواتر کی حد تک پہنچ جاتی ہے اور اس سے کم درجہ کی مستفیض کے مرتبہ تک پہنچتی ہے، پھر اس کے بعد وہ ہے جو قطعی صحت کے قریب ہو، اور قطعی ہونے سے مراد وہ یقین ہے جو علم حدیث میں معتبر اور مفید عمل ہے۔ اور دوسرے طبقہ کی احادیث وہ ہیں جو مستفیض کے قریب ہوں یا صحتِ قطعیہ کے قریب ہوں یا ظنیہ کے قریب ہوں۔ اور اسی طرح ان احادیث کا درجہ کم ہوتا جاتا ہے۔ پس استقراء اور تلاش سے طبقہ اولیٰ کی صرف تین کتابیں ہیں مؤطا، صحیح بخاری اور صحیح مسلم، امام شافعی فرماتے ہیں کتاب اللہ کے بعد سب کتابوں میں زیادہ صحیح کتاب امام مالک کی مؤطا ہے اور اہل حدیث متفق ہیں کہ امام مالک اور ان کے موافقین کی رائے کے مطابق مؤطا کی تمام احادیث صحیح ہیں، اور دوسرے محدثین کی رائے کے موافق اس میں کوئی مرسل اور منقطع حدیث ایسی نہیں ہے کہ دیگر طرق سے اس کی سند متصل نہ ہوئی ہو پس اس وجہ سے مؤطا کی تمام احادیث صحیح ہی ہیں، امام مالک کے زمانہ میں بہت سی مؤطا تصنیف کی گئیں جن میں مؤطا مالک کی احادیث کی تخریج کی گئی اور اس کی منقطع احادیث کو متصل کیا گیا جیسے ابن ابی ذئب، ابن عیینہ، ثوری اور معمر وغیرہم جن کے اساتذہ اور امام مالک کے اساتذہ مشترک تھے اور اس کتاب کو امام مالک سے بلا واسطہ ایک ہزار سے زیادہ آدمیوں نے روایت کیا ہے، نہایت دور دراز ملکوں سے لوگ سفر کر کے احادیث مؤطا کے لئے امام مالک کے پاس حاضر ہوئے جیسا کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی پیشین گوئی کی تھی، امام مالک کے شاگردوں میں سے بعض بڑے بڑے فقہاء تھے جیسے امام شافعی، محمد بن حسن، ابن وہب اور ابن قاسم، اور ان میں سے بعض بڑے بڑے محدثین تھے جیسے یحییٰ بن سعید قطان، عبدالرحمن بن مہدی اور عبدالرزاق،

وشهرة وان فقدتا راسا لم يكن له اعتبار وما كان اعلى حد في الطبقة الاولى فانه يصل الى حد التواتر وما دون ذلك يصل الى الاستفاضة ثم الى الصحة القطعية اعني القطع الماخوذ في علم الحديث المفيد للعمل، والطبقة الثانية الى الاستفاضة او الصحة القطعية او الظنية وهكذا ينزل الامر، فالطبقة الاولى منحصرة بالاستقراء في ثلاثة كتب، الموطأ، وصحيح البخاري، وصحيح مسلم، قال الشافعي اصح الكتب بعد كتاب الله الموطأ مالك. واتفق اهل الحديث على ان جميع ما فيه صحيح على راي مالك ومن وافقه واما على راي غيره فليس فيه مرسل ولا منقطع الا قد اتصل السند به من طرق اخرى فلا جرم انها صحيحة من هذا الوجه وقد صنف في زمان مالك موطآت كثيرة في تخريج احاديثه ووصل منقطعه مثل كتاب ابن ابي ذئب وابن عيينة والثوري ومعمر وغيرهم ممن شارك مالكا في الشيوخ وقد رواه عن مالك بغير واسطة اكثر من الف رجل وقد ضرب الناس فيه اكباد الابل الى مالك من اقاصي البلاد كما كان النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ذكره في حديثه فمنهم المبرزون من الفقهاء كالشافعي، ومحمد بن الحسن وابن وهب وابن القاسم ومنهم نحارير المحدثين كيحيى بن سعيد القطان وعبد الرحمن بن مهدي وعبد

اور ان کے شاگردوں میں سے بعض امراء اور سلاطین تھے جیسے
ہارون رشید اور ان کے دونوں بیٹے، اور موطا کی شہرت امام مالک
ہی کے زمانہ میں تمام اسلامی ممالک میں پھیل گئی تھی اس کے بعد جو
زمانہ بھی آیا اس میں اسی کتاب کو زیادہ شہرت ہوئی اور اسی کی طرف
توجہ زیادہ ہوئی اور شہروں کے فقہاء نے اپنے مذاہب کا مبنیٰ اسی
کو قرار دیا یہاں تک کہ بعض امور میں اہل عراق نے بھی اسی کو بنیاد
ٹھیرایا اور علماء برابر اس کی حدیثوں کی تخریج کرتے رہے ہیں اور
اس کے شواہد اور توابع کو بیان کرتے رہے ہیں اور اس کے غریب
الفاظ کی شرح اور مشکل کا انضباط کرتے رہے ہیں اور ہمیشہ اس کے
مسائل میں مباحثہ کرتے رہے ہیں اور اسکے راویوں کی اس حد تک
تفتیش کی ہے کہ اس کے بعد غور کا کوئی درجہ باقی نہ رہا اور اگر تم
حق صریح چاہتے ہو تو کتاب موطا، کا امام محمد کی کتاب الآثار اور
امام ابو یوسف کی کتاب امالی سے موازنہ کرلو، موطا میں اور ان
دونوں کتابوں میں بعد المشرقین تم کو نظر آئے گا۔

تم نے کسی محدث اور کسی فقیہ کو سنا ہے کہ ان دونوں کی
طرف اس نے توجہ کی ہو؟...

لیکن صحیح بخاری اور صحیح مسلم، پس محدثین متفق ہیں کہ
ان میں تمام کی تمام متصل مرفوع احادیث یقیناً صحیح ہیں اور یہ دونوں
کتابیں اپنے مصنفین تک بالتواتر پہنچی ہیں اور ان کی عظمت نہ
کرے وہ مبتدع ہے جو مسلمانوں کی راہ کے خلاف چلتا ہے،

اور اگر تم حق صریح چاہو تو ان دونوں کتابوں کا ابن ابی شیبہ
اور طحاوی کی کتابوں اور خوارزمی وغیرہ کی مسندوں سے مقابلہ
کرو تم ان میں بعد المشرقین پاؤ گے،

اور حاکم نے صحیحین کی احادیث پر ان دونوں کی شرط
کے موافق دیگر احادیث کا اضافہ کیا ہے جن کو شیخین نے
ذکر نہیں کیا تھا، میں نے ان احادیث کا تتبع کیا ہے جن کا
حاکم نے اضافہ کیا ہے ان کو ایک وجہ سے میں نے درست پایا
اور ایک وجہ سے غیر درست، اس واسطے کہ حاکم نے بہت سی احادیث
کو صحت اور اتصال میں اساتذۂ شیخین سے ان دونوں کی شرط کے

الرزاق، ومنهم الملوك والأمراء كالرشيد
وابنيه وقد اشتهر في عصره حتى بلغ على
جميع ديار الإسلام، ثم لم يأت زمان
إلا وهو أكثر له شهرة وأقوى به
عناية وعليه بنى فقهاء الأمصار
مذاهبهم حتى أهل العراق في بعض
أمرهم ولم يزل العلماء يخرجون
أحاديثه ويذكرون متابعاته وشواهده
ويشرحون غريبه ويضبطون مشكله و
يبحثون عن فقهه ويفتشون عن رجاله
إلى غاية ليس بعدها غاية، وإن شئت
الحق الصراح فقس كتاب الموطا بكتاب
الآثار لمحمد والأمالي لأبي يوسف تجد
بينه وبينهما بعد المشرقين، فهل سمعت
أحدا من المحدثين والفقهاء تعرض لهما
واعتنى بهما؟

أما الصحيحان فقد اتفق المحدثون
على أن جميع ما فيهما من المتصل المرفوع
صحيح بالقطع وأنهما متواتران إلى مصنفيهما
وأنه كل من يهون أمرهما فهو مبتدع
متبع غير سبيل المؤمنين، وإن شئت
الحق الصراح فقسهما بكتاب ابن أبي شيبة
وكتاب الطحاوي ومسند الخوارزمي وغيرها
تجد بينها وبينهما بعد المشرقين، وقد
استدرك الحاكم عليهما أحاديث هي على
شرطهما ولم يذكراها، وقد تتبعت ما
استدركه فوجدته قد أصاب من وجه
ولم يصب من وجه وذلك لأنه وجد
الأحاديث مروية عن رجال الشيخين

موافق مروی پایا، پس حاکم کا اس وجہ سے اضافہ کرنا درست ہے، لیکن شیخین اس حدیث کو ذکر کرتے ہیں جن میں ان کے اساتذہ نے خوب غور کر لیا تھا اور اس کے بیان کرنے پر اور اس کی صحت پر ان کا اتفاق ہو گیا تھا جیسے امام مسلم نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے جبکہ انہوں نے یہ کہا کہ میں یہاں صرف وہی احادیث بیان کرونگا جن پر سب اساتذہ کا اتفاق ہے، اور بڑی سے بڑی احادیث جن کو حاکم نے ذکر کیا ہے وہ ہیں جو شیخین کے مشائخ کے زمانہ میں مخفی تھیں اگرچہ بعد میں ان کی شہرت ہو گئی تھی یا وہ ہیں جن کے راویوں میں محدثین نے اختلاف کیا ہے، پس شیخین اپنے اساتذہ کی طرح حدیثوں کے موصول اور منقطع ہونے میں اتنا غور و خوض کرتے تھے کہ اصلی حالت کا انکشاف ہو جاتا تھا، اور حاکم نے اکثر ان قواعد پر اعتماد کیا ہے جو محدثین کے فنون سے حاصل کئے گئے ہیں جیسا کہ حاکم کا قول ہے کہ ثقہ راویوں کی زیادتی مقبول ہے،

اور جب حدیث کے موصول و مرسل ہونے اور موقوف و مرفوع وغیرہ ہونے میں علماء کا اختلاف ہو تو جس نے ایک بات زیادہ یاد رکھی وہ اس پر حجت ہے جس نے اس کو یاد رکھا، اور حق بات یہ ہے کہ ابسا اوقات حفاظ میں موقوف اور منقطع کے موصول کرنے میں خلل پڑ جاتا ہے بالخصوص جبکہ حفاظ کو متصل مرفوع کی طرف زیادہ میلان و توجہ ہوتی ہے اس واسطے شیخین بہت سی ان احادیث کے قائل نہیں ہیں جن کے حاکم قائل ہیں، واللہ اعلم،

اور یہ تینوں کتابیں وہ ہیں جن کے ضبط مشکلات اور رد تحریفات کا قاضی عیاض نے مشارق الانوار میں اہتمام کیا ہے —،

طبقہ ثانیہ: یہ وہ کتابیں ہیں جو موطا اور صحیحین کے درجہ تک نہیں پہنچی ہیں لیکن ان کے قریب قریب ہیں، ان کے مصنف وثوق، عدالت اور حفظ میں مشہور تھے اور فنون حدیث میں متبحر تھے اور انہوں نے اپنی اس درجہ کی تصانیف میں ان شروط میں کوتاہی کو پسند نہیں کیا جن کو انہوں نے اپنے اوپر لازم کر لیا تھا پس ان کے بعد کے زمانہ میں محدثین اور

بشرطهما في الصحة والاتصال فاتجه استدراكه عليهما من هذا الوجه ولكن الشيخين لا يذكران الا حديثا قد تناظر فيه مشايخهما واجمعوا على القول به والتصحيح له كما اشار مسلم حيث قال لم اذكر ههنا الا ما اجمعوا عليه وجل ما تفرد به المستدرك كالموكا عليه المخفي مكانه في زمن مشايخهما او اشتهر امره من بعد او اختلف المحدثون في رجاله فالشيخان كاساتذتهما كانا يعتنيان بالبحث عن نصوص الاحاديث في الوصل والانقطاع وغير ذلك حتى يتضح الحال، والحاكم يعتمد في الاكثر على قواعد مخرجة من صنائعهم كقوله زيادة الثقات مقبولة، واذا اختلف الناس في الوصل والارسال والوقف والرفع وغير ذلك فالذي حفظ الزيادة حجة على من لم يحفظ، والحق انه كثيرا ما يدخل الخلل في الحفاظ من قبل الموقوف ووصل المنقطع لاسيما عند رغبتهم في المتصل المرفوع وتنويههم به، فالشيخان لا يقولان بكثير مما يقوله الحاكم والله اعلم، وهذه الكتب الثلاثة التي اعتنى القاضي عياض في المشارق بضبط مشكلها ورد تصحيفها؛

الطبقة الثانية: - كتب لم تبلغ مبلغ الموطأ والصحيحين ولكنها تتلوها كان مصنفوها معروفين بالوثوق والعدالة والحفظ والتبحر في فنون الحديث ولم يرضوا في كتبهم هذه بالتساهل فيما اشترطوا على انفسهم فتلقاها من بعدهم

فقہار نے ان کتابوں کو قبول کیا اور ان کی طرف توجہ کی اور وہ لوگوں میں مشہور ہوگئیں اور لوگوں نے ان کے غریب کی شرح کی اور ان کے راویوں کی تفتیش کی اور ان کتابوں سے مسائل کا استنباط کیا اور عام علوم کی بنار انہی کتابوں کی احادیث پر ہے، اس طبقہ میں سنن ابوداؤد، جامع ترمذی اور نسائی ہیں، اس طبقہ کی اور طبقہ اولیٰ کی احادیث کو رزین نے تجرید صحاح میں اور ابن اثیر نے جامع الاصول میں جمع کیا ہے اور مسند امام احمد بھی تقریبًا اسی طبقہ کی ہے، اس واسطے کہ امام احمد نے اس کتاب کو اصل قرار دیا ہے جس سے صحیح اور سقیم میں فرق ہوتا ہے، اور فرمایا ہے جو حدیث میری کتاب میں نہیں ہے اس کو قبول نہ کرو،

طبقہ ثالثہ میں وہ مسندیں، جوامع اور تصنیفات داخل ہیں جو بخاری و مسلم سے پہلے یا ان کے زمانہ میں یا ان کے بعد تصنیف ہوئی ہیں اور ان میں صحیح، حسن، ضعیف، معروف، غریب، شاذ، منکر، خطا و ثواب اور ثابت و مقلوب ہر قسم کی حدیثیں شامل ہیں اگرچہ ان سے اجنبیت محض رفع ہوگئی ہے تاہم علمار میں ان کی ویسی شہرت نہیں ہے،

ان احادیث کا جو ان کتابوں میں منفرد ہیں فقہار نے کچھ زیادہ استعمال نہیں کیا اور محدثین نے ان کی صحت و سقم سے زیادہ بحث نہیں کی،

اور ان میں سے بعض کتابیں ایسی ہیں کہ کسی اہل لغت نے ان کی غرابت دور کرنے میں کوئی خدمت نہیں کی اور کسی فقیہ نے سلف کے مذاہب پر ان کو منطبق نہیں کیا اور کسی محدث نے ان کی مشکلات کو بیان نہیں کیا اور کسی مؤرخ نے ان کے اسمار رجال کو ذکر نہیں کیا، میری مراد ان متأخرین سے نہیں ہے جن کی نظر گہری ہے، میرا کلام ان ائمہ حدیث میں ہے جو زمانہ سلف میں تھے پس یہ کتابیں خفار اور گمنامی کی حالت میں باقی رہیں،

بالقبول واعتنى بها المحدثون والفقهاء طبقة بعد طبقة واشتهرت فيما بين الناس وتعلق بها القوم شرحا لغريبها وفحصا عن رجالها واستنباطا لفقهها، وعلى تلك الاحاديث بناء عامة العلوم كسنن ابي داؤد وجامع الترمذى ومجتبى النسائى، وهذه الكتب مع الطبقة الاولى اعتنى باحاديثها رزين فى تجريد الصحاح وابن الاثير فى جامع الاصول وكاد مسند احمد يكون من جملة هذه الطبقة، فان الامام احمد جعله اصلا يعرف به الصحيح والسقيم قال ما ليس فيه فلا تقبلوه ؞

والطبقة الثالثة مسانيد وجوامع ومصنفات صنفت قبل البخارى ومسلم وفى زمانهما وبعدهما جمعت بين الصحيح والحسن والضعيف والمعروف والغريب والشاذ والمنكر والخطأ والصواب والثابت والمقلوب، ولم تشتهر فى العلماء ذلك الاشتهار وان زال عنها اسم النكارة المطلقة ولم يتداول ما تفردت به الفقهاء كثير تداول ولم تفحص عن صحتها وسقمها المحدثون كثير فحص، ومنه ما لم يخدمه لغوى لشرح غريب ولا فقيه بتطبيقه بمذاهب السلف ولا محدث ببيان مشكله ولا مؤرخ بذكر اسماء رجاله ولا اريد المتاخرين المتعمقين وانما كلامى فى الائمة المتقدمين من اهل الحديث فهى باقية على استتارها واختفائها و

جیسے مسند ابو علی، مصنف عبد الرزاق، مصنف ابو بکر بن ابی شیبہ، مسند عبد بن حمید، مسند طیالسی، بیہقی، طحاوی اور طبرانی کی تصانیف،

اور ان مصنفین کی غرض محض احادیث کا جمع کر دینا تھا احادیث کا خلاصہ کرنا، ان کو مہذب بنانا اور عمل کے قابل بنانا مقصود نہ تھا،

طبقہ رابعہ میں وہ کتابیں ہیں جن کے مصنفین نے زمانہ دراز کے بعد ان احادیث کو جمع کرنے کا قصد کیا جو طبقہ اولیٰ اور طبقہ ثانیہ کی کتابوں میں نہیں تھیں اور وہ ایسے مجموعوں اور مسندوں میں موجود تھیں جن کی شہرت نہیں ہوئی تھی، ان مصنفین نے ان احادیث کی وقعت کی اور یہ احادیث ایسے لوگوں کی زبان زد تھیں کہ جن کی حدیث کو محدثین نے اپنی کتابوں میں نہیں لیا تھا جیسے اکثر واعظ مبالغہ آمیز باتیں کیا کرتے ہیں یا وہ حدیثیں کہ اہل ہوا اور ضعیف راویوں سے مروی تھیں، یا وہ صحابہ و تابعین کے آثار تھے یا بنی اسرائیل کے اخبار یا حکماء و واعظین کے کلام تھے جن کو راویوں نے سہواً یا عمداً نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے خلط ملط کر دیا تھا، یا قرآن مجید اور حدیث صحیح کے بعض احتمالات تھے جن کو نیک لوگوں نے جو روایت کے غوامض سے واقف نہیں ہوتے تھے، بالمعنی روایت کر دیا اور ان معانی کو احادیث مرفوعہ سمجھ لیا، یا بعض معانی کتاب وسنت کے اشارات سے مفہوم ہوتے تھے ان کو عمداً مستقل حدیث سمجھ لیا، یا چند احادیث میں چند مختلف جملے وارد ہوئے تھے ان کو ترتیب دیکر ایک حدیث بنا لیا،

اور ان احادیث کا محل ابن حبان اور کامل ابن عدی کی کتاب الضعفاء ہے اور خطیب، ابو نعیم، جوزقانی، ابن عساکر، ابن نجار اور دیلمی کی کتب ہیں۔ اور مسند خوارزمی بھی اسی طبقہ سے معلوم ہوتی ہے

* * * * * * * *

خمولها كمسند ابي على ومصنف عبد الرزاق ومصنف ابي بكر بن ابي شيبة ومسند عبد ابن حميد والطيالسي وكتب البيهقي والطحاوي والطبراني وكان قصدهم جمع ما وجدوه لا تلخيصه وتهذيبه وتقريبه من العمل *

والطبقة الرابعة كتب قصد مصنفوها بعد قرون متطاولة جمع ما لم يوجد في الطبقتين الاوليين وكانت في المجاميع والمسانيد المختفية فنوهوا بامرها وكانت على السنة من لم يكتب حديثه المحدثون ككثير من الوعاظ المتشدقين واهل الاهواء والضعفاء او كانت من آثار الصحابة والتابعين او من اخبار بني اسرائيل او من كلام الحكماء والوعاظ خلطها الرواة بحديث النبي صلى الله عليه وسلم سهوا او عمدا او كانت من محتملات القرآن والحديث الصحيح فرواها بالمعنى قوم صالحون لا يعرفون غوامض الرواية فجعلوا المعاني احاديث مرفوعة او كانت معاني مفهومة من اشارات الكتاب والسنة جعلوها احاديث مستبدة برأسها عمدا او كانت جملا شتى في احاديث مختلفة جعلوها حديثا واحدا بنسق واحد، ومظنة هذه الاحاديث كتاب الضعفاء لابن حبان وكامل ابن عدي، وكتب الخطيب وابي نعيم والجوزقاني وابن عساكر وابن النجار والديلمي، وكاد مسند الخوارزمي يكون من هذه الطبقة

اور اس طبقہ میں سب سے زیادہ درست وہ احادیث ہیں جو ضعیف
و محتمل ہیں اور سب سے بدتر وہ ہیں جو موضوع ہیں یا مقلوب و حد درجہ
منکر ہیں، اور ابن جوزی کی کتاب الموضوعات میں اسی طبقہ کی
احادیث ہیں،

اس مقام پر ایک طبقہ خامسہ بھی ہے اس طبقہ سے
متعلق وہ احادیث ہیں جو فقہاء، صوفیہ، مؤرخین وغیرہ کی زبان
پر مشہور ہیں اور ان چاروں طبقوں میں ان کی کوئی اصل نہیں،

اور اسی طبقہ سے متعلق وہ احادیث ہیں جن کو بے دین
زبان دانوں نے اختراع کیا اور انہوں نے ایسی اسناد قوی بیان
کی جن میں جرح نہیں ہو سکتی اور ایسے کلام بلیغ سے بیان کیا جس کا
صدور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے بعید معلوم نہیں ہوتا
پس ایسے لوگوں نے اسلام میں ایک سخت مصیبت برپا کر دی
لیکن اہل حدیث کے فضلاء ایسی حدیثوں کو متابعات اور شواہد
پر مطابق کر کے دیکھتے ہیں اس وقت ان کی پردہ دری ہوتی ہے
اور عیب ظاہر ہو جاتا ہے لیکن طبقہ اولیٰ اور طبقہ ثانیہ، پس
ان پر محدثین کا اعتماد کامل ہے، انہیں سے ان کو ہمیشہ وابستگی رہی
ہے، لیکن طبقہ ثالثہ، پس اس طبقہ کی حدیثوں پر عمل کرنا اور
ان کا قائل ہونا ان متبحرین محققین کا کام ہے جو اسماء الرجال اور
علل احادیث کو محفوظ رکھتے ہیں، البتہ اس طبقہ کی حدیثوں سے
اکثر متابعات اور شواہد ماخوذ ہوتے ہیں "قد جعل اللہ لکل
شیٔ قدرا"، لیکن طبقہ رابعہ، پس اس طبقہ کی احادیث سے
شغل رکھنا، ان کو جمع کرنا اور ان سے مسائل کا استنباط کرنا
علماء متاخرین کی طرف سے ایک طرح کا تعمق ہے،

اور حق بات یہ ہے کہ مبتدعین کے گروہ روافض
اور معتزلہ وغیرہ ادنیٰ توجہ سے ان احادیث سے اپنے
مذاہب کے شواہد کو ملخص کر سکتے ہیں لیکن علماء حدیث
کے معرکوں میں اس طبقہ کی احادیث سے
استدلال کرنا صحیح نہیں ہے
واللہ اعلم۔

واصلح هذه الطبقة ما كان ضعيف محتملا
واسوؤها ما كان موضوعا او مقلوبا
شديد النكارة، وهذه الطبقة مادة
كتاب الموضوعات لابن الجوزي۔

ههنا طبقة خامسة:- منها ما اشتهر
على السنة الفقهاء والصوفية والمورخين
ونحوهم وليس له اصل في هذه الطبقات
الاربع، ومنها ما دسه الماجن في دينه
العالم بلسانه فاتي باسناد قوي لا يمكن
الجرح فيه، وكلام بليغ لا يبعد صدوره
عنه صلى الله عليه وسلم فاثار في الاسلام
مصيبة عظيمة، لكن الجهابذة من اهل
الحديث يوردون مثل ذلك على المتابعات
والشواهد فتهتك الاستار ويظهر
العوار- اما الطبقة الاولى والثانية فعليهما
اعتماد المحدثين وحوم حماهما مرتعهم
ومسرحهم، واما الثالثة فلا يباشرها
للعمل عليها والقول بها الا النحارير
الجهابذة الذين يحفظون اسماء الرجال
وعلل الاحاديث، نعم ربما يؤخذ منها
المتابعات والشواهد، وقد جعل الله
لكل شئ قدرا- واما الرابعة فالاشتغال
بجمعها او الاستنباط منها نوع تعمق من
المتاخرين، وان شئت الحق فطوائف
المبتدعين من الرافضة والمعتزلة و
غيرهم يتمكنون بادنى عناية ان يلخصوا
منها شواهد مذاهبهم فالانتصار بها
غير صحيح في معارك العلماء بالحديث
والله اعلم۔

پانچواں باب (۸۷): اس بیان میں کہ کلام سے مراد کیسے سمجھ میں آتی ہے

واضح ہو کہ متکلم کا دلی مقصود بیان کرنے اور سامع کا اس سے مطلب سمجھنے کے بلحاظ ظہور و خفاء کے بالترتیب کئی درجات ہیں، سب سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ایک شئ خاص کے لئے صریح طور پر حکم ثابت کیا گیا ہو اور اسی کے بتانے اور سمجھانے کو وہ کلام بولا گیا ہو اور اس میں کسی دوسرے معنی کا احتمال نہ ہو، اور اس کے بعد اس کا درجہ ہے جس میں ان تین قیدوں میں سے کوئی قید نہ پائی جائے بلکہ یا اس میں حکم کا ثبوت کسی عنوان کے لئے ہو جو چند افراد کو خواہ بطریق شمول خواہ بطریق بدلیت شامل ہو جیسے الناس اور مسلمون اور قوم و رجال ہے اور اسماء اشارہ جب اس کا صلہ عام ہو اور موصوف جس کی صفت عام ہو اور منفی بلام الجنس ہے، اس واسطے کہ اکثر عام معنی کو خصوصیت لاحق ہو جاتی ہے، اور یا یہ ہو کہ کلام خاص اس مقصد کے لئے نہ بولا جائے بلکہ اس موقع سے وہ مطلب لازمی طور پر حاصل ہوتا ہو جیسے اس کلام: "میرے پاس زید فاضل آیا" میں زید کی فضیلت اور "اے فقیر زید" میں زید کا فقر لزوماً معلوم ہوتا ہے، یا اس لفظ میں کسی دوسرے معنی کا بھی احتمال ہو جیسے لفظ 'مشترک' اور وہ لفظ جس کے حقیقی معنی استعمال میں آتے ہوں لیکن معنی مجازی زیادہ مشہور ہوں اور وہ لفظ جس کا علم مثال اور تقسیم سے ہوتا ہو اور کسی جامع مانع تعریف سے معلوم نہیں ہوتا جیسا کہ سفر، معلوم ہے کہ منجملہ اس کی امثلہ کے مدینہ سے مکہ تک کا قصد کر کے نکلنا ہے، اور معلوم ہے کہ بعض حرکات بطور تفریح کے ہوتی ہیں اور بعض حرکات ضرورت کی بنا پر ہوتی ہیں کہ اسی روز وہ اپنے گاؤں کی طرف لوٹ آتا ہے اور بعض حرکات سفر ہوتی ہیں اور ان کی حد معلوم نہیں ہوتی، اور جیسا کہ وہ لفظ جو دو شخصوں میں دائر ہو جیسے اسم اشارہ

باب كيفية فهم المراد من الكلام

اعلم ان تعبير المتكلم عما في ضميره وفهم السامع اياه يكون على درجات مترتبة في الوضوح والخفاء فاعلاها ما صرح فيه بثبوت الحكم للموضوع له عينا وسيق الكلام لاجل تلك الافادة ولم يحتمل معنى اخر ويتلوه ما عدم فيه احد القيود الثلاثة اما اثبت الحكم لعنوان عام يتناول جمعا من المسميات شمولا او بدلا مثل الناس والمسلمون والقوم والرجال، واسماء الاشارة اذا عمت صلتها والموصوف بوصف عام والمنفي بلا الجنس فان العام يلحقه التخصيص كثيرا واما لم يسق الكلام لتلك الافادة وان لزمت مما هنالك مثل جاء في زيد الفاضل بالنسبة الى الفضل ويا زيد الفقير بالنسبة الى ثبوت الفقر له واما احتمل معنى اخر ايضا كاللفظ المشترك والذي له حقيقة مستعملة ومجاز متعارف والذي يكون معروف بالمثال والقسمة غير معروف بالحد الجامع المانع كالسفر معلوم ان من امثلته الخروج من المدينة قاصد المكة و معلوم ان من الحركة تفرج، ومنها تردد في الحاجة بحيث ياوي الى القرية في يومه، ومنها سفر ولا يعرف الحد والدائر بين شخصين كاسم الاشارة

اور ضمیر جبکہ قرائن میں تعارض ہو، یا وہ دونوں ایک صلہ کے مصداق ہو رہے ہوں، پھر اس کلام کے بعد اس کلام کا درجہ ہے جس کے بغیر توسط استعمال لفظ کے مطلب مفہوم ہو جائے، ایسے طریقے بڑے بڑے تین ہیں، ایک فحوی کلام ہے اور وہ یہ ہے کہ کلام کسی ایسے امر کا حال بتلائے جس کا عبارت میں ذکر نہیں، ایسے معنی کے توسط سے جس کی وجہ سے وہ حکم ذکر کیا گیا ہے جیسے "ماں باپ کو اُف بھی نہ کرو" اس سے ماں باپ کو مارنے کی حرمت بطریق اولی سمجھی جاتی ہے، اور جیسے کہا جائے کہ جو شخص رمضان میں دن میں کھائیگا تو اس پر قضاء واجب ہو جائے گی اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ جو روزہ توڑے گا اس پر قضاء لازم ہوگی، اور صرف کھانے کی صورت اس واسطے ذکر کی گئی کہ یہ صورت ذہن میں جلد آجایا کرتی ہے، دوسرا اقتضاء ہے اس سے مطلب اس طرح سمجھ میں آتا ہے کہ وہ معنی مستعمل فیہ کو عادتاً یا عقلاً یا شرعاً لازم ہوتا ہے مثلاً یہ کلام "میں نے آزاد کیا یا فروخت کیا" اس امر کا اقتضاء کرتا ہے کہ پہلے سے وہ شئ اس کی ملک ہو، اور "وہ چلا" تقاضا کرتا ہے کہ اس کے پاؤں سالم تھے، اور اس نے نماز پڑھی" کا مقتضا یہ ہے کہ وہ طہارت سے تھا تیسرا ایماء ہے اور وہ ایک مقصود کو عبارات میں مناسب اعتبارات سے ادا کرنا ہے، پس بلیغ لوگ اس بات کا قصد کرتے ہیں کہ عبارت اس اعتبار مناسب کے مطابق ہو جو اصل مقصود پر زاید ہے اس واسطے کلام سے اس کے مناسب اعتبار کو سمجھ لیا جاتا ہے مثلاً کسی شئ کو وصف یا شرط سے مقید کرنا، اس وصف اور شرط سے یہ بات سمجھی جاتی ہے کہ اگر یہ وصف اور شرط نہ پائی جائیگی تو یہ حکم بھی نہ ہوگا، لیکن یہ اس وقت ہے کہ جب اس کلام سے جس میں وصف یا شرط ہے سوال وجواب کی مشابہت مقصود نہ ہو اور نہ اس صورت کا بیان کرنا مقصود ہو جو اذہان کی طرف متبادر ہوتی ہے، اور نہ حکم کا فائدہ بیان کرنا مقصود ہو، اور ایسے ہی مفہوم استثناء، غایت اور عدد کا حال ہے، اور ایماء کے اعتبار کرنے میں یہ شرط ہے کہ اس ایماء کی وجہ سے اہل زبان کی عرف

والضمیر عند تعارض القرائن او صدق الصلة علیهما ثم یتلوه ما افهمه الکلام من غیر توسط استعمال اللفظ فیه ومعظمه ثلاثة، الفحوی وهو ان یفهم الکلام حال المسکوت عنه بواسطة المعنی الحامل علی الحکم مثل لاتقل لهما اف یفهم منه حرمة الضرب بطریق الاولی ومثل من اکل فی نهار رمضان وجب علیه القضاء یفهم منه ان المراد نقض الصوم وانما خص الاکل لانه صورة تتبادر الی الذهن، والاقتضاء، وهو ان یفهمها بواسطة لزومه للمستعمل فیه عادة او عقلا او شرعا، اعتقت وبعت یقتضیان سبق ملك۔ مشی یقتضی سلامة الرجل۔ صلی۔ یقتضی انه علی الطهارة، والایماء وهو ان اداء المقصود یکون بعبارات بازاء الاعتبارات المناسبة فیقصد البلغاء مطابقة العبارة للاعتبار المناسب الزائد علی اصل المقصود فیفهم الکلام الاعتبار المناسب له کالتقیید بالوصف او الشرط یدل لان علی عدم الحکم عند عدمهما حیث لم یقصد مشاکلة السوال ولا بیان الصورة المتبادرة الی الاذهان والابیان فائدة الحکم وکمفهوم الاستثناء والغایة والعدد، وشرط اعتبار الایماء ان یجری التناقض به فی عرف اهل اللسان مثل علی عشرة الاشیٔ

اور پھر یہ کہے کہ مجھکو ایک دیتا ہے پس جمہور اس کے کلام میں
تناقض کہیں گے لیکن وہ امور جن کو سوائے علم معانی میں غور و خوض
کرنے والوں کے کوئی نہیں سمجھتا ان کا کچھ لحاظ نہیں ہے اس کے بعد
ان مطالب کا درجہ ہے جن کی رہبری مضمون کلام سے ہوتی ہے
اس کی بھی تین بڑی قسمیں ہیں۔ اول عموم میں کسی شئی کو مندرج کرنا مثلاً
بھیڑیا کچلیوں والا ہوتا ہے اور ہر کچلی والا جانور حرام ہوتا ہے اور
اس کا بیان قیاس اقترانی سے ہوتا ہے چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کے اس قول میں اسی طرف اشارہ ہے کہ "گدھوں کے بارے میں
سوائے اس تنہا جامع آیت کے مجھ پر اور کچھ نازل نہیں ہوا اور وہ
آیت یہ ہے "جو شخص ذرہ برابر بھی نیکی کرے گا وہ اس کی جزا دیکھے گا
اور جو شخص ذرہ برابر برائی کریگا وہ اسکی جزا دیکھے گا" اور اسی قسم سے ہے
عبداللہ ابن عباس کا استدلال اس آیت سے:- فبھداھم اقتدہ، اور
اس آیت سے:- وظن داؤد انما فتناہ فاستغفر ربہ و
خر راکعا و اناب ؁ پھر عبداللہ ابن عباس نے فرمایا کہ تمہارے
پیغمبر کو ان کی پیروی کا حکم ہوا تھا، اور ایک استدلال ملازمت یا
منافات کے ساتھ بھی ہوتا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ وتر اگر واجب ہوتے
تو آپ ان کو سواری پر ادا نہ کرتے لیکن آپ ان کو سواری پر ادا
کیا کرتے تھے اور اس استدلال کا بیان قیاس شرطی کی صورت
میں ہے اور اسی قبیل سے اللہ تعالے کی یہ آیت ہے "لو کان
فیھما اٰلھۃ الا اللہ لفسدتا؁ اور ایک قیاس ہوتا
ہے اور وہ کسی علت مشترکہ کی وجہ سے ایک صورت کو دوسری
صورت سے تمثیل دیتا ہے جیسے یہ قول ہے گیہوں کی طرح چنا
بھی ربوی ہے (یعنی اس میں بھی ربوی ہوتا ہے) ایسا ہی قیاس
آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں ہے" اگر تیرے
باپ پر قرضہ ہوتا اور تو اس کو ادا کرتا تو کیا اس کی طرف سے کافی
ہو جاتا؟ اس شخص نے کہا ہاں، ہو جاتا، تب آپ نے فرمایا
"پس تو باپ کی طرف سے حج کر"
واللہ اعلم؁

انما على واحد يحكم عليه الجمهور بالتناقض
واما ما لا يدركه الا المتعمقون في
علم المعاني فلا عبرة به ثم بين وجوه
ما استدل عليه بمضمون الكلام و
معظمه ثلاثة، المندرج في العموم
مثل الذئب ذو ناب وكل ذي ناب
حرام، وبيانه بالاقتراني وهو قوله
صلى الله عليه وآله وسلم ما انزل
علي في الحمر شيء الا هذه الآية الفاذة
الجامعة فمن يعمل مثقال ذرة خيرا
يره ومن يعمل مثقال ذرة شرا يره،
ومنه استدلال ابن عباس بقوله تعالى
فبهداهم اقتده وقوله تعالى وظن
داود انما فتناه فاستغفر ربه وخر راكعا
واناب حيث قال نبيكم امر بان يقتدي
به، والاستدلال بالملازمة او المنافاة
مثل لو كان الوتر واجبا لم يؤد على الراحلة
لكنه يؤدى كذلك، وبيانه بالشرطي و
منه قوله تعالى لو كان فيهما آلهة الا
الله لفسدتا، والقياس وهو تمثيل
صورة بصورة في علة جامعة بينهما
مثل الحمص ربوي كالحنطة ومنه
قوله صلى الله عليه وآله وسلم ارايت
لو كان على ابيك دين فقضيته عنه
اكان يجزي عنه؟ قال نعم قال فاحجج
عنه والله اعلم؁

چھٹا باب (۷۹) ۔ کتاب و سنت سے احکام شرعیہ کے سمجھنے کی کیفیت کا بیان

واضح ہو کہ جن الفاظ سے رضا اور ناراضی معلوم ہوتی ہے
وہ الفاظ حب وبغض، رحمت ولعنت اور قرب وبعد ہیں اور
وہ الفاظ ہیں جن میں فعل کی نسبت محبوب یا مغضوب کی طرف ہوتی
ہے جیسے مومنین اور منافقین، ملائکہ اور شیاطین، اہل جنت
اور اہل نار، اور وہ الفاظ ہیں جن سے طلب اور منع ہوتی ہے
یا اس جزا کا بیان ہوتا ہے جو فعل پر مرتب ہوتی ہے یا عرف
کی کسی عمدہ یا مذموم شئ کے ساتھ تشبیہ ہوتی ہے، اور نیز
رضا و ناراضی اس سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ آں حضرت صلی
اللہ علیہ وسلم اس امر کے کرنے کا اہتمام فرمائیں یا باوجود
دواعی کے اس سے اجتناب کریں، لیکن یہ امر کہ رضا اور
ناراضی کے درجات وجوب و ندب اور حرمت وکراہت میں
باہم تمیز ہو، پس اس میں سب سے زیادہ صورت یہ ہے کہ اس
فعل کے مخالف کا حال بیان کیا جائے جیسے یہ حدیث "جو
شخص اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہ کرے گا قیامت کے روز اس کا
مال گنجا سانپ کی صورت میں ہوگا۔" اور جیسے حضور صلے اللہ
علیہ وسلم کا یہ قول ہے "ومن لا فلا حرج" اور ان درجات
کی تمیز اس سے بھی ہوتی ہے کہ مثلاً کہا جائے فلاں شئ واجب ہے
یا فلاں شئ ناجائز ہے، یا کوئی شئ اسلام یا کفر کے لئے رکن قرار دیجائے
یا اس کی بجا آوری یا ترک پر نہایت شدت کیجائے یا اس کے
متعلق ایسا کہدیا جائے کہ یہ امر مروت سے بعید ہے یا مناسب
نہیں ہے، نیز صحابہ اور تابعین اس بارے میں کوئی حکم معین کریں
جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ سجدہ تلاوت واجب نہیں
ہے اور جیسے حضرت علی کا قول ہے کہ وتر واجب نہیں ہے۔
یا مقصد کی حالت دیکھی جائے کہ آیا اس سے کسی طاعت کی
تکمیل ہوتی ہے یا کسی گناہ کا ذریعہ بند ہوتا ہے یا اس عمل میں وقار

باب كيفية فهم المعاني الشرعية من الكتاب والسنة

واعلم ان الصيغة الدالة على الرضا
والسخط هي الحب والبغض والرحمة
واللعنة والقرب والبعد ونسبة الفعل
الى المرضيين او المسخوطين كالمؤمنين
والمنافقين والملائكة والشياطين و
اهل الجنة والنار والطلب والمنع و
بيان الجزاء المترتب على الفعل والتشبيه
بمحمود في العرف او مذموم، واهتمام
النبي صلى الله عليه وسلم بفعله او
اجتنابه عنه مع حضور دواعيه، و
اما التمييز بين درجات الرضا والسخط
من الوجوب والندب والحرمة و
الكراهية فاصرحه ما بين حال مخالفه
مثل: من لم يؤد زكاة ماله مثل له
الحديث وقوله صلى الله عليه وسلم و
من لا فلا حرج، ثم اللفظ مثل يجب و
لا يحل وجعل الشئ ركن الاسلام او
الكفر والتشديد البالغ على فعله او
تركه، ومثل ليس من المروءة، ولا
ينبغي، ثم حكم الصحابة والتابعين
في ذلك كقول عمر رضي الله عنه: ان
سجدة التلاوة ليست بواجبة، وقول
علي رضي الله عنه ان الوتر ليس بواجب
ثم حال المقصد من كونه تكميلا لطاعة
اوسد الذريعة اثم او من باب الوقار

اور حسنِ ادب کی شان معلوم ہوتی ہے لیکن کسی فعل کی علت اور رکن اور شرط معلوم کرنا ہو تو ان امور کے لئے سب سے صریح اور صاف یہ ہے کہ وہ نص سے ثابت ہو جیسے "ہر نشہ والی چیز حرام ہے" جو شخص نماز میں سورہ فاتحہ نہ پڑھے گا اس کی نماز نہ ہوگی، تم میں سے کسی کی نماز بغیر وضو کے قبول نہ ہوگی" اس کے بعد وہ ہے جو اشارہ اور ایما سے ثابت ہو جیسا کہ ایک شخص نے کہا تھا کہ "رمضان میں میں اپنی بیوی سے ہم بستر ہو گیا" آپ نے فرمایا ایک غلام آزاد کرے" اور جیسا کہ نماز کو قیام، رکوع اور سجود کے نام سے تعبیر کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ امور نماز کے ارکان ہیں، اور آن حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے "ان کو چھوڑ کیونکہ میں نے ان کو طہارت کی حالت میں پہنا ہے" سمجھا جاتا ہے کہ موزے پہننے کے وقت طہارت کا ہونا شرط ہے نیز علت وشرط ورکن کی یہ پہچان ہے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کسی شئ کے پائے جانے کے وقت ایک شئ کے وجود اور اس کے نہ پائے جانے کے وقت اس شئ کے عدم کا حکم کیا جاتا ہے یہانتک کہ ذہن میں اس شئ کا علت ہونا یا شرط ہونا یا رکن ہونا اس طرح جم جاتا ہے جس طرح اہلِ عرب کی ممارست سے اور قرائن کے موافق الفاظ کو معانی موضوعہ میں استعمال کرنے سے ایک فارسی کے ذہن میں لغاتِ عرب کے معانی کی معرفت متمکن ہو جاتی ہے حالانکہ وہ ان الفاظ کے معنی وضعی نہیں جانتا، اور اس کے جاننے کا مدار انہی مواضع استعمال کی معرفت پر ہے پس اسی طرح جب ہم شارع کو دیکھتے ہیں کہ جب بھی وہ نماز پڑھتا ہے تو رکوع اور سجود کرتا ہے اور اپنے بدن سے ناپاکی دور کرتا ہے اور ہر دفعہ ایسا ہی کرتا ہے تو ہم کو یقین ہو گیا کہ یہ امور مقصود ہیں، اگر تم حق معلوم کرنا چاہتے ہو تو ذاتی صفات معلوم کرنے کا مدار علیہ یہی ہے، جب ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ لکڑیاں جمع کرتے ہیں اور ان سے ایسی چیز بناتے ہیں جو نشست کے قابل ہو اور اسکو تخت کے نام سے موسوم کرتے ہیں تو اس سے ہم کو تخت کے اوصاف ذاتی کا انتزاع ہوتا ہے اس کے بعد وجودِ مناسبت پر اعتماد کرتے ہوئے یا مشابہت وحذف پر اعتماد کرتے ہوئے مدار علیہ کی تخریج

وحسن الادب،

واما معرفة العلة والركن والشرط فاصرحها ما يكون بالنص مثل كل مسكر حرام، لاصلاة لمن لم يقرا بام الكتاب، لاتقبل صلوة احدكم حتى يتوضا - ثم بالاشارة والايماء مثل قول الرجل:- واقعت اهلي في رمضان قال اعتق رقبة، وتسمية الصلوة قياما وركوعا وسجودا يفهم انها اركانها، قوله صلى الله عليه وسلم دعهما فاني ادخلتهما طاهرتين، يفهم اشتراط الطهارة عند لبس الخفين ثم ان يكثر الحكم بوجود الشئ عند وجوده وعلمه عند علمه حتى يتقرر في الذهن علية الشئ او ركنيته او شرطيته بمنزلة ما يدب في ذهن الفارسي من معرفة موضوعات اللغة العربية عند ممارسة العرب واستعمالهم اياها في المواضع المقرونة بالقرائن من حيث لايدرى وانما ميزانه نفس تلك المعرفة فاذا راينا الشارع كلما صلى ركع وسجد ودفع عنه الرجز وتكرر ذلك جزمنا بالمقصود وان شئت الحق فهذا هو المعتمد في معرفة الاوضاع النفسية مطلقا فاذا راينا الناس يجمعون الخشب ويصنعون منه شيئا يجلس عليه ويسمونه السرير نزعنا من ذلك اوصافه النفسية ثم تخريج المناط اعتمادا على وجدان مناسبة او على السبر والحذف، واما معرفة

کرنا ہے، لیکن ان مقاصد کا معلوم کرنا جن پر احکام کی بنا ہوتی ہے نہایت دقیق علم ہے اس علم میں وہی شخص خوض کر سکتا ہے جس کا ذہن نہایت لطیف اور فہم نہایت مستقیم ہو، اور فقہائے صحابہ نے طاعتوں اور گناہوں کے اصول کو ان مشہور امور سے اخذ کر لیا تھا جن پر اس زمانہ کے فرقوں کا اتفاق ہو گیا تھا جیسے مشرکین عرب اور یہود و نصاریٰ، اس واسطے صحابہ کو ان احکام کی وجہ اور ان کے متعلق مباحث کی ضرورت نہ تھی، اور شریعت کے قوانین اور سہولت و استحکام دین کے قوانین کو انہوں نے امر و نہی کے مواقع کا مشاہدہ کر کے حاصل کر لیا تھا جیسے طبیب کے ہم نشیں مدت کی میل جول اور مشاقی سے ان دواؤں کے فوائد و مقاصد معلوم کر لیتے ہیں جن کے استعمال کا وہ طبیب حکم کرتا ہے اور صحابہ ان قوانین کو خوب اچھی طرح سے جانتے تھے اسی واقفیت کی وجہ سے حضرت عمر نے اس شخص کی نسبت جو نفل و فرض ملا کر پڑھتا تھا فرمایا تھا اسی سے وہ لوگ ہلاک ہوئے تھے جو تم سے پہلے تھے اس پر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے ابن الخطاب تیری رائے کو خدا نے درست کر دیا ہے"

اور اسی قبیل سے ابن عباس کا وہ قول ہے جو جمعہ کے روز غسل کے مسنون ہونے کی وجہ میں کہا تھا: اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی کہ میں تین باتوں میں اپنے رب کے ساتھ موافق رہا،

اور زید ابن ثابت کا یہ قول بھی اسی قبیل سے ہے جو انہوں نے بیوع ممنوعہ کی وجہ میں فرمایا تھا کہ پھلوں میں مختلف بیماریاں لگنے، گر پڑنے اور سوکھ جانے کی پیدا ہو جایا کرتی تھیں،

اور اسی قبیل سے حضرت عائشہؓ کا یہ قول ہے کہ اگر نبی صلے اللہ علیہ وسلم ان امور کو دیکھتے جو عورتوں نے اب ایجاد کر لئے ہیں تو ان کو مساجد میں آنے سے روک دیتے جس طرح بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئی تھیں، معانی شرعیہ معلوم کرنے کا سب سے واضح طریقہ یہ ہے

المقاصد التي بني عليها الاحكام فعلم دقيق لا يخوض فيه الا من لطف ذهنه واستقام فهمه وكان فقهاء الصحابة تلقت اصول الطاعات والآثام من المشهورات التي اجمع عليها الامم الموجودة يومئذ كمشركي العرب وكاليهود والنصارى فلم تكن لهم حاجة الى معرفة لمياتها ولا البحث عما يتعلق بذلك، اما قوانين التشريع والتيسير واحكام الدين فتلقوها من مشاهدة مواقع الامر والنهي كما ان جلساء الطبيب يعرفون مقاصد الادوية التي يامر بها بطول المخالطة والممارسة وكانوا في الدرجة العليا من معرفتها، ومنه قول عمر رضي الله عنه لمن اراد ان يصل النافلة بالفريضة بهذا اهلك من قبلكم فقال النبي صلى الله عليه وسلم اصاب الله بك يا ابن الخطاب وقول ابن عباس رضي الله عنهما في بيان سبب الامر بغسل يوم الجمعة، وقول عمر رضي الله عنه وافقت ربي في ثلاث، وقول زيد رضي الله عنه في البيوع المنهي عنها انه كان يصيب الثمار مراض قشام ومان الخ وقول عائشة رضي الله عنها لو ادرك النبي صلى الله عليه وسلم ما احدثه النساء لمنعهن من المساجد كما منعت نساء بني اسرائيل، واصرح طرقها ما بين في

نص الكتاب والسنة مثل ولكم في
القصاص حياة يا اولي الالباب، وفي
قوله تعالى علم الله انكم كنتم تختانون
انفسكم فتاب عليكم وعفا عنكم،
وقوله تعالى الآن خفف الله عنكم
وعلم ان فيكم ضعفا، وقوله تعالى
الا تفعلوه تكن فتنة في الارض و
فساد كبير، وقوله تعالى ان تضل
احداهما فتذكر احداهما الاخرى و
قوله صلى الله عليه وسلم لا يدري
اين باتت يده وقوله صلى الله عليه
وسلم ان الشيطان يبيت على خيشومه
ثم ما اشير اليه او اومي مثل قوله
صلى الله عليه وسلم اتقوا اللاعنين
وقوله صلى الله عليه وسلم وكاء السه
العينان، ثم ما ذكره الصحابي الفقيه
ثم تخريج المناط بوجه يرجع الى مقصد
ظهر اعتباره او اعتبار نظيره في نظير
المسألة، وليس في الامر جزاف فيجب
ان يبحث عن المقادير لم عينت دون
نظائرها، وعن مخصصات العموم لم
استثنيت لفقد المقصد او لقيام مانع
يرجع عند التعارض والله اعلم۔

باب القضاء في الاحاديث المختلفة

الاصل ان يعمل بكل حديث الا ان
يمتنع العمل بالجميع للتناقض وانه
ليس في الحقيقة اختلاف ولكن في نظرنا
فقط فاذا ظهر حديثان مختلفان فان

کہ وہ کتاب وسنت میں بصراحت طور پر مذکور ہو جیسے خدا
تعالے کا فرمان "اے عقلمندو! قصاص میں تمہاری زندگی ہے"
اور خدا کا فرمان "خدا نے معلوم کیا کہ تم اپنے نفسوں سے خیانت
کرتے ہو، اس واسطے خدا تعالے نے تم پر توجہ فرمائی اور تم کو معاف
کر دیا" اور خدا تعالے کا فرمان "اب خدا تعالے نے تمہارے
لئے آسانی کر دی اور جان لیا کہ تمہارے اندر ضعف ہے" اور
خدا تعالے کا فرمان "اگر اس کو نہ کروگے تو زمین میں بڑا فتنہ اور
فساد ہوگا" اور خدا تعالے کا فرمان "اگر ان میں سے کوئی راستہ
سے بہک جائے تو ایک دوسرے کو یاد دلائے" اور رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان "اس کو معلوم نہیں ہے کہ اس کا ہاتھ
کہاں پڑا رہا ہے" اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان "جو صبح
تک سوتا ہے اس کی ناک پر شیطان شب گذارتا ہے"،
اس کے بعد ان معانی کا درجہ ہے جو ایماء اور اشارہ سے
معلوم ہوتے ہیں جیسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان "
لعنت کے دونوں سببوں سے بچو" اور آپ کا یہ فرمان "حدث
کا بندھن دونوں آنکھیں ہیں" اس کے بعد ان کا درجہ ہے جن کو
مجتہد صحابی بیان کرے، اس کے بعد علت حکم کے خارج کرنے کا
درجہ ہے، یہ تخریج اس طرح ہو کہ اس کی انتہا ایسے مقصود پر ہوتی
ہو جس کا ملحوظ ہونا یا اس کے نظیر کا مسئلہ کی نظیر میں ملحوظ ہونا ظاہر
ہو، اور مذہبی امور میں کسی امر میں لغویت نہیں ہے اس واسطے
ضرور ہے کہ مقادیر سے بحث کیجائے کہ خاص خاص مقادیر معین ہوئیں
ان کی نظائر معین کیوں نہ ہوئیں، اور ضرور ہے کہ مخصصات عموم سے
بحث کیجائے کہ ان کو کیوں مستثنی کیا گیا آیا ان میں مقصد فوت تھا
یا کوئی مانع موجود تھا جس کو تعارض کے وقت ترجیح دیدی گئی ہو، واللہ اعلم۔

ساتواں باب: مختلف حدیثوں میں فیصلہ کا بیان

بنیادی امر یہ ہے کہ ہر ایک حدیث پر عمل کرنا چاہئے سوائے اس صورت کے
کہ سب پر تناقض کی وجہ سے عمل نہ ہو سکتا ہو اور واقع میں کوئی اختلاف
نہیں ہوتا بلکہ فقط ہماری نظر میں اختلاف معلوم ہوتا ہے، جب دو مختلف حدیثیں

ظاہر ہوں تو اگر فعل رسول کو بیان کرتی ہیں، پس ایک صحابی نے بیان کیا کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فلاں کام کیا تھا اور دوسرے صحابی نے بیان کیا کہ آپ نے دوسرا کام کیا تھا تو ان حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہوا، اگر یہ دونوں فعل عادت سے متعلق ہیں اور از قسم عبادت نہیں ہیں تو وہ دونوں مباح ہو گئے یا ایک مستحب اور دوسرا جائز ہوگا بشرطیکہ پہلے میں عبادت کے آثار ہوں اور دوسرے میں نہ ہوں، یا دونوں مستحب یا واجب ہوں گے کہ ایک دوسرے کی جگہ کافی ہو جائے گا اگر وہ دونوں عبادت سے متعلق ہیں، حفاظ صحابہ نے اکثر سنن میں ایسی ہی تصریح کی ہے مثلاً وتر میں گیارہ رکعت بھی ہیں، نو اور سات بھی ہیں، اور تہجد میں پکار کر پڑھنا بھی ہے اور آہستہ بھی اور اسی قاعدہ کے موافق رفع یدین میں فیصلہ کرنا چاہیئے کہ کانوں تک اٹھائے جائیں یا شانوں تک۔ اور ایسے ہی حضرت عمر، عبد اللہ ابن مسعود اور عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہم کے تشہد میں بھی فیصلہ کرنا چاہیئے، اور ایسے ہی وتر میں کہ آیا وہ ایک رکعت ہے یا تین رکعات ہیں، اور ایسے ہی طلب نصرت کی دعاؤں میں اور صبح و شام کی دعاؤں میں اور تمام اسباب و اوقات کی دعاؤں میں فیصلہ کرنا چاہیئے، یا وہ دونوں حدیثیں کسی تنگی اور حرج کا مخلص ہوں گی اگر ایسی حدیثوں سے پیشتر کوئی ایسا امر ہو گیا ہو جس نے حرج کو واجب کر دیا ہو جیسے کفارہ سے متعلق امور، اور لڑنے والوں کے معاوضے ایک قول کے موافق۔

یا ان احادیث میں کوئی مخفی علت ہو جو ایک فعل کو ایک وقت میں واجب اور دوسرے فعل کو دوسرے وقت میں مستحسن کر دیتی ہے، یا کسی شئی کو ایک وقت میں واجب اور دوسرے وقت میں اس کے ترک کی رخصت دیتی ہے اس واسطے ایسی علت کی تفتیش کرنا ضروری ہے، یا ان میں سے ایک فعل کو عزیمت اور دوسرے کو رخصت قرار دیں گے بشرطیکہ اول میں اصالت کا اثر ظاہر ہو اور دوسرے میں حرج،

كان من باب حكاية الفعل فحكى صحابي انه صلى الله عليه وسلم فعل شيئا، وحكى آخر انه فعل شيئا آخر فلا تعارض ويكونان مباحين ان كانا من باب العادة دون العبادة او احدهما مستحبا والآخر جائزا ان لاح على احدهما آثار القربة دون الآخر او يكونان جميعا مستحبين او واجبين يكفي احدهما كفاية الآخر ان كانا جميعا من باب القربة، وقد نص حفاظ الصحابة على مثله في كثير من السنن كالوتر باحدى عشر ركعة وبتسع وسبع وكالجهر في التهجد والمخافتة وعلى هذا الاصل ينبغي ان يقضى في رفع اليدين الى الاذنين او المنكبين، وفي تشهد عمر وابن مسعود وابن عباس رضي الله عنهم، وفي الوتر هل هو ركعة منفردة او ثلاث ركعات، وفي ادعية الاستفتاح وادعية الصباح والمساء وسائر الاسباب والاوقات او يكونان مخلصين عن مضيق ان تقدم ما يوجب ذلك كخصال الكفارة وكاجزية المحارب في قول، او يكون هنالك علة خفية توجب او تحسن احد الفعلين في وقت والآخر في وقت او توجب شيئا وقتا وترخص في تركه وقتا فيجب ان يفحص عنها، او يكون احدهما عزيمة والآخر رخصة ان لاح اثر الاصالة في الاول وعدمها في الثاني

اور اگر نسخ کی دلیل ظاہر ہو جائے تو نسخ کا اعتبار ہوگا اور اگر ان
دونوں حدیثوں میں سے ایک حدیث میں آں حضرت صلے اللہ
علیہ وسلم کا کوئی فعل بیان کیا گیا ہو اور دوسری حدیث میں آپ کے
کسی قول کا رفع ہوتا ہو تو اگر اس قول سے تحریم یا وجوب قطعی طور
پر معلوم بہ ہوتا ہو، یا وہ قول قطعی الرفع نہ ہو تو دونوں حدیثوں میں
کئی وجوہ کا احتمال ہوگا، اور اگر وہ قول تحریم یا وجوب میں قطعی ہے
تو دونوں حدیثیں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت فعل
پر محمول ہوں گی یا ان کو نسخ پر محمول کیا جائے گا پس ان دونوں
کے قرائن کی تفتیش کی جائے گی، اور اگر وہ دونوں حدیثیں قولی ہیں
پس اگر ایک حدیث ایک معنی میں ظاہر ہو اور تاویل کرنے سے
دوسرے معنی ہو سکتے ہوں اور تاویل بعید بھی نہ ہو تو یہ قرار دیں گے
کہ ایک حدیث دوسری حدیث کے لئے بیان ہے اور اگر تاویل
بعید ہے تو یہ معنی تاویلی اسی وقت لئے جائیں گے کہ کوئی قرینہ
نہایت قوی ہو یا کسی فقیہ صحابی سے یہ تاویل منقول ہو، مثلاً
اس ساعت کے متعلق جس میں قبولیت دعا کی امید ہوتی ہے
عبداللہ ابن سلام سے مروی ہے کہ وہ آفتاب غروب ہونے سے
ذرا پہلے کی ساعت ہے، اس پر ابو ہریرہؓ نے اعتراض کیا کہ یہ
نماز کا وقت نہیں ہے حالانکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا ہے کہ یہ وہ ساعت ہے جس میں مسلمان کھڑا ہو کر نماز پڑھتا ہوگا،
جو مانگے گا ملیگا، اس کے جواب میں عبداللہ ابن سلام نے یہ فرمایا کہ
نماز کا انتظار کرنے والا ایسا ہی ہے جیسے نماز پڑھنے والا، پس یہ
تاویل بعید ہے، اگر ایک فقیہ صحابی نے اس کو بیان نہ کیا ہوتا تو
ایسی تاویلیں قابل قبول نہ ہوتیں،

اور تاویل کے بعید ہونے کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اگر اس کو
عقول سلیمہ پر بغیر قرینہ یا دلیل کے پیش کیا جائے تو عقول اس کو
قبول نہ کریں، اور جب یہ تاویل کسی ایماء ظاہر یا واضح مفہوم یا
مورد نص کے مخالف ہو گی تو بالکل جائز نہیں ہوگی، اور
تاویل قریب میں سے قصر عام ہے کہ اس طرح کے حکم میں
بعض افراد پر حکم کرنے میں عادت جاری ہو، اور اس میں سے

في الثاني، وان ظهر دليل النسخ قيل به
وان كان احدهما حكاية فعل والآخر
رفع قول فان لم يكن القول قطعي الدلالة
على تحريم او وجوب او قطعي الرفع
احتملا وجوها، وان كان قطعيا حملا
على تخصيص الفعل به صلى الله عليه
وسلم او النسخ فيفحص عن قرائنهما
وان كانا قولين فان كان احدهما
ظاهرا في معنى مؤولا في غيره
وكان التاويل قريبا حمل على ان
احدهما بيان للآخر وان كان بعيدا
لم يحمل عليه الا عند قرينة قوية
جدا او نقل التاويل عن صحابي فقيه
كقول عبد الله بن سلام في الساعة
المرجوة انها قبيل الغروب فاورد ابو
هريرة انها ليست وقت صلاة، و
قد قال النبي صلى الله عليه وسلم
لا يسأل الله فيها مسلم قائم يصلي،
فقال عبد الله بن سلام المنتظر للصلاة
كانه في الصلاة فهذا تاويل بعيد
لا يقبل مثله لولا ذهاب الصحابي
الفقيه اليه، وضابطة البعيد انه
ان عرض على العقول السليمة بدون
القرينة او تجشم الجدل لم يحتمل، و
اذا كان هذا الغاء لايماء ظاهر او مفهوم
واضح او مورد نص لم يجز اصلا، فمن
القريب قصر عام جرت العادة
باستعمال بعض افراده فقط في نظير
ذلك الحكم على ذلك البعض، وعام

ایک لفظ عام کا استعمال کرنا ہے ایسے موضع میں جہاں عادتاً تسامح
کیا جاتا ہے جیسے مدح اور ذم، اور اس میں سے ایک ایسے
لفظ عام کا استعمال کرنا ہے جو اصل حکم کے افادہ کے بعد وضعِ
حکم کی مشروعیت کے لئے لایا گیا ہو پس وہ قضیہ مہملہ کے
درجہ میں کیا جائے گا جیسے آں حضرت کا یہ قول "جس کو بارانی
پانی ملا اس میں عُشر ہے" اور جیسے آپ کا یہ قول "پانچ وسق
سے کم میں زکوٰۃ نہیں" اور منجملہ تاویلات کے یہ ہے کہ ہر
حدیث کو ایک خاص صورت پر محمول کیا جائے بشرطیکہ مناط
اور مناسب شاہد ہو، اور تاویلات میں سے یہ بھی ہے کہ ان
دونوں کو کراہیت اور بیانِ جواز پر محمول کیا جائے اگر ممکن ہو،
اور سختی کو زجر پر محمول کیا جائے بشرطیکہ کوئی خرابی مقدم ہو چکی
ہو لیکن یہ اقوال کہ "تم پر مردار حرام کیا گیا" یعنی اس کا کھانا۔
"اور تم پر تمہاری مائیں حرام کی گئیں" یعنی ان سے نکاح کرنا،
اور جیسے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نظر کا لگنا حق
ہے" یعنی اس کی تاثیر ثابت ہے۔ "اور رسول حق ہے" یعنی اسکی
بعثت خدا کی جانب سے ہوئی ہے۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا "میری امت سے خطاء اور نسیان کو دور کر دیا گیا" یعنی
وہ گناہ جو اس حالت میں ہو معاف ہے، اور آں حضرت صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا "بغیر طہارت کے نماز نہیں ہوتی، بغیر ولی کے
نکاح نہیں ہوتا، اعمال نیتوں سے ہوتے ہیں" یعنی ان امور پر
وہ آثار جو شریعت نے ان کے لئے مقرر کئے ہیں مرتب نہیں ہوتے۔ اور "جب
نماز کیلئے کھڑے ہو تو وضو کرو" یعنی اگر تم کو وضو نہ ہوا کرے، پس یہ سب
اقوال ظاہر ہیں ان میں کوئی امر تاویلی نہیں ہے اس واسطے کہ عرب ان میں سے
ہر لفظ کو ایک محل پر استعمال کرتے تھے اور اس محل کے مناسب معنی مراد لیتے
تھے اور یہ ان کی زبان تھی جس کو وہ ظاہر معنی سے عدول کیا ہوا نہیں سمجھتے تھے
اور اگر وہ دونوں فعل کسی مسئلہ کا جواب یا کسی واقعہ کے فیصلہ کے متعلق ہوں پس
اگر کوئی علت دونوں کو جدا کرنے والی موجود ہو تو اسی کے موافق فیصلہ کیا جائیگا
اسکی مثال یہ ہے کہ ایک جوان شخص نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے روزہ میں بوسہ
لینے کا مسئلہ پوچھا آپ نے اس کو منع کر دیا اور ایک بوڑھے نے پوچھا تو آپ نے اس کو

يستعمل في موضع جرت العادة بالتسامح
فيه كالمدح والذم، وعام سيق لشرع
وضع في حكم بعد افادة اصل الحكم
فيجعل في قوة القضية المهملة كقوله
ما سقته السماء ففيه العشر، وقوله
ليس فيما دون خمسة اوسق صدقة
ومنه تنزيل كل واحد على صورة ان
شهد المناط والمناسب وحملهما
على الكراهية وبيان الجواز في الجملة
ان امكن، وحمل التشديد على الزجر
ان تقدم لجاج اما قوله حرمت عليكم
الميتة اى اكلها وحرمت عليكم امهاتكم
اى نكاحهن، وقوله العين حق اى تاثيرها
ثابت والرسول حق اى مبعوث حقاً،
وقوله رفع عن امتي الخطأ والنسيان
اى اثم ما وقعا فيه وقوله لا صلاة
الا بطهور، لا نكاح الا بولي، انما الاعمال
بالنيات، اى لا يترتب على هذه الاشياء
آثارها التي جعلها الشارع لها اذا قمتم
الى الصلاة فاغسلوا، اى ان لم تكونوا
على الوضوء فظاهر ليس بمؤول، لان
العرب يستعملون كل لفظة منها في
محل، ويريدون ما يناسب ذلك المحل،
وتلك لغتهم التي لا يرون فيها صرفاً
عن الظاهر، وان كانا من باب الفتوى
في مسالة والقضاء في واقعة، فان
ظهرت علة فارقة قضى على حسبها،
مثاله: ساله شاب عن القبلة للصائم
فنهاه، وشيخ فرخص له، وان دل

اجازت دیدی اور ان دونوں میں سے ایک حدیث میں کسی حاجت پر
یا سائل کے اصرار پر، یا تکمیل امر کی طرف توجہ نہ کرنے پر یا کسی ایسے
شخص کی حالت کے رد کرنے پر جس نے اپنی ذات پر نہایت سختی
کی ہو سیاق کلام دلالت کرے اور دوسری حدیث میں یہ امور سیاق
سے ثابت نہ ہوں تو ایک میں عزیمت اور دوسری میں رخصت کہا جائیگا
اور اگر وہ دونوں فعل کسی مبتلا شخص کے لئے مخلص یا گنہگار کیلئے عقوبت
یا قسم توڑنے والے کے لئے کفارہ ہوں تو دونوں کی صحت کا حکم کیا جائے
گا اور نسخ کا بھی احتمال ہوگا، اور اسی قاعدہ کے مطابق استحاضہ والی عورت
کا فتوی ہے کہ کبھی اس کو ہر دو نمازوں کے لئے غسل کا حکم دیا گیا اور
کبھی یہ کہ ایام عادت کو حیض سمجھے یا ان دونوں کو ایام حیض سمجھے جن میں زیادہ
خون ظاہر ہو، یہ تقریر اس قول کے موافق ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ
وسلم نے استحاضہ والی عورت کو دونوں امر کا اختیار دیا تھا اور یہ کہ عادت
اور خون کی رنگت دونوں حیض کا مظنہ ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور
اور اسی طرح اس اختلاف کو دور کیا جائیگا کہ آپ نے اس شخص کے حق میں جو
مرگیا اور اس کے ذمہ روزہ باقی ہے اس کی جانب سے روزہ رکھنے کا
اور ایک روایت کے بموجب کھانا کھلانے کا فتوی دیا تھا اور اسی طرح
ایک قول کے موافق اس شخص کے حق میں جس کو نماز میں شک پڑتا ہو یہ حکم دیا
تھا کہ وہ اپنے شک کو دونوں باتوں میں سے جس طرح چاہے رفع کرلے یا
تو رکعتوں کی جانچ کرے یا یقینی رکعتوں کو اختیار کرے، اور اسی طرح ایک
قول کے موافق نسب کے ثابت کرنے میں کبھی قیافہ اور کبھی قرعہ کے ذریعہ
فیصلہ فرمایا، اور اگر ان احادیث میں دلیل نسخ ظاہر ہو تو ان میں نسخ کا اعتبار
کیا جائیگا، اور نسخ کبھی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریح سے معلوم ہوتا
ہے جیسے آپ نے فرمایا ہے کہ میں نے تم کو زیارت قبور سے منع کردیا تھا لیکن
اب زیارت کیا کرو، اور کبھی نسخ اس وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں حدیثوں
کو جمع نہ کرسکتے ہوں اور ایک حدیث دوسری حدیث کے بعد وارد ہوئی
ہو، اور جب شارع نے کسی حکم کو مقرر کیا ہو اور پھر اس کی جگہ دوسرا حکم
مشروع کردیا ہو اور پہلے حکم سے سکوت کیا ہو تو فقہاء صحابہ نے اس سے
سمجھا ہے کہ وہ پہلے حکم کیلئے ناسخ ہے، یا نسخ کبھی اس طرح معلوم ہوتا ہے
کہ جن احادیث مختلف ہوں اور کسی صحابی نے فیصلہ کیا ہو کہ ایک حدیث
دوسری حدیث کیلئے ناسخ ہے پس یہ صورت نسخ کیلئے ظاہر ہے قطعی نہیں ہے اور فقہاء کا ان احادیث کو منسوخ کہہ دینا جو ان کے مشائخ کے عمل کے خلاف

السياق في احدهما دون الآخر على وجود
الحاجة او الحاح السائل او كونه اضرابا
عن اكمال او ردا للمتعنت المتشدد على
نفسه قضى بالعزيمة والرخصة، و
ان كانا مخلصين لمبتلى، او عقوبتين
لجان، او كفارتين من حنث جاز الحمل
على صحة الوجهين واحتمل النسخ، و
على هذا الاصل يقضى في المستحاضة
افتاها تارة بالغسل لكل صلاتين، وتارة
بالتحيض ايام عادتها او ايام ظهور الدم
الشديد على قول، انه كان خيرها بين
امرين، وان العادة ولون الدم كلاهما
يصلحان مظنة للحيض في الصيام، و
الاطعام عمن مات وعليه صوم على
قول، والشاك في الصلاة يلغي شكه
باحد امرين، بتحري الصواب او اخذ
المتيقن على قول، والقضاء في اثبات
النسب بالقائف او القرعة على قول،
وان ظهر دليل النسخ حمل عليه، و
يعرف النسخ بنص النبي صلى الله تعالى
عليه وسلم كقوله كنت نهيتكم عن
زيارة القبور الا فزوروها، وبمعرفة تأخر
احدهما عن الآخر مع عدم امكان الجمع
واذا شرع الشارع شرعا ثم شرع مكانه
آخر وسكت عن الاول، عرف فقهاء الصحابة
ان ذلك نسخ للاول، او اختلفت الاحاديث
وقضى الصحابي بكون احدهما ناسخا
للآخر، فذلك ظاهر في النسخ غير قطعي
وقول الفقهاء لما يجدونه خلاف عمل

ہوں کفایت نہیں کرتا، اور نسخ جن امور میں کہ وہ ظاہر کرتے ہیں ایک حکم کو دوسرے حکم کے ساتھ تبدیل کردینا ہے اور درحقیقت وہ ایک حکم کا ختم ہوجانا ہے یا تو اس وجہ سے کہ علت ختم ہوگئی یا مقصود اصلی کے لئے اس علت کا مظنہ ہونا ختم ہوگیا یا علت کے ظاہر ہونے سے کوئی امر مانع پیش آگیا یا وحی خداوندی کی وجہ سے یا آپ کے اجتہاد کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر دوسرے حکم کی ترجیح ظاہر ہوگئی ہو اور اس قسم کی ترجیح اس وقت ہوتی ہے جبکہ پہلا حکم اجتہادی ہو حدیث معراج میں خدا تعالےٰ فرماتا ہے " میرے ہاں قول میں تبدیلی نہیں ہوتی "۔

اور جب دونوں حدیثوں کے جمع کرنے کی گنجائش نہ ہو اور نہ ہی تاویل کی گنجائش ہو اور نسخ بھی معلوم نہ ہو تو ان حدیثوں میں تعارض پایا جائے گا پس اگر ان میں سے ایک کی ترجیح ثابت ہوگی تو راجح کو اختیار کیا جائے گا ورنہ دونوں حدیثیں ساقط ہوجائیں گی، اور ترجیح یا تو سند کی وجہ سے ہوتی ہے کہ اس کے راوی زیادہ اور فقیہ ہوں اور وہ حدیث متصل ہو اور اس کے مرفوع ہونے کی تصریح ہو اور راوی ہی خود اس حدیث کا تعلق ہو کہ اسی نے خود فتوٰی دریافت کیا ہو یا اس سے خطاب کیا گیا ہو یا اس فعل کو جو اس میں مذکور ہے وہ اپنے عمل میں لایا ہو، اور یا ترجیح اس وجہ سے ہوتی ہے کہ نفس حدیث میں کوئی امر موکد و مصرح ہو یا ترجیح حکم اور اس کی علت کی وجہ سے ہوتی ہے کہ وہ حکم احکام شرعیہ کے مناسب ہو اور اس علت کو ان احکام سے اتنا شدید تعلق ہو کہ اس علت کی تاثیر پہچانی جاتی ہو یا ترجیح کسی خارجی امر کی وجہ سے ہوتی ہے جس کو اکثر اہل علم نے قبول کیا ہو، اور حدیثوں کے ساقط ہونے کی صورت محض فرضی ہے ایسی حدیثیں تقریبا معدوم ہیں، اور صحابی کا یہ کہنا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا اور منع کیا، اور آپ نے فیصلہ کیا اور آپ نے رخصت دی، اس کے بعد یہ کہنا کہ ہم کو یہ حکم دیا گیا اور ہم کو اس سے منع کیا گیا پھر یہ کہنا کہ یہ امر مسنون ہے، اور جس نے ایسا کیا اس نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی، پھر یہ کہنا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے تو اس کا بظاہر مرفوع ہونا معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس نے علت کو حکم کا مدار علیہ خیال کرکے اپنے اجتہاد کو دخل دیا ہو یا حکم کی خود تعیین کردی ہو کہ وہ

مشایخھم، منسوخ غیر مقنع، والنسخ فیما یبدونھا تغییر حکم بغیرہ وفی الحقیقة انتھاء الحکم لانتھاء علته او انتھاء کونھا مظنة للمقصد الاصلی اولحدوث مانع من العلیة اوظھور ترجیح حکم اخر علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم بالوحی الجلی او باجتھادہ وھذا اذا کان الاول اجتھادیا، قال اللہ تعالٰی فی حدیث المعراج، مایبدل القول لدی واذا لم یکن للجمع والتاویل مساغ، ولم یعرف النسخ تحقق التعارض فان ظھر ترجیح احدھما اما بمعنی فی السند من کثرة الرواة وفقه الراوی وقوة الاتصال، وتصریح صیغة الرفع وکون الراوی صاحب المعاملة بان یکون ھو المستفتی او المخاطب والمباشر او بمعنی فی المتن من التاکید والتصریح او بمعنی فی الحکم وعلته من کونه مناسبا بالاحکام الشرعیة، وکونھا علة شدیدة المناسبة عرف تاثیرھا، او من خارج من کونه متمسك اکثر اھل العلم اخذ بالراجح والا تساقطا، وھی صورة مفروضة لاتکاد توجد، وقول الصحابی امرونھی وقضی ورخص، ثم قوله: امرنا ونھینا ثم قوله من السنة کذا، وعصی ابا القاسم، من فعل کذا، ثم قوله ھذا حکم النبی ظاھرا فی الرفع ویحتمل طروق اجتھاد فی تصویر العلة المدار

واجب ہے یا مستحب، عام ہے یا خاص، اور صحابی کا یہ کہنا کہ
آں حضرت ایسا کیا کرتے تھے' اس سے کسی کام کو چند بار کرنا ظاہر
ہوتا ہے اور کسی دوسرے صحابی کا یہ کہنا کہ آپ دوسرا فعل کیا کرتے
تھے' اس پہلے فعل کے منافی نہیں ہے۔ اور صحابی کا یہ کہنا کہ میں
آپ کی صحبت میں رہا اور میں نے آپ کو منع کرتے نہیں دیکھا' یا
یہ کہنا کہ ہم آپ کے عہد میں اس فعل کو کرتے تھے تو اس سے اس حکم
کا ثبوت ظاہر ہوتا ہے اور وہ نص نہیں ہو سکتا، اور کبھی روایتوں
اور طرق کے اختلاف سے احادیث کے الفاظ میں اختلاف ہو جاتا
ہے اور یہ اختلاف حدیث کی نقل بالمعنی کی وجہ سے ہوتا ہے،
پس اگر کوئی حدیث ایسی وارد ہو کہ ثقات کا اس کے الفاظ میں
اختلاف نہ ہو تو ظاہراً یہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہونگے
اور ان الفاظ کی تقدیم و تاخیر سے، واؤ اور فاء سے اور ایسے ہی
ان معانی سے جو اصل مراد سے زائد ہوں استدلال ہو سکتا ہے
اور اگر راویوں نے باہم ایسا اختلاف کیا ہے جن احتمال ہو سکتا ہے
اور وہ سب فقاہت، حفظ اور کثرت میں ہم مرتبہ ہوں تو اس
امر کا ظہور ساقط ہو جائے گا کہ وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے الفاظ ہیں، پس صرف اسی معنی سے استدلال ہو سکے گا جس کو
بالاتفاق سب نے بیان کیا ہوگا، اور عام رواۃ صرف اصل معانی کا
اعتبار کیا کرتے۔ تھے حواشی اور زوائد کا لحاظ نہیں کرتے تھے،
اور اگر راویوں کے مراتب میں اختلاف ہو تو اس قول کو لیا جائے
گا جو ثقہ سے منقول ہے یا اکثر سے منقول ہے یا اس شخص سے
منقول ہے جو واقعہ سے خوب واقف ہے، اور اگر کسی ثقہ کے
قول میں کوئی زاید بات نہایت ضبط کے ساتھ منقول ہو تو اس کو
لیا جائے گا جیسے راوی کا یہ قول کہ حضرت عائشہ نے 'وثب' کا
لفظ فرمایا اور 'قام' کا لفظ نہیں کہا، اور حضرت عائشہ نے فرمایا
کہ آں حضرت نے اپنی جلد پر پانی بہایا اور یہ نہیں کہا کہ آنحضرت
نے غسل کیا، اور اگر راویوں نے روایت حدیث میں بہت نمایاں اختلاف
کیا ہو اور وہ سب رتبہ میں برابر ہوں اور کوئی مرجح نہ ہو تو وہ خصوصیات
جن میں اختلاف ہے ساقط ہو جائیں گی اور اگر حدیث مرسل کے ساتھ اگر

علیها او تعیین الحکم من الوجوب و
الاستحباب او عمومه وخصوصه،
و قوله کان یفعل کذا ظاهر فی تعدد
الفعل، ولا ینافیه قول الآخر کان
یفعل غیره، و قوله صحبته فلم اره
ینهی، وکنا نفعل فی عهده ظاهر فی
التقریر ولیس نصا، و قد تختلف صیغ
حدیث لاختلاف الطرق، و ذلك من
جهة نقل الحدیث بالمعنی، فان جاء
حدیث و لم یختلف الثقات فی لفظه
کان ذلك لفظه صلی الله تعالی علیه و
سلم ظاهرا، وامکن الاستدلال بالتقدیم
والتاخیر والواو والفاء و نحو ذلك من
المعانی الزائدة علی اصل المراد، وان
اختلفوا اختلافا محتملا وهم متقاربون
فی الفقه والحفظ والکثرة سقط الظهور
فلا یمکن الاستدلال بذلك الا علی
المعنی الذی جاءوا به جمیعا، وجمهور
الرواة کانوا یعتنون برءوس المعانی
لا بحواشیها، وان اختلفت مراتبهم
اخذ بقول الثقة والاکثر والاعرف
بالقصة، وان اشعر قول الثقة بزیادة
الضبط مثل قوله قالت - وثب - وما
قالت - قام - وقالت - افاض علی
جلده الماء - وما قالت - اغتسل
اخذ به، وان اختلفوا اختلافا فاحشا
وهم متقاربون ولا مرجح سقطت
الخصوصیات المختلف فیها، والمرسل
ان اقترن بقرینة مثل ان یعتضد

کسی صحابی کی حدیث موقوف سے اس میں قوت آگئی ہو یا کسی
صحابی کی سند ضعیف سے یا کسی دوسرے راوی کی مرسل حدیث
سے اس کی تائید ہو گئی ہو اور راوی دونوں کے مختلف ہوں یا
اکثر اہل علم کے قول یا قیاس صحیح یا نص کے ایماء سے اس کی تائید
ہو گئی ہو یا یہ معلوم ہو جائے کہ یہ راوی سوائے ثقہ کے حدیث کو
بطریق ارسال بیان نہیں کرتا تو ان سب صورتوں میں اس حدیثِ
مرسل کو قابل حجت سمجھنا صحیح ہوگا لیکن ایسی حدیث مسند سے کم
درجہ کی ہوگی، اور اگر اس مرسل کی ایسی حالت نہیں ہے تو وہ قابلِ
حجت نہیں ہے، اور اسی طرح وہ حدیث جس کو کوئی قاصر الضبط
جو متہم نہ ہو یا مجہول الحال روایت کرے تو مذہب مختار یہ ہے کہ
وہ حدیث مقبول ہوگی بشرطیکہ کوئی قرینہ بھی اس کے ساتھ ہو مثلاً
قیاس کے موافق ہو یا اکثر اہل علم کا اس پر اتفاق ہو اور اگر ایسا نہیں
ہے تو قابلِ قبول نہ ہوگی، اور جب کوئی راوی ایسی بات حدیث
میں زاید بیان کرے جس پر اور راوی سکوت کر سکتے ہوں تو ایسی
زیادتی مقبول ہوگی مثلاً حدیث مرسل کی اسناد بیان کرنا یا اسناد میں
کسی راوی کو زیادہ بیان کرنا یا حدیث کا مورد بیان کرنا یا روایت
اور درازی کلام کا سبب بیان کرنا اور یا کوئی مستقل جملہ ذکر کرنا
جس سے کلام کے معنی میں کوئی تبدیلی نہ ہوتی ہو، اور اگر اس کی زیادتی
پر دوسرے رواۃ کا سکوت کرنا ممتنع ہو تو وہ زیادتی مقبول نہ ہوگی
مثلاً ایسی زیادتی کرنا جو معنی کو بدل دے یا کوئی ایسی نادر شئی زیادہ
کرنا جس کا ذکر کرنا عادۃً ترک نہیں ہوتا، اور جب کوئی صحابی
حدیث کو کسی موقع پر محمول کرے تو اس میں اگر اجتہاد کو دخل
ہے تو وہی حمل کرنا ظاہر سمجھا جائے گا یہاں تک کہ اس حمل کے
خلاف کوئی دلیل قائم ہو جائے اور اگر اجتہاد کو اس میں دخل نہ ہو
تو یہ حمل کرنا قوی ہوگا اور اس کو ایسا قرار دیا جائے گا جیسے کوئی
عاقل زبان داں قرائنِ حالیہ یا قالیہ کی وجہ سے کوئی معنی خاص
متعین کرتا ہے، اور اگر صحابہ و تابعین کے آثار میں
اختلاف واقع ہو جائے تو مذکورہ بالا وجوہ سے اگر
ان میں جمع ممکن ہے تو بہتر ہے ورنہ یہ سمجھا جائے گا

بموقوف صحابي او مسنده الضعيف
او مرسل غيره، والشيوخ متغايرة
او قول اكثر اهل العلم او قياس صحيح
او ايماء من نص او عرف انه لا
يرسل الا عن عدل صح الاحتجاج به
وكان نازلا من المسند والا لا، و
كذلك الحديث الذي يرويه قاصر
الضبط غير متهم او مجهول الحال
المختار انه يقبل ان اقترن بقرينة
مثل موافقة القياس او عمل اكثر
اهل العلم والا لا، واذا تفرد الثقة
بزيادة لا يمتنع سكوت الباقين عنها
فهي مقبولة كاسناد المرسل
وزيادة رجل في الاسناد، وذكر
مورد الحديث وسبب الرواية و
اطناب الكلام وايراد جملة مستقلة
لا تغير معنى الكلام وان امتنع
كالزيادة المغيرة للمعنى او نادرة
لا يترك ذكرها عادة لم يقبل و
اذا حمل الصحابي حديثا على محمل
فان كان للاجتهاد فيه مساغ كان
ظاهرا في الجملة الى ان تقوم
الحجة بخلافه والا كان قويا
كما اذا كان فيما يعرفه العاقل
العارف باللغة من القرائن
الحالية والقالية، اما اختلاف
آثار الصحابة والتابعين، فان
تيسر الجمع بينها ببعض الوجوه
المذكورة سابقا فذلك، والا

کہ اس مسئلہ میں دو یا دو سے زیادہ اقوال ہیں، اس کے بعد یہ دیکھا جائے گا کہ ان میں سے کون سا زیادہ صحیح ہے اور مذاہب صحابہ کا ماخذ معلوم کرنا ایک مخفی علم ہے اس کے معلوم کرنے میں خوب کوشش کرو اس سے تم کو بڑا فائدہ پہنچے گا، واللہ اعلم۔

تتمہ

پہلا باب (۱) - فروعات میں صحابہ اور تابعین کے اختلاف کے اسباب کا بیان

واضح ہو کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد شریف میں نہ تو احکام فقہ جمع ہوئے تھے اور نہ اس وقت مسائل میں ایسی بحثیں ہوتی تھیں جیسی یہ فقہا کرتے ہیں کہ نہایت کوشش سے ارکان و شروط اور ہر شئی کے آداب ایک دوسرے سے جدا جدا مع دلائل کے بیان کرتے ہیں اور صورتیں فرض کر کے ان مفروضہ صورتوں میں گفتگوئیں کرتے ہیں اور جو حد کے قابل ہے اس کی حد بیان کرتے ہیں اور جو حصر کے قابل ہے اس کا حصر کرتے ہیں اور اسی قسم کے بہت سے امور کرتے ہیں لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد میں پس آپ وضو کرتے تھے اور صحابہ آپ کے وضو کو دیکھ کر اس پر عمل کرتے تھے بغیر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی تشریح کے کہ یہ رکن ہے اور وہ مستحب ہے،

اور آپ نماز پڑھتے تھے پس صحابہ جس طرح آپ کو نماز پڑھتا ہوا دیکھتے تھے اسی طرح خود بھی نماز پڑھتے تھے،

اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حج کیا پس لوگوں نے بھی دیکھ کر ویسے ہی افعال حج ادا کئے جیسے آپ نے ادا کئے، پس غالب حال آپ کا یہی تھا، آپ نے اس کی تشریح نہیں

كانت المسألة على قولين او اقوال فينظر ايها اصوب، ومن العلم المكنون معرفة مأخذ مذاهب الصحابة فاجتهد منه حظا والله اعلم،

تتمة

باب في اسباب اختلاف الصحابة والتابعين في الفروع

اعلم ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم لم يكن الفقه في زمانه الشريف مدونا، ولم يكن البحث في الاحكام يومئذ مثل البحث من هؤلاء الفقهاء حيث يبينون باقصى جهدهم الاركان والشروط وآداب كل شيء ممتازا عن الآخر بدليله، ويفرضون الصور ويتكلمون على تلك الصور المفروضة، ويحدون ما يقبل الحد ويحصرون ما يقبل الحصر الى غير ذلك من صنائعهم،

اما رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فكان يتوضأ فيرى الصحابة وضوءه فيأخذون به من غير ان يبين ان هذا ركن وذلك ادب، وكان يصلي فيرون صلاته فيصلون كما راوه يصلي، وحج فرمق الناس حجه ففعلوا كما فعل، فهذا كان غالب حاله صلى الله تعالى عليه وسلم ولم يبين ان

کی کہ وضو میں فرائض چھ ہیں یا چار ہیں اور نہ آپ نے اس احتمال کو فرض کیا کہ انسان بغیر پے در پے کے وضو کرے تاکہ اس کے صحیح یا فاسد ہونے کا حکم کیا جائے اِلّا ماشاء اللہ، اور صحابہ اس قسم کی باتیں آپ سے بہت کم دریافت کرتے تھے، حضرت عبداللہ ابن عباس سے مروی ہے کہ میں نے اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بہتر کسی قوم کو نہیں دیکھا انہوں نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے آپ کی وفات تک صرف تیرہ مسئلے دریافت کئے جو سب کے سب قرآن میں موجود ہیں، ان مسائل میں سے یہ ہے ۔ لوگ آپ سے ماہ حرام میں لڑنے کا حکم دریافت کرتے ہیں آپ فرما دیجئے اس مہینہ میں لڑنا بڑی برائی ہے، اور آپ سے حیض کا حال دریافت کرتے ہیں،

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ صحابہ وہی امور دریافت کرتے تھے جو مفید ہوتے تھے، حضرت عبداللہ ابن عمر کا قول ہے کہ وہ امور مت دریافت کرو جو ابھی تک ہوئے نہ ہوں اس واسطے کہ میں نے حضرت عمر بن الخطاب کو اس شخص پر لعنت کرتے سُنا ہے جو ایسی باتیں دریافت کرے جو ابھی تک وقوع میں نہ آئی ہوں، قاسم کہتے ہیں کہ تم ایسی باتیں دریافت کرتے ہو جن کو ہم دریافت نہیں کیا کرتے تھے اور ایسی باتوں کی تفتیش کرتے ہو جن کی ہم تفتیش نہیں کیا کرتے تھے، تم وہ امور دریافت کرتے ہو جن کو ہم نہیں جانتے اور اگر ہم ان کو جانتے تو ان کو چھپانا ہم کو جائز نہ تھا، عمر ابن اسحٰق سے مروی ہے کہ میں اصحاب رسول اللہ صلعم میں جن سے ملا ہوں ان کی تعداد ان سے زیادہ تھی جو مجھ سے پہلے گذر چکے تھے، میں نے کسی قوم کو نہیں پایا جن کی روش میں ان سے زیادہ آسانی اور ان سے کم سختی ہو، عبادہ بن بسر کندی سے روایت ہے کہ ان سے کسی نے اس عورت کا حال دریافت کیا جو ایک قوم کے ساتھ مرگئی تھی اور اس کا کوئی ولی نہ رہا تھا پس انہوں نے کہا میں بہت سے لوگوں سے

فروض الوضوء ستة او اربعة ولم يفرض انه يحتمل ان يتوضأ انسان بغير موالاة حتى يحكم عليه بالصحة او الفساد الا ما شاء الله وقلما كانوا يسألونه عن هذه الاشياء، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: ما رايت قوما كانوا خيرا من اصحاب رسول الله صلے الله عليه وسلم ما سألوه عن ثلاث عشرة مسألة حتى قبض كلهن في القرآن منهن يسألونك عن الشهر الحرام قتال فيه قل قتال فيه كبير، ويسألونك عن المحيض، قال ما كانوا يسألون الا عما ينفعهم، قال ابن عمر لا تسأل عما لم يكن فاني سمعت عمر بن الخطاب يلعن من سأل عما لم يكن - قال القاسم انكم تسألون عن اشياء ما كنا نسأل عنها وتنقرون عن اشياء ما كنا ننقر عنها - تسألون عن اشياء ما ادري ما هي ولو علمناها ما حل لنا ان نكتمها، عن عمر بن اسحاق قال: لمن ادركت من اصحاب رسول الله صلے الله عليه وآله وسلم اكثر ممن سبقني منهم فما رايت قوما ايسر سيرة ولا اقل تشديدا منهم وعن عبادة بن بسر الكندي، و سئل عن امراة ماتت مع قوم ليس لها ولي، فقال: ادركت اقواما

ملاہوں جو تمہاری طرح سختی نہیں کرتے تھے اور تمہاری طرح
مسائل دریافت نہیں کرتے تھے، ان آثار کو دارمی نے
روایت کیا ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے واقعات کے
متعلق لوگ دریافت کیا کرتے تھے تو آپ بتلا دیا کرتے
تھے اور آپ کے پاس قضایا آتے تھے پس آپ فیصلے
کر دیا کرتے تھے، اور لوگوں کو کوئی اچھا کام کرتے ہوئے
دیکھتے تھے تو ان کی تعریف کرتے تھے اور اگر برا کام کرتے
ہوئے دیکھتے تھے تو منع کرتے تھے، اور جب کبھی آپ نے
کسی مستفتی کو فتوٰی دیا یا کسی قضیہ کا فیصلہ کیا یا کسی کام کرنے
والے کو منع کیا تو یہ سب کچھ مجلسوں میں ہوتا تھا اور یہی حالت
شیخین حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کی تھی، جب ان کو کسی مسئلہ
کا علم نہ ہوتا تھا تو لوگوں سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
کی حدیث دریافت کرتے تھے، حضرت ابو بکر رضی اللہ
تعالے عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
سے جدّہ کے حصہ کے متعلق کوئی حکم نہیں سُنا اور لوگوں سے
انہوں نے اس کو دریافت کیا، ظہر کی نماز سے فارغ
ہو کر فرمایا تم میں سے کسی نے آں حضرت صلے اللہ علیہ
وسلم سے جدہ کے بارے میں کچھ سُنا ہے؟ مغیرہ ابن
شعبہ نے کہا میں نے سنا ہے، حضرت ابو بکر نے فرمایا
حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا تھا، انہوں نے
کہا پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے جدہ کو چھٹا حصہ
دلوایا تھا، حضرت ابو بکر نے فرمایا تمہارے سوا کوئی
اور شخص بھی اس کو جانتا ہے؟ محمد بن سلمہ نے کہا مغیرہ
سچ کہتے ہیں، تب ابو بکرؓ نے جدہ کو چھٹا حصہ دلوایا، اور ایسے
ہی قصہ ہے حضرت عمر کا غلام آزاد کرنے کی بابت لوگوں
سے سوال کرنا اور مغیرہ کی خبر کی طرف رجوع کرنا اور
لوگوں سے وبا کے متعلق دریافت کرنا اور عبد الرحمٰن ابن عوف
کی خبر کی جانب رجوع کرنا، اور ایسے ہی مجوس کے قصہ میں
حضرت عبد الرحمٰن ابن عوف کی خبر کی طرف رجوع کرنا،

ما كانوا يشددون تشديدكم ولا
يسألون مسائلكم، اخرج هذه الآثار
الدارمي، وكان صلى الله عليه وسلم
يستفتيه الناس في الوقائع فيفتيهم
فترفع اليه القضايا فيقضي فيها
ويرى الناس يفعلون معروفا
فيمدحه او منكرا فينكر عليه،
وكلما افتى به مستفتيا او قضى به
في قضية او انكره على فاعله، كان
في الاجتماعات، وكذلك كان الشيخان
ابو بكر وعمر اذا لم يكن لهما علم
في المسألة يسألون الناس عن
حديث رسول الله صلى الله عليه
وآله وسلم وقال ابو بكر رضي الله
عنه: ما سمعت رسول الله صلى الله
عليه وآله وسلم قال فيها شيئا يعني
الجدة - وسأل الناس، فلما صلى
الظهر قال ايكم سمع رسول الله صلى
الله تعالى عليه وسلم قال في الجدة
شيئا؟ فقال المغيرة بن شعبة انا
قال ماذا قال؟ قال اعطاها رسول
الله صلى الله عليه وسلم سدسا، قال
ايعلم ذلك احد غيرك؟ فقال محمد
ابن سلمة: صدق فاعطاها ابو بكر
السدس، وقصة سوال عمر الناس
في الغرة ثم رجوعه الى خبر مغيرة
وسواله اياهم في الوباء ثم رجوعه
الى خبر عبد الرحمن بن عوف وا
كذا رجوعه في قصة المجوس الى

اور جب عبد اللہ ابن مسعود کی رائے سے معقل ابن یسار
کی خبر مطابق ہوگئی تھی تو عبد اللہ ابن مسعود کا خوش ہونا اور
ایسے ہی ابو موسیٰ کا حضرت عمرؓ کے دروازہ سے واپس چلا جانا
اور حضرت عمرؓ کا ان سے حدیث دریافت کرنا اور ابو سعیدؓ
کا ان کی تصدیق کرنا، اور اسی طرح کے بے شمار قصے معلومہ
ہیں جو صحیحین اور سنن میں مروی ہیں،

حاصل کلام یہ ہے کہ آں حضرت صلے اللہ
علیہ وسلم کی عادتِ حمیدہ یہی تھی، ہر صحابی نے جس قدر
اس کو توفیق الٰہی ہوئی آپ کی عبادت، فتاویٰ اور
فیصلوں کو دیکھا پس ان کو خوب حفظ کرلیا اور سمجھ لیا
اور قرائن سے ہر ایک کی وجہ بھی معلوم کرلی، اور ان امارات
اور قرائن کی وجہ سے جو اس صحابی کو معلوم تھے بعض
امور کو اباحت پر اور بعض کو نسخ پر محمول کیا،

صحابہ کی نظر میں سوائے اطمینانِ قلب اور یقین
کے کوئی پسندیدہ امر نہیں تھا، ان کو استدلال کے
طریقوں کی طرف زیادہ توجہ نہ تھی جیسے تم اعراب
کی حالت دیکھتے ہو کہ وہ باہم مقصودِ کلام کو سمجھتے ہیں
اور تصریح یا اشارہ سے ان کو اطمینانِ قلب حاصل
ہوجاتا ہے اور ان کو معلوم بھی نہیں ہوتا کہ ان کو کیسے
اطمینان حاصل ہوگیا،

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا دورِ مبارک ختم ہوگیا
اور صحابہ اسی حالت پر رہے، آپ کے بعد صحابہ تمام
بلاد میں پھیل گئے اور ہر شخص ایک ایک حصہ کا مقتدیٰ
اور رہبر ہوگیا پس واقعات زیادہ پیش آتے گئے اور
لوگوں نے مسائل دریافت کرنے شروع کئے ہر صحابی
نے اپنی یادداشت اور استنباط کے موافق جواب دیا،
اور اگر انہوں نے اپنی یادداشت اور استنباط میں
کوئی امر جواب کے قابل نہ پایا تو اپنی رائے سے
اجتہاد کیا اور اسی علت کو معلوم کیا جس کو

خبره، وسرور عبد الله بن مسعود
بخبر معقل بن يسار لما وافق رايه
وقصة رجوع ابي موسى عن باب
عمر وسواله عن الحديث، وشهادة
ابي سعيد له، وامثال ذلك كثيرة
معلومة مروية في الصحيحين و
السنن، وبالجملة فهذه كانت
عادته الكريمة صلى الله عليه و
اله وسلم فراى كل صحابي ما يسره
الله له من عبادته وفتاواه و
اقضيته فحفظها وعقلها وعرف
لكل شئ وجها من قبل حفوف
القرائن به فحمل بعضها على
الاباحة وبعضها على النسخ لامارات
وقرائن كانت كافية عنده، ولم يكن
العمدة عندهم الا وجدان الاطمئنان
والثلج من غير التفات الى طرق
الاستدلال كما ترى الاعراب يفهمون
مقصود الكلام فيما بينهم وتثلج
صدورهم بالتصريح والتلويح و
الايماء من حيث لا يشعرون، فانقضى
عصره الكريم وهم على ذلك ثم
انهم تفرقوا في البلاد وصار كل
واحد مقتدى ناحية من النواحي
فكثرت الوقائع ودارت المسائل
فاستفتوا فيها فاجاب كل واحد حسبما
حفظه او استنبط وان لم يجد فيما
حفظه او استنبط ما يصلح للجواب
اجتهد برايه وعرف العلة التي

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے مصرح احکام میں
مدار علیہ قرار دیا تھا، پس انہوں نے جہاں اس علت کو پایا
وہیں اس کا حکم متعین کر دیا، اور حکم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی
غرض کے موافق کرنے میں کوئی ہی نہ کی پس اس وقت انکے
درمیان اختلاف کے چند پہلو ہو گئے جن میں سے ایک یہ
ہے کہ ایک صحابی نے ایک معاملہ میں کوئی حکم یا فتوٰی سُن
لیا اور دوسرے نے اس کو نہیں سُنا اس واسطے اس
دوسرے نے اپنی رائے سے اس میں اجتہاد کیا اور اس
اجتہاد کے بھی کئی طریقے ہو گئے، اوّل یہ ہے کہ اس کا اجتہاد
اس حدیث کے موافق ہو گیا اس کی مثال وہ حدیث ہے
جو نسائی وغیرہ نے روایت کی ہے کہ عبد اللہ ابن مسعود
سے کسی نے مسئلہ دریافت کیا کہ ایک عورت کا خاوند
مر گیا اور اس نے اس کے لئے کچھ مہر مقرر نہیں کیا تھا انہوں
نے کہا میں نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اس کے
بارے میں کوئی فتوٰی دیتے نہیں دیکھا ہے لیکن لوگ ایک
ماہ تک ان کے پاس آتے جاتے رہے اور اصرار کرتے
رہے، تب انہوں نے اپنی رائے سے اجتہاد کر کے فیصلہ دیا
کہ اس کو اس کے خاندان کی عورتوں کے برابر مہر ملے گا'
نہ اس سے کم اور نہ زیادہ، اور اس کے لئے عدت ضروری
ہے اور اس کو ورثہ ملے گا، اس کو سُنکر معقل ابن یسار نے
کھڑے ہو کر شہادت دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک
عورت کے حق میں ایسا ہی فیصلہ دیا تھا، اس سے عبد اللہ
ابن مسعود ایسے خوش ہوئے کہ بعد اسلام کے کبھی اتنے خوش
نہیں ہوئے تھے،

دوئم یہ ہے کہ دو صحابیوں میں باہم مناظرہ واقع ہو اور حدیث
اس طرح ظاہر ہو جائے جس کے ہونے کا گمان غالب ہو وہ صحابی
اپنے اجتہاد سے اس حدیث مسموع کیجانب رجوع کرے اس کی
مثال وہ حدیث ہے جو ائمہ نے روایت کی ہے کہ حضرت ابوہریرہ کا
مذہب تھا کہ جس نے جنابت کی حالت میں صبح کی تو اس پر روزہ نہیں ہے

ادار رسول الله صلى الله تعالى عليه و
اله وسلم عليها الحكم في منصوصاته
فطرد الحكم حيثما وجدها لا يالو
جهدا في موافقة غرضه عليه الصلوة
والسلام فعند ذلك وقع الاختلاف
بينهم على ضروب، منها ان صحابيا
سمع حكما في قضية او فتوى ولم
يسمعه الاخر فاجتهد برايه في ذلك
وهذا على وجوه، احدها ان يقع
اجتهاده موافق الحديث، مثاله ما
رواه النسائي وغيره ان ابن مسعود
رضي الله عنه سئل عن امراة مات
عنها زوجها ولم يفرض لها فقال
لم ار رسول الله صلى الله عليه واله
وسلم يقضي في ذلك فاختلفوا عليه
شهرا والحوا فاجتهد برايه وقضى بان
لها مهر نسائها لا وكس ولا شطط
وعليها العدة ولها الميراث
فقام معقل بن يسار فشهد بانه
صلى الله عليه وسلم قضى بمثل
ذلك في امراة منهم ففرح بذلك
ابن مسعود فرحة لم يفرح مثلها
قط بعد الاسلام، ثانيها ان يقع
بينهما المناظرة ويظهر الحديث
بالوجه الذي يقع به غالب الظن
فيرجع عن اجتهاده الى المسموع،
مثاله ما رواه الائمة من ان ابا
هريرة رضي الله عنه كان من مذهبه
انه من اصبح جنبا فلا صوم له

یہانتک کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعض
ازواج نے ان کے مذہب کے خلاف حدیث بیان کی
تب حضرت ابو ہریرہ نے اپنے مذہب سے رجوع کیا،
سوم یہ ہے کہ صحابی کو حدیث پہنچے لیکن اس طرح
سے ظاہر نہ ہو جس سے اس کے حدیث ہونے کا ظن غالب
ہو اس واسطے وہ صحابی اپنے اجتہاد کو ترک نہ کرے بلکہ
حدیث میں طعنہ کرے، اس کی مثال وہ حدیث ہے جو
اصحابِ اصول نے روایت کی ہے کہ فاطمہ بنتِ قیس نے
حضرت عمر ابن الخطاب کے پاس حاضر ہو کر شہادت دی
کہ اس کو تین طلاقیں خاوند نے دی تھیں پس رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے نفقہ اور مکان نہیں دلایا
لیکن حضرت عمرؓ نے اس کی شہادت کو قبول نہیں کیا اور
فرمایا کہ میں اس عورت کے قول سے کتاب اللہ کو نہیں
چھوڑ سکتا ہوں، ہم کو معلوم نہیں ہے کہ یہ عورت سچی ہے
یا جھوٹی ہے، بے شک مطلقہ کے لئے نفقہ اور مکان ہے
اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فاطمہ سے فرمایا کہ تو خدا
سے خوف نہیں کرتی یعنی اپنے قول میں۔ اس کی دوسری
مثال وہ ہے جو بخاری اور مسلم نے روایت کی ہے کہ
حضرت عمر کا مذہب تھا کہ جس جنبی کو پانی نہ ملے اس کے
لئے تیمم کافی نہیں ہے، تب ان کے سامنے عمار ابن یاسر
نے کہا کہ میں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ
ایک سفر میں شریک تھا اور مجھ کو غسل کی ضرورت ہوئی
اور پانی نہ ملا پس میں خاک میں لوٹا، اس کے بعد یہ بات
آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے روبرو میں نے بیان کی
پس آپ نے فرمایا "تم کو ایسا کرنا کافی تھا اور آپ نے
زمین پر دونوں ہاتھ مار کر اپنے منہ اور ہاتھوں پر مسح کر لیا"
لیکن حضرت عمرؓ نے اس حدیث کو تسلیم نہیں کیا اور
ایک مخفی اعتراض کی وجہ سے جو حدیث میں ان کو معلوم ہوا
انہوں نے اس حدیث کو حجت قرار نہیں دیا

حتی اخبرته بعض ازواج النبی صلی
الله علیه و اله و سلم بخلاف مذهبه
فرجع ؛
و ثالثها ان یبلغه الحدیث و لکن
لا علی الوجه الذی یقع به غالب الظن
فلم یترك اجتهاده بل طعن فی
الحدیث، مثاله ما رواه اصحاب الاصول
من ان فاطمة بنت قیس شهدت عند
عمر بن الخطاب بانها کانت مطلقة
الثلاث فلم یجعل لها رسول الله صلے
الله علیه وسلم نفقة و لا سکنی، فرد
شهادتها و قال لا اترك کتاب الله
بقول امراة لا ندری اصدقت ام
کذبت لها النفقة و السکنی و قالت
عائشة رضی الله عنها لفاطمة الا تتقی
الله یعنی فی قولها لا سکنی و لا نفقة
و مثال الاخر روی الشیخان انه کان
من مذهب عمر بن الخطاب ان
التیمم لا یجزئ للجنب الذی لا یجد
ماء فروی عنده عمار انه کان مع
رسول الله صلے الله علیه وسلم فی
سفر فاصابته جنابة و لم یجد ماء
فتمعك فی التراب فذکر ذلك
لرسول الله صلے الله علیه و سلم
فقال رسول الله صلی الله علیه و
سلم انما کان یکفیك ان تفعل
هکذا و ضرب بیدیه الارض فمسح
بهما وجهه و یدیه فلم یقبل عمر
و لم ینهض عنده حجة لقادح خفی

لیکن دوسرے طبقہ میں بہت سے طریقوں سے
اس حدیث کی شہرت ہوگئی اور معترض کا وہم ضعیف
ہوگیا اس واسطے سب نے اس پر عمل کیا،

چہارم یہ ہے کہ صحابی کو حدیث پہنچی ہی نہیں
اس کی مثال یہ ہے کہ مسلم نے روایت کی ہے کہ عبداللہ
ابن عمر عورتوں کو غسل کے وقت حکم کرتے تھے کہ سر
کے بالوں کو کھول لیا کریں، پس حضرت عائشہ نے یہ
بات سنی اور فرمایا۔ ابن عمر سے تعجب ہے کہ وہ عورتوں
کو سر کھولنے کا حکم دیتے ہیں ان کو سر منڈوانے
کا حکم کیوں نہیں دیدیتے، یقیناً میں اور رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم ایک برتن سے نہایا کرتے تھے اور
میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کرتی تھی کہ اپنے سر پر تین
بار پانی بہادیا کرتی تھی، اس کی دوسری مثال وہ ہے
جس کو امام زہری نے روایت کی ہے کہ ہندہ کو
مستحاضہ کے لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی جانب
سے نماز کی رخصت کا علم نہ تھا اس واسطے وہ
نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے رویا کرتی تھیں،

اور صحابہ میں اختلاف کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ
انہوں نے آں حضرت کو کوئی فعل کرتے ہوئے دیکھا
پس بعض نے عبادت پر اور بعض نے اباحت پر
اس کو محمول کیا، اس کی مثال وہ حدیث ہے جو اصحاب
اصول نے حج کرنے کے بعد مقام ابطح میں قیام کرنے کے
متعلق روایت کی ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم
نے اس جگہ قیام فرمایا تھا پس ابو ہریرہؓ اور عبداللہ
ابن عمرؓ نے کہا کہ آپ عبادت کے طور پر وہاں ٹھیرے
تھے، اس واسطے انہوں نے سنن حج میں اس کو
شمار کیا اور حضرت عائشہؓ اور عبداللہ ابن عباس
نے کہا کہ یہ ٹھیرنا محض اتفاقی امر تھا اور سنن حج میں
داخل نہیں ہے اور دوسری مثال یہ ہے کہ

راه فيه حتى استفاض الحديث في
الطبقة الثانية من طرق كثيرة ، و
اضمحل وهم القادح فأخذوا به ٭

ورابعها ان لا يصل اليه الحديث
اصلا، مثاله ما اخرج مسلم ان ابن
عمر كان يامر النساء اذا اغتسلن ان
ينقضن رء وسهن فسمعت عائشة
بذلك فقالت يا عجبا لابن عمر هذا
يامر النساء ان ينقضن رء وسهن افلا
يامرهن ان يحلقن رء وسهن لقد
كنت اغتسل انا ورسول الله صلى الله
عليه وسلم من اناء واحد وما
ازيد على ان افرغ على راسي ثلاث
افراغات - مثال آخر ما ذكره الزهري
من ان هندا لم تبلغها رخصة رسول
الله صلى الله عليه وسلم في المستحاضة
فكانت تبكي لانها كانت لا تصلي ، و
من تلك الضروب ان يروا رسول
الله صلى الله عليه وسلم فعل فعلا
فحمله بعضهم على القربة، وبعضهم
على الاباحة، مثاله ما رواه اصحاب
الاصول في قضية التحصيب اي
النزول بالابطح عند النفر نزل
رسول الله صلى الله عليه وسلم به
فذهب ابو هريرة وابن عمر الى
انه على وجه القربة فجعلوه من
سنن الحج، وذهبت عائشة وابن
عباس الى انه كان على وجه الاتفاق
وليس من السنن - ومثال آخر

جمہور کا مسلک ہے کہ طواف میں رمل کرنا سنت ہے
اور عبد اللہ ابن عباس کہتے ہیں کہ اس کو رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے اتفاقی طور پر ایک امر عارض کی وجہ
سے کیا تھا اور وہ یہ ہے کہ مشرکین نے کہا تھا کہ
مسلمانوں کو مدینہ کے بخار نے کمزور کر دیا ہے اور یہ
رمل کرنا سنت نہیں ہے،

اور صحابہ کے اختلاف کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ
وہم کے اختلاف سے ان میں اختلاف ہو گیا، اس کی
مثال یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حج کیا
اور لوگوں نے آپ کو دیکھا پس بعض نے خیال کیا کہ آپ
متمتع تھے اور بعض نے خیال کیا کہ آپ قارن تھے اور
بعض نے خیال کیا کہ آپ مفرد تھے، اس کی دوسری
مثال یہ ہے:۔ ابوداؤد نے سعید ابن جبیر سے روایت
کی ہے وہ کہتے ہیں میں نے عبد اللہ ابن عباس سے
کہا اے ابو العباس مجھکو تعجب ہے کہ اصحاب
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے آپ کے احرام باندھنے
میں اختلاف کیا عبد اللہ ابن عباس نے فرمایا میں اسکی
حقیقت کو سب لوگوں سے زیادہ جانتا ہوں، یہ رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ایک حج تھا پس اس
میں لوگوں کا اختلاف ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
حج کے لئے باہر نکلے پس جب آپ نے مسجد ذوالحلیفہ
میں نماز پڑھی تو اسی جگہ آپ نے احرام باندھا اور جب
دونوں رکعات سے فارغ ہوئے تو تلبیہ حج کیا پس
اس کو لوگوں نے سنا اور میں نے اس کو محفوظ رکھا، پھر آپ
سوار ہوئے پس جب آپ کی ناقہ آپ کو لیکر کھڑی ہوئی تو آپنے
تلبیہ پڑھا اور اس کو بھی لوگوں نے سنا، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ
آپ کے پاس لوگوں کے جدا جدا گروہ آتے تھے پس جب آپ کی
اونٹنی کھڑی ہوئی تو لوگوں نے آپ کو تلبیہ پڑھتے سنا پس ان لوگوں
نے یہ سمجھ لیا کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اس وقت تلبیہ پڑھا

ذهب الجمهور الى ان الرمل في الطواف
سنة وذهب ابن عباس الى انه انما
فعله النبي صلى الله تعالى عليه وآله
وسلم على سبيل الاتفاق لعارض
عرض وهو قول المشركين حطمهم
حمى يثرب وليس بسنة، ومنها
اختلاف الوهم، مثاله ان رسول
الله صلى الله عليه وسلم حج فراه
الناس فذهب بعضهم الى انه كان
متمتعا، وبعضهم الى انه كان
قارنا، وبعضهم الى انه كان مفردا
مثال اخر اخرج ابو داود عن سعيد
ابن جبير انه قال: قلت لعبد الله
ابن عباس يا ابا العباس عجبت
لاختلاف اصحاب رسول الله صلى
الله عليه وسلم حين اوجب فقال
انى لاعلم الناس بذلك، انها كانت
من رسول الله صلى الله عليه وسلم
حجة واحدة، فمن هنالك اختلفوا،
خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم
حاجا، فلما صلى في مسجد ذي الحليفة
ركعتيه اوجب في مجلسه واهل بالحج حين
فرغ من ركعتيه، فسمع ذلك منه
اقوام فحفظته عنه، ثم ركب فلما
استقلت به ناقته اهل وادرك
ذلك منه اقوام، وذلك ان الناس
انما كانوا ياتون ارسالا فسمعوه حين
استقلت به ناقته يهل، فقالوا: انما
اهل رسول الله صلى الله عليه وسلم

جب آپ ناقہ پر سوار ہوگئے تھے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوچ فرمایا پس جب بیداء کی بلندی پر چڑھے تو آپ نے تلبیہ فرمایا اور اس کو بھی لوگوں نے سنا پس انہوں نے کہا کہ آں حضرت نے تلبیہ بیداء کی بلندی سے شروع کیا، اور قسم ہے اللہ کی کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی نماز کی جگہ سے احرام باندھا تھا اور جب اونٹنی کھڑی ہوئی تو آپ نے تلبیہ کہا تھا، اور جب بیداء کی چوٹی پر چڑھے تھے تو بھی آپ نے تلبیہ کہا تھا،

اور صحابہ میں اختلاف کی ایک وجہ سہو ونسیان بھی ہے مثلاً روایت کی گئی ہے کہ عبد اللہ ابن عمر کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے رجب میں عُمرہ کیا تھا پس حضرت عائشہ نے یہ سُنکر فرمایا کہ عبد اللہ ابن عمر بھول گئے،

اور صحابہ کے اختلاف کی ایک وجہ ضبط کا مختلف ہونا ہے اس کی مثال وہ حدیث ہے جس کو حضرت عبد اللہ ابن عمر نے یا حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ مُردہ کو اس کے اہل وعیال کے رونے سے قبر میں عذاب ہوتا ہے، اس پر حضرت عائشہ نے فرمایا کہ ان کو ٹھیک طور پر حدیث معلوم نہیں ہے، (اصل بات یہ ہے) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایک یہودیہ کے جنازہ کے پاس سے گذرے اور اس پر اس کے گھر والے رو رہے تھے آپ نے فرمایا "یہ لوگ اس عورت پر رو رہے ہیں اور اس کو قبر میں عذاب ہو رہا ہے" پس عبد اللہ ابن عمر نے خیال کیا کہ رونا عذاب قبر کی علت ہے اور سمجھا کہ یہ حکم ہر میت کے لئے عام ہے — اور وجوہ اختلاف میں سے ایک یہ ہے کہ صحابہ کا علتِ حکم میں اختلاف ہو جائے جیسے جنازہ دیکھکر کھڑا ہونا، پس بعض نے کہا کہ یہ قیام ملائکہ کی تعظیم کیلئے ہے اس لئے مومن اور کافر دونوں کے جنازہ کو شامل ہے اور بعض نے کہا کہ یہ قیام موت کے خوف کی وجہ سے ہے تب بھی دونوں کو شامل ہے، اور حسن ابن علی عنہما فرماتے ہیں کہ

حين استقلت به ناقته، ثم مضى رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم فلما علا على شرف البيداء أهل فأدرك ذالك منه أقوام وقالوا إنما أهل حين علا على شرف البيداء وايم الله لقد أوجب في مصلاه وأهل حين استقلت به ناقته، وأهل حين علا على شرف البيداء،

ومنها اختلاف السهو والنسيان مثاله ما روى أن ابن عمر كان يقول اعتمر رسول الله صلى الله عليه وسلم عمرة في رجب، فسمعت بذلك عائشة فقضت عليه بالسهو.

ومنها اختلاف الضبط، مثاله ما روى ابن عمر أو عمر عنه صلى الله عليه وسلم من أن الميت يعذب ببكاء أهله عليه فقضت عائشة عليه بأنه لم يأخذ الحديث على وجهه، مر رسول الله صلى الله عليه وسلم على يهودية يبكي عليها أهلها فقال إنهم يبكون عليها وإنها تعذب في قبرها، فظن العذاب معلولا للبكاء فظن الحكم عاما على كل ميت.

ومنها اختلافهم في علة الحكم مثاله القيام للجنازة، فقال قائل لتعظيم الملائكة فيعم المؤمن والكافر، وقال قائل لهول الموت، فيعمهما، وقال الحسن بن علي رضي الله عنهما مر على رسول الله صلى الله

ایک یہودی کا جنازہ آپ کے پاس سے گزرا آپ اس کو دیکھکر کھڑے ہو گئے اور آپ کو یہ مکروہ معلوم ہوا کہ وہ آپ کے سر کے اوپر سے گذرے، پس یہ حکم خاص کافر کے لئے ہے،

اور ان وجوہ اختلاف میں سے ایک وجہ دو مختلف امور کے جمع کرنے میں صحابہ کا آپس میں اختلاف کرنا ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سالِ خیبر میں متعہ کی اجازت دیدی تھی اس کے بعد سالِ اوطاس میں اس کی اجازت دی اور سال اوطاس کے بعد منع فرمادیا، پس عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اجازت ضرورت کی وجہ سے تھی اور ضرورت کے رفع ہونے پر ممانعت کردی گئی اور وہی ممانعت کا حکم باقی ہے، اور جمہور علما کا قول ہے کہ اجازت اباحت کے لئے تھی اور ممانعت نے اس اباحت کو منسوخ کردیا، اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے استنجا کی حالت میں قبلہ کی جانب رخ کرنے سے منع فرمایا تھا پس ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ یہ حکم عام ہے منسوخ نہیں ہوا، اور حضرت جابرؓ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ایک سال قبل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا کہ آپ نے قبلہ کیجانب پیشاب کیا تھا پس انہوں نے سمجھا کہ اس سے پہلے نہی منسوخ ہوگئی، اور حضرت عبداللہ ابن عمر نے آنحضرت قبلہ کی جانب پشت اور شام کیجانب رخ کئے قضائے حاجت فرماتے دیکھا تھا پس اس سے انہوں نے اس جماعت کے قول کو رد کردیا اور ایک جماعت نے ان دونوں روایتوں کو جمع کیا ہے پس امام شعبی وغیرہ اس طرف گئے ہیں کہ استقبال قبلہ کی ممانعت جنگل کے ساتھ مخصوص ہے پس جب پائخانوں میں ہوں تو نہ استقبال منع ہے اور نہ استدبار، اور ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ وہ قول منع فرمانے کا عام اور محکم ہے اور آپ کے فعل میں احتمال ہے کہ وہ آپ کی ذات کے ساتھ خاص ہو اس واسطے وہ نہ ناسخ ہو سکتا اور نہ مخصص ہوسکتا ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ ان طریقوں سے صحابہ کے مذاہب مختلف

عليه وسلم بجنازة يهودي فقام لها كراهية ان تعلو فوق راسه فيختص الكافر ؛

ومنها اختلافهم في الجمع بين المختلفين، مثاله رخص رسول الله صلے الله عليه وسلم في المتعة عام خيبر، ثم رخص فيها عام اوطاس ثم نهى عنها، فقال ابن عباس كانت الرخصة للضرورة، والنهي لانقضاء الضرورة والحكم باق على ذلك، وقال الجمهور كانت الرخصة اباحة والنهي نسخا لها، مثال اخر نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن استقبال القبلة في الاستنجاء، فذهب قوم الى عموم هذا الحكم وكونه غير منسوخ، ورأه جابر يبول قبل ان يتوفى بعام مستقبل القبلة فذهب الى انه نسخ للنهي المتقدم، ورأه ابن عمر قضى حاجته مستدبر القبلة مستقبل الشام فرد به قولهم، وجمع قوم بين الروايتين فذهب الشعبي وغيره الى ان النهي مختص بالصحراء، فاذا كان في المراحيض فلا بأس بالاستقبال والاستدبار، وذهب قوم الى ان القول عام محكم، والفعل يحتمل كونه خاصا بالنبي صلے الله عليه وسلم فلا ينتهض ناسخا ولا مخصصا، و بالجملة فاختلفت مذاهب اصحاب

ہوگئے تھے اور ان سے تابعین نے اسی طرح حاصل کیا جس طرح جس کو توفیق ہوئی، جس حدیث رسول اللہ صلعم اور مذاہب صحابہ کو انہوں نے سُنا اس کو حفظ کیا اور سمجھا اور جہاں تک ہوسکا مختلف امور کو جمع کیا اور بعض اقوال کو بعض پر ترجیح دی اور بعض کو اپنی نظر میں ضعیف سمجھا اگرچہ وہ کبار صحابہ سے مروی تھے جیسے حضرت عمر اور ابن مسعود کا مذہب کہ وہ جنبی کے لئے تیمم کو جائز نہیں سمجھتے تھے، جب عمار اور عمران ابن حصین وغیرہ کی احادیث مشہور ہوئیں تو ان کو وہ مسلک ضعیف معلوم ہوا، اس طرح تابعین میں سے ہر عالم کا ایک مذہب اس کے خیال کے موافق قائم ہوگیا، پس ہر شہر میں ایک امام قائم ہوگیا جیسے مدینہ میں سعید ابن المسیب اور سالم ابن عبد اللہ ابن عمر ہوئے اور ان کے بعد وہیں مدینہ میں امام زہری، قاضی یحیٰی ابن سعید اور ربیعہ بن عبد الرحمٰن ہوئے، اور مکہ میں عطار بن ابی رباح تھے، کوفہ میں ابراہیم نخعی اور شعبی تھے، بصرہ میں حسن بصری تھے، یمن میں طاؤس بن کیسان تھے اور شام میں مکحول تھے، پس خدا نے بہت سے قلوب کو ان کے علوم کا گرویدہ کر دیا اور لوگوں نے نہایت رغبت سے ان سے حدیث، صحابہ کے فتوے اور اقوال اور خود ان کے مذاہب اور ان کی تحقیقات کو حاصل کیا اور ان سے مسائل کا استفسار کیا، اور مسائل کا خوب ان میں تذکرہ رہا

النبي صلى الله عليه وسلم، واخذ عنهم التابعون كذلك كل واحد ما تيسر له فحفظ ما سمع من حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم ومذاهب الصحابة وعقلها وجمع المختلف على ما تيسر له، ورجح بعض الاقوال على بعض، واضمحل في نظرهم بعض الاقوال وان كان ماثورا عن كبار الصحابة كالمذهب الماثور عن عمر وابن مسعود في تيمم الجنب اضمحل عندهم لما استفاض على الاحاديث عن عمار وعمران بن الحصين وغيرهما فعند ذلك صار لكل عالم من علماء التابعين مذهب على حياله، فانتصب في كل بلد امام مثل سعيد بن المسيب، وسالم بن عبد الله بن عمر في المدينة وبعدهما الزهري والقاضي يحيى بن سعيد وربيعة بن عبد الرحمن فيها، وعطاء بن ابي رباح بمكة، وابراهيم النخعي والشعبي بالكوفة، والحسن البصري بالبصرة، وطاوس بن كيسان باليمن ومكحول بالشام، فاظمأ الله اكبادا الى علومهم فرغبوا فيها واخذوا عنهم الحديث، وفتاوى الصحابة واقاويلهم، ومذاهب هؤلاء العلماء وتحقيقاتهم من عند انفسهم، واستفتى منهم المستفتون ودارت المسائل

تمام معاملات کے وہ مرجع رہے، سعیدابن مسیب
اور ابراہیم اور ان کے ہم مرتبہ لوگوں نے تمام
ابوابِ فقہ کو مرتب کردیا تھا اور ہر باب کے متعلق
ان کے پاس اصول و قواعد مرتب تھے جن کو انہوں
نے اپنے اسلاف سے حاصل کیا تھا سعیدابن مسیب
اور ان کے اصحاب کا یہ مذہب تھا کہ فقہ میں حرمین
کے علمار سب سے پختہ ہیں اور ان کے مذہب کی
بنیاد عبداللہ ابن عمر، حضرت عائشہ اور عبداللہ
ابن عباس کے فتوٰی اور مدینہ کے قاضیوں کے
فیصلے ہیں، ان سب علوم کو انہوں نے بقدر استطاعت
جمع کیا اور ان میں تفتیش کی نظر سے دیکھا، جن مسائل پر
علمار مدینہ کا اتفاق دیکھا ان کو خوب مستحکم طور سے
اختیار کیا اور جو مسائل ان کے نزدیک مختلف فیہ تھے
ان میں سے قوی اور راجح کو اختیار کیا، ان کے راجح
ہونے کی وجہ یا یہ تھی کہ اکثر علمار نے اس طرف میلان
کیا تھا، یا وہ کسی قیاس قوی کے موافق تھے یا کتاب و
حدیث سے مصرح طور پر مستنبط ہوئے تھے یا اسی طرح کا کوئی
اور امر تھا، اور جب انہوں نے اپنے محفوظات میں مسئلہ کا جواب
نہ پایا تو ان کو ان کے کلام سے حاصل کیا اور کتاب وسنت کے
ایمار اور اقتضار کا تتبع کیا، اس کی وجہ سے ہر ایک باب
بکثرت مسائل ان کو حاصل ہو گئے، ابراہیم اور ان کے
شاگردوں کی رائے یہ تھی کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود،
اور ان کے شاگرد فقہ میں سب سے زیادہ قابلِ اعتماد
ہیں، جیسے علقمہ نے مسروق سے کہا تھا کہ کوئی فقیہ
عبداللہ ابن مسعو سے زیادہ قابلِ وثوق نہیں ہے،
اور ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے امام اوزاعی سے
کہا تھا کہ ابراہیم سالم سے زیادہ فقیہ ہیں اور اگر
صحابی ہونے کی فضیلت عبداللہ ابن عمر میں نہ ہوتی
تو میں کہدیتا کہ علقمہ عبداللہ ابن عمر سے زیادہ فقیہ ہیں،

بينهم ورفعت اليهم الاقضية ، فا
كان سعيد بن المسيب وابراهيم و
امثالهما جمعوا ابواب الفقه اجمعها
وكان لهم في كل باب اصول تلقوها
من السلف، وكان سعيد واصحابه
يذهبون الى ان اهل الحرمين اثبت
الناس في الفقه ، واصل مذهبهم
فتاوى عبد الله بن عمر وعائشة وا
ابن عباس وقضايا قضاة المدينة
فجمعوا من ذلك ما يسره الله لهم
ثم نظروا فيها نظر اعتبار وتفتيش
فما كان منها مجمعا عليه بين علماء
المدينة فانهم ياخذون عليه بنواجذهم
وما كان فيه اختلاف عندهم فانهم
ياخذون باقواها وارجحها اما بكثرة
من ذهب اليه منهم اولموافقته
بقياس قوي اوتخريج صريح من
الكتاب والسنة اونحو ذلك، واذا لم
يجدوا فيما حفظوا منهم جواب
المسألة خرجوا من كلامهم وتتبعوا
الايماء والاقتضاء فحصل لهم مسائل
كثيرة في كل باب باب، وكان ابراهيم
واصحابه يرون ان عبد الله بن مسعود
واصحابه اثبت الناس في الفقه كما
قال علقمة لمسروق هل احد منهم
اثبت من عبد الله ؟ وقول ابي حنيفة
رضي الله عنه للاوزاعي ابراهيم افقه
من سالم، ولولا فضل الصحبة لقلت
ان علقمة افقه من عبد الله بن عمر

اور عبداللہ ابن مسعود تو عبداللہ ابن مسعود ہی ہیں ، اور امام ابوحنیفہ کے مذہب کی اصل عبداللہ ابن مسعود کے فتوے، حضرت علی کے فیصلے اور قاضی شریح اور دیگر قضاۃ کوفہ کے فتاوے ہیں ، پس ان ہی سے امام ابوحنیفہ نے بقدر امکان مسائل فقہیہ کو جمع کیا ، اور جیسے اہل مدینہ کے آثار سے مدینہ کے علماء نے تخریجات کی تھیں ایسے ہی اہل کوفہ کے آثار سے انہوں نے تخریج مسائل کی پس ہر باب کے متعلق مسائلِ فقہ مرتب ہو گئے ، اور حضرت سعید ابن مسیب فقہائے مدینہ کی زبان تھے اور ان کو حضرت عمر کے فیصلے اور حضرت ابوہریرہ کی احادیث سب سے زیادہ یاد تھیں ، اور ابراہیم فقہائے کوفہ کی زبان تھے پس جب وہ دونوں کوئی بات کہتے اور کسی کی جانب اس کو منسوب نہ کرتے تو وہ اکثر صراحۃً یا کنایۃً یا کسی اور طرح سے سلف میں سے کسی کی طرف منسوب ہوتی تھی پس فقہائے مدینہ اور کوفہ نے ان دونوں پر اتفاق کیا ، ان سے علم حاصل کیا اور سمجھا اور اس علم کے ذریعہ دیگر مسائل کی تخریج کی ، واللہ اعلم ؀

دوسرا باب (۸۲) : - فقہائے کے مذاہب مختلف ہونے کے اسباب کا بیان

واضح ہو کہ خدا تعالے نے اس پیشین گوئی کو پورا کرنے کے لئے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے فرمائی تھی کہ "بعد والی نسل میں سے عادل لوگ اس علم دین کو حاصل کریں گے" تابعین کے زمانہ کے بعد حاملین علم کی ایک جماعت کو پیدا کیا انہوں نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وضوء، غسل، نماز، حج، نکاح

وعبدالله هو عبدالله ، واصل مذهبه فتاوى عبدالله بن مسعود وقضايا علي رضي الله عنهما وفتاواه وقضايا شريح وغيره من قضاة الكوفة ، فجمع من ذلك ما يسره الله ، ثم صنع في آثارهم كما صنع اهل المدينة في آثار اهل المدينة ، وخرج كما خرجوا ، فلخص له مسائل الفقه في كل باب باب ، وكان سعيد بن المسيب لسان فقهاء المدينة ، و كان احفظهم لقضايا عمر ولحديث ابي هريرة ، وابراهيم لسان فقهاء الكوفة ، فاذا تكلما بشئ ولم ينسباه الى احد فانه في الاكثر منسوب الى احد من السلف صريحا او ايماء و نحو ذلك فاجتمع عليهما فقهاء بلدهما واخذوا عنهما وعقلوه وخرجوا عليه والله اعلم ؀

باب اسباب اختلاف مذاهب الفقهاء

اعلم ان الله تعالى انشأ بعد عصر التابعين نشئا من حملة العلم انجازا لما وعده رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم حيث قال يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله ، فاخذوا عمن اجتمعوا معه منهم صفة الوضوء والغسل والصلاة والحج والنكاح و

بیوع اور تمام کثیر الوقوع احکام کو سیکھا اور احادیث نبوی کی روایت کی، انہوں نے مختلف شہروں کے قاضیوں کے فیصلے اور وہاں کے مفتیوں کے فتوے سُنے اور مسائل دریافت کرتے رہے اور ان سب امور میں نہایت کوشش کی آخر وہ مسلمانوں کے مقتدا بن گئے اور تمام امور مذہبی کا وہ مرجع بن گئے، پس انہوں نے بھی اپنے مشائخ کے طریق کو اختیار کیا، ایماء اور اقتضائے کلام کے معلوم کرنے میں کوئی کوتاہی نہ کی، پس انہوں نے فیصلے کئے، فتوے دیئے، احادیث روایت کیں اور لوگوں کو تعلیم دی، اس طبقہ میں علماء کا کام یکساں تھا، اور ان سب کے عمل کا حاصل یہ تھا کہ وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مسند اور مرسل دونوں سے تمسک کرتے تھے اور صحابہ و تابعین کے اقوال سے استدلال کرتے تھے یہ سمجھکر کہ یہ اقوال یا تو احادیث ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں جن کو کم درجہ کی سمجھ کر احادیث موقوفہ قرار دیا، جیسے ابراہیم نخعی نے کہا تھا جبکہ انہوں نے اس حدیث کو نقل کیا جس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع محاقلہ (پکنے سے پہلے کھیت کو فروخت کر دینا) اور بیع مزابنہ (تر چھوہاروں کو جو درختوں پر ہوں خشک چھوہاروں سے فروخت کر دینا) سے منع فرمایا ہے، تو لوگوں نے ان سے کہا، کیا آپ کو اس حدیث کے علاوہ کوئی اور حدیث بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یاد ہے؟ انہوں نے جواب میں کہا ہاں، یاد ہے لیکن میں یہ بہتر سمجھتا ہوں کہ آنحضرت کا ادنیٰ نام نہ لوں بلکہ یہ کہدوں کہ عبداللہ نے ایسا کہا ہے اور علقمہ نے ایسا کہا ہے، اور جیسے امام شعبی نے کہا تھا جبکہ ان سے ایک حدیث دریافت کی گئی اور ان سے کہا گیا کہ اس کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے، تو انہوں نے کہا میں حدیث کو مرفوع نہیں کرتا، میرے نزدیک یہ بہتر ہے کہ کسی اعلیٰ شخص کی طرف حدیث کی نسبت کر دوں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ سے پست ہو پس اگر حدیث میں کوئی کمی یا زیادتی ہوگی تو وہ انہی لوگوں پر رہے گی جو نبی صلی اللہ علیہ ...

البیوع وسائر ما یکثر وقوعه، وروا احادیث النبی صلی اللہ علیه وآله وسلم وسمعوا قضایا قضاة البلدان وفتاوی مفتیها وسألوا عن المسائل واجتهدوا فی ذلك كله ثم صاروا كبراء قومهم ووسد الیهم الامر فنسجوا علی منوال شیوخهم ولم یألوا فی تتبع الایماءات والاقتضاءات فقضوا وافتوا وروا وعلموا، وكان صنیع العلماء فی هذه الطبقة متشابها، وحاصل صنیعهم ان یتمسك بالمسند من حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیه وآله وسلم والمرسل جمیعا ویستدل باقوال الصحابة والتابعین علما منهم انها اما احادیث منقولة عن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اختصروها فجعلوها موقوفة كما قال ابراهیم، وقد روی حدیث نهی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم عن المحاقلة والمزابنة فقیل له اما تحفظ عن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم حدیثا غیر هذا؟ قال بلی ولكن اقول قال عبد اللہ قال علقمة احب الی وكما قال الشعبی - وقد سئل عن حدیث - وقیل انه یرفع الی النبی صلی اللہ علیه وسلم قال لا بل علی من دون النبی صلی اللہ علیه احب الینا فان كان فیه زیادة ونقصان كان علی من دون النبی صلی اللہ علیه وسلم او یكون استنباطا منهم من المنصوص

یا اپنی رائے سے اجتہاد کیا ہے، اور وہ ان تمام امور میں
آئندہ پیدا ہونے والے لوگوں کی نسبت زیادہ بہتر کام کرنے
والے تھے اور ان کی رائے زیادہ درست تھی اور ان کا زمانہ
بہت پہلے تھا، ان کے علمی محفوظات زیادہ تھے اس واسطے
ان کے اقوال پر عمل کرنا متعین ہوگیا سوائے اس صورت کے
جبکہ ان میں باہم اختلاف ہو اور حدیثِ رسولؐ ظاہر طور پر
ان کے اقوال کے مخالف ہو، اور ان سب کا یہ بھی معمول تھا
کہ جب کسی مسئلہ میں احادیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مختلف
وارد ہوتی تھیں تو وہ اقوالِ صحابہ کی طرف رجوع کرتے تھے،
پس اگر وہ ان میں سے کسی کو منسوخ کہتے تھے یا اس کو ظاہر معنی
سے ہٹاتے تھے یا نسخ کی تصریح تو نہیں کرتے تھے لیکن
اس حدیث کے ترک کرنے اور اس کے مضمون کے قائل نہ ہونے
پر متفق ہوتے تھے اس واسطے کہ اس میں کوئی علت ہوتی تھی
یا نسخ کا حکم ہوتا تھا یا تاویل کی گنجائش ہوتی تھی تو ان سب
امور میں وہ صحابہ کا اتباع کرتے تھے، چنانچہ امام مالکؒ نے
اس حدیث کے متعلق جو کتے کے پانی پینے کے متعلق ہے کہا
تھا کہ یہ حدیث تو ہے لیکن مجھے اس کی وجہ معلوم نہیں، ابن
حاجب نے مختصر الاصول میں اس حدیث کو نقل کرکے کہا ہے کہ میں
فقہاء کو اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے نہیں پاتا ہوں، اور
جب صحابہ اور تابعین کے اقوال کسی مسئلہ میں مختلف ہوتے تھے
تو ہر عالم کے نزدیک اپنے مشائخ کا مذہب پسندیدہ ہوتا تھا
کیونکہ ان کے صحیح اور سقیم اقوال کو وہ خوب جان سکتا ہے اور
ان اقوال کے مناسب اصول کو خوب یاد رکھ سکتا ہے، اور
ان کے فضل اور تبحر کی جانب اس کا میلانِ قلب زیادہ ہوتا ہے
اسی واسطے اہل مدینہ کے نزدیک حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ
عبداللہ ابن عمرؓ، حضرت عائشہؓ، عبداللہ ابن عباسؓ،
زید ابن ثابتؓ کا مذہب اور ان کے اصحاب،
مثل سعید ابن مسیب جن کو حضرت عمرؓ کے فیصلے
اور ابو ہریرہ کی احادیث خوب محفوظ تھیں، اور مثل عروہ،

او اجتهادا منهم بارائهم وهم احسن
صنيعا في كل ذلك ممن يجيء بعدهم
واكثر اصابة واقدم زمانا واوعى
علما فتعين العمل بها الا اذا اختلفوا
وكان حديث رسول الله صلى الله عليه
وسلم يخالف قولهم مخالفة ظاهرة و
انه اذا اختلفت احاديث رسول الله
صلى الله عليه وسلم في مسألة رجعوا
الى اقوال الصحابة فان قالوا بنسخ
بعضها او بصرفه عن ظاهره او لم
يصرحوا بذلك ولكن اتفقوا على
تركه وعدم القول بموجبه فانه
كابداء علة فيه او الحكم بنسخه او
تاويله اتبعوهم في كل ذلك، وهو
قول مالك في حديث ولغ الكلب جاء
هذا الحديث ولكن لا ادري ما حقيقته
يعني حكاه ابن الحاجب في مختصر
الاصول لم ار الفقهاء يعملون به،
وانه اذا اختلفت مذاهب الصحابة
والتابعين في مسألة فالمختار عند
كل عالم مذهب اهل بلده وشيوخه
لانه اعرف بصحيح اقاويلهم من
السقيم واوعى للاصول المناسبة لها
وقلبه اميل الى فضلهم وتبحرهم
فمذهب عمر وعثمان وابن عمر و
عائشة وابن عباس وزيد بن ثابت
واصحابهم مثل سعيد بن المسيب
فانه كان احفظهم لقضايا عمر، و
حديث ابي هريرة، ومثل عروة و

سالم، عطاء ابن یسار، قاسم، عبید اللہ بن عبد اللہ، زہری،
یحییٰ بن سعید، زید ابن اسلم اور ربیعہ کا مذہب اختیار کرنا
دوسروں کی بہ نسبت زیادہ بہتر ہے، کیونکہ نبی صلے اللہ علیہ
وسلم نے مدینہ کے فضائل بیان فرمائے ہیں اور ہر زمانہ میں
وہ علماء اور فقہاء کا مرکز رہا ہے اسی واسطے امام مالک اہلِ
مدینہ کے مسلک کو لازم سمجھتے تھے، اور اہلِ کوفہ کے نزدیک
عبد اللہ ابن مسعود اور ان کے اصحاب کا مذہب حضرت
علی، شریح، اور شعبی کے فیصلے اور ابراہیم کے فتوے
اختیار کرنا دوسروں کی بہ نسبت زیادہ بہتر ہے اسی وجہ سے
علقمہ نے مسروق سے کہا تھا جبکہ وہ تشریک[1] میں زید ابن
ثابت کے قول کی طرف مائل ہوئے کہ تم میں سے کون شخص
عبد اللہ ابن مسعود سے زیادہ وثوق کے قابل ہے تو انہوں
نے جواب دیا کہ بے شک کوئی نہیں ہے، لیکن میں نے
زید ابن ثابت اور اہلِ مدینہ کو تشریک کرتے ہوئے دیکھا ہے
پس اگر ایک شہر کے لوگ کسی بات پر متفق ہو جاتے تھے تو
نہایت پختگی سے اس کو اختیار کرتے تھے، اسی کے متعلق
امام مالک نے کہا ہے "وہ احادیث جن میں ہمارے نزدیک
اختلاف نہیں اتنی اور اتنی ہیں، اور اگر کسی مسئلہ میں ان کا اختلاف
ہوتا تھا تو سب میں جو قول قوی اور راجح ہوتا تھا اس کو وہ
لیتے تھے، اور اس قول کی قوت یا اس وجہ سے ہوتی تھی
کہ اس کے قائل زیادہ ہیں یا وہ کسی قوی قیاس کے موافق
ہے یا کتاب وسنت سے اس کی تخریج کی گئی ہے،" ایسے
ہی اقوال کے متعلق امام مالک کہتے ہیں جو اقوال میں نے
سُنے ہیں ان سب میں یہ زیادہ بہتر ہے،

پس جب ان علماء کو اپنی یادداشت میں کسی مسئلہ
کا جواب نہ ملتا تھا تو ایماء اور اقتضاء کا تتبع کرکے قدماء کے ہی کلام سے
مسئلہ کا جواب حاصل کر لیا کرتے تھے، اسی زمانہ میں علماء کو تدوین
کا الہام ہوا، پس مدینہ میں امام مالک اور محمد بن عبد الرحمٰن بن ابی

[1] جوتے میں تسمہ باندھنا، ۱۲

سالم وعطاء بن يسار وقاسم وعبيد
الله بن عبد الله والزهري ويحيى بن
سعيد وزيد بن اسلم وربيعة احق
بالاخذ من غيره عند اهل المدينة
لما بينه النبي صلى الله عليه وسلم
في فضائل المدينة ولانها ماوى
الفقهاء ومجمع العلماء في كل عصر
ولذلك ترى مالكا يلازم محجتهم
ومذهب عبد الله بن مسعود واصحابه
وقضايا علي وشريح والشعبي وفتاوى
ابراهيم احق بالاخذ عند اهل
الكوفة من غيره وهو قول علقمة
حين مال مسروق الى قول زيد بن
ثابت في التشريك قال هل احد
منكم اثبت من عبد الله؟ فقال لا
ولكن رايت زيد بن ثابت واهل
المدينة يشركون فان اتفق اهل
البلد على شئ اخذوا بنواجذه، وهو
الذي يقول في مثله مالك السنة التي
لا اختلاف فيها عندنا كذا وكذا وان
اختلفوا اخذوا باقواها وارجحها اما
بكثرة القائلين به او لموافقته لقياس
قوي او تخريج من الكتاب والسنة و
هو الذي يقول في مثله مالك هذا
احسن ما سمعت فاذا لم يجدوا فيما
حفظوا منهم جواب المسالة خرجوا
من كلامهم وتتبعوا الايماء والاقتضاء
والهموا في هذه الطبقة التدوين،
فدوّن مالك ومحمد بن عبد الرحمٰن

ذئب نے تصنیف کرنا شروع کیا، اور مکہ میں ابن جریج
اور ابن عیینہ نے اور کوفہ میں سفیان ثوری نے اور بصرہ
میں ربیع بن صبیح نے، اور سب نے تصنیف میں وہی طرز
اختیار کیا جس کا میں نے ذکر کیا ہے، جب منصور عباسی نے
حج کیا تو امام مالک سے کہا کہ میرا قصد یہ ہے کہ آپ کی
مصنفہ کتاب (موطا) کے چند نسخے لکھوا کر اہل اسلام کے
شہروں میں سے ہر شہر میں ایک ایک نسخہ بھیجدوں اور
لوگوں کو حکم کروں کہ اسی کے مسائل پر عمل کریں اور اس
سے تجاوز کر کے اور طرف نہ جائیں، امام مالک نے
کہا اے امیر المومنین ایسا نہ کرو کیونکہ لوگوں تک پہلے
ہی سے اقوال پہنچ چکے ہیں اور وہ احادیث کو سن چکے ہیں،
اور روایات کو نقل کر چکے ہیں اور ہر قوم نے اس پر عمل درآمد
کر لیا ہے جو اس کے پاس پہنچ چکا ہے، اور لوگوں میں
اختلاف ہو گیا ہے اس واسطے لوگوں کو اس حالت پر
رہنے دو جو انہوں نے اپنے لئے پسند کر لیا ہے، یہ قصہ
ہارون رشید کی طرف بھی منسوب کیا جاتا ہے کہ ہارون
رشید نے امام مالک سے مشورہ لیا تھا کہ مؤطا کو خانہ کعبہ
میں لٹکا دیا جائے اور لوگوں کو اس پر عمل کرنے کی ترغیب
دیجائے، امام مالک نے کہا ایسا نہ کرو کیونکہ اصحاب
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فروعات میں مختلف
ہوئے ہیں اور شہروں میں پھیل گئے ہیں اور ہر سنّت
گذر چکی ہے، تب ہارون رشید نے کہا تم کو خدا
توفیق دے اے ابو عبداللہ، سیوطی نے اس حکایت
کو نقل کیا ہے،

علماء مدینہ کو جو حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم سے پہنچی تھیں ان سب علماء میں امام مالک
سب سے زیادہ قابل اعتماد تھے اور ان کی
حدیث سب سے زیادہ معتبر ہے، اور
حضرت عمر کے فیصلے حضرت عبداللہ ابن عمر

ابن ابی ذئب بالمدینة، وابن جریج
وابن عیینة بمکة، والثوری بالکوفة
وربیع بن الصبیح بالبصرة، وکلهم
مشوا علی هذا المنهج الذی ذکرته،
ولما حج المنصور قال لمالك قد
عزمت ان امر بکتبك هذه التی
صنفتها فتنسخ ثم ابعث فی کل
مصر من امصار المسلمین منها
نسخة وأمرهم بان یعملوا بما
فیها ولا یتعدوه الی غیره، فقال
یا امیر المؤمنین لا تفعل هذا فان
الناس قد سبقت الیهم اقاویل
وسمعوا احادیث ورووا روایات
واخذ کل قوم بما سبق الیهم واتوا
به من اختلاف الناس فدع
الناس وما اختار اهل کل بلد
منهم لانفسهم، ویحکی نسبة هذه
القصة الی هرون الرشید فانه
شاور مالکا فی ان یعلق الموطا
فی الکعبة ویحمل الناس علی ما
فیه فقال لا تفعل فان اصحاب
رسول الله صلی الله تعالی علیه وآله
وسلم اختلفوا فی الفروع وتفرقوا
فی البلدان وکل سنة مضت فقال
وفقك الله یا ابا عبدالله حکاه
السیوطی، وکان مالك من اثبتهم
فی حدیث المدنیین عن رسول الله
صلی الله علیه وسلم واوثقهم اسنادا
واعلمهم بقضایا عمر واقاویل عبد

حضرت عائشہ اور ان کے اصحاب فقہائے سبعہ کے
اقوال کو امام مالک سب سے زیادہ یاد رکھنے والے تھے،
ان سے اور انہی جیسے علماء کی وجہ سے روایت اور فتوٰی
کا علم قائم ہوا ہے، پس جب ان کی طرف تفویضِ کار ہوئی
تو انہوں نے حدیث کا درس اور فتوٰی دینا شروع کیا اور
لوگوں کو خوب فائدہ پہنچایا، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا
یہ قول انہی پر صادق آیا "عنقریب لوگ تحصیل علم کے
لئے سفر کریں گے لیکن مدینہ کے عالم سے زیادہ کسی کو
واقف نہ پائیں گے"

ابن عیینہ اور عبد الرزاق نے اس حدیث کا محمل امام
مالک ہی کو قرار دیا ہے تمہارے لئے ایسے دو شخصوں کی
شہادت کافی ہے، امام مالک کے شاگردوں نے انکی
روایات اور پسندیدہ اقوال کو جمع کیا اور ملخص کر کے لکھا
اور ان کی شرح کی اور ان سے مسائل کا اخراج کیا، ان
اقوال کے اصول اور دلائل میں گفتگو کی اور ان کے شاگرد مغربی
ممالک اور زمین کے اطراف میں پھیل گئے اور ان کے ذریعہ
سے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو بہت فائدہ پہنچایا اگر تم ہمارے
قول کی تحقیق کرنا چاہو جو ہم نے ان کے اصل مذہب کی نسبت بیان
کی ہے، تو تم کتاب مؤطا میں غور کرو جیسا ہم نے ذکر کیا ہے
ویسا ہی پاؤ گے، اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ، ابراہیم نخعی اور ان کے
ہم عصر علماء کے مذہب کے زیادہ پابند تھے اور ابراہیم نخعی کے مذہب سے
بہت کم تجاوز کرتے تھے اور ان کے مذہب کے موافق مسائل کی
تخریج کرنے میں عظیم الشان تھے، تخریجات کی وجوہ دریافت
کرنے میں دقیق النظر تھے اور فروعات کیجانب ان کی نہایت
توجہ تھی، اور اگر تم ہمارے قول کی تحقیق کرنا چاہو تو امام محمد رحمہ
اللہ کی کتاب الآثار اور جامع عبد الرزاق اور ابو بکر ابن ابی
شیبہ کی تصنیف سے ابراہیم اور ان کے معاصرین کے
اقوال کو ملخص کرو پھر امام ابو حنیفہ کے مذہب سے اس کا اندازہ کرو
تو تم ان کے طرز سے بہت ہی کم موقعوں پر مخالف پاؤ گے،

الله بن عمرو عائشة واصحابهم من
الفقهاء السبعة، وبه وبامثاله
قام علم الرواية والفتوى، فلما
وسد اليه الامر حدث وافتى وافاد
واجاد وعليه انطبق قول النبي صلى
الله عليه وسلم يوشك ان يضرب
الناس اكباد الابل يطلبون العلم
فلا يجدون احدا اعلم من عالم
المدينة على ما قاله ابن عيينة و
عبد الرزاق - وناهيك بهما فجمع
اصحابه رواياته ومختاراته ولخصوها
وحرروها وشرحوها وخرجوا عليها
وتكلموا في اصولها ودلائلها وتفرقوا
الى المغرب ونواحي الارض فنفع الله
بهم كثيرا من خلقه، وان شئت
ان تعرف حقيقة ما قلناه من
اصل مذهبه فانظر في كتاب الموطا
تجده كما ذكرنا، وكان ابو حنيفة رضي
الله عنه الزمهم بمذهب ابراهيم
واقرانه لا يجاوزه الا ما شاء الله و
كان عظيم الشان في التخريج على
مذهبه دقيق النظر في وجوه التخريجات
مقبلا على الفروع اتم اقبال، وان
شئت ان تعلم حقيقة ما قلنا فلخص
اقوال ابراهيم واقرانه من كتاب
الآثار لمحمد رحمه الله وجامع عبد
الرزاق ومصنف ابي بكر بن ابي شيبة
ثم قايسه بمذهبه تجده لا يفارق
تلك المحجة الا في مواضع يسيرة و

اور وہ ان چند مواقع میں بھی فقہاء کوفہ کے مذہب کو نہیں
چھوڑتے ہیں، امام ابو حنیفہ کے شاگردوں میں سب سے
مشہور امام ابو یوسف رحمہ اللہ ہیں، ہارون رشید کے عہد
میں قاضی القضاۃ مقرر کیے گئے تھے پس وہ امام ابو حنیفہ
کے مذہب کی شہرت کا اور اطراف عراق، خراسان اور
ورار النہر میں معمول بہ ہونے کا سبب ہو گئے اور آپ کے
شاگردوں میں نہایت ذہین اور عمدہ تصنیف کرنے والے
امام محمد ابن حسن ہیں، اور ان کے حالات میں سے یہ ہے
کہ انہوں نے امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف سے علم فقہ
حاصل کیا اس کے بعد مدینہ جا کر امام مالک سے مؤطار
کو پڑھا پھر خود توجہ کی اور اپنے اصحاب کے مذہب کو
ہر ہر مسئلہ میں مؤطار کے مطابق کیا، پس اگر موافقت
پائی تو فبہا ورنہ اگر صحابہ و تابعین کی کسی جماعت کو اپنے
اصحاب کے مذہب پر عمل کرنے والا پایا تو بھی اسی کو
لیا، اور اگر فقہار کے عمل میں ضعیف قیاس یا ضعیف
تخریج کو پایا جس کے خلاف صحیح حدیث پائی جاتی ہے
یا اکثر علمار کا عمل اس کے خلاف ہے تو اس وقت جس
مذہب کو مذاہب سلف میں سے ارجح پایا اس کو اختیار
کر لیا اور یہ دونوں (امام محمد اور امام ابو یوسف) بھی حتی الامکان
ابراہیم اور معاصرین ابراہیم کے طریقہ سے کنارہ کش
نہیں ہوتے جیسے ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا معمول
ہے، البتہ ان تینوں ائمہ کا اختلاف دو باتوں
میں سے کسی ایک میں ہوتا تھا، یا تو ابراہیم کے
مذہب کے موافق ان کے شیخ ابو حنیفہ نے کسی
مسئلہ کی تخریج کی اور اس تخریج میں ان دونوں
شاگردوں نے اپنے شیخ کی مخالفت کی یا یہ کہ ابراہیم اور
ان کے ہم مرتبہ علمار کے کسی مسئلہ میں مختلف اقوال تھے تو یہ
دونوں کسی قول کو دوسرے پر ترجیح دینے میں اپنے استاد
کے مخالف ہو جاتے تھے پس امام محمد نے تصنیفات فرمائیں

هو في تلك اليسيرة ايضا لا يخرج عما
ذهب اليه فقهاء الكوفة وكان اشهر
اصحابه ذكرا ابو يوسف رحمه الله فولي
قضاء القضاة ايام هٰرون الرشيد
فكان سببا لظهور مذهبه والقضاء
به في اقطار العراق وخراسان وما وراء
النهر، وكان احسنهم تصنيفا والزمهم
درسا محمد بن الحسن وكان من خبره
انه تفقه على ابي حنيفة وابي يوسف
ثم خرج الى المدينة فقرأ الموطا
على مالك ثم رجع الى نفسه فطبق
مذهب اصحابه على الموطا مسألة
مسألة فان وافق فبها والا فان
راى طائفة من الصحابة والتابعين
ذاهبين الى مذهب اصحابه فكذلك
وان وجد قياسا ضعيفا او تخريجا لينا
يخالفه حديث صحيح فيما عمل به
الفقهاء او يخالفه عمل اكثر العلماء
تركه الى مذهب من مذاهب السلف
مما يراه ارجح ما هنالك، وهٰذان
لا يزالان على محجة ابراهيم واقرانه
ما امكن لهما كما كان ابو حنيفة رضي
الله عنه يفعل ذلك، وانما كان
اختلافهم في احد شيئين اما ان
يكون لشيخهما تخريج على مذهب
ابراهيم يزاحمانه فيه، او يكون
هناك لابراهيم ونظرائه اقوال
مختلفة يخالفان شيخهما في ترجيح
بعضها على بعض، فصنف محمد رح

اور ان میں ان تینوں[۱] کی رایوں کو جمع کیا اور کثیر لوگوں کو نفع پہنچایا، پس اصحاب ابو حنیفہؓ نے ان تصنیفات کی طرف نہایت توجہ کی، ان کے خلاصے کئے ان کے دلائل بیان کئے، شروح لکھیں، ان سے مسائل کی تخریج کی، ان کے مبانی اور دلائل میں تحقیق کی، پھر ممالک خراسان اور ماوراء النہر میں پھیل گئے پس اس کو امام ابو حنیفہ کا مذہب کہا جاتا ہے، مذہب مالکی اور حنفی کے ابتدار ظہور اور ان کے اصول وفروع کے مرتب ہونے کے زمانہ میں امام شافعی کا نشو ونما ہوا جب انہوں نے متقدمین کی روش میں غور کیا تو انہوں نے بہت سے ایسے امور کو پایا جن کی وجہ سے وہ متقدمین کے طریق کی پیروی نہ کر سکے، امام شافعی نے ان امور کو اپنی کتاب الام کے اول میں ذکر کیا ہے۔

منجملہ ان کے یہ امر تھا کہ امام شافعی نے دیکھا کہ متقدمین حدیث مرسل اور منقطع پر عمل کرتے تھے اور ایسی حدیثیں خرابی سے محفوظ نہ تھیں پس جب حدیث کے تمام طرق جمع کئے جاتے تھے تو یہ بات ظاہر ہو جاتی تھی کہ بہت سی مرسل احادیث بالکل بے اصل ہیں اور بہت سی مرسل احادیث مسند احادیث کے مخالف تھیں اس واسطے امام شافعی نے یہ قرار دیا کہ مرسل حدیث پر عمل جب ہی کیا جائے کہ اس کے شروط بھی موجود ہوں اور وہ تمام شروط کتب اصول میں مذکور ہیں، اور ایک امر یہ تھا کہ متقدمین کے زمانہ میں مختلف احادیث کے درمیان جمع وتوفیق کے قواعد منضبط نہ تھے اس واسطے ان کے اجتہادی مسائل میں خرابیاں رہا کرتی تھیں اس خرابی کو رفع کرنے کے لئے امام شافعیؒ نے اصول مقرر کئے اور ان کو ایک کتاب میں جمع کر دیا، اصول فقہ میں سب سے پہلی تصنیف یہی کتاب ہے اس کی مثال جو ہمارے علم میں آئی یہ ہے کہ امام شافعی امام محمد بن حسن کے پاس گئے اس وقت وہ علماء مدینہ پر اس امر میں اعتراض کر رہے تھے کہ وہ ایک گواہ اور ایک قسم کے ساتھ فیصلہ

الله وجمع رأى هؤلاء الثلاثة و نفع كثيرا من الناس فتوجه اصحاب ابى حنيفة رضى الله عنه الى تلك التصانيف تلخيصا و تقريبا او شرحا او تخريجا او تأسيسا او استدلالا، ثم تفرقوا الى خراسان وما وراء النهر فيسمى ذلك مذهب ابى حنيفة رضى الله عنه، ونشأ الشافعى فى اوائل ظهور المذهبين وترتيب اصولهما وفروعهما فنظر فى صنيع الاوائل فوجد فيه امورا كبحت عنانه عن الجريان فى طريقهم، وقد ذكرها فى اوائل كتاب الام ◆

ومنها انه وجدهم يأخذون بالمرسل والمنقطع فيدخل فيهما الخلل، فانه اذا جمع طرق الحديث يظهر انه كم من مرسل لا اصل له، وكم من مرسل يخالف مسندا فقرر ان لا يأخذ بالمرسل الا عند وجود شروط، وهى مذكورة فى كتب الاصول ◆

ومنها انه لم تكن قواعد الجمع بين المختلفات مضبوطة عندهم فكان يتطرق بذلك خلل فى مجتهداتهم فوضع لها اصولا ودونها فى كتاب، وهذا اول تدوين كان فى اصول الفقه مثاله ما بلغنا انه دخل على محمد بن الحسن وهو يطعن على اهل المدينة فى قضائهم بالشاهد الواحد مع اليمين

[۱] ابراہیم نخعی، ابو حنیفہ اور ابو یوسف، ۱۲۔

کردیتے ہیں اور وہ کہہ رہے تھے کہ ایسا کرنے سے کتاب
اللہ پر زیادتی ہوتی ہے، تب امام شافعی نے کہا کیا تمہارے
نزدیک یہ بات ثابت ہے کہ خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی
جائز نہیں ہے؟ امام محمد نے کہا ہاں، جائز نہیں ہے، امام
شافعی نے کہا پھر تم کیسے کہتے ہو کہ وارث کیلئے وصیت
جائز نہیں اور اس کی وجہ آں حضرت کا یہ قول بتلاتے ہو۔
"خبردار ہو جاؤ وارث کے لئے وصیت جائز نہیں ہے"
حالانکہ خدا تعالے فرماتا ہے "تم پر مقرر کیا گیا کہ موت آنے
کے وقت اگر مال چھوڑا ہو تو والدین اور رشتہ داروں کے لئے
اس میں وصیت کرنا چاہیے، اسی قسم کے اور چند اعتراضات امام
شافعی نے ان پر کئے اور امام محمد بن حسن خاموش رہے،

اور ایک امر یہ تھا کہ بعض احادیث صحیحہ علمائے تابعین
کے مفتیوں کو نہ پہنچیں اس واسطے ان کو اپنی رائے سے
اجتہاد کرنا پڑا یا عام الفاظ کا انہوں نے لحاظ کیا یا گذشتہ
صحابہ کی انہوں نے پیروی کی اور اسی کے موافق
فتوی دیدیا لیکن تیسرے طبقہ میں یہ احادیث مشہور ہوگئیں
اور انہوں نے ان احادیث پر عمل نہ کیا یہ سمجھ کر کہ یہ احادیث
ان کے علمائے شہر کے عمل کے مخالف ہیں اور اس طریقہ کے خلاف
ہیں جس پر وہ سب متفق ہیں، اور یہ بات ان احادیث میں طعن
کی وجہ بن گئی اور ان احادیث کے غیر معتبر ہونے کی علت
ہوگئی، یا وہ احادیث تیسرے طبقہ میں مشہور نہیں ہوئی تھیں بلکہ
اس کے بعد ان کی شہرت ہوئی جبکہ محدثین نے احادیث کے
تمام طرق روایت میں غور کیا اور اطراف ملک میں سفر کیا اور علمائے
حدیث سے ان کی تفتیش کی، پس اکثر احادیث ایسی ظاہر ہوتی
گئیں جن کی روایت صحابہ میں سے صرف ایک یا دو اشخاص نے
کی تھی اور ان صحابہ سے بھی صرف ایک یا دو راویوں نے ان کی
روایت کی تھی وَهَلُمَّ جَرًّا، پس بہت سی احادیث فقہاء
کی نظر سے مخفی رہیں اور ان حفاظِ حدیث کے زمانہ
میں مشہور ہوئیں جنہوں نے تمام طرقِ حدیث کو جمع کیا تھا،

ويقول هذا زيادة على كتاب الله، فقال
الشافعي اثبت عندك انه لا تجوز
الزيادة على كتاب الله بخبر الواحد؟
قال نعم قال فلم قلت ان الوصية
للوارث لا تجوز لقوله صلى الله عليه و
سلم الا لا وصية لوارث، وقد قال الله
تعالى كتب عليكم اذا حضر احدكم
الموت الاية؟ واورد عليه اشياء
من هذا القبيل، فانقطع كلام محمد
ابن الحسن.

ومنها ان بعض الاحاديث الصحيحة
لم يبلغ علماء التابعين ممن وسد
اليهم الفتوى فاجتهدوا بارائهم
او اتبعوا العمومات او اقتدوا بمن
مضى من الصحابة فافتوا حسب ذلك
ثم ظهرت بعد ذلك في الطبقة الثالثة
فلم يعملوا بها ظنا منهم انها تخالف
عمل اهل مدينتهم وسنتهم التي
لا اختلاف لهم فيها، وذلك قادح
في الحديث وعلة مسقطة له او لم
تظهر في الثالثة، وانما ظهرت بعد
ذلك عندما امعن اهل الحديث في
جمع طرق الحديث ورحلوا الى اقطار
الارض وبحثوا عن حملة العلم فكثر
من الاحاديث ما لا يرويه من الصحابة
الا رجل او رجلان، ولا يرويه عنه
او عنهما الا رجل او رجلان وهلم
جرا، فخفي على اهل الفقه، وظهر
في عصر الحفاظ الجامعين لطرق

مثلاً بہت سی احادیث کو اہل بصرہ نے روایت کیا اور
باقی حصے ان احادیث سے بے خبر رہے پس امام شافعیؒ
نے اس بات کو واضح کر دیا کہ علماء صحابہ اور تابعین کی
ہمیشہ یہ حالت رہی ہے کہ وہ ہر مسئلہ میں حدیث کے متلاشی
رہتے تھے جب کوئی حدیث ان کو نہ ملتی تھی تو وہ کوئی اور
استدلال اختیار کرتے تھے لیکن اس کے بعد جب کوئی
حدیث ان پر ظاہر ہو جاتی تھی تو وہ حدیث کی طرف رجوع
کر لیا کرتے تھے، پس جب ان کی ایسی حالت تھی تو ان کا
کسی حدیث پر عمل نہ کرنا اس کے لئے قادح نہیں ہو سکتا
ہاں اس وقت قادح ہو سکتا ہے جب وہ کوئی علت قادحہ
بیان کر دیں اس کی مثال حدیث قلتین ہے یہ حدیث
صحیح ہے جو بہت سے طریقوں سے مروی ہے ان سب
میں بڑا طریق وہ ہے جو ابوالولید ابن کثیر پر ختم ہوتا ہے،
انہوں نے اس کو محمد بن جعفر بن زبیر سے روایت کیا
ہے اور محمد بن جعفر نے عبد اللہ یا محمد بن عباد بن
جعفر بروایت عبید اللہ بن عبد اللہ اور ان دونوں
نے حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت کی ہے پھر
اس کے بعد طرق روایت متعدد ہو گئے اور یہ دونوں
راوی اگرچہ ثقہ ہیں لیکن وہ فتویٰ میں لوگوں کے
مرجع نہ تھے اور نہ ہی وہ لوگوں کے نزدیک معتمد
علیہ تھے، اس واسطے یہ حدیث نہ سعید بن مسیب
کے عہد میں اور نہ ہی امام زہری کے زمانہ
میں مشہور ہوئی اور نہ اس پر مالکیہ نے عمل کیا اور نہ ہی
حنفیہ نے عمل کیا، پس لوگوں نے اس پر عمل نہ کیا اور
امام شافعی نے اس پر عمل کر لیا،

اور ایسے ہی خیار مجلس کی حدیث ہے یہ حدیث
صحیح ہے اور بکثرت طریقوں سے روایت کی گئی ہے
اور صحابہ میں سے ابن عمر اور ابو ہریرہ نے اس حدیث
پر عمل کیا تھا اور فقہائے سبعہ اور ان کے معاصرین میں

الحديث كثير من الاحاديث، رواه
اهل البصرة مثلا وسائر الاقطار
في غفلة منه، فبين الشافعي ان
العلماء من الصحابة والتابعين
لم يزل شانهم انهم يطلبون
الحديث في المسألة، فاذا لم
يجدوا تمسكوا بنوع اخر من
الاستدلال، ثم اذا ظهر عليهم
الحديث بعد رجعوا من اجتهادهم
الى الحديث فاذا كان الامر على ذلك لا
يكون عدم تمسكهم بالحديث قدحا
فيه، اللهم الا اذا بينوا العلة القادحة،
مثاله حديث القلتين فانه حديث
صحيح روى بطرق كثيرة معظمها ترجع
الى ابي الوليد بن كثير عن محمد بن
جعفر بن الزبير عن عبد الله، او
محمد بن عباد بن جعفر عن عبيد
الله بن عبد الله كلاهما عن ابن عمر
ثم تشعبت الطرق بعد ذلك، وا
هذان وان كانا من الثقات لكنهما
ليس ممن وسد اليهم الفتوى و
عوّل الناس عليهم فلم يظهر الحديث
في عصر سعيد بن المسيب ولا في
عصر الزهري، ولم يمش عليه المالكية
ولا الحنفية فلم يعملوا به وعمل
به الشافعي، وكحديث خيار المجلس
فانه حديث صحيح روى بطرق
كثيرة وعمل به ابن عمر وابو هريرة
من الصحابة، ولم يظهر على الفقهاء

اس حدیث کی شہرت نہیں ہوئی تھی پس وہ اس حدیث کے قائل نہ تھے اس واسطے امام مالک اور امام ابوحنیفہ نے اس امر کو حدیث مذکور میں علت قادحہ سمجھ کر اس پر عمل نہ کیا اور امام شافعی نے اس پر عمل کیا،

اور ایک امر یہ تھا کہ صحابہ کے سب اقوال امام شافعی کے عہد میں جمع کیے گئے، ان اقوال کی کثرت ہوئی اور ان میں اختلافات پائے گئے اور ان میں سے بہت سے اقوال کو امام شافعی نے حدیث صحیح کے مخالف پایا اس وجہ سے کہ وہ حدیث صحابہ کو معلوم نہیں ہوئی تھی اور امام شافعی نے سلف کو دیکھا تھا کہ ایسے امور میں وہ حدیث کی طرف رجوع کیا کرتے تھے اس واسطے امام شافعی نے صحابہ کے اقوال سے استدلال کرنا ترک کر دیا جب تک کہ وہ اقوال سب کے نزدیک متفق علیہ نہ ہوں، اور کہا صحابہ بھی آدمی تھے اور ہم بھی آدمی ہیں۔

اور ایک امر یہ تھا کہ امام شافعیؒ نے فقہاء کے ایک گروہ کو دیکھا کہ وہ اس قیاس میں جس کو شرع نے ثابت کیا ہے ایسی رائیں مخلوط کر دیتے ہیں جن کو شریعت کوئی وقعت نہیں دیتی، وہ فقہاء اس قیاس اور رائے میں کچھ فرق نہیں کرتے اور کبھی کبھی وہ اس رائے کا نام استحسان رکھتے ہیں اور 'رائے' سے مراد یہ ہے کہ کسی حرج یا مصلحت کے مظنہ کو حکم کی علت قرار دیا جائے، اور قیاس کے معنی یہ ہیں کہ حکم منصوص سے کوئی علت نکالی جائے اور وہ علت حکم کا مدار علیہ قرار دیجائے اس رائے کو امام شافعی نے نہایت اہتمام سے باطل کیا اور فرمایا جو استحسان کرتا ہے وہ شارع بننا چاہتا ہے، ابن حاجب نے مختصر الاصول میں اس کو نقل کیا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ یتیم کا زمانہ رشد تک پہنچنا ایک مخفی امر ہے اس واسطے فقہاء نے مظنہ رشد کو جو پچیس برس ہوتے ہیں رشد کے قائم مقام کر دیا اور یہ کہا کہ جب یتیم پچیس برس کا ہو جائے تو اس کو اس کا مال دیدینا چاہیے اور انہوں نے اس کو استحسان کہا حالانکہ قیاس کا مقتضا یہ ہے کہ اس عمر میں اس کو مال

السبعة ومعاصريهم، فلم يكونوا يقولون به، فرأى مالك وابوحنيفة هذه علة قادحة في الحديث، و عمل به الشافعي ٭

و منها ان اقوال الصحابة جمعت في عصر الشافعي فتكاثرت واختلفت وتشعبت، و رأى كثيرا منها يخالف الحديث الصحيح حيث لم يبلغهم ورأى السلف لم يزالوا يرجعون في مثل ذلك الى الحديث فترك التمسك باقوالهم ما لم يتفقوا، وقال هم رجال ونحن رجال ٭

و منها انه رأى قوما من الفقهاء يخلطون الرأي الذي لم يسوغه الشرع بالقياس الذي اثبته فلا يميزون واحدا منها من الآخر ويسمونه تارة بالاستحسان. واعني بالرأي ان ينصب مظنة حرج او مصلحة علة لحكم، وانما القياس ان تخرج العلة من الحكم المنصوص ويدار عليها الحكم. فابطل هذا النوع اتم ابطال وقال من استحسن فانه اراد ان يكون شارعا، حكاه ابن الحاجب في مختصر الاصول. مثاله رشد اليتيم امر خفي فاقاموا مظنة الرشد وهو بلوغ خمس وعشرين سنة مقامه، وقالوا اذا بلغ اليتيم هذا العمر سلم اليه ماله، قالوا هذا استحسان، والقياس ان لا يسلم

نہیں دینا چاہیے، حاصل کلام یہ ہے کہ جب امام شافعی نے
متقدمین میں ایسے امور پائے تو از سر نو فقہ کو مرتب کیا،
اصول قائم کئے اور فروع کو ان پر متفرع کیا، عمدہ کتابیں
تصنیف کیں اور لوگوں کو فائدہ پہنچایا، فقہاء ان کی خدمت
میں جمع ہوئے، ان کی کتابوں کا اختصار کیا، ان پر شروح
لکھیں، دلائل بیان کئے اور مسائل کی تخریج کی اور پھر تمام
شہروں میں یہ لوگ پھیل گئے پس اس طریقہ کا نام مذہب
شافعی ہوگیا، واللہ اعلم ۔

تیسرا باب (۸۳): اہل حدیث اور اصحاب الرائے کے مابین فرق کا بیان

واضح ہو کہ سعید ابن مسیب، ابراہیم اور زہری کے
زمانہ میں اور امام مالک، سفیان ثوری اور ان کے بعد
کے عہد میں بھی ایسے علماء تھے جو مسائل دین میں رائے
سے خوض کرنے کو برا جانتے تھے اور فتوی دیتے ہوئے
اور استنباط کرتے ہوئے ڈرتے تھے لیکن نہایت ہی
ضرورت کے موقع پر جس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہوتا تھا
تو استنباط کرتے تھے، ان کو بڑا اہتمام اس کا ہوتا تھا کہ
حدیث رسول کی روایت کردیں، ایک مرتبہ عبداللہ بن
مسعود سے ایک مسئلہ دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب
دیا کہ میں ناپسند کرتا ہوں کہ تیرے لئے اس شئی کو حلال کردوں
جس کو خدا نے حرام کیا ہو یا وہ چیز حرام کردوں جس کو اس نے
حلال کیا ہو، اور معاذ بن جبل نے کہا اے لوگو! بلاء کے
نازل ہونے سے پہلے جلدی نہ کرو کیونکہ مسلمانوں میں ہمیشہ
ایسے لوگ ہوتے رہیں گے کہ جب ان سے کوئی امر دریافت کیا
جائے گا تو اس کو مسلسل بیان کرتے چلے جائیں گے اور ایسے
ہی حضرت عمر، حضرت علی، ابن عباس، اور ابن مسعود سے
اس امر میں کلام کرنا جو نازل نہیں ہوا مکروہ سمجھا منقول ہے

اليه وبالجملة لما راى فى صنيع
الاوائل مثل هذه الامور، اخذ
الفقه من الراس فاسس الاصول
وفرع الفروع وصنف الكتب
فاجاد وافاد فاجتمع عليه الفقهاء
وتصرفوا اختصارا وشرحا واستدلالا
وتخريجا، ثم تفرقوا فى البلدان،
فكان هذا مذهبا للشافعى والله اعلم

باب الفرق بين اهل الحديث واصحاب الرأى

اعلم انه كان من العلماء فى عصر
سعيد بن المسيب وابراهيم والزهرى
وفى عصر مالك وسفيان، وبعد
ذلك قوم يكرهون الخوض بالراى و
يهابون الفتيا والاستنباط الا لضرورة
لا يجدون منها بدا، وكان اكبر همهم
رواية حديث رسول الله صلى الله عليه
وسلم، سئل عبد الله بن مسعود
عن شئ فقال انى لاكره ان احل
لك شيئا حرمه الله عليك او احرم
ما احله الله لك، وقال معاذ بن
جبل: يايها الناس لا تعجلوا بالبلاء
قبل نزوله، فانه لم ينفك المسلمون
ان يكون فيهم من اذا سئل سدد
وروى نحو ذلك عن عمر وعلى وابن
عباس وابن مسعود فى كراهة
التكلم فيما لم ينزل، وقال ابن

اور عبداللہ بن عمر نے جابر بن زید سے کہا تھا کہ تم فقہاء
بصرہ میں سے ہو پس قرآن ناطق یا سنت ماضیہ سے ہی
فتوٰی دینا، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو خود بھی ہلاک ہو گے
اور لوگوں کو بھی ہلاک کر دوگے، ابو نصر کہتے ہیں کہ جب ابو سلمہ
بصرہ میں آئے تو میں اور حسن بصری ان کی ملاقات کو گئے،
انہوں نے حسن بصری سے فرمایا حسن بصری تم ہی ہو بصرہ
میں تم سے زیادہ کسی کی ملاقات کا مجھ کو شوق نہ تھا اور اس
کی وجہ یہ ہے کہ میں نے سنا ہے کہ تم اپنی رائے سے فتوٰی
دیتے ہو پس آئندہ بجز قرآن و حدیث کے اپنی رائے
سے فتوٰی نہ دینا،

اور ابن المنکدر کہتے ہیں کہ عالم خدا اور اس کے
بندوں کے درمیان واسطہ ہوا کرتا ہے پس اس کو اپنے
لئے نجات کا کوئی راستہ پیدا کرنا چاہئے، امام شعبی سے
دریافت کیا گیا کہ جب تم سے مسائل پوچھے جاتے تھے
تو تم کیا کرتے تھے، انہوں نے فرمایا تم نے جاننے والے
سے یہ بات دریافت کی جب کسی شخص سے کوئی مسئلہ
دریافت کیا جاتا تھا تو وہ اپنے مصاحب سے کہتا تھا
کہ تم اس مسئلہ کا جواب دو، پس ایسے ہی یہ بات ایک
دوسرے سے کہی جاتی تھی، یہانتک کہ پہلے ہی عالم کی
جانب انتہا ہو جایا کرتی تھی، امام شعبی نے فرمایا یہ علماء
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ بیان کریں
اس پر عمل کرو اور جو کچھ اپنی رائے سے کہیں اس کو
پاخانہ میں پھینکدو۔ ان آثار کو دارمی نے روایت
کیا ہے پس حدیث اور اثر کی تدوین قرآن اور
اس کے نسخوں کی کتابت بلاد اسلام میں پھیل گئی حتیٰ کہ
اہل روایت میں سے ایسے بہت کم تھے جن کے
پاس کوئی صحیفہ یا نسخہ نہ ہو یا وہ تدوین نہ کرتے ہوں اور
یہ اس لئے کہ ان کو کسی بڑے موقع پر ضرورت پڑتی تھی پس
اس وقت کے بلند پایہ علماء نے حجاز، شام، عراق، مصر،

عمر لجابر بن زید انك من فقهاء البصرة
فلا تفت الا بقرآن ناطق او سنة
ماضية، فانك ان فعلت غير ذلك
هلكت واهلكت، وقال ابو النضر
لما قدم ابو سلمة البصرة اتيته انا
والحسن فقال للحسن انت الحسن
ما كان احد بالبصرة احب الى لقاء
منك، وذلك انه بلغني انك تفت
برايك فلا تفت برايك الا ان
يكون سنة عن رسول الله صلى الله
عليه وآله وسلم او كتاب منزل،
وقال ابن المنكدر ان العالم يدخل
فيما بين الله وبين عباده، فليطلب
لنفسه المخرج، وسئل الشعبي "
كيف كنتم تصنعون اذا سئلتم؟ قال
على الخبير وقعت كان اذا سئل الرجل
قال لصاحبه افتهم فلا يزال حتى
يرجع الى الاول، وقال الشعبي ما
حدثوك هؤلاء رسول الله صلى الله
الله عليه وآله وسلم فخذ به، وما
قالوه برايهم فالقه في الحش اخرج
هذه الآثار عن آخرها الدارمي فوقع
شيوع تدوين الحديث والاثر في
بلدان الاسلام، وكتابة الصحف
والنسخ حتى قل ما يكون اهل الرواية
الا كان له تدوين او صحيفة او نسخة
من حاجتهم لموقع عظيم، فطاف
من ادرك من عظمائهم ذلك الزمان
بلاد الحجاز والشام والعراق ومصر

یمن اور خراسان کا سفر کیا اور کتابیں جمع کیں اور نسخوں
میں تتبع کیا، غریب حدیث اور آثار نادرہ میں بہت
خوض کیا، پس ان کے اہتمام سے احادیث اور آثار
اس قدر مجتمع ہو گئے جو پیشتر کسی سے جمع نہ ہو سکے تھے
اور ان کے لئے وہ سامان مہیا ہو گیا جو پہلے کسی کے لئے
مہیا نہ ہوا تھا اور بے شمار طرق احادیث خاصۃً انہی کو
معلوم ہوئے یہاں تک کہ ان کے پاس ایسی احادیث
بہت سی تھیں جو سو اور اس سے بھی زیادہ طرق سے
مروی تھیں، پس بعض طرق نے بعض دوسرے نامعلوم
طرق کو واضح کر دیا اور علماء نے ہر حدیث کا مرتبہ معلوم کر لیا
کہ کون سی غریب ہے اور کون سی مستفیض ہے اور حدیث
کے متابعات اور اس کے شواہد میں غور کرنے کا ان کو موقع
ملا، اور بہت سی صحیح احادیث جو پہلے اہل فتوٰی پر ظاہر نہ
ہوئی تھیں ان کو معلوم ہو گئیں، امام شافعی نے امام احمد
سے کہا تھا کہ تم کو ہم سے زیادہ احادیث صحیحہ کا علم ہے
پس جو حدیث صحیح ہوا کرے وہ مجھ کو بتلا دیا کرو تا کہ میں
اس کی طرف رجوع کروں خواہ وہ حدیث کوفی ہو یا بصری
ہو یا شامی ہو، اس کو ابن ہمام نے نقل کیا ہے،

امام شافعی نے امام احمد سے یہ اس واسطے کہا
تھا کہ بہت سی احادیث ایسی تھیں جن کو خاص ایک ایک
شہر کے لوگ ہی روایت کرتے تھے جیسے وہ احادیث
جن کو صرف شامیوں نے روایت کیا یا عراقیوں نے روایت
کیا یا صرف ایک ہی خاندان کے لوگوں نے روایت کیا
جیسے برید کا نسخہ کہ انہوں نے ابو بردہ سے روایت کیا
اور ابو بردہ نے ابو موسٰی سے روایت کیا، اور عمرو بن شعیب کا
نسخہ جو انہوں نے اپنے باپ سے اور ان کے باپ نے اپنے باپ سے
روایت کیا، یا بعض صحابی قلیل الروایت اور گوشہ نشین تھے
جن سے بہت کم لوگوں نے احادیث روایت کی ہیں پس اس قسم
کی احادیث سے اکثر اہل فتوٰی غافل تھے اور ان کے پاس ہر شہر

والیمن وخراسان، وجمعوا الکتب
وتتبعوا النسخ وامعنوا فی التفحص
عن غریب الحدیث ونوادر الاثر
فاجتمع باهتمام اولئك من الحدیث
والاثار ما لم یجتمع لاحد قبلهم
وتیسر لهم ما لم یتیسر لاحد قبلهم
وخلص الیهم من طرق الاحادیث
شئ کثیر حتی کان یکثر من الاحادیث
عندهم مائة طریق فما فوقها،
فکشف بعض الطرق ما استتر فی
بعضها الاخر، وعرفوا محل کل حدیث
من الغرابة والاستفاضة، وامکن
لهم النظر فی المتابعات والشواهد
وظهر علیهم احادیث صحیحة کثیرة
لم تظهر علی اهل الفتوی من قبل،
قال الشافعی لاحمد انتم اعلم بالاخبار
الصحیحة منا فاذا کان خبر صحیح
فاعلمونی حتی اذهب الیه کوفیا کان
او بصریا او شامیا، حکاه ابن الهمام
وذلك لانه کم من حدیث صحیح لا
یرویه الا اهل بلد خاصة کافراد
الشامیین والعراقیین او اهل
بیت خاصة کنسخة برید عن ابی بردة عن
ابی موسی، ونسخة عمرو بن شعیب عن
ابیه عن جده او کان الصحابی مقلا
خاملا لم یحمل عنه الا شرذمة
قلیلون، فمثل هذه الاحادیث
یغفل عنها عامة اهل الفتوی، و
اجتمعت عندهم اثار فقهاء کل بلد

کے فقیہ صحابہ اور تابعین کے آثار کا مجموعہ تھا ان سے
پیشتر کے لوگ صرف اپنے شہر اور اپنے اصحاب کی حدیثوں
کو جمع کر سکتے تھے اور پیشتر کے علماء اسماء رجال اور ان کی
عدالت کے مراتب پہچاننے میں اپنے خالص مشاہدہ اور
قرائن کے تتبع پر اعتماد کرتے تھے، لیکن اس طبقہ کے علماء
نے اس فن میں نہایت غور کیا اور اس کو مدون کر کے اور
بحث و تفتیش کر کے ایک مستقل فن کر دیا، اور احادیث
کے صحیح اور غیر صحیح قرار دینے میں نہایت نظر کی اس طرح
اس تدوین اور مناظرہ سے ان حدیثوں کا حال معلوم ہو گیا
جن کا متصل یا منقطع ہونا پہلے مخفی تھا، امام سفیان وکیع
اور ان کے امثال کی یہ حالت تھی کہ وہ نہایت اہتمام سے
اجتہاد کرتے تھے لیکن حدیث مرفوع متصل ایک
ہزار سے کم ہی ان کو حاصل ہوئی تھیں جیسا کہ ابوداؤد
سجستانی نے اس کو اپنے خط میں ذکر کیا ہے جس کو
انہوں نے اہل مکہ کو بھیجا تھا، اور اس طبقہ کے محدثین
تقریباً چالیس ہزار تک احادیث کی روایت کرتے
تھے،

امام بخاری کے متعلق یہ صحیح ہے کہ انہوں نے
چھ ہزار احادیث سے صحیح بخاری کو مختصر کیا ہے
اور ابوداؤد کی نسبت بھی یہ ثابت ہے کہ انہوں
نے پانچ ہزار احادیث سے اپنی سنن کو منتخب کیا
ہے، اور امام احمد نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
کی حدیث معلوم کرنے کے لئے اپنی مسند کو میزان قرار
دیا ہے، پس جو حدیث اس مسند میں موجود ہے
اگرچہ اس کی روایت ایک ہی طریقہ سے ہو اس کی
کوئی اصل ہے اور جو اس میں نہ ہو اس کو بے
اصل سمجھنا چاہیئے، اس طبقہ کے بڑے علماء
یہ ہیں:- عبد الرحمٰن بن مہدی، یحیٰی بن
سعید قطان، یزید بن ہارون، عبد الرزاق

من الصحابة والتابعين، وكان
الرجل فيما قبلهم لا يتمكن الا من
جمع حديث بلده واصحابه، و
كان من قبلهم يعتمدون في معرفة
اسماء الرجال ومراتب عدالتهم
على ما يخلص اليهم من مشاهدة الحال
وتتبع القرائن، وامعن هذه الطبقة
في هذا الفن وجعلوه شيئاً مستقلا
بالتدوين والبحث وناظروا في الحكم
بالصحة وغيرها فانكشف عليهم
بهذا التدوين والمناظرة ما كان
خافيا من حال الاتصال والانقطاع
وكان سفيان ووكيع وامثالهما
يجتهدون غاية الاجتهاد، فلا يتمكنون
من الحديث المرفوع المتصل الا من
دون الف حديث كما ذكره ابوداؤد
السجستاني في رسالته الى اهل مكة
وكان اهل هذه الطبقة يروون
اربعين الف حديث فما يقرب
منها بل صح عن البخاري انه اختصر
صحيحه من ستة الاف حديث، و
عن ابي داؤد انه اختصر سننه من
خمسة الاف حديث، وجعل احمد
مسنده ميزانا يعرف به حديث
رسول الله صلى الله عليه وسلم فما وجد
فيه ولو بطريق واحد منه فله اصل
والا فلا اصل له فكان رؤوس هؤلاء
عبد الرحمن بن مهدي ويحيى بن
سعيد القطان ويزيد بن هارون

ابوبکر بن ابی شیبہ ، مسدد ، ہناد ، احمد بن حنبل ،
اسحاق بن راہویہ ، فضل بن دکین ، علی مدینی اور انکے
ہم مرتبہ محدثین ، اور یہی طبقہ طبقات محدثین کا
پہلا نمونہ ہے ،

پس محققین اہل حدیث فن روایت ومعرفت
مراتب احادیث کو مکمل کرنے کے بعد فقہ کی طرف
مائل ہوئے ، پس جبکہ بہت سی احادیث اور آثار
کو انہوں نے ان مذاہب میں سے ہر ایک مذہب
کے مخالف دیکھا تو متقدمین میں سے کسی خاص امام
تقلید کرنے پر اتفاق کرنے کو انہوں نے درست
نہ سمجھا ، پس وہ خود احادیث نبوی کا صحابہ تابعین اور
مجتہدین کے آثار کا ان قواعد کے موافق جو
انہوں نے اپنے نزدیک قرار دے رکھے تھے
تتبع کرنے لگے ، اور میں ان قواعد کو تمہارے لئے
چند کلمات میں بتلائے دیتا ہوں ،

ان کا مسلک یہ تھا کہ جب کسی مسئلہ میں
قرآن ناطق ہو تو کسی دوسری شئی کی طرف توجہ کرنا
جائز نہیں ہے ، اور جب آیت قرآنی میں چند
احتمالات ہوں تو اس کا فیصلہ حدیث سے
کرنا چاہیے ،

اور جب قرآن میں ان کو کوئی حکم نہ ملتا تھا
تو رسول خدا کی حدیث پر عمل کرتے تھے خواہ وہ
سنت مستفیض ہو جس پر فقہاء کا عمل رہا ہو
یا کسی خاص شہر کے علماء سے یا کسی خاص خاندان
کے علماء سے یا کسی خاص طریقہ سے مروی
ہو ، خواہ صحابہ اور فقہاء نے اس پر عمل کیا ہو
یا نہ کیا ہو ،

اور جب کسی مسئلہ میں ان کو حدیث مل جاتی
تھی تو اس کے خلاف کسی اثر یا کسی اجتہاد کا اتباع نہیں کرتے

وعبد الرزاق وابو بكر بن ابي شيبة
ومسدد وهناد واحمد بن حنبل و
اسحق بن راهويه والفضل بن دكين
وعلي المديني واقرانهم وهذه الطبقة
هي الطراز الاول من طبقات المحدثين
فرجع المحققون منهم بعد احكام
فن الرواية ومعرفة مراتب الاحاديث
الى الفقه فلم يكن عندهم من الراي
ان يجمع على تقليد رجل ممن مضى
مع ما يرون من الاحاديث والاثار
المناقضة في كل مذهب من تلك
المذاهب فاخذوا يتتبعون احاديث
النبي صلى الله تعالى عليه واله و
سلم واثار الصحابة والتابعين و
المجتهدين على قواعد احكموها في
نفوسهم - وانا ابينها لك في كلمات
يسيرة - كان عندهم انه اذا وجد
في المسالة قران ناطق فلا يجوز
التحول منه الى غيره واذا كان
القران محتملا لوجوه فالسنة قاضية
عليه فاذا لم يجدوا في كتاب الله
اخذوا بسنة رسول الله صلى الله عليه
واله وسلم سواء كان مستفيضا
دائرا بين الفقهاء او يكون مختصا
باهل بلد او اهل بيت او بطريق خاصة
وسواء عمل به الصحابة والفقهاء او
لم يعملوا به ، ومتى كان في المسالة
حديث فلا يتبع فيها خلاف اثر
من الاثار ولا اجتهاد احد من

تھے، اور جب تتبع احادیث میں پوری کوشش کر چکتے تھے
اور اس مسئلہ میں ان کو حدیث نہیں ملتی تھی تو جماعت
صحابہ و تابعین کے اقوال پر عمل کرتے تھے، اور اس میں
وہ کسی قوم یا کسی شہر کے پابند نہیں تھے جیسا کہ ان سے
پہلے لوگ کرتے تھے، پس اگر کسی مسئلہ میں جمہور خلفاء
اور فقہاء کو متفق پاتے تھے تو اس پر قناعت کرتے تھے
اور اگر وہ مسئلہ مختلف فیہ ہوتا تھا تو ان میں سے جو بڑا
عالم، پرہیزگار یا زیادہ ضابط یا زیادہ مشہور ہوتا تھا
اس کی حدیث کو لیتے تھے، اور اگر وہ کوئی ایسا مسئلہ
پاتے تھے جس میں مساوی قوت کے دو قول ہوتے تھے
تو وہ مسئلہ ذات القولین[1] رہتا تھا اور اگر اس سے بھی
عاجز آجاتے تھے تو کتاب و سنت کی عام تعبیرات
ان کے اشارات اور اقتضاءات میں غور کیا کرتے
تھے اور نظیر مسئلہ کو ان پر محمول کرتے تھے بشرطیکہ دونوں
مسئلے بادی الرائے میں ایک سی حالت رکھتے ہوں، اس
امر میں وہ قوانین اصول کی پابندی نہیں کرتے تھے،
بلکہ اس طریق پر اعتماد کرتے تھے جو صاف صاف سمجھ میں
آئے اور دل کو اس سے اطمینان ہو جیسے تواتر کے لئے
راویوں کی تعداد میزان نہیں ہے اور نہ ہی ان کا حال میزان
ہے بلکہ اس کے لئے میزان وہ یقین ہے جو خبر کے بعد لوگوں کے
دلوں میں پیدا ہو جاتا ہے [illegible] کے حالات میں ہم اس کو
بیان کر چکے ہیں، اور یہ اصول متقدمین کے برتاؤ اور انکی
تصریحات سے مستخرج تھے، میمون بن مہران سے منقول ہے
کہ ابوبکرؓ کے پاس جب کوئی قضیہ پیش ہوتا تھا تو اس کا جواب
کتاب اللہ میں تلاش کرتے تھے، پس اگر کتاب اللہ میں
ایسا امر معلوم ہو جاتا تھا جس سے لوگوں میں فیصلہ کیا جائے
تو اس کے ساتھ فیصلہ کر دیتے تھے اور اگر قرآن
میں اس کا جواب نہ ملتا تھا تو آں حضرت صلے اللہ

[1] یعنی اس میں دونوں وجہیں درست ہیں ۱۲

المجتهدين وإذا فرغوا جهدهم في
تتبع الأحاديث ولم يجدوا في المسألة
حديثا أخذوا بأقوال جماعة من
الصحابة والتابعين ولا يتقيدون
بقوم دون قوم ولا بلد دون بلد
كما كان يفعل من قبلهم فإن
اتفق جمهور الخلفاء والفقهاء على
شئ فهو المقنع، وإن اختلفوا أخذوا
بحديث أعلمهم علما وأورعهم ورعا
أو أكثرهم ضبطا أو ما اشتهر عنهم
فإن وجدوا شيئا يستوي فيه قولان
فهي مسألة ذات قولين فإن عجزوا
عن ذلك أيضا تأملوا في عمومات
الكتاب والسنة وإيماآتها واقتضاآتها
وحملوا نظير المسألة عليها في الجواب
إذا كانتا متقاربتين بادي الرأي لا
يعتمدون في ذلك على قواعد من
الأصول ولكن على ما يخلص إلى الفهم
ويثلج به الصدر كما أنه ليس
ميزان التواتر عدد الرواة ولا
حالهم ولكن اليقين الذي يعقبه
في قلوب الناس كما نبهنا على ذلك
في بيان حال الصحابة. وكانت هذه
الأصول مستخرجة عن صنيع الأوائل
وتصريحاتهم، وعن ميمون بن مهران
قال كان أبو بكر إذا ورد عليه الخصم
نظر في كتاب الله فإن وجد فيه ما
يقضي بينهم قضى به وإن لم يكن
في الكتاب وعلم من رسول الله صلى

علیہ وسلم کی حدیث جو اس امر میں آپ کو معلوم ہوتی تھی اسکے
مطابق فیصلہ کرتے تھے اور اگر حدیث بھی معلوم نہ ہوتی تو
باہر جا کر مسلمانوں سے دریافت کرتے کہ ایسا ایسا مسئلہ میرے
سامنے پیش ہوا ہے کیا تم کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے اس بارے میں کوئی فیصلہ صادر فرمایا ہے؟
پس کبھی آپ کے پاس بہت سے آدمی جمع ہو جاتے اور
کہتے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق یہ
فیصلہ کیا تھا، تب ابوبکرؓ فرماتے احمد للہ خدا نے ہم میں
ایسے لوگ پیدا کئے ہیں جو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم
کے اقوال محفوظ رکھتے ہیں،

اور اگر سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے
پانے سے بھی عاجز ہو جاتے تھے تو معتمد اور نیک لوگوں
کو جمع کر کے ان سے مشورہ لیتے پس جس امر پر سب اتفاق
رائے کرتے اس کے موافق آپ فیصلہ کر دیتے تھے، قاضی
شریح سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کو تحریر کیا تھا
کہ اگر تمہارے پاس کوئی ایسا مسئلہ پیش ہو جس کا حکم
کتاب اللہ میں مذکور ہے تو اس کے موافق فیصلہ کرنا
اور ایسا نہ ہو کہ لوگ تم کو اس سے باز رکھیں، اور اگر ایسا
مسئلہ پیش ہو جس کا حکم کتاب اللہ میں نہ ملے تو سنت
رسول اللہ کو تلاش کر کے اس کے موافق فیصلہ کرنا اور
اگر کوئی ایسا مسئلہ پیش ہو جس کا حکم نہ کتاب اللہ میں
ہے اور نہ اس کے بارے میں حدیث رسولؐ ہے
تو اس قول پر نظر کرنا جس پر لوگوں نے اتفاق کیا
ہو اور اس کے موافق فیصلہ کرنا،

اور اگر کوئی ایسا مسئلہ پیش ہو جس کا حکم
نہ کتاب اللہ میں ہے اور نہ اس کے بارے میں حدیث
رسولؐ منقول ہے اور نہ تم سے پہلے لوگوں میں سے
کسی نے اس میں رائے دی ہے تو دو امروں
میں سے جو چاہو اختیار کرنا، اگر اپنی رائے سے

الله تعالى عليه وآله وسلم في ذلك
الامر سنة قضى بها فان اعياه
خرج فسأل المسلمين وقال اتاني
كذا وكذا فهل علمتم ان رسول
الله صلى الله عليه وآله وسلم
قضى في ذلك بقضاء؟ فربما اجتمع
اليه النفر كلهم يذكر من رسول
الله صلى الله عليه وسلم فيه قضاء
فيقول ابوبكر الحمد لله الذي
جعل فينا من يحفظ على نبينا
فان اعياه ان يجد فيه سنة من
رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله
وسلم جمع رءوس الناس وخيارهم
فاستشارهم فاذا اجتمع رايهم
على امر قضى به ٭

وعن شريح ان عمر بن الخطاب
كتب اليه ان جاءك شئ في كتاب
الله فاقض به ولا يلتفتك عنه
الرجال فان جاءك ما ليس في
كتاب الله فانظر سنة رسول الله
صلى الله عليه وسلم فاقض بها
فان جاءك ما ليس في كتاب الله و
لم يكن فيه سنة رسول الله صلى
الله عليه وسلم فانظر ما اجتمع
عليه الناس فخذ به فان جاءك ما
ليس في كتاب الله ولم يكن فيه
سنة رسول الله صلى الله عليه وا
سلم ولم يتكلم فيه احد قبلك
فاختر اى الامرين شئت ان شئت

اجتہاد کرنا چاہو اور پیش قدمی کرنا چاہو تو اجتہاد کرنا اور
اگر اجتہاد میں تاخیر کرنا چاہو تو تاخیر کرنا، اور میں تمہارے
لئے تاخیر ہی کو بہتر سمجھتا ہوں، عبداللہ بن مسعود سے
منقول ہے وہ کہتے تھے ہم پر ایسا زمانہ گزرا ہے کہ ہم کسی
مسئلہ میں فتوی نہ دیتے تھے اور نہ ہم فتوی دینے کے
قابل تھے اور خدا نے مقدر کیا تھا کہ ہم کو اس درجہ تک
پہنچا دیا جس کو تم دیکھتے ہو، پس آج کے بعد جسکے پاس
کوئی مقدمہ پیش ہو تو اسمیں کتاب اللہ کے موافق فیصلہ کرے
اور اگر ایسا مقدمہ پیش ہو جس کا حکم کتاب اللہ میں نہیں
ہے تو اس میں وہ فیصلہ دے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
نے دیا ہے، اور اگر ایسا مقدمہ پیش ہو جس کا حکم نہ قرآن میں
ہے اور نہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے
متعلق کوئی حکم دیا ہے تو جیسا صالحین امت نے فیصلہ
کیا ہو اس کے موافق فیصلہ کرے اور اپنی طرف سے یہ
نہ کہے کہ میں اسمیں خوف کرتا ہوں اور اس کو پسند کرتا ہوں
اس واسطے کہ حرام اور حلال صاف اور ظاہر ہیں اور حرام
وحلال کے بیچ میں مشتبہ امور ہیں پس شک کی بات کو
ترک کرو اور جس پر یقین ہو اس کو لو، اور عبداللہ بن عباس
کی یہ حالت تھی کہ جب ان سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا
تھا پس اگر اس کا حکم قرآن میں ہوتا تھا تو بتلا دیتے تھے
اور اگر قرآن میں اس کا حکم نہ ملتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سے اس کا حکم ثابت ہوتا تو بتلا دیتے اور اگر حضورؐ سے بھی
ثابت نہ ہوتا تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا دیا ہوا حکم بیان
کر دیتے، اور اگر ان سے بھی کوئی حکم محقق نہ ہوتا تو اپنی رائے سے
فرماتے، عبداللہ بن عباس سے مروی ہے وہ فرمایا کرتے
تھے "کیا تم کو اس کا خوف نہیں ہے کہ خدا تم کو عذاب دے
یا زمین میں دھنسا دے یہ کہ تم کہتے ہو کہ رسولِ خدا نے ایسا کہا تھا
اور فلاں شخص نے ایسا کہا تھا، قتادہ سے مروی ہے کہ ابن سیرین نے
ایک شخص کے سامنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بیان کی

ان تجتهد برايك ثم تقدم فتقدم
وان شئت ان تتاخر فتاخر ولا ارى
التاخر الا خيرا لك، وعن عبد
ابن مسعود قال اتى علينا زمان لسنا
نقضي ولسنا هنالك، وان الله قد
قدر من الامر ان قد بلغنا ما ترون
فمن عرض له قضاء بعد اليوم
فليقض فيه بما في كتاب الله عز و
جل فان جاءه ما ليس في كتاب الله
فليقض بما قضى به رسول الله صلى
الله عليه وسلم فان جاءه ما ليس
في كتاب الله ولم يقض فيه رسول
الله صلى الله عليه وسلم فليقض بما
قضى به الصالحون ولا يقل اني
اخاف واني ارى فان الحرام بين و
الحلال بين وبين ذلك امور مشتبهة
فدع ما يريبك الى ما لا يريبك، و
كان ابن عباس اذا سئل عن الامر
فان كان في القرآن اخبر به وان
لم يكن في القرآن وكان عن رسول
الله صلى الله عليه وآله وسلم اخبر
به، وان لم يكن فعن ابي بكر وعمر
فان لم يكن قال فيه برايه، عن ابن
عباس اما تخافون ان تعذبوا او
يخسف بكم ان تقولوا قال رسول
الله صلى الله عليه وآله وسلم وقال
فلان عن قتادة، قال حدث ابن
سيرين رجلا بحديث عن النبي صلى
الله عليه وسلم فقال الرجل قال

تو اس نے کہا کہ فلاں شخص تو ایسا ایسا کہتا ہے، تب ابن سیرین
نے کہا میں تم سے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرتا
ہوں اور تم یہ کہتے ہو فلاں شخص نے ایسا ایسا کہا ہے، اوزاعی
سے روایت ہے کہ عمر بن عبد العزیز نے یہ حکم لکھوایا تھا کہ
کسی کو قرآن میں رائے دینے کا حق نہیں ہے اور ائمہ صرف
انہی امور میں رائے دے سکتے ہیں جن کے بارے میں قرآن
نازل نہ ہوا ہو اور نہ ان کے بارے میں حدیث رسولؐ منقول
ہو، اور جس امر میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت موجود ہے
اس میں بھی کسی کو رائے دینے کا حق نہیں ہے،

اعمش سے روایت ہے کہ ابراہیم کہا کرتے تھے کہ
مقتدی امام کے بائیں جانب کھڑا ہوا کرے، پس میں نے
ان سے حدیث بیان کی کہ سمیع الزیات ابن عباس سے
روایت کرتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ابن عباس کو
اپنے دائیں جانب کھڑا کیا تھا پس ابراہیم نے اس حدیث
کو قبول کر لیا، شعبی سے مروی ہے کہ ایک شخص انکے پاس
ایک مسئلہ دریافت کرنے آیا تو شعبی نے کہا عبد اللہ بن
مسعود اس امر میں یہ فرمایا کرتے تھے، اس نے کہا آپ
مجھکو اپنی رائے بتلایئے تب شعبی نے کہا کیا تم اس شخص
پر تعجب نہیں کرتے، میں عبد اللہ ابن مسعود کی طرف سے
خبر دے رہا ہوں اور وہ مجھ سے میری رائے دریافت کرتا
ہے، اور مجھکو اس سے زیادہ اپنا یہ پسندیدہ ہے، واللہ
مجھکو راگ۔ گانا اچھا معلوم ہوتا ہے اس سے کہ میں اپنی رائے
ظاہر کروں، دارمی نے یہ تمام آثار بیان کئے ہیں،

ترمذی نے ابو السائب سے روایت کی ہے کہ ہم
وکیع کے پاس بیٹھے تھے انہوں نے ایک شخص سے جو
رائے کو دخل دیا کرتا تھا کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
نے اشعار[1] کیا، اور ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ اشعار مثلہ[2] ہے

فلان كذا وكذا، فقال ابن سيرين
احدثك عن النبي صلى الله عليه وسلم
وتقول قال فلان كذا وكذا ـ عن
الاوزاعي قال كتب عمر بن عبد
العزيز انه لا راى لاحد في كتاب
الله وانما راى الائمة فيما لم
ينزل فيه كتاب ولم تمض فيه
سنة من رسول الله صلى الله عليه
وسلم ولا راى لاحد في سنة سنها
رسول الله صلى الله عليه وسلم ـ عن
الاعمش قال كان ابراهيم يقول
يقوم عن يساره، فحدثته عن سميع
الزيات عن ابن عباس ان النبي صلى
الله تعالى عليه وآله وسلم اقامه
عن يمينه فاخذ به عن الشعبي،
جاءه رجل يسئله عن شئ فقال
كان ابن مسعود يقول فيه كذا و
كذا قال اخبرني انت برايك فقال
الا تعجبون من هذا اخبرته عن ابن
مسعود ويسالني عن رائي وديني
عندي آثر من ذلك والله لان
اتغنى باغنية احب الي من ان
اخبرك برائي، اخرج هذه الآثار
كلها الدارمي *

واخرج الترمذي عن ابي السائب
قال كنا عند وكيع فقال الرجل
ممن ينظر في الراي اشعر رسول
الله صلى الله عليه وآله وسلم و
يقول ابو حنيفة هو مثلة؟ قال

---

[1] اونٹ کے کوہان پر زخم کر دینا تاکہ قربانی کا معلوم ہو اور کوئی اس سے متعرض نہ کرے، ۱۲۔ [2] شکل بگاڑنا، اس کی شریعت میں ممانعت ہے، ۱۲

اس شخص نے کہا کہ ابوحنیفہؒ تو ابراہیم نخعی سے روایت
کی ہے کہ اشعار مثلہ ہے، ابوسائب کہتے ہیں کہ میں نے
وکیع کو دیکھا کہ اس شخص پر انہوں نے بہت غصہ کیا اور
کہا میں تجھ سے کہتا ہوں رسولِ خدا نے ایسا فرمایا ہے
اور تو کہتا ہے ابراہیم یہ کہتے ہیں، تو اسی قابل ہے کہ
قید کرو یا جائے اور جب تک اپنے قول سے باز نہ آئے
رہا نہ کیا جائے، عبداللہ بن عباس، عطار، مجاہد، مالک
ابن انس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے وہ کہا کرتے تھے
کہ کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کے قول کو اختیار اور رد
نہ کیا جاسکے بجز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے
قول کے،

حاصل کلام یہ ہے کہ جب علمار نے فقہ کو ان
قواعد پر مرتب کیا تو ان مسائل میں سے جن میں قدمار
نے کلام کیا تھا اور وہ جو ان کے زمانہ میں واقع ہوئے
تھے کوئی مسئلہ ایسا نہ تھا جس کے متعلق کوئی حدیث
مرفوع متصل یا مرسل یا موقوف، صحیح یا حسن یا قابلِ
اعتبار انہوں نے نہ پائی ہو، یا اس مسئلہ کے متعلق
شیخین یا دیگر خلفار، وقضاۃ امصار اور فقہائے
بلاد کے آثار میں سے کسی اثر کو انہوں نے نہ پایا ہو
یا اس مسئلہ کے متعلق انہوں نے عموم، ایمار
یا اقتضار کے ذریعہ کسی استنباط کو نہ حاصل کیا
ہو، اس طرح پر علمار کے لئے خدا نے سنت
پر عمل کرنا آسان کردیا،

اس زمانہ کے علمار میں سے نہایت عظیم
الشان، زیادہ روایت کرنے والے اور مراتب
حدیث سے زیادہ واقف اور فقہ میں سب سے
زیادہ غائر النظر امام احمد بن محمد بن حنبل تھے،
ان کے بعد اسحٰق بن راہویہ تھے،

اور فقہ کا اس طرح سے مرتب کرنا بہت سی

الرجل فانه قد روي عن ابراهيم النخعي
انه قال الاشعار مثلة قال رأيت
وكيعا غضب غضبا شديدا وقال
اقول لك قال رسول الله صلى الله عليه
وسلم وتقول قال ابراهيم ما احقك
بان تحبس ثم لا تخرج حتى تنزع
عن قولك هذا، وعن عبد الله بن
عباس وعطاء ومجاهد ومالك
ابن انس رضي الله عنهم انهم كانوا
يقولون ما من احد الا وهو ماخوذ
من كلامه ومردود عليه الا رسول
الله صلى الله عليه وسلم، وبالجملة
فلما مهدوا الفقه على هذه القواعد
فلم تكن مسألة من المسائل التي
تكلم فيها من قبلهم والتي وقعت
في زمانهم الا وجدوا فيها حديثا
مرفوعا متصلا او مرسلا او موقوفا
صحيحا او حسنا او صالحا للاعتبار، او
وجدوا اثرا من آثار الشيخين او
سائر الخلفاء وقضاة الامصار
وفقهاء البلدان، او استنبطا
من عموم او ايماء او اقتضاء
فيسر الله لهم العمل بالسنة على
هذا الوجه وكان اعظمهم شانا
واوسعهم رواية واعرفهم
للحديث مرتبة واعمقهم فقها
احمد بن محمد بن حنبل ثم اسحٰق
ابن راهويه، وكان ترتيب الفقه
على هذا الوجه يتوقف على جمع شيء

احادیث اور آثار پر موقوف تھا یہانتک کہ امام احمد
سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص کے لئے ایک لاکھ
احادیث کافی ہوسکتی ہیں تاکہ وہ فتوٰی دینے کے قابل ہوسکے،
انہوں نے کہا اتنی کافی نہیں ہیں، پھر کہا گیا کہ پانچ لاکھ
ہوں تو فتوٰی دے سکتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا
مجھکو امید ہے کہ اتنی کفایت کرسکیں، غایت المنتہی میں
یہ مذکور ہے۔ امام احمد کی مراد یہی ہے کہ فتوٰی دینے
کے لئے اتنی حدیثیں کافی ہیں،

اس کے بعد خدا تعالے نے ایک دوسرے زمانہ کی
پیدائش کی انہوں نے اپنے اصحاب کو دیکھا کہ انہوں نے
احادیث کے جمع کرنے اور فقہ مرتب کرنے کی تکلیف خود
برداشت کی اس واسطے انہوں نے اور فنون کیجانب
توجہ کی، مثلاً ان صحیح احادیث کو ممیز کردیا جو کبرائے اہل
حدیث کے نزدیک متفق علیہ تھیں، جیسے زید بن ہارون
یحیی بن سعید قطان، احمد، اسحق اور ان کے ہم مرتبہ لوگوں
نے ان کو صحیح مانا تھا، اور مثلاً فقہ کے متعلق ان احادیث
کو جمع کیا جن پر فقہا، امصار اور علما، بلاد اسلامی نے اپنے
اپنے مذاہب کی بنیاد قائم کی تھی، اور مثلاً جو حدیث جس
درجہ کی مستحق تھی اس پر وہی حکم لگایا، اور مثلاً ان شاذ و نادر
احادیث کو جمع کیا جن کو سابقین نے روایت نہ کیا تھا یا
ان کے وہ طرق بیان کئے جن طرق سے متقدمین نے ان کو
بیان نہیں کیا تھا، ان میں وہ احادیث بھی ظاہر ہوئیں جنمیں
اتصال یا علو سند کا وصف تھا یا ان کی روایت فقیہ نے فقیہ سے
کی تھی یا حافظ حدیث نے حافظ حدیث سے کی تھی یا اس کے
علاوہ اور مطالب علمی ان میں مندرج تھے، اس منصب کے
محدثین بخاری، مسلم، ابوداؤد، عبد بن حمید، دارمی، ابن ماجہ،
ابویعلی، ترمذی، نسائی، دارقطنی، حاکم، بیہقی، خطیب، دیلمی،
ابن عبدالبر اور ان کے ہم مرتبہ لوگ ہیں، اور میرے نزدیک ان
سب میں وسیع العلم، سب سے زیادہ نافع مصنف اور مشہور ترین

كثير من الاحاديث والآثار حتى سئل
احمد يكفي الرجل مائة الف حديث
حتى يفتي؟ قال لا حتى قيل خمسمائة
الف حديث قال ارجوا، كذا في غاية
المنتهى، ومراده الافتاء على هذا
الاصل ثم انشأ الله تعالى قرنا
آخر فرأوا اصحابهم قد كفوا مؤنة
جمع الاحاديث وتمهيد الفقه على
اصلهم فتفرغوا لفنون اخرى
كتمييز الحديث الصحيح المجمع
عليه بين كبراء اهل الحديث كزيد
ابن هرون ويحيى بن سعيد القطان
واحمد واسحق واضرابهم، وكجمع
احاديث الفقه التي بني عليها فقهاء
الامصار وعلماء البلدان مذاهبهم
وكالحكم على كل حديث بما يستحقه
وكالشاذة والفاذة من الاحاديث
التي لم يرووها او طرقها التي لم
يخرجوا من جهتها الاوائل مما فيه
اتصال او علو سند او رواية فقيه
عن فقيه او حافظ عن حافظ، ونحو
ذلك من المطالب العلمية، وهؤلاء
هم البخاري ومسلم وابو داود وعبد
ابن حميد والدارمي وابن ماجة و
ابو يعلى والترمذي والنسائي والدار
قطني والحاكم والبيهقي والخطيب و
الديلمي وابن عبد البر وامثالهم،
وكان اوسعهم علما عندي وانفعهم
تصنيفا واشهرهم ذكرا رجال

چار شخص ہیں جن کا زمانہ قریب قریب ہے، سب سے اول
ابو عبد اللہ بخاری ہیں۔ ان کی غرض یہ تھی کہ جس قدر احادیث
صحیح، مستفیض اور متصل ہیں اور احادیث سے جدا کر دی جائیں
اور ان احادیث سے فقہ، سیرت اور تفسیر کو مستنبط کیا جائے،
اس واسطے انہوں نے اپنی جامع صحیح کو تصنیف کیا اور جو شرط
مقرر کی تھی اس کو پورا کیا،

اور ہمیں یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ ایک نیک آدمی نے
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے فرمایا تجھکو
کیا ہو گیا ہے کہ تو محمد بن ادریس کی فقہ میں مشغول ہے اور میری
کتاب کو تو نے چھوڑ دیا ہے۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ
آپ کی کتاب کون سی ہے؟ آپ نے فرمایا صحیح بخاری،
اور مجھ کو اپنی زندگی کی قسم ہے کہ صحیح بخاری کو ایسی شہرت اور
مقبولیت حاصل ہوئی ہے کہ اس سے زیادہ کا قصد
نہیں ہو سکتا۔

اور دوسرے شخص مسلم نیشاپوری ہیں انہوں نے
بھی یہی قصد کیا کہ ان احادیث صحیحہ کو جمع کریں جو محدثین کے
نزدیک متفق علیہ، متصل اور مرفوع ہوں اور ان سے احکام
مستنبط ہو سکیں، اور انہوں نے یہ بھی قصد کیا کہ احادیث کو
قریب الفہم کر دیں اور ان سے مسائل کا استنباط کرنا سہل
ہو جائے اس واسطے انہوں نے نہایت عمدہ ترتیب دی
اور ایک ہی موقع پر ہر حدیث کے تمام طرق کو جمع کر دیا تاکہ
نہایت صراحت کے ساتھ اختلاف متون اور تفرق اسانید
واضح ہو جائے اور انہوں نے تمام مختلف احادیث کو
یکجا کر دیا تاکہ عربی زبان کے واقف کو حدیث سے
اعراض کر کے اور طرف متوجہ ہونے کے لئے کوئی عذر
باقی نہ رہے — اور تیسرے شخص ابو داؤد سجستانی ہیں،
اور ان کا قصد یہی تھا کہ ایسی احادیث یکجا کر دیں جن
سے فقہاء استدلال کرتے ہیں اور جو ان میں مروج ہیں
اور جن کو علماء بلاد نے احکام کی بنیاد قرار دیا ہے،

اربعة متقاربون في العصر،
اولهم ابو عبد الله البخاري و
كان غرضه تجريد الاحاديث الصحاح
المستفيضة المتصلة من غيرها، و
استنباط الفقه والسيرة والتفسير
منها، فصنف جامعه الصحيح ووفى
بما شرط، وبلغنا ان رجلا من
الصالحين راى رسول الله صلى الله عليه
وآله وسلم في منامه وهو يقول
مالك اشتغلت بفقه محمد بن ادريس
وتركت كتابي، قال يا رسول الله وما
كتابك؟ قال صحيح البخاري، ولعمري
انه نال من الشهرة والقبول درجة
لا يرام فوقها۔

وثانيهم مسلم النيسابوري
توخى تجريد الصحاح المجمع عليها بين
المحدثين المتصلة المرفوعة مما
يستنبط منه السنة، واراد تقريبها
الى الاذهان وتسهيل الاستنباط منها
فرتب ترتيبا جيدا وجمع طرق
كل حديث في موضع واحد ليتضح
اختلاف المتون، وتشعب الاسانيد
اصرح ما يكون، وجمع بين المختلفات
فلم يدع لمن له معرفة لسان العرب
عذرا في الاعراض عن السنة الى غيرها

وثالثهم ابو داود السجستاني،
وكان همته جمع الاحاديث التي
استدل بها الفقهاء ودارت فيهم
وبنى عليها الاحكام علماء الامصار،

اس مقصد کے لئے انہوں نے اپنی سنن کو تصنیف کیا
اور اس میں صحیح، حسن اور قابل عمل احادیث کو جمع کیا، ابو
داؤد کہتے ہیں کہ میں نے اپنی کتاب میں کوئی ایسی حدیث
بیان نہیں کی جس کے ترک پر سب کا اتفاق ہو، اور ان میں
سے جو حدیث ضعیف تھی اس کا ضعف بیان کردیا اور جس
حدیث میں کوئی علت تھی اس کو ایسی وجہ کے ساتھ بیان کردیا
جس کو علم حدیث میں خوض کرنے والا خوب سمجھ سکتا ہے اور
ہر حدیث میں اس مسئلہ کو بیان کردیا جس کو کسی عالم نے
اس حدیث سے مستنبط کیا تھا اور جس کو کسی اہل مذہب نے
اختیار کیا تھا اسی لئے غزالی وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ
ابوداؤد کی یہ کتاب مجتہد کے لئے کافی ہے،

اور چوتھے شخص ابو عیسیٰ ترمذی ہیں انہوں نے
شیخین[1] کے طریقہ کو جہاں انہوں نے صاف بیان کیا تھا
اور جس کو انہوں نے مبہم چھوڑا تھا پسندیدہ صورت میں کردیا
اور ہر صاحب مسلک کے مذہب کو بیان کرکے ابوداؤد
کے طریقہ کو بھی اختیار کیا ہے پس دونوں طریقوں کو جمع کیا
اور ان پر صحابہ، تابعین اور فقہاء امصار کے مذاہب کے بیان
کا اضافہ کیا پس ایک جامع کتاب تصنیف کی اور طرق
حدیث کو نہایت بہتر شکل میں مختصر کردیا، ایک طریق کو ذکر کرکے
دوسرے طرق کی طرف اشارہ کیا اور ہر حدیث کا حال بیان
کردیا کہ وہ صحیح ہے یا حسن ہے، ضعیف ہے یا منکر ہے، اور
ضعف کی وجہ بھی ظاہر کردی تاکہ طالب حدیث کو پوری
بصیرت حاصل ہوجائے اور قابل اعتماد احادیث کو دیگر
احادیث سے تمیز کرسکے، اور یہ بھی ذکر کردیا کہ فلاں حدیث
شائع یا غریب ہے، مذاہب صحابہ و فقہاء بلاد کو
بھی نقل کردیا اور جس شخص کے نام معلوم کرنے
کی ضرورت تھی اس کا نام بتادیا اور جس کی کنیت کی ضرورت
تھی اس کی کنیت بتادی اور اہل علم کے لئے کوئی امر

فصنف سننه وجمع فيها الصحيح و
الحسن واللين والصالح للعمل، قال
ابوداؤد ما ذكرت في كتابي حديثا
اجمع الناس على تركه، وما كان
منها ضعيفا صرح بضعفه، وما
كان فيه علة بينها بوجه يعرفه
الخائض في هذا الشان، وترجم على
كل حديث بما قد استنبط منه عالم
وذهب اليه ذاهب، ولذلك صرح
الغزالي وغيره بان كتابه كاف
للمجتهد.

ورابعهم هو ابو عيسى الترمذي
وكانه استحسن طريقة الشيخين
حيث بينا وما ابهما، وطريقة ابي
داؤد حيث جمع كل ما ذهب اليه
ذاهب، فجمع كلتا الطريقتين وزاد
عليهما بيان مذاهب الصحابة و
التابعين وفقهاء الامصار، فجمع
كتابا جامعا واختصر طرق الحديث
اختصارا لطيفا، فذكر واحدا واوما الى
ما عداه، وبين امر كل حديث من
انه صحيح او حسن او ضعيف او منكر
وبين وجه الضعف ليكون الطالب
على بصيرة من امره، فيعرف ما يصلح
للاعتبار عما دونه، وذكر انه
مستفيض او غريب، وذكر مذاهب
الصحابة وفقهاء الامصار، وسمى
من يحتاج الى التسمية وكنى من يحتاج
الى الكنية، ولم يدع خفاء لمن هو

[1] شیخین سے مراد امام بخاری و مسلم ہیں، ۱۲-

مخفی نہ رکھا اسی واسطے علماء کا قول ہے کہ یہ کتاب مجتہد کو
کافی ہے اور مقلد کو بے نیاز کرنے والی ہے، امام مالک
اور سفیان ثوری کے زمانہ میں اور ان کے بعد کے زمانہ میں
ان محتاط اشخاص کے مقابلہ میں ایسے لوگ بھی تھے جو
مسائل کے بیان کرنے میں کوئی برائی محسوس نہیں کرتے
تھے اور فتویٰ دینے سے خوف نہیں کرتے تھے وہ کہتے تھے
کہ دین کی بنیاد فقہ پر ہی ہے اس واسطے اس کی اشاعت
ضرور ہونی چاہیئے، وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے
حدیث روایت کرنے میں اور آپ تک سلسلۂ روایت
پہنچانے میں خوف محسوس کرتے تھے حتی کہ امام شعبی نے
فرمایا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوا کسی اور کی طرف
نسبت کرنا ہمارے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے، اگر
حدیث میں کوئی کمی بیشی ہوگی تو اسی شخص پر ہوگی، ابراہیم نخعی
کہتے ہیں مجھ کو یہ کہنا اچھا معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ نے کہا
اور علقمہ نے کہا، اور عبداللہ بن مسعود جب نبی صلے اللہ
علیہ وسلم سے کوئی حدیث بیان کرتے تھے تو ان کا چہرہ
بدل جایا کرتا تھا اور فرماتے تھے کہ آں حضرت نے ایسا ہی
یا اس کے مثل فرمایا ہے، اور جس وقت حضرت عمرؓ نے
انصار کی ایک جماعت کو کوفہ روانہ کیا تو ان سے فرمایا تم
کوفہ کو جاتے ہو وہاں تم ایسے لوگوں سے ملو گے جو قرآن
پڑھتے وقت روتے ہیں پس وہ تمہارے پاس آئیں گے اور
کہیں گے محمد رسول اللہ کے صحابہ آئے ہیں وہ تم سے
احادیث دریافت کریں گے تم رسول خدا سے احادیث
کی روایت بہت کم کرنا،

ابن عون کا قول ہے شعبی کے پاس جب کوئی
مسئلہ پیش ہوتا تھا تو وہ بہت احتیاط کرتے تھے اور
ابراہیم خوب بیان کرتے تھے، ان آثار کو دارمی نے
روایت کیا ہے، پس حدیث، فقہ اور مسائل
کو دوسرے طرز پر مدوّن کرنے کی ضرورت واقع ہوئی

من رجال العلماء، ولذلك يقال انه
كاف للمجتهد مغن للمقلد، وكان
بازاء هؤلاء في عصر مالك وسفيان
وبعدهم قوم لا يكرهون المسائل
ولا يهابون الفتيا ويقولون على
الفقه بناء الدين فلا بد من اشاعته
ويهابون رواية حديث رسول الله
صلى الله عليه وسلم والرفع اليه حتى
قال الشعبي على من دون النبي صلى الله
عليه وآله وسلم احب الينا، فان كان
فيه زيادة او نقصان كان على من
دون النبي صلى الله عليه وسلم، وقال
ابراهيم اقول قال عبد الله، وقال
علقمة احب الينا، وكان ابن مسعود
اذا حدث عن رسول الله صلى الله عليه
وآله وسلم تربد وجهه وقال
هكذا او نحوه هكذا او نحوه، وقال
عمر حين بعث رهطا من الانصار
الى الكوفة انكم تاتون الكوفة فتاتون
قوما لهم ازيز بالقرآن فياتونكم
فيقولون قدم اصحاب محمد قدم
اصحاب محمد، فياتونكم فيسالونكم
عن الحديث فاقلوا الرواية على
رسول الله صلى الله عليه وسلم،
قال ابن عون كان الشعبي اذا جاءه
شيء اتقى، وكان ابراهيم يقول ويقول
اخرج هذه الآثار الدارمي، فوقع
تدوين الحديث والفقه والمسائل
من حاجتهم بموقع من وجه اخر،

اور یہ اس واسطے کہ ان کے پاس اتنی احادیث اور آثار نہ تھے جن سے ان اصول کے موافق جن کو اہل حدیث نے پسند کیا ہے استنباطِ فقہ پر قادر ہوتے اور ان کو یہ پسند نہ تھا کہ علماء بلاد کے اقوال میں غور کرتے، ان کو جمع کرتے اور ان سے بحث کرتے بلکہ اس امر میں ان کو متہم سمجھا، اور ان کا اپنے اماموں کے متعلق یہ اعتقاد تھا کہ وہ نہایت درجہ کے محقق ہیں اور ان کے دلوں کا میلان سب سے زیادہ اپنے اصحاب کی طرف ہی تھا، جیسے علقمہ کا قول ہے کہ کوئی صحابی عبداللہ بن مسعود سے زیادہ راسخ العلم نہیں ہے، اور ابوحنیفہ نے کہا تھا ابراہیم سالم سے زیادہ فقیہ ہیں اور اگر صحابی ہونے کی فضیلت نہ ہوتی تو میں یہ بھی کہدیتا کہ علقمہ عبداللہ بن عمر سے زیادہ فقیہ ہیں لیکن ان لوگوں میں فطانت اور سمجھ اور ایک شئی سے دوسری شئی کی طرف ذہن کا سرعتِ انتقال اس درجہ تھا کہ وہ اس کے ذریعہ اپنے اصحاب کے اقوال کے مطابق جواب مسائل کی تخریج بخوبی کرسکتے تھے، اور جس شخص کی پیدائش میں جو چیز ہوتی ہے وہ اس کے لئے سہل ہوجایا کرتی ہے (ہر گروہ اپنے اس طریقہ پر نازاں ہے جو ان کے پاس ہے) اس طرح پر انہوں نے تخریج کے قاعدہ پر فقہ کی ترتیب دی اور وہ یہ کہ ہر ایک اس شخص کی کتاب کو محفوظ رکھتا تھا جو ان کے اصحاب کی زبان اور علماء کے اقوال کا زیادہ واقف اور ترجیح میں جس کی نظر سب سے زیادہ صحیح ہوتی تھی، اس واسطے وہ ہر مسئلہ میں حکم کی وجہ میں غور کرسکتا تھا پس جب کسی عالم سے مسئلہ دریافت کیا جاتا یا اس کو کسی امر کی ضرورت پیش آتی تو وہ اپنے اصحاب کی تصریحات میں غور کرتا جو اس کو محفوظ ہوتی تھیں اگر ان میں جواب ملجاتا تو فبہا ورنہ ان کے عموم کلام کو دیکھتا اور اس مسئلہ کو اس عموم پر جاری کرتا یا کلام کے ضمنی اشارہ کو دیکھتا اور اس سے جواب مسئلہ مستنبط کرلیتا، کبھی بعض کلام میں

وذلك انه لم يكن عندهم من الاحاديث والآثار ما يقدرون به على استنباط الفقه على الاصول التي اختارها اهل الحديث، ولم تنشرح صدورهم للنظر في اقوال علماء البلدان وجمعها والبحث عنها واتهموا انفسهم في ذلك وكانوا اعتقدوا في ائمتهم انهم في الدرجة العليا من التحقيق وكان قلوبهم اميل شئ الى اصحابهم كما قال علقمة هل احد منهم اثبت من عبد الله؟ وقال ابوحنيفة ابراهيم افقه من سالم ولولا فضل الصحبة لقلت علقمة افقه من ابن عمر، وكان عندهم من الفطانة والحدس وسرعة انتقال الذهن من شئ الى شئ ما يقدرون به على تخريج جواب المسائل على اقوال اصحابهم، وكل ميسر لما خلق له، وكل حزب بما لديهم فرحون، فمهدوا الفقه على قاعدة التخريج، وذلك ان يحفظ كل احد كتاب من هو لسان اصحابه واعرفهم باقوال القوم واصحهم نظرا في الترجيح فيتامل في كل مسألة وجه الحكم، فكلما سئل عن شئ او احتاج الى شئ راى فيما يحفظه من تصريحات اصحابه، فان وجد الجواب فبها والا نظر الى عموم كلامهم فاجراه على هذه الصورة، او اشارة ضمنية لكلامهم فاستنبط منها، وربما كان لبعض

کوئی اشارہ یا اقتضاء ہوا کرتا تھا جس سے امر مقصود مفہوم
ہوجایا کرتا تھا، اور کبھی مسئلہ مصرح کی کوئی نظیر ہوتی تھی جس پر
اصل مسئلہ کو حمل کرلیا کرتے تھے اور کبھی وہ حکم مصرح کی علت
میں بتخریج یا بائیسر وحذف غور کرتے تھے اور اس کے
حکم کو غیر مصرح میں ثابت کرتے تھے، اور کبھی کسی عالم
کے دو قول ہوتے تھے کہ اگر ان کو قیاس اقترانی یا شرطی
کی ہیئت پر جمع کرلیتے تو جواب مسئلہ کا اس سے حاصل
ہوجاتا، اور کبھی ان کے کلام میں بعض امور مثال اور تقسیم سے
معلوم ہوتے تھے لیکن ان کی تعریف جامع اور مانع معلوم
نہ تھی اس واسطے وہ فقہاء اہل زبان کی طرف رجوع کرتے
تھے اور اس شئ کے ذاتیات حاصل کرنے میں اور اس کی
جامع مانع تعریف مرتب کرنے میں، اس کے مبہم کو ضبط
کرنے میں، اور اس کے مشکل کو ممیز کردینے میں کوشش
کرتے تھے، اور کبھی ان کے کلام میں دو وجوہ کا احتمال
ہوتا تھا، پس وہ دونوں میں سے ایک کو ترجیح دینے میں
غور کرتے تھے، اور کبھی دلائل کی ادائیگی میں خفا ہوتا ہے
پس یہ فقہاء اس کو صاف صاف بیان کردیتے ہیں، اور
کبھی کبھی بعض اصحاب تخریج نے اپنے ائمہ کے فعل اور
ان کے سکوت وغیرہ سے استدلال کیا ہے، پس ان طرق
مذکورہ کو تخریج کہا جاتا ہے اور اسی کے متعلق کہا جاتا ہے
کہ فلاں شخص نے قول کی اس طرح تخریج کی ہے اور کہا
جاتا ہے کہ فلاں مذہب کے موافق یا فلاں شخص کے قاعدہ
کے موافق یا فلاں شخص کے قول کے موافق مسئلہ کا جواب
اس اس طرح ہے اور ان تخریج کرنے والوں کو مجتہدین
فی المذہب کہا جاتا ہے، اور جس نے یہ کہا ہے
کہ جس نے مبسوط کو یاد کرلیا وہ مجتہد ہے
تو اس سے وہی اجتہاد مراد ہے جو تخریج سے
متعلق ہے اگرچہ ایسے شخص کو روایت کا علم
بالکل نہ ہو اور اس کو ایک حدیث بھی معلوم نہ ہو

الكلام ايماء او اقتضاء يفهم المقصود
وربما كان للمسالة المصرح بها
نظير يحمل عليها، وربما نظروا
في علة الحكم المصرح به بالتخريج
او باليسر والحذف فادار وحكمه
على حكمه على غير المصرح، وربما كان له
كلامان لو اجتمعا على هيأة القياس
الاقتراني او الشرطي انتجا جواب
المسالة، وربما كان في كلامهم ما
هو معلوم بالمثال والقسمة غير
معلوم بالحد الجامع المانع فيرجعون
الى اهل اللسان ويتكلفون في تحصيل
ذاتياته، وترتيب حد جامع مانع
له، وضبط مبهمه وتمييز مشكله و
ربما كان كلامهم محتملا بوجهين
فينظرون في ترجيح احد المحتملين
وربما يكون تقريب الدلائل خفيا
فيبينون ذلك وربما استدل بعض
المخرجين من فعل ائمتهم وسكوتهم
ونحو ذلك، فهذا هو التخريج، ويقال
له القول المخرج لفلان كذا،
ويقال على مذهب فلان او على
اصل فلان او على قول فلان
جواب المسالة كذا وكذا ويقال
لهؤلاء المجتهدون في المذهب
وعنى هذا الاجتهاد على هذا
الاصل من قال من حفظ المبسوط
كان مجتهدا، اى وان لم يكن له
علم برواية اصلا، ولا بحديث

اس طرح ہر ایک مذہب میں تخریج واقع ہوئی اور اس کی کثرت ہوگئی، پس جس مذہب کے لوگ زمانہ میں مشہور ہوگئے اور ان کو عہدہ قضاء و استفتاء ملا اور انکی تصانیف لوگوں میں مشہور ہوئیں اور انہوں نے عام طور پر درس دینا شروع کیا تو وہ مذہب اطراف عالم میں پھیل گیا اور ہمیشہ اس کی شہرت ہوتی رہی اور جس مذہب کے لوگ گمنام رہے اور ان کو منصب قضاء و افتاء نہ ملا اور لوگوں نے ان میں رغبت نہ کی تو وہ چند روز کے بعد نابود ہوگیا ٭

چوتھا باب (۸۴)۔ اس بیان میں کہ چوتھی صدی ہجری سے پہلے اور بعد میں لوگوں کا کیا حال تھا

واضح ہو کہ چوتھی صدی سے پہلے لوگ کسی ایک خاص مذہب کی تقلید پر متفق نہ تھے، ابو طالب مکی نے قوت القلوب میں لکھا ہے کہ کتابیں اور مجموعات، لوگوں کے اقوال بیان کرنا، کسی شخص کے مذہب پر فتوی دینا اور اس کا قول اختیار کرنا اور ہر امر میں اس کا قول نقل کرنا اور اس کے مذہب پر فقہ کی بنیاد قائم کرنا یہ سب نئی باتیں ہیں، قرن اول اور دوم میں پہلے لوگ ان باتوں کے قائل نہیں تھے، انتہی۔ میں کہتا ہوں کہ دونوں قرنوں کے بعد کسی قدر تخریج کا طریقہ پیدا ہوگیا لیکن چوتھی صدی کے لوگ کسی خاص شخص کی تقلید خالص پر متفق نہیں تھے اور نہ کسی خاص شخص کے فقہ کے پابند تھے اور نہ ہر امر میں اسی کے قول کو نقل کرتے تھے جیسا کہ تتبع سے ظاہر ہوتا ہے بلکہ انمیں علماء

واحد فوقع التخريج في كل مذهب وكثر، فاي مذهب كان اصحابه مشهورين وسد اليهم القضاء والافتاء، واشتهر تصانيفهم في الناس ودرسوا درسا ظاهرا انتشر في اقطار الارض ولم يزل ينتشر كل حين، واي مذهب كان اصحابه خاملين، ولم يولوا القضاء والافتاء ولم يرغب فيهم الناس اندرس بعد حين ٭

باب حكاية حال الناس قبل المائة الرابعة وبعدها

اعلم ان الناس كانوا قبل المائة الرابعة غير مجمعين على التقليد الخالص لمذهب واحد بعينه، قال ابو طالب المكي في قوت القلوب ان الكتب والمجموعات محدثة و القول بمقالات الناس والفتيا بمذهب الواحد من الناس واتخاذ قوله و الحكاية له من كل شئ والتفقه على مذهبه لم يكن الناس قديما على ذلك في القرنين الاول والثاني انتهى اقول بعد القرنين حدث فيهم شئ من التخريج غير ان اهل المائة الرابعة لم يكونوا مجتمعين على التقليد الخالص على مذهب واحد والتفقه له والحكاية لقوله كما يظهر من التتبع، بل كان فيهم العلماء و

اور عام لوگ تھے، عام لوگوں کی یہ حالت تھی کہ وہ ان متفقہ
مسائل میں جن میں اہل اسلام یا جمہور مجتہدین کا اختلاف نہ
تھا صاحب شریعت کے سوا کسی اور کی تقلید نہیں کرتے
تھے، وضو، غسل، نماز اور زکوٰۃ وغیرہ کا طریقہ وہ اپنے
باپ دادوں یا شہر کے علماء سے سیکھ لیا کرتے تھے
اور اسی کے موافق عمل کرتے تھے، اور جب کوئی نیا واقعہ
پیش آتا تھا تو بلا تعیین مذہب جو مفتی مل جاتا تھا اس سے
مسئلہ دریافت کرلیا کرتے تھے، اور خاص لوگوں کی یہ
حالت تھی کہ ان میں سے محدثین حدیث میں مصروف
رہتے تھے اس واسطے ان کے پاس نبی صلے اللہ علیہ
وسلم کی احادیث اور صحابہ کے آثار اس قدر موجود تھے کہ ان کو
کسی مسئلہ میں کسی اور چیز کی حاجت نہیں رہتی تھی اور انکے
پاس بہت سی احادیث مستفیضہ یا صحیحہ تھیں جن پر
بعض فقہاء عمل کر چکے تھے اور جن کی وجہ سے تارک
عمل کو کوئی عذر باقی نہ رہا، یا ان کے پاس جمہور صحابہ
اور تابعین سے ایسے اقوال منقولہ موجود تھے جن کی
مخالفت مستحسن معلوم نہیں ہوتی تھی، پس اگر تعارض
نقل اور وجہ ترجیح ظاہر نہ ہونے وغیرہ سے کسی
مسئلہ میں ان کا دل مطمئن نہیں ہوتا تھا تو گزشتہ
فقہاء میں سے کسی کے کلام کی طرف رجوع کرلیا کرتے
تھے اور اگر اس مسئلہ میں فقہاء کے دو قول ان کو ملتے
تھے تو ان میں سے جو زیادہ قابل اعتماد ہوتا
تھا اس کو اختیار کرتے تھے خواہ وہ قول اہل
مدینہ کا ہو یا اہل کوفہ کا ہو،

اور ان خواص میں سے اہل تخریج کی یہ حالت
تھی کہ جس مسئلہ کو وہ مصرح نہیں پاتے تھے
اس میں وہ تخریج کرتے تھے اور مذہب
میں اجتہاد کرتے تھے اور یہ لوگ اپنے
اصحاب کے مذہب کی طرف منسوب ہوا کرتے تھے

والعامة وكان من خبر العامة انهم
كانوا في المسائل الاجماعية التي لا
اختلاف فيها بين المسلمين او جمهور
المجتهدين لا يقلدون الا صاحب
الشرع، وكانوا يتعلمون صفة الوضوء
والغسل والصلاة والزكاة ونحو
ذلك من آبائهم ومعلمي بلدانهم
فيمشون حسب ذلك، واذا وقعت
لهم واقعة استفتوا فيها اي مفت
وجدوا من غير تعيين مذهب،
وكان من خبر الخاصة انه كان
اهل الحديث منهم يشتغلون
بالحديث فيخلص اليهم من احاديث
النبي صلى الله عليه وسلم وآثار
الصحابة ما لا يحتاجون معه الى شئ
آخر في المسألة من حديث مستفيض
او صحيح قد عمل به بعض الفقهاء
ولا عذر لتارك العمل به، او اقوال
متظاهرة لجمهور الصحابة والتابعين
مما لا يحسن مخالفتها فان لم يجد
في المسألة ما يطمئن به قلبه
لتعارض النقل وعدم وضوح الترجيح
ونحو ذلك، رجع الى كلام بعض من
مضى من الفقهاء، فان وجد قولين
اختار اوثقهما سواء كان من اهل
المدينة او من اهل الكوفة، وكان
اهل التخريج منهم يخرجون
فيما لا يجدونه مصرحا ويجتهدون
في المذهب، وكان هؤلاء ينسبون

پس کہا جاتا تھا کہ فلاں شخص شافعی ہے اور فلاں شخص
حنفی ہے، اور اہل حدیث بھی کثرتِ موافقت کی وجہ
سے کبھی کبھی کسی خاص مذہب کی طرف منسوب ہوتے
تھے جیسے نسائی اور بیہقی امام شافعی کی طرف منسوب
ہوتے تھے،

اور سوائے مجتہد کے کسی کو قضاء اور فتوے کی
خدمت نہیں ملتی تھی اور صرف مجتہد ہی کو فقیہ کہتے
تھے، ان قرنوں کے بعد اور لوگ ہوئے جو دائیں بائیں
چلنے لگے اور چند امور ان میں بالکل نئے پیدا ہو گئے،
ازانجملہ علم فقہ کے متعلق ان میں نزاع اور خلاف
پیدا ہو گیا، اس کی تفصیل جیسے کہ امام غزالی نے بیان
کی ہے یہ ہے کہ جب خلفائے راشدین مہدیین کا زمانہ
گذر گیا تو خلافت ان لوگوں کو مل گئی جو اس کے قابل اور
مستحق نہیں تھے اور نہ ہی ان کو فتاویٰ اور احکام دین کا
مستقل علم تھا اس واسطے ان کو فقہاء سے مدد حاصل
کرنے کی اور ہر حال میں ان کو اپنے ساتھ رکھنے کی ضرورت
ہوئی، اور علماء میں سے کچھ ایسے لوگ باقی رہ گئے تھے جو
طرز اول پر قائم تھے اور صاف دین کے پابند تھے پس
جب یہ امراء ان کو طلب کرتے تھے تو وہ گریز کرتے تھے
اور خلفاء کی صحبت سے اعراض کرتے تھے تب اس زمانہ
کے لوگوں نے دیکھا کہ علماء کی بڑی عزت ہے اور باوجود
ان کے اعراض کے سلاطین ان پر ٹوٹے پڑتے ہیں تو ان
لوگوں نے اعزاز اور مرتبہ حاصل کرنے کی آرزو میں
نہایت شوق سے علم کی طلب میں توجہ کی پھر تو فقہاء
مطلوب ہونے کے طالب ہو گئے اور سلاطین کی
طرف توجہ نہ کرنے کی وجہ سے جس قدر معزز تھے بعد میں ان کی
طرف التفات کرنے سے اسی قدر ذلیل ہو گئے مگر جس کو
خدا نے توفیق دی وہ اس ذلت سے بچا رہا اور ان لوگوں
سے پہلے لوگ علم کلام میں کتابیں تصنیف کر چکے تھے

الى مذاهب اصحابهم فيقال فلان
شافعي و فلان حنفي، وكان صاحب
الحديث ايضا قد ينسب الى احد
المذاهب لكثرة موافقته له كالنسائي
والبيهقي ينسبان الى الشافعي، فكان
لا يتولى القضاء ولا الافتاء الا مجتهد
ولا يسمى الفقيه الا مجتهدا، ثم
بعد هذه القرون كان ناس آخرين
ذهبوا يمينا وشمالا، وحدث فيهم
امور، منها الجدل والخلاف في علم الفقه
وتفصيله على ما ذكره الغزالي انه لما
انقرض عهد الخلفاء الراشدين
المهديين افضت الخلافة الى قوم
تولوها بغير استحقاق ولا استقلال
بعلم الفتاوى والاحكام، فاضطروا
الى الاستعانة بالفقهاء والى استصحابهم
في جميع احوالهم، وقد كان بقي
من العلماء من هو مستمر على
الطراز الاول وملازم صفو الدين
فكانوا اذا طلبوا هربوا واعرضوا
فرأى اهل تلك الاعصار عز العلماء
واقبال الائمة عليهم مع اعراضهم
فاشرأبوا بطلب العلم توصلا الى
نيل العز ودرك الجاه، فاصبح الفقهاء
بعد ان كانوا مطلوبين طالبين، و
بعد ان كانوا اعزة بالاعراض عن
السلاطين اذلة بالاقبال عليهم الا
من وفقه الله، وقد كان من قبلهم
قد صنف ناس في علم الكلام واكثروا

اوراس فن میں بہت قیل وقال کرچکے تھے اوراعتراضات وجوابات اورمقابلہ وجدل کا طریقہ بیان کرچکے تھے پس اس علم نے ان کے دلوں میں اس وقت تک قرار پایا جب تک وزرا اور سلاطین کی طبیعتیں فقہ میں مناظرہ کی جانب اور مذہب شافعی وابوحنیفہ میں اولویت ظاہر ہونے کی طرف مائل نہ ہوئیں، بعد میں لوگوں نے علم کلام اور علمی فنون کو ترک کردیا اور بالخصوص امام شافعی اورامام ابوحنیفہ کے اختلافی مسائل کی طرف متوجہ ہوگئے اور جو اختلافات امام مالک، سفیان اور احمد بن حنبل وغیرہم کے ساتھ تھے ان میں تساہل کیا اور یہ لوگ سمجھے کہ اس چھان بین سے ان کی غرض شریعت کے دقیق مسائل کا استنبط کرنا اور مذہب کی علتوں کا بیان کرنا اور اصولِ فتاوٰی کی تمہید ہے انہوں نے ان اختلافات میں تصانیف اوراستنباطات بکثرت کیں، اور کئی قسم کے مجادلوں اور تصانیف کو انہوں نے مرتب کیا اور وہ ابتک اسی میں برابر مصروف ہیں ہم نہیں جانتے کہ آئندہ زمانوں میں خداتعالٰے نے کیا مقدر کر رکھا ہے، انتہی حاصلہٗ۔

ازآنجملہ یہ کہ ان کو تقلید پر پورا اطمینان ہوگیا اورآہستہ آہستہ تقلید ان کے سینوں میں سرایت کرتی گئی اور ان کو خبر بھی نہ ہوئی، اس تقلید کا سبب فقہار کا باہم مجادلہ اور مزاحمت ہے، کیونکہ جب ان میں فتوٰی دینے میں مزاحمت واقع ہوئی تو جو شخص فتوٰی دیتا تھا فوراً اس کے فتوے پر اعتراض کئے جاتے تھے اور اس کا رد کیا جاتا تھا، پس سخن کا سلسلہ اس مسئلہ کے بارے میں متقدمین سے کسی شخص کے مصرح قول پر ختم ہوتا تھا،

اور نیز تقلید کا ایک سبب قاضیوں کا ظلم تھا کیونکہ

القال والقيل والايراد والجواب وتمهيد طريق الجدل، فوقع ذلك منهم بموقع من قبل ان كان من الصدور والملوك من مالت نفسه الى المناظرة فى الفقه وبيان الاولى من مذهب الشافعي وابى حنيفة رحمه الله فترك الناس الكلام وفنون العلم واقبلوا على المسائل الخلافية بين الشافعي وابى حنيفة رحمه الله على الخصوص وتساهلوا فى الخلاف مع مالك وسفيان واحمد بن حنبل وغيرهم وزعموا ان اغراضهم استنباط دقائق الشرع وتقرير علل المذهب تمهيد اصول الفتاوى واكثروا فيها التصانيف والاستنباطات ورتبوا فيها انواع المجادلات والتصنيفات وهم مستمرون عليه الى الأن لسنا ندرى ما الذى قدر الله تعالى فيما بعدها من الاعصار انتهى حاصله

ومنها انهم اطمأنوا بالتقليد ودب التقليد فى صدورهم دبيب النمل وهم لا يشعرون، وكان سبب ذلك تزاحم الفقهاء وتجادلهم فيما بينهم فانهم لما وقعت فيهم المزاحمة فى الفتوى كان كل من افتى بشئ نوقض فى فتواه ورد عليه فلم ينقطع الكلام الا بمسير الى تصريح رجل من المتقدمين فى المسألة، وايضا جور القضاة فان القضاة لما جار

اکثرهم ولم یکونوا امناء لم یقبل منهم الا مالا یریب العامة فیه فا یکون شیئا قد قیل من قبل، وایضا جهل رءوس الناس واستفتاء الناس من لا علم له بالحدیث ولا بطریق التخریج کما تری ذلک ظاهرا فی اکثر المتاخرین، وقد نبه علیه ابن الهمام وغیره، وفی ذلک الوقت یسمی غیر المجتهد فقیها، ومنها ان اقبل اکثرهم علی التعمقات فی کل فن فمنهم من زعم انه یؤسس علم اسماء الرجال ومعرفة مراتب الجرح والتعدیل ثم خرج من ذلک الی التاریخ قدیمه وحدیثه، ومنهم من تفحص عن نوادر الاخبار وغرائبها وان دخلت فی حد الموضوع، ومنهم من کثر القیل والقال فی اصول الفقه واستنبط کل لاصحابه قواعد جدلیة فاورد فاستقصی واجاب وتقصی وعرف وقسم فحرر طول الکلام تارة وتارة اخری اختصر، ومنهم من ذهب الی هذا بفرض الصور المستبعدة التی من حقها ان لا یتعرض لها عاقل وبفحص العمومات والایماءات من کلام المخرجین فمن دونهم مما لا یرتضی استماعه عالم ولا جاهل، وفتنة هذا الجدل والخلاف والتعمق قریبة من الفتنة الاولی حین تشاجروا فی الملک

جب اکثر قاضیوں کی طبیعت میں ظلم آگیا اور ان میں امانت نہ رہی تو ان کے فیصلے جب ہی مقبول سمجھے جاتے تھے کہ عام لوگوں کو ان میں اشتباہ باقی نہ رہے اور ان کا پہلے سے کوئی قائل بھی ہو،

اور نیز ایک سبب یہ تھا کہ حکام جاہل تھے اور لوگ ایسے لوگوں سے فتوی لیتے تھے جن کو نہ علم حدیث حاصل تھا اور نہ وہ تخریج کے طریقہ سے واقف تھے جیسا کہ اکثر متأخرین کی ظاہری حالت تم دیکھتے ہو ابن ہمام وغیرہ نے اس پر تنبیہ کی ہے، اس زمانہ میں غیر مجتہد کو بھی فقیہ کہنے لگے تھے،

از انجملہ یہ ہے کہ اکثر لوگ ہر فن کی باریک بینی کی طرف متوجہ ہو گئے، پس ان میں سے بعض نے خیال کیا کہ وہ علم اسماء الرجال کی بنیاد مستحکم کر رہے ہیں اور جرح و تعدیل کے مرتبوں کو معلوم کرتے ہیں، اس کے بعد انھوں نے قدیم اور جدید تاریخ کی طرف توجہ کی اور بعض نے نادر اور غریب خبروں میں تفتیش شروع کی خواہ وہ خبریں موضوع کے درجہ کی ہوں، اور بعض نے اصول فقہ کے متعلق زیادہ گفتگو کی اور ہر ایک نے اپنے اپنے اصحاب کے لئے مناظرہ کے اصول مستنبط کئے پس ان کو مقابل پر پیش کیا اور نہایت درجہ اعتراضات کئے اور انکے جوابات دیئے اور نہایت درجہ چھان بین کی، ہر امر کی تعریف و تقسیم کی، پس کبھی طول کلام کیا اور کبھی اختصار کیا، بعض نے اس میں یہ روش اختیار کی کہ مسائل کی ایسی مستبعد صورتیں فرض کیں جو اس قابل تھیں کہ کوئی عاقل ان کے درپئے نہ ہو اور مخرجین اور ان سے بھی کمتر لوگوں کے کلام سے ایسے عمومات اور ایماءات تفتیش شروع کی جن کا سننا نہ عالم پسند کرتا ہے اور نہ جاہل،

اس جدل و مخالفت اور تعمق کا ضرر اس فتنہ اولی کے قریب قریب تھا جب لوگوں نے ملک میں فساد برپا کئے تھے

اور ہر شخص نے اپنے اپنے ساتھی کی امداد کی تھی، پس جس طرح اس فتنہ وفساد سے انجام کار ظالم حکومت قائم ہوگئی اور نہایت سخت اور تاریک واقعات پیش آئے اسی طرح اس جدل واختلاف سے جہالت، اختلاط، شکوک اور اوہام پیدا ہوگئے جن سے نجات کی امید نہیں ان کے بعد صرف تقلید کے زمانے پیدا ہوتے گئے لوگوں کو حق وباطل میں مخاصمت اور استنباط میں کچھ تمیز نہ رہی فقیہ اس زمانہ میں اس شخص کا نام ہوگیا جو بڑا بکواسی اور زبان دراز ہو، جو فقہار کے قوی وضعیف اقوال بغیر امتیاز کے حفظ کرے اور منہ زوری سے ان کو بیان کرتا جائے اور محدث اس شخص کا نام ہوگیا جو صحیح سقیم حدیثیں شمار کرے اور قصہ گویوں کی طرح زبان زوری سے بیان کرتا جائے، میں یہ بات کلیۃً سب کی نسبت نہیں کہتا ہوں کیونکہ بندگان الٰہی میں سے ایک جماعت ہمیشہ ایسی ہوا کرتی ہے جن کو کوئی رسوا کرنے والا مضرت نہیں پہنچا سکتا اور وہ خدا کی زمین میں اس کی طرف سے حجت ہوتے ہیں اگرچہ ان کی تعداد کم ہی کیوں نہ ہو، اس کے بعد جو زمانہ آتا گیا اس میں فتنہ اور تقلید کی زیادتی ہی ہوتی گئی اور لوگوں کے دلوں سے امانت دور ہوتی گئی حتیٰ کہ امور دین میں خوض کرنا انہوں نے ترک کر دیا اور یہ کہہ کر مطمئن ہو گئے "ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک جماعت پر متفق پایا ہے ہم انہیں کے نشانوں کے پیرو ہیں"، اور خدا تعالےٰ ہی سے شکایت ہے اور اسی سے طلب اعانت ہے، اسی کا سہارا ہے اور اسی پر اعتماد ہے ———،

فصل

اس مقام کے مناسب یہ ہے کہ ان مسائل پر لوگوں کو آگاہ کر دیا جائے کہ جن کے صحراؤں میں افہام بھٹک گئے، قدم لغزش کھا گئے

وانتصر كل رجل لصاحبه فكما اعقبت تلك ملكا عضوضا و وقائع صماء عمياء فكذلك اعقبت هذه جهلا واختلاطا وشكوكا ووهما ما لها من ارجاء فنشأت بعدهم قرون على التقليد الصرف لايميزون الحق من الباطل ولا الجدل عن الاستنباط فالفقيه يومئذ هو الثرثار المتشدق الذى حفظ اقوال الفقهاء قويها وضعيفها من غير تمييز وسردها بشقشقة شدقيه والمحدث من عد الاحاديث صحيحها وسقيمها وهذها كهذ الاسمار بقوة لحييه، ولا اقول ذلك كليا مطردا فان لله طائفة من عباده لايضرهم من خذلهم وهم حجة الله فى ارضه وان قلوا، ولم يات قرن بعد ذلك الا وهو اكثر فتنة واوفر تقليدا واشد انتزاعا للامانة من صدور الرجال حتى اطمانوا بترك الخوض فى امر الدين وبأن يقولوا انا وجدنا اباءنا على امة وانا على اثارهم مقتدون، والى الله المشتكى وهو المستعان وبه الثقة وعليه التكلان

فصل

ومما يناسب هذا المقام التنبيه على مسائل ضلت فى بواديها الافهام، وزلت الاقدام

وطغت الاقلام، منها ان هذه المذاهب
الاربعة المدونة المحررة قد
اجتمعت الامة او من يعتد به
منها على جواز تقليدها الى يومنا
هذا وفي ذلك من المصالح ما لا يخفى
لا سيما في هذه الايام التي قصرت
فيها الهمم جدا واشربت النفوس
الهوى واعجب كل ذي رأي برايه
فما ذهب اليه ابن حزم حيث قال
التقليد حرام ولا يحل لاحد ان
ياخذ قول احد غير رسول الله صلى
الله عليه وسلم بلا برهان لقوله
تعالى اتبعوا ما انزل اليكم من ربكم
ولا تتبعوا من دونه اولياء وقوله
تعالى واذا قيل لهم اتبعوا ما انزل
الله قالوا بل نتبع ما الفينا عليه
اباءنا وقال مادحا لمن لم يقلد
فبشر عبادي الذين يستمعون القول
فيتبعون احسنه اولئك الذين هداهم
الله واولئك هم اولوا الالباب، و
قال تعالى فان تنازعتم في شيء
فردوه الى الله والرسول ان كنتم
تؤمنون بالله واليوم الاخر، فلم
يبح الله تعالى الرد عند التنازع الى
احد دون القرآن والسنة، وحرم
بذلك الرد عند التنازع الى قول
قائل لانه غير القرآن والسنة،
وقد صح اجماع الصحابة كلهم اولهم
عن اخرهم واجماع التابعين اولهم

اور قلموں نے کج روی کی،
ان میں سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ یہ مذاہب اربعہ
جو مدون ہو چکے ہیں اور تحریر میں آچکے ہیں تمام امت یا
وہ لوگ جو اس امت میں قابل اعتبار ہیں سب اس
زمانہ میں ان کی تقلید کے جائز اور درست ہونے پر متفق
ہیں اور اس تقلید میں بہت سی مصلحتیں ہیں جو مخفی نہیں
ہیں خاصکر اس زمانہ میں جس میں لوگ نہایت ہی پست
ہمت ہو گئے ہیں اور ان کے قلوب خواہش نفسانی سے
پُر ہو گئے اور ہر شخص اپنی ہی رائے پر ناز کرنے لگا، پس
ابن حزم نے جو کہا ہے کہ تقلید حرام ہے اور کسی کے لئے
جائز نہیں ہے کہ بجز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے
بلا دلیل کسی کے قول کو اختیار کرے کیونکہ خدا تعالٰے
فرماتا ہے" انہیں امور کا اتباع کرو جو تمہارے رب کی
طرف سے تم پر نازل کئے گئے ہیں اور خدا کے علاوہ اور
مقربین کا اتباع نہ کرو" نیز خدا تعالٰے فرماتا ہے "جب
مشرکین سے کہا جاتا ہے ان احکام کی پیروی کرو جو خدا
تعالٰے نے نازل فرمائے ہیں تو وہ کہتے ہیں 'نہیں' بلکہ ہم تو
انہیں چیزوں کی پیروی کریں گے جن پر ہم نے اپنے باپ
دادوں کو پایا ہے" اور جو لوگ تقلید نہیں کرتے انکی مدح
میں خدا تعالٰے نے فرمایا ہے "میرے ان بندوں کو خوشخبری
سنا دو جو بات کو سنتے ہیں اور جو سب سے اچھی ہوتی ہے اس کا
اتباع کرتے ہیں ایسے ہی لوگوں کو خدا نے ہدایت کی ہے اور وہی
عقل والے ہیں" اور خدا تعالٰے فرماتا ہے" اگر تم کسی بات
میں نزاع کرو تو اس کو خدا اور رسول کی طرف پھیر دو، اگر تم
خدا پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہو" پس خدا تعالٰی نے
نزاع کے وقت بجز قرآن و حدیث کے کسی کی طرف متوجہ
ہونے کو جائز نہیں کیا ہے اور اس آیت کے ذریعہ تنازع کے
وقت کسی شخص کے قول کی طرف رجوع کرنا حرام کر دیا اس لئے
کہ وہ قول قرآن و سنت کے غیر ہے اور تمام صحابہ، تمام تابعین،

اور تمام تبع تابعین کا اتفاق ہو چکا ہے کہ کسی انسان کے قول کی طرف قصد کرنا خواہ وہ اس کے زمانہ کا ہو یا سابق لوگوں میں سے ہو، اور اس کی ہر بات کو تسلیم کرنا ممنوع ہے پس جو شخص امام ابوحنیفہ یا امام مالک یا امام شافعی یا امام احمد رضی اللہ عنہم کے تمام اقوال کی پیروی کرے اور ان میں سے یا ان کے علاوہ میں سے اپنے مقتدا کے قول کے سوا کسی دوسرے کی بات کی پیروی نہ کرے اور قرآن وسنت کے احکام پر اعتماد نہ کرے جب تک کہ وہ ان کو کسی خاص شخص کے قول کی جانب نہ پھیرے تو ایسا شخص خوب سمجھ لے کہ اس نے یقیناً بلاشبہ اول سے آخر تک تمام امت کی مخالفت کی ہے اور وہ کسی سلف کو اور تینوں مبارک زمانوں میں سے کسی شخص کو اپنے ہمراہ نہ پائے گا، پس تحقیق ایسے شخص نے وہ راستہ اختیار کیا ہے جو مومنین کا نہیں ہے، ہم ایسی حالت سے خدا کی پناہ لیتے ہیں ــــ،

اور نیز ان تمام فقہاء نے غیر سلف کی تقلید سے منع کیا ہے پس ایسا شخص جو ان کی تقلید کرتا ہے وہ ان کے بھی خلاف ہے، اور نیز وہ کون شخص ہے جس نے ان لوگوں میں سے کسی کی تقلید کو یا ان کے علاوہ کسی اور کی تقلید کو حضرت عمر بن الخطاب یا حضرت علی بن ابی طالب یا حضرت عبداللہ بن مسعود یا حضرت عبداللہ بن عمر یا حضرت عبداللہ بن عباس یا حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہم کی تقلید سے اولیٰ قرار دیا ہو، پس اگر تقلید جائز ہوتی تو ان صحابہ میں سے ہر شخص بہ نسبت دوسروں کے مقتدا ہونے کے زیادہ قابل ہے، انتہی ــــ،

ابن حزم کی یہ تقریر اس شخص کے حق میں پوری ہو سکتی ......

عن آخرهم وإجماع تابعي التابعين أولهم عن آخرهم على الامتناع، والمنع من أن يقصد منهم أحد إلى قول إنسان منهم أو ممن قبلهم فيأخذه كله فليعلم من أخذ بجميع أقوال أبي حنيفة أو جميع أقوال مالك أو جميع أقوال الشافعي أو جميع أقوال أحمد رضي الله عنهم ولم يترك قول من اتبع منهم أو من غيرهم إلى قول غيره، ولم يعتمد على ما جاء في القرآن والسنة غير صارف ذلك إلى قول إنسان بعينه أنه قد خالف إجماع الأمة كلها أولها عن آخرها بيقين لا إشكال فيه وأنه لا يجد لنفسه سلفا ولا إنسانا في جميع الأعصار المحمودة الثلاثة فقد اتبع غير سبيل المؤمنين نعوذ بالله من هذه المنزلة، وأيضا فإن هؤلاء الفقهاء كلهم قد نهوا عن تقليد غيرهم فقد خالفهم من قلدهم، وأيضا فما الذي جعل رجلا من هؤلاء أو من غيرهم أولى أن يقلد من عمر بن الخطاب أو علي بن أبي طالب أو ابن مسعود أو ابن عمر أو ابن عباس أو عائشة أم المؤمنين رضي الله عنهم فلو ساغ التقليد لكان كل واحد من هؤلاء أحق أن يتبع من غيره انتهى،

إنما يتم فيمن له ضرب من الاجتهاد ولو في مسألة واحدة وفيمن

[illegible]

اور اس شخص کے حق میں ہوسکتی ہے جو صاف طور پر جانتا
ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں امر کا حکم
فرمایا ہے اور فلاں امر سے منع فرمایا ہے اور یہ بھی جانتا
ہے کہ یہ حدیث منسوخ نہیں ہے یا تو اس وجہ سے کہ وہ
اس مسئلہ میں احادیث کا اور مخالف وموافق کے اقوال
کا تتبع کرتا ہے اور وہ کوئی ناسخ نہیں پاتا، اور یا اس وجہ
سے کہ وہ متبحر علماء کی ایک کثیر جماعت کو اس پر عمل
کرتے ہوئے پاتا ہے اور اس کے مخالف کو دیکھتا ہے کہ
حدیث کے مقابلہ میں قیاس یا استنباط وغیرہ سے استدلال کرتا
ہے پس ایسی حالت میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث
کی مخالفت کا سبب بجز نفاق خفی اور حماقت جلی کے
اور کچھ نہیں ہوسکتا اور اسی شئی کی طرف شیخ عزالدین ابن
عبدالسلام نے اشارہ فرمایا ہے، وہ کہتے ہیں نہایت
تعجب کی بات ہے کہ فقہاء مقلدین میں سے بعض
اپنے امام کے ضعف ماخذ سے واقف ہوتا ہے
کیونکہ اس کے ضعف کو دفع کرنے والی کوئی شئی
نہیں ملتی اس کے باوجود وہ اپنے امام کی تقلید ہی کرتا ہے
اور اپنے امام کی تقلید سے وابستگی ہونے کی وجہ سے ان
لوگوں کے مذہب کو ترک کر دیتا ہے جس پر قرآن وحدیث
اور صحیح قیاسات کی شہادت ملتی ہے بلکہ ظاہر قرآن و
حدیث کو رد کرنے کے لئے مختلف حیلے کرتا ہے اور اپنے
مقتدا کی حمایت میں ان میں بعید وباطل تاویلیں کرتا
ہے، اور وہ فرماتے ہیں کہ لوگ ہمیشہ سے بغیر کسی
قید مذہب کے اور سائلین پر بغیر کسی ملامت کے
جس عالم سے بھی ملاقات ہوگئی اس سے مسئلے
دریافت کرتے رہے یہاں تک کہ ان مذاہب
اور متعصب مقلدین کا ظہور ہوا، پس تحقیق ان
میں سے ہر شخص اپنے امام کا مقلد بن کر اس کے
قول کی ایسی پیروی کرتا ہے گویا وہ نبی مرسل ہے،

ظهر عليه ظهورا بينا ان النبي صلى
الله عليه وسلم امر بكذا ونهى عن
كذا وانه ليس بمنسوخ اما بان يتتبع
الاحاديث واقوال المخالف والموافق
في المسألة فلا يجد لها نسخا او بان
يرى جما غفيرا من المتبحرين في
العلم يذهبون اليه ويرى المخالف
له لا يحتج الا بقياس او استنباط او
نحو ذلك فحينئذ لا سبب لمخالفة حديث
النبي صلى الله عليه وسلم الا نفاق
خفي او حمق جلي وهذا هو الذي اشار
اليه الشيخ عزالدين بن عبد السلام
حيث قال ومن العجب العجيب ان
الفقهاء المقلدين يقف احدهم على
ضعف ماخذ امامه بحيث لا يجد
لضعفه مدفعا وهو مع ذلك يقلده
فيه ويترك من شهد الكتاب و
السنة والاقيسة الصحيحة لمذهبهم
جمودا على تقليد امامه بل يتحيل
لدفع ظاهر الكتاب والسنة ويتاولها
بالتاويلات البعيدة الباطلة نضالا
عن مقلده، وقال لم يزل الناس
يسألون من اتفق من العلماء من
غير تقييد لمذهب ولا انكار على
احد من السائلين الى ان ظهرت
هذه المذاهب ومتعصبوها من
المقلدين فان احدهم يتبع امامه
مع بعد مذهبه عن الادلة مقلدا
له فيما قال كانه نبي ارسل، وهذا

باوجودیکہ اس کا مذہب دلائل سے بہت بعید ہے، ایسا کرنا حق اور صواب سے دور ہٹنا ہے جس کو کوئی عقلمند پسند نہیں کرتا، امام ابوشامہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کا فقہ میں شغل ہو اس کو یہی مناسب ہے کہ کسی ایک امام کے مذہب کا پابند نہ ہو اور ہر مسئلہ میں اسی امر کی صحت پر اعتقاد رکھے جو دلالت کتاب اور سنت محکمہ سے زیادہ قریب ہو، اور اس کے لئے یہ امر سہل ہے جبکہ اس نے سابقہ اہم علوم کو منضبط کر لیا ہو، اور اس کو چاہیئے کہ تعصب سے اور متاخرین کے طرق اختلافات میں غور کرنے سے اجتناب کرے کیونکہ یہ امور وقت کو ضائع کرتے ہیں اور صاف طبیعتوں کو مکدر کرتے ہیں، امام شافعیؒ سے بروایت صحیح منقول ہے کہ انہوں نے اپنی اور دوسروں کی تقلید سے منع فرمایا ہے، امام شافعی کے صاحب امام مزنی اپنے مختصر کے شروع میں فرماتے ہیں:- اس کتاب میں میں نے امام شافعی کے علم اور ان کے اقوال کے معانی کو مختصراً بیان کیا ہے تاکہ ان کو اس شخص کے ذہن کے قریب کر دوں جو ان کے معلوم کرنے کا قصد کرتا ہو، اور میں اس کو یہ بھی بتلادوں کہ امام شافعی نے اپنی تقلید اور دوسروں کی تقلید سے منع فرمایا ہے تاکہ آدمی اپنے دین کے لئے ان کے قول میں غور کرے اور اپنے نفس کیلئے احتیاط کرے، یعنی میں اس شخص کو جو امام شافعی کے علم کو حاصل کرنے کا قصد کرے یہ بتاتا ہوں کہ امام شافعی نے اپنی تقلید اور دوسروں کی تقلید سے منع فرمادیا ہے، انتہی ـــ اور نیز ابن حزم کا قول اس شخص کے حق میں درست ہو سکتا ہے جو عامی ہو اور کسی خاص فقیہ کی تقلید یہ سمجھ کر کرتا ہو کہ ایسے شخص سے خطاء کا ہونا ناممکن ہو اور جو کچھ اس نے کہا ہے وہ بالکل صحیح ہے اور اپنے دل میں یہ خیال رکھتا ہے کہ اس کے خلاف دلیل ظاہر ہونے پر بھی میں اس کی تقلید کو ترک نہیں کرونگا، اسی کے متعلق امام ترمذی نے عدی بن حاتم سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا "یہود اور نصاریٰ نے اپنے علماء اور راہبوں کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ اپنا رب قرار دے لیا تھا"

نأى عن الحق وبعد عن الصواب لا يرضى به احد من اولى الالباب، وقال الامام ابو شامة ينبغي لمن يشتغل بالفقه ان لا يقتصر على مذهب امام ويعتقد في كل مسالة صحة ما كان اقرب الى دلالة الكتاب والسنة المحكمة، وذلك سهل عليه اذا كان اتقن معظم العلوم المتقدمة، وليجتنب التعصب والنظر في طرائق الخلاف المتاخرة، فانها مضيعة للزمان ولصفوه مكدرة فقد صح عن الشافعي انه نهى عن تقليده وتقليد غيره، قال صاحبه المزني في اول مختصره اختصرت هذا من علم الشافعي ومن معنى قوله لا قربه على من اراد مع اعلامية نهيه عن تقليده وتقليد غيره لينظر فيه لدينه ويحتاط لنفسه، اى مع اعلامي من اراد علم الشافعي نهى الشافعي عن تقليده وتقليد غيره انتهى، وفيمن يكون عاميا و يقلد رجلا من الفقهاء بعينه يرى انه يمتنع من مثله الخطأ، وان ما قاله هو الصواب البتة، واضمر في قلبه ان لا يترك تقليده، وان ظهر الدليل على خلافه، وذلك ما رواه الترمذي عن عدى بن حاتم انه قال سمعته يعني رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرا اتخذوا احبارهم ورهبانهم اربابا من دون الله قال انهم لم

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" وہ اپنے علماء کی عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ جب وہ کسی چیز کو ان کے لئے حلال کہدیا کرتے تھے تو وہ اس کو حلال سمجھ لیتے تھے اور جب وہ کسی چیز کو اُن کے لئے حرام قرار دیدیا کرتے تو وہ بھی اس کو حرام سمجھ لیتے تھے"۔

اور نیز اس شخص کے حق میں یہ قول درست ہو سکتا ہے جو یہ جائز نہیں سمجھتا کہ کوئی حنفی مثلاً کسی شافعی فقیہ سے فتویٰ دریافت کرے یا اس کے برعکس ہو، اور یہ بھی جائز نہیں سمجھتا کہ حنفی مثلاً کسی شافعی امام کی اقتدا کرے کیونکہ ایسا خیال قرون اولیٰ کے اجماع اور صحابہ و تابعین کے بالکل خلاف ہے، اور ابن حزم کا قول اس شخص کے متعلق نہیں ہو سکتا ہے جو محض نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے قول کا مطیع ہے اور اسی چیز کو وہ حلال یا حرام سمجھتا ہے جس کو اللہ و رسول نے حلال یا حرام کیا ہے، لیکن جبکہ اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول معلوم نہیں تھا اور نہ مختلف حدیثوں کے جمع کرنے کا طریق اس کو معلوم تھا اور نہ ہی آپ کے کلام سے وہ کوئی امر مستنبط کر سکتا تھا تو اس نے کسی رہنما عالم کی پیروی کی، یہ سمجھکر کہ وہ اپنے قول میں درست ہے اور بظاہر سنت رسول کا متبع ہو کر فتویٰ دیتا ہے، پس اگر وہ عالم اس کے اس گمان کے خلاف معلوم ہوا تو اس نے فوراً بغیر اصرار و جدال کے اسکے قول کو ترک کر دیا پس ایسے شخص کو کوئی کیسے برا کہہ سکتا ہے باوجودیکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے فتویٰ دینے اور فتویٰ لینے کا سلسلہ مسلمانوں میں برابر رہا ہے اور اس کے بعد کہ اس کا مقصد وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے اس میں کچھ فرق نہیں ہے کہ کوئی شخص ہمیشہ ایک ہی سے مسئلے پوچھا کرے یا کبھی اس سے دریافت کر لیا کرے اور کبھی کسی دوسرے سے،

اور کس طرح کوئی برا کہہ سکتا ہے حالانکہ ہم کسی فقیہ پر یہ ایمان نہیں لائے کہ خدا تعالیٰ نے فقہ کو بطور وحی اس پر نازل کیا ہے

يكونوا يعبدونهم ولكنهم كانوا اذا احلوا لهم شيئا استحلوه واذا حرموا عليهم شيئا حرموه، وفيمن لا يجوز ان لا يستفتي الحنفي مثلا فقيها شافعيا وبالعكس، ولا يجوز ان يقتدي الحنفي بامام الشافعي مثلا، فان هذا قد خالف اجماع القرون الاولى وناقض الصحابة و التابعين، وليس محله فيمن لا يدين الا بقول النبي صلى الله عليه ولا يعتقد حلالا الا ما احله الله و رسوله ولا حراما الا ما حرمه الله ورسوله لكن لما لم يكن له علم بما قاله النبي صلى الله عليه وسلم و لا بطريق الجمع بين المختلفات من كلامه ولا بطريق الاستنباط من كلامه اتبع عالما راشدا على انه مصيب فيما يقول ويفتي ظاهرا متبع سنة رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فان خالف ما يظنه اقلع من ساعته من غير جدال ولا اصرار، فهذا كيف ينكره احد مع ان الاستفتاء والافتاء لم يزل بين المسلمين من عهد النبي صلى الله عليه وسلم ولا فرق بين ان يستفتي هذا دائما او يستفتي هذا حينا و ذلك حينا بعد ان يكون مجمعا على ما ذكرناه، وكيف لا ولم نؤمن بفقيه ايا كان انه اوحى الله اليه

اورخدا نے اس کی اطاعت ہم پر فرض کر دی ہے اور وہ
بالکل معصوم ہے، پس اگر ہم کسی فقیہ کی تقلید کرتے ہیں
تو یہی سمجھکر کرتے ہیں کہ یہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ
کا عالم ہے اور اس کا قول یا تو قرآن وحدیث کا صریح حکم
ہے یا اس نے کسی طریق استنباط سے قرآن وحدیث سے
اپنے قول کو مستنبط کیا ہے یا اس نے قرائن سے یہ معلوم کیا
ہے کہ شارع نے فلاں صورت میں جو حکم دیا ہے وہ حکم
فلاں علت کی وجہ سے ہے اور علت حکم کی معرفت کا
اس کو خوب یقین ہوگیا تھا اس واسطے اس نے منصوص
پر غیر منصوص کو قیاس کر لیا، گویا وہ فقیہ یہ کہتا ہے کہ میرا
ظن غالب یہ ہے کہ پیغمبر علیہ السلام یہ فرماتے ہیں کہ
جہاں یہ علت پائی جائے گی وہاں یہ حکم پایا جائے گا، اور
مقیس بھی اس عموم میں داخل ہے اس واسطے یہ قول بھی گویا
آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف ہی منسوب ہے،
لیکن اس کے طریق میں امور ظنی شامل ہیں، اور اگر یہ
اعتقاد نہ ہوتا تو مؤمن کسی مجتہد کی پیروی نہ کرتا،
پس اگر ہم کو رسول معصوم کی حدیث بہ سندِ صحیح
معلوم ہو جائے جن کی اطاعت خدا نے ہم پر
فرض کی ہے اور وہ حدیث اس مجتہد کے
مذہب کے خلاف ہے اور اس حدیث کو ترک
کر کے اس تخمینی بات کا ہم اتباع کریں تو ہم سے
زیادہ ظالم کون ہو سکتا ہے۔ اور جس روز رب
العالمین کے سامنے لوگ حاضر ہوں گے تو
ہمارا کیا عذر ہو سکتا ہے،

ان مسائل مشکلہ میں سے ایک امر یہ ہے کہ کلام فقہا پر تخریج
کرنا اور لفظ حدیث کا تتبع کرنا ان دونوں میں سے ہر ایک کیلئے
دین میں مضبوط اصل ہے، ہر زمانہ میں علما محققین ان دونوں پر
عمل کرتے رہے ہیں پس انہیں سے بعض تخریج کیجانب زیادہ
اور لفظ حدیث کے تتبع کی طرف کم التفات کرتے ہیں، اور بعض

الفقه وفرض علينا طاعته وانه
معصوم، فان اقتدينا بواحد منهم
فلذلك لعلمنا بانه عالم بكتاب الله
وسنة رسوله، فلا يخلو قوله اما
ان يكون من صريح الكتاب والسنة او
مستنبطا عنهما بنحو من الاستنباط
او عرف بالقرائن ان الحكم في صورة
ما منوطة بعلة كذا واطمان قلبه
بتلك المعرفة فقاس غير المنصوص
على المنصوص، فكانه يقول ظننت
ان رسول الله صلى الله عليه وسلم
قال كلما وجدت هذه العلة فالحكم
ثمة هكذا والمقيس مندرج في هذا
العموم، فهذا ايضا معزى الى النبي
صلى الله عليه وسلم ولكن في طريقه
ظنون، ولولا ذلك لما قلد مؤمن
مجتهدا، فان بلغنا حديث من
الرسول المعصوم الذي فرض الله
علينا طاعته بسند صالح يدل على
خلاف مذهبه وتركنا حديثه و
اتبعنا ذلك التخمين فمن اظلم منا
وما عذرنا يوم يقوم الناس لرب
العالمين،

ومنها ان التخريج على كلام الفقهاء
وتتبع لفظ الحديث لكل منهما اصل
اصيل في الدين، ولم يزل المحققون
من العلماء في كل عصر ياخذون
بهما، فمنهم من يقل من ذا ويكثر
من ذلك، ومنهم من يكثر من ذا و

تخریج کی طرف کم اور تتبع کیجانب زیادہ اہتمام کرتے ہیں
اس واسطے یہ مناسب نہیں ہے کہ ان میں سے کسی کو بھی
بالکل ترک کر دیا جائے جیسا کہ فریقین کے عام لوگ کرتے
ہیں بلکہ خالص حق یہ ہے کہ ایک کو دوسرے کے ساتھ
مطابق کرنا چاہئے اور ایک کی خرابی دوسرے سے دور کرنا
چاہئے، اور امام حسن بصری کے اس قول سے یہی مراد ہے
"قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں تمہارا
طریقہ افراط، تفریط کے درمیان ہے، پس جو شخص اہل حدیث
سے ہو اس کو مناسب ہے کہ اپنے اختیار کردہ قول اور
مذہب کو تابعین میں سے مجتہدین کی رائے پر پیش کرے
اور جو اہل تخریج سے ہو اس کو مناسب ہے کہ وہ ایسا طریقہ
اختیار کرے جس سے صریح اور صحیح احادیث کی مخالفت
سے بچ سکے، اور جس امر میں حدیث یا کوئی اثر وارد ہو وہاں
حتی المقدور اپنی رائے سے نہ کہے، اور محدث کو مناسب
نہیں ہے کہ ان قواعد میں زیادہ تعمق کرے جو ارباب حدیث
نے مستحکم کئے ہیں اور شارع نے ان کی تصریح نہیں کی ہو
تاکہ اس وجہ سے وہ محدث کسی حدیث یا صحیح قیاس کو رد
کر دے جیسے ان حدیثوں کو رد کر دے جنہیں ارسال یا انقطاع
کا ادنیٰ شائبہ ہے جیسے ابن حزم نے کیا ہے، انہوں نے
تحریم معازف کی حدیث کو اس وجہ سے رد کر دیا کہ بخاری کی
روایت میں انقطاع کا شائبہ تھا حالانکہ وہ حدیث فی نفسہ
متصل اور صحیح ہے کیونکہ ایسے امور کی طرف تعارض کے وقت
رجوع کیا جاتا ہے، اور جیسے محدثین کا قول ہے کہ فلاں شخص
فلاں شخص کی حدیث کا زیادہ حافظ ہے اس وجہ سے محدثین
اس شخص کی حدیث کو دوسرے کی حدیث پر ترجیح دیتے ہیں
گو کہ دوسرے کی حدیث میں ترجیح کی ہزار وجہیں ہوں اور روایت
بالمعنی کے وقت اکثر روایت کرنے والے اس کا اہتمام کرتے
تھے کہ اصل معنی ادا ہو جائیں، وہ ان اعتبارات کا کچھ
لحاظ نہیں کرتے تھے جن کو عربیت میں غور کرنے والے جانتے ہیں

يقل من ذالك، فلا ينبغي ان يهمل امر
واحد منهما بالمرة كما يفعله عامة
الفريقين، وانما الحق البحث ان
يطابق احدهما بالآخر وان يجبر خلل
كل بالآخر، وذلك قول الحسن البصري
سنتكم والله الذي لا اله الا هو، بينهما
بين الغالي والجافي فمن كان من
اهل الحديث ينبغي ان يعرض ما
اختاره، وذهب اليه على رأي المجتهدين
من التابعين، ومن كان من اهل
التخريج ينبغي له ان يجعل من السنن
ما يحترز به من مخالفة الصريح الصحيح
ومن القول برايه فيما فيه حديث
او اثر بقدر الطاقة ولا ينبغي لمحدث
ان يتعمق بالقواعد التي احكمها اصحابها
وليست مما نص عليه الشارع فيرد
به حديثا او قياسا صحيحا كرد ما فيه
ادنى شائبة الارسال والانقطاع كما
فعله ابن حزم، رد حديث تحريم
المعازف لشائبة الانقطاع في رواية
البخاري، على انه في نفسه متصل
صحيح، فان مثله انما يصار اليه
عند التعارض، وكقولهم فلان
احفظ لحديث فلان من غيره، فيرجحون
حديثه على حديث غيره لذلك،
وان كان في الآخر الف وجه من الرجحان
وكان اهتمام جمهور الرواة عند
الرواية بالمعنى برءوس المعاني
دون الاعتبارات التي يعرفها المتعمق في

اس واسطے ان کا "مثلاً فا" یا "واو" سے یا کسی کلمہ کی تقدیم وتاخیر وغیرہ سے استدلال کرنا زیادتی ہے، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دوسرا راوی اس قصہ کو (جو پہلے راوی نے بیان کیا تھا) دوسری عبارت سے بیان کر دیا کرتا ہے اور ایک حرف کے بجائے دوسرا حرف لے آتا ہے اور حق یہی ہے کہ راوی جو حدیث بیان کرتا ہے بظاہر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے اس کے بعد اگر کوئی دوسری حدیث یا کوئی دوسری دلیل ظاہر ہوتی ہے کو اس کی طرف رجوع کرنا ضروری ہو جائے گا، اور اہل تخریج کو یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ ایسے قول کی تخریج کرے جو اس کے اصحاب کے نفس کلام سے حاصل نہیں ہوتا اور نہ ہی اہل عرف اور علمائے لغت اس کلام سے اس قول کو سمجھتے ہیں، اور وہ قول یا تو تخریج مناط پر مبنی ہے اور یا مسئلہ کی نظیر کو مسئلہ پر حمل کرنا ہے جس میں اہل وجوہ کا اختلاف ہے اور ان کی رائیں متعارض ہیں، اور اگر اسکے اصحاب سے اس مسئلہ کے متعلق پوچھا جائے تو کبھی تو وہ کسی مانع کی وجہ سے نظیر کو نظیر پر حمل کرتے ہوں اور کبھی وہ ایسی علت بیان کرتے ہوں جو اس کے خلاف ہو جس کی اس نے تخریج کی ہے، اور تخریج اس لئے جائز ہے کہ وہ بھی فی الحقیقت مجتہد کی تقلید ہے اور یہ تخریج جب ہی مکمل ہوتی ہے کہ مجتہد کے کلام سے مفہوم بھی ہوتی ہو، اور صاحب تخریج کو یہ بھی زیبا نہیں ہے کہ کسی قاعدہ سے جس کا اس نے یا اس کے اصحاب نے استخراج کیا ہے کسی حدیث یا اثر کو جس پر قوم متفق ہے رد کر دے جیسے کہ حدیث مصراۃ کو رد کر دیا ہے اور جیسے کہ ذوی القربیٰ کے حصہ کو ساقط کر دیا ہے اس واسطے کہ اس مستخرج قاعدہ کی رعایت کرنے سے اس حدیث کی رعایت کرنا زیادہ ضروری ہے اور اسی معنی کی طرف امام شافعی نے اشارہ کیا ہے اس لئے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں جب کوئی بات کہوں یا کوئی قاعدہ مقرر کروں اور اس کے بعد میرے قول کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث معلوم ہو

من اهل العربية، فاستدلالهم بنحو الفاء والواو وتقديم كلمة وتاخيرها ونحو ذلك من التعمق، وكثيرا ما يعبر الراوي الاخر عن تلك القصة فياتي مكان ذلك الحرف بحرف اخر، والحق ان كل ما ياتي به الراوي فظاهره انه كلام النبي صلى الله عليه وسلم فان ظهر حديث اخر او دليل اخر وجب المصير اليه، ولا ينبغي لمخرج ان يخرج قولا لا يفيده نفس كلام اصحابه ولا يفهمه منه اهل العرف والعلماء باللغة ويكون بناء على تخريج مناط او حمل نظير المسألة عليها مما يختلف فيه اهل الوجوه وتتعارض الأراء، ولو ان اصحابه سئلوا عن تلك المسألة ربما يحملوا النظير على النظير لمانع، وربما ذكروا علة غير ما خرجه هو وانما جاز التخريج لانه في الحقيقة من تقليد المجتهد ولا يتم الا فيما يفهم من كلامه، ولا ينبغي ان يرد حديثا او اثرا تطابق عليه القوم لقاعدة استخرجها هو او اصحابه كرد حديث المصراة وكاسقاط سهم ذوي القربى، فان رعاية الحديث اوجب من رعاية تلك القاعدة المخرجة والى هذا المعنى اشار الشافعي حيث قال مهما قلت من قول او اصلت من اصل فبلغ عن رسول الله صلى الله عليه واله و

تو صحیح قول وہی ہے جو آں حضرت نے فرمایا،
اور ان مسائل مشکلہ میں سے یہ بھی ہے کہ احکام شرعیہ
معلوم کرنے کے لئے قرآن وحدیث میں تتبع کرنے کے چند
مراتب ہیں، سب سے اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ اس کو بالفعل یا
بقوۃ قریبہ من الفعل اس قدر احکام کی معرفت حاصل ہو
جس سے اکثر واقعات میں مستفتین کا جواب دے سکے
اس طرح سے کہ اس کے جوابات اکثر ہوں ان مسائل سے
جن میں کہ وہ توقف کرتا ہے اور اس معرفت کو اجتہاد کہتے
ہیں، اور یہ استعداد کبھی تو روایات کے جمع کرنے میں
غور وفکر کرنے سے اور روایات شاذہ ونادرہ کا پورا تتبع
کرنے سے حاصل ہوتی ہے جیساکہ احمد بن حنبل نے
اس طرف اشارہ کیا ہے، اور اس کے ساتھ اس کو
مواقع کلام کی معرفت بھی حاصل ہو جو عاقل زبان دان کو
ہوتی ہے، اور اس کے ساتھ مختلفات کے جمع کرنے کا
طریق اور استدلالات کی ترتیب وغیرہا بھی جانتا ہو جو
آثار سلف کے واقف کو ہوا کرتی ہے،

اور یہ استعداد کبھی اس طرح سے حاصل ہوتی ہے
کہ مشائخ فقہ میں سے کسی شیخ کے مذہب کے موافق
طرق تخریج کو خوب مستحکم کرلے اور اس کے ساتھ
احادیث وآثار کے کافی مجموعہ سے بھی واقف ہو جس
سے وہ یہ معلوم کر سکے کہ اس کا قول اجماع کے مخالف
نہیں ہے، اور یہ طریقہ اصحاب تخریج کا ہے،
اور اس تتبع کا اوسط درجہ جو انہی دو طریقوں سے
حاصل ہوتا ہے یہ ہے کہ قرآن واحادیث کا
اس قدر علم حاصل ہو جائے جس کی وجہ سے وہ بڑے
بڑے مسائل فقہیہ متفق علیہا ہیں مع ان کے تفصیلی دلائل
کے معلوم کر سکے، اور بعض مسائل اجتہادیہ کا
ان کے دلائل کے ذریعہ نہایت درجہ علم حاصل
ہو جائے اور بعض اقوال کو بعض پر ترجیح دے سکے

وسلم خلاف ما قلت فالقول ما قاله
صلى الله عليه وسلم، ومنها ان تتبع
الكتاب والآثار لمعرفة الاحكام الشرعية
على مراتب اعلاها ان يحصل له من
معرفة الاحكام بالفعل او بالقوة
القريبة من الفعل ما يتمكن به من
جواب المستفتين في الوقائع غالبا
بحيث يكون جوابه اكثر مما يتوقف
فيه ويخص باسم الاجتهاد وهذا
الاستعداد يحصل تارة بالامعان في
جمع الروايات وتتبع الشاذة والفاذة
منها كما اشار اليه احمد بن حنبل
مع ما لا ينفك منه العاقل العارف
باللغة من معرفة مواقع الكلام،
وصاحب العلم بآثار السلف من
طريق الجمع بين المختلفات وترتيب
الاستدلالات ونحو ذلك وتارة
باحكام طرق التخريج على مذهب
شيخ من مشايخ الفقه مع معرفة
جملة صالحة من السنن والآثار بحيث
يعلم ان قوله لا يخالف الاجماع، و
هذه طريقة اصحاب التخريج و
اوسطها من كلتا الطريقتين ان
يحصل له من معرفة القرآن والسنن
ما يتمكن به من معرفة رءوس
مسائل الفقه المجمع عليها بادلتها
التفصيلية ويحصل له غاية العلم
ببعض المسائل الاجتهادية من ادلتها
وترجيح بعض الاقوال على بعض و

تخریجات کو پڑھ سکے اور صحیح و غلط کو سمجھ سکے گو اس کو
وہ اسباب حاصل نہ ہوں جو مجتہد مطلق کو حاصل ہوتے ہیں
پس ایسے شخص کو دو مذہبوں میں خلط کر دینا جائز ہو جاتا ہے
جبکہ ان دونوں کے دلائل کو خوب سمجھ لے اور یہ معلوم کر لے
کہ اس کا قول ایسے امر میں نہیں ہے جس میں مجتہد کا اجتہاد
نافذ نہیں ہوتا اور نہ اس میں قاضی کا فیصلہ مقبول ہوتا ہے،
اور نہ اس میں مفتیوں کا فتوی جاری ہوتا ہے، اور ایسے
شخص کو یہ بھی مجاز ہوتا ہے کہ بعض ان تخریجات کو ترک
کر دے جن کو سابقین نے خارج کیا تھا جب ان کے
صحیح نہ ہونے کا علم ہو جائے. اسی وجہ سے وہ علماء جو اجتہاد
مطلق کے مدعی نہیں تھے ہمیشہ سے تصانیف کرتے رہے،
ترتیب دیتے رہے، تخریج کرتے رہے اور ترجیح دیتے
رہے اور جبکہ جمہور کے نزدیک اجتہاد متجزی ہوتا ہے اور تخریج متجزی
ہوتی ہے اور مسائل میں مقصود گمان غالب کا حاصل کرنا ہے اور اسی
گمان غالب پر تکلیف کا مدار ہے تو امور بالا میں سے کسی چیز
کو بھی بعید نہیں سمجھا جا سکتا، اور جو لوگ اس سے کم تر درجہ
کے ہیں ان کا مذہب ان مسائل میں جو کثیر الوقوع ہیں وہ ہے
جو انہوں نے اپنے اصحاب، اپنے آباء اور اپنے اہل شہر سے اخذ
کیا ہے. ان مذاہب میں سے جن کا انہوں نے اتباع کیا ہے
اور نادر مسائل میں ان کا مذہب اپنے مفتیوں کے فتوے اور
معاملات میں قاضی کے فیصلے ہیں، اور ہم نے متقدمین و
متاخرین میں سے ہر مذہب کے علماء محققین کو اسی طریق پر
پایا ہے اور ائمہ مذاہب نے اسی کی اپنے اصحاب کو وصیت کی ہے،
یواقیت و جواہر میں ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالے
عنہ سے مروی ہے کہ جو شخص میری دلیل کو نہ جانے
اس کو مناسب نہیں ہے کہ میرے کلام سے فتوی دے
اور جب ابو حنیفہ رضی اللہ تعالے عنہ فتوی دیتے
تھے تو وہ یہ کہدیا کرتے تھے کہ یہ نعمان ابن ثابت کی
یعنی میری رائے ہے،

نقد التخريجات و معرفة الجيد والزيف
وان لم يتكامل له الادوات كما يتكامل
للمجتهد المطلق فيجوز لمثله ان يلفق
من المذهبين اذا عرف دليلهما و
علم ان قوله ليس مما لا ينفذ فيه
اجتهاد المجتهد ولا يقبل فيه قضاء
القاضي ولا يجري فيه فتوى المفتين
وان يترك بعض التخريجات التي
سبق الناس اليها اذا عرف عدم
صحتها ولهذا لم يزل العلماء ممن
لا يدعي الاجتهاد المطلق يصنفون
ويرتبون ويخرجون ويرجحون، واذا
كان الاجتهاد يتجزء عند الجمهور و
التخريج يتجزء وانما المقصود تحصيل
الظن وعليه مدار التكليف فما الذي
يستبعد من ذلك، واما دون ذلك
من الناس فمذهبه فيما يرد عليه كثيرا
ما اخذه عن اصحابه وآبائه واهل
بلده من المذاهب المتبعة، وفي
الوقائع النادرة فتاوى مفتيه، وفي
القضايا ما يحكم القاضي، وعلى هذا
وجدنا محققي العلماء من كل مذهب
قديما وحديثا، وهو الذي وصى به
ائمة المذاهب اصحابهم، وفي اليواقيت
والجواهر انه روي عن ابي حنيفة رضي
الله عنه انه كان يقول لا ينبغي
لمن لم يعرف دليلي ان يفتي بكلامي
وكان رضي الله عنه اذا افتى يقول
هذا رأي النعمان بن ثابت يعني

اور جہاں تک ہم کو قدرت ہوئی اس میں یہ قول بہت
اچھا ہے، اور جو شخص اس سے عمدہ کوئی اور قول پیش کرے تو
وہی زیادہ درست ہے، امام مالک رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے
تھے کہ رسول اللہ علیہ وسلم کے علاوہ ہر ایک کا کلام اختیار
کرنے اور رد کرنے کے قابل ہے،

حاکم اور بیہقی نے امام شافعی رضی اللہ عنہ سے
نقل کیا ہے وہ فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی حدیث
صحیح مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے، اور ایک
روایت میں ہے کہ جب تم میرا کلام حدیث کے
مخالف دیکھو تو حدیث پر عمل کرنا اور میرے کلام
کو دیوار پر مارنا، اور امام شافعی نے ایک روز امام
مزنی سے فرمایا" اے ابراہیم! میری ہر بات میں
تقلید نہ کرنا اور اپنے لئے اس میں غور کرنا کیونکہ یہ
دین ہے،

اور امام شافعی فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کا قول حجت نہیں
ہوسکتا خواہ لوگ کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں، اور
نہ قیاس حجت ہے اور نہ کوئی اور شئی، اور اس مقام
پر اللہ اور اس کے رسول کی طاعت ہی واجب التسلیم
ہے، اور امام احمد رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ
کسی کو خدا اور رسول کے مقابلہ میں گفتگو کی اجازت
نہیں، اور نیز امام احمد نے ایک شخص سے کہا کہ
ہرگز میری تقلید نہ کرنا اور نہ ہرگز امام مالک کی
اور نہ اوزاعی کی اور نہ نخعی کی اور نہ کسی اور کی تقلید کرنا جہاں
سے کتاب وسنت سے انہوں نے احکام اخذ کئے ہیں
وہیں سے اخذ کرنا، اور کسی شخص کو فتویٰ نہیں دینا چاہئے
جبتک کہ شرعی فتووں میں وہ علماء کے اقوال سے واقف
نہ ہو اور ان کے مذاہب کو نہ جانتا ہو، پس اگر اس سے کوئی
مسئلہ دریافت کیا جائے اور اس کو یہ معلوم ہو کہ اس پر

نفسه وهو احسن ما قدرنا عليه
فمن جاء باحسن منه فهو اولى
بالصواب، وكان الامام مالك
رضى الله عنه يقول ما من احد
الا وهو ماخوذ من كلامه ومردود
عليه الا رسول الله صلى الله عليه
وسلم ؟

وروى الحاكم والبيهقي عن
الشافعي رضى الله عنه انه كان
يقول اذا صح الحديث فهو مذهبي
وفي رواية اذا رايتم كلامي يخالف
الحديث فاعملوا بالحديث واضربوا
بكلامي الحائط، وقال يوما للمزني يا
ابراهيم لا تقلدني في كل ما اقول
وانظر في ذلك لنفسك فانه دين،
وكان رضى الله عنه يقول لا حجة
في قول احد دون رسول الله عليه
وسلم وان كثروا ولا في قياس و
لا في شيء وما ثم الا طاعة الله ورسوله
بالتسليم، وكان الامام احمد رضى
الله عنه يقول ليس لاحد مع الله
ورسوله كلام، وقال ايضا لرجل
لا تقلدني ولا تقلدن مالكا ولا
الاوزاعي ولا النخعي ولا غيرهم
وخذ الاحكام من حيث اخذوا من
الكتاب والسنة لا ينبغي لاحد ان
يفتي الا ان يعرف اقاويل العلماء
في الفتاوى الشرعية ويعرف مذاهبهم
فان سئل عن مسالة يعلم ان العلماء

الذين يتخذ مذهبهم قد اتفقوا عليه فلا بأس بأن يقول هذا جائز وهذا لا يجوز ويكون قوله على سبيل الحكاية وان كانت مسألة قد اختلفوا فيها فلا بأس بأن يقول هذا جائز في قول فلان وفي قول فلان لا يجوز وليس له ان يختار فيجيب بقول بعضهم ما لم يعرف حجته، وعن ابي يوسف وزفر وغيرهما رحمهم الله انهم قالوا لا يحل لاحد ان يفتي بقولنا ما لم يعلم من اين قلنا قيل لعصام ابن يوسف رحمه الله انك تكثر الخلاف لابي حنيفة رحمه الله قال لان ابا حنيفة رحمه الله اوتي من الفهم ما لم نؤت فادرك بفهمه ما لم ندرك ولا يسعنا ان نفتي بقوله ما لم نفهم، عن محمد بن الحسن انه سئل متى يحل للرجل ان يفتي؟ قال محمد اذا كان صوابه اكثر من خطئه، عن ابي بكر الاسكاف البلخي انه سئل عن عالم في بلد ليس هنالك اعلم منه هل يسعه ان لا يفتي؟ قال ان كان من اهل الاجتهاد فلا يسعه، قيل كيف يكون من اهل الاجتهاد؟ قال ان يعرف وجوه المسائل ويناظر اقرانه اذا خالفوه، قيل ادنى الشروط للاجتهاد حفظ المبسوط انتهى۔

وفي البحر الرائق عن ابي الليث

ان علماء کا اتفاق ہے جن کا مذہب قبول کیا جاتا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ کہدے کہ یہ امر جائز ہے اور یہ ناجائز ہے اور اس کا بیان نقل کے طور پر ہوگا، اور اگر مسئلہ ایسا ہو جس میں علماء نے اختلاف کیا ہے تو اس کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ یہ فلاں شخص کے قول کے موافق جائز ہے اور فلاں شخص کے قول کے موافق ناجائز ہے، اور اسکو یہ مناسب نہیں ہے کہ خود ایک قول پسند کر کے کسی کے قول کے موافق فتویٰ دیدے جب تک کہ اس کی دلیل کو بخوبی نہ سمجھ لے،

اور امام ابو یوسف و زفر وغیرہ فرماتے ہیں کہ کسی کو جائز نہیں ہے کہ ہمارے قول سے فتویٰ دے جبتک کہ اس کو نہ معلوم ہو جائے کہ ہم نے کہاں سے کہا ہے، عصام ابن یوسف سے کہا گیا کہ آپ اکثر امور میں ابو حنیفہؒ کا خلاف کرتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: اس واسطے کہ ابو حنیفہ کو وہ فہم عطا ہوا تھا جو ہم کو نہیں عطا ہوا، پس وہ اپنے فہم سے وہ بات معلوم کرتے تھے جو ہماری سمجھ میں نہیں آتی، اور ہم کو یہ جائز نہیں ہے کہ بغیر سمجھے ان کے قول کے موافق فتویٰ دیدیں، محمد بن حسن سے کسی نے دریافت کیا کہ آدمی کو فتویٰ دینا کب جائز ہوتا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ جب خطا سے اس کا صواب زیادہ ہو۔ ابو بکر اسکاف بلخی سے مروی ہے کہ کسی نے ان سے پوچھا کہ ایک شہر میں ایک عالم ہے کہ اس سے زیادہ علم والا وہاں اور کوئی نہیں ہے کیا اس کو جائز ہے کہ فتویٰ نہ دے؟ انہوں نے کہا اگر وہ اہل اجتہاد میں سے ہے تو فتویٰ نہ دینا اس کے لئے درست نہیں ہے، پھر دریافت کیا گیا کہ صاحب اجتہاد کیونکر ہوتا ہے؟ فرمایا کہ جب مسائل کے دلائل سے واقف ہو اور اپنے ہم عصروں سے مخالفت کے وقت مناظرہ کر سکے، کہا گیا ہے کہ اجتہاد کی شرطوں میں سے ادنیٰ شرط کتاب مبسوط کا حفظ کرنا ہے، انتہی۔

بحر الرائق میں ابو لیث سے مروی ہے

وہ کہتے ہیں کہ ابو نصر سے ایک مسئلہ کے متعلق دریافت کیا گیا جو ان کے سامنے پیش ہوا تھا، تم کیا کہتے ہو خدا تم پر رحمت کرے تمہارے پاس چار کتابیں ہیں، کتاب ابراہیم بن رستم، خصاف کی روایت سے کتاب ادب القاضی اور کتاب المجرد، اور ہشام کی روایت سے کتاب النوادر، کیا ہم کو ان کتب سے فتوٰی دینا درست ہے یا نہیں، اور یہ سب کتابیں تمہاری نظر میں پسندیدہ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا ہمارے اصحاب سے جو صحیح منقول ہے پس وہ ایسا علم ہے جو محبوب، پسندیدہ، قابل تسلیم ہے لیکن فتوٰی دینا! سو کسی کا بے سمجھے فتوٰی دینا میری رائے میں جائز نہیں اور وہ لوگوں کا بار نہ اٹھائے لیکن اگر وہ مسائل ایسے ہیں جو ہمارے اصحاب سے مشہور، ظاہر اور واضح ہیں، تو ان میں مجھ کو امید ہے کہ ان پر میں اعتماد کروں، نیز بحر الرائق میں ہے کہ اگر کسی نے پچھنے لگائے یا غیبت کی پھر یہ سمجھ کر کہ اس کا روزہ ٹوٹ گیا ہے اس نے کچھ کھا لیا تو اگر اس شخص نے کسی فقیہ سے مسئلہ دریافت نہیں کیا تھا اور نہ اس کو حدیث معلوم ہوئی تھی تب تو اس پر کفارہ واجب ہوگا اس لئے کہ یہ محض جہالت ہے اور وہ دار الاسلام میں کوئی عذر نہیں ہے، اور اگر اس نے کسی فقیہ سے دریافت کیا تھا اور اس نے روزہ توڑنے کا فتوٰی دیا تھا تو اس پر کفارہ واجب نہ ہوگا کیونکہ عامی پر عالم کی تقلید واجب ہے جب اس کے فتوٰی پر اس کا اعتماد ہو اس واسطے وہ اپنے فعل میں معذور ہوگا اگرچہ مفتی نے اپنے فتوٰی دینے میں خطا ہی کی ہو، اور اگر اس نے کسی مفتی سے تو دریافت نہیں کیا لیکن اس کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث معلوم ہوگئی تھی (پچھنے لگانے والا اور جس کے پچھنے لگائے گئے ہیں دونوں کا روزہ ٹوٹ گیا) اور آپکا یہ فرمان معلوم ہوگیا تھا (غیبت سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے)

قال سئل ابو النصر عن مسألة وردت عليه ما تقول رحمك الله وقعت عندك كتب اربعة، كتاب ابراهيم ابن رستم، وادب القاضي عن الخصاف، وكتاب المجرد، وكتاب النوادر من جهة هشام هل يجوز لنا ان نفتي منها اولا وهذه الكتب محمودة عندك؟ فقال ما صح عن اصحابنا فذلك علم محبوب مرغوب فيه مرضي به، واما الفتيا فاني لا ارى لاحد ان يفتي بشئ لا يفهمه ولا يحمل اثقال الناس فان كانت مسائل قد اشتهرت وظهرت وانجلت عن اصحابنا رجوت ان يسع لي الاعتماد عليها، وفيه ايضا لو احتجم او اغتاب فظن انه يفطره ثم اكل ان لم يستفت فقيها ولا بلغه الخبر فعليه الكفارة لانه مجرد جهل وانه ليس بعذر في دار الاسلام وان استفتى فقيها فافتاه لا كفارة عليه لان العامي يجب عليه تقليد العالم اذا كان يعتمد على فتواه فكان معذورا فيما صنع وان كان المفتي مخطئا فيما افتى وان لم يستفت ولكن بلغه الخبر وهو قوله صلى الله عليه وسلم افطر الحاجم والمحجوم، وقوله عليه السلام الغيبة تفطر الصائم و

اور اس شخص کو حدیث کے منسوخ ہونے کا یا اس کی تاویل
کا کچھ علم نہ تھا تو طرفین کے نزدیک اس پر بھی کفارہ نہیں
ہے اس واسطے کہ ظاہر حدیث واجب العمل ہے، لیکن
امام ابو یوسف اس کے خلاف ہیں وہ کہتے ہیں کہ عامی
کو ظاہر حدیث پر عمل نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ اس کو ناسخ و
منسوخ کا علم نہیں ہے، اور اگر کسی شخص نے عورت کو
چھو لیا یا شہوت سے اس کا بوسہ لیا یا سرمہ لگایا پھر یہ
سمجھ کر کہ یہ چیزیں روزہ کو توڑ دیتی ہیں کچھ کھا پی لیا تو اس پر
کفارہ ہے لیکن اگر اس نے کسی فقیہ سے مسئلہ دریافت
کیا تھا اور اس نے روزہ ٹوٹ جانے کا فتویٰ دیا تھا یا
اس امر میں اس کو کوئی حدیث معلوم ہو گئی تھی تو کفارہ نہ ہوگا،
اگر کسی شخص نے زوال سے پہلے روزہ کی نیت کی تھی پھر
اس نے روزہ توڑ دیا تو امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک
اس پر کفارہ واجب نہیں ہے اور صاحبین کا قول اس کے خلاف
ہے، کذا فی المحیط، اور اس سے معلوم ہو گیا کہ عامی کا مذہب
اس کے مفتی کا فتویٰ ہے، اور نیز محیط میں باب قضاء الفوائت
میں ہے کہ اگر کسی عامی کا کوئی مذہب معین نہیں ہے تو جو مفتی
اس کو فتویٰ دے گا وہی اس کا مذہب ہوگا جیسا کہ علماء نے
اس کی تصریح کر دی ہے، پس اگر کسی حنفی نے فتویٰ دیا تو
عصر و مغرب کا وہ اعادہ کرے گا اور اگر کسی شافعی نے فتویٰ
دیا تو وہ عصر و مغرب کا اعادہ نہ کریگا اور اس کی رائے کا
کچھ اعتبار نہ ہوگا، اور اگر وہ کسی سے فتویٰ نہ لے یا وہ کسی
مجتہد کے مذہب پر صحت کو پالے تو یہی اس کو کافی ہوگا،
اور اعادہ کی ضرورت نہ ہوگی، ابن صلاح نے کہا ہے کہ جو
کوئی شافعی المذہب کسی حدیث کو اپنے مذہب کے مخالف
پائے تو اس کو دیکھنا چاہیئے اگر اس شخص کو آلات اجتہاد مطلقاً
یا خاص اسی باب یا مسئلہ میں پورے حاصل ہیں تو اس حدیث پر
وہ مستقل طور پر عمل کر سکتا ہے، اور اگر آلات اجتہاد پوری حاصل
نہیں ہیں اور بحث کرنے کے بعد اس کو حدیث کی مخالفت

لم يعرف النسخ ولا تاويله لا كفارة
عليه عندهما لان ظاهر الحديث يوجب
العمل به خلافا لابي يوسف لانه
ليس للعامي العمل بالحديث لعدم
علمه بالناسخ والمنسوخ ولو لمس
امراة او قبلها بشهوة او اكتحل فظن
ان ذلك يفطر ثم افطر فعليه الكفارة
الا اذا استفتى فقيها فافتاه بالفطر
او بلغه خبر فيه، ولو نوى الصوم
قبل الزوال ثم افطر لم تلزمه الكفارة
عند ابي حنيفة رضي الله عنه خلافا
لهما كذا في المحيط ؛

وقد علم من هذا ان مذهب
العامي فتوى مفتيه، وفيه ايضا
في باب قضاء الفوائت ان كان عاميا
ليس له مذهب معين فمذهبه
فتوى مفتيه كما صرحوا به فان
افتاه حنفي اعاد العصر والمغرب و
ان افتاه شافعي فلا يعيدهما ولا
عبرة برايه وان لم يستفت احدا
او صادف الصحة على مذهب مجتهد
اجزاه ولا اعادة عليه، قال ابن
الصلاح من وجد من الشافعية
حديثا يخالف مذهبه نظر ان
كملت له آلة الاجتهاد مطلقا او في
ذلك الباب او المسالة كان له
الاستقلال بالعمل به وان لم
يكمل وشق مخالفة الحديث بعد
ان يبحث فلم يجد للمخالفة جوابا

شافیا عنه فله العمل به ان کان عمل به امام مستقل غیر الشافعی ویکون هذا عذرا له فی ترك مذهب امامه ههنا وحسنه النووی وقرره،

ومنها ان اکثر صور الاختلاف بین الفقهاء لاسیما فی المسائل التی ظهر فیها اقوال الصحابة فی الجانبین کتکبیرات التشریق، وتکبیرات العیدین، ونکاح المحرم، وتشهد ابن عباس وابن مسعود والاخفاء بالبسملة وبامین والاشفاع والایتار فی الاقامة ونحو ذلك انما هو فی ترجیح احد القولین، وکان السلف لایختلفون فی اصل المشروعیة، وانما کان خلافهم فی اولی الامرین، ونظیره اختلاف القراء فی وجوه القراءة وقد عللوا کثیرا من هذا الباب بان الصحابة مختلفون وانهم جمیعا علی الهدی، ولذلك لم یزل العلماء یجوزون فتاوی المفتین فی المسائل الاجتهادیة ویسلمون قضاء القضاة ویعملون فی بعض الاحیان بخلاف مذهبهم، ولا تری ائمة المذاهب فی هذه المواضع الا وهم یضجعون القول ویبینون الخلاف، یقول احدهم هذا احوط، وهذا هو المختار، وهذا احب الی، ویقول ما بلغنا الا ذلك، وهذا کثیر فی المبسوط، وآثار محمد رحمه الله، وکلام الشافعی رحمه الله، ثم خلف من بعدهم خلف اختصروا

شاق معلوم ہوتی ہے اور مخالفت کے لئے وہ جواب شافی نہیں پاتا تو اس کو اس حدیث پر عمل کرنا درست ہے بشرطیکہ امام شافعی کے علاوہ کسی اور مستقل امام نے اس پر عمل کیا ہو اور اپنے امام کے مذہب ترک کرنے میں یہ بات اس کے لئے عذر معقول شمار ہوگی۔ امام نووی نے اس کو پسند کیا ہے اور اس کا اثبات کیا ہے،

اور مسائلِ مشکلہ میں سے یہ بھی ہے کہ فقہا میں اکثر مختلف فیہ صورتیں بالخصوص وہ مسائل جن میں صحابہ کے اقوال دونوں جانب ظاہر ہوئے ہیں جیسے تکبیراتِ تشریق و تکبیراتِ عیدین، احرام باندھنے والے کا نکاح، عبداللہ بن عباس وعبداللہ بن مسعود کا تشہد، بسم اللہ اور آمین کو اخفا سے پڑھنا، اقامت میں دو دو بار اور ایک ایک بار کلموں کا ادا کرنا وغیر ذالک، سو وہ اختلاف دو قولوں میں سے ایک کی ترجیح میں ہے اور ان مسائل کے جواز میں سلف کو کچھ اختلاف نہ تھا ان کا اختلاف محض اولویت میں تھا، اور اس کی نظیر قراء کا طرق قرأت میں مختلف ہونا ہے، اور ان امور میں اکثر یہ دلیل بیان کرتے ہیں کہ صحابہ ان میں مختلف تھے اور وہ سب راہ راست پر تھے اسی واسطے مسائل اجتہادیہ میں علما ہمیشہ سے مفتیوں کے فتوے کو جائز رکھتے آئے ہیں اور قاضیوں کے فیصلوں کو مانتے آئے ہیں، اور کبھی کبھی اپنے مذہب کے خلاف قول پر بھی انہوں نے عمل کیا ہے، اور ایسے موقعوں میں تم ائمہ مذاہب کو دیکھو گے کہ وہ صاف صاف مخالف قول کو بیان کردیتے ہیں پس کوئی کہتا ہے اس قول میں زیادہ احتیاط ہے یا یہی قول مختار ہے یا یہ قول مجھ کو زیادہ پسند ہے اور بعض کہتے ہیں ہم کو تو یہی قول معلوم ہوا ہے، کتاب مبسوط، آثار محمد رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے کلام میں ایسا بہت ہے،

ان لوگوں کے بعد ناخلف پیدا ہو گئے انہوں نے فقہاء کے قول کا اختصار کیا۔

كلام القوم فقووا الخلاف وثبتوا على مختار ائمتهم، والذى يروى من السلف من تاكيد الاخذ بمذهب اصحابهم وان لا يخرج منها بحال فان ذلك اما لامر جبلى، فان كل انسان يحب ما هو مختار اصحابه وقومه حتى فى الزى والمطاعم اولصولة ناشئة من ملاحظة الدليل او لنحو ذلك من الاسباب، فظن البعض تعصبا دينيا حاشاهم من ذلك وقد كان فى الصحابة والتابعين ومن بعدهم من يقرأ البسملة، ومنهم من لا يقرؤها، ومنهم من يجهر بها، ومنهم من لا يجهر بها وكان منهم من يقنت فى الفجر، ومنهم من لا يقنت فى الفجر، ومن هم من يتوضا من الحجامة والرعاف والقئ، ومنهم من لا يتوضا من ذلك، ومنهم من يتوضا من مس الذكر ومس النساء بشهوة، ومنهم من لا يتوضا من ذلك، ومنهم من يتوضا مما مسته النار، ومنهم من لا يتوضا من ذلك، ومنهم من يتوضا من اكل لحم الابل ومنهم من لا يتوضا من ذلك ؛

ومع هذا فكان بعضهم يصلى خلف بعض مثل ما كان ابوحنيفة او اصحابه والشافعى وغيرهم رضى الله عنهم يصلون خلف ائمة المدينة

اور خلاف پر زیادہ زور دیا اور اپنے اپنے اماموں کے پسندیدہ اقوال پر جم گئے، اور سلف سے جو یہ مروی ہے کہ وہ اپنے اصحاب کے مذہب کی پابندی پر تاکید کرتے ہیں اور کسی حال میں ان سے نکلنا نہیں چاہتے، تو یہ یا تو فطری امر کی وجہ سے ہے اس واسطے کہ ہر شخص اسی بات کو پسند کرتا ہے جس کو اس کے اصحاب پسند کرتے ہیں حتی کہ لباس اور کھانوں میں بھی اس پسندیدگی کا لحاظ ہوتا ہے۔ یا یہ بات کسی قوت کی وجہ سے ہے جو کسی دلیل کے ملاحظہ کرنے سے یا کسی اور سبب کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ بعض لوگوں نے اس کو تعصب دینی سمجھا وہ اس سے بالکل بری ہیں،

صحابہ و تابعین میں اور ان کے بعد کے زمانہ میں بعض ایسے تھے جو نماز میں بسم اللہ پڑھتے تھے اور بعض نہیں پڑھتے تھے، بعض اس کا جہر کرتے تھے اور بعض جہر نہیں کرتے تھے، اور بعض نماز فجر میں دعائے قنوت پڑھتے تھے اور بعض نہیں پڑھتے تھے، بعض پچھنے لگانے، نکسیر اور قی کی وجہ سے وضو کرتے تھے اور بعض وضو نہیں کرتے تھے، بعض مس ذکر اور عورتوں کو خواہش نفسانی کے ساتھ ہاتھ لگانے سے وضو کرتے تھے اور بعض نہیں کرتے تھے۔ بعض لوگ آگ سے پکی ہوئی اشیاء کے تناول سے وضو کرتے تھے اور بعض وضو نہیں کرتے تھے بعض لوگ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کرتے تھے اور بعض نہیں کرتے تھے،

باوجود ان سب امور کے ہر ایک شخص دوسرے کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرتا تھا، مثلاً امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگرد اور امام شافعی وغیرہم رضی اللہ عنہم مدینہ شریف کے مالکی المذہب وغیرہ اماموں کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرتے تھے

اگرچہ وہ بسم اللہ کو نہ آہستہ پڑھتے تھے اور نہ آواز
سے، ہارون رشید نے ایک بار پچھنے لگا کر نماز پڑھائی
اور امام ابو یوسف نے ان کے پیچھے نماز پڑھی اور نماز
کا اعادہ نہیں کیا، اور امام مالک نے ان کو فتویٰ دیا تھا
کہ پچھنے لگانے سے وضوء نہیں ٹوٹتا، اور امام احمد بن
حنبل کے نزدیک نکسیر اور پچھنے لگانے سے وضوء کرنا
چاہیئے، پس کسی نے ان سے پوچھا اگر امام کے جسم سے
خون نکلے اور وہ وضوء نہ کرے تو آپ اس کے پیچھے نماز
پڑھ لیں گے؟ انہوں نے کہا کہ میں امام مالک اور
سعید بن المسیب کے پیچھے کیسے نماز نہیں پڑھوں گا،

اور روایت ہے کہ امام ابو یوسف اور امام محمد
عیدین میں حضرت عبد اللہ بن عباس کی تکبیریں پڑھا
کرتے تھے اس لیئے کہ خلیفہ ہارون رشید کو اپنے دادا
عبد اللہ بن عباس کی تکبیر پسند تھی،

اور ایک مرتبہ امام شافعی نے امام ابو حنیفہ کے
مقبرہ کے قریب صبح کی نماز پڑھی تو ان کے ادب کی وجہ
سے دعائے قنوت کو نہ پڑھا، اور نیز امام شافعی کا قول
ہے کہ ہم کبھی کبھی اہل عراق کے مذہب کی طرف جھک
جاتے ہیں، اور امام مالک نے منصور اور ہارون رشید
سے وہ بات کہی تھی جس کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، اور
فتاویٰ بزازیہ میں امام ثانی یعنی امام ابو یوسف سے
منقول ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ حمام میں غسل کر کے
جمعہ کی نماز پڑھی اور لوگوں کی امامت کی، لوگ نماز پڑھ کر
چلے گئے پھر کسی نے خبر دی کہ حمام کے کنوئیں میں مرا ہوا
چوہا پایا گیا ہے، تب امام صاحب نے فرمایا کہ اب ہم
اپنے بھائیوں اہل مدینہ کے قول پر عمل کرتے ہیں
کہ جب پانی قلتین کی مقدار کو پہنچ جائے تو ناپاک
نہیں ہوتا، انتہی ـــ

امام خجندی رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا کہ ایک شخص شافعی المذہب

من المالكية وغيرهم وان كانوا لا
يقرءون البسملة لا سرا ولا جهرا،
وصلى الرشيد اماما وقد احتجم،
فصلى الامام ابو يوسف خلفه ولم
يعد، وكان افتاه الامام مالك بانه
لا وضوء عليه، وكان الامام احمد
ابن حنبل يرى الوضوء من الرعاف و
الحجامة فقيل له فان كان الامام
قد خرج منه الدم ولم يتوضأ
هل تصلي خلفه؟ فقال كيف لا اصلي
خلف الامام مالك وسعيد بن
المسيب، وروى ان ابا يوسف و
محمدا كانا يكبران في العيدين تكبير
ابن عباس لان هرون الرشيد كان
يحب تكبير جده، وصلى الشافعي
رحمه الله الصبح قريبا من مقبرة
ابي حنيفة رحمه الله فلم يقنت تادبا
معه، وقال ايضا ربما انحدرنا الى
مذهب اهل العراق، وقال مالك
رحمه الله للمنصور وهرون الرشيد
ما ذكرنا عنه سابقا، وفي البزازية
عن الامام الثاني وهو ابو يوسف رحمه
الله انه صلى يوم الجمعة مغتسلا
من الحمام وصلى بالناس وتفرقوا،
ثم اخبر بوجود فارة ميتة في بئر
الحمام فقال اذا ناخذ بقول اخواننا
من اهل المدينة اذا بلغ الماء قلتين
لم يحمل خبثا انتهى، وسئل الامام
الخجندي رحمه الله عن رجل شافعي

نے ایک سال یا دو سال کی نماز ترک کر دی، پھر اس نے ابو حنیفہ کا مذہب اختیار کر لیا تو اس پر کس طرح سے قضاء واجب ہے آیا امام شافعی کے مذہب کے موافق قضاء نماز ادا کرے یا امام ابو حنیفہ کے مذہب کے موافق؟ انہوں نے جواب دیا جس مذہب کے موافق قضاء نماز ادا کریگا نماز جائز ہو جائے گی بشرطیکہ اس کے جواز کا اعتقاد بھی ہو، انتہی —

جامع الفتاوی میں ہے کہ اگر کسی حنفی نے کہا اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو اس پر تین مرتبہ طلاق ہے اس کے بعد اس نے کسی شافعی سے مسئلہ پوچھا اور اس نے جواب دیا کہ اس عورت پر طلاق نہ ہوگی اور اس کی یہ قسم باطل ہے، تو اس مسئلہ میں اس کا امام شافعی کی اقتدا کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اس لئے کہ بہت سے صحابہ ان کی طرف ہیں، امام محمد نے اپنی امالی میں بیان کیا ہے کہ اگر کسی فقیہ نے اپنی بیوی سے کہا کہ تجھ پر قطعی طلاق ہے اور وہ اسکو تین طلاق سمجھتا ہے اس کے بعد کسی قاضی نے حکم کر دیا کہ یہ طلاق رجعی ہے تو اس کو اس عورت کا پاس رکھنا جائز ہے، اسی طرح ہر ایک مسئلہ میں جس کی تحریم یا تحلیل یا اعتاق یا اخذ مال وغیرہ کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے' اس فقیہ کو جس کے خلاف فیصلہ کیا گیا ہے یہی مناسب ہے کہ قاضی کے فیصلہ کو اختیار کرے اور اپنی رائے کو ترک کر دے اور اپنے نفس کو اسی کا پابند کر لے جو قاضی نے اس پر لازم کر دیا ہے اور اسی کی تعمیل کرے جو اس نے دیا ہے، امام محمد رحمہ اللہ نے کہا ہے اسی طرح وہ شخص جو ناواقف ہے کسی حادثہ میں گرفتار ہو جائے اور اس کے متعلق فقہاء سے دریافت کرے اور فقہاء اس میں حلال یا حرام ہونے کا فتویٰ دیں اور مسلمانوں کا قاضی اس کے خلاف فیصلہ کر دے اور وہ مسئلہ بھی ایسا ہے جس میں فقہاء کا اختلاف ہے تو اس شخص کو یہی مناسب ہے کہ قاضی کے فیصلہ کو اختیار کرے اور فقہاء کے فتوے کو ترک کر دے، انتہی ✤

المذهب ترك صلاة سنة او سنتين ثم انتقل الى مذهب ابي حنيفة رحمه الله، كيف يجب عليه القضاء، ايقضيها على مذهب الشافعي او على مذهب ابي حنيفة؟ فقال اى المذهبين قضى بعد ان يعتقد جوازها جاز انتهى

وفي الجامع الفتاوى انه ان قال حنفي ان تزوجت فلانة فهي طالق ثلاثا ثم استفتى شافعيا فاجاب انها لا تطلق ويمينه باطل فلا باس بالاقتداء بالشافعي في هذه المسالة، لان كثيرا من الصحابة في جانبه، قال محمد رحمه الله في اماليه لو ان فقيها قال لامراته انت طالق البتة، وهو ممن يراها ثلاثا ثم قضى عليه قاض بانها رجعية وسعه المقام معها، وكذا كل فصل مما يختلف فيه الفقهاء من تحريم او تحليل او اعتاق او اخذ مال او غيره ينبغي للفقيه المقضي عليه الاخذ بقضاء القاضي، ويدع رايه ويلزم نفسه ما الزم القاضي ويأخذ ما اعطاه، قال محمد رحمه الله وكذلك رجل لا علم له، ابتلى ببلية فسال عنها الفقهاء فافتوه فيها بحلال او حرام وقضى عليه قاضي المسلمين بخلاف ذلك وهي مما يختلف فيه الفقهاء فينبغي له ان ياخذ بقضاء القاضي ويدع ما افتاه الفقهاء انتهى ✤

اور مسائلِ مشکلہ میں سے یہ بھی ہے کہ میں نے بعض
لوگوں کو یہ گمان کرتے پایا ہے کہ جتنے مسائل ان بڑی بڑی شروح
اور فتاوے کی ضخیم کتابوں میں مندرج ہیں وہ تمام امام ابوحنیفہ
اور صاحبین کے اقوال ہیں، اور ایسے لوگ ان قولوں میں جو
تخریج کئے گئے ہیں اور ان قولوں میں جو حقیقی اور اصلی ہیں کچھ
فرق نہیں کرتے اور نہ فقہاء کے اس قول کے معنی سمجھتے ہیں کہ
کرخی کی تخریج کے موافق مسئلہ کا یہ حکم ہے اور طحاوی کی تخریج
کے موافق یہ حکم ہے، اور نہ وہ فقہاء کے اس قول میں کہ
ابوحنیفہ نے ایسا کہا ہے اور ان کے اس قول میں کہ مسئلہ کا جواب
ابوحنیفہ کے مذہب پر یا ابوحنیفہ کے قاعدہ کی بنا پر یہ ہے،
کوئی فرق کرتے ہیں اور نہ وہ ان اقوال کی طرف نظر کرتے ہیں
جو محققین حنفیہ جیسے ابن الہمام اور ابن النجیم نے دہ در دہ مسئلہ میں
اور ایسے ہی تیمم کے بارہ میں پانی سے ایک میل کی دوری شرط
کرنے وغیرہا مسائل میں فرمایا ہے کہ یہ سب امور اصحاب
حنفیہ کی تخریجات ہیں اور حقیقت میں یہ مذہب نہیں ہے
اور بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مذہب کی بنیاد ان
محاورات جدلیہ پر ہے جو مبسوط سرخسی، ہدایہ اور
تبیین وغیرہ کتب میں مذکور ہیں،

اور ان کو یہ معلوم نہیں ہے کہ اول اول ان
باتوں کو فقہاء میں معتزلہ نے ظاہر کیا تھا اور
ان پر ان کے مذہب کی بنیاد نہ تھی، بعد میں
متاخرین نے بھی ذہنوں کو روشن کرنے اور تیز کرنے
کے لئے اچھا سمجھ لیا اور خواہ کسی اور وجہ سے ان کو
پسند کر لیا ہو واللہ اعلم،

اور ایسے ایسے شبہات اور شکوک اکثر
اس بیان سے حل ہو جاتے ہیں جو ہم نے اس
باب میں ذکر کیا ہے ٭

ومنها اني وجدت بعضهم يزعم
ان جميع ما يوجد في هذه الشروح
الطويلة وكتب الفتاوى الضخمة و
هو قول ابي حنيفة وصاحبيه ولا
يفرق بين القول المخرج وبين ما
هو قول في الحقيقة، ولا يحصل معنى
قولهم على تخريج الكرخي كذا، وعلى
تخريج الطحاوي كذا، ولا يميز بين قولهم
قال ابو حنيفة كذا، وبين قولهم
جواب المسألة على مذهب ابي حنيفة
او على اصل ابي حنيفة كذا، ولا يصغى
الى ما قال المحققون من الحنفيين
كابن الهمام وابن النجيم في مسألة
العشر في العشر، ومثله مسألة
اشتراط البعد من الماء ميلا في
التيمم، وامثالهما ان ذلك من
تخريجات الاصحاب وليس مذهبا في
الحقيقة، وبعضهم يزعم ان بناء
المذهب على هذه المحاورات الجدلية
المذكورة في مبسوط السرخسي والهداية
والتبيين ونحو ذلك، ولا يعلم ان
اول من اظهر ذلك فيهم المعتزلة
وليس عليه بناء مذهبهم، ثم
استطاب ذلك المتاخرون توسعا
وتشحيذا لاذهان الطالبين ولو
لغير ذلك والله اعلم، وهذه الشبهات
والشكوك يحل كثير منها مما مهدناه
في هذا الباب ٭

اور مسائل مشکلہ میں سے ایک یہ امر ہے کہ
میں نے بعض لوگوں کو یہ گمان کرتے پایا ہے کہ امام ابوحنیفہ
اور امام شافعی رحمہما اللہ کے درمیان مخالفت کی بنیاد
ان اصول پر ہے جو بزدوی وغیرہ میں مذکور ہیں حالانکہ
حق بات یہ ہے کہ یہ اصول اکثر ان کے اقوال سے خارج
کرلئے گئے ہیں، اور میرے نزدیک یہ مسئلہ کہ خاص ظاہر
ہوتا ہے اور اس کو بیان کی حاجت نہیں ہے اور یہ کہ
زیادتی نسخ ہوتی ہے اور یہ کہ عام بھی خاص کی طرح قطعی
ہوتا ہے اور یہ کہ کثرت رواۃ سے ترجیح نہیں ہوسکتی اور یہ
کہ جب حدیث خلاف قیاس ہو تو ایسے شخص کی روایت
واجب العمل نہیں ہے جو فقیہ نہ ہو، اور یہ کہ شرط اور
وصف کے مفہوم کا کچھ اعتبار نہیں ہوتا، اور یہ کہ امر کا
مقتضی قطعاً وجوب ہے اور ایسے ہی دیگر مسائل ' ایسے
اصول ہیں جو ائمہ کے کلام سے مستخرج اور مستنبط ہیں، اور
امام ابوحنیفہ و صاحبین سے وہ منقول نہیں ہیں اور ان
اصولوں کی محافظت کرنا اور متقدمین کے امور مستنبطہ پر
وارد ہونے اعتراضات کے جواب دینے میں تکلف کرنا
جیساکہ بزدوی وغیرہ نے کیا ہے، ان اصول کے مخالف اصول
کی محافظت اور ان پر اعتراضات وارده کے جواب دینے سے
زیادہ مستحق نہیں ہیں، مثلاً انہوں نے یہ قاعدہ مقرر کیا ہے کہ
خاص ظاہر ہوتا ہے اور اس کو بیان کی حاجت نہیں ہے اور انہوں
نے اس قاعدہ کی تخریج متقدمین کی اس تقریر سے کی ہے جو انہوں
نے آیت "واسجدوا وارکعوا" اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کی اس حدیث میں کی ہے" کہ کسی شخص کی نماز پوری نہیں ہوگی
جب تک کہ وہ اپنی پشت کو رکوع و سجدہ میں درست نہ
کرے گا" اس واسطے کہ متقدمین نماز میں فرضیت
اطمینان کے قائل نہیں ہوئے ہیں اور انہوں
نے حدیث کو آیت کا بیان قرار نہیں دیا
ہے پس ان پر اعتراض وارد ہوا کہ انہوں نے

ومنها اني وجدت بعضهم يزعم
ان بناء الخلاف بين ابي حنيفة والشافعي
رحمهما الله على هذه الاصول المذكورة
في كتاب البزدوي ونحوه، وانما
الحق ان اكثرها اصول مخرجة على
قولهم، وعندي ان المسألة القائلة
بان الخاص مبين ولا يلحقه البيان
وان الزيادة نسخ وان العام قطعي
كالخاص، وان لا ترجيح بكثرة الرواة
وانه لا يجب العمل بحديث غير الفقيه
اذا انسد باب الرأي، وان لا عبرة
بمفهوم الشرط والوصف اصلا وان
موجب الامر هو الوجوب البتة، و
امثال ذلك اصول مخرجة على كلام
الائمة، وانه لا تصح بها رواية عن
ابي حنيفة وصاحبيه، وانه ليست
المحافظة عليها والتكلف في جواب
ما يرد عليها من صنائع المتقدمين
في استنباطاتهم كما يفعله البزدوي
وغيره احق من المحافظة على خلافها
والجواب عما يرد عليه. مثاله انهم
اصلوا ان الخاص مبين فلا يلحقه
البيان، وخرجوه من صنيع الاوائل
في قوله تعالى واسجدوا واركعوا، و
قوله صلى الله عليه وسلم لا تجزي
صلوة الرجل حتى يقيم ظهره في
الركوع والسجود حيث لم يقولوا
بفرضية الاطمئنان ولم يجعلوا
الحديث بيانا للآية فورد عليهم

خدا تعالیٰ کے قول " وامسحوا برؤسکم " میں آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے پیشانی پر مسح کرنے کو بیان قرار دیا، اور
خدا تعالیٰ کے قول " الزانیۃ والزانی فاجلدوا " اور خدا
تعالیٰ کے قول " السارق والسارقۃ فاقطعوا " الآیہ، اور خدا
تعالیٰ کے قول " حتی تنکح زوجا غیرہ " میں اور جو بیانات
بعد میں واقع ہوئے ہیں، پس ان کے جوابات دینے میں انہوں
نے تکلف کیا جیسا کہ وہ ان کی کتابوں میں مذکور ہے، اور
اسی طرح انہوں نے یہ قاعدہ مقرر کیا کہ عام خاص کی طرح قطعی ہوتا
ہے اور انہوں نے متقدمین کے اس عمل سے جو خدا تعالیٰ کے
اس قول " فاقرءوا ما تیسر من القرآن " اور اس حدیث
" لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب " کے بارے میں رہا ہے،
اس قاعدہ کی تخریج کی ہے کیونکہ انہوں نے اس حدیث کو
مذکورہ آیت کے لئے مخصص قرار نہیں دیا ہے اور اس عمل
سے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں کہ " جو
غلہ چشمہ کے پانی سے پیدا ہو اس میں عشر ہے " اور آپ کے
اس قول میں کہ " پانچ اوقیہ سے کم غلہ میں صدقہ نہیں ہے "
کیونکہ انہوں نے حدیث ثانی کو حدیث اول سے مخصوص
قرار نہیں دیا اور اسی طرح کے دیگر مواقع ہیں،

اس کے بعد ان پر یہ اعتراض وارد ہوا کہ خدا تعالیٰ
کا قول " فما استیسر من الھدی " عام ہے اس کو
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے خاص کیا اور
بکری مراد لی ہے، سو اس اعتراض کے جواب دینے
میں ان کو تکلف کرنا پڑا، اور اسی طرح انہوں نے یہ
قاعدہ مقرر کر لیا کہ مفہوم شرط اور مفہوم وصف کا کچھ
اعتبار نہیں، اور انہوں نے اس قاعدہ کی تخریج متقدمین
کے اس عمل سے کی ہے جو ان کا اس آیت کے بارے میں
ہے " فمن لم یستطع منکم طولا " الآیہ۔ پھر ان پر متقدمین
کے عمل کی وجہ سے بہت سے اعتراضات وارد ہوئے مثلاً
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے " چرنے والے اونٹ میں زکوٰۃ ہے "

صنيعهم في قوله تعالى وامسحوا برءوسكم
ومسحه صلى الله عليه وسلم على
ناصيته حيث جعلوه بيانا، وقوله
تعالى الزانية والزاني فاجلدوا، و
قوله تعالى السارق والسارقة
فاقطعوا الآية، وقوله تعالى حتى
تنكح زوجا غيره وما لحقه من
البيان بعد ذلك فتكلفوا للجواب
كما هو مذكور في كتبهم وانهم
اصلوا ان العام قطعي كالخاص، وا
خرجوه من صنيع الاوائل في قوله
تعالى فاقرءوا ما تيسر من القرآن
وقوله صلى الله عليه وسلم لا صلاة
الا بفاتحة الكتاب حيث لم يجعلوه
مخصصا، وفي قوله صلى الله عليه و
سلم فيما سقت العيون العشر
الحديث، وقوله صلى الله عليه وسلم
ليس فيما دون خمسة اواق صدقة
حيث لم يخصوه به ونحو ذلك من
السواد، ثم ورد عليهم قوله تعالى
فما استيسر من الهدى وانما هو
الشاة فما فوقه ببيان النبي صلى الله
عليه وسلم فتكلفوا في الجواب، و
كذلك اصلوا ان لا عبرة بمفهوم الشرط
والوصف وخرجوه من صنيعهم في
قوله تعالى فمن لم يستطع منكم
طولا الآية، ثم ورد عليهم كثير
من صنائعهم كقوله صلى الله عليه و
آله وسلم في الابل السائمة زكاة

پس اس کے جواب میں انہوں نے تکلف کیا ہے اور اسی طرح انہوں نے یہ قاعدہ مقرر کیا کہ سوائے راوی مجتہد کے کسی اور کی حدیث واجب العمل نہ ہوگی جب قیاس اس حدیث کے خلاف ہو اور اس قاعدہ کی تخریج انہوں نے متقدمین کے حدیث مُصرّاۃ کو متروک العمل قرار دینے سے کی ہے، اس کے بعد قہقہہ والی حدیث اور بھول میں کھالینے سے روزہ کے عدم فساد والی حدیث ان کے اس قاعدہ کے خلاف وارد ہوتی تھی سوان کے جواب میں انہوں نے تکلف کیا، اسی قسم کی بہت سی مثالیں ہیں جو غور وخوض کرنے والے پر مخفی نہیں ہیں، اور جو شخص غور وخوض کرے اس کے لئے طول کلام بھی کافی نہیں ہوسکتا چہ جائیکہ اشارہ ہو اور اس امر میں آپ کے لئے بطور دلیل کے محققین کا یہ قول کافی ہے جو اس مسئلہ میں ہے کہ اس شخص کی حدیث واجب العمل نہیں ہے جو ضبط وعدالت میں مشہور ہو اور فقیہ نہ ہو جبکہ وہ حدیث خلاف قیاس ہو جیسے مصراۃ کی حدیث ہے کہ یہ مذہب عیسیٰ بن ابان کا ہے اور متاخرین میں سے کثیر نے اس کو اختیار کیا ہے، امام کرخی اور ان کی اقتدا میں بہت سے علماء کا مذہب یہ ہے کہ قیاس پر حدیث کے مقدم ہونے راوی کا مجتہد ہونا شرط نہیں ہے کیونکہ حدیث کا مرتبہ قیاس سے زیادہ ہے، احناف کہتے ہیں کہ یہ شرط ہمارے اصحاب سے منقول نہیں ہے بلکہ ان سے یہ منقول ہے کہ خبر واحد قیاس پر مقدم ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ انہوں نے ابوہریرہ کی اس حدیث پر عمل کر لیا جو روزہ دار کے بارے میں ہے جب اس نے بھول کر کچھ کھا پی لیا ہو، اگرچہ یہ حدیث قیاس کے خلاف ہے حتیٰ کہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر روایت نہ ہوتی تو میں قیاس سے کہتا، اور تم کو ان کی بہت سی تخریجات میں اختلاف کرنے سے بھی یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ وہ متقدمین کے اقوال سے ان کو حاصل کرتے ہیں اور بعض بعض پر رد کرتا ہے۔

فتكلفوا في الجواب واصلوا انه لا يجب العمل بحديث غير الفقيه اذا انسد به باب الرأي وخرجوه من صنيعهم في ترك حديث المصراة ثم ورد عليهم حديث القهقهة وحديث عدم فساد الصوم بالاكل ناسيا. فتكلفوا في الجواب، وامثال ما ذكرنا كثيرة لا تخفى على المتتبع، ومن لم يتتبع لا تكفيه الاطالة فضلا عن الاشارة، ويكفيك دليلا على هذا قول المحققين في مسألة لا يجب العمل بحديث من اشتهر بالضبط والعدالة دون الفقه اذا انسد باب الرأي كحديث المصراة ان هذا مذهب عيسى بن ابان، واختاره كثير من المتاخرين، وذهب الكرخي وتبعه كثير من العلماء الى عدم اشتراط فقه الراوي لتقدم الخبر على القياس، قالوا لم ينقل هذا القول عن اصحابنا بل المنقول عنهم ان خبر الواحد مقدم على القياس، الا ترى انهم عملوا بخبر ابي هريرة في الصائم اذا اكل او شرب ناسيا وان كان مخالفا للقياس حتى قال ابوحنيفة رحمه الله لولا الرواية لقلت بالقياس ويرشدك ايضا اختلافهم في كثير من التخريجات اخذا من صنائعهم ورد بعضهم على بعض.

ان مسائل مشکلہ میں سے یہ بھی ہے کہ میں نے بعض لوگوں کو پایا ہے کہ ان کا یہ خیال ہے کہ یہاں دو فریق ہیں، کوئی تیسرا فریق نہیں ہے، ایک اہل الظاہر ہیں اور ایک اہل الرائے ہیں، اور ہر وہ شخص جو قیاس و استنباط کرتا ہے وہ اہل الرائے میں سے ہے، واللہ ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ رائے سے مراد نہ تو نفس فہم و عقل ہے اس واسطے کہ یہ ہر عالم میں موجود ہے، اور نہ وہ رائے مراد ہے جس کی سنت پر بالکل بنیاد نہ ہو اس واسطے کہ اس کو تو کوئی مسلمان بھی اپنی طرف منسوب نہ کرے گا اور نہ استنباط و قیاس پر قادر ہونا مراد ہے اس واسطے کہ امام احمد و اسحٰق بلکہ امام شافعی بھی بالاتفاق اہل الرائے میں سے نہ تھے حالانکہ وہ استنباط اور قیاس کرتے تھے، بلکہ اہل الرائے سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان مسائل کے بعد جن پر جمہور مسلمین متفق ہیں متقدمین میں سے کسی کے قول پر تخریج کرنے کی طرف توجہ کی،

پس ان کا اکثر کام یہ ہے کہ وہ بجائے احادیث و آثار میں تتبع کرنے کے ایک نظیر کو دوسری نظیر پر حمل کرتے ہیں اور اصول میں سے کسی اصل کی طرف رجوع کرتے ہیں،

اور ظاہری وہ شخص ہوتا ہے جو نہ قیاس کا قائل ہے اور نہ صحابہ و تابعین کے آثار کا، جیسے داؤد اور ابن حزم ہیں، اور ان دونوں فریق کے درمیان محققین اہلِ سنت ہیں جیسے امام احمد و اسحٰق ــــ،

ہم نے اس مقام میں کلام کو خوب طول دیا ہے حتی کہ جس فن میں ہم نے کتاب لکھنا شروع کی تھی اس سے نکل گئے حالانکہ میری یہ عادت نہیں ہے لیکن دو وجہوں سے ایسا ہوا، ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے

ومنها اني وجدت بعضهم يزعم ان هنالك فرقتين لا ثالث لهما، اهل الظاهر، واهل الرای، وان كل من قاس واستنبط فهو من اهل الرای - كلا والله - بل ليس المراد بالرای نفس الفهم والعقل فان ذلك لا ينفك من احد من العلماء ولا الرای الذی لا يعتمد على سنة اصلا، فانه لا ينتحله مسلم البتة، ولا القدرة على الاستنباط والقياس فان احمد واسحق بل الشافعی ايضا ليسوا من اهل الرای بالاتفاق وهم يستنبطون ويقيسون، بل المراد من اهل الرای قوم توجهوا بعد المسائل المجمع عليها بين المسلمين او بين جمهورهم الى التخريج على اصل رجل من المتقدمين، فكان اكثر امرهم حمل النظير على النظير والرد الى اصل من الاصول دون تتبع الاحاديث والآثار، والظاهری من لا يقول بالقياس ولا بآثار الصحابة والتابعين كداؤد وابن حزم، وبينهما المحققون من اهل السنة كاحمد واسحاق، ولقد اطنبنا الكلام فی هذا المقام غاية الاطناب حتى خرجنا من الفن الذی وضعنا فيه هذا الكتاب، وليس ذلك لی بخلق وديدن، وانما كان ذلك بوجهين احدهما ان الله تعالیٰ

ایک وقت میں میرے قلب میں میزان پیدا کردی جس کی وجہ سے میں ہر اس اختلاف کا سبب پہچان لیتا ہوں جو امت محمدیہ میں واقع ہوا ، اور اس کو بھی پہچان لیتا ہوں جو خدا اور اس کے رسول کے نزدیک حق ہے ، اور خدا نے مجھ کو یہ بھی قدرت دی ہے کہ امر حق کو دلائل عقلیہ و نقلیہ سے اس طرح ثابت کردوں کہ اس میں شبہہ اور اشکال باقی نہ رہے ، پس میں نے ایک کتاب کی تالیف کا ارادہ کیا جس کو میں غایۃ الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف کے نام سے موسوم کروں اور اس میں یہ مطالب بیان شافی کے ساتھ ظاہر کروں اور بہت سے شواہد و امثال و تفریعات ذکر کروں اور اس کے ساتھ ساتھ ہر مقام میں افراط و تفریط کے درمیان میانہ روی اختیار کروں اور جوانب کلام اور اصول مقصود و مرام کا احاطہ کروں ، اس کے بعد اب تک اس کی تصنیف کی مجھکو فرصت نہ ملی لیکن جب کلام ماخذِ اختلاف تک پہنچا تو مجھ کو میرے دلی منصوبہ نے اس میں سے جتنا بھی میسر ہو اس کے بیان کرنے پر آمادہ کیا ،

اور اس اطناب کی دوسری وجہ اس زمانہ کے لوگوں کی شورش ہے اور ان کا اختلاف اور بعض ان امور میں جن کو ہم نے ذکر کیا اندھا ہو جاتا ہے ، یہاں تک کہ قریب ہے کہ ان لوگوں سے لڑ پڑیں جو ان کو اللہ تعالٰے کی آیات پڑھ کر سناتے ہیں ، وربنا الرحمٰن المستعان علیٰ ما یصفون ۔

اور حجۃ اللہ البالغہ کی قسم اول میں جس کلام کے بیان کرنے کا ہم نے قصد کیا تھا یہ اس کا آخر ہے اور سب تعریف اول و آخر ، ظاہر و باطن اللہ ہی کے لئے ہے اس کے بعد انشاء اللہ قسم ثانی آئے گی جس میں ان چیزوں کے معانی کا بیان ہے جو نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے تفصیلاً صادر ہوئی ہیں ۔

جعل فی قلبی وقتا من الاوقات میزانا اعرف به سبب کل اختلاف وقع فی الملة المحمدیة علی صاحبها الصلاة والسلام ، وما هو الحق عند الله وعند رسوله ومکننی من ان اثبت ذلك بالدلائل العقلية والنقلية بحيث لا يبقى فيه شبهة ولا اشكال فعزمت على تاليف كتاب اسميه «غاية الانصاف فی بيان اسباب الاختلاف» ، وابين فيه هذه المطالب بيانا شافيا ، واكثر فيه من ذكر الشواهد والامثال والتفريعات مع المحافظة على الاقتصاد بين الافراط والتفريط فی كل مقام والاحاطة بجوانب الكلام واصول المقصود والمرام ، ثم لم اتفرغ له الى هذا الحين ، فلما انجر الكلام الى ماخذ الاختلاف ، حملنی ما اجد على ان ابين بعض ما تيسر من ذلك ، والثانی شغب اهل الزمان واختلافهم وعمههم فی بعض ما ذكرنا حتى كادوا يسطون بالذين يتلون عليهم ايات الله ، وربنا الرحمٰن المستعان على ما تصفون ۔

وليكن هذا اخر ما اردنا ايراده فی القسم الاول من كتاب حجة الله البالغة فی علم اسرار الحديث والحمد لله اولا واخرا وظاهرا وباطنا ، ويتلوه ان شاء الله تعالى القسم الثانی فی بيان معانی ما جاء عن النبی صلى الله عليه وسلم تفصيلا

حصۂ دوم

نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ تفصیلاً صادر ہوا ہے اس کے اسرار کا بیان

اس مقام پر ان احادیث کا ایک معتد بہ مجموعہ ذکر کرنا مقصود ہے جو احادیث محدثین کے نزدیک معروف ہیں اور اہل علم کے درمیان مشہور ہیں اور جو صحیح بخاری و صحیح مسلم اور سنن ابوداؤد و ترمذی میں مروی ہیں، ان کے سوا اور کتابوں سے جو حدیث بھی میں لایا ہوں اس کا ذکر بالتبع ہے، اور اسی واسطے میں نے ہر حدیث کی نسبت اس کے راوی کی طرف نہیں کی ہے اور کبھی میں نے حاصل معنی یا حدیث کا ٹکڑہ ہی ذکر کردیا ہے اس واسطے کہ طالب کے لئے ان کتابوں کا تتبع کرنا اور ان کی طرف رجوع کرنا آسان ہے ۔

ایمان کی قسموں کا بیان

واضح ہو کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت جبکہ تمام مخلوق کے لئے عام تھی تاکہ تمام ادیان پر آپ کے دین کو غلبہ ہو خواہ اس غلبہ سے کسی معزز کی عزت یا ذلیل کی ذلت ہو اس لئے آپ کے دین میں کئی قسم کے لوگ داخل ہوئے، پس ان میں باہم تمیز کی ضرورت ہوئی کہ کون مسلمان ہیں اور کون نہیں ہیں، پھر ان مسلمانوں میں سے بھی کن لوگوں نے اس ہدایت کو حاصل کیا جس کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم لائے تھے اور کون لوگ ایسے ہیں جن کے دلوں میں ایمان کی تازگی نے سرایت نہیں کیا اس واسطے شارع نے ایمان کی دو قسمیں کیں ایک تو

القسم الثاني

في بيان اسرار ما جاء عن النبي صلى الله عليه وسلم تفصيلاً

والمقصود ههنا ذكر جملة صالحة من الاحاديث المعروفة عند اهلها، السائرة بين حملة العلم، المروية في صحيحي البخاري ومسلم وكتابي ابوداود والترمذي، وقلما اوردت عن غيرها الا استطراداً ولذلك لم اتعرض لنسبة كل حديث لمخرجه، وربما ذكرت حاصل المعنى او طائفة من الحديث، فان هذه الكتب تتيسر مراجعتها وتتبعها على الطالب ۔

من ابواب الايمان

اعلم ان النبي صلى الله عليه وسلم لما كان مبعوثاً الى الخلق بعثاً عاماً ليغلب دينه على الاديان كلها بعز عزيز او ذل ذليل حصل في دينه انواع من الناس فوجب التمييز بين الذين يدينون بدين الاسلام وبين غيرهم ثم بين الذين اهتدوا بالهداية التي بعث بها وبين غيرهم ممن لم تدخل بشاشة الايمان قلوبهم فجعل الايمان على ضربين، احدهما الايمان الذي

وہ جس پر احکام دنیا کا مدار ہے جیسے جان و مال کا محفوظ ہونا
اور اس کا انضباط ایسے امور سے کرنا جن میں فرماں برداری ظاہر
ہوتی ہے، اور وہ یہ ہیں کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا ہے کہ لوگوں سے جہاد کرنے کا مجھکو حکم ہوا ہے
یہاں تک کہ وہ اس بات کی شہادت دیں کہ خدا تعالےٰ
کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں ہے اور محمد اللہ کے
رسول ہیں، اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں، پس جب وہ یہ
کام کریں گے تو بجز حقوق اسلام کے وہ اپنی جان و مال مجھ
سے محفوظ کرلیں گے اور (جو کفر و معاصی پوشیدہ کریں گے)
خدا ان سے حساب لیگا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
"جو ہماری سی نماز پڑھے اور ہمارے قبلہ کو قبلہ سمجھے اور ہمارے ہاتھ
کا ذبیحہ کھائے تو یہ وہ مسلمان ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ اور
اس کے رسول کا معاہدہ ہے پس تم لوگ اللہ تعالیٰ کے معاہدہ
میں خیانت نہ کرنا" اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا "تین چیزیں ایمان کی بنیاد ہیں، جس شخص نے اپنی
زبان سے لا الٰہ الا اللہ کہا ہے نہ تو اس کو تو کسی گناہ کے سبب
کافر قرار دے اور نہ تو کسی عمل کی وجہ سے اس کو اسلام سے خارج
کر" الحدیث۔

اور ایمان کی دوسری قسم وہ ہے جس پر آخرت کا مدار ہے
جیسے نجات اور حصولِ درجات ہے اور وہ تمام عقائد حقہ اعمالِ
صالحہ اور عمدہ ملکہ پر مشتمل ہے، اور اس ایمان میں کمی بیشی ہوسکتی
ہے۔ اور شارع کا یہ دستور ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو
ایمان سے تعبیر کرتا ہے تاکہ ان کے جزء ایمان ہونے پر اچھی
طرح سے تنبیہ ہوجائے اسی واسطے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا ہے "جس میں امانت نہیں اس کا ایمان نہیں اور جس کو عہد
کا پاس نہیں اس کا دین نہیں" اور آپ نے فرمایا "مسلمان
وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامت رہیں"
الحدیث۔ اسی ایمان کی بہت سی شاخیں ہیں،
اور اس کی حالت درخت کی سی ہے کہ تنہ، شاخیں، پتے

يدور عليه احكام الدنيا من عصمة
الدماء والاموال، وضبطه بامور ظاهرة
في الانقياد وهو قوله صلى الله عليه و
سلم امرت ان اقاتل الناس حتى
يشهدوا ان لا اله الا الله وان محمدا
رسول الله ويقيموا الصلوة ويؤتوا الزكوة
فاذا فعلوا ذلك عصموا مني دماءهم
واموالهم الا بحق الاسلام وحسابهم
على الله وقوله صلى الله تعالى عليه واله
وسلم من صلى صلاتنا واستقبل قبلتنا
واكل ذبيحتنا فذلك المسلم الذي له
ذمة الله وذمة رسوله فلا تخفروا
الله في ذمته، وقوله عليه وسلم
ثلث من اصل الايمان الكف عمن
قال لا اله الا الله لا نكفره بذنب ولا
نخرجه من الاسلام بعمل الحديث،

وثانيهما الايمان الذي يدور
عليه احكام الآخرة من النجاة والفوز
بالدرجات وهو متناول لكل اعتقاد
حق وعمل مرضي وملكة فاضلة وهو
يزيد وينقص، وسنة الشارع ان يسمى
كل شئ منها ايمانا ليكون تنبيها بليغا
على جزئيته وهو قوله صلى الله عليه
وسلم لا ايمان لمن لا امانة له ولا دين
لمن لا عهد له، وقوله صلى الله عليه
واله وسلم المسلم من سلم المسلمون
من لسانه ويده الحديث، وله
شعب كثيرة، ومثله كمثل الشجرة
يقال للدوحة والاغصان والاوراق

پھل اور پھول سب کو درخت کہتے ہیں، پس جب اس کی شاخیں کٹ جائیں، پتے جھڑ جائیں اور اس کے پھل توڑ لئے جائیں تو اس کو ناقص درخت کہا جاتا ہے اور جب اس کا تنہ جڑ سے اکھاڑ دیا جائے تو درخت کا نام ہی اس سے جاتا رہتا ہے، چنانچہ اللہ تعالٰے کے اس قول کا یہی مطلب ہے "ایمان والے وہ لوگ ہیں کہ جب کوئی اللہ کا ذکر کرے تو ان کے دلوں میں خوف طاری ہو جائے" اور جبکہ یہ سب امور ایک قسم کے نہ تھے تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے دو حصے کر دیئے، ان میں سے ایک تو ارکان ہیں جو ان کے سب اجزاء میں عمدہ ہیں ان کی نسبت آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، ایک یہ کہ سوائے اللہ تعالٰے کے عبادت کے قابل کوئی نہیں اور محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں، اور نماز کی پابندی کرنا، اور زکوٰۃ دینا، اور حج کرنا، اور رمضان کے روزے رکھنا، اور ان میں سے دوسرے باقی سب شعبے ہیں ان کی نسبت حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے" ایمان کے کچھ اوپر ستّر شعبے ہیں ان میں سب سے افضل لا الٰہ الا اللہ کہنا ہے، اور سب سے ادنیٰ راستے سے تکلیف دینے والی چیز ہٹا دینا ہے، اور حیاء بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے"

ایمان کی پہلی قسم کے مقابل کا نام کفر ہے لیکن ایمان کی دوسری قسم کے مقابل کی دو صورتیں ہیں، پس اگر اس میں تصدیق قلبی نہیں ہے بلکہ تلوار کے زور سے اطاعت کرتا ہے تو وہ خالص نفاق ہے اور اس قسم کے منافق اور کافر کے درمیان آخرت میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ منافق لوگ دوزخ کے سب سے نیچے کے درجہ میں ہوں گے اور اگر تصدیق قلبی ہے لیکن اس کے ساتھ اعمال جوارح نہیں ہیں تو اس کو فاسق کہتے ہیں، یا اگر دل میں خلوص نہیں ہے تو یہ اور طرح کا منافق ہے،

والثمار والازهار جميعا انها شجرة فاذا قطع اغصانها وخبطا اوراقها وخرف ثمارها قيل شجرة ناقصة فاذا قلعت الدوحة بطل الاسم وهو قوله تعالى انما المؤمنون الذين اذا ذكر الله وجلت قلوبهم الآية ولما لم يكن جميع تلك الاشياء على حد واحد جعلها النبي صلى الله عليه وآله وسلم على مرتبتين منها الاركان التي هي عمدة اجزائها وهو قوله صلى الله عليه وسلم بنى الاسلام على خمس شهادة ان لا اله الا الله وان محمدا عبده ورسوله واقام الصلوة وايتاء الزكاة والحج وصوم رمضان، ومنها سائر الشعب وهو قوله صلى الله عليه وسلم الايمان بضع وسبعون شعبة وافضلها قول لا اله الا الله وادناها اماطة الاذى عن الطريق والحياء شعبة من الايمان ويسمى مقابل الايمان الاول بالكفر واما مقابل الايمان الثاني فان كان تفويتا للتصديق وانما يكون الانقياد بغلبة السيف فهو النفاق الاصلي، والمنافق بهذا المعنى لا فرق بينه وبين الكافر في الآخرة بل المنافقون في الدرك الاسفل من النار، وان كان مصدقا مفوتا لوظيفة الجوارح سمى فاسقا، او مفوتا لوظيفة الجنان فهو المنافق بنفاق آخر وقد

بعض سلف نے اس نفاق کا نام نفاق عمل رکھا ہے۔ اور یہ
اس طرح سے پیدا ہوتا ہے کہ طبیعت یا رسم یا بد عقیدگی کا
حجاب اس پر غالب آجاتا ہے۔ پس وہ دنیا، کنبہ اور اولاد
کی محبت میں مصروف رہتا ہے جس کی وجہ سے اس کے
دل میں جزا و سزا کے بعید سمجھنے اور معاصی پر جرات
کرنے کی ایک نامعلوم حرکت پیدا ہو جاتی ہے اگرچہ باعتبار
نظر برہانی کے قابل اعتراف امور کا اقرار کرتا ہو، یا وہ اسلام
میں سختیاں دیکھتا ہے پس وہ اس کو ناگوار گزرتی ہیں، یا
کفار سے محبت کرتا ہے اور وہ اعلاء کلمۃ اللہ سے مانع
ہو جاتی ہے۔

ان دو معنی کے علاوہ ایمان کے دو معنی اور ہیں ایک
تو ضروری التصدیق امر کی دل سے تصدیق کرنا، اور وہ جبریلؑ
کے جواب میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "ایمان
اس کا نام ہے کہ تو اللہ تعالیٰ اور اسکے ملائکہ پر ایمان لائے"
الحدیث۔

اور معنی ثانی وہ اطمینان اور دلی کیفیت ہے جو مقربین
کو حاصل ہوتی ہے، اس کے متعلق نبی صلے اللہ علیہ وسلم
کا فرمان ہے "پاکی ایمان کا جزء ہے" اور آپ کا قول
ہے "جب کوئی بندہ زنا کرتا ہے تو اس سے ایمان نکل جاتا
ہے اور وہ اس کے سر پر مثل سائبان کے ہو جاتا ہے
پس جب وہ اس فعل سے فارغ ہو جاتا ہے تو ایمان پھر اس
میں واپس آجاتا ہے" اور حضرت معاذؓ کا قول ہے "آؤ
ایک ساعت ہم مومن بن جائیں"

پس شرع میں ایمان کے چار معنی مستعمل ہیں، اب اگر تم
ان احادیث میں سے جو ایمان کے باب میں متعارض ہیں ہر
ایک حدیث کو اس کے محل پر محمول کرو گے تو تم سے
تمام شکوک و شبہات دفع ہو جائیں گے اور معنی اول میں
لفظ اسلام ایمان سے زیادہ واضح ہے اور اسی سے
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے

سماه بعض السلف نفاق العمل
وذلك ان يغلب عليه حجاب الطبع
او الرسم او سوء المعرفة فيكون
منهمكا فى محبة الدنيا و العشائر و
الاولاد فيدب فى قلبه استبعاد
المجازاة و الاجتراء على المعاصى
من حيث لا يدرى وان كان معترفا
بالنظر البرهانى بما ينبغى الاعتراف
به او راى اشد اشد فى الاسلام فكرهه
او احب الكفار باعيانهم فصد ذلك
من اعلاء كلمة الله، وللايمان معنيان
اخران، احدهما تصديق الجنان بما
لابد من تصديقه و هو قوله صلى
الله عليه وسلم فى جواب جبريل
الايمان ان تؤمن بالله و ملائكته
الحديث، والثانى السكينة و الهيئة
الوجدانية التى تحصل للمقربين و
هو قوله صلے الله عليه وسلم الطهور
شطر الايمان، وقوله صلے الله عليه وسلم
اذا زنى العبد خرج منه الايمان فكان فوق
راسه كالظلة فاذا خرج من ذلك العمل رجع اليه
الايمان، وقول معاذ رضى الله عنه (تعال نؤمن
ساعة) فللايمان اربعة معان
مستعملة فى الشرع ان حملت كل
حديث من الاحاديث المتعارضة
فى الباب على محمله انفتح عنك
الشكوك و الشبهات، و . الاسلام
اوضح من الايمان فى المعنى الاول
ولذلك قال الله تعالى قل لم تؤمنوا

بلکہ یہ کہو کہ ہم مسلمان ہو گئے" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے سعد سے کہا تھا (جبکہ انہوں نے کسی شخص کی نسبت کہا تھا کہ میں ان کو ایماندار جانتا ہوں) بلکہ مسلمان کہو۔ اور معنی رابع میں احسان کا لفظ ایمان کے لفظ سے زیادہ واضح ہے، اور جبکہ نفاق فی العمل اور اس کا مقابل یعنی اخلاص ایک پوشیدہ امر تھا اس واسطے ہر ایک کی علامات بیان کرنا ضروری ہوا، اور اس کے متعلق نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "چار خصلتیں ہیں جس میں وہ سب پائی جائیں وہ پکا منافق ہوگا اور جس میں ان میں سے ایک خصلت پائی جائے اس میں نفاق کی ایک خصلت رہے گی جبتک کہ اس کو ترک نہ کر دے، جب اس کے پاس کوئی امانت رکھے تو خیانت کرے، اور جب بات کرے تو جھوٹ بولے، اور جب کسی سے عہد کرے تو پورا نہ کرے، اور جب کسی سے لڑے تو گالیاں بکے ۔ نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "تین باتیں ہیں جس میں وہ باتیں ہوں گی ان کے سبب سے وہ حلاوت ایمان پائے گا، وہ شخص جس کو خدا اور اسکے رسول کی محبت سب سے زیادہ ہو، اور وہ جو خاص اللہ کے لئے کسی سے محبت کرتا ہو، اور وہ جو کفر کی طرف اعادہ کرنا اس قدر ناگوار سمجھے جس قدر آگ میں گرنا ناگوار سمجھتا ہے" اور آپ کا فرمان ہے "جب تم کسی بندہ کو ہر وقت مسجد میں دیکھو تو اس کے لئے ایمان کی شہادت دو" اور اسی طرح آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے "علیؓ سے محبت کرنا ایمان کی علامت ہے اور علیؓ سے بغض رکھنا نفاق کی علامت ہے" اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ امر الٰہی میں نہایت سخت تھے پس ان کی سختی وہی برداشت کر سکتا ہے جس کی طبیعت قائم ہو اور اس کی عقل خواہش نفسانی پر غالب ہو، اور اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے "انصار کی محبت ایمان کی علامت ہے" اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب معدیہ اور یمنیہ میں ہمیشہ سے عداوت چلی آتی تھی حتی کہ ایمان نے ان کو یکجا کر دیا

ولکن قولوا اسلمنا، وقال النبي صلى الله عليه وسلم لسعد او مسلما والاحسان اوضح منه في المعنى الرابع ولما كان نفاق العمل وما يقابله من الاخلاص امرا خفيا وجب بيان علامات كل واحد منهما وهو قوله صلى الله عليه وسلم اربع من كن فيه كان منافقا خالصا ومن كانت فيه خصلة منهن كانت فيه خصلة من النفاق حتى يدعها اذا ائتمن خان واذا حدث كذب واذا عاهد غدر واذا خاصم فجر، وقوله صلى الله عليه وسلم ثلاث من كن فيه وجد بهن حلاوة الايمان ان يكون الله ورسوله احب اليه مما سواهما وان يحب المرء لا يحبه الا لله وان يكره ان يعود في الكفر كما يكره ان يقذف في النار، وقوله صلى الله عليه وآله وسلم اذا رأيتم العبد يلازم المسجد فاشهدوا له بالايمان، وكذا قوله عليه السلام حب علي آية الايمان وبغض علي آية النفاق، والفقه فيه انه رضي الله عنه كان شديدا في امر الله فلا يتحمل شدته الا من زكت طبيعته وغلب عقله على هواه، وقوله صلى الله عليه وسلم حب الانصار آية الايمان، والفقه فيه ان العرب المعدية واليمنية ما زالوا يتنازعون بينهم حتى جمعهم الايمان

فمن كان جامع الهمة على اعلاء الكلمة زال منه الحقد و من لم يكن جامعا بقي فيه النزاع و قد بين النبي صلى الله عليه و سلم في حديث بني الاسلام على خمس، و حديث ضمام بن ثعلبة، وحديث اعرابي قال دلني على عمل اذا عملته دخلت الجنة ان هذه الاشياء الخمسة اركان الاسلام وان من فعلها ولم يفعل غيرها من الطاعات فقد خلص رقبته من العذاب واستوجب الجنة كما بين ان ادنى الصلاة ما ذا، وادنى الوضوء ما ذا، وانما خص الخمسة بالركنية لانها اشهر عبادات البشر وليست ملة من الملل الا قد اخذت بها والتزمتها كاليهود والنصارى و المجوس وبقية العرب على خلافهم في اوضاع ادائها ولان فيها ما يكفي عن غيرها وليس في غيرها ما يكفي عنها وذلك لان اصل اصول البر التوحيد وتصديق النبي والتسليم للشرائع الالهية، ولما كانت البعثة عامة وكان الناس يدخلون في دين الله افواجا لم يكن بد من علامة ظاهرة بها يميز بين الموافق والمخالف وعليها يدار حكم الاسلام وبها يؤاخذ الناس، ولولا ذلك لم يفرق بينهما بعد طول الممارسة الا تفريقا ظنيا معتمدا على قرائن ولاختلف

پس جس نے اعلاء کلمۃ اللہ کا عزم کرلیا تو اس کے دل سے نزاع دور ہوگیا اور جس نے ایسا پختہ عزم نہیں تو اس کے دل میں وہی نزاع باقی رہا، اور بلاشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں بیان فرمایا ہے کہ "اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے" اور اسی طرح حدیث ضمام بن ثعلبہ اور حدیث اعرابی ہے جس نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ مجھ کو ایسا عمل بتلادیجئے کہ جب میں اس پر عمل کروں تو جنت میں چلا جاؤں، آپ نے فرمایا کہ یہ پانچ چیزیں ارکان اسلام ہیں اور جس نے ان کو کرلیا اور ان کے سوا کوئی اور عبادت نہیں تو اس نے اپنی گردن کو عذاب سے رہا کرلیا اور جنت کا مستحق ہوگیا، ایسے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمادیا کہ ادنیٰ درجہ نماز کا کیا ہے اور ادنیٰ درجہ وضو کا کیا ہے، اور ان پانچ چیزوں کو اس لئے رکن قرار دیا کہ تمام عبادات البشر میں یہی سب سے زیادہ مشہور ہیں، اور تمام ملتوں میں کوئی ایسی ملت نہیں جس میں ان پانچ کا التزام نہ ہو، جیسے یہود و نصاریٰ، مجوس اور بقیہ عرب، باوجودیکہ ہر ایک کا ادا کرنے کا طریقہ جداگانہ ہے، اور اس لئے رکن قرار دیا کہ ان پانچ میں یہ بات ہے کہ یہ اور عبادتوں کے بدلہ کافی ہوسکتی ہیں اور ان کے سوا کسی اور عبادت میں یہ بات نہیں ہے کہ وہ ان کے بدلہ کافی ہوسکے، اور یہ ان وجوہ کی بنا پر ہے کہ تمام نیکیوں کی اصل توحید اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی تصدیق اور شرائع الٰہیہ کو تسلیم کرنا ہے، اور جبکہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سب کے لئے عام تھی اور لوگوں کے گروہ کے گروہ دین الٰہی میں داخل ہوتے تھے تو ایک علامت ظاہرہ کا ہونا ضروری تھا جس سے موافق و مخالف میں امتیاز ہوجائے اور اس پر حکم اسلام کا مدار ہو اور لوگوں سے اس پر مواخذہ کیا جائے اور اگر یہ نہ ہوتا تو مدتوں کی ممارست کے بعد بھی بجز ظنی تفریق کے جس کی بنا قرائن پر ہوتی دونوں میں کچھ تمیز نہ ہوتی،

اور یہ کہ حکم اسلام میں لوگ مختلف ہوجاتے، اور جیسا کہ
ظاہر ہے ایسی حالت میں اسلام کے احکام میں بڑی دقت
واقع ہوجاتی اور دلی اعتقاد و تصدیق کی حقیقت ظاہر
کرنے میں اقرار سے زیادہ اور کوئی شئی نہیں ہوسکتی جو
اختیار اور خوشی کے ساتھ کیا گیا ہو، اور اس سبب سے
جو ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ انسانی سعادت کا مدار اور
اخروی نجات کی اصل چار خصلتوں پر ہے، پس وہ نماز جو
طہارت کے ساتھ ہو دو اوصاف تواضع اور پاکیزگی کا
مظنہ اور جائے گمان قرار دی گئی اور وہ زکوٰۃ جس کی شرائط
پائی جائیں اور وہ اپنے مصارف پر خرچ کیجائے سخاوت
اور عدل کا مظنہ قرار دی گئی،

اور اس سبب سے جو ہم بیان کرچکے ہیں کہ طبعی حجاب
دور کرنے کے لئے ایک ایسی عبادت کی ضرورت ہے جس کا
نفس پر دباؤ رہے اور اس باب میں روزہ سے بہتر کوئی چیز
نہیں، اور اس سبب سے جو ہم بیان کرچکے ہیں کہ اصول
شرائع کی اصل شعائر اللہ کی تعظیم ہے اور شعائر چار ہیں
ان میں سے ایک کعبہ بھی ہے اور اس کی تعظیم حج کرنا ہے،
اور پیشتر ان عبادات کے فوائد جو ذکر کرچکے ہیں اس سے
یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عبادت خمسہ اور عبادتوں کے بدلہ
کافی ہوسکتی ہیں اور ان کے سوا کوئی اور عبادت ان کے
بدلہ کافی نہیں ہوسکتی،

اور شریعت کے اعتبار سے گناہ دو طرح کے ہوتے ہیں،
صغائر اور کبائر، کبائر گناہ وہ ہیں جو قوائے بہیمیہ یا سبعیہ یا
شیطانیہ کا پورے طور پر غلبہ ہوجانے کی وجہ سے صادر ہوتے
ہیں اور ان میں حق کے راستہ کا انسداد، شعائر الٰہی کی حرمت کا
نقص یا تدابیر ضروریہ کی مخالفت اور لوگوں کا ضرر عظیم پایا
جاتا ہے، اور ان امور کے ساتھ ساتھ کبائر کا مرتکب شرع
کو پس پشت ڈال دیتا ہے کیونکہ شریعت نے ان سے سخت
ممانعت کی ہے اور کبائر کے کرنیوالے پر بہت شدت سے تہدید کی ہے،

الناس فی الحکم بالاسلام وفی ذلك
اختلال کثیر من الاحکام کما لا یخفی
ولیس شئ کالاقرار طوعا ورغبة
کاشفا عن حقیقة ما فی القلب من
الاعتقاد والتصدیق، ولما ذکرنا
من قبل من ان مدار السعادة النوعیة
وملاك النجاة الاخرویة هی الاخلاق
الاربعة، فجعلت المقرونة بالطهارة
سببا ومظنة لخلقی الاخبات والنظافة
وجعلت الزکوة المقرونة بشروطها
المصروفة الی مصارفها مظنة للسماحة
والعدالة - ولما ذکرنا انه لابد من
طاعة قاهرة علی النفس لیدفع بها
الحجب الطبیعیة ولاشئ فی ذلك
کالصوم، ولما ذکرنا ایضا من ان اصل
اصول الشرائع هو تعظیم شعائر الله و
هی اربعة، منها الکعبة وتعظیمها الحج
وقد ذکرنا فیما سبق من فوائد هذه
الطاعات ما یعلم به انها تکفی عن
غیرها وان غیرها لا یکفی عنها، و
الاثام باعتبار الملة علی قسمین
صغائر وکبائر، والکبائر ما لا یحصل
الا بغاشیة عظیمة من البهیمیة او
السبعیة او الشیطنة وفیه انسداد
سبیل الحق وهتك حرمة شعائر الله
او مخالفة الارتفاقات الضروریة والضرر
العظیم بالناس ویکون مع ذلك
منابذا للشرع لان الشرع نهی عنه اشد
نهی وغلظ التهدید علی فاعله وجعله

اور ان کے ارتکاب کو ایسا قرار دیا ہے جیسے دین سے
خارج ہونا ، اور صغائر وہ گناہ ہیں جو کبائر سے کم درجہ کے
ہوں اور دواعی شر اور اس کے اسباب میں سے ہوں ،
اور شریعت کی قطعی ممانعت بھی ان کی نسبت ظاہر ہو
لیکن ان میں کبائر جیسی سختی نہ کی گئی ہو، اور حق بات یہ ہے کہ
کبائر کا شمار متعین نہیں ہے ، اور ان کی پہچان یہ ہے کہ
یا تو اس کے کرنے والے پر قرآن وحدیث صحیح میں جہنم کی
وعید ہو یا اس گناہ پر شرعی حد مقرر ہو، اور شارع نے
اس کا نام کبیرہ بیان فرمایا ہو، اور اس کے ارتکاب کو
خروج عن الدین بیان کیا ہو، اور جس چیز کو نبی صلے اللہ
علیہ وسلم نے کبیرہ بیان فرمایا ہو کوئی شئ فساد اور خرابی میں
اس سے زیادہ یا اس کے برابر ہو، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم
کا یہ قول کہ " زنا کرتے وقت زانی مومن نہیں رہتا" الحدیث،
اس کے یہی معنی ہیں کہ یہ افعال اسی وقت صادر ہوتے ہیں
کہ جب قوائے بہیمیہ یا سبعیہ کا پورے طور پر غلبہ ہوتا ہے
پس اس وقت قوت ملکیہ کالمعدوم اور ایمان بمنزلہ زائل
کے ہو جاتا ہے ، آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس
قول سے معلوم ہو گیا کہ یہ کبیرہ ہے ، نبی صلے اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا ہے " اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی
جان ہے اس امت کا کوئی یہود یا نصرانی جس کو میری خبر
پہنچی ہو پھر وہ مر جائے اور جن احکام کو میں لیکر آیا ہوں اس
پر وہ ایمان نہ لائے تو وہ جہنم میں جائے گا" ۔

میں کہتا ہوں یعنی جس شخص کو دعوت پہنچ چکی اور
وہ کفر پر جما رہا حتیٰ کہ اسی پر مر گیا تو وہ دوزخ میں جائے گا
کیونکہ اس نے اس تدبیر الٰہی کی مخالفت کی جو اس نے
اپنے بندوں کے لئے مقرر کر رکھی تھی اور اپنے نفس
کو اللہ تعالے اور ملائکہ مقربین کی لعنت کا مورد بنایا اور
نجات کے راستہ کو چھوڑ دیا ، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا " تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوتا جب تک کہ میں

كانه خروج من الملة ، والصغائر ما كان
دون ذلك من دواعى الشر ومفضيات
اليه وقد ظهر نهى الشرع عنه حتما
ولكن لم يغلظ فيه ذلك التغليظ ، و
الحق ان الكبائر ليست محصورة فى
عدد وانها تعرف بايجاب النار فى
الكتاب والسنة الصحيحة وشرع الحد
عليه وتسميته كبيرة وجعله خروجا
عن الدين وكون الشئ اكثر مفسدة مما
نص النبى صلى الله عليه وسلم على كونه
كبيرة او مثلها فى المفسدة وقوله
صلى الله عليه وسلم لا يزنى الزانى حين
يزنى وهو مؤمن، الحديث معناه ان
هذه الافعال لا تصدر الا بغاشية عظيمة
من البهيمية او السبعية فتصير حينئذ
الملكية كان لم تكن والايمان كانه
زائل - دل بذلك على كونها كبائر قال
النبى صلى الله عليه وسلم والذى نفس
محمد بيده لا يسمع به احد من هذه
الامة يهودى ولا نصرانى ثم يموت ولم
يؤمن بالذى ارسلت به الا كان من
اصحاب النار ،

اقول يعنى من بلغته الدعوة
ثم اصر على الكفر حتى مات دخل
النار لانه ناقض تدبير الله تعالى
لعباده ومكن من نفسه لعنة الله و
الملائكة المقربين، واخطأ الطريق
الكاسب للنجاة ، وقال صلى الله عليه
وسلم لا يؤمن احدكم حتى اكون

اس کے نزدیک اس کے باپ اور بیٹے اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں" اور یہ بھی فرمایا "جبتک کہ اس کی خواہش ان احکام کے تابع نہ ہوجائے جن کو میں لیکر آیا ہوں"

میں کہتا ہوں کہ کمال ایمان یہ ہے کہ عقل طبیعت پر غالب آجائے اس طرح سے کہ اس کے نزدیک بادی الامر میں مقتضئ عقل مقتضئ طبعی سے بہتر معلوم ہو، اور محبت رسول صلعم کے بارے میں یہی حال ہے، اور میں اپنی جان کی قسم کھاتا ہوں یہ حالت کاملین میں دیکھی جاتی ہے، کسی نے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ مجھے اسلام میں کوئی ایسی بات ارشاد فرمایئے کہ پھر آپ کے بعد کسی سے دریافت نہ کروں، اور ایک روایت میں ہے کہ پھر آپ کے سوا کسی اور سے دریافت نہ کروں، آپ نے اس کے جواب میں فرمایا "یہ کہہ کہ میں خدا پر ایمان لایا اور پھر اس پر قائم رہ" میں کہتا ہوں اس کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنے سامنے فرماں برداری اور اسلام کے حالات رکھے پھر جو کام اس کے مناسب ہو اس کو کیا کرے اور جو اس کے خلاف ہو اس کو ترک کردے، اور یہ ایک ایسا قول کلی ہے جس کی وجہ سے انسان کو علم بالشرائع کی نسبت بصیرت ہوجاتی ہے گو وہ علم بالتفصیل نہ ہوتا ہو لیکن علم اجمالی ضرور حاصل ہوجاتا ہے جو انسان کیلئے سبقت کا باعث ہوتا ہے، اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص صدق دل سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہے گا تو خدا تعالیٰ اس کو دوزخ کی آگ پر حرام کردیگا" اور فرمایا "اگر چہ وہ چوری اور زنا کرتا ہو" اور ایک حدیث میں فرمایا "خواہ اس کے کیسے ہی عمل ہوں"

میں کہتا ہوں اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالے اس کو اس سخت آگ پر حرام کردے گا جو دائمی ہے اور کفار کے لئے مقرر کی گئی ہے اگر چہ وہ کبائر کا مرتکب ہوا ہو، اور اس طور سے کلام بیان کرنے میں نکتہ یہ ہے

احب اليه من والده وولده والناس اجمعين، وقال حتى يكون هواه تبعا لما جئت به ؛

اقول كمال الايمان ان يغلب العقل على الطبع بحيث يكون مقتضى العقل بين عينيه من مقتضى الطبع بادى الامر، وكذلك الحال فى حب الرسول - ولعمرى هذا مشهود فى الكاملين، قيل يا رسول الله قل لى فى الاسلام قولا لا اسأل عنه احدا بعدك، وفى رواية غيرك قال قل آمنت بالله ثم استقم اقول معناه ان يحضر الانسان بين عينيه حالة الانقياد والاسلام ثم يعمل ما يناسبه ويترك ما يخالفه، وهذا قول كلى يصير به الانسان على بصيرة من الشرائع، وان لم يكن تفصيلا فلا يخلو من علم اجمالى يجعل الانسان سابقا، وقال صلى الله عليه وسلم ما من احد يشهد ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله صدقا من قلبه الا حرمه الله على النار، وقوله صلى الله عليه وسلم وان زنى وان سرق، وقوله صلى الله عليه وسلم على ما كان من عمل اقول معناه حرمه الله على النار الشديدة المؤبدة التى اعدها للكافرين وان عمل الكبائر، والنكتة فى سوق الكلام هذا السياق

کہ گناہوں کے درجوں میں بہت بڑا فرق ہے اگرچہ گناہ کا نام
سب پر بولا جاتا ہے، پس کبائر کو جب کفر کے اعتبار سے
دیکھا جائے گا تو اس کے سامنے ان کی کچھ ہستی معلوم نہیں ہوتی
اور نہ ان کا کچھ معتدبہ اثر معلوم ہوتا ہے اور نہ دخول نار کے
واسطے وہ کوئی ایسے سبب ہوسکتے ہیں جن کو سبب کہا جائے
اور اسی طرح کبائر کے مقابلہ میں صغائر ہیں، پس نبی صلے
اللہ علیہ وسلم نے ان میں اچھی طرح سے فرق بیان کر دیا کہ
جو بمنزلہ صحت اور مرض کے ہے، پس امراض ظاہرہ کو جیسے
زکام اور تکان ہے جب سوء مزاج متمکن کے ساتھ
قیاس کریں جیسے جذام، سل اور استسقاء ہے تو ان پر
صحت کا حکم دیا جاتا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ اُن امراض
کا مریض، مریض ہی نہیں اور نہ اس میں کوئی بیماری ہے،
اور بعض مصائب ایسے ہوتے ہیں جو دوسری مصیبتوں
کو بھلا دیتے ہیں مثلاً کسی کے کانٹا لگ جائے اور پھر
اس کے بعد اس کا گھر اور مال لٹ جائے تو ایسا شخص
بیان کرتے وقت کہے گا کہ پہلے مجھ پر بالکل کوئی مصیبت
نہ تھی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے " ابلیس
اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے اور اپنے لشکر کو
لوگوں کو بہکانے کے لئے روانہ کرتا ہے" الحدیث،
واضح ہو کہ خدا نے شیاطین کو پیدا کیا
اور ان کی جبلت میں یہ بات رکھی کہ لوگوں کو بہکائیں
جس طرح کیڑے ہوتے ہیں جو اپنے مزاج کے
مقتضی کے موافق کام کرتے رہتے ہیں جیسے
نجاست کا کیڑہ نجاست میں لوٹتا رہتا ہے،
اور ان سب شیاطین کا ایک سردار ہے جو اپنا تخت
پانی پر بچھاتا ہے اور جس کام کے وہ درپے ہیں اس
کی تکمیل کے لئے ان کو بلاتا ہے تاکہ پوری بدبختی اور
کامل گمراہی کا مستحق ہو جائے اور ہر نوع اور ہر صنف
میں خدا تعالے کا یہی قاعدہ ہے اور اس میں کچھ مجاز نہیں ہے

ان مراتب الاثم بينها تفاوت بين،
وان كان يجمعها كلها اسم الاثم،
فالكبائر اذا اقيست بالكفر لم يكن
لها قدر محسوس ولا تاثير يعتد
به ولا سببية لدخول النار تسمى
سببية، وكذلك الصغائر بالنسبة
الى الكبائر، فبين النبي صلى الله عليه
وسلم الفرق بينها على آكد وجه
بمنزلة الصحة والسقم، فان
الاعراض البادية كالزكام والنصب
اذا اقيست الى سوء المزاج المتمكن
كالجذام والسل والاستسقاء يحكم
عليها بانها صحة وان صاحبها ليس
بمريض وان ليس به قلبة - ورب
داهية تنسي داهية كمن اصابه
شوكة ثم وتر اهله وماله، قال
لم يكن بي مصيبة قبل اصلا، و
قوله صلى الله تعالى عليه وآله
وسلم ان ابليس يضع عرشه على
الماء ثم يبعث سراياه يفتنون
الناس الحديث اعلم ان الله تعالى
خلق الشياطين وجبلهم على الاغواء
بمنزلة الدود التي تفعل افعالا
بمقتضى مزاجها كالجعل يدهده
الخراءة - وان لهم رئيسا يضع عرشه
على الماء ويدعوهم لتكميل ما هم
قبله قد استوجب اتم الشقاوة
واوفر الضلال وهذه سنة الله في كل نوع
في كل صنف وليس في هذا مجاز، و

اور میرے نزدیک یہ بات ایسی محقق ہوگئی ہے جیسے کوئی
آنکھ سے دیکھ لیتا ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
"سب تعریف اللہ تعالےٰ کے لئے ہے جس نے اس کا
کام وسوسہ تک ہی رہنے دیا" اور آپ نے فرمایا "شیطان
اس بات سے ناامید ہوگیا کہ جزیرۃ العرب میں کوئی مسلمان
اس کی عبادت کرے. لیکن اس کو باہمی عداوت سے
ناامیدی نہیں ہے" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا (جبکہ صحابہ نے عرض کیا تھا کہ ہمارے دل میں ایسی
ایسی باتیں آتی ہیں جن کا بیان کرنا ہمکو گراں معلوم ہوتا ہے)
"یہ صریح ایمان ہے"

واضح ہو کہ باعتبار اس استعداد کے جو کسی شخص
میں وسوسہ کے قبول کرنے کی ہوتی ہے شیطانی وسوسہ
کی تاثیر مختلف ہوتی ہے، پس شیطانی وسوسہ کی بڑی
سے بڑی تاثیر یہ ہے کہ انسان کافر ہو جائے اور دین سے
نکل جائے، پس جب قوت یقینی کی وجہ سے خدا تعالیٰ کسی
کو اس بلا سے محفوظ کرتا ہے تو اس کے وسوسہ کی تاثیر
دوسری صورت میں بدل جاتی ہے اور وہ باہمی لڑائی امور
خانہ داری میں بگاڑ ڈالنا اور گھر و شہر والوں میں فساد برپا
کرنا ہے، پھر جب خدا تعالےٰ اس سے بھی کسی کو بچا لیتا ہے
تو اس کے دل میں وسوسہ آتا ہے اور نکل جاتا ہے اور چونکہ
اس کی تاثیر کمزور ہوتی ہے اس لئے نفس کو کسی عمل پر برانگیختہ
نہیں کرسکتا، اور اس وسوسہ سے اس شخص کو کچھ مضرت نہیں
پہنچتی بلکہ جب اس وسوسہ کو برا سمجھتا ہے تو یہ اس کے خلوص
ایمان کی دلیل ہوجاتی ہے البتہ اصحاب نفوس قدسیہ میں ان باتوں
کا ذرا بھی وجود نہیں ہوتا جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
"خدا تعالیٰ نے میرے جن پر میری اعانت کی پس وہ مسلمان
ہوگیا ہے اور سوائے بھلائی کے وہ مجھے کچھ نہیں کہتا، اور ان
تاثیرات کا حال آفتاب کی شعاع کا سا ہے کہ لوہے
اور قلعی دار چیزوں میں جس قدر اثر کرتی ہے،

قد تحققت من ذلك ما يكون
بمنزلة الرؤية بالعين، قوله
صلى الله عليه وآله وسلم الحمد
لله الذي رد امره الى الوسوسة، و
قوله صلى الله عليه وسلم ان
الشيطان قد ايس من ان يعبده
المسلمون في جزيرة العرب ولكن
في التحريش بينهم، وقوله صلى الله
عليه وسلم ذاك صريح الايمان

اعلم ان تاثير وسوسة
الشياطين يكون مختلفا بحسب
استعداد الموسوس اليه، فاعظم
تاثيره الكفر والخروج من الملة
فاذا اعصم الله من ذلك بقوة اليقين
انقلب تاثيره في صورة اخرى،
وهي المقاتلات وفساد تدبير المنزل
والتحريش بين اهل البيت واهل
المدينة، ثم اذا اعصم الله من
ذلك ايضا صار خاطرا يجئ ويذهب
ولا يبعث النفس الى عمل لضعف
اثره وهذا لا يضر بل اذا اقترن
باعتقاد قبح ذلك كان دليلا على
صراحة الايمان، نعم اصحاب النفوس
القدسية لا يجدون شيئا من ذلك
وهو قوله صلى الله عليه وآله و
سلم الا ان الله اعانني عليه فاسلم
فلا يامرني الا بخير، وانما مثل
هذه التاثيرات مثل شعاع الشمس
يؤثر في الحديد والاجسام الصقيلة

دوسری چیزوں میں نہیں کرتی، علیٰ حسب مراتب، اور نبی صلے
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "شیطان کا بھی ایک اثر ہوتا ہے اور
فرشتہ کا بھی ایک اثر ہوتا ہے" الحدیث، اس حدیث کا
حاصل یہ ہے کہ قلوب کے اندر ملائکہ کی تاثیر کی صورت
انس الٰہی اور نیک کاموں میں رغبت پیدا کرنا ہے، اور
شیاطین کی تاثیر کی صورت دلوں میں وحشت، اضطراب
اور افعالِ قبیحہ کی رغبت پیدا کرنا ہے، حضور صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا "جس کے دل میں اس قسم کا وسوسہ پیدا ہو
تو اس کو اس وقت یہ کہہ دینا چاہیئے کہ مجھکو خدا اور رسول کا
یقین ہے" اور آپ نے فرمایا "اس کو چاہیئے کہ خدا کی
پناہ مانگے اور اپنی بائیں جانب تھوک دے" اس میں راز
یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کی طرف التجا، اور اس کی یاد کرنے سے
اور شیاطین کو قبیح و ذلیل سمجھنے سے نفس کی توجہ شیاطین کی
طرف سے ہٹ جاتی ہے اور ان کا اثر قبول کرنے سے دل
رک جاتا ہے جیسا کہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے "تحقیق جو لوگ
ہم سے ڈرتے ہیں جب ان کو شیطانی خیال چھوتا ہے
تو وہ اللہ کی یاد کرتے ہیں پس وہ فوراً خبردار ہو جاتے ہیں"
اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "حضرت
آدمؑ اور حضرت موسیٰؑ نے اپنے رب کے سامنے
بحث کی"

میں کہتا ہوں رب کے سامنے بحث کرنے کے
یہ معنی ہیں کہ حضرت موسیٰؑ کی روح حظیرۃ القدس کی
طرف کھنچ آئی اور اس نے وہاں حضرت آدمؑ سے
ملاقات کی، اور اس واقعہ کا اصل راز یہ ہے کہ
خدا تعالےٰ نے حضرت موسیٰؑ کو آدمؑ کی زبانی ایک
علم عطا فرمایا، جس طرح کوئی شخص حالتِ خواب
میں کسی فرشتہ یا کسی نیک آدمی کو دیکھتا ہے اور اس سے
کچھ بات دریافت کرتا ہے اور وہ اس کا جواب دیتا ہے
حتیٰ کہ ایک بات جو پہلے سے اس کو معلوم نہ تھی اس شخص

ما لا يؤثر في غيرها، ثم قوله
صلى الله عليه وآله وسلم ان للشيطان
لمة وللملك لمة، الحديث الحاصل
ان صورة تاثير الملائكة في نشأة
الخواطر الانس والرغبة في الخير و
تاثير الشياطين فيها الوحشة وقلق
الخاطر والرغبة في الشر، قوله صلى
الله عليه وسلم من وجد من ذلك
شيئا فليقل امنت بالله ورسوله
وقوله صلى الله عليه وسلم فليستعذ
بالله وليتفل عن يساره، سره ان
الالتجاء الى الله وتذكره وتقبيح
حال الشياطين واهانة امرهم
يصرف وجه النفس عنهم ويصد
عن قبول اثرهم، وهو قوله تعالى
ان الذين اتقوا اذا مسهم طائف
من الشيطان تذكروا فاذاهم
مبصرون، وقوله صلى الله عليه و
آله وسلم احتج ادم وموسى عند
ربهما،

اقول معنى قوله عند ربهما
ان روح موسى عليه السلام انجذبت
الى حظيرة القدس فوافت هنالك
ادم، وبطن هذه الواقعة وسرها
ان الله تعالى فتح على موسى علما
على لسان ادم عليهما السلام شبه
ما يرى النائم في منامه ملكا او
رجلا من الصالحين يسأله ويراجعه
الكلام حتى يفيئ عنه بعلم لم يكن

عنده، وههنا علم دقيق كان قد
خفي على موسى عليه السلام حتى
كشفه الله عليه في هذه الواقعة
وهو انه اجتمع في قصة آدم
عليه السلام وجهان احدهما
مما يلي خويصة نفس آدم عليه
السلام، وهو انه كان مالم يأكل
الشجرة لا يظمأ ولا يضحى ولا يجوع
ولا يعرى وكان بمنزلة الملائكة
فلما أكل غلبت البهيمية وكمنت
الملكية، فلا جرم ان أكل الشجرة
اثم يجب الاستغفار عنه، وثانيهما
مما يلي التدبير الكلي الذي قصده
الله تعالى في خلق العالم واوحاه
الى الملائكة قبل ان يخلق آدم
وهو ان الله تعالى اراد بخلقه ان
يكون نوع الانسان خليفة في
الارض يذنب ويستغفر فيغفر له،
ويتحقق فيهم التكليف وبعث
الرسل والثواب والعذاب ومراتب
الكمال والضلال، وهذه نشأة
عظيمة على حدتها، وكان اكل
الشجرة حسب مراد الحق ووفق
حكمته، وهو قوله صلى الله عليه
وآله وسلم لو لم تذنبوا لذهب
الله بكم وجاء بقوم آخرين يذنبون
ويستغفرون فيغفر لهم، وكان آدم
اول ما غلبت عليه بهيميته استتر
عليه العلم الثاني واحاط به الوجه

سے حاصل ہو جاتی ہے، اور یہاں ایک باریک علم تھا
جو موسیٰؑ پر مخفی تھا حتیٰ کہ خدا تعالیٰ نے اس واقعہ میں
موسیٰ علیہ السلام پر اس علم کا انکشاف کر دیا اور وہ یہ
ہے کہ آدم علیہ السلام کے قصہ میں دو وجہیں مجتمع ہیں
ان میں سے ایک جو خاص آدم علیہ السلام کی ذات سے
متعلق ہے یہ ہے کہ جب تک انہوں نے وہ درخت
نہیں کھایا تھا نہ ان کو پیاس لگتی تھی نہ دھوپ اور
نہ بھوکے رہتے تھے اور نہ ننگے اور فرشتوں کی طرح رہتے
تھے پس جب انہوں نے اس درخت کو کھایا تو بہیمیت
کا غلبہ ہوا اور ملکیت پست ہو گئی، پس لامحالہ درخت کا
کھانا گناہ شمار ہوا جس سے استغفار کرنا ضروری ہوا،
اور دوسری وجہ جو تدبیر کلی سے متعلق ہے جس کو
خدا تعالیٰ نے مخلوق کے پیدا کرنے میں ملحوظ رکھا اور
آدمؑ کو پیدا کرنے سے پیشتر فرشتوں کی طرف اس کی
وحی کر دی تھی اور وہ یہ تھی کہ خدا تعالیٰ کو آدم کے پیدا
کرنے سے یہ منظور تھا کہ نوع انسان زمین میں خلیفہ ہو،
اس سے گناہ صادر ہوں وہ مغفرت چاہے پھر اس کے
گناہ معاف کئے جائیں اور لوگوں کو مکلف بنایا
جائے، ان میں رسولوں کی بعثت ہو اور ثواب و عذاب
اور مراتب کمال و گمراہی ان میں پائی جائیں اور یہ
بذات خود ایک بڑی مخلوق ہو، اور اس درخت
کا کھانا ارادہ الٰہی اور اس کی حکمت کے موافق تھا
جیسا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "اگر
تم گناہ نہ کرتے تو خدا تعالیٰ تم کو فنا کر کے
اور لوگ پیدا کرتا جو گناہ کرتے اور اس
سے مغفرت مانگتے پھر خدا تعالیٰ ان کو معاف
کرتا"، اور بہیمیت کا اولاً غلبہ آدم علیہ السلام
پر ہوا تھا کہ ان پر دوسری بات کا علم پوشیدہ تھا
اور وجہ اول نے ان کا احاطہ کر لیا تھا، اور

ان پر سخت عتاب کیا گیا پھر اس سے ان کو خلاصی ہوئی
اور علم ثانی کی ایک جھلک ان پر پڑی، پھر جب آدم ؑ
حظیرہ قدس کی طرف آئے تو خوب اچھی طرح سے
حال معلوم ہو گیا، جو گمان حضرت آدم کو تھا حضرت
موسیٰ بھی اسی گمان میں تھے حتی کہ اللہ تعالے نے
حضرت موسیٰ پر علم ثانی کا انکشاف فرمایا،

اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ جس طرح خواب کی تعبیر
ہوتی ہے، وقائع خارجیہ کی بھی تعبیر ہوتی ہے اور امر
و نہی میں ظن و تخمین کو دخل نہیں ہوتا بلکہ ان کے لئے
استعداد ہوتی ہے جو اس امر و نہی کو واجب کرتی
ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر
بچہ فطرت کے موافق پیدا ہوتا ہے پھر اس
کے ماں باپ اس کو یہودی اور نصرانی اور مجوسی
بنا لیتے ہیں جس طرح حیوان کا بچہ ہاتھ پاؤں سے
درست پیدا ہوتا ہے، بھلا تم اس کا ناک کان کٹا ہوا
دیکھتے ہو؟،

میں کہتا ہوں، واضح ہو کہ خدا تعالے نے اپنا ایک
طریقہ جاری کر رکھا ہے کہ حیوانات، نباتات اور
ان کے سوا ہر نوع کو خاص خاص شکل پر پیدا کیا
ہے مثلاً انسان کو اس خاص شکل میں بنایا کہ اس کی جلد
صاف ہے قد سیدھا ہے، ناخن پھیلے ہوئے ہیں، بولنے
والا، ہنسنے والا ہے اور انہی خواص سے پہچانا جاتا ہے
کہ وہ انسان ہے کہیں شاذ و نادر جگہ خلافِ عادت
ہو جاتا ہے جیسے بعض بچے ایسے پیدا ہوتے ہیں
کہ ان کے سونڈ یا کھر ہوتے ہیں،

اسی طرح اس کی یہ عادت بھی جاری ہے کہ
اس نے ہر نوع کو تھوڑا سا علم اور محدود ادراک عطا
کیا ہے جو اسی کے واسطے خاص اور اس کے تمام افراد میں برابر
پایا جاتا ہے، پس شہد کی مکھیوں کو اس علم کے ساتھ خاص کیا،

الأول وعوتب عتابا شديدا في
نفسه ثم سري عنه ولمع عليه
بارق من العلم الثاني ثم لما انتقل
الى حظير القدس علم الحال اصح
ما يكون وكان موسى عليه السلام
يظن ما كان يظن ادم عليه السلام
حتى فتح عليه علم الثاني، وقد
ذكرنا ان الوقائع الخارجية يكون لها
تعبير كتعبير المنام وان الامر و
النهي لا يكونان جزافا بل لهما
استعداد يوجبهما، قال رسول الله
صلى الله عليه وسلم كل مولود يولد
على الفطرة ثم ابواه يهودانه و
ينصرانه ويمجسانه كما تنتج البهيمة
جمعاء هل تحسون فيها من جدعاء

اقول اعلم ان الله تعالى اجرى
سنته بان يخلق كل نوع من الحيوانات
والنباتات وغيرهما على شكل خاص
به، فخص الانسان مثلا بكونه بادي
البشرة مستوي القامة عريض
الاظفار ناطقا ضاحكا وبتلك
الخواص يعرف انه انسان اللهم
الا ان تخرق العادة في فرد نادر كما
ترى ان بعض المولودات يكون له
خرطوم او حافر فكذلك اجرى سنته
ان يخلق في كل نوع قسطا من العلم
والادراك محدودا بحد مخصوصا
به لا يوجد في غيره مطردا في
افراده، فخص النحل بادراك

کہ اپنے مطلب کے درخت معلوم کریں، چھتے بنائیں اور
ان میں شہد جمع کیا کریں، پس تم کو ایسی کوئی مکھی نہ دکھائی
دیگی جس میں یہ علم نہ ہو، اور کبوتر کو اس علم سے خاص کیا
کہ وہ کس طرح آواز کرتا ہے، آشیانہ بناتا ہے اور اپنے
بچہ کو چگاتا ہے، اور اسی طرح خدا نے انسان کو ادراک زاید
اور عقل کامل کے ساتھ خاص کیا اور اس میں اپنے پیدا
کرنے والے کی پہچان اور اس کی عبادت کا علم رکھا اور ہر وہ
چیز عطا فرمائی جو انسان کی امر معاش میں کام آئے اور اس کا
ہی نام فطرت ہے پس اگر کوئی رکاوٹ مانع نہ ہو تو اسی
حالت پر انسان بڑی عمر تک رہ سکتے ہیں لیکن عوارض
پیش آجاتے ہیں جیسے ماں، باپ کا گمراہ کر دینا، اسواسطے
اس کا علم جہل ہو جاتا ہے، جس طرح راہب لوگ طرح
طرح کی تدابیر کرکے عورتوں کی خواہش اور کھانے کی خواہش
بالکل زائل کر دیتے ہیں باوجودیکہ فطرت انسانی میں دونوں
داخل ہیں، آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
ہے "خدا تعالے نے لوگوں کو اس کے لئے پیدا کیا
حالانکہ وہ اس وقت وہ اپنے آباء کی پشتوں میں تھے"
اور فرمایا "وہ اپنے آباء سے ہیں" اور فرمایا "جو کچھ وہ کرنے
والے تھے خدا کو اس کا پورا علم ہے" اور آنحضرت صلے
اللہ علیہ وسلم نے اپنے طویل خواب میں ذکر فرمایا "ذریت
بنی آدم کی تمام ارواح حضرت ابراہیم کے پاس ہوتی ہیں"
واضح ہو کہ اکثر بچہ فطرت پر ہی پیدا ہوتا ہے،
جیساکہ بیان کیا گیا لیکن کبھی بچہ ایسا بھی پیدا ہوتا
ہے کہ بغیر کسی عمل کے لعنت کے قابل ہوتا ہے
جیسے وہ لڑکا جس کو حضرت خضرؑ نے قتل کیا
تھا اس کے دل پر کفر کی مہر لگادی گئی تھی، اور
آں حضرت صلے اللہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے کہ وہ
اپنے آباء سے ہیں تو یہ احکام دنیا کے متعلق
ہے،

الاشجار المناسبة لها ثم اتخاذ
الاكنان وجمع العسل فيها فلن
ترى فردا من افراد النحل الا و
هو يدرك ذلك، وخص الحمام بان
كيف يهدر وكيف يعشش وكيف
يزق فراخه، وكذلك خص الله
تعالى الانسان بادراك زائد وعقل
مستوفي ودس فيه معرفة بارئه
والعبادة له وانواع ما يرتفقون به
فى معاشهم وهو الفطرة فلو انهم
لم يمنعهم مانع لكبروا عليها لكن
قد تعترض العوارض كاضلال
الابوين فينقلب العلم جهلا كمثل
الرهبان يتمسكون بانواع الحيل
فيقطعون شهوة النساء والجوع
مع انهما مدسوسان فى فطرة
الانسان، قوله صلى الله عليه وسلم
خلقهم لها وهم فى اصلاب اباءهم
وقوله صلى الله عليه وسلم هم من
ابائهم، وقوله صلى الله عليه وسلم
الله اعلم بما كانوا عاملين، وقوله
صلى الله عليه واله وسلم فى منامه
الطويل، نسم ذرية بنى ادم تكون
عند ابراهيم عليه السلام، اعلم
ان الاكثر ان يولد الولد على الفطرة
كما مر لكن قد يخلق بحيث يستوجب
اللعن بلا عمل كالذى قتله الخضر
طبع كافرا، واما من ابائهم
فمحمول على احكام الدنيا وليس

اور شرائع کا کسی امر میں توقف کرنا اس وجہ سے نہیں ہوتا کہ اس کا علم نہیں ہوتا بلکہ کبھی اس لئے توقف کیا جاتا ہے کہ مظنۂ ظاہرہ کی وجہ سے احکام منضبط نہیں ہوتے یا اس لئے کہ اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی یا اس لئے کہ اس میں کوئی ایسی باریک بات ہوتی ہے جس کو مخاطب نہیں سمجھ سکتے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "خدا کے ہاتھ میں میزان ہے جس کو چاہتا ہے پست کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بلند کرتا ہے"۔

میں کہتا ہوں یہ تدبیر کی طرف اشارہ ہے کیونکہ تدبیر کی بنیاد اس بات پر ہے کہ جو مصلحت کے زیادہ موافق اور مناسب ہے اس کو اختیار فرماتا ہے، پس جس حادثہ میں اسباب متنازعہ جمع ہو جاتے ہیں اس میں خدا تعالیٰ عدل کا حکم دیتا ہے اور وہ خدا تعالےٰ کا قول ہے "کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ" نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بنی آدم کے دل خدا تعالےٰ کے دو انگشت میں ہیں"۔ اور فرمایا "قلب کا حال ایک پر کا سا ہے جو چٹیل میدان میں پڑا ہے جس کو ہوا الٹ پلٹ کرتی ہے"۔

میں کہتا ہوں بندوں کے افعال اختیاری ہیں، لیکن اس اختیار میں ان کا کچھ اختیار نہیں ہے، اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص پتھر پھینکنے کا ارادہ کرتا ہے پس اگر یہ قادر، حکیم ہوتا تو اس پتھر میں اس کی اختیاری حرکت کو بھی پیدا کرتا اور اس پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ جب بندوں کے افعال بھی خدا تعالےٰ ہی کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور اسی طرح یہ اختیار بھی اس نے ہی پیدا کیا تو پھر جزاء کس بات پر دی جاتی ہے، کیونکہ جزاء کے معنی بعض افعالِ خداوندی کا بعض پر مرتب ہونا ہے بایں معنی کہ خدا تعالےٰ نے یہ حالت بندے میں پیدا کی پھر اس نے اللہ تعالےٰ کی حکمت میں اس بات کا

ان التوقف في النواميس انما يكون لعدم العلم بل قد يكون لعدم انضباط الاحكام بمظنة ظاهرة او لعدم الحاجة الى بيانه او غموض فيه بحيث لا يفهمه المخاطبون، قوله صلى الله عليه وسلم بيده الميزان يخفض ويرفع۔

اقول هذا اشارة الى التدبير، فان مبناه على اختيار الاوفق بالمصلحة، فما من حادثة يجتمع فيها اسباب متنازعة الا ويقضى الله في ذلك ما هو العدل، وهو قوله تعالى كل يوم هو في شان، قوله صلى الله عليه وسلم ان قلوب بني ادم كلها بين اصبعين من اصابع الرحمن وقوله صلى الله عليه وسلم مثل القلب كريشة بارض فلاة تقلبها الرياح ظهرا لبطن، اقول افعال العباد اختيارية لكن لا اختيار لهم في ذلك الاختيار، وانما مثله كمثل رجل اراد ان يرمي حجرا، فلو انه كان قادرا حكيما خلق في الحجر اختيارا للحركة ايضا، ولا يرد عليه ان الافعال اذا كانت مخلوقة لله تعالى وكذلك الاختيار ففيم الجزاء، لان معنى الجزاء يرجع الى ترتب بعض افعال الله تعالى على البعض، بمعنى ان الله تعالى خلق هذه الحالة في العبد، فاقتضى

اقتضا رکیا کہ اللہ تعالےٰ بندے میں عذاب و نعمت کی
دوسری حالت پیدا کرے جیسا کہ خدا تعالےٰ پانی میں
حرارت پیدا کرتا ہے پس یہ اس بات کا اقتضا کرتا ہے کہ
اللہ تعالےٰ اس کو ہوا کی صورت دے، اور جزا کے لئے
بندے کے کسب اور اختیار کا ہونا بالعرض شرط ہے نہ
بالذات، اور یہ اس لئے کہ نفس ناطقہ ان اعمال کا رنگ
قبول نہیں کرتا جو کسب کی وجہ سے اس کی طرف منسوب
نہیں ہوتے بلکہ اس کے غیر کی طرف مستند ہوتے ہیں،
اور نہ ان اعمال کا رنگ قبول کرتا ہے جو اس کے اختیار
اور قصد کی طرف منسوب نہیں ہوتے، اور خدا تعالےٰ کی
حکمت میں یہ نہیں ہے کہ بندے کو اس عمل کی وجہ سے سزا
دے جس کا اثر نفس ناطقہ نے قبول نہیں کیا، پس جب
یہ بات ہے تو یہ اختیار غیر مستقل جزا کے لئے شرط
ہونے میں کافی ہے جبکہ اس اختیار سے عمل کے
رنگ کی قبولیت درست ہو اور یہ کسب غیر مستقل کافی
ہے جبکہ اس کسب غیر مستقل سے یہ بات ثابت
ہو رہی ہو کہ حالت متاخرہ خاص اسی کاسب بندہ میں
پیدا ہونی چاہئے نہ کہ دوسرے میں، پس یہ تحقیق
نہایت عمدہ ہے، صحابہ و تابعین کے کلام سے
سمجھی جاتی ہے اس کو تم یاد رکھو،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خدا تعالےٰ
نے مخلوق کو تاریکی کی حالت میں پیدا کیا پھر ان پر
اپنا نور ڈالا پس جس کو وہ نور پہنچ گیا اس کو
ہدایت ہوگئی اور جس پر وہ نور نہیں پڑا وہ گمراہ
ہوا" پس اسی وجہ سے میں کہتا ہوں "علم الٰہی پر
قلم خشک ہوگیا" اس سے مراد یہ ہے کہ خدا تعالےٰ
نے لوگوں کے پیدا ہونے سے پہلے اندازہ کر لیا
تھا، وہ بذات خود کمالات سے خالی تھے،
پس انہوں نے یہ چاہا کہ ان کی طرف رسول بھیجے جائیں

ذلك فی حكمته ان يخلق فيه حالة
اخری من النعمة او الالم كما انه
يخلق فی الماء حرارة، فيقتضی ذلك
ان يكسوه صورة الهواء، وانما
يشترط وجود الاختيار و كسب
العبد فی الجزاء بالعرض لا بالذات
وذلك لان النفس الناطقة لا تقبل
لون الاعمال التی لا تستند اليها
بل الی غيرها من جهة الكسب
ولا الاعمال التی لا تستند الی
اختيارها وقصدها، وليس فی
حكمة الله ان يجازی العبد بما لم
تقبل نفسه الناطقة لونه، فاذا
كان الامر علی ذلك كفی هذا الاختيار
غير المستقل فی الشرطية اذا كان
مصححا لقبول لون العمل وهذا الكسب
غير المستقل اذا كان مصححا للتخصيص
هذا العبد بخلق الحالة المتاخرة فيه دون
غيره، وهذا التحقيق شريف مفهوم من
كلام الصحابة والتابعين فاحفظه؛

قوله صلى الله عليه وسلم
ان الله خلق خلقه فی ظلمة فالقی
عليهم من نوره فمن اصابه من
ذلك النور اهتدی ومن اخطاه
ضل، فلذلك اقول جف القلم
علی علم الله، معناه انه قدرهم
قبل ان يخلقوا، فكانوا هنالك
عراة عن الكمال فی حد انفسهم،
فاستوجبوا ان يبعث اليهم وينزل

اور ان پر کتابیں نازل کیجائیں، پس بعض نے ہدایت
پائی اور بعض گمراہ رہے، خدا تعالےٰ نے ایک ہی مرتبہ یہ
سب اندازہ کرلیا تھا لیکن جو بات کہ ان کو از خود حاصل تھی
وہ اس پر مقدم ہے کہ جو رسولوں کے ذریعہ سے حاصل ہوئی
جیسا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے بطور روایت اللہ تعالیٰ
سے نقل فرمایا ہے "تم سب بھوکے ہو مگر جس کو میں کھانا
کھلادوں اور تم سب گمراہ ہو لیکن جس کو میں ہدایت کردوں"۔
یا ہم کہتے ہیں یہ بھی ایک ایسے ہی واقعہ کی طرف اشارہ
ہے جیسے حضرت آدم علیہ السلام کی ذریت نکالنے
کا واقعہ ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب
خدا تعالےٰ کسی خاص زمین میں کسی بندے کے مرنے
کا حکم دیتا ہے تو اس کی وہاں کوئی ضرورت پیدا کردیتا
ہے"۔

میں کہتا ہوں اس میں اس بات کی طرف اشارہ
ہے کہ بعض حوادث اس لئے پائے جاتے ہیں تاکہ
اسباب کا سلسلہ منقطع نہ ہوجائے پس اگر کوئی حاجت
پیدا نہیں ہوتی تو وہ الہام کے ذریعہ سے معلوم کرلیتا ہے
یا کوئی ایسی صورت پیدا کردیجاتی ہے جس سے اس قضائے
الٰہی کا ظاہر ہونا ضروری ہوجاتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا "آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال
قبل تمام خلائق کے مقادیر کو لکھا تھا اور اس کا عرش پانی پر تھا"،

میں کہتا ہوں خدا تعالےٰ نے عرش اور پانی کو سب مخلوق
سے پہلے پیدا کیا پھر جتنی چیزوں کا موجود ہونا اس نے چاہا عرش
کے قویٰ میں سے ایک قوت میں جو ہمارے قویٰ میں سے
خیال کے مشابہ ہے اور جس کو ذکر سے تعبیر کیا جاتا ہے اس کو
پیدا کیا جیسا کہ امام غزالی نے بیان کیا ہے اور اس
بیان کو تم سنت کے مخالف نہیں سمجھنا کیونکہ ان لوگوں
کے نزدیک جو حدیث سے واقفیت رکھتے ہیں قلم
اور لوح کی صورت کے بیان میں جیسا کہ عام لوگ

عليهم، فاهتدى بعض منهم و
ضل آخرون وقدر جميع ذلك
مرة واحدة، لكن كان لما من
انفسهم تقدم على ما لهم يبعث
الرسل، كقوله صلى الله عليه وسلم
رواية عن الله تعالى كلكم جائع
الا من اطعمته، وكلكم ضال الا
من هديته، او نقول هذا اشارة
الى واقعة مثل واقعة اخراج
ذرية آدم عليه السلام، قوله
صلى الله عليه وسلم اذا قضى الله لعبد
ان يموت بارض جعل له اليها حاجة
اقول فيه اشارة الى ان بعض
الحوادث توجد لئلا ينخرم نظام
الاسباب فان لم يكن استهل من
الهام او بعث تقريب لا بد ان يظهر
ذلك قال صلى الله عليه وآله وسلم
كتب الله مقادير الخلائق قبل ان
يخلق السموات والارض بخمسين
الف سنة وكان عرشه على الماء،
اقول خلق الله تعالى العرش
والماء اول ما خلق، ثم خلق جميع
ما اراد ان يوجد في قوة من قوى
العرش يشبه الخيال من قوانا،
وهو المعبر عنه بالذكر على ما بينه
الامام الغزالي، ولا تظنن ذلك
مخالفا للسنة فانه لم يصح عند
اهل المعرفة بالحديث من بيان
صورة القلم واللوح على ما يلهج

اس کو بیان کرتے ہیں کوئی معتد بہ حدیث وارد نہیں ہوئی اور وہ روایتیں جو لوگ بیان کرتے ہیں وہ بنی اسرائیل کے تراشے ہوئے قصے ہیں احادیث محمدیہ نہیں ہیں اور متاخرین اہل حدیث کا ایسی چیزوں کا قائل ہونا تکلف ہے اور متقدمین کا اس بارے میں کوئی کلام نہیں ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ وہاں کائنات کے اس تمام سلسلہ کی صورت متحقق ہو گئی تھی اور اس کو کتابت سے ایسا ہی تعبیر کیا ہے جیسا کہ سیاست مدنیہ میں کتابت کا اطلاق تعین اور ایجاب پر ہوتا ہے، اسی معنی میں خدا تعالے کا یہ قول ہے "تم پر روزے لکھے گئے" اور خدا تعالے کا قول ہے "جب تم میں سے کسی کو موت آنے لگے تو تم پر یہ بات لکھی گئی" الآیہ، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خدا تعالے نے اپنے بندہ پر زنا کا ایک حصہ لکھدیا ہے" الحدیث، اور ایک صحابی کا قول ہے کہ میں فلاں غزوہ میں لکھا گیا تھا حالانکہ وہاں کوئی دفتر نہ تھا جیسا کہ کعب ابن مالک نے بیان کیا ہے، اور اس کی مثال اشعار عرب میں بکثرت ہے، اور پچاس ہزار سال کا ذکر کرنا، اس میں احتمال ہے کہ اتنی ہی مدت کی تعیین ہو اور اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے طول مدت بیان کی ہو، اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خدا تعالے نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا پھر اپنا دایاں ہاتھ ان کی پشت پر پھیرا"، الحدیث[1]،

میں کہتا ہوں جب خدا تعالے نے آدم کو پیدا کیا تاکہ وہ ابو البشر ہو تو ان کے وجود میں ان کی اولاد کے حقائق کو لپیٹ دیا پھر خدا تعالے نے ان کو کسی وقت میں اس شئی کا علم جس کو ان کا وجود قصد الٰہی کے موافق مشتمل تھا عطا فرمایا اور ان سب کا ایک صورت مثالیہ میں مشاہدہ کرا دیا اور ان کی سعادت اور شقاوت کو نور اور ظلمت کی صورت میں ظاہر کر دیا

به العامة شئ يعتد به، والذى يروونه هو من الاسرائيليات وليس من الاحاديث المحمدية، وذهاب المتاخرين من اهل الحديث الى مثله نوع من التعمق فليس للمتقدمين فى ذلك كلام، وبالجملة فتحققت هنالك صورة هذه السلسلة بتمامها وعبر عنه بالكتابة اخذا من اطلاق الكتابة فى السياسة المدنية على التعيين والايجاب، ومنه قوله تعالى كتب عليكم الصيام وقوله تعالى كتب عليكم اذا حضر الآية، وقوله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ان الله كتب على عبده حظه من الزنا الحديث، وقول الصحابى كتبت فى غزوة كذا ولم يكن هنالك ديوان كما ذكره كعب بن مالك، ونظير ذالك فى اشعار العرب كثير جدا، وذكر خمسين الف سنة يحتمل ان يكون تعيينا ويحتمل ان يكون بيانا لطول المدة، قوله صلى الله عليه وسلم ان الله خلق آدم ثم مسح ظهره بيمينه، الحديث

اقول لما خلق الله آدم ليكون ابا للبشر التف فى وجوده حقائق بنيه فاعطاه الله تعالى وقتا من اوقاته علم ما تضمنه وجوده بحسب القصد الالهى فاراه اياهم راى عين بصورة مثالية، ومثل سعاداتهم وشقاوتهم بالنور و

[1] پھر ان کی ذریت نکل آئی خدا تعالے نے فرمایا ان کو میں نے جنت کے لئے پیدا کیا ہے اور یہ جنت کے کام کریں گے، پھر ان کی پشت پہ ہاتھ پھیرا اور ذریت نکل آئی پس فرمایا یہ جہنم کے لئے ہیں اور یہ جہنم کے کام کریں گے، ۱۲

اوران کی جبلت میں تکلیف کی جو استعداد تھی اس کو سوال وجواب اور اپنی جانوں پر لازم کر لینے کی صورت میں ظاہر کیا پس ان سے ان کی اصل استعداد کی وجہ سے مواخذہ کیا جاتا ہے اور ظاہر میں یہ مواخذہ شبح استعداد کی طرف منسوب ہوتا ہے،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے ہر شخص کی خلقت چالیس روز تک ماں کے پیٹ میں جمع ہوتی رہتی ہے" الحدیث،

میں کہتا ہوں یہ تغیر آہستہ آہستہ ہوتا رہتا ہے دفعتاً نہیں ہوتا اور ہر حالت اپنی سابق اور لاحق حالت کے مغائر ہوتی ہے، اور وہ شیٔ جو صورت دموی سے پورے طور پر متغیر نہیں ہوئی اس کو نطفہ ہی کہتے ہیں اور جس میں کسی قدر انجماد ہوجاتا ہے تو اس کو علقہ کہتے ہیں اور جس میں اس سے زیادہ انجماد ہوجاتا ہے تو اس کو مضغہ کہتے ہیں، اگرچہ اس میں نرم نرم ہڈیاں بھی بن جائیں،

اور جس طرح کھجور کی گٹھلی ایک خاص وقت میں زمین میں ڈالی جائے اور ایک خاص تدبیر اس میں صرف کی جائے تو جو شخص اس کھجور کی نوع، اس زمین، اس پانی اور اس وقت کی خاصیت کو جانتا ہے وہ یہ بھی معلوم کرلیتا ہے کہ یہ درخت خوب اُگے گا اور اس کے متعلق اس کو بعض بعض باتیں معلوم ہوجاتی ہیں،

پس اسی طرح سے خدا تعالےٰ بچہ کا حال جس پر اس کی پیدائش ہوئی ہے بعض فرشتوں پر کھول دیتا ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے ایسا کوئی نہیں جس کی جگہ دوزخ اور جنت میں معین نہ ہو"

میں کہتا ہوں لوگوں کی ہر صنف کے لئے

الظلمة، ومثل ما جبلهم عليه من استعداد التكليف بالسوال والجواب والالتزام على انفسهم فهم يؤاخذون باصل استعدادهم وتنسب المؤاخذة الى شبحة في الظاهر،

قوله صلى الله عليه وآله وسلم ان خلق احدكم يجمع في بطن امه الحديث، اقول هذا الانتقال تدريجي غير دفعي، وكل حد يباين السابق واللاحق، ويسمى ما لم يتغير من صورة الدم تغيرا فاحشا نطفة وما فيه انجماد ضعيف، علقة - وما فيه انجماد اشد من ذلك، مضغة، وان كان فيه عظم رخو، وكما ان النواة اذا القيت في الارض في وقت معلوم واحاط بها تدبير معلوم علم المطلع على خاصية نوع النخل وخاصية تلك الارض وذلك الماء وذلك الوقت انه يحسن نباتها ويتحقق من شانه على بعض الامر، فكذلك يجلي الله على بعض الملائكة حال المولود بحسب الجبلة التي جبل عليها، قوله صلى الله عليه وسلم ما منكم من احد الا وقد كتب له مقعده من النار ومقعده من الجنة، اقول كل صنف من اصناف النفس له

کمال اور نقصان ہے، عذاب اور ثواب ہے، اور اس معنی کا بھی احتمال ہے کہ یا جنت میں اور یا دوزخ میں جگہ مقرر ہے، اور اللہ تعالےٰ کا قول" اور جب تیرے رب نے بنی آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا" الایہ، اس حدیث کے مخالف نہیں" پھر خدا تعالےٰ نے اپنا دایاں ہاتھ آدمؑ کی پشت پر پھیرا اور ان کی اولاد کو نکالا" اس واسطے کہ آدم علیہ السلام سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان کی اولاد کی پشت سے اولاد کی اولاد نکالی گئی، روزِ قیامت تک اس ترتیب پر کہ جس پر وہ موجود ہوتے ہیں، پس قرآن میں اس قصہ کا ایک حصہ مذکور ہے، حدیث نے اس کا تتمہ بیان کردیا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے" پس جس نے دیا اور ڈرتا رہا اور اچھی بات کی تصدیق کی (یعنی جو شخص ہمارے علم اور تقدیر میں ان صفات سے متصف ہے تو خارج میں ان اعمال کی بجا آوری) ہم اس کے لئے آسان کردیتے ہیں"

پس اس توجیہ پر حدیث بھی منطبق ہو جاتی ہے، اللہ تعالےٰ نے فرمایا" قسم ہے جان کی جو اس کو درست کیا پھر اس کی نافرمانی اور پرہیزگاری کا اسکو الہام کیا"

میں کہتا ہوں یہاں الہام سے مراد نفس کے اندر فجور کی صورت کا پیدا کرنا ہے جیسا کہ عبداللہ ابن مسعود کی حدیث میں گذر چکا ہے، پس الہام اصل میں اس صورت علمیہ کو پیدا کرنا ہے کہ جس سے وہ عالم ہو جاتا ہے، پھر مجازاً اس صورت اجمالیہ کو کہنے لگے جو مبداء آثار ہوتی ہے اگرچہ اس سے علم حاصل نہ ہو واللہ اعلم۔

کمال و نقصان، عذاب و ثواب، و یحتمل ان یکون المعنی اما من الجنة واما من النار، وقوله تعالیٰ واذ اخذ ربك من بنی آدم الآیة، لا یخالف حدیث، ثم مسح ظهره بیمینه واستخرج منه ذریته، لان آدم ما اخذت عنه ذریته ومن ذریته ذریتهم الی یوم القیامة علی الترتیب الذی یوجدون علیه، فذکر فی القرآن بعض القصة و بین الحدیث تتمتها، قوله تعالیٰ فاما من اعطیٰ واتقیٰ وصدق بالحسنیٰ ای من کان متصفا بهذه الصفات فی علمنا وقدرنا فسنیسره لتلك الاعمال فی الخارج، وبهذا التوجیه ینطبق علیه الحدیث، قوله تعالیٰ ونفس وما سواها فالهمها فجورها وتقواها۔

اقول۔ المراد بالالهام هنا خلق صورة الفجور فی النفس کما سبق فی حدیث ابن مسعود، فالالهام فی الاصل خلق الصورة العلمیة التی یصیر بها عالما، ثم نقل الی صورة اجمالیة هی مبدأ الآثار، وان لم یصر بها عالما تجوزا واللّٰه اعلم

کتاب و سنت کے اتباع کا بیان

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم کو تحریف کے سب راستوں سے ڈرایا اور سخت منع فرمایا اور اس بارے میں اپنی امت سے عہد و پیمان لئے، پس سستی کا سب سے بڑا سبب سنت کو چھوڑ دینا ہے اور اس بارے میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے" مجھ سے پہلے خدا تعالیٰ نے کوئی نبی اس کی امت میں ایسا نہیں بھیجا جس کی امت میں سے اس کے حواری اور ایسے اصحاب نہ ہوں جو اس کی سنت پر عمل کرتے اور اس کے حکم کی فرمانبرداری کرتے ہیں، پھر ان کے بعد نا اہل لوگ پیدا ہو جاتے ہیں جو کچھ کہتے ہیں کرتے نہیں ہیں اور جن باتوں کا حکم ان کو نہیں ہوتا وہ کرتے ہیں، پس جو ان سے ہاتھ کے ساتھ جہاد کرے وہ مومن ہے اور جو ان سے زبان سے جہاد کرے وہ مومن ہے اور جو ان سے دل سے جہاد کرے وہ بھی مومن ہے، اور اس کے بعد رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہیں ہے"۔

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں تم میں سے کسی کو ایسی حالت میں نہ پاؤں کہ اپنے تخت پر تکیہ لگائے ہوئے ہو اور اس کے پاس میرا کوئی حکم آئے جس کا میں نے امر کیا ہو یا نہی کی ہو تب وہ کہنے لگے میں کچھ نہیں جانتا جو کچھ ہم نے کتاب اللہ میں پایا اس کا ہم نے اتباع کیا"۔ اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے سنت پر عمل کرنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے خاصکر جبکہ لوگ مختلف ہوں، اور تشدد کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے" اپنی جانوں پر سختی نہ کرو، پھر خدا تعالیٰ بھی تمہارے اوپر سختی کریگا"۔ اور اسی طرح عبداللہ ابن عمرؓ اور کچھ لوگوں نے

من ابواب الاعتصام بالکتاب والسّنّة

قد حذرنا النبی صلے اللہ علیہ و سلم من اخذ التحریف باقسامھا و غلظ النھی عنھا واخذ العھود من امتہ فیھا، فمن اعظم اسباب التھاون ترک الاخذ بالسنة، وفیہ قولہ صلے اللہ علیہ و الہ وسلم ما من نبی بعثہ اللہ فی امتہ قبلی الا کان لہ من امتہ حواریون واصحاب یاخذون بسنتہ ویقتدون بامرہ ثم انھا تخلف من بعدھم خلوف یقولون مالا یفعلون ویفعلون مالا یؤمرون فمن جاھدھم بیدہ فھو مؤمن ومن جاھدھم بلسانہ فھو مؤمن ومن جاھدھم بقلبہ فھو مؤمن، لیس وراء ذلک من الایمان حبة خردل، وقولہ صلے اللہ علیہ و الہ وسلم لا الفین احدکم متکئا علی اریکتہ یاتیہ الامر من امری مما امرت بہ او نھیت عنہ فیقول لا ادری ما وجدنا ہ فی کتاب اللہ اتبعناہ، و رغب فی الاخذ بالسنة جدا لاسیما عند اختلاف الناس، وفی التشدد قولہ صلے اللہ علیہ و الہ وسلم لا تشددوا علی انفسکم فیشدد اللہ علیکم وردہ علی عبد اللہ بن عمرو والرھط

نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی عبادت کو کم سمجھ کر عبادات شاقہ کا قصد کیا تھا تو آپ نے ان کو منع فرمایا اور تعمق وتکلف کے بارے میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لوگوں کا کیا حال ہو گیا ہے کہ ایک چیز کو میں تو کر لیتا ہوں اور وہ اس سے پرہیز کرتے ہیں، بخدا میں ان سے زیادہ خدا کو جانتا ہوں اور ان سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہدایت پر ہونے کے بعد کوئی قوم گمراہ نہیں ہوئی بجز اس صورت کے کہ وہ باہمی جھگڑے میں پڑ گئے" اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم اپنی دنیا کی باتوں سے خوب واقف ہو، اور خلط[1] کے بارے میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے جو آپنے ایک صحابی سے فرمایا تھا جو علم یہود دیکھنا چاہتے تھے "کیا تم بھٹکتے پھرتے ہو جس طرح یہود و نصاریٰ بھٹکتے پھرتے ہیں، میں تمہارے پاس روشن اور صاف دین لیکر آیا ہوں اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری اتباع کے سوا چارہ نہ ہوتا" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا اس شخص کو سب سے زیادہ مبغوض قرار دینا ہے جو اسلام میں جاہلیت کی باتوں کا طالب ہے" اور استحسان کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے "جو شخص ہمارے اس دین میں ایسی بات پیدا کرے جو اس میں نہیں ہے تو وہ رد ہے" اور ملائکہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ایسے شخص کے ساتھ تشبیہ دینا ہے جس نے ایک مکان بنایا اور اس میں کھانا تیار کیا اور ایک شخص کو لوگوں کے بلانے کے لئے بھیجا[2]، میں کہتا ہوں اس میں لوگوں کو مامور بنانے کی طرف اشارہ ہے اور پورے طور پر سمجھانے کے لئے اس کو بمنزلہ امر محسوس کے کر دینا ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میری مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ روشن کی" الحدیث، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میری مثال اور اس چیز کی مثال

الذين تقالوا عبادة النبي صلى الله عليه وآله وسلم وارادوا اشاق الطاعات، وفي التعمق قوله صلى الله عليه وآله وسلم ما بال اقوام يتنزهون عن الشئ اصنعه فوالله اني لاعلمهم بالله واشدهم خشية له وقوله صلى الله عليه وآله وسلم ماضل قوم بعد هدى كانوا عليه الا اوتوا الجدال، وقوله صلى الله عليه وآله وسلم انتم اعلم بامور دنياكم وفي الخلط قوله صلى الله عليه وآله وسلم لمن اراد الخوض في علم اليهود امتهوكون انتم كما تهوكت اليهود والنصارى؟ لقد جئتكم بها بيضاء نقية ولو كان موسى حيا لما وسعه الا اتباعي، وجعله صلى الله عليه وسلم من ابغض الناس من هو مبتغ في الاسلام سنة الجاهلية، وفي الاستحسان قوله صلى الله عليه وسلم من احدث في امرنا هذا ما ليس منه فهو رد، وضرب الملائكة له صلى الله عليه وسلم مثل رجل بنى دارا وجعل فيها مادبة وبعث داعيا اقول هذا اشارة الى تكليف الناس به وجعله كالامر المحسوس اكمالا للتعليم، قوله صلى الله عليه وآله وسلم مثلي كمثل رجل استوقد نارا الحديث، وقوله صلى الله عليه وآله وسلم انما مثلي ومثل ما

---

[1] یعنی اسلام میں اور مذہب کو ملانا، ۱۲۔ [2] اسکا اخیر یہ ہے پس جس نے اس داعی کا کہنا مانا وہ گھر میں آیا اور اس نے کھانا بھی کھایا اور جس نے کہنا نہ مانا وہ گھر میں نہ آیا اور نہ اس نے کھانا کھایا، ۱۲ منہ

جس کو خدا نے مجھے دیکر بھیجا ہے اس شخص جیسی ہے جو ایک قوم کے پاس آئے اور کہے اے قوم! میں نے اپنی آنکھوں سے لشکر کو دیکھا ہے" الحدیث، یہ حدیث اس امر پر صریح دلیل ہے کہ بعض اعمال بذات خود بعثت سے قبل عذاب آنے کے مستوجب ہوتے ہیں، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جس ہدایت اور علم کے ساتھ خدا تعالےٰ نے مجھ کو بھیجا ہے اس کی مثال اس کثیر بارش کی سی ہے جو زمین پر برسا" الحدیث، اس حدیث میں اس امر کا بیان ہے کہ اہل علم نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کو دو طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ سے قبول کر لیا، یا صریح روایت کے ذریعہ سے یا دلالت روایت کے ذریعہ سے، بایں طور کہ انہوں نے مسائل کا استنباط کیا اور لوگوں کو باخبر کیا۔ یا انہوں نے شریعت پر عمل کیا پس لوگوں نے ان کی رہبری سے ہدایت پائی، اور اہل جہل نے اس ہدایت کو بالکل قبول نہیں کیا، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس نصیحت میں جو نہایت تاکید سے لوگوں کو فرمائی تھی اس میں کہا تھا میرے طریقہ کو اور میرے خلفاء راشدین مہدیین کے طریقہ کو اپنے اوپر لازم کر لینا"

میں کہتا ہوں دین کا انتظام نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت کے اتباع پر موقوف ہے اور سیاست کبریٰ کا انتظام اس پر موقوف ہے کہ خلفاء تدابیر ملکی اور جہاد سے متعلق جن امور کا اپنے اجتہاد سے حکم دیں ان کے حکم کی اطاعت کیجائے بشرطیکہ ان کا یہ حکم شریعت کے حق میں بدعت نہ ہو اور نہ ہی خلاف نص ہو، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے سامنے ایک خط کھینچا اور فرمایا یہ خدا تعالےٰ کا راستہ ہے پھر اس خط کے دائیں بائیں اور خطوط کھینچے اور فرمایا یہ بھی راستے ہیں ان میں سے ہر راستہ پر شیطان بیٹھا ہوا ہے جو لوگوں کو اپنی طرف بلاتا ہے، اور آپ نے یہ آیت پڑھی" تحقیق یہ میرا سیدھا راستہ ہے

بعثني الله به كمثل رجل اتى قوما فقال يا قوم انى رايت الجيش بعيني الحديث دليل ظاهر على ان هنالك اعمالا تستوجب في انفسها عذابا قبل البعثة، وقوله صلى الله عليه وسلم مثل ما بعثني الله به من الهدى والعلم كمثل الغيث الكثير اصاب ارضا، الحديث فيه بيان قبول اهل العلم هداية صلى الله عليه وسلم باحد وجهين الرواية صريحا، والرواية دلالة بان استنبطوا واخبروا بالمستنبطات اوعملوا بالشرع فاهتدى الناس بهديهم، وعدم قبول اهل الجهل راسا قوله صلى الله عليه وسلم في الموعظة البليغة، فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين

اقول انتظام الدين يتوقف على اتباع سنن النبي، وانتظام السياسة الكبرى يتوقف على الانقياد للخلفاء فيما يامرونهم بالاجتهاد في باب الارتفاقات واقامة الجهاد وامثال ذلك ما لم يكن ابداعا لشريعة او مخالفا النص، خط رسول الله صلى الله عليه وسلم لهم خطا ثم قال هذا سبيل الله ثم خط خطوطا عن يمينه وعن شماله وقال هذه سبل على كل سبيل منها شيطان يدعو اليه وقرا ان هذا صراطي

اسی پر تم چلو دوسرے راستوں پر مت چلو ورنہ خدا تعالےٰ
کے راستہ سے بچھڑ جاؤ گے"

میں کہتا ہوں فرقہ ناجیہ وہ ہے جو تمام عقائد اور
اعمال کے اندر اس پر عمل کرتے ہیں جو کتاب وسنت سے
ظاہر ہے اور جس پر جمہور صحابہ وتابعین نے عمل کیا ہے
اگرچہ وہ ان باتوں کے اندر مختلف ہوں جن میں کوئی نص
مشہور نہیں ہے نہ ان پر صحابہ کا اتفاق ظاہر ہوا ہے اور
ان کے بعض اقوال سے استدلال کرتے ہوں اور مجمل کی
تفسیر کرتے ہوں،

اور غیر ناجیہ ہر وہ فرقہ ہے جو سلف کے عقیدہ کے
خلاف کوئی عقیدہ رکھے یا ان کے عمل کے خلاف کوئی
عمل نکالے،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " یہ امت
گمراہی پر اتفاق نہ کرے گی ـ، اور فرمایا "ہر صدی
کے بعد خدا تعالےٰ اس امت میں ایسے شخص کو پیدا
کرتا رہے گا جو اس امت کے لئے اس کے دین کو نیا
کرتا رہے گا" اور اس حدیث کی تفسیر دوسری حدیث
میں ہے " ہر خلف کے عادل لوگ اس علم کا
بار اٹھائیں گے جو اس سے آمیزش کرنے والوں
کی تحریف، جھوٹوں کی کج روی اور جاہلوں کی تاویل
کو دور کریں گے،

واضح ہو کہ لوگوں نے جب دین میں اختلاف اور
زمین میں فساد پھیلایا تو اس شئ نے جود الٰہی کے
دروازہ کو کھٹکھٹایا پس خدا تعالےٰ نے محمد صلے اللہ
علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور آپ کے ذریعہ سے دین کی
کجی کی درستی کا ارادہ فرمایا، پھر جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم
نے اس عالم سے وفات پائی تو بعینہ یہ عنایت الٰہی
اس طرف متوجہ ہوئی کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم
کے علم و رُشد کو امت میں محفوظ رکھے،

مستقيما فاتبعوه ولا تتبعوا السبل
فتفرق بكم عن سبيله - اقول الفرقة
الناجية هم الآخذون في العقيدة
والعمل جميعا بما ظهر من الكتاب و
السنة وجرى عليه جمهور الصحابة
والتابعين وان اختلفوا فيما بينهم
فيما لم يشتهر فيه نص ولا ظهر
من الصحابة اتفاق عليه استدلالا
منهم ببعض ما هنالك او تفسيرا
لمجمله، وغير الناجية كل فرقة
انتحلت عقيدة خلاف عقيدة
السلف او عملا دون اعمالهم،

قوله صلى الله عليه وسلم لا تجتمع
هذه الامة على الضلالة، وقوله
صلى الله عليه وسلم يبعث الله
لهذه الامة على راس كل مائة سنة
من يجدد لها دينها، وتفسيره في
حديث آخر، يحمل هذا العلم من
كل خلف عدوله ينفون عنه تحريف
الغالين وانتحال المبطلين وتاويل
الجاهلين +

اعلم ان الناس لما اختلفوا في
الدين وافسدوا في الارض قرع
ذلك باب جود الحق فبعث محمدا
صلى الله عليه وسلم واراد بذلك
اقامة الملة العوجاء ثم لما توفي
النبي صلى الله عليه وسلم صارت
تلك العناية بعينها متوجهة الى
حفظ علمه ورشده فيما بينهم

پس اس نے ان میں الہامات اور تقریبات پیدا کردیں پس قیامت تک ان میں ہدایت برقرار رکھنے کا حظیرۃ قدس میں ایک داعیہ رہتا ہے پس اس وجہ سے ضرور ہوا کہ ان میں ہمیشہ ایک ایسا گروہ رہے جو امر الٰہی پر قائم ہو اور وہ سب کے سب گمراہی پر اتفاق نہ کریں اور قرآن ان میں محفوظ رہے، اور ان کے اختلافِ استعداد کی وجہ سے یہ بات بھی ضروری ہوئی کہ ہدایت پانے کے باوجود لوگوں میں کچھ رد و بدل ہو پس عنایت الٰہی ایسے لوگوں کی منتظر ہوئی جو مستعد ہوں اور ان کو عظمت دی گئی ہو، پس اس عنایت الٰہی نے ان کے دلوں میں ان امور کو پیدا کیا کہ علم میں رغبت کریں اور غالی لوگوں کی تحریف کو دور کریں، اور یہ سختی اور تکلف کی طرف اشارہ ہے، اور جھوٹوں کی کج روی کو دور کریں، اور یہ استحسان کی طرف اور مذہب کے ساتھ دوسرے مذہب کو خلط ملط کرنے کی طرف اشارہ ہے، اور جاہلوں کی تاویل دور کریں، اور یہ سستی کی طرف اور ضعیف تاویل کرکے مامور بہ کے ترک کی طرف اشارہ ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خدا تعالیٰ جس شخص کی بہتری چاہتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے" اور آپ نے فرمایا علماء انبیاء کے وارث ہیں" اور آپ نے فرمایا" عالم کو عابد پر ایسی فضیلت ہے جیسی مجھ کو تم میں سے کسی ادنیٰ شخص پر فضیلت ہے" اور اسی قسم کی اور حدیثیں فرمائی ہیں،

واضح ہو کہ جب کسی شخص پر عنایت الٰہی کا ورود ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ اس کو تدبیر الٰہی کا اہل بناتا ہے تو ضرور اس پر خدا تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہے اور فرشتوں کو اسکی محبت اور تعظیم کا حکم ہوتا ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے جس میں جبرئیلؑ کو محبت رکھنے کا اور زمین میں مقبولیت پھیلانے کا حکم ہونا بیان ہے، اور جب نبی صلے اللہ

فاورثت فيهم الهامات وتقريبات ففی حظيرة القدس داعية لاقامة الهداية فيهم ما لم تقم الساعة فوجب لذلك ان يكون فيهم لامحالة امة قائمة بامر الله وان لا يجتمعوا على الضلالة باسرهم وان يحفظ القرآن فيهم، واوجب اختلاف استعدادهم ان يلحق بما عندهم مع ذلك شئ من التغير فانتظرت العناية لناس مستعدين فقضى لهم بالتنويه فاورثت فی قلوبهم الرغبة فی العلم ونفی تحريف الغالين وهو اشارة الى التشدد والتعمق، وانتحال المبطلين وهو اشارة الى الاستحسان وخلط ملة بملة، وتاويل الجاهلين وهو اشارة الى التهاون، وترك المامور به بتاويل ضعيف، قوله صلى الله عليه وسلم من يرد الله به خيرا يفقهه فی الدين، وقوله صلى الله عليه وسلم ان العلماء ورثة الانبياء، وقوله صلى الله عليه وسلم فضل العالم على العابد كفضلی على ادناكم، وامثال ذلك ٭

اعلم ان العناية الالهية اذا حلت بشخص وصيره الله مظنة للتدبير الالهی لابد ان يصير مرحوما وان تؤمر الملائكة بمحبته وتعظيمه لحديث محبة جبرائيل ووضع القبول فی الارض، ولما انتقل النبی

علیہ وسلم نے وفات پائی تو وہی عنایت جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھی آپ کی ملت کی حفاظت کے لحاظ سے علماء، رواۃ اور اس کی اشاعت کرنے والوں کی طرف متوجہ ہوئی اور ان میں بے شمار فوائد پیدا کر دیئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خوش رکھے اللہ تعالیٰ اس بندے کو جو میری بات کو سنے اور یاد کرے اور محفوظ رکھے اور پھر جیسا سنا تھا ویسا ہی بیان کر دے"،

میں کہتا ہوں کہ اس فضیلت کا سبب یہ ہے کہ یہ شخص اس قابل معلوم ہوتا ہے کہ ہدایتِ نبوی کو مخلوق کی طرف پہنچا دے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص قصداً مجھ پر جھوٹ بولے وہ دوزخ میں اپنا ٹھکانا بنائے" نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "آخیر زمانہ میں دجال اور کذاب پیدا ہوں گے"

میں کہتا ہوں جبکہ اخیر زمانوں تک دین کے پہنچنے کا ذریعہ روایت ہی ہے اور جب روایت میں فساد داخل ہو جائے تو پھر اس کا کچھ علاج نہیں اس واسطے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولنا گناہ کبیرہ ہوا اور روایت کرنے میں احتیاط واجب ہوئی تاکہ روایت کرنے میں کذب نہ ہو، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بنی اسرائیل سے روایت کرو اور کچھ مضائقہ نہیں" اور فرمایا "بنی اسرائیل کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب"

میں کہتا ہوں قابل عبرت امور میں بنی اسرائیل سے روایت کرنا جائز ہے اور جہاں احکام دین اختلاط ہونے سے امن ہو اور اس کے ماسوا میں جائز نہیں،

اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ بہت سے بنی اسرائیل کے قصے جو کتب تفسیر میں بھری پڑی ہیں

صلى الله عليه وسلم نزلت العناية الخاصة به بحسب حفظ ملته الى حملة العلم و رواته و مشيعيه فانتج فيهم فوائد لا تحصى، قوله صلى الله عليه و سلم نضر الله عبدا سمع مقالتي فحفظها و وعاها و اداها كما سمعها

اقول سبب هذا الفضل انه مظنة لحمل الهداية النبوية الى الخلق قوله صلى الله عليه وسلم من كذب على متعمدا فليتبوا مقعده من النار، قوله صلى الله عليه وسلم يكون في اخر الزمان دجالون كذابون،

اقول لما كان طريق بلوغ الدين الى الاعصار المتاخرة انما هي الرواية واذا دخل الفساد من جهة الرواية لم يكن له علاج البتة كان الكذب على النبي صلى الله عليه وسلم كبيرة و وجب الاحتياط في الرواية لئلا يروي كذبا. قوله صلى الله عليه وسلم حدثوا عن بني اسرائيل و لا حرج،

و قوله صلى الله عليه وسلم لا تصدقوهم ولا تكذبوهم،

اقول الرواية عن اهل الكتاب تجوز فيما سبيله سبيل الاعتبار وحيث يكون الامن عن الاختلاط في شرائع الدين ولا تجوز فيما سوى ذلك، ومما ينبغي ان يعلم ان غالب الاسرائيليات المدسوسة

اور اخبار جو علما ر اہل کتاب سے منقول ہیں وہ اس قابل نہیں ہیں کہ ان پر کسی حکم شرعی یا اعتقاد کو قائم کیا جائے ۔ فتدبر ۔

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس علم سے خدا تعالےٰ کی رضامندی مطلوب ہوتی ہو اس علم کو کوئی شخص متاع دنیا حاصل کرنے کی غرض سے پڑھے تو قیامت کے روز وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا "

میں کہتا ہوں دنیوی غرض کے لئے علم دین حاصل کرنا حرام ہے اور جس میں غرض فاسد معلوم ہوتی ہو اس کو سکھلانا بھی چند وجوہ سے حرام ہے ،

ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایسا شخص اکثر غرض دنیوی کے واسطے ضعیف تاویل کر کے دین کے اندر تحریف کر سکتا ہے اس واسطے اس راستہ کو بند کر دینا ضروری ہوا ، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ایسا شخص قرآن و سنت کی حرمت نہ کرے گا اور نہ ان پر عمل کرے گا ، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس شخص سے کوئی علمی بات جس کو وہ جانتا ہو دریافت کیجائے پھر وہ چھپائے تو قیامت کے روز اس کے آگ کی لگام دیجائیگی "

میں کہتا ہوں علم کا چھپانا جس وقت کہ اس کے بیان کرنے کی ضرورت ہو حرام ہے اس واسطے کہ یہی سستی کی اصل ہے اور احکام دینی کے نسیان کا سبب ہے ، اور آخرت کی جزائیں اعمال کی مناسبت سے ہوتی ہیں ، پس جبکہ گناہ بیان مسئلہ سے زبان کا روکنا تھا تو زبان کے بند کرنے کے ہم شکل کے ساتھ سزا دی گئی اور وہ ہم شکل شئی آگ کی لگام ہے ،

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "علم تین ہیں ، آیت محکمہ ، یا سنت قائمہ ، یا فریضہ عادلہ اور جو اس کے سوا ہے وہ زیادہ ہے ،

میں کہتا ہوں یہ اس انضباط اور حد کو بیان کرنا ہے

فی کتب التفسیر ، والاخبار منقولة عن احبار اهل الکتاب لا ینبغی ان یبنی علیها حکم واعتقاد فتدبر ، قوله صلی الله علیه وسلم من تعلم العلم مما یبتغی به وجه الله لا یتعلمه الا لیصیب به عرضا من الدنیا لم یجد عرف الجنة یوم القیامة یعنی ریحها

اقول یحرم طلب العلم الدینی لاجل الدنیا ویحرم تعلیم من یری فیه الغرض الفاسد لوجوه ، منها ان مثله لا یخلو غالبا من تحریف الدین لاغراض الدنیا بتاویل ضعیف فوجب سد الذریعة ، ومنها ترك حرمة القرآن والسنن وعدم الاکتراث بها ، قوله صلی الله علیه واله وسلم من سئل عن علم علمه ثم کتمه الجم یوم القیامة بلجام من نار .

اقول یحرم کتم العلم عند الحاجة الیه لانه اصل التهاون وسبب نسیان الشرائع واجزیة المعاد تبنی علی المناسبات فلما کان الاثم کف لسانه عن النطق جوزی بشبه الکف وهو اللجام من نار .

قوله صلی الله علیه وسلم العلم ثلاثة ، اية محکمة اوسنة قائمة اوفریضة عادلة ، وما کان سوی ذلك فهو فضل .

اقول هذا ضبط وتحدید لما

جس کا سیکھنا لوگوں پر واجب بالکفایہ ہے، پس قرآن کا لفظاً سیکھنا اور بذریعہ بحث الفاظ غریبہ کی شرح سے اس کے محکم کی معرفت اسباب نزول اور دقت طلب امر کی توجیہ اور ناسخ و منسوخ کی معرفت ضروری ہے، لیکن متشابہ سو اس کا حکم یا توقف ہے یا محکم کی طرف رجوع کر لینا ہے، اور سنت قائمہ وہ ہے جو عبادات اور معاملات میں ان شرائع اور سنن سے ثابت ہو جن پر علم فقہ مشتمل ہے، اور سنت قائمہ وہ ہے جو نہ منسوخ ہو، نہ متروک ہو اور نہ اس کا کوئی راوی چھوٹا ہو اور جمہور صحابہ و تابعین کا اس پر عمل رہا ہو، ان سب میں اعلیٰ وہ ہے جس پر فقہاء مدینہ و کوفہ متفق ہوں اور اس کی علامت یہ ہے کہ اس پر مذاہب اربعہ متفق ہوں، اس کے بعد وہ ہے جس میں جمہور صحابہ کے دو قول یا تین قول ہوں اور ہر قول پر اہل علم کے ایک گروہ نے عمل کیا ہو، اور اس کی شناخت یہ ہے کہ موطاء اور جامع عبد الرزاق جیسی کتابوں میں ان کی روایات پائی جاتی ہوں، اور اس کے سوا جو کچھ ہے وہ بعض فقہاء کا استنباط ہے اور بعض کا نہیں ہے جو تفسیر، تخریج، استدلال اور استنباط کی وجہ سے حاصل ہوا ہے اور وہ سنت قائمہ نہیں ہے،

اور "فریضہ عادلہ" ورثہ کے حصے معلوم کرنا ہے اور اس کے ساتھ وہ ابواب قضا بھی ملحق ہیں جن کے ذریعہ مسلمانوں کے درمیان انصاف کے ساتھ قطع منازعت ہو جائے، پس یہ تین چیزیں ایسی ہیں جن کے واقف سے شہر کا خالی رہنا حرام ہے کیونکہ ان پر دین موقوف ہے اور جو ان کے سوا ہیں وہ فضل اور زیادتی کے قبیل سے ہیں،

يجب عليهم بالكفاية، فيجب معرفة القران لفظاً ومعرفة محكمه بالبحث عن شرح غريبه واسباب نزوله وتوجيه معضله وناسخه ومنسوخه واما المتشابه فحكمه التوقف او الارجاع الى المحكم والسنة القائمة ما ثبت فى العبادات والارتفاقات من الشرائع والسنن مما يشتمل عليه علم الفقه، والقائمة ما لم ينسخ ولم يهجر ولم يشذ راويه، وجرى عليه جمهور الصحابة و التابعين اعلاها ما اتفق فقهاء المدينة والكوفة عليه، وآيته ان يتفق على ذلك المذاهب الاربعة ثم ما كان فيه قولان لجمهور الصحابة او ثلاثة، ذلك كل قد عمل به طائفة من اهل العلم، وآية ذلك ان تظهر فى مثل المؤطا وجامع عبد الرزاق رواياتهم وما سوى ذلك فانما هو استنباط بعض الفقهاء دون بعض تفسيرا وتخريجا و استدلالا واستنباطا، وليس من القائمة والفريضة العادلة الانصباء للورثة، ويلحق به ابواب القضاء مما سبيله قطع المنازعة بين المسلمين بالعدل، فهذه الثلاثة يحرم خلو البلد عن غالبها لتوقف الدين عليه، وما سوى ذلك من باب الفضل والزيادة، ونهى صلى الله

عليه وسلم عن الاغلوطات، وهي المسائل التي يقع المسؤل عنها في الغلط و يمتحن بها اذهان الناس، و انما نهى عنها لوجوه منها ان فيها ايذاء او اذلالا للمسئول عنه وعجبا وبطرا لنفسه، و منها انها تفتح باب التعمق، وانما الصواب ما كان عند الصحابة والتابعين ان يوقف على ظاهر السنة، وما هو بمنزلة الظاهر من الايماء والاقتضاء والفحوى، ولا يمعن جدا وان لا يقتحم في الاجتهاد حتى يضطر اليه وتقع الحادثة فان الله يفتح عند ذلك العلم عناية منه بالناس، واما تهيئته من قبل فمظنة الغلط۔

قوله صلى الله عليه وسلم من قال في القرآن برايه فليتبوا مقعده في النار۔

اقول يحرم الخوض في التفسير لمن لا يعرف اللسان الذى نزل القرآن به والماثور عن النبي صلى الله عليه وسلم واصحابه والتابعين من شرح غريب وسبب نزول وناسخ ومنسوخ، قوله صلى الله عليه وسلم المراء في القرآن كفر۔ اقول يحرم الجدال في القرآن وهو ان يرد الحكم المنصوص بشبهة يجدها في نفسه قوله صلى الله عليه وآله وسلم انما هلك من كان قبلكم بهذا!

اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے مغالطات سے منع فرمایا ہے اور یہ وہ مسائل ہیں جن سے مسئول عنہ غلطی میں پڑتا ہے اور ان سے لوگوں کے اذہان کا امتحان لیا جاتا ہے، اور ان سے منع کرنے کی کئی وجوہ ہیں، ایک تو یہ ہے کہ ایسی باتوں میں مسئول عنہ کو ایذا اور ذلت، اور پوچھنے والے کو تکبر اور عجب حاصل ہوتا ہے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے تعمق کا دروازہ کھلتا ہے اور صحیح وہ ہے جس پر صحابہ اور تابعین تھے کہ ظاہر سنت پر مطلع ہونا چاہئے، اور جو ایماء واقتضاء اور فحوائے کلام سے بمنزلہ ظاہر کے ہے اس پر مطلع ہونا چاہئے اور بہت امعان مناسب نہیں ہے اور نہ ہی اجتہاد میں مشغول ہونا مناسب ہے جب تک کہ اس کی ضرورت نہ پڑے اور حادثہ پیش نہ آئے کیونکہ اس وقت خدا تعالے اپنی عنایت سے جو لوگوں پر ہے صحیح علم عطا کردیتا ہے اور پہلے سے اس کے لئے جلدی کرنے میں غلطی کا امکان ہے،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص اپنی رائے سے قرآن میں کوئی بات کہے اس کو اپنی جگہ دوزخ میں بنانا چاہیے۔"

میں کہتا ہوں جو شخص اس زبان سے جس میں قرآن نازل ہوا ہے واقف نہ ہو اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم، آپ کے صحابہ اور تابعین سے الفاظ غریبہ کی شرح، سبب نزول اور ناسخ ومنسوخ کے بارے میں جو منقول ہے اس سے واقف نہ ہو تو اس کے لئے تفسیر میں خوض کرنا حرام ہے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قرآن میں جھگڑا کرنا کفر ہے۔"

میں کہتا ہوں میں مجادلہ حرام ہے اور وہ مجادلہ یہ ہے کہ کوئی شخص حکم منصوص کو کسی شبہہ سے جو اس کے دل میں واقع ہوا ہے رد کرے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم سے پہلے لوگ اسی سبب سے ہلاک ہوئے

کہ انہوں نے اللہ تعالےٰ کی کتاب کے بعض کو بعض سے لڑایا۔،،

میں کہتا ہوں قرآن کے ساتھ تدارئع کرنا حرام ہے اور وہ تدارئع یہ ہے کہ ایک شخص کسی آیت سے کوئی مسئلہ ثابت کرے اور دوسرا شخص اپنا مذہب ثابت کرنے کے لئے اور دوسرے کی بات باطل کرنے کے لئے یا بعض ائمہ کے مذہب کو بعض پر غالب کرنے کے لئے دوسری آیت کو پیش کرے اور اس کا پورا پورا قصد اظہارِ حق نہ ہو، اور اسی طرح سنت کے ساتھ تدارئع کرنا حرام ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہر آیت کے لئے ایک ظاہر اور ایک باطن ہے اور ظاہر و باطن کو سمجھنے کے ہر درجہ کے لئے ایک خاص استعداد ہوتی ہے"

میں کہتا ہوں زیادہ تر قرآن میں صفاتِ الٰہی کا بیان، اس کی عجائبِ قدرت، احکام اور قصص، کفار پر احتجاج اور جنت و دوزخ کے ساتھ موعظت کرنا ہے پس قرآن کا ظاہر یہ ہے کہ جس کے لئے سوق کلام ہے اس کا پورا پورا علم حاصل ہو جائے، اور اس کا باطن آیات صفات میں، نعمائے الٰہی میں فکر اور غور کرنا ہے، اور آیات احکام میں ایماء اور اشارہ اور فحویٰ اور اقتضاء سے مسائل کا استنباط کرنا ہے، جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس آیت "وحملہ وفصالہ ثلٰثون شھرًا" سے اس بات کا استنباط کیا ہے کہ مدت حمل کی کبھی چھ ماہ بھی ہوتی ہے، کیونکہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے "حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ"

اور قصص میں اس کا باطن کہ ثواب اور مدح، یا عذاب اور ذم کے مدار کی معرفت ہو اور موعظت میں اس کا باطن رقتِ قلب اور خوف و رجاء کا ظاہر ہونا، اور اسی قسم کی اور باتیں ہیں، اور ہر حد کے مطلع سے مراد وہ استعداد ہے جس سے وہ حد حاصل ہوتی ہے

ضربوا كتاب الله بعضه ببعض،

اقول يحرم التدارؤ بالقرآن، وهو ان يستدل واحد باية فيرده آخر باية اخرى طلبا لاثبات مذهب نفسه وهدم موضع صاحبه او ذهابا الى نصرة مذهب بعض الائمة على مذهب بعض، ولا يكون مجتمع الهمة على ظهور الصواب والتدارؤ بالسنة مثل ذلك قوله صلى الله عليه وسلم لكل اية منها ظهر وبطن ولكل حد مطلع.

اقول اكثر ما في القرآن بيان صفات الله تعالى واياته والاحكام والقصص والاحتجاج على الكفار والموعظة بالجنة والنار فالظاهر الاحاطة بنفس ما سيق الكلام له والبطن في ايات الصفات التفكر في الاء الله والمراقبة، وفي ايات الاحكام الاستنباط بالايماء والاشارة و الفحوى والاقتضاء كاستنباط علي رضي الله عنه من قوله تعالى وحمله وفصاله ثلاثون شهرا ان مدة الحمل قد تكون ستة اشهر لقوله حولين كاملين، وفي القصص معرفة مناط الثواب والمدح او العذاب والذم، وفي العظة رقة القلب وظهور الخوف والرجا وامثال ذلك، ومطلع كل حد الاستعداد الذي به يحصل،

جیسے زبان اور آثار سے واقف ہونا اور جیسے ذہن
کی صفائی اور سمجھ کی پختگی کا ہونا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
"اس کتاب میں سے کچھ آیتیں محکم ہیں اور وہ کتاب
کی اصل ہیں اور کچھ آیات متشابہات ہیں،

میں کہتا ہوں بظاہر محکم وہ ہے جس میں ایک وجہ
کے سوا دوسری وجہ کا احتمال نہ ہو جیسے یہ آیت ہے
"تم پر تمہاری مائیں، تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں
حرام ہیں" اور متشابہ وہ ہیں جس میں چند احتمالات ہوں
اور ان میں سے بعض مراد ہو، جیسے خدا تعالےٰ کا قول
ہے "ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور نیک کام کئے
اس شئ کے بارے میں کوئی گناہ نہیں جو انہوں نے
کھایا" کج فہموں نے اس آیت کو اس پر محمول کیا کہ
جب تک کسی پر ظلم یا زمین میں فساد نہ ہو شراب کا پینا
درست ہے، اور صحیح یہ ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے
حق میں ہے جو تحریم سے پیشتر شراب پیتے تھے، نبی صلے
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اعمال کا مدار نیت پر ہے"۔

میں کہتا ہوں نیت، قصد اور ارادہ کو کہتے ہیں،
اور یہاں نیت سے مراد علت غائیہ ہے جو انسان کو
خیال میں آنے کے بعد کسی کام پر آمادہ کرتی ہے جیسے
اللہ تعالےٰ سے ثواب اور رضا، کا طلب کرنا، اور
حدیث کے معنی یہ ہیں کہ نفس کی تہذیب اور اس کی کجی
کے دور کرنے میں اعمال کا کچھ اثر نہیں ہوتا جب تک کہ
وہ کسی ایسے مقصد کے تصور کرنے سے صادر نہ ہوں
جس کو تہذیب نفس سے تعلق ہوتا ہے، اور عادت یا
لوگوں کی موافقت یا ریار اور سمعہ یا اقتضا جبلی کی
وجہ سے صادر نہ ہوں جیسے اس بہادر
آدمی سے قتال کا سرزد ہونا جو جنگ کے بغیر
نہیں رہ سکتا، اور اگر کفار سے مقابلہ پیش نہ آتا تو
اس شجاعت کو مسلمانوں کے قتال میں صرف کرتا

كمعرفة اللسان والآثار وكلطف
الذهن واستقامة الفهم، قوله تعالى
منه آيات محكمات هن ام الكتاب
وأخر متشابهات ؛

اقول الظاهر ان المحكم ما
لم يحتمل الا وجها واحدا مثل حرمت
عليكم امهتكم وبنتكم واخوتكم
والمتشابه ما احتمل وجوها
انما المراد بعضها كقوله تعالى ليس
على الذين آمنوا وعملوا الصالحات
جناح فيما طعموا حملها الزائغون
على اباحة الخمر ما لم يكن بغي
او افساد في الارض، والصحيح حملها
على شاربيها قبل التحريم، قوله
صلى الله عليه وسلم انما الاعمال
بالنيات ؛

اقول النية القصد والعزيمة
والمراد ههنا العلة الغائية التي
يتصورها الانسان، فيبعثه على
العمل مثل طلب ثواب من الله
او طلب رضا الله، والمعنى ليس
للاعمال اثر في تهذيب النفس
واصلاح عوجها الا اذا كانت صادرة
من تصور مقصد مما يرجع الى
التهذيب دون العادة وموافقة
الناس او الرياء والسمعة او قضاء
جبلة كالقتال من الشجاع الذي
لا يستطيع الصبر عن القتال، فلولا
مجاهدة الكفار لصرف هذا الخلق في

اور ایسے ہی شخص کی نسبت کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا کہ ایک شخص دکھاوے کی غرض سے قتال کرتا ہے اور ایک شخص اپنی شجاعت کی وجہ سے پس ان دونوں میں سے کون سا خدا کی راہ میں قتال کرتا ہے؟ تو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص اس لئے لڑتا ہے کہ خدا کا بول بالا ہو تو اس کا لڑنا خدا کے لئے ہے" اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دل کا ارادہ روح ہے اور اعمال اس کی صورت اور جسم ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے اور ان دونوں کے درمیان مشتبہات ہیں پس جو شخص شبہات سے بچا اس نے اپنا دین اور اپنی عزت کو بچا لیا۔"

میں کہتا ہوں کبھی ایک مسئلہ میں چند وجوہ متعارض ہوتی ہیں تو اس وقت میں احتیاط اور اس سے بچنا سنت ہے پس تعارض کی ایک صورت تو یہ ہے کہ صراحۃً روایات مختلف ہوں جیسے مس ذکر سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں، بعض نے اسکو ثابت کیا ہے اور بعض نے اس کی نفی کی ہے، اور ہر ایک کے پاس حدیث ہے جس سے وہ شہادت پیش کرتا ہے، اور جیسے محرم کا نکاح ہے اس کو ایک گروہ نے جائز رکھا ہے اور دوسروں نے اس کی نفی کی ہے اور روایتیں مختلف ہیں اور تعارض کی ایک صورت یہ ہے کہ اس باب میں جو لفظ استعمال کیا گیا ہے اس کے معنی منضبط نہیں ہیں، یعنی اس کے معنی تقسیم اور مثال سے معلوم ہوتے ہیں اور ایک جامع مانع تعریف سے اسکے معنی معلوم نہیں ہوتے تو وہاں تین مادے پیدا ہوتے ہیں ایک تو وہ مادہ[1] ہے جہاں اس لفظ کا یقیناً اطلاق ہوتا ہے اور ایک مادہ ہے جہاں یقیناً اطلاق نہیں ہوتا اور ایک مادہ ہے

قتال المسلمین، وھو ما سئل النبی صلے اللہ علیہ وسلم الرجل یقاتل ریاءً و یقاتل شجاعۃ فایھما فی سبیل اللہ؟ فقال من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا فھو فی سبیل اللہ والفقہ فی ذلك ان عزیمۃ القلب روح والاعمال اشباح لھا، قولہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم الحلال بین والحرام بین و بینھما مشتبھات فمن اتقی الشبھات فقد استبراء لدینہ وعرضہ، اقول قد تتعارض الوجوہ فی المسالۃ فتکون السنۃ حینئذ الاستبراء والاحتیاط، فمن التعارض ان تختلف الروایۃ تصریحا کمس الذکر ھل ینقض الوضوء اثبتہ البعض ونفاہ الاخرون، وکل واحد حدیث یشھد لہ، وکالنکاح للمحرم سوّغہ طائفۃ ونفاہ آخرون، واختلفت الروایۃ ومنہ ان یکون اللفظ المستعمل فی ذلك الباب غیر منضبط المعنی یکون معلوما بالقسمۃ والمثال ولا یکون معلوما بالحد الجامع المانع فیخرج ثلاث مواد، مادۃ یطلق علیہ اللفظ یقینا، ومادۃ

[1] مادہ سے مراد مورد ہے ۱۲

جہاں اس لفظ کے اطلاق کا صحیح ہونا یا نہ ہونا کچھ معلوم نہیں ہوتا اور تعارض کی ایک صورت یہ ہے کہ حکم کا مدار یقیناً کسی علت پر ہوتا ہے جس میں ایک مقصد کا یقینی گمان ہوتا ہے، اور ایک نوع اسکی ایسی ہوتی ہے کہ وہاں مقصد نہیں پایا جاتا اور علت پائی جاتی ہے جیسے لونڈی جس کو ایسے شخص سے خریدا جس میں جماع کی قابلیت نہیں ہے تو وہاں استبرا[1] واجب ہے یا نہیں، پس ایسے ایسے مواقع میں احتیاط کی بڑی تاکید ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قرآن پانچ وجوہ پر نازل ہوا حلال اور حرام اور محکم اور متشابہ اور امثال"

میں کہتا ہوں یہ وجوہ کتاب اللہ کے اقسام ہیں اگرچہ مختلف تقسیمات سے ہوں، پس ان میں حقیقی تضاد نہیں ہے اسی واسطے حکم کبھی حلال ہوتا ہے اور کبھی حرام ہوتا ہے اور دین کے اصول میں سے یہ بات ہے کہ جو آیات قرآنی یا احادیث نبوی متشابہات کے قبیل سے ہیں ان میں عقل سے خوض نہ کرنا چاہیے، اور اسی قسم کے بہت سے امور ہیں جہاں معلوم نہیں ہوتا کہ کلام کے حقیقی معنی مراد ہیں یا کوئی معنی مجازی مراد ہیں جو حقیقت کے قریب ہیں، اور یہ وہاں ہے جہاں امت کا اجماع نہیں ہے اور اس سے شبہہ مرتفع نہیں ہوا ہے، واللہ اعلم۔

طہارت کا بیان

واضح ہو کہ طہارت کی تین قسمیں ہیں ایک تو حدث سے طہارت دوسرے اس نجاست سے طہارت جو بدن یا کپڑے

[1] ولد سے رحم کے بری ہونے کو معلوم کرنا ۱۲

لا يطلق عليها يقيناً، ومادة لا يدرى هل يصح الاطلاق عليها ام لا، ومنه ان يكون الحكم منوطاً يقيناً بعلة هي مظنة لمقصد يقيناً، ويكون نوع لا يوجد فيه المقصد ويوجد فيه العلة كالامة المشتراة ممن لا يجامع مثله هل يجب استبراؤها؟ فهذه وامثالها يتاكد الاحتياط فيها، قوله صلى الله عليه وسلم نزل القرآن على خمسة وجوه حلال وحرام ومحكم ومتشابه، وامثال، اقول هذه الوجوه اقسام للكتاب، ولو بتقسيمات شتى، فلا جرم ليس فيه تمانع حقيقي، فالحكم يكون تارة حلالا واخرى حراما، ومن اصول الدين ترك الخوض بالعقل في المتشابهات من الآيات والاحاديث ومن ذلك امور كثيرة لا يدرى اأريد حقيقة الكلام ام اقرب مجاز اليها، وذلك فيما لم تجمع عليه الامة ولم ترتفع فيه الشبهة والله اعلم۔

من ابواب الطهارة

اعلم ان الطهارة على ثلاثة اقسام طهارة من الحدث، وطهارة من النجاسة المتعلقة بالبدن او الثوب

یا جگہ سے متعلق ہے، تیسرے بدن سے پیدا ہونے والے
میل کچیل سے طہارت ہے جیسے موئے زیر ناف ناخن
اور میل وغیرہ، لیکن احداث سے طہارت حاصل کرنا،
سو وہ اصول بر سے اخذ کی گئی ہے، ناپاکی اور طہارت
کی روح کے پہچاننے میں عمدہ ان لوگوں کا وجدان ہے
جن کے دلوں میں انوار ملکیہ کا ظہور ہوتا ہے، پس ان کے
نفوس اس حالت سے جس کو حدث کہتے ہیں نفرت
محسوس کرتے ہیں، اور اس حالت میں جس کا نام طہارت
ہے سرور اور انشراح محسوس کرتے ہیں، اور طہارت
کی صورتوں کی تعیین میں اور اس کے موجبات کے بارے
میں اس امر کا اعتبار ہے جو ملل سابقہ یعنی یہود، نصاریٰ
اور مجوس اور بقایا ملت اسماعیلیہ میں مشہور تھا، پس
وہ لوگ ناپاکی دو قسمیں اور طہارت کی دو قسمیں کرتے
تھے جیسا کہ پہلے ہم بیان کر چکے ہیں اور جنابت
سے غسل کرنا تمام عرب میں مروج تھا، پس نبی
صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی طہارت کی دونوں
قسموں کو حدث کی دونوں قسموں پر تقسیم فرمایا، پس
طہارت کبریٰ یعنی غسل کو حدث اکبر یعنی جنابت کے مقابلہ
میں رکھا، اس واسطے کہ حدث اکبر قلیل الوقوع اور کثیر التلوث
ہے اور وہ ایسے عمل شاق یعنی غسل سے جس کا آدمی کو
بہت کم اتفاق ہوتا ہے نفس کو متنبہ کرنے کا زیادہ ضرورتمند ہے
اور طہارت صغریٰ یعنی وضو کو حدث اصغر کے مقابلہ میں رکھا اس
واسطے کہ وہ کثیر الوقوع اور قلیل التلوث ہے اور اسمیں نفس کو کسی قدر
تنبیہ ہو جانا کافی ہے، وہ امور جن میں حدث کے معنی پائے
جاتے ہیں فی الحقیقت بیشمار ہیں جن کو اصحاب ذوق سلیم جانتے ہیں

او المكان، وطهارة من الاوساخ النابتة
من البدن كشعر العانة والاظفار، وا
الدرن، اما الطهارة من الاحداث فمأخوذة
من اصول البر والعمدة في معرفة
الحدث، وروح الطهارة وجدان
اصحاب النفوس التي ظهرت فيها
انوار ملكية فاحست بمنافرتها للحالة
التي تسمى حدثا وسرورها وانشراحها
في الحالة التي تسمى طهارة، وفي تعيين
هيئات الطهارة وموجباتها ما اشتهر
في الملل السابقة من اليهود والنصارى
والمجوس وبقايا الملة الاسماعيلية،
فكانوا يجعلون الحدث على قسمين، و
الطهارة على ضربين كما ذكرنا من
قبل، وكان الغسل من الجنابة سنة
سائرة في العرب فوزع النبي صلى الله
عليه وسلم قسمي الطهارة على نوعي
الحدث، فجعل الطهارة الكبرى
بازاء الحدث الاكبر لانه اقل وقوعا
واكثر لوثا واحوج الى تنبيه النفس
بعمل شاق قلما يفعل مثله، والطهارة
الصغرى بازاء الحدث الاصغر لانه
اكثر وقوعا واقل لوثا ويكفيه التنبيه
في الجملة، والامور التي فيها معنى الحدث
كثيرة جدا يعرفها اهل الاذواق السليمة

لیکن وہ حدث جس سے تمام لوگوں کو مخاطب کیا جا سکے ان محسوس امور میں منضبط ہے جن کا ظاہر میں نفس کے اندر اثر ہوتا ہے تاکہ ظاہر طور پر لوگوں سے اس کی باز پرس ہو سکے اسی واسطے یہ بات مقرر ہوئی کہ مدارِ حکم اس اشتغال نفس پر نہ رکھا جائے جو معدہ میں معلوم ہوتا ہے بلکہ حدث کے حکم کا مدار سبیلین یعنی پیشاب یا پاخانہ کے راستہ سے کسی چیز کے نکلنے پر رکھا جائے کیونکہ پہلی صورت کا کچھ اندازہ نہیں ہو سکتا اور جب معدہ کے اندر کچھ حرکت پائی بھی جائے تو باہر سے وضو کر لینا اس کو رفع نہیں کر سکتا، اور دوسری بات یعنی سبیلین سے کسی شئی کا خارج ہونا حسًّا معلوم ہو سکتی ہے اور یہ بھی ہے کہ اس میں انقباض نفس کے معنی کی ایک ظاہری صورت ہے اور اس کا قائم مقام یعنی نجاست سے بدن کا آلودہ ہونا پایا جاتا ہے اور نیز نفس کے اندر وضو کا اثر اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جبکہ نفس کو فراغت ہو جائے اور یہ فراغت کسی چیز کے خارج ہونے سے ہوتی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس کلام میں (تم میں سے کوئی شخص ایسی حالت میں نماز نہ پڑھے جبکہ اس کو پیشاب پاخانہ کی حاجت معلوم ہوتی ہو) تنبیہ فرما دی کہ اس میں صرف مشغول ہو جانا بھی حدث کے ایک معنی ہیں، اور وہ امور جن میں طہارت کے معنی پائے جاتے ہیں بہت سے ہیں جیسے خوشبو لگانا اور وہ اذکار جو اس خصلت یعنی پاکی کو یاد دلاتے ہیں جیسے آپ کا یہ پڑھنا "اے اللہ مجھ کو توبہ کرنے والوں میں سے کر اور مجھ کو پاکیزہ لوگوں میں سے کر" اور آپ کا یہ فرمانا "اے اللہ مجھ کو گناہوں سے ایسا پاک صاف کر جیسے سفید کپڑا میل سے صاف ہو جاتا ہے" اور پاکیزہ جگہوں میں جانے سے بھی طہارت حاصل ہوتی ہے وغیر ذالک، لیکن وہ طہارت جس سے سب لوگوں کو مخاطب کر سکیں ایسی

لكن الذي يصلح ان يخاطب به الناس كافة ما هو منضبط بامور محسوسة ظاهرة الاثر في النفس لتمكن المؤاخذة به جهرة فلذلك تعين ان لا يدار الحكم على اشتغال النفس بما يختلج في المعدة ولكن يدار على خروج شيء من السبيلين فان الاول غير مضبوط المقدار واذا تمكن لا يرفعه الوضوء من خارج، والثاني معلوم بالحس، وايضا فلمعنى انقباض النفس فيه شبح محسوس وخليفة ظاهرة وهي التلطخ بالنجاسة، وايضا انما يؤثر الوضوء عند زوال اشتغال النفس وذلك بالخروج، وقد نبه النبي صلى الله عليه وسلم في قوله لا يصل احدكم وهو يدافع الاخبثين ان نفس الاشتغال فيه معنى من معاني الحدث، والامور التي فيها معنى الطهارة كثيرة كالتطيب والاذكار المذكرة لهذه الخلة كقوله اللهم اجعلني من التوابين واجعلني من المتطهرين، وقوله اللهم نقني من الخطايا كما نقيت الثوب الابيض من الدنس، والحلول بالمواضع المتبركة ونحو ذلك، لكن الذي يصلح ان يخاطب به جماهر الناس ما يكون منضبطا

ہونا چاہیے جو منضبط معین چیز ہو اور ہر وقت اور ہر جگہ لوگوں کو حاصل ہو سکے اور بظاہر اس کا اثر معلوم ہوتا ہو اور لوگوں میں اس کا دستور رہا ہو، وضوء کے اندر اصل اعضا، کا دھونا ہے اس واسطے شارع نے منہ اور دونوں ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا مقرر کیا کیونکہ اس سے کم کا اثر محسوس نہیں ہوتا، اور پیروں کا ٹخنوں تک دھونا مقرر کیا کیونکہ اس سے کم عضو نا تمام ہے اور سر کے واسطے مسح مقرر کیا کیونکہ اس کے دھونے میں ایک طرح کی دقت ہے، اور غسل کے اندر اصل تمام بدن کا دھونا ہے، اور سبب وضوء میں اصل وہ شئی ہے جو پیشاب، پاخانہ کے راستہ سے نکلے اور جو اس کے علاوہ ہے وہ اسی پر محمول ہے، اور سبب غسل میں اصل جماع اور حیض ہے، اور گویا یہ دونوں امر نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے پیشتر عرب میں مسلّم تھے، اور طہارت کی دوسری دونوں قسمیں تمدنی زندگی سے ماخوذ ہیں کیونکہ یہ دونوں اصل طبیعت انسانی کی مقتضیٰ ہیں، ان سے کوئی قوم اور کوئی ملت خالی نہیں ہے اور اس بارے میں شارع نے عرب خالص کا اعتبار کیا جن کو اوسط درجہ کی خوش حالی حاصل تھی جس طرح اور باقی تمدنی زندگی درست کرنے میں انہیں کا اعتبار کیا، پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے سوائے اس کے کوئی بات زیادہ نہیں کی کہ آداب معیّن کر دیئے، جہاں اشکال تھا اس کو صاف کر دیا اور جہاں ابہام تھا اس کا اندازہ کر دیا،

متيسر لهم كل حين وكل مكان، والذى يحس اثره بادى الراى، والذى جرى عليه طوائف الامم، واصل الوضوء غسل الاطراف فضبط الوجه واليدين الى المرفقين لان دون ذلك لايحس اثره والرجلين الى الكعبين، لان دون ذلك ليس بعضو تام وجعل وظيفة الراس المسح لان غسله نوع من الحرج واصل الغسل تعميم البدن بالغسل، واصل موجب الوضوء الخارج من السبيلين وما سوى ذلك محمول عليه، واصل موجب الغسل الجماع والحيض، وكان هذين الامرين كانا مسلمين فى العرب قبل النبى صلى الله عليه وسلم، واما القسمان الاخران من الطهارة فماخوذان من الارتفاقات فانهما من مقتضى اصل طبيعة الانسان لاينفك عنهما قوم ولا ملة، والشارع اعتمد فى ذلك على ما عند العرب القح من الرفاهية المتوسطة كما اعتمد عليه فى سائر ما ضبط من الارتفاقات فلم يزد النبى صلى الله عليه واله وسلم على تعيين الاداب وتمييز المشكل وتقدير المبهم ؞

وضوء کا بیان :- نبی صلے اللہ علیہ وسلم

فصل فى الوضوء :- قال النبى صلى

سلہ تطییب اور حلول، ۱۲-

نے فرمایا "طہارت نصف ایمان ہے"،

میں کہتا ہوں یہاں ایمان سے ایک ایسی ہیئتِ نفسانیہ مراد ہے جو نور طہارت اور خشوع سے مرکب ہے، اور لفظ احسان اس معنی میں ایمان سے زیادہ واضح ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ طہارت اس کا نصف ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس شخص نے وضوء کیا اور اچھی طرح سے کیا تو اس کے گناہ اس کے جسم سے نکل جاتے ہیں حتی کہ اس کے ناخونوں کے نیچے سے بھی نکل جاتے ہیں"،

میں کہتا ہوں وہ پاکیزگی جو اصل نفس میں اثر کرتی ہے نفس کو مقدس کرکے ملائکہ کے ساتھ ملحق کردیتی ہے اور بہت سے ناپاک حالات کو محو کردیتی ہے پس اس پاکیزگی کی خاصیت ہی وضوء کی خاصیت کردی گئی جو طہارت کی صورت اور اس کا مظنہ اور اس کا عنوان ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے روز میری امت کو پکارا جائیگا اور وضوء کے آثار سے ان کے چہرے اور ہاتھ پاؤں روشن ہوں گے پس تم میں سے جو کوئی اپنا نور بڑھا سکے وہ بڑھالے"، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جہانتک وضوء کا پانی پہنچیگا وہیں تک مومن کو جنت کا زیور پہنایا جائیگا"،

میں کہتا ہوں جبکہ طہارت کی صورت پانچ اعضاء کے ساتھ متعلق تھی تو نفس کا طہارت کے ساتھ تنعم حاصل کرنا ان اعضاء کیلئے زیور اور روشن ہونے کی صورت میں ظاہر ہوا جس طرح بزدلی خرگوش کی صورت میں اور شجاعت شیر کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مومن کے سوا وضوء پر کوئی مداومت نہیں کرسکتا"،

الله عليه وسلم الطهور شطر الايمان ،

اقول المراد بالايمان ههنا هيئة نفسانية مركبة من نور الطهارة والاخبات و الاحسان اوضح منه في هذا المعنى، و لاشك ان الطهور شطره ، قوله صلى الله عليه وسلم من توضأ فاحسن الوضوء خرجت خطاياه من جسده حتے تخرج من تحت اظفاره ، اقول النظافة المؤثرة في جذر النفس تقدس النفس وتلحقها بالملائكة، وتنسي كثيرا من الحالات الدنسية فجعلت خاصيتها خاصية للوضوء الذي هو شبحها ومظنتها وعنوانها، قوله صلے الله عليه وسلم ان امتي يدعون يوم القيامة غرا محجلين من اثار الوضوء، فمن استطاع منكم ان يطيل غرته فليفعل، وقوله صلے الله عليه وسلم تبلغ الحلية من المؤمن حيث يبلغ الوضوء، اقول لما كان شبح الطهارة ما يتعلق بالاعضاء الخمسة تمثل تنعم النفس بها حلية لتلك الاعضاء وغرة و تحجيلا كما يتمثل الجبن وبرا والشجاعة اسدا، قوله صلے الله عليه وسلم لا يحافظ على الوضوء الا مؤمن، اقول

میں کہتا ہوں جب وضوء پر مداومت ایک دشوار
امر تھا جس کو وہی شخص کرسکتا ہے جس کو طہارت کے
بارے میں بصیرت حاصل ہو اور اس کے نفع عظیم کا اس کو
یقین ہو اس لئے اس کی مداومت کو ایمان کی علامت بنادیا گیا،

کیفیت وضوء کا بیان

وضوء کی کیفیت جس طرح حضرت عثمان، حضرت
علی، حضرت عبداللہ بن زید وغیرہم رضی اللہ عنہم نے
آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے بیان کی ہے بلکہ
جو نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے بالتواتر ثابت ہے اور
امت نے اس پر اتفاق کیا یہ ہے کہ پانی کے برتن
میں ہاتھ ڈالنے سے پیشتر اپنے دونوں ہاتھ دھوئے
اور کلی کرے اور ناک میں پانی ڈالے اور اس کو صاف
کرے اس کے بعد اپنا منہ دھوئے پھر اپنے دونوں
ہاتھ کہنیوں تک دھوئے پھر سر کا مسح کرے پھر اپنے
دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھوئے،

اور ان لوگوں کے قول کا کوئی اعتبار نہیں
جن میں گمراہی سرایت کر گئی اور انہوں نے ظاہر آیت
سے استدلال کرکے پاؤں کے دھونے سے
انکار کردیا کیونکہ میرے نزدیک جو شخص ایسی بات کہے
اور وہ شخص جو جنگ بدر یا جنگ احد سے جو آفتاب
فی رابعۃ النہار کی طرح ثابت ہیں منکر ہو دونوں برابر ہیں،
ہاں، جو شخص یہ بات کہے کہ احتیاط اس میں ہے کہ پاؤں
کے دھونے کے ساتھ ان کا مسح بھی کرے یا یہ کہ ادنیٰ فرض
مسح کرنا ہے اگرچہ دھونا بھی ایسا ہے جس کا ترک کرنا

لما كانت المحافظة عليه شاقة لا
تتأتى الا ممن كان على بصيرة من امر
الطهارة موقنا بنفعها الجسيم جعلت
علامة الايمان ؛

صفة الوضوء

صفة الوضوء على ما ذكره عثمان
وعلي وعبد الله بن زيد وغيرهم
رضي الله عنهم عن النبي صلى الله
عليه وسلم بل تواتر عنه صلى الله
عليه وسلم وتطابق عليه الامة
ان يغسل يديه قبل ادخالهما
الاناء ويتمضمض ويستنثر و
يستنشق فيغسل وجهه فذراعيه
الى المرفقين، فيمسح براسه
فيغسل رجليه الى الكعبين، ولا
عبرة بقوم تجارت بهم الاهواء
فانكروا غسل الرجلين متمسكين
بظاهر الاية، فانه لا فرق عندي
بين من قال بهذا القول وبين
من انكر غزوة بدر او احد مما
هو كالشمس في رابعة النهار، نعم
من قال بان الاحتياط الجمع بين
الغسل والمسح او ان ادنى الفرض
المسح، وان كان الغسل مما يلام

سخت قابل ملامت ہے تو یہ ایک ایسی بات ہے کہ علماء اس کے اندر جب تک کہ اصل حال منکشف نہ ہو توقف کر سکتے ہیں، اور مجھ کو کوئی ایسی صحیح روایت نہیں ملی جس میں یہ تصریح ہو کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے بغیر کلی کئے اور بغیر ناک میں پانی ڈالے اور بغیر ترتیب کے وضو کیا، پس یہ وضو میں نہایت مؤکد امور ہیں، اور یہ دونوں یعنی کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا خصال فطرت میں سے دو مستقل طہارتیں ہیں جو وضو کے ساتھ اس لئے ملا دی گئی ہیں کہ وضو کے ساتھ ان کا ایک وقت معین رہے اور اس لئے کہ یہ دونوں جسم کے ان پوشیدہ حصوں میں سے ہیں جو خیال رکھنے کے قابل ہیں اور ان دونوں کا ساتھ ساتھ ہونا بہ نسبت جدا جدا ہونے کے زیادہ مناسب ہے، اور آداب وضو، چند امور میں منحصر ہیں ان میں سے ایک جسم کے ان پوشیدہ حصوں کا خیال رکھنا ہے جن میں بغیر تکلف کے پانی نہیں پہنچتا جیسے کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں میں اور ڈاڑھی میں خلال کرنا اور انگوٹھی کو حرکت دینا، اور ان میں سے ایک پاکیزگی کو پورا کرنا ہے جیسے تین تین مرتبہ دھونا اور جیسے خوب اوپر تک ہر عضو کا دھونا جو روشنی اور نور کا زیادہ کرنا ہے اور صاف کرنا اور وہ بدن کا ملنا ہے اور سر کے ساتھ دونوں کانوں کا مسح کرنا ہے اور وضو پر وضو کرنا ہے، اور ان میں سے ایک امور مہمہ کے اندر انکی عادت کی موافقت کرنا ہے جیسے دائیں عضو سے شروع کرنا اس لئے کہ دائیں کو بائیں پر قوت اور اولویت ہے پس ان امور میں جو دونوں سے تعلق رکھتے ہیں ابتداء کا حق بھی

اشد الملامة على تركه فلذلك امر يمكن ان يتوقف فيه العلماء حتى تنكشف فيه جلية الحال، ولم اجد في رواية صحيحة تصريحا بان النبي صلى الله عليه وسلم توضأ بغير مضمضة واستنشاق وترتيب، فهي متاكدة في الوضوء غاية الوكادة، وهما طهارتان مستقلتان من خصال الفطرة ضمتا مع الوضوء ليكون ذلك توقيتا لهما، ولانهما من باب تعهد المغابن والوصل بينهما اصح من الفصل، وآداب الوضوء ترجع الى معان، منها تعهد المغابن التي لا يصل اليها الماء الا بعناية كالمضمضة والاستنشاق وتخليل اصابع اليدين والرجلين واللحية وتحريك الخاتم، ومنها اكمال التنظيف كتثليث الغسل وكالاسباغ وهو اطالة الغرة، والتحجيل والانقاء وهو الدلك، ومسح الاذنين مع الراس والوضوء على الوضوء ومنها موافقة عاداتهم في الامور المهمة كالبداءة بالايمان فان اليمين اقوى واولى فكان احق بالبداءة فيما كان بهما واختصاصه بالطيبات والمحاسن دون اضدادها

اسی کو حاصل ہے اور ان امور میں جو استعمال میں کسی ایک کے ساتھ تعلق رکھ سکتے ہیں انہیں سے صرف محاسن اور طیبات کو

فيما كان باحد اهما، ومنها ضبط فعل القلب بالفاظ صريحة في المراد وضم الذكر اللساني مع القلب، قوله صلى الله عليه وسلم لا وضوء لمن لم يذكر الله، اقول هذا الحديث لم يجمع اهل المعرفة بالحديث على تصحيحه وعلى تقدير صحته، فهو من المواضع التي اختلف فيها طريق التلقي من النبي صلى الله عليه وسلم فقد استمر المسلمون يحكون الوضوء النبي صلى الله عليه و آله وسلم ويعلمون الناس، ولا يذكرون التسمية حتى ظهر زمان اهل الحديث، وهو نص على ان التسمية ركن او شرط، ويمكن ان يجمع بين الوجهين بان المراد هو التذكر بالقلب فان العبادات لا تقبل الا بالنية، و حينئذ يكون صيغة لا وضوء على ظاهرها، نعم التسمية ادب كسائر الآداب لقوله صلى الله عليه وآله و سلم كل امر ذي بال لم يبدأ باسم الله فهو ابتر، وقياسا على مواضع كثيرة، ويحتمل ان يكون المعنى لا يكمل الوضوء لكن لا ارتضي مثل هذا التاويل فانه من التاويل البعيد الذي يعود بالمخالفة على اللفظ، قوله

دائیں کے ساتھ ہی خاص کرنا مناسب ہے، اور ان میں سے ایک دل کی کیفیت کا ان الفاظ کے ساتھ انضباط کرنا ہے جو صراحۃً مقصود پر دلالت کرتے ہیں، اور ذکر قلبی کے ساتھ ذکر لسانی کا ملانا ہے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے خدا کا ذکر نہیں کیا اس کا وضو نہیں ہوا"،

میں کہتا ہوں واقفین حدیث کا اس کی صحت پر اتفاق نہیں ہے اور اگر صحیح بھی سمجھی جائے تو یہ ان مواضع میں سے ہے جہاں نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے سیکھنے کے طریقوں میں اختلاف واقع ہوا ہے، پس اہل اسلام ہمیشہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے وضو کو بیان کرتے رہے اور لوگوں کو سکھلاتے رہے اور بسم اللہ کا ذکر بھی نہیں کرتے تھے حتی کہ اہل حدیث کا زمانہ ظاہر ہوا، اور اس حدیث میں اس بات کی نص ہے کہ بسم اللہ یا تو وضو کا رکن ہے یا اس کی شرط ہے، اور دونوں وجہوں میں اس طرح مطابقت ہو سکتی ہے کہ حدیث میں ذکر سے مراد ذکر قلبی ہے کیونکہ بغیر نیت کے اعمال مقبول نہیں ہوتے، اور اس وقت وضو سے نفس کا رنگین ہونا مراد ہے اور وضو اپنے ظاہر معنی میں مراد نہیں ہے ہاں تسمیہ ایک امر مستحب ہے جیسے اور مستحبات ہیں کیونکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو مہتم بالشان کام خدا کے نام سے شروع نہ کیا جائے تو وہ خراب ہوتا ہے"، اور بہت سے مواضع پر قیاس کرنے سے اس کا آداب میں داخل ہونا ثابت ہو سکتا ہے، اور لا وضوء کے ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اس کا وضو کامل نہیں ہوتا، لیکن میں ایسی تاویل کو پسند نہیں کرتا کیونکہ یہ ایک ایسی بعید تاویل ہے جو اصل لفظ کے مخالف ہے،

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کیونکہ اس کو معلوم نہیں ہے کہ اس کا ہاتھ رات بھر کہاں پڑا رہا ہے،،

میں کہتا ہوں اس کا مطلب یہ ہے کہ ہاتھوں کو دھوئے ہوئے بہت دیر ہو جانے اور بہت دیر تک ان سے بے خبر رہنے میں ظن غالب ہے کہ نجاست اور میل کچیل ان تک پہنچا ہو جس کی وجہ سے اس کے ساتھ ہاتھوں کا پانی میں ڈالدینا پانی کو ناپاک کر دینا یا مکدر کر دینا یا اس میں کراہت پیدا کر دینا ہے، اور پانی میں پھونک مارنے سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے جو منع فرمایا ہے اس کی بھی یہی وجہ ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو صبح تک سوتا ہے تو شیطان اس کی ناک پر رات کو رہتا ہے،،

میں کہتا ہوں اس کے معنی یہ ہیں کہ نتھنوں میں بلغم اور مواد غلیظہ کا جمع ہو جانا کند ذہنی اور فکر میں نقصان کا سبب ہوتا ہے پس وہ شیطان کو وسوسہ ڈالنے کا اور اس شخص کو تدبر اذکار سے روکنے کا موقع دیتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے جو شخص وضو کرے اور پورا پورا کرے اور پھر اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ آخیر تک پڑھے اور ایک روایت میں ہے کہ یہ دعا پڑھے اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین، تو اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں جس میں سے چاہے داخل ہو جائے،،

میں کہتا ہوں طہارت کی روح بغیر اس کے حاصل نہیں ہوتی کہ عالم غیب کی طرف نفس کی توجہ ہو اور اس کی طلب میں پوری پوری کوشش ہو اس واسطے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اسکے لئے ذکر مقرر فرمایا اور اس پر اس طہارت کے فائدہ کو مرتب فرمایا جو نفس کے اندر حاصل تھی

صلى الله عليه وسلم فانه لا يدري اين باتت يده،

اقول معناه ان بعد العهد بالتطهر والغفلة عنهما مليا مظنة لوصول النجاسة والاوساخ اليهما، مما يكون ادخال الماء معه تنجيسا له اوتكديرا وشناعة، وهو علة النهي عن النفخ في الشراب، قوله صلى الله عليه وسلم فان الشيطان يبيت على خيشومه،

اقول معناه ان اجتماع المخاط والمواد الغليظة في الخيشوم سبب لتبلد الذهن وفساد الفكر، فيكون امكن لتاثير الشيطان بالوسوسة وصده عن تدبر الاذكار،

قوله صلى الله عليه وسلم ما منكم من احد يتوضأ فيبلغ الوضوء ثم يقول اشهد الخ، وفي رواية اللهم اجعلني من التوابين واجعلني من المتطهرين فتحت له ابواب الجنة الثمانية يدخل من ايها شاء،

اقول روح الطهارة لا يتم الا بتوجه النفس الى عالم الغيب واستفراغ الجهد في طلبها، فضبط لذلك ذكرا ورتب عليه ما هو فائدة الطهارة الداخلة في جذر النفس، قوله صلى

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے بارے میں جس نے پورے
طور پر وضو نہیں کیا تھا فرمایا "خرابی ہے ایڑیوں کو آگ سے"۔
میں کہتا ہوں اس میں راز یہ ہے کہ جب اللہ تعالے
نے ان اعضاء کا دھونا واجب کیا تو اس ایجاب نے اقتضاء کیا
کہ دھونے کے معنی پائے جائیں پس جب اس نے بعض
عضو کو دھویا اور پورے اس عضو کو نہیں دھویا تو یہ کہنا صحیح
نہیں ہے کہ اس نے عضو کو دھویا اور نیز آپ کے اس فرمانے
میں سستی کا دروازہ بند کر دینا ہے، اور ایڑیوں میں آگ اس
واسطے لگی کہ پے درپے ناپاکی کا ہونا اور اس کے دور نہ کرنے
پر اصرار کا پایا جانا ایسی خصلت ہے جس سے دوزخ کی آگ
واجب ہوتی ہے اور ناپاکی سے طہارت حاصل کرنا اس
آگ سے نجات کا اور گناہوں کے دور کرنے کا سبب ہے، پس
جب ایک عضو میں طہارت کے معنی نہ پائے گئے اور اللہ
حکم الٰہی کی تعمیل نہ ہوئی تو یہ اس بات کا سبب بن گیا کہ اس
خصلت کی وجہ سے جو نفس کے اندر خرابی کا سبب بنی ہے اس
عضو کی طرف سے نفس کیلئے تکلیف ظاہر ہو، واللہ اعلم۔

موجبات وضو کا بیان

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس شخص کی
نماز قبول نہیں ہوتی جس کا وضوء جاتا رہا یہاں تک کہ
وہ وضوء کرے" اور آپ نے فرمایا "بغیر طہارت کے
نماز مقبول نہیں ہوتی" اور آپ نے فرمایا "نماز کی کنجی
طہارت ہے"

میں کہتا ہوں ان سب احادیث میں اس
بات کی تصریح ہے کہ نماز کے لئے طہارت شرط ہے اور طہارت

الله عليه وسلم لمن لم يستوعب
ويل للاعقاب من النار، اقول السر
فيه ان الله تعالى لما اوجب غسل
هذه الاعضاء اقتضى ذلك ان يحقق
معناه، فاذا غسل بعض العضو ولم
يستوعب كله لا يصح ان يقال غسل
العضو، وايضا فيه سد باب
التهاون وانما تخللت النار في
الاعقاب لان تراكم الحدث والاصرار
على عدم ازالته خصلة موجبة
للنار، والطهارة موجبة للنجاة
منها وتكفير الخطايا، فاذا لم يتحقق
معنى الطهارة في عضو وخالف حكم
الله فيه كان ذلك سبب ان يظهر
تألم النفس بالخصلة الموجبة لفساد
النفس من قبل هذا العضو والله اعلم

مُوجِبَاتُ الوُضُوءِ

قوله صلى الله عليه وسلم:- لا
تقبل صلاة من احدث حتى يتوضأ
وقوله صلى الله عليه وسلم:- لا
تقبل صلاة بغير طهور، وقوله
صلى الله عليه وآله وسلم مفتاح
الصلاة الطهور - اقول كل ذلك
تصريح باشتراط الطهارة، والطهارة

ایک مستقل عبادت ہے جو نماز کے ساتھ مقرر کردی گئی ہے
کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک کا فائدہ دوسرے پر
موقوف ہے، اور اس میں نماز کی جو منجملہ شعائرِ الٰہی کے ہے
تعظیم پائی جاتی ہے، ہماری شریعت میں وضوء کو واجب
کرنے والے امور تین قسم کے ہیں، ان میں سے ایک قسم
وہ ہے جس پر جمہور صحابہ نے اتفاق کیا ہے اور اس میں
روایتیں متفق ہیں اور اس پر برابر عمل جاری ہے اور وہ بول
و براز ہے اور ریح اور مذی ہے اور غفلت کی نیند ہے
اور جو ان کے ہم معنی ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا "سُرین کا بندھن دونوں آنکھیں ہیں"، اور نبی صلے
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "پس جب آدمی لیٹ جاتا ہے
تو اس کے جوڑ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں"،

میں کہتا ہوں اس کے معنی یہ ہیں کہ گہری نیند میں جوڑ
ڈھیلے ہوجاتے ہیں اور ریح کے خارج ہونیکا گمان غالب
ہوتا ہے اور اس کے ساتھ میں ایک سبب اور بھی پاتا ہوں
وہ یہ ہے کہ نیند نفس کو سُست کرتی ہے اور حدث جیسا
کام کرتی ہے، مذی کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا "اپنے آلۂ تناسل کو دھولے اور وضوء کرلے"،

میں کہتا ہوں اس میں شک نہیں کہ ملاعبت کرنے سے جو
مذی باہر آتی ہے اسمیں شہوت کا پورا کرنا ہے جس کا درجہ شہوت
جماع سے کم ہے اس واسطے اس کے لئے مناسب یہ ہے کہ ایسی
طہارت واجب کیجائے جو طہارت کبریٰ سے کم درجہ کی
ہو، جس شخص کو ریح کے خروج کا شک ہو اس کے بارے
میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تک آواز
نہ سُنے یا بو نہ محسوس کرے مسجد سے باہر نہ جائے"،

طاعة مستقلة وقتت بالصلوة لتوقف
فائدة كل واحدة منهما على الاخرى
وفيه تعظيم امر الصلاة التي هي
من شعائر الله، وموجبات الوضوء
في شريعتنا على ثلاث درجات،
احدها ما اجتمع عليه جمهور
الصحابة وتطابق فيه الرواية،
والعمل الشائع وهو البول والغائط
والريح والمذي والنوم الثقيل وما
في معناها. قوله صلى الله عليه وسلم
وكاء السه العينان، وقوله صلى الله
عليه وسلم فانه اذا اضطجع استرخت
مفاصله، اقول معناه ان النوم
الثقيل مظنة لاسترخاء الاعضاء
وخروج الحدث، وادى ان مع ذلك
له سبب أخر، هو ان النوم يبلد
النفس ويفعل فعل الاحداث،
قوله صلى الله عليه وسلم في المذي
يغسل ذكره ويتوضأ، اقول لا شك
ان المذي الحاصل من الملاعبة قضاء
شهوة دون شهوة الجماع، فكان
من حقه ان يستوجب طهارة
دون الطهارة الكبرى، قوله صلى
الله عليه وآله وسلم في الشاك
لا يخرجن من المسجد حتى يسمع

صوتاً او يجد ريحاً، اقول معناه حتى يستيقن لما ادير الحكم على الخارج من السبيلين كان ذلك مقتضيا ان يميز بين ما هو في الحقيقة وبين ما هو مشتبه به وليس هو، والمقصود نفي التعمق الثانية ما اختلف فيه السلف من فقهاء الصحابة والتابعين وتعارض فيه الرواية عن النبي صلى الله عليه وسلم كمس الذكر لقوله صلى الله عليه وسلم من مس ذكره فليتوضأ، قال به ابن عمر وسالم وعروة وغيرهم ورده علي وابن مسعود وفقهاء الكوفة ولهم قوله صلى الله عليه وسلم هل هو الا بضعة منه ولم يجئ الثلج بكون احدهما منسوخاً، ولمس المرأة قال به عمر وابن عمر وابن مسعود وابراهيم لقوله تعالى او لامستم النساء ولا يشهد له حديث بل يشهد حديث عائشة بخلافه لكن فيه نظر لان في اسناده انقطاعاً، وعندي ان مثل هذه العلة انما تعتبر في مثل ترجيح احد الحديثين على الآخر ولا تعتبر في ترك حديث من غير تعارض والله اعلم۔

میں کہتا ہوں اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک اس کو یقین نہ ہو جائے جبکہ وضو کے حکم کا مدار سبیلین سے کوئی چیز خارج ہونے پر ہے تو اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اس شئی میں جو حقیقت میں ہے اور اس شئی میں جو مشتبہ ہے اور واقع میں نہیں ہے تمیز کیجائے اور اس سے مقصود تکلف اور شک کا دور کرنا ہے، اور موجبات وضو کی دوسری قسم وہ ہے جس میں فقہاء صحابہ اور تابعین سلف کا اختلاف ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے روایات مختلف مروی ہیں جیسے مس ذکر سے وضو کا واجب ہونا، اس واسطے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جس شخص نے آلہ تناسل کو ہاتھ لگایا اس کو وضو کرنا چاہیئے " حضرت عبداللہ بن عمر اور سالم اور عروہ وغیرہم کا یہی قول ہے، اور حضرت علی اور عبداللہ بن مسعود اور فقہاء کوفہ نے اس کو رد کر دیا اور ان کے لئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ قول دلیل ہے " وہ بھی بدن کا ایک ٹکڑا ہے " اور دونوں حدیثوں میں سے کسی ایک کا منسوخ ہونا یقینی نہیں ہے، اور جیسے عورت کو ہاتھ لگانا، حضرت عمر اور ابن عمر اور ابن مسعود اور ابراہیم عورت کو ہاتھ لگانے سے وضو کے وجوب کے قائل ہیں اس واسطے کہ اللہ تعالےٰ کا فرمان ہے " یا عورتوں کو تم نے چھوا ہو" اور کوئی حدیث اس کی شاہد نہیں ہے بلکہ حضرت عائشہ کی حدیث اسکے خلاف شہادت دیتی ہے لیکن اس حدیث میں کلام ہے کیونکہ اسکی سند منقطع ہے اور میرے نزدیک اس قسم کی علت یعنی حدیث کی اسناد کا منقطع ہونا اس وقت معتبر ہے جب ایک حدیث کو دوسری حدیث پر ترجیح دی جائے اور جبکہ دوسری حدیث نہ ہونے سے تعارض نہ ہو تو اس ایک حدیث کو ترک کرنے کے لئے اس علت کا کچھ اعتبار نہ کیا جائے گا، واللہ اعلم،

حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے نزدیک جنابت
میں تیمم کرنا درست نہیں ہے اس واسطے ان کے نزدیک
یہ آیت لمس پر محمول ہے لیکن حضرت عمران اور عمار اور عمرو
ابن العاص کے نزدیک جنابت میں تیمم کرنا درست ہے
اور اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے، اور حضرت عبداللہ بن عمر
احتیاط پر عمل کرتے تھے اور ابراہیم عبداللہ ابن مسعودؓ کی
پیروی کرتے تھے حتی کہ امام ابوحنیفہؒ پر اس دلیل کا حال ظاہر
ہو گیا جس سے عبداللہ بن مسعودؓ نے تمسک کیا تھا تب
ابوحنیفہؒ نے ان کے قول کو ترک کر دیا باوجودیکہ وہ ابراہیم کے
مذہب کا بہت اتباع کرتے تھے،

حاصل کلام یہ ہے کہ ان دونوں چیزوں یعنی مس ذکر اور
لمس میں صحابہ اور تابعین کے بعد فقہاء کے تین طبقے ہو گئے
ایک طبقہ نے ان کے ظاہر کو لیا اور ایک نے بالکل ہی ترک
کر دیا اور ایک نے شہوت اور عدم شہوت سے ہاتھ لگانے کا
فرق کیا، اور ابراہیم کے نزدیک بہتے ہوئے خون کے نکلنے
اور قیٔ کثیر سے وضو لازم آتا ہے اور حسن کے نزدیک نماز میں
قہقہہ لگانے سے وضو لازم آتا ہے اور دوسرے لوگ اس
کے قائل نہیں ہیں، اور ان سب کے بارے میں احادیث ہیں
جن کی صحت پر علماء حدیث نے اتفاق نہیں کیا ہے،

اور اصح یہ ہے کہ جس نے احتیاط کی اس نے اپنے
دین کو اور عزت کو محفوظ رکھا اور جس نے احتیاط نہ کی
تو شریعت میں اس پر کوئی جرم نہیں،

اور اس میں شبہہ نہیں ہے کہ عورت کو ہاتھ
لگانے سے ہیجان شہوت ہوتا ہے جو اس شہوت
کے پورا کرنے کا مظنہ ہے جو شہوتِ جماع سے کمتر ہے،

وكان عمر وابن مسعود لا يريان
التيمم عن الجنابة فتعين حمل الآية
عندهما على اللمس لكن صح التيمم
عنها عن عمران وعمار وعمرو بن
العاص وانعقد عليه الاجماع، وكان
ابن عمر يذهب الى الاحتياط، وكان
ابراهيم يقلد ابن مسعود حتى وضح
على ابي حنيفة حال الدليل الذي تمسك
به ابن مسعود فترك قوله مع شدة
اتباعه مذهب ابراهيم، وبالجملة
فجاء الفقهاء من بعدهم في هذين
على ثلاث طبقات، آخذ به على
ظاهره، وتارك له راسا، وفارق
بين الشهوة وغيرها، وقال ابراهيم
بالوضوء من الدم السائل والقئ
الكثير، والحسن بالوضوء من
القهقهة في الصلوة ولم يقل بذلك
آخرون، وفي كل ذلك حديث لم
يجمع اهل المعرفة بالحديث على
تصحيحه، والاصح في هذه ان من
احتاط فقد استبرأ لدينه وعرضه
ومن لا فلا سبيل عليه في صراح
الشريعة، ولا شبهة ان لمس
المرأة مهيج للشهوة مظنة لقضاء
شهوة دون شهوة الجماع وان مس

اور آلہ تناسل کا چھونا بھی ایک بیہودہ فعل ہے اسی وجہ سے استنجاء کے وقت دائیں ہاتھ سے اس کا چھونا منع ہے اور جبکہ وہ آلہ تناسل کو پکڑلے تو وہ ضرور ایک شیطانی کام ہے اور بہتا ہوا خون اور قئ کثیر بدن کو آلودہ کرنے والی اور نفس کو پلید کرنے والی چیزیں ہیں، اور نماز میں قہقہہ لگانا ایک گناہ ہے جس کا کفارہ ہونا چاہئے پس کوئی تعجب کی بات نہیں کہ شارع نے ان چیزوں میں وضوء کا حکم دیا ہو، اور نہ اس میں تعجب ہے کہ اس نے حکم نہ دیا ہو، اور اس میں بھی تعجب نہیں کہ وضوء کی ترغیب دی ہو اور اس کو واجب نہ کیا ہو،

اور موجبات وضوء کی تیسری قسم وہ ہے جس میں حدیث کے لفظ سے شبہۃً وجوب پایا جاتا ہے اور فقہاء صحابہ اور تابعین نے اس کے ترک پر اتفاق کیا ہے جیسے آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے سے وضوء کرنا، کیونکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور خلفاء، اور ابن عباس اور ابو طلحہ وغیرہم کا عمل اس کے خلاف ثابت ہو گیا ہے، اور حضرت جابرؓ نے بیان کیا کہ یہ حدیث منسوخ ہے، اور آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے سے وضوء کرنے کا سبب یہ تھا کہ یہ وہ ارتفاق کامل ہے جو ملائکہ سے عمل میں نہیں آتا پس یہ ملائکہ کے ساتھ مشابہت کے منقطع ہو جانے کا سبب ہوتا ہے، علاوہ بریں آگ سے پکی ہوئی چیز دوزخ کی آگ کو یاد دلاتی ہے اور اسی لئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے بلا ضرورت داغ دینے سے منع فرمایا، پس اس واسطے انسان کو اپنا دل اس قسم ثالث کے ساتھ مشغول نہ کرنا چاہئے، لیکن اونٹ کا گوشت کھانے سے وضوء کا حکم دینا پس اس میں دقت ہے، فقہاء صحابہ اور تابعین میں سے کوئی اس کا قائل نہیں ہوا

الذكر فعل شنيع ولذلك جاء النهي عن مس الذكر بيمينه في الاستنجاء فاذا كان قبضا عليه كان من افعال الشياطين لامحالة، والدم السائل والقئ الكثير ملوثان للبدن مبلدان للنفس، والقهقهة في الصلاة خطيئة تحتاج الى كفارة فلا عجب ان يامر الشارع بالوضوء من هذه ولا عجب ان لا يامر ولا عجب ان يرغب فيه من غير عزيمة، والثالثة ما وجد فيه شبهة من لفظ الحديث وقد اجمع الفقهاء من الصحابة والتابعين على تركه كالوضوء مما مسته النار فانه ظهر عمل النبي صلى الله عليه وسلم والخلفاء وابن عباس وابي طلحة وغيرهم بخلافه وبين جابر انه منسوخ، وكان السبب في الوضوء منه انه ارتفاق كامل لا يفعل مثله الملائكة فيكون سببا لانقطاع مشابهتهم، وايضا فاما يطبخ بالنار يذكر نار جهنم ولذلك نهى عن الكي الا لضرورة فلذلك لا ينبغي للانسان ان يشغل قلبه به اما لحم الابل فالامر فيه اشد لم يقل به احد من فقهاء الصحابة والتابعين ولا

اور نہ اس کو منسوخ کہہ سکتے ہیں پس اس لئے جس پر تخریج
غالب ہے وہ اس کا قائل نہیں ہوا اور احمد و اسحاق اس
کے قائل ہیں اور میرے نزدیک اس میں انسان کو
احتیاط کرنا چاہیئے واللہ اعلم،

اور جو شخص کہ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضوء
کا قائل ہے اس کے مذہب کے بموجب اس میں راز
یہ ہے کہ اونٹ کا گوشت توارت میں حرام کیا گیا تھا اور
تمام انبیاء بنی اسرائیل اس کی حرمت پر متفق ہے پس
جب خدا تعالےٰ نے اس کو ہمارے لئے حلال کر دیا تو دو
وجہ سے وضوء کرنا مشروع کیا ایک تو یہ ہے کہ وضوء
کرنے میں اس نعمت کا شکر ادا کرنا ہے جو اللہ نے اس کو
مباح کر کے ہم پر کی ہے بعد اس کے کہ اللہ تعالےٰ ہم
سے پیشتر کے لوگوں پر اس کو حرام کر چکا تھا، دوسری
وجہ یہ ہے کہ انبیاء بنی اسرائیل پر حرام ہونے کے بعد
اس کی اباحت سے شاید کسی کے دل میں کچھ خطرہ سا
پیدا ہو تو وضوء اس کا علاج ہو جائے کیونکہ حرمت سے
ایسی اباحت کی طرف جس سے وضوء واجب ہو جائے
انتقال کرنا لوگوں کے اطمینان نفوس کے لئے کسی قدر
سہل ہے، اور میرے نزدیک یہ بات ہے کہ یہ حکم
ابتداء اسلام میں تھا بعد میں منسوخ ہو گیا ◆

موزوں پر مسح کرنیکا بیان

جبکہ وضوء کا مبنیٰ ان اعضاء ظاہرہ کے
دھونے پر تھا جو جلدی سے غبار آلود ہو جاتے
ہیں اور پاؤں موزے پہننے کے وقت اعضاء باطنہ

سبيل الى الحكم بنسخه فلذلك لم
يقل به من يغلب عليه التخريج،
وقال به احمد واسحٰق، وعندى
انه ينبغي ان يحتاط فيه الانسان و
الله اعلم، والسر في ايجاب الوضوء
من لحوم الابل على قول من قال به
انها كانت محرمة في التوراة، واتفق
جمهور انبياء بني اسرائيل على تحريمها
فلما اباحها الله لنا شرع الوضوء
منها لمعنيين، احدهما ان يكون
الوضوء شكرا لما انعم الله علينا من
اباحتها بعد تحريمها على من قبلنا،
وثانيهما ان يكون الوضوء علاجا لما
عسى ان يختلج في بعض الصدور
من اباحتها بعد ما حرمها الانبياء
من بني اسرائيل فان النقل من
التحريم الى كونه مباحا يجب منه
الوضوء اقرب لاطمئنان نفوسهم،
وعندى انه كان في اول الاسلام
ثم نسخ ◆

المسح على الخفين

لما كان مبنى الوضوء على غسل
الاعضاء الظاهرة التي تسرع اليها
الاوساخ وكانت الرجلان تدخلان

میں داخل تھے اور موزوں کا پہننا عرب کے نزدیک
ایک عادت متعارف تھی اور ہر نماز کے وقت ان کے
اُتارنے میں دقّت تھی اس واسطے ان کے پہننے کے
وقت پاؤں کا دھونا فی الجملہ ساقط ہوگیا، اور چونکہ ایسی
تدبیر اختیار کرنا جس کے ہوتے ہوئے نفس مطلوب کو
آسانی سے نہ چھوڑ دیا کرے تیسیر ہی کی ایک قسم ہے
اسی لئے شارع نے یہاں تدبیر کو تین طرح استعمال کیا
ان میں سے ایک مسح کی مدت مقیم کے لئے ایک دن
رات مقرر کرنا اور مسافر کے لئے تین دن اور تین رات
مقرر کرنا ہے کیونکہ ایک دن رات خبرگیری کے لئے ایسی
مناسب مقدار ہے جس کو لوگ بہت سے ایسے امور
میں جن کی خبرگیری مقصود ہوتی ہے استعمال میں لاتے
ہیں، اور تین دن رات کی مدت بھی ایسی ہی ہے پس
یہ دونوں مقداریں مقیم اور مسافر پر دقت کے موافق تقسیم
کردی گئیں، اور ان میں سے دوسری شرط یہ ہے کہ
ان کو طہارت کی حالت میں پہنے تاکہ پہننے والے کے
سامنے یہ تصور رہے کہ وہ دونوں پاؤں گویا اپنی پہلی
طہارت پر باقی ہیں یہ سمجھ کر کہ پوشیدہ اعضاء کی طرف
گرد و غبار کم پہنچتا ہے اور اس قسم کے خیالات نفس کے
تنبیہ کرنے میں مؤثر ہوتے ہیں،

اور ان میں سے تیسری چیز یہ ہے کہ پاؤں کے
دھونے کے عوض میں موزوں کے اوپر مسح کیا جائے
تاکہ یادگار اور نمونہ باقی رہے، حضرت علی رضی اللہ
عنہ نے فرمایا ہے" اگر دین میں رائے کو دخل ہوتا
تو موزوں کے نیچے کی طرف مسح کرنا اوپر کی جانب
مسح کرنے سے بہتر تھا،

میں کہتا ہوں جبکہ مسح کرنا پاؤں کے
دھونے کا نمونہ تھا اور اس کے سوا اس سے کچھ اور
مقصود نہیں ہے اور زمین میں چلتے وقت موزوں

عند لبس الخفين في الاعضاء الباطنة
وكان لبسهما عادة متعارفة عندهم
ولا يخلو الامر بخلعهما عند كل صلوة
من حرج سقط غسلهما عند لبسهما
في الجملة، ولما كان من باب
التيسير الاحتيال بما لا تسترسل
معه النفس بترك المطلوب استعمله
الشارع ههنا من رجوع ثلاثة، احدها
التوقيت بيوم وليلة للمقيم، وثلاثة
ايام ولياليها للمسافر لان اليوم بليلة
مقدار صالح للتعهد يستعمله الناس
في كثير مما يريدون تعهده وكذلك
ثلاثة ايام بلياليها فوزع المقداران
على المقيم والمسافر لمكانهما من
الحرج، والثاني اشتراط ان يكون
لبسهما على طهارة ليتمثل بين
عيني المكلف انهما كالباقي على
الطهارة قياسا على قلة وصول
الاوساخ الى الاعضاء المستورة
وامثال هذه القياسات مؤثرة
فيما يرجع الى تنبية النفس، و
الثالث ان يمسح على ظاهرهما
عوض الغسل ابقاء لمذكره ونموذجه
وقال علي رضي الله عنه لو كان
الدين بالراى لكان اسفل الخف
اولى بالمسح من اعلاه ؛

اقول لما كان المسح ابقاء
لنموذج الغسل لا يراد منه الا
ذلك وكان الاسفل مظنة لتلويث

کے نیچے کا حصہ ان کے ملوث ہونے کا مظنہ تھا تو اوپر
کی جانب مسح کرنا اور نیچے کی جانب نہ کرنا معقول اور
رائے کے موافق ہوا، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ
اسرار شرعی کو سب لوگوں سے زیادہ جانتے تھے جیسا
کہ ان کے کلام اور خطبوں سے معلوم ہوتا ہے لیکن
انہوں نے رائے کے دخل کو روکنا چاہا تاکہ عام لوگ
رائے سے اپنا دین نہ خراب کریں ۔

کیفیتِ غسل کا بیان

غسل کرنے کا طریقہ جیسا کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت
میمونہؓ نے روایت کیا ہے اور امت کا اس پر اتفاق
ہے یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو برتن میں ڈالنے
سے قبل دھولے پھر اپنے بدن اور شرم گاہ سے نجاست
کو دھو ڈالے بعد ازاں وضوء کرے جس طرح نماز کے
لئے وضوء کرتے ہیں پھر اپنے سر میں انگلیوں سے خوب
پانی پہنچائے پھر اپنے بدن پر پانی بہائے، صرف
ایک بات میں اختلاف ہے کہ پاؤں بعد میں دھوئے
یا پہلے دھوئے، اور بعض نے یہ فرق کیا ہے کہ جہاں
غسل کا پانی جمع ہوتا ہے وہاں اس جگہ سے الگ ہوکر
بعد میں دھوئے ورنہ پہلے دھولے،

ہاتھوں کو پہلے دھونے کی وجہ تو وضوء میں پہلے
بیان ہو چکی اور شرم گاہ کو دھونا اس واسطے ہے کہ
پانی کے بہانے سے نجاست زیادہ نہ پھیل جائے
اور اس کے دھونے میں دقت ہو جائے اور
زیادہ پانی کی بھی ضرورت پڑے، اور نیز غسل خالص
طہارت حدث کے لئے نہ ہوگا، اور وضوء کرنا اسلئے
ہے کہ طہارت کبری کے لئے یہ مناسب ہے کہ وہ طہارتِ
صغری اور کچھ زیادہ طہارت پر مشتمل ہو تاکہ طہارت کی
خصلت کیلئے نفس زیادہ بیدار رہے، اور نیز غسل کے اندر

الخفين عند المشي في الارض كان
المسح على ظاهرهما دون باطنهما
معقولا موافقا بالرای وكان رضي
الله عنه من اعلم الناس بعلم
معاني الشرائع كما يظهر من كلامه
وخطبه لكن اراد ان يسد مدخل
الرای لئلا يفسد العامة على نفسهم
دينهم ۔

صفة الغسل

على ما روته عائشة وميمونة
وتطابق عليه الامة ان يغسل
يديه قبل ادخالهما الاناء ثم
يغسل ما وجد من نجاسة على
بدنه وفرجه ثم يتوضا كما يتوضا
للصلاة ويتعهد راسه بالتخليل ثم
يصب الماء على جسده، واختلفوا في
حرف واحد يؤخر غسل القدمين
اولا، وقيل بالفرق بين ما اذا كان
في مستنقع من الارض وما اذا لم
يكن كذلك، اما غسل اليدين فلما
مر في الوضوء، واما غسل الفرج فلئلا
تتكثر النجاسة باسالة الماء عليها
فيعسر غسلها ويحتاج الى ماء كثير،
وايضا لا يصفو الغسل لطهارة الحدث
واما الوضوء فلان من حق الطهارة
الكبرى ان تشتمل على الطهارة الصغرى
وزيادة ليتضاعف تنبه النفس
لخلة الطهارة، وايضا فالوضوء في

وضوء کو وہ نسبت ہے جو وضوء کے اندر جوڑوں کی رعایت رکھنے کو ہے کیونکہ جب سر پر پانی ڈالے گا تو تمام اعضاء کو تکلف اور مشقت سے پورا پورا پہنچے گا، اور دونوں پاؤں کا بعد میں دھونا اس وجہ سے ہے کہ بلا فائدہ ان کو دوبارہ نہ دھونا پڑے، ہاں اول دھولینا بھی اس وجہ سے مناسب ہے کہ اس میں صورتِ وضوء کی محافظت ہوتی ہے، پھر غسل مستحبات سے کامل ہوتا ہے کہ بدن کو تین مرتبہ دھوئے اور بدن کو ملے اور جہاں پانی بہ تکلف پہنچتا ہے ان کا خیال رکھے اور پردہ کا اہتمام کرے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خدا تعالےٰ بہت حیا اور پردہ والا ہے"، اس کی تفسیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے ہوتی ہے "وہ حیا اور پردہ کو پسند کرتا ہے"، اور لوگوں سے پردہ کرنا تو واجب ہی ہے اور تنہائی میں بھی اس کو اس طرح سے ہو تاکہ اگر کوئی شخص عادۃً اس کے پاس سے گذر جائے تو اس کا ستر نہ دیکھے مستحب ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت سے فرمایا "مشک میں بسا ہوا کپڑا لے اور اس سے پاکی حاصل کر" یعنی خون کے نشان کو اس کے ذریعہ تلاش کر،

میں کہتا ہوں:- حائضہ کو مشک کی خوشبو لگانے کا حکم آپ نے کئی وجوہ سے فرمایا، ان میں سے ایک طہارت کا زیادہ پایا جانا ہے اس لئے کہ خوشبو بھی طہارت کا کام دیتی ہے، اور ہمیشہ خوشبو کا حکم اس واسطے نہیں دیا کہ اسمیں لوگوں پر دقت ہے، اور ان میں سے ایک اس بدبو سے بچنا ہے جو حیض کے خون میں ہوتی ہے، اور ان میں سے ایک یہ کہ حیض کا گذرنا اور طہر کا شروع ہونا اولاد کی خواہش کا وقت ہے اور خوشبو اس قوت کو ابھارتی ہے،

غسل کے لئے پانی کی مقدار ایک صاع سے پانچ مُد تک اور وضوء کیلئے ایک مُد مناسب ہے اس واسطے کہ متوسط جسموں میں یہ مقدار کافی ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الغسل من باب تعهد المغابن فانه اذا افاض على راسه الماء لا يستوعب الاطراف الا بتعهد واعتناء، واما تاخير غسل القدمين فلئلا يتكرر غسلهما بلا فائدة اللهم الا المحافظة على صورة الوضوء، ثم كمال الغسل بالندب الى التثليث والدلك وتعهد المغابن وتاكيد الستر، قوله صلى الله عليه وسلم ان الله حيى ستير تفسيره قوله يحب الحياء والستر، والستر من اعين الناس واجب وكونه بحيث لو هجم انسان بالوجه المعتاد لم ير عورته مستحب، قوله صلى الله عليه وسلم خذي فرصة من مسك فتطهري بها، يعني تتبعي بها اثر الدم،

اقول انما امر الحائض بالفرصة الممسكة لمعان، منها زيادة الطهارة اذ الطيب يفعل فعل الطهارة و انما لم يبين في سائر الاوقات احترازا عن الحرج، ومنها ازالة الرائحة الكريهة التي لا يخلو عنها الحيض، ومنها ان انقضاء الحيض والشروع في الطهر وقت ابتغاء الولد والطيب يهيج تلك القوة، و اختار الصاع الى خمسة امداد للغسل، والمد للوضوء لان ذلك مقدار صالح في الاجسام المتوسطة قال النبي صلى الله عليه وسلم

وہ ہر ہر بال کے نیچے جنابت ہے پس بالوں کو دھوؤ اور جلد کو صاف کرو، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے جنابت سے ایک بال کی جگہ کو بھی چھوڑ دیا اور اس کو نہ دھویا تو اس جگہ کے ساتھ ایسا ایسا کیا جائے گا،

میں کہتا ہوں اس میں راز وہی ہے جو ہم نے استیعابِ وضو میں بیان کیا کہ ایک ایک بال کی جگہ کو دھونے میں غسل کے معنی کو ثابت کرنا ہے اور جنابت پر باقی رہنا اور اس پر اصرار کرنا دخولِ نار کا سبب ہے اور جس عضو سے غسل میں خلل واقع ہوا ہے اسی عضو کی طرف سے نفس کو تکلیف ظاہر ہوگی،

مُوجِباتِ غسل کا بیان

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب عورت کے چاروں ہاتھ پاؤں کے درمیان بیٹھ گیا اور پھر اس سے جماع کیا تو غسل واجب ہوگیا اگرچہ اسکو انزال نہ ہو"

میں کہتا ہوں اس بات میں روایتیں مختلف ہیں کہ آیا اکسال یعنی جماع بدون انزال کو اس جماع پر محمول کرسکتے ہیں جو قضاءِ شہوت کے معنی میں کامل ہوتا ہے یعنی اس جماع پر جو انزال کے ساتھ ہوتا ہے، پس جو صحیح روایت سے ثابت ہے اور جس پر جمہور فقہاء متفق ہیں یہ ہے کہ جس نے عورت سے جماع کیا تو دونوں پر غسل واجب ہوگیا اگرچہ انزال نہ ہو، اور لوگوں نے اس حدیث میں اور اس حدیث میں کہ غسل انزال سے لازم آتا ہے، تطبیق دینے میں اختلاف کیا ہے، پس حضرت عبد اللہ بن عباس نے فرمایا کہ حدیث انما الماء من الماء احتلام کے متعلق ہے مگر اسمیں کچھ کلام ہے، اور حضرت اُبی بن کعب نے فرمایا انزال سے ہی غسل کا لازم آنا

تحت کل شعرة جنابة فاغسلوا الشعر وانقوا البشرة، وقوله صلی اللہ علیه وسلم من ترك موضع شعرة من الجنابة لم يغسلها فعل بها كذا وكذا ٭

اقول سر ذلك مثل ما ذكرنا في استيعاب الوضوء من انه تحقيق لمعنى الغسل وان البقاء على الجنابة والاصرار على ذلك موجبة للنار وانه يظهر تالم النفس من قبل العضو الذي جاء منه الخلل ٭

مُوجِباتُ الغُسْل

قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اذا جلس بين شعبها الاربع ثم جهدها فقد وجب الغسل وان لم ينزل ـ

اقول اختلفت الرواية هل يحمل الاكسال اى الجماع من غير انزال على الجماع الكامل فى معنى قضاء الشهوة اعنى ما يكون معه الانزال، والذي صح رواية وعليه جمهور الفقهاء هو ان من جهدها فقد وجب عليهما الغسل وان لم ينزل، واختلفوا فى كيفية الجمع بين هذا الحديث وحديث انما الماء من الماء فقال ابن عباس انما الماء من الماء للاحتلام وفيه ما فيه وقال ابى انما كان الماء من الماء

یہ رخصت ابتدائے اسلام میں تھی پھر یہ رخصت نہیں رہی، اور حضرت عثمان، علی، طلحہ، زبیر، ابی بن کعب اور ابو ایوب رضی اللہ عنہم سے اس شخص کے بارے میں جو اپنی عورت سے جماع کرے اور اس کو انزال نہ ہو' مروی ہے کہ ان سب نے کہا ہے کہ وہ اپنے ذکر کو دھو ڈالے اور جس طرح نماز کے لئے وضو کرتے ہیں اسی طرح وضو کرلے، اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم تک یہ مرفوع ہے اور میرے نزدیک یہ بعید نہیں ہے کہ اس حدیث سے مباشرت[1] فاحشہ مراد لیجائے کیونکہ اس پر بھی جماع کا اطلاق ہوتا ہے، کسی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ایک شخص کو اپنے کپڑے پر تری معلوم ہو اور اس کو احتلام کا ہونا یاد نہ ہو تو آپ نے جواب میں فرمایا "وہ غسل کرے" اور اس شخص کے متعلق دریافت کیا گیا کہ اس کو احتلام کا ہونا یاد ہو مگر تری نہ معلوم ہو تو آپ نے فرمایا "اس پر غسل نہیں ہے"

میں کہتا ہوں حکم کا مدار تری پر رکھا ہے خواب پر نہیں رکھا اس واسطے کہ خواب کبھی خیالی ہوتا ہے اور اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا، اور کبھی خواب قضاء شہوت ہوتی ہے اور وہ بغیر تری کے نہیں ہوتی، پس غسل کے حکم کا مدار تری پر ہی ہوسکتا ہے، نیز تری ایک ظاہر شئ ہے جس میں تعیین و انضباط کی صلاحیت ہے اور خواب کو آدمی اکثر بھول جاتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ طہر اور حیض کی مدت کی زیادتی اور کمی مزاج اور غذا وغیرہما کے اختلاف سے مختلف ہوتی ہے اور اس کمی، بیشی کا ایسی شئ کے ساتھ انضباط نہیں ہوسکتا کہ کسی میں اس کے خلاف ہی نہ ہو، پس ضرور اصح یہی ہے کہ عورتوں کی عادت کو دیکھی جائے، پس جب وہ یہ سمجھیں کہ وہ حیض ہے تو وہ حیض ہے اور جب وہ یہ سمجھیں

[1] یعنی بغیر انزال کے مجامعت کرنا ۱۲

رخصة في اول الاسلام، ثم نهي، و قد روي عن عثمان وعلي وطلحة والزبير وابي بن كعب وابي ايوب رضي الله عنهم فيمن جامع امراته ولم يمن قالوا يتوضا كما يتوضاء للصلاة ويغسل ذكره، ورفع ذلك النبي صلى الله عليه وسلم ولا يبعد عندي ان يحمل ذلك على المباشرة الفاحشة فانه قد يطلق الجماع عليها، وسئل النبي صلى الله عليه وسلم عن الرجل يجد البلل ولا يذكر الاحتلام، قال يغتسل، وعن الرجل الذي يرى انه قد احتلم ولا يجد بللا قال لا غسل عليه،

اقول انما ادار الحكم على البلل دون الرؤيا لان الرؤيا تكون تارة حديث نفس ولا تاثير له وتارة تكون قضاء شهوة ولا تكون بغير بلل فلا يصلح لادارة الحكم الا البلل، وايضا فان البلل شئ ظاهر يصلح للانضباط واما الرؤيا فانها كثيرا ما تنسى، ولا شك ان طول مدة الطهر والحيض وقصرها يختلفان باختلاف المزاج والغذاء ونحوهما ولا يكاد ان يضبطان بشئ مطرد فلا جرم ان الاصح هو الرجوع الى عادتهن فاذا راين انه حيض فهو حيض، فاذا راين

کہ وہ استحاضہ ہے تو وہ استحاضہ ہے، اور اس بارے میں صحابہ اور تابعین کا جو اختلاف ہے تو اس کا باعث ہر ایک کا اندازہ اور تخمین ہے، حمنہ بنت جحش نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے استحاضہ کے بارے میں مسئلہ دریافت کیا تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو روئی کا ٹکڑا رکھنے اور پٹی باندھنے کا حکم دیا[1] اور دو باتوں[2] میں سے ایک بات کا ان کو اختیار دیا الخ ؛

میں کہتا ہوں اصل اس باب میں یہ ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ استحاضہ امور صحت میں سے نہیں ہے اور ان ایام میں نماز ترک کرنا ایک مدت دراز تک اس کے چھوڑ دینے کا باعث ہے تو آپ نے اس کو اسی پر محمول کرنے کا ارادہ فرمایا جو ان کے نزدیک معروف تھا، پس دو وجہیں ظاہر ہوئیں ایک تو یہ بات ظاہر ہوئی کہ یہ کوئی روگ ہے یعنی کوئی مرض ہے جس کا مقام پوشیدہ ہے اور وہ حیض نہیں ہے وہ نکسیر کے مانند ہے پس تندرستی کی حالت میں ہر ماہ اس کے حیض و طہر کی جو مقدار ہوتی تھی آپ نے وہی مقرر فرمائی، اور اس وقت حیض کی استحاضہ سے تمیز ضروری ہے، تو انہیں یا تو رنگ سے تمیز ہو سکتی ہے پس گہرا رنگ مثلاً سیاہ حیض کا ہے یا عورت کے ایام سے جو اس کے نزدیک معروف تھے تمیز ہو سکتی ہے، اور دوسری بات یہ ظاہر ہوئی کہ یہ حیض فاسد ہے پس اس کے حیض ہونے کی وجہ سے تو یہ مناسب ہے کہ عورت کو ہر نماز کے وقت غسل کا حکم دیا جائے اور اگر ہر نماز کے لئے غسل کرنے میں دشواری ہو تو دو نمازوں کیلئے ایک غسل تو ضروری ہے، اور چونکہ وہ فاسد حیض ہے اس واسطے نماز سے مانع نہیں ہے اور روئی کا ٹکڑا رکھنے اور اس پر پٹی باندھ لینے میں یہ حکمت ہے کہ خون رکھے ہوئے روئی کے ٹکڑے سے لگے اور اس سے تجاوز نہ کرے، اور تاکہ خون اس کے بدن اور کپڑوں کو آلودہ نہ کرے، جمہور فقہاء نے پہلی بات[3] پر فتویٰ دیا ہے بجز اس حالت کے جبکہ وہ ناممکن ہو ؛

انه استحاضة فهو استحاضة، و اختلاف الصحابة والتابعين فى ذلك منشؤه الاستقراء والتقريب، واستفتت حمنة فى الاستحاضة فامرها بالكرسف والتلجم و خيرها بين امرين الخ ؛

اقول الاصل فى ذلك انه صلى الله عليه وسلم لما راى ان الاستحاضة ليست من الامور الصحية و ترك الصلاة فيها يؤدى الى اهمالها مدة مديدة اراد ان يحملها على الامر المعروف عندهم قبل اوجهان ؛ احدهما انها عرق اى داء خفى المأخذ وليست حيضة بمنزلة الرعاف فردها الى ما كان فى الصحة من حيضها وطهرها فى كل شهر، و لا بد حينئذ من تمييز الحيضة عن غيرها، اما باللون فالاقوى كالاسود للحيض او بايامها المعروفة عندها، والثانى انها حيضة فاسدة، فلكونها حيضة ينبغى ان تؤمر بالغسل عند كل صلاة وان تعذر فعند كل صلاتين، ولكونها فاسدة لم تمنع الصلاة، والحكمة فى الكرسف والتلجم ان يلحق الدم بما استقر فى مكانه لا يعدوه ولئلا يصيب بدنها وثيابها، وافتى جمهور الفقهاء بالاول الا عند تعذره ؛

[1] ایک یہ کہ وہ ہر ماہ میں چھ یا سات دن حیض کے شمار کرے اور باقی ایام میں نماز پڑھے اور دوسرے یہ کہ ظہر و عصر ... ایک غسل کر کے دونوں کو اکٹھا پڑھے ... مغرب و عشاء کے لئے ... کرے اور فجر کیلئے غسل کرے ۱۲، [2] یعنی مستحاضہ ہر ماہ حیض کے چھ یا سات دن کے علاوہ باقی ایام میں وضو کر لیا کرے اور نماز پڑھ لیا کرے ۱۲،

ان امور کا بیان جو جنبی اور محدث کے لئے مباح ہیں اور ان امور کا بیان جو ان کے لئے مباح نہیں ہیں

جبکہ شعائر الٰہی کی تعظیم واجب ہے اور منجملہ شعائر کے نماز اور کعبہ اور قرآن ہیں، اور بڑی تعظیم یہ ہے کہ بدون طہارت کاملہ کے اور کسی نئے فعل سے نفس کو تنبیہ کئے بغیر آدمی ان چیزوں کے قریب نہ ہو اس لئے یہ امر ضروری ہوگیا کہ سوائے پاک آدمی کوئی ان کے قریب نہ ہو، اور قرآن کی تلاوت کے لئے وضو شرط نہیں کیا گیا کیونکہ ہر وقت قرآن کے پڑھنے کے ساتھ وضو کا لازم کرنا قرآن کے یاد کرنے اور اس کے سیکھنے میں مخل تھا اور اس دروازہ کا کھول دینا اور اس میں رغبت دلانا اور جو شخص قرآن یاد کرنا چاہے اس کے لئے آسانی کا کرنا بہت ضروری تھا اور جنابت کے بارے میں زیادہ تاکید واجب ہوئی پس جنابت کی حالت میں قرآن کا پڑھنا بھی جائز نہیں قرار دیا اور نہ جنبی اور حائض کو مسجد کے اندر جانا جائز ہوا کیونکہ مسجد نماز اور یاد الٰہی کے لئے مقرر کی گئی ہے اور وہ شعائر اسلام سے ہے اور وہ کعبہ کا ایک نمونہ ہے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھنے میں طہارت شرط نہیں کی گئی کیونکہ ہر شئی کی تعظیم اس کے مناسب ہوتی ہے، اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم ایک بشر تھے اور لوگوں کی طرح حدث اور جنابت آپ کو بھی عارض ہوتے تھے پس آپ کے پاس بیٹھنے میں طہارت کا شرط کرنا قلب موضوع ہے،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس گھر میں تصویر یا کتا یا جنبی ہوتا ہے وہاں فرشتے

ما يباح للجنب والمحدث وما لا يباح لهما

لما كان تعظيم شعائر الله واجبا ومن الشعائر الصلاة، والكعبة والقرآن. وكان اعظم التعظيم ان لا يقرب منه الانسان الا بطهارة كاملة وتنبه النفس بفعل مستأنف وجب ان لا يقربها الا متطهر، ولم يشترط الوضوء لقراءة القرآن لان التزام الوضوء عند كل قراءة يخل في حفظ القرآن وتلقيه، ولابد من فتح هذا الباب والترغيب فيه والتخفيف على من اراد حفظه، وا وجب ان يؤكد الامر في الحدث الاكبر فلا يجوز نفس القراءة ايضا، ولا ان يدخل المسجد جنب او حائض لان المسجد مهيأ للصلوة والذكر، وهو من شعائر الاسلام ونموذج الكعبة، ولم تشترط الطهارة في مجالسة النبي صلى الله عليه وسلم لان كل شئ له تعظيم يناسبه وكان بشرا يعروه من الاحداث والجنابة ما يعرو البشر، فكان اشتراط الطهارة في ذلك قلبا للموضوع.

قال النبي صلى الله عليه وسلم لا تدخل الملائكة بيتا فيه صورة

نہیں آتے"۔

میں کہتا ہوں مراد اس سے یہ ہے کہ فرشتے ان چیزوں سے نفرت کرتے ہیں اور صفاتِ تقدس اور بت پرستوں سے نفرت جن سے فرشتے متصف ہیں یہ چیزیں ان کی ضد ہیں اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس اس شخص کے بارے میں جس کو رات میں جنابت پیش آئے فرمایا "وضو کر اور اپنے آلۂ تناسل کو دھو پھر سو جا"۔

میں کہتا ہوں چونکہ جنابت فرشتوں کی حالات کی منافی ہے تو مؤمن کے حق میں پسندیدہ یہ ہے کہ جنابت کے ساتھ اپنی ضروریات مثلاً سونے اور کھانے میں مشغول نہ رہے، اور جبکہ غسل کرنا مشکل تھا تو مناسب نہیں ہے کہ وضو کو بھی ترک کر دے کیونکہ دونوں کی حالت طہارت میں ایک برابر ہے صرف فرق یہ ہے کہ شارع نے ان دونوں طہارتوں کو دونوں حدثوں پر تقسیم کر دیا ہے۔

تیمم کا بیان

جبکہ احکام الٰہی میں خدا تعالے کی یہ عادت ہے کہ بندوں پر جو کام مشکل ہوتا ہے وہ اس کو ان کے لئے آسان کر دیتا ہے اور آسانی کی سب سے مناسب صورت یہ ہے کہ جس چیز کے کرنے میں دقت ہو اس کو ساقط کر کے اس کا بدل قائم کر دیا جائے تاکہ لوگوں کے دل مطمئن ہو جائیں اور جس چیز کا وہ غایت درجہ التزام کر رہے تھے اس کو یکبارگی ترک کرنے سے ان کے دل پریشان نہ ہوں اور نہ ترکِ طہارت کے عادی ہوں تو اس واسطے خدا تعالے نے مرض اور سفر میں وضو اور غسل کو ساقط کر کے تیمم مقرر فرمایا، اور جبکہ یہ بات اس طرح تھی تو ملاء اعلیٰ میں وضو اور غسل کی جگہ

ولا كلب ولا جنب۔

اقول المراد ان هذه تنفر منها الملائكة وانها اضداد ما في الملائكة من الطهارة والتنفر من عبدة الاصنام، وقال النبي صلى الله عليه وآله وسلم فيمن تصيبه من الجنابة من الليل توضأ واغسل ذكرك ثم نم۔

اقول لما كانت الجنابة منافية لهيئات الملائكة كان المرضي في حق المؤمن ان لا يسترسل في حوائجه من النوم والاكل مع الجنابة، واذا تعذرت الطهارة الكبرى لا ينبغي ان يدع الطهارة الصغرى لان امرهما واحد غير ان الشارع وزعهما على الحدثين۔

التيمم

لما كان من سنة الله في شرائعه ان يسهل عليهم كل ما لا يستطيعونه، وكان احق انواع التيسير ان يسقط ما فيه حرج الى بدل لتطمئن نفوسهم، ولا تختلف الخواطر عليهم باهمال ما التزموه غاية الالتزام مرة واحدة ولا يألفوا ترك الطهارات، اسقط الوضوء والغسل في المرض والسفر الى التيمم، ولما كان ذلك كذلك نزل القضاء في الملا الاعلى باقامة

تیمم کو مقرر کرنے کا حکم نازل ہوا، اور تیمم کے لئے ایک وجودِ تشبیہی حاصل ہوا کہ وہ بھی جملہ طہارات میں سے ایک طہارت ہے اور یہ حکم بھی ان امورِ عظام میں سے ہے جن کی وجہ سے ملتِ مصطفوی تمام مللِ سابقہ سے ممتاز ہے اور وہ حکم نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "جب ہم کو پانی نہ ملے تو زمین کی مٹی ہمارے لئے پاک کرنے والی بنادی گئی"۔

میں کہتا ہوں تیمم کے لئے زمین کو اس لئے خاص کیا کہ وہ کہیں ناپید نہیں ہے پس وہ وقت کے رفع کرنے میں زیادہ مناسب ہے، اور زمین کو خاص کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بعض اشیاء میں زمین پاک کرنے والی ہے جیسے موزہ اور تلوار کو پانی کے ساتھ دھونے کی بجائے مٹی میں ملنا بھی کافی ہوتا ہے، اور ایک یہ بھی وجہ ہے کہ اس میں عاجزی پائی جاتی ہے جیسے چہرہ کو مٹی میں آلود کرلیا اور یہ ذلت کی حالت طلب عفو کے مناسب ہے، اور غسل اور وضوء کے تیمم میں کوئی فرق نہیں کیا گیا اور نہ ہی تمام بدن پر خاک کا ملنا مقرر کیا گیا کیونکہ جس شئی کا مقصد بظاہر سمجھ میں نہ آئے اس کو مؤثر بالخاصیت بنانا ہی مناسب ہے نہ کہ مؤثر بالمقدار، اس واسطے کہ اسی سے ایسے محل میں اطمینانِ قلب حاصل ہوتا ہے اور کیونکہ تمام بدن کو مٹی میں لوٹ پوٹ کرنے میں بھی کچھ دقت تھی اس واسطے اس کے مقرر کرنے سے پوری دقت رفع نہیں ہوسکتی تھی، اور سخت سردی جس میں وضوء کرنے سے مضرت ہو مرض کے حکم میں ہے، عمرو بن العاص کی روایت کی ہوئی حدیث اس پر دلیل ہے، اور سفر آیت میں قید نہیں ہے بلکہ سفر کو اسلئے ذکر کیا کہ وہ پانی کے نہ ملنے کی ایسی صورت ہے جو جلد ذہن میں آتی ہے اور تیمم کے اندر مٹی کے ساتھ پاؤں پر مسح کرنیکا حکم اسلئے نہیں دیا گیا کہ پاؤں تو گرد وغبار

التیمم مقام الوضوء والغسل، وحصل له وجود تشبیهی انه طهارة من الطهارات، وهذا القضاء احد الامور العظام التی تمیزت بها الملة المصطفویة من سائر الملل، وهو قوله صلے الله علیه وسلم جعلت تربتها لنا طهورا اذا لم نجد الماء۔

اقول انما خص الارض لانها لا تکاد تفقد، فهی احق ما یرفع به الحرج، ولانها طهور فی بعض الاشیاء کالخف والسیف بدلا عن الغسل بالماء، ولان فیه تذللا بمنزلة تعفیر الوجه فی التراب، وهو یناسب طلب العفو وانما لم یفرق بین بدل الغسل والوضوء، ولم یشرع التمرغ لان من حق ما لا یعقل معناه بادی الرای ان یجعل کالمؤثر بالخاصیة دون المقدار، فانه هو الذی اطمانت نفوسهم به فی هذا الباب، ولان التمرغ فیه بعض الحرج فلا یصلح رافعا للحرج بالکلیة، وفی معنی المرض البرد الضار لحدیث عمرو بن العاص، والسفر لیس بقید، انما هو صورة لعدم وجدان الماء یتبادر الی الذهن وانما لم یؤمر بمسح الرجل بالتراب لان الرجل محل الاوساخ

سے آلودہ ہی رہتے ہیں، اور حکم ایسی چیز کا دیا جاتا ہے جو پہلے سے حاصل نہ ہو تاکہ اس کے کرنے سے نفس کو تنبہ حاصل ہو، اور تیمم کرنے کی ترکیب بھی منجملہ ان چیزوں کے ہے جن میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے معلوم کرنے کے طریق میں اختلاف ہوا، پس پیشتر اس سے کہ محدثین کا طریقہ مقرر ہو اکثر فقہاء تابعین وغیرہم اس پر متفق تھے کہ تیمم میں دو ضرب ہیں ایک ضرب منہ کے لئے اور دوسری کہنیوں تک دونوں ہاتھوں کے لئے۔

بہرحال احادیث جو اس باب میں آئی ہیں ان سب میں اصح حدیث وہ ہے جو عمار نے روایت کی ہے کہ "تجھ کو اس قدر کافی تھا کہ اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارتا پھر ان میں پھونک مارتا پھر دونوں ہاتھ منہ اور ہاتھوں پر پھیر لیتا۔"

اور عبداللہ بن عمر سے حدیث مروی ہے "تیمم میں دو ضربیں ہیں ایک ضرب منہ کے لئے اور ایک ضرب کہنیوں تک دونوں ہاتھوں کے لئے" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا عمل دونوں طرح منقول ہے اور دونوں حدیثوں میں تطبیق کی وجہ ظاہر ہے جس کی طرف لفظ 'انما یکفیک' اشارہ کرتا ہے، پس اول یعنی ایک ضرب پر اکتفا کرنا تیمم کا ادنیٰ درجہ ہے، اور ثانی یعنی تیمم میں دو ضربیں ہونا سنت کا درجہ ہے، اور تیمم کے بارے میں ان کے اختلاف کو اسی معنی پر حمل کرنا ممکن ہے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے فعل کی یہ بھی تاویل ہو سکتی ہے کہ آپ نے حضرت عمار کو یہ بات تعلیم فرمائی ہو کہ تیمم کے اندر ضرب کی وجہ سے ہاتھوں کو لگی ہوئی چیز کا بدن پر ملنا مشروع ہے نہ کہ خاک میں بدن کو آلودہ کرنا، اور اعضاء تیمم میں سے ممسوح کی مقدار بیان کرنا مقصود نہ ہو اور عدد ضرب کا بیان کرنا بھی مقصود نہ ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ قول جو آپ نے حضرت عمار سے فرمایا تھا اس معنی پر

وانما يؤمر بما ليس حاصلا ليحصل به التنبه، اما صفة التيمم فهو احد ما اختلف فيه طريق التلقي عن النبي صلى الله عليه وسلم، فان اكثر الفقهاء من التابعين و غيرهم قبل ان تمهد طريقة المحدثين على ان التيمم ضربتان ضربة للوجه وضربة لليدين الى المرفقين۔

اما الاحاديث فاصحها حديث عمار انما كان يكفيك ان تضرب بيديك الارض ثم تنفخ فيهما ثم تمسح بهما وجهك وكفيك، و روى من حديث ابن عمر التيمم ضربتان، ضربة للوجه وضربة لليدين الى المرفقين، وقد روى عمل النبي صلى الله عليه وسلم و الصحابة على الوجهين، ووجه الجمع ظاهر يرشد اليه لفظ انما يكفيك فالاول ادنى التيمم والثاني هو السنة وعلى ذلك يمكن ان يحمل اختلافهم في التيمم، ولا يبعد ان يكون تاويل فعله صلى الله عليه وسلم انه علم عمارا ان المشروع في التيمم ايصال ما لصق باليدين بسبب الضربة، دون التمرغ، ولم يرد بيان قدر الممسوح من اعضاء المتيمم ولا عدد الضربة، ولا يبعد ان يكون قوله لعمار ايضا محمولا على هذا

محمول ہو، اور اس کے معنی خاک میں لوٹنے کی بہ نسبت حصر کرنا ہے، اور ایسے مسئلہ میں انسان کو اس قول پر عمل کرنا مناسب ہے جس کی وجہ سے وہ یقیناً بری الذمہ ہو جائے، اور حضرت عمر اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما جنابت سے تیمم کرنا جائز نہیں سمجھتے تھے اور آیت "او لامستم النساء" کو لمس پر محمول کرتے تھے اور لمس کو ناقض وضو جانتے تھے لیکن عمران اور عمار کی حدیث اس کے خلاف پر دلالت کرتی ہے، اور میں نے کسی حدیث صحیح میں اس بات کی تصریح نہیں پائی کہ ہر فرض نماز کے لئے جدا تیمم کرنا فرض ہے اور نہ یہ کہ غلام آبق وغیرہ کے لئے تیمم جائز نہیں ہے یہ سب محض تخریجات کے قبیل سے ہیں، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے زخمی آدمی کے بارے میں فرمایا "اس کو کافی تھا کہ تیمم کرتا اور اپنے زخم پر پٹی باندھتا اور اس پر مسح کر لیتا اور باقی جسم کو دھوتا"

میں کہتا ہوں:۔ اس میں اشارہ ہے کہ تیمم جس طرح تمام بدن کا بدل ہے اسی طرح ایک عضو کا بھی بدل ہے کیونکہ وہ ایک موثر بالخاصیت شئی کی طرح ہے اور اس میں مسح کرنے کا حکم ہے جس کی وجہ ہم مسح علی الخفین میں بیان کر چکے ہیں، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "پاک مٹی مسلمان کے لئے وضو ہے اگرچہ اس کو دس برس تک پانی نہ ملے"

میں کہتا ہوں اس فرمانے سے وہم و تردد کا دروازہ بند کرنا ہے کیونکہ ایسی باتوں میں وہمی لوگ تردد کرتے ہیں اور رخصت کے بارے میں حکم الٰہی کی مخالفت کرتے ہیں ۔

المعنى، وانما معناه الحصر بالنسبة الى التمرغ، وفي مثل هذه المسألة لا ينبغي ان ياخذ الانسان الا بما يخرج به من العهدة يقيناً، وكان عمر، وابن مسعود رضي الله عنهما لا يريان التيمم عن الجنابة، وحملا الاية على اللمس وانه ينقض الوضوء لكن حديث عمران وعمار يشهد بخلاف ذلك، ولم اجد في حديث صحيح تصريحاً بانه يجب ان يتيمم لكل فريضة او لا يجوز التيمم للآبق ونحوه، وانما ذلك من التخريجات، قوله صلى الله عليه وسلم في الرجل المشجوج انما كان يكفيه ان يتيمم ويعصب على جرحه خرقة ثم يمسح عليها ويغسل سائر جسده ۔

اقول فيه ان التيمم هو البدل عن العضو كتمام البدن لانه كالشئ المؤثر بالخاصية، وفيه الامر بالمسح لما ذكرنا في المسح على الخفين، قوله صلى الله عليه وسلم ان الصعيد الطيب وضوء المسلم وان لم يجد الماء عشر سنين ۔

اقول المقصود منه سد باب التعمق، فان مثله يتعمق فيه المتعمقون ويخالفون حكم الله في الترخيص ۔

آداب خلاء کا بیان

یہ آداب چند امور پر مشتمل ہیں، منجملہ ان کے ایک تعظیم قبلہ ہے اس کی نسبت آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "جب تم بیت الخلاء میں جاؤ تو قبلہ کی طرف نہ منہ کرو اور نہ پشت" اور اس میں ایک حکمت اور بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ دل کا تعظیم الٰہی کی طرف متوجہ ہونا چونکہ ایک باطنی امر تھا اس واسطے تعظیم قلبی کے قائم مقام ایک مظنہ ظاہرہ کا پایا جانا ضروری تھا پہلی شریعتوں میں یہ مظنہ ان عبادت خانوں میں داخل ہونا قرار دیا گیا تھا جو خدا تعالے کی عبادت کیلئے بنائے گئے تھے اور جو شعائر الٰہی اور دین الٰہی میں سے ہوتے تھے، ہماری شریعت نے قبلہ کی طرف منہ کرنا اور تکبیر کہنا اس کا مظنہ قرار دیا پس جبکہ خدا تعالے نے کعبہ کی طرف منہ کرنا تعظیم الٰہی کی طرف دل کی توجہ کا اور یاد الٰہی میں دل لگانے کا قائم مقام قرار دیا، اور قائم مقام ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ یہ ہیئت اللہ تعالے کی یاد دلاتی ہے تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس حکم سے یہ استنباط کر لیا کہ استقبال قبلہ کی ہیئت کو تعظیم الٰہی کے ساتھ مخصوص رہنا ضروری ہے اور وہ اس طرح کہ جو ہیئت نماز کی ہیئت کے بالکل مبائن اور منافی ہے اس میں استقبال قبلہ نہ کیا جائے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو بعض دفعہ قبلہ کی طرف چہرہ مبارک کئے اور بعض دفعہ پشت مبارک کئے دیکھا گیا پس اسکی تطبیق اس طرح کی گئی کہ پیشاب پاخانہ کی حالت میں قبلہ کی طرف منہ یا پشت کرنا جنگل و میدان میں منع ہے اور آبادی میں منع نہیں ہے، اور اس طرح بھی تطبیق کی گئی کہ ممانعت سے مراد کراہت ہے اور یہی تطبیق زیادہ ظاہر ہے، منجملہ آداب کے پوری

آداب الخلاء

هي ترجع الى معان، منها تعظيم القبلة وهو قوله صلى الله عليه وسلم اذا اتيتم الغائط فلا تستقبلوا القبلة ولا تستدبروها وفيه حكمة اخرى، وهي انه لما كان توجه القلب الى تعظيم الله امرا خفيا لم يكن بد من اقامة مظنة ظاهرة مقامه، وكان الشرائع المتقدمة تجعل تلك المظنة الحلول بالصوامع المبنية لله تعالى التي صارت من شعائر الله ودينه، وجعلت شريعتنا المظنة استقبال القبلة والتكبير فلما جعل الله تعالى استقبال القبلة قائما مقام توجه القلب الى تعظيم الله وجمع الخاطر في ذكر الله وكان سبب اقامته ان هذه الهيئة تذكر الله استنبط النبي صلى الله عليه وسلم من هذا الحكم انه يجب ان يجعل هيئة الاستقبال مختصة بالتعظيم وذلك بان لا يستعمل في الهيئة المباينة للصلاة كل المباينة، وروى استقباله واستدباره، فجمع بتنزيل التحريم على الصحراء والاباحة على البنيان وجمع بحمل النهي على الكراهية وهو الاظهر، ومنها تحقيق معنى

پاکیزگی کا کرنا ہے اس واسطے تین پتھروں سے کم یعنی تین دفعہ سے کم استنجا کرنے سے آپ نے منع فرمایا کیونکہ غالباً تین دفعہ سے کم میں نجاست دور نہیں ہوتی، اور پتھر کے ساتھ پانی سے استنجا کرنا مستحب ہے،

اور منجملہ آداب کے ان امور سے احتراز کرنا ہے جن سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے جیسے لوگوں کی سایہ کی جگہ میں یا ان کے راستہ میں یا ان کے بیٹھنے کی جگہ میں یا رُکے ہوئے پانی میں پاخانہ کرنا، اور جیسے ہڈی سے استنجا کرنا کیونکہ وہ جنات کی غذا ہے اور اسی طرح ان تمام چیزوں سے استنجا کرنا ممنوع ہے جو کارآمد ہیں، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول نے کہ "لاعنین سے بچو" یہ بات سمجھا دی کہ اس میں حکمت لوگوں کی لعنت اور ان کی ایذا سے پرہیز کرنا ہے یا ان امور سے احتراز کرنا ہے جن سے اپنی ذات کو تکلیف ہوتی ہے جیسے سوراخ میں پیشاب کرنا کیونکہ اکثر وہ سوراخ سانپ یا اس جیسے زہریلے جانور کی جگہ ہوتی ہے پس وہ اس میں سے نکل کر کاٹ لیتا ہے، اور منجملہ آداب کے اچھی عادات کا اختیار کرنا ہے پس دائیں ہاتھ سے استنجا نہ کرے اور پیشاب کے مقام کو دائیں ہاتھ سے نہ پکڑے اور گوبر سے استنجا نہ کرے اور پتھر لینے میں طاق عدد ملحوظ رکھے، اور منجملہ آداب کے پردہ کا اہتمام کرنا ہے پس مناسب ہے کہ لوگوں سے دور جا کر استنجا کرے تاکہ آواز نہ سُنائی دے اور نہ بو محسوس ہو اور نہ اس کا ستر دکھائی دے اور جب تک زمین کے قریب نہ ہو جائے اپنا کپڑا نہ ہٹائے اور مجتمع درختوں سے پردہ کرے جو اس کے بدن کے نیچے کے حصہ کو چھپا لیں، پس جسکو ایسی آڑ نہ ملے تو ریت کی ایک ڈھیری لگا لے اور اس کی طرف پشت کر کے بیٹھ جائے کیونکہ شیطان انسانوں کے پاخانہ کی جگہ سے مذاق کرتا ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ شیطان کی جبلت میں افکار فاسدہ اور اعمال شنیعہ داخل ہیں، اور منجملہ آداب کے بدن اور کپڑے کو

التنظيف، فورد النهي عن الاستنجاء باقل من ثلاثة احجار، اي ثلاث مسحات لانها لا تنقي غالبا واستحب الجمع بين الحجر والماء، ومنها الاحتراز عما يضر الناس كالتخلي في ظل الناس وطريقهم ومتحدثهم والماء الدائم والاستنجاء بالعظم لانه طعام الجن، وكذا سائر ما ينتفع به، وافهم قوله صلى الله عليه وآله وسلم اتقوا اللاعنين ان الحكمة الاحتراز عن لعنهم وتاذيهم او ما يضر بنفسه كالبول في الجحر، فانه قد يكون ماوى حية او مثلها فيخرج ويؤذي، ومنها اختيار محاسن العادات، فلا يتمسح بيمينه ولا ياخذ ذكره بيمينه ولا يستنجي برجيع ويوتر في الاستجمار، ومنها رعاية الستر فينبغي ان يبعد لئلا يسمع منه صوت او يشم منه ريح او يرى منه عورة ولا يرفع ثوبه حتى يدنو من الارض ويستتر بمثل حائش نخل مما يواري اسافل بدنه فمن لم يجد الا ان يجمع كثيبا من رمل فليستدبره فان الشيطان يلعب بمقاعد بني آدم وذلك لان الشيطان جبل على افكار فاسدة واعمال شنيعة ومنها الاحتراز من ان يصيب بدنه

نجاست سے بچانا ہے اس کی نسبت نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص پیشاب کرنا چاہے تو پیشاب کے لئے نرم جگہ تلاش کرے"۔

اور منجملہ آداب کے وسواس کا دور کرنا ہے اسکی نسبت نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "پس تم میں سے کوئی شخص اپنے نہانے کی جگہ پیشاب نہ کرے کیونکہ اکثر وسوسے اس سے پیدا ہوتے ہیں" اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے (حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے) فرمایا "کھڑے ہو کر پیشاب نہ کرو"

میں کہتا ہوں کھڑے ہو کر پیشاب کرنا اس لئے مکروہ ہے کہ اس سے بدن اور کپڑے پر چھینٹ پڑتی ہے اور یہ سنجیدگی اور عاداتِ حسنہ کے منافی ہے اور اس میں ستر کھل جانیکا احتمال ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "پائخانے شیاطین کے موجود رہنے کی جگہ ہیں پس جب کوئی پائخانہ میں آیا کرے تو وہ یہ کہہ لیا کرے" اعوذ باللہ من الخبث و الخبائث، اور جب پائخانہ سے باہر آئے تو کہے غفرانک ۔

میں کہتا ہوں پائخانہ میں جاتے وقت اللھم انی اعوذ بك من الخبث والخبائث پڑھنا مستحب ہے اس لئے کہ پائخانے شیاطین کے حاضر ہونے کی جگہ ہیں جہاں وہ آتے ہیں کیونکہ ان کو نجاست پسند ہے اور پائخانہ سے نکلتے وقت غفرانك کہنا مستحب ہے کیونکہ وہ ذکر الٰہی کے ترک کا اور شیاطین سے مخالطت کا وقت تھا، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ان میں سے ایک پیشاب سے نہیں بچتا تھا" الحدیث ،

میں کہتا ہوں اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پیشاب سے پاکی حاصل کرنا واجب ہے اور اسکی صورت یہ ہے کہ پیشاب کرکے کچھ دیر رُکا رہے اور پیشاب کے قطرے خارج کر دے یہانتک کہ اسکو یقین ہوجائے کہ پیشاب کا کوئی قطرہ

او ثوبه نجاسة وهو قوله صلى الله عليه و آله وسلم اذا اراد احدكم ان يبول فليرتد لبوله ومنها ازالة الوسواس وهو قوله صلى الله عليه و آله وسلم فلا يبولن احدكم في مستحمه فان عامة الوسواس منه، وقوله صلى الله عليه وسلم لا تبل قائما

اقول انما كره البول قائما لانه يصيبه الرشاش ولانه ينافي الوقار ومحاسن العادات وهو مظنة انكشاف العورة، قوله صلى الله عليه وسلم ان الحشوش محتضرة فاذا اتى احدكم الخلاء فليقل اعوذ بالله من الخبث و الخبائث واذا خرج من الخلاء قال غفرانك ۔

اقول يستحب ان يقول عند الدخول اللهم انى اعوذ بك من الخبث والخبائث لان الحشوش محتضرة يحضرها الشياطين لانهم يحبون النجاسة وعند الخروج غفرانك لانه وقت ترك ذكر الله ومخالطة الشياطين، قوله صلى الله عليه وسلم اما احدهما فكان لا يستبرئ من البول الحديث

اقول فيه ان الاستبراء واجب وهو ان يمكث وينتر حتى يظن انه لم يبق في قصبة الذكر شئ من

آلۂ تناسل کی نالی میں باقی نہیں رہا، اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نجاست سے آلودہ رہنا اور ایسا کام کرنا جس سے آپس میں بگاڑ پیدا ہو، ٹا عذاب قبر کا باعث ہوتا ہے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک تر شاخ کو چیر کر دونوں قبروں میں سے ہر ایک قبر پر گاڑ دینا، سو اس میں راز یہ ہے کہ ایسا کرنا ان کے حق میں شفاعتِ مقیدہ تھا کیونکہ ان کے کفر کی وجہ سے شفاعتِ مطلقہ ان کیلئے ناممکن تھی،

خصالِ فطرت اور ان سے متعلق امور کا بیان

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "دس باتیں فطرت میں سے ہیں، موچھوں کا ترشوانا اور ڈاڑھی کا بڑھانا اور مسواک کرنا اور ناک میں پانی دینا اور ناخن کتروانا اور انگلیوں کے جوڑوں کا دھونا اور بغل کے بال اکھاڑنا اور موئے زیرِ ناف کا مونڈنا اور پانی سے استنجاء کرنا، راوی کہتا ہے اور دسویں بات مجھ کو یاد نہیں رہی غالبًا وہ کلی کرنا ہے،

میں کہتا ہوں یہ طہارتیں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے منقول ہیں اور تمام امم حنیفیہ میں برابر جاری ہیں اور ان کے دلوں میں پیوست ہیں اور ان کے خالص عقائد میں داخل ہیں اور ہر زمانے میں انہیں پر ان کی زندگی اور انہیں پر ان کی موت ہے اور اسی وجہ سے ان کا نام فطرت رکھا گیا ہے اور ملت حنیفیہ کے یہ شعائر ہیں اور ہر ملت کے لئے شعائر کا ہونا ضروری ہے جن سے ان کی پہچان ہوتی ہے اور جن پر ان سے مؤاخذہ ہوتا ہے تاکہ ان کی فرماں برداری اور نافرمانی بظاہر معلوم ہو جائے، اور شعائر میں اس شئی کا داخل کرنا مناسب ہے جو کثرت سے پائی جائے اور بار بار واقع ہوتی رہے اور ظاہر ہو اور اس میں بہت سی فوائد ہوں

البول، وفيه ان مخالطة النجاسة والعمل الذى يؤدى الى فساد ذات البين يوجب عذاب القبر اما شق الجريدة والغرز فى كل قبر فسره الشفاعة المقيدة اذ لم تمكن المطلقة لكفرهما ؛

خصال الفطرة وما يتصل بها

قال النبى صلے الله عليه وسلم عشر من الفطرة، قص الشارب واعفاء اللحية والسواك والاستنشاق بالماء وقص الاظفار وغسل البراجم ونتف الابط وحلق العانة وانتقاص الماء، يعنى الاستنجاء قال الراوى ونسيت العاشرة الا ان تكون المضمضة،

اقول هذه الطهارات منقولة عن ابراهيم عليه السلام متداولة فى طوائف الامم الحنيفية اشربت فى قلوبهم ودخلت فى صميم اعتقادهم عليها محياهم وعليها مماتهم عصرا بعد عصر ولذلك سميت بالفطرة وهذه شعائر الملة الحنيفية ولابد لكل ملة من شعائر يعرفون بها ويؤاخذون عليها ليكون طاعتها وعصيانها امرا محسوسا وانما ينبغى ان يجعل من الشعائر ما كثر وجوده وتكرر وقوعه وكان ظاهرا، وفيه فوائد

جن کو لوگوں کے اذہان خوب طرح سے قبول کرتے ہوں اور
ان فوائد کے باریکیں مختصراً یہ ہے کہ انسان کے جسم سے
بعض جگہ میں جو بال نکلتے ہیں وہ انقباض قلب میں وہی
کام کرتے ہیں جو احداث سے پیدا ہوتا ہے اور اسیطرح
سر اور ڈاڑھی کے بالوں کے پراگندہ ہونے سے بھی
دل منقبض ہوتا ہے اس باب میں انسان کو اطبا کے اس
کلام کی طرف رجوع کرنا چاہیے جو انہوں نے مرض شریٰ[1]
اور خارش اور ان کے علاوہ امراض جلدیہ کے متعلق بیان
کیا ہے کہ ایسے امراض سے دل مغموم رہتا ہے اور خوشی
جاتی رہتی ہے اور ڈاڑھی ایسی چیز ہے کہ اس سے بڑے چھوٹے
کی تمیز ہوتی ہے اور وہ مردوں کے لئے خوبصورتی اور اس کی
ہیئت کو مکمل کرنے والی ہے اس واسطے اس کا بڑھانا ضروری
ہے اور اس کا کتروانا مجوس کا طریقہ ہے اور اس میں خلق الہی
کا بدل دینا اور سردار و اہل عزت لوگوں کو کمتر لوگوں میں
شامل کر دینا ہے اور جس کی مونچھیں بڑی ہو جاتی ہیں تو
انمیں کھانا پینا اٹکتا ہے اور ان میں میل جمع ہو جاتا ہے اور
یہ مجوس کا طریقہ ہے اور اس کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا "مشرکین کی مخالفت کرو، مونچھیں کترواؤ اور
ڈاڑھی بڑھاؤ" اور کلی کرنے اور ناک میں پانی پہنچانے اور
مسواک کرنے سے ناک کی کثافت اور بدبو دور ہوتی ہے
اور ختنہ کی کھال ایک زاید عضو ہوتا ہے جس میں میل اکٹھا
ہو جاتا ہے اور اس کی وجہ سے پیشاب کے قطروں سے
پوری طہارت نہیں ہو سکتی اور لذت جماع کو بھی کم کرتا ہے
توریت میں مذکور ہے کہ ختنہ کرنا حضرت ابراہیم اور ان کی
اولاد پر خدا تعالیٰ کی نشانی ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ بادشاہوں
کی عادت اس طرح جاری ہے کہ اپنے خاص خاص جانوروں
پر کچھ علامت کر دیتے ہیں تاکہ تمیز رہے اور ان غلاموں پر
جنکو آزاد کرنا منظور نہیں ہوتا کوئی نشانی کر دیتے ہیں پس
اسی طرح سے ختنہ خدا تعالیٰ کیطرف سے بندوں پر علامت ہے

جمة تقيلة اذهان الناس اشد
قبول، والجملة في ذلك ان بعض
الشعور النابتة من جسد الانسان
يفعل فعل الاحداث في قبض
الخاطر، وكذا شعث الراس واللحية
وليرجع الانسان في ذلك الى ماذكره
الاطباء في الشرى والحكمة وغيرهما
من الامراض الجلدية انها تحزن
القلب وتذهب النشاط، واللحية
هي الفارقة بين الصغير والكبير،
وهي جمال الفحول وتمام هيئاتهم
فلابد من اعفائها وقصها سنة
المجوس وفيه تغيير خلق الله و
لحوق اهل السؤدد والكبرياء بالرعاع
ومن طالت شواربه تعلق الطعام
والشراب بها واجتمع فيها الاوساخ
وهو من سنة المجوس وهو قوله
صلى الله عليه وآله وسلم خالفوا
المشركين قصوا الشارب واعفوا
اللحى، وفي المضمضة والاستنشاق
والسواك ازالة المخاط والبخر والغرلة
عضو زائد يجتمع فيها الوسخ ويمنع
الاستبراء من البول وينقص لذة
الجماع، وفي التوراة ان الختان
ميسم الله على ابراهيم وذريته،
معناه ان الملوك جرت عادتهم بان
يسموا ما يخصهم من الدواب لتتميز
من غيرها والعبيد الذين لايريدون
اعتاقهم فكذلك جعل الختان ميسما

[1] ایک مرض ہے جس میں بدن پر سرخ دانے نکل آتے ہیں ۱۲

اور دیگر شعائر ایسے ہیں جن میں تبدیلی اور حیلہ کی گنجائش ہے اور ختنہ ایسا شعار ہے جس میں تبدیلی بہت مشکل ہے اور انتقاص الماء جو حدیث میں مذکور ہے اس سے مراد استنجاء کرنا ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "چار چیزیں رسولوں کی سنت میں سے ہیں: حیا کرنا اور ایک روایت میں ختنہ کرنا آیا ہے، اور خوشبو لگانا اور مسواک کرنا اور نکاح کرنا"

میں کہتا ہوں میرے نزدیک یہ سب باتیں طہارت کے قبیل سے ہیں پس حیا کے معنی بے شرمی بیہودگی اور برے افعال کا ترک کرنا ہے اور یہ امور نفس کو ملوث اور مکدر کرتے ہیں، اور خوشبو لگانا نفس میں سرور اور فرحت پیدا کرتا ہے اور اس سے طہارت پر بہت بڑی تنبیہ ہوتی ہے، اور نکاح کرنا عورتوں سے ملنے کی خواہش سے اور ان خیالات سے جو اس خواہش کے پورا کرنے کی طرف مائل کرتے ہیں باطن کو پاک رکھتا ہے،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر میں اپنی امت پر دشوار نہ جانتا تو ان کو ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا"

میں کہتا ہوں اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر حرج کا ڈر نہ ہوتا تو مسواک کرنے کو وضو کی طرح نماز کے لئے شرط کر دیتا، اور اسی طرح کی بہت سی احادیث وارد ہیں جو اس امر پر صاف دلالت کرتی ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کو حدودِ شرعیہ میں دخل ہے اور حدودِ شرعیہ مقاصد پر مبنی ہیں اور امت سے حرج کا رفع کرنا منجملہ ان اصول کے ہے جن پر احکام مبنی ہیں،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے مسواک کرنے کی کیفیت بیان کرنے میں راوی کہتا ہے

عليهم وسائر الشعائر يمكن ان يدخلها تغيير وتدليس، والختان لا يتطرق اليه تغيير الا بجهد، و انتقاص الماء كناية عن الاستنجاء به، قوله صلى الله عليه وسلم اربع من سنن المرسلين الحياء ويروى الختان، والتعطر، والسواك والنكاح ٭

اقول اري ان هذه كلها من الطهارة فالحياء ترك الوقاحة و البذاء والفواحش وهي تلوث النفس وتكدرها، والتعطر يهيج سرور النفس وانشراحها، ويتنبه على الطهارة تنبيها قويا، والنكاح يطهر الباطن من التوقان الى النساء و دوران احاديث تميل الى قضاء هذه الشهوة، قوله صلى الله عليه وسلم لولا ان اشق على امتي لامرتهم بالسواك عند كل صلاة ٭

اقول معناه لولا خوف الحرج لجعلت السواك شرطا للصلاة كالوضوء، وقد ورد بهذا الاسلوب احاديث كثيرة جدا وهي دلائل واضحة على ان لاجتهاد النبي صلى الله عليه وسلم مدخلا في الحدود الشرعية وانها منوطة بالمقاصد وان رفع الحرج من الاصول التي بنى عليها الشرائع، قول الراوي في صفة تسوكه صلى الله عليه وسلم يقول

کہ آپ مسواک کرتے وقت اُع اُع کی آواز کرتے تھے جیسے
کوئی قے کرتے وقت کرتا ہے،

میں کہتا ہوں کہ انسان کو مناسب ہے کہ اچھی طرح
منہ کے اندر مسواک کرے اور حلق اور سینہ کا بلغم نکالے
اور منہ میں خوب اندر تک مسواک کرنے سے مرض
قلاع دور ہو جاتا ہے اور آواز صاف ہو جاتی ہے اور
منہ خوشبودار ہو جاتا ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا "ہر مسلمان پر لازم ہے کہ ہر ہفتہ میں ایک دن
نہالیا کرے اور اس میں اپنا جسم اور سر دھو لیا کرے"

میں کہتا ہوں یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی
ہے کہ ہر ہفتہ میں ایک دن غسل کرنا سنت مستقلہ ہے
جو جسم سے میل کچیل دور کرنے کے لئے اور صفت
طہارت پر نفس کی تنبیہ کے لئے مقرر کی گئی ہے
اور جمعہ کی نماز کے لئے اس کی پابندی اس
وجہ سے کی گئی کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے سے
مکمل ہو جاتا ہے اور اس میں نماز جمعہ کی تعظیم بھی ہے،
نبی صلے اللہ علیہ وسلم چار چیزوں سے غسل فرمایا کرتے
تھے ایک تو جنابت سے اور ایک جمعہ کے روز
اور ایک پچھنے لگوانے کے بعد اور مردے کو نہلانے
کے بعد،

میں کہتا ہوں: پچھنے لگوانے کے بعد تو اس لئے
کہ خون اکثر جسم پر لگ جاتا ہے اور ہر ہر چھینٹ کا
دھونا مشکل ہے اور اس لئے بھی کہ سینگی کے چوسنے
سے ہر طرف سے خون کھچکر آتا ہے پس اس خاص
عضو سے خون کے کم ہونے کا نفع نہیں ہوتا اور غسل
خون کے بہنے کو بند کرتا ہے اور اطراف سے اس کے
انجذاب کو موقوف کرتا ہے، اور غسل میت کے بعد
نہانے کی وجہ یہ ہے کہ نہلانے میں جسم پر چھینٹیں پڑ جاتی
ہیں، اور میں ایک شخص کے پاس جان کنی کے وقت بیٹھا

اع اع، كانه يتهوع ؛

اقول ينبغي للانسان ان يبلغ
بالسواك اقاصي الفم فيخرج بلاغم
الحلق والصدر، والاستقصاء في
السواك يذهب بالقلاع ويصفي
الصوت ويطيب النكهة، قوله
صلى الله عليه وسلم حق على كل
مسلم ان يغتسل في كل سبعة
ايام يوما يغسل فيه جسده و
راسه ؛

اقول هذا يدل على ان
الاغتسال في كل سبعة ايام سنة
مستقلة شرعت لدفع الاوساخ
والادران وتنبيه النفس لصفة
الطهارة، وانما وقت لصلاة الجمعة
لان كل واحد منهما يكمل بالآخر،
وفيه تعظيم صلاة الجمعة، كان
النبي صلى الله عليه وسلم يغتسل
من اربع من الجنابة ويوم الجمعة
ومن الحجامة ومن غسل الميت

اقول اما الحجامة فلان
الدم كثيرا ما ينتشر على الجسد و
يتعسر غسل كل نقطة على حدتها
ولان المص بالملازم جاذب
للدم من كل جانب فلا يفيد نقص
الدم من العضو، والغسل يزيل
السيلان ويمنع انجذابه، واما غسل
الميت فلان الرشاش ينتشر في البدن
وجلست عند محتضر فرايت ان

تو میں نے ان ملائکہ کیطرف سے جو ارواح کے قبض کرنے پر متعین ہیں حاضرین کی روحوں میں ایک عجیب قسم کی تکلیف کو دیکھا پس میں سمجھ گیا کہ حالت کا بدلنا ضروری ہے تاکہ نفس کو اس حالت کے مخالف حالت کے لئے تنبہ حاصل ہو جائے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو جو اسلام لایا تھا پانی اور بیری کے پتوں سے نہانے کا حکم فرمایا اور دوسرے شخص سے فرمایا کہ "تو اپنے کفر سے کفر کے بال دور کر"

میں کہتا ہوں اس میں راز یہ ہے کہ ایک شئی سے یعنی کفر سے باہر ہونا اسکے لئے خوب اچھی طرح متشکل ہوجائے واللہ اعلم

الملائكة الموكلة بقبض الارواح لها نكاية عجيبة فى ارواح الحاضرين ففهمت انه لابد من تغيير الحالة لتتنبه النفس لمخالفها امر صلى الله عليه وسلم من اسلم بان يغتسل بماء وسدر، وقال لآخر القِ عنك شعر الكفر

اقول سره ان يتمثل عنده الخروج من شئ اصرح ما يكون والله اعلم

پانی کے احکام کا بیان

احكام المياه

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے کوئی شخص اس رکے ہوئے پانی میں جو بہتا نہیں ہے ہرگز پیشاب نہ کرے پھر اس میں غسل بھی کرلے،

میں کہتا ہوں اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ ممانعت ہر ایک سے ہے یعنی پانی میں پیشاب کرنے سے بھی اور اس میں غسل کرنے سے بھی جیسے اس حدیث میں ہے" دو شخص پائخانہ کرنے کے لئے نہ جائیں کہ برہنہ ہو کر آپس میں باتیں کریں کیونکہ خدا تعالے اس سے ناخوش ہوتا ہے"

اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے جو فقط پانی میں پیشاب کرنے کی ممانعت مروی ہے اور دوسری حدیث جو اس پانی میں فقط غسل کی ممانعت میں مروی ہے اسی معنی کو ظاہر کرتی ہے، اور اس میں حکمت یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک دو باتوں میں سے ایک بات سے خالی نہیں ہے یا تو اسی وقت پانی میں تغیر آجاتا ہے یا وہ پانی کے تغیر کیطرف مفضی ہوتا ہے کہ لوگ اسکو پیشاب کرتا ہوا یا نہاتا ہوا دیکھیں گے اور وہ بھی ایسا ہی کرینگے اور پانی دو ہوگیا تو گنیں ہی ہر ایک منجملہ انہی صورتوں کے ہے جنکی نسبت نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

قوله صلى الله عليه وسلم لايبولن احدكم فى الماء الدائم الذى لايجرى ثم يغتسل فيه

اقول معناه النهى عن كل واحد من البول فى الماء والغسل فيه مثل حديث لايخرج الرجلان يضربان الغائط كاشفين عن عورتهما يتحدثان فان الله يمقت على ذلك ويبين ذلك رواية النهى عن البول فى الماء فقط ورواية اخرى فى النهى عن الاغتسال فقط والحكمة ان كل واحد منهما لايخلو من احد امرين، اما ان يغير الماء بالفعل او يفضى الى التغيير بان يراه الناس يفعل فيتتابعوا وهو بمنزلة اللاعنين اللهم الا ان

پانی بہت زیادہ ہو یا بہتا ہوا ہو، اور ہر حال میں ان باتوں
سے پرہیز کرنا افضل ہے لیکن مستعمل پانی سوا اسکو کوئی
طہارت میں استعمال نہیں کرتی تھی اور وہ مہجور اور
متروک سا سمجھا جاتا تھا پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم
نے اس کو اسی حال پر رکھا جیسا ان کے نزدیک تھا،
اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ پاک ہے، نبی صلے
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب پانی قلتین کو پہنچ جائے
تو اپنے اوپر ناپاکی کو نہیں آنے دیتا،

میں کہتا ہوں اس کا مطلب یہ ہے کہ معنوی
ناپاکی کو قبول نہیں کرتا یہ حکم شرع کے اعتبار سے
ہے عرف و عادت کے اعتبار سے نہیں ہے اور
جب نجاست کی وجہ سے پانی کا کوئی وصف بدل
جائے اور کمیت یا کیفیت کے اعتبار سے نجاست
کا اس پر غلبہ ہوجائے تو وہ اس حکم سے خارج ہے،
اور قلتین کو کثیر اور قلیل پانی میں حد فاصل ایک
ضروری امر کی وجہ سے قرار دیا ہے کہ اس کے بغیر
چارہ ہی نہیں ہے اور وہ حد تحکما یا اٹکل سے مقرر نہیں
کی گئی ہے اور ایسا ہی حال تمام مقادیر شرعیہ کا ہے کہ
کسی میں اٹکل کو دخل نہیں ہے، اور وہ ضروری امر یہ
ہے کہ پانی کے رہنے کی دو جگہ ہیں ایک معدن دوسرے
برتن، معدن تو کنوئیں اور چشمے ہیں اور جھیل بھی انہیں
میں شامل ہے، اور برتن مشک اور مٹکے اور لگن اور
ناند او مشکیزے ہیں،

اور معدن ایسی چیز ہے کہ اس کے ناپاک ہونے
سے لوگوں کو ضرر ہوتا ہے اور اس کے پانی کو
نکالنے میں لوگوں کو بڑی دقت ہوتی ہے اور برتن
تو ہر روز پانی سے بھرے جاتے ہیں اور انکا پانی
بہانے میں کچھ دقت نہیں ہوتی، اور معادن کے
لئے نہ کوئی سرپوش ہے اور نہ ہی ان کو جانوروں کے

يكون الماء مستبحرا او جاريا، و
العفاف افضل كل حال، و اما
الماء المستعمل فما كان احد
من طوائف الناس يستعمله فى
الطهارة و كان كالمهجور المطرود
فابقاه النبى صلى الله عليه و اله و
سلم على ما كان عندهم و لاشك
انه طاهر، قوله صلى الله عليه و
سلم اذا بلغ الماء قلتين لم يحمل
خبثا *

اقول معناه لم يحمل خبثا
معنويا انما يحكم به الشرع دون
العرف و العادة فاذا تغير احد
اوصافه بالنجاسة و فحشت
النجاسة كما او كيفا فليس مما
ذكر، و انما جعل القلتين حدا
فاصلا بين الكثير و القليل لامر
ضروري لابد منه و ليس تحكما
و لاجزافا، و كذا سائر المقادير
الشرعية، و ذلك ان للماء محلين
معدن و اوان، اما المعدن فالآبار
و العيون و يلحق بها الاودية، و
اما الاوانى فالقرب و القلال و
الجفان و المخاضب و الاداوة، و
كان المعدن يتضررون بتنجسه و
يقاسون الحرج فى نزحه، و اما
الاوانى فتملأ فى كل يوم و لاحرج
فى اراقتها، و المعادن ليس لها
غطاء و لا يمكن سترها من روث

گوبر اور درندوں کے منہ ڈالنے سے محفوظ رکھ سکتے ہیں البتہ برتنوں کے ڈھانکنے اور ان کی حفاظت رکھنے میں زیادہ دقت نہیں ہے ہاں ان جانوروں سی جو گھروں میں پھرتے رہتے ہیں حفاظت مشکل ہے، اور معادن میں پانی کثرت سے ہوتا ہے بہت سی نجاستیں اس میں اثر نہیں کر سکتیں بخلاف برتنوں کے، اسواسطے ضروری ہوا کہ معدن کا حکم اور ہو اور برتنوں کا حکم اور ہو، اور معدن میں ان چیزوں کی معافی دیجائے جنکی معافی برتنوں میں نہیں دیجاتی، اور سوائے قلتین کے اور کوئی چیز حد فاصل نہیں ہو سکتی اس واسطے کہ کنوئیں اور چشمہ کا پانی کسی طرح بھی قلتین سے کم نہیں ہوتا اور جس جگہ پانی قلتین سے کم ہو اس کو نہ حوض کہتے ہیں اور نہ تالاب کہتے ہیں بلکہ اس کو گڑھا کہتے ہیں، اور جب قلتین کی مقدار پانی ہموار زمین میں ہو تو غالباً سات بالشت طویل اور پانچ بالشت عریض جگہ میں آتا ہے، اور یہ حوض کا ادنیٰ درجہ ہے، اور عرب میں سب برتنوں میں بڑا برتن قلہ تھا اس سے بڑا برتن ان کے ہاں اور کوئی معلوم نہیں ہوتا اور سب قلے بھی ان کے ہاں برابر نہ تھے بعض قلہ ڈیڑھ قلہ کے برابر اور بعض سوا قلہ کے برابر اور بعض پونے دو قلہ کے برابر ہوتا تھا اور ایسا کوئی قلہ نہ تھا جو دو قلہ کے برابر ہو پس دو قلہ کی مقدار کو کوئی برتن نہیں پہنچتا اور کوئی معدن اس سے کم نہیں ہے اس واسطے قلتین کی مقدار پانی کثیر اور پانی قلیل کے درمیان حد فاصل قرار پائی، اور جو قلتین کا قائل نہیں ہے جیسے مالکیہ تو وہ بھی پانی کثیر کی حد مقرر کرتے ہیں قلتین کے قریب قریب مقدار کی طرف مجبور ہوئے ہیں، اور جنگل کے کنوئیں میں اونٹ کی مینگنی وغیرہ گرجانے کو معافی کے حکم میں رکھا ہے پس یہاں سے انسان کو حدود شرعیہ کے امر کو معلوم کرنا چاہئے

الدواب و ولغ السباع، واما الاوانی فلیس فی تغطیتها وحفظها کثیر حرج اللهم الا من الطوافین والطوافات والمعدن کثیر غزیر لا یؤثر فیه کثیر من النجاسات بخلاف الاوانی فوجب ان یکون حکم المعدن غیر حکم الاوانی وان یرخص فی المعدن ما لا یرخص فی الاوانی، ولا یصلح فارقا بین حد المعدن وحد الاوانی الا القلتان لان ماء البئر والعین لا یکون اقل من القلتین البتة وکل ما دون من القلتین من الاودیة لا یسمی حوضا ولا جوبة وانما یقال له حفیرة واذا کان قدر قلتین فی مستو من الارض یکون غالبا سبعة اشبار فی خمسة اشبار وذلك ادنی الحوض، وکان اعلی الاوانی القلة ولا یعرف اعلی منها عندهم آنیة ولیست القلال سواء فقلة عندهم تکون قلة و نصفا، وقلة وربعا، وقلة وثلثا ولا تعرف قلة تکون کقلتین فهذا حد لا تبلغه الاوانی ولا ینزل منه المعدن فضرب حدا فاصلا بین الکثیر والقلیل، ومن لم یقل بالقلتین اضطر الی مثلهما فی ضبط الماء الکثیر کالمالکیة، والرخصة فی آبار الفلوات من نحو ابعار الابل فمن هنا ینبغی ان یعرف الانسان امر الحدود

که وه ایسی ضروری صورتوں میں قائم کی گئی ہیں جن
کے بغیر لوگوں کو چارہ نہیں اور جن کے ماسوا کو عقل
درست نہیں سمجھتی، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا "پانی پاک ہے اس کو کوئی چیز ناپاک نہیں
کرتی" اور فرمایا "پانی ناپاک نہیں ہوتا" اور فرمایا
مؤمن ناپاک نہیں ہوتا" اور اسی طرح کی دیگر
احادیث ہیں جن میں ہے کہ بدن ناپاک نہیں ہوتا
اور زمین ناپاک نہیں ہوتی،

میں کہتا ہوں ان سب سے مراد نجاستِ خاصہ
کی نفی کرنا ہے جس پر قرائن حالیہ اور مقالیہ دلالت
کرتے ہیں پس آپ کا فرمان کہ "پانی ناپاک نہیں
ہوتا" اس کے معنی یہ ہیں کہ معادن نجاست
کے پڑنے سے ناپاک نہیں ہوتے جب نجاست
نکالکر پھینک دیجائے اور پانی کا کوئی وصف بھی
نہ بدلے اور پانی خراب نہ ہوا ہو اور بدن غسل کرنے
سے پاک ہو جاتا ہے اور زمین بارش سے اور
دھوپ سے اور لوگوں کے چلنے پھرنے سے
پاک ہو جاتی ہے، اور بیر بضاعہ کے متعلق کیا
کوئی یہ گمان کرسکتا ہے کہ اس میں نجاستیں پڑی
رہا کرتی تھیں؟ کیونکر یہ گمان ہوسکتا ہے حالاں کہ
بنی آدم کو ایسی چیز سے عادۃً اجتناب ہوتا ہے پس
کس طرح رسول اللہ علیہ وسلم اس کا پانی پی سکتے تھے
بلکہ نجاستیں بغیر اس کے کہ کوئی ان کو ڈالنے کا ارادہ
کرے اس میں گر جایا کرتی تھیں جس طرح ہم اپنے
زمانہ کے کنوؤں کو دیکھتے ہیں، اور پھر یہ نجاستیں
نکال دی جاتی تھیں، پس جب اسلام کا زمانہ
آیا تو انہوں نے طہارتِ شرعیہ کا جو ان کے
ہاں کی طہارت سے زاید ہو آں حضرت صلے
اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا

الشرعية فانها نازلة على واجبه
ضروري لايجدون منه بدا و لا
يجوز العقل غيرها، قوله صلى الله
عليه وسلم الماء طهور لا ينجسه شيء
وقوله صلى الله عليه وسلم الماء لا
يجنب، وقوله صلى الله عليه وآله
وسلم المؤمن لا ينجس، ومثله
ما في الاخبار من ان البدن لا ينجس
والارض لا تنجس.

اقول معنى ذلك كله يرجع الى
نفي نجاسة خاصة تدل عليه القرائن
الحالية والقالية فقوله الماء لا
ينجس معناه المعادن لا تنجس
بملاقاة النجاسة اذا اخرجت و
رميت و لم يتغير احد اوصافه و
لم تفحش والبدن يغسل فيطهر
والارض يصيبها المطر والشمس و
تدلكها الارجل فتطهر، وهل يمكن
ان يظن ببئر بضاعة انها كانت
تستقر فيها النجاسات؟ كيف و
قد جرت عادة بني آدم بالاجتناب
عما هذا شانه فكيف يستقي بها
رسول الله صلى الله عليه وسلم؟
بل كانت تقع فيها النجاسات من
غير ان يقصد القاؤها كما نشاهد
من آبار زماننا ثم تخرج تلك النجاسات
فلما جاء الاسلام سالوا عن الطهارة
الشرعية الزائدة على ما عندهم
فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم

"پانی پاک ہوتا ہے اس کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی"
یعنی اس نجاست کے علاوہ جس کو تم سمجھتے ہو کوئی اور
نجاست نہیں ہے اور حضورؐ کے کلام میں نہ یہ کوئی تاویل
ہے اور نہ کلام کو ظاہر سے پھیرنا ہے بلکہ وہ محاورۂ عرب
ہے پس خدا تعالےٰ کا قول "کہدے میرے پاس جو وحی
کیا گیا ہے اس میں کھانے والے کیلئے کوئی کھانے کی
چیز میں حرام نہیں پاتا" الایہ، اس کے معنی یہ ہیں کہ جن
چیزوں میں تم کو اختلاف ہے ان میں میں کوئی حرام چیز نہیں
پاتا، اور جب طبیب سے کسی شئی کے متعلق دریافت کیا جائے
اور وہ کہے کہ اسکا استعمال جائز نہیں ہے تو اس سے یہ
بات سمجھی جاتی ہے کہ اس کی مراد صحت بدن کے اعتبار
سے ناجائز ہونا ہے، اور جب فقیہ سے کسی شئی کے متعلق
دریافت کیا جائے اور وہ اس کا ناجائز ہونا بیان کرے
تو عدم جواز سے اس کی مراد عدم جواز شرعی کا ہونا سمجھا
جاتا ہے، اللہ تعالےٰ فرماتا ہے "تم پر تمہاری مائیں حرام کی
گئیں" اور اللہ تعالےٰ فرماتا ہے "تم پر مردار حرام کیا گیا" پس
اول سے مراد حرمتِ نکاح ہے اور ثانی سے مراد حرمتِ
اکل ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بدون ولی کے
نکاح نہیں ہوتا" اس سے مراد ہے کہ شرع میں وہ نکاح جائز
نہیں ہوتا، یہ مراد نہیں ہے کہ خارج میں وہ پایا ہی نہیں جاتا
اور اس قسم کی بہت سی احادیث ہیں اور ان میں تاویل نہیں ہے
لیکن اس پانی مقید سے وضو کرنا جس پر بغیر قید کے پانی کا
اطلاق نہیں ہوتا ایک ایسی بات ہے جس کو بادی الرائے
میں شرع رد کر دیتی ہے، ہاں ایسی چیز سے ناپاکی کے دور
کرنیکا احتمال ہے بلکہ راجح یہی ہے کہ نجاست اس سے دور
ہو سکتی ہے، اور لوگوں نے کنوئیں میں جانور کے مرجانے کے
مسئلہ میں اور دہ در دہ میں اور آب جاری میں بہت سی فروعات
نکالی ہیں اور ان سب مسائل میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی
احادیث مروی نہیں ہیں لیکن وہ آثار جو صحابہ اور تابعین
سے منقول ہیں جیسے ابن زبیر کا اثر زنگی کے بارے میں اور حضرت علیؓ کا چوہے کے بارے میں * * * *

الماء طهور لا ينجسه شئ يعني لا ينجس
نجاسة غير ما عندكم وليس هذا
تاويلا ولا صرفا عن الظاهر بل هو
كلام العرب فقوله تعالى قل لا اجد
فيما اوحي الى محرما على طاعم الآية
معناه مما اختلفتم فيه، واذا سئل
الطبيب عن شئ فقال لا يجوز استعماله
عرف ان المراد نفي الجواز باعتبار صحة
البدن واذا سئل فقيه عن شئ
فقال لا يجوز عرف انه يريد نفي
الجواز الشرعي، قوله تعالى حرمت
عليكم امهاتكم وقوله تعالى حرمت
عليكم الميتة فالاول في النكاح و
الثاني في الاكل قوله صلى الله تعالى
عليه وآله وسلم لا نكاح الا بولي
نفي للجواز الشرعي لا الوجود الخارجي
وامثال هذا كثيرة وليس من
التاويل، واما الوضوء من الماء
المقيد الذي لا ينطلق عليه اسم
الماء بلا قيد فامر تدفعه الملة
بادي الراي، نعم ازالة الخبث به
محتمل بل هو الراجح، وقد
اطال القوم في فروع موت الحيوان
في البئر، والعشر في العشر، والماء
الجاري وليس في كل ذلك حديث
النبي صلى الله عليه وآله وسلم
البتة، واما الآثار المنقولة عن
الصحابة والتابعين كاثر ابن الزبير
في الزنجي، وعلى رضي الله عنه في الفارة

اور نخعی اور شعبی کا بلّی کے قریب جانوروں میں، سوائیں سے کوئی بھی ایسا اثر نہیں ہے جس کی صحت پر محدثین نے گواہی دی ہو اور نہ ہی قرون اولیٰ کے جمہور کا ان پر اتفاق ہے، اور اگر ان آثار کو صحیح بھی مان لیا جائے تو ممکن ہے کہ یہ دلوں کو مطمئن کرنے کے لئے اور پانی کی پاکیزگی کے لئے ہوں اور وجوب شرعی کے اعتبار سے نہ ہوں جیسا کہ کتب مالکیہ میں مذکور ہے اور اس احتمال کی نفی کرنا بہت مشکل ہے،

حاصل کلام یہ ہے کہ اس باب میں کوئی معتبر حدیث نہیں ہے جو واجب العمل ہو، اور بلا شبہ قلتین کی حدیث ان سب سے زیادہ ثابت ہے، اور یہ امر محال ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کے لئے ان مسائل میں ایسی شئ مقرر فرمائے جو ان تدابیر پر زاید ہو جو ان کے واسطے لازم ہیں اور وہ مسائل کثیر الوقوع ہوں اور ان میں عموم بلوی ہو پھر بھی نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس شئ کی صاف صاف تصریح نہ فرمائی ہو اور نہ وہ صحابہ اور ان کے بعد کے لوگوں میں مشہور ہو اور کوئی ایک حدیث بھی اس بارے میں وارد نہ ہو، واللہ اعلم ؁

نجاستوں کی پاک کرنیکا بیان ؁

نجاست وہ شئ ہے جس کو سلیم الطبع لوگ ناپاک سمجھیں اور اس سے پرہیز کریں اور جب کپڑوں کو لگ جائے تو ان کو دھوئیں جیسے پاخانہ پیشاب اور خون، لیکن نجاسات سے پاکی حاصل کرنا سو وہ بھی سلیم الطبع لوگوں سے ماخوذ اور ان کے مروجہ طریقہ سے مستنبط ہے، اور گوبر ناپاک ہے عبداللہ بن مسعود کی حدیث اس پر دلیل ہے، اور جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے

والنخعي والشعبي في نحو السنور فليست مما يشهد له المحدثون بالصحة ولا مما اتفق عليه جمهور اهل القرون الاولى وعلى تقدير صحتها يمكن ان يكون ذلك تطييبا للقلوب وتنظيفا للماء لا من جهة الوجوب الشرعي كما ذكر في كتب المالكية ودون نفي هذا الاحتمال خرط القتاد،

وبالجملة فليس في هذا الباب شئ يعتد به ويجب العمل عليه وحديث القلتين اثبت من ذلك كله بغير شبهة ومن المحال ان يكون الله تعالى شرع في هذه المسائل لعباده شيئا زيادة على ما لا ينفكون عنه من الارتفاقات وهي مما يكثر وقوعه وتعم به البلوى ثم لا ينص عليه النبي صلى الله عليه وسلم نصا جليا ولا يستفيض في الصحابة ومن بعدهم ولا حديث واحد فيه والله اعلم ؁

تطهير النجاسات

النجاسة كل شئ يستقذره اهل الطبائع السليمة ويتحفظون عنه ويغسلون الثياب اذا اصابها كالعذرة والبول والدم، واما تطهير النجاسات فهو ماخوذ عنهم ومستنبط مما اشتهر فيهم والروث ركس لحديث ابن مسعود وبول ما يؤكل لحمه

ان کے پیشاب کے ناپاک ہونے میں بھی شبہ نہیں، طبائع سلیمہ اس کو ناپاک سمجھتی ہیں، اور اس کے پینے کی جو اجازت ہے تو وہ طلب شفاء کی ضرورت کی وجہ سے ہے اور اس کے پاک ہونیکا یا نجاست خفیفہ ہونیکا جو حکم ہے تو وہ دفع حرج کی وجہ سے ہے، اور شراب کو شارع نے نجاست میں داخل کیا ہے اور اس کی نسبت اللہ تعالےٰ فرماتا ہے "ناپاک شیطان کا فعل ہے" اس واسطے کہ خدا تعالےٰ نے شراب کو حرام کیا اور اسکی حرمت کی نہایت تاکید کی، پس حکمت کا تقاضہ یہی تھا کہ اس کو پیشاب اور پائخانہ کی مانند کر دیا جائے تاکہ لوگوں کے سامنے اسکی برائی متمثل ہوجائے اور اس وجہ سے ان کے دل اس سے ہٹ جائیں، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم میں سے کسی کے برتن میں کتا پانی پی جائے تو وہ اس کو سات بار دھوئے"، اور ایک روایت میں ہے کہ "اول بار مٹی سے دھوئے"۔

میں کہتا ہوں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کتے کے جھوٹے کو بھی نجاسات میں شامل کر دیا اور نجاستوں میں سے سخت ناپاک قرار دیا کیونکہ کتا ایک ملعون حیوان ہے جس سے ملائکہ نفرت کرتے ہیں اور اس کو بلا ضرورت پالنا اور اسکے ساتھ مخالطت کرنا ہر روز ایک قیراط کی مقدار اجر کم کرتا ہے، اور اس میں راز یہ ہے کہ کتا اپنی جبلت میں شیطان سے مشابہ ہے کیونکہ اس کی عادت میں شیطنت کرنا، غصہ کرنا اور نجاسات میں منہ ڈالنا اور لوگوں کو تکلیف پہنچانا ہے اور شیاطین کی طرف سے الہام کو قبول کرتا ہے، پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو دیکھا کہ کتوں سے غلط ملط رکھتے ہیں اور ان کو کچھ پرواہ نہیں ہوتی، اور کھیتی اور مویشی اور گھر کی حفاظت اور شکار کے واسطے اسکی ضرورت کی وجہ سے بالکل نہی کر دینا بھی مناسب نہ تھا اسواسطے آپ نے پوری پوری طہارت شرط کر کے اور اسکو مؤکد کر کے اور ایسی طہارت کا حکم دیکر جسمیں کسیقدر دقت بھی ہے اس سے بچانے کا علاج کر دیا

لا شبهة في كونه خبثا تستقذره الطبائع السليمة، وانما يرخص في شربه لضرورة الاستشفاء، وانما يحكم بطهارته اوبخفة نجاسته لدفع الحرج والحق الشارع بها الخمر وهو قوله تعالىٰ رجس من عمل الشيطان، لانه حرمها واكد تحريمها فاقتضت الحكمة ان يجعلها بمنزلة البول والعذرة ليتمثل قبحها عندهم ويكون ذلك اكبح لنفوسهم عنها قال النبي صلى الله عليه وسلم اذا شرب الكلب في اناء احدكم فليغسله سبع مرات، وفي رواية اولاهن بالتراب۔

اقول الحق النبي صلى الله عليه وسلم سور الكلب بالنجاسات وجعله من اشدها لان الكلب حيوان ملعون تنفر منه الملائكة وينقص اقتناؤه والمخالطة معه بلا عذر من الاجر كل يوم قيراطا، والسر في ذلك انه يشبه الشيطان بجبلته لان ديدنه لعب وغضب واطراح في النجاسات وايذاء للناس ويقبل الالهام من الشياطين فرأى منهم صدودا وتهاونا ولم يكن سبيل الى النهي عنه بالكلية لضرورة الزرع والماشية والحراسة والصيد فعالج ذلك باشتراط اتم الطهارات واوكدها وما فيها بعض الحرج ليكون بمنزلة

تاکہ اس قدر پاک کرنا روک ٹوک میں کفارہ کے برابر ہوجائے، اور بعض حاملین مذہب نے سات مرتبہ دھونے کو امر تشریعی نہیں سمجھا بلکہ ایک طرح کی تاکید پر محمول کیا ہے، اور بعض نے ظاہر حدیث کا لحاظ کیا ہے اور احتیاط ہی افضل ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس اعرابی کے پیشاب پر ایک ڈول پانی کا بہا دو"

میں کہتا ہوں بہت سا پانی بہانا زمین پر پڑی پیشاب کی ناپاکی کو دور کر دیتا ہے اور یہ اس دستور سے ماخوذ ہے جو تمام لوگوں کے نزدیک طے شدہ ہے کہ بہت سی بارش سے زمین پاک ہوجاتی ہے اور بہت سے پانی سے بدبو بھی دور ہوجاتی ہے اور پیشاب منتشر ہوکر کالعدم ہوجاتا ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم عورتوں میں سے کسی عورت کے کپڑے کو جب حیض کا خون لگ جائے تو وہ اس خون کو کھرچ دے پھر اس کو رگڑ کر پانی سے دھو ڈالے پھر اس کپڑے سے نماز پڑھ لے"

میں کہتا ہوں عین نجاست اور اس کا اثر زائل ہونے سے طہارت حاصل ہوجاتی ہے اور تمام خصوصیات اس صورت کا بیان ہیں جو نجاست اور اس کے اثر کو زائل کر سکتی ہے اور وہ خصوصیات طہارت پر تنبیہ کے لئے ہیں طہارت کے لئے شرط نہیں ہیں لیکن منی سو ظاہر یہی ہے کہ وہ نجس شئی ہے کیونکہ نجاست کی تعریف میں جو کچھ ہم نے بیان کیا وہ اس میں پایا جاتا ہے، اور کھرچ دینا خشک منی سے کپڑے کو پاک کر دیتا ہے جبکہ وہ جسم والی ہو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لڑکی کے پیشاب سے کپڑے کو دھونا چاہئے اور لڑکے کے پیشاب سے کپڑے پر پانی بہانا چاہئے"

میں کہتا ہوں زمانۂ جاہلیت میں یہی طریقہ مقرر تھا پس اسی کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے باقی رکھا اور یہ فرق چند امور کی وجہ سے ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ لڑکے کا پیشاب پھیل جاتا ہے اور اس کا ازالہ دقت سے ہوتا ہے اس واسطے اسکے لئے تخفیف مناسب ہے اور لڑکی کا پیشاب ایک جگہ مجتمع رہتا ہے اور بآسانی زائل ہوسکتا ہے،

الكفارة في الردع والمنع، واستشعر بعض حملة الملة بأن ذلك ليس بتشريع بل نوع تأكيد، واختار بعض رعاية ظاهر الحديث والاحتياط افضل قوله صلى الله عليه وسلم هريقوا على بوله سجلا من ماء

اقول البول على الارض يطهره مكاثرة الماء عليه وهو ماخوذ مما تقرر عند الناس قاطبة ان المطر الكثير يطهر الارض وان المكاثرة تذهب بالرائحة المنتنة وتجعل البول متلاشيا كان لم يكن، قوله صلى الله عليه وسلم اذا اصاب ثوب احداكن الدم من الحيضة فلتقرصه ثم لتنضحه بماء ثم لتصلي فيه

اقول تحصل الطهارة بزوال عين النجاسة واثرها وسائر الخصوصيات بيان لصورة صالحة لزوالهما وتنبيه على ذلك لا اشتراط، واما المني فالاظهر انه نجس لوجود ما ذكرنا في حد النجاسة وان الفرك يطهر يابسه اذا كان له جرم، قوله صلى الله عليه وسلم يغسل من بول الجارية ويرش من بول الغلام

اقول هذا امر كان قد تقرر في الجاهلية وابقاه النبي صلى الله عليه وسلم والحامل على هذا الفرق امور منها ان بول الغلام ينتشر فيعسر ازالته فيناسبه التخفيف، وبول الجارية يجتمع فيسهل ازالته، ومنها

اور دوسری بات یہ ہے کہ لڑکی کا پیشاب لڑکے کے پیشاب سے زیادہ غلیظ اور بدبودار ہوتا ہے اور تیسری بات یہ ہے کہ لڑکوں سے لوگوں کو رغبت ہوتی ہے اور لڑکیوں کو کم پسند کرتے ہیں اس حدیث پر اہل مدینہ اور ابراہیم نخعی نے عمل کیا ہے اور امام محمد نے اس بارے میں تفصیل کی ہے پس لوگوں میں جو مشہور ہے اس سے دھوکا میں نہیں پڑنا چاہیے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "چمڑا جب پکا لیا جاتا ہے تو پاک ہو جاتا ہے۔"

میں کہتا ہوں حیوانات کے پکے ہوئے چمڑوں کا استعمال کرنا تمام فرقوں کے نزدیک جاری اور مسلم ہے اور اس میں راز یہ ہے کہ پکا لینے سے بدبو اور کراہت دور ہو جاتی ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم میں سے کسی کے جوتے کو نجاست لگ جائے تو مٹی اس کے لئے پاک کرنے والی ہے۔"

میں کہتا ہوں جوتا اور موزہ اس نجاست سے جو جسم والی ہو رگڑنے سے پاک ہو جاتا ہے کیونکہ وہ سخت جسم ہے اس میں نجاست سرایت نہیں کرتی اور ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم تر اور خشک دونوں نجاستوں میں عام ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے بلی کے بارے میں فرمایا "یہ گھر میں پھرنے والی چیزوں میں سے ہے۔"

میں کہتا ہوں اس کے معنی ایک قول کے مؤافق یہ ہیں کہ اگرچہ وہ نجاستوں میں منہ ڈالتی ہے اور چوہے کا شکار کرتی ہے مگر اس جگہ ضرورت ہے کہ اس کے جوٹھے کی پاکی کا حکم دیا جائے، اور حرج کا دفع کرنا اصول شرع میں سے ایک اصل ہے اور دوسرے قول کے مؤافق اس حدیث میں ترغیب ہے کہ ہر جاندار کے ساتھ احسان کیا جائے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے بلی کو سائلین اور سائلات کے ساتھ تشبیہ دی ہے، واللہ اعلم

ان بول الانثی اغلظ و انتن من بول الذکر، ومنها ان الذکر ترغب فیه النفوس والانثی تعافها، وقد اخذ بالحدیث اهل المدینة وابراهیم النخعی، واضجع فیه القول محمد فلا تغتر بالمشهور بین الناس،

قوله صلے الله علیه وسلم اذا ادبغ الاهاب فقد طهر،

اقول استعمال جلود الحیوانات المدبوغة امر شائع مسلم عند طوائف الناس، والسر فیه ان الدباغ یزیل النتن والرائحة الکریهة

قوله صلے الله علیه وسلم اذا وطئ احدکم بنعله الاذی فان التراب له طهور،

اقول النعل والخف یطهر من النجاسة التی لها جرم بالدلك لانه جسم صلب لا یتخلل فیه النجاسة والظاهر انه عام فی الرطبة والیابسة

قوله صلے الله علیه وسلم فی الهرة انها من الطوافین والطوافات،

اقول معناه علی قول ان الهرة وان کانت تلغ فی النجاسات وتقتل الفارة فهناك ضرورة فی الحکم بتطهیر سودها، ودفع الحرج اصل من اصول الشرع، وعلی قول اٰخر حث علی الاحسان علی کل ذات کبد رطبة وشبهها بالسائلین والسائلات، والله اعلم

نماز کے ابواب کا بیان

واضح ہو کہ نماز تمام عبادتوں میں سب سے زیادہ عظیم الشان، سب سے زیادہ یقینی اور لوگوں میں سب عبادتوں سے زیادہ مشہور اور نفس میں سب سے زیادہ نفع بخش عبادت ہے اور اسی وجہ سے شارع علیہ السلام نے اس کی فضیلت، تعیینِ اوقات اور اس کے شروط وارکان بیان کرنے میں اور اس کے آداب، اسکی رخصتیں اور اس کے نوافل بیان کرنے میں اس قدر زیادہ اہتمام کیا ہے جو کسی اور عبادت میں نہیں کیا، اور اس کو دین کے بڑے بڑے شعائر میں سے شمار کیا ہے، اور نماز تمام یہود، نصاریٰ، مجوس اور بقایہ ملتِ اسماعیلیہ میں قابل تسلیم رہی ہے پس ضروری ہوا کہ اس کے اوقات اور اسکے جمیع متعلقات میں انہی امور کو اختیار کرنا چاہیے جن پر انہوں نے اور ان کے جمہور نے اتفاق کیا ہے اور جن جن باتوں کو انہوں نے اپنی طرف سے بنا رکھا ہے جیسے یہود موزے اور جوتے پہنکر نماز پڑھنا مکروہ سمجھتے تھے اور اسی طرح کی دیگر باتیں تھیں تو یہ امر ضروری ہوا کہ ان کے ترک کی تاکید کیجائے اور مسلمانوں کا طریقہ ان کے طریقہ کے خلاف ہو، اور اسی طرح مجوس نے اپنے دین کو بگاڑا اور آفتاب کی پرستش کرنے لگے اس واسطے ملتِ اسلام کو ان کی ملت سے بالکل جدا کرنے کی ضرورت ہوئی، اور مسلمانوں کو ان کی نمازوں کے اوقات میں نماز پڑھنے سے بھی منع کر دیا گیا، اور چونکہ نماز کے احکام وسیع ہیں اور جن اصول پر نماز کی بناء ہے بہت ہیں اس واسطے کتاب الصلوٰۃ کے شروع میں ہم نے ان اصول کو ذکر نہیں کیا جیسا کہ تمام کتب بنکے اول میں ہم ذکر کرتے تھے،

مِنْ اَبْوَابِ الصَّلٰوةِ

اعلم ان الصلاة اعظم العبادات شانا واوضحها برهانا واشهرها في الناس وانفعها في النفس، ولذلك اعتنى الشارع ببيان فضلها وتعيين اوقاتها وشروطها واركانها وآدابها ورخصها ونوافلها اعتناء عظيما لم يفعل في سائر انواع الطاعات، وجعلها من اعظم شعائر الدين وكانت مسلمة في اليهود والنصارى والمجوس وبقايا الملة الاسماعلية فوجب ان لا يذهب في توقيتها وسائر ما يتعلق بها الا الى ما كان عندهم من الامور التي اتفقوا عليها واتفق عليها جمهورهم واما ما كان من تحريفهم ككراهية اليهود الصلوة في الخفاف والنعال ونحو ذلك، فمن حقه ان يسجل على تركه وان يجعل سنة المسلمين غير سنة هؤلاء، وكذلك كان المجوس حرفوا دينهم وعبدوا الشمس فوجب ان تميز ملة الاسلام من ملتهم غاية التمييز فنهى المسلمون عن الصلاة في اوقات صلاتهم ايضا، ولاتساع احكام الصلاة وكثرة اصولها التي تبنى عليها لم نذكر الاصول في فاتحة كتاب الصلاة كما ذكرنا في سائر

بلکہ ہر فصل کے اصول کو اس فصل کے اندر بیان کر دیا ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اپنی اولاد کو نماز کا حکم کرو جب وہ سات برس کی عمر کے ہو جائیں" اور ان کو نماز کے اوپر مارو، جب وہ دس برس کی عمر کے ہو جائیں، اور ان کے سونے کی جگہ الگ کر دو"۔

میں کہتا ہوں۔ لڑکے کے بالغ ہونے کے دو طریق ہیں ایک تو اس حد کو پہنچنا جس میں صحیح اور غیر صحیح ادراک کی صلاحیت ہو جائے اور یہ صرف عقل سے ہوتا ہے اور عقل ظاہر ہونے کی علامت سات برس ہیں پس سات برس کا لڑکا ان امور میں یقیناً ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، اور عقل کے پوری ہونے کی علامت دس برس ہیں پس دس برس کا لڑکا بشرطیکہ صحیح المزاج ہو، پورا عاقل ہوتا ہے، اپنے نفع اور نقصان کو خوب پہچاننے لگتا ہے اور تجارت و دیگر معاملات میں پورا ہوشیار ہو جاتا ہے، اور بلوغ کا دوسرا طریق یہ ہے کہ وہ جہاد، حدود اور سزاؤں کے قابل ہو جائے اور اس کا ان لوگوں میں شمار ہونے لگے جو تکالیف برداشت کرتے ہیں اور مدنی اور مذہبی سیاست میں ان کا اعتبار کیا جاتا ہے اور جو راہ راست پر جبراً چلائے جاتے ہیں اور اس مرتبہ کا مدار عقل کامل اور جسم تام پر ہے اور یہ حالت اکثر میں پندرہ برس کی عمر میں متحقق ہو جاتی ہے، اس بلوغ کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ احتلام ہونے لگے اور زیر ناف کے بال نکل آئیں،

نماز میں دو امر کا لحاظ کیا گیا ہے پس اس لحاظ سے کہ نماز بندے اور اس کے مالک کے درمیان ایک واسطہ ہے اور بندے کو جہنم کے طبقہ اسفل السافلین میں گرنے سے باز رکھنے والی ہے، بلوغ اول کے وقت نماز کا حکم کر دیا گیا، اور اس لحاظ سے کہ نماز اسلام کے شعائر میں سے ہے

الكتب بل ذكرنا أصل كل فصل في ذلك الفصل، قوله صلى الله عليه وسلم مروا أولادكم بالصلاة وهم أبناء سبع سنين واضربوهم عليها وهم أبناء عشر سنين وفرقوا بينهم في المضاجع ۔

أقول بلوغ الصبي على وجهين، بلوغ في صلاحية السقم والصحة النفسانيتين ويتحقق بالعقل فقط وامارة ظهور العقل سبع فابن السبع ينتقل فيها لا محالة من حالة إلى حالة انتقالا ظاهرا، وامارة تمامه العشر فابن العشر عند سلامة المزاج يكون عاقلا يعرف نفعه من ضرره ويحذق في التجارة وما يشبهها وبلوغ في صلاحية الجهاد والحدود والمؤاخذة عليه وان يصير به من الرجال الذين يعانون المكايد ويعتبر حالهم في السياسات المدنية والملية، ويجبرون قسرا على الصراط المستقيم، ويعتمد على تمام العقل وتمام الجثة وذلك بخمس عشرة سنة في الأكثر، ومن علامات هذا البلوغ الاحتلام وانبات العانة والصلاة لها اعتباران فباعتبار كونها وسيلة فيما بينه وبين مولاه منقذة عن التردي في أسفل السافلين أمر بها عند البلوغ الأول، وباعتبار كونها من شعائر

اور اس پر مؤاخذہ کیا جاتا ہے اور اس پر لوگوں کو مجبور کیا جاتا ہے خواہ وہ چاہیں یا نہ چاہیں نماز کا حکم دیگر امور کے حکم کی طرح ہے،

اور چونکہ دس برس کی عمر بلوغ کے دونوں حدوں کے بیچ میں ایک برزخ کی حالت تھی، بلوغ کی دونوں جہتوں میں مشترک تھی اس واسطے دونوں جہتوں سے حصہ دیا گیا اور دونوں کا حکم دیا گیا، اور اس عمر میں الگ سلانے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ یہ زمانہ آغاز جوانی کا ہوتا ہے پس کچھ بعید نہیں ہے کہ یکجا سونے سے جماع کی خواہش پیدا ہو جائے اس واسطے ضروری ہوا کہ برائی کا راستہ اس کے واقع ہونے سے پہلے ہی بند کر دیا جائے،

نماز کی فضیلت کا بیان

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "بے شک نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں" اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے لئے فرمایا جس نے گناہ کرنے کے بعد جماعت میں شامل ہو کر نماز پڑھ لی تھی "خدا تعالیٰ نے تیرے گناہ کو بخش دیا" نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر تم میں سے کسی کے دروازہ پر نہر بہتی ہو جس میں وہ دن بھر میں پانچ مرتبہ نہاتا ہو تو کیا اس کے بدن پر میل باقی رہ سکتا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا نہیں، آپ نے فرمایا۔ پس یہی حال پنج وقتہ نمازوں کا ہے کہ ان سے خدا تعالیٰ گناہوں کو دور کر دیتا ہے"

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "پانچوں نمازیں اور ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان کو دوسرے رمضان تک اپنے درمیان کے گناہوں کو دور کرنے والے ہیں بشرطیکہ کبائر سے پرہیز کیا جائے"،

میں کہتا ہوں نماز میں پاکیزگی بھی ہے اور عبادت بھی اور وہ نفس کو پاک کر کے عالم ملکوت تک پہنچاتی ہے اور نفس کی یہ خاصیت ہے کہ جب وہ کسی صفت کے ساتھ متصف ہوتا ہے تو اس صفت کی ضد کو ترک کر دیتا ہے اور اس سے الگ ہو جاتا ہے اور وہ صفت

الاسلام يؤاخذون بها ويجبرون عليها اشاؤا ام ابوا حكمها حكم سائر الامور۔

ولما كان سن العشر برزخا بين الحدين جامعا بين الجهتين جعل له نصيبا منهما، وانما امر بتفريق المضاجع لان الايام ايام المراهقة فلا يبعد ان تفضي المضاجعة الى شهوة المجامعة فلا بد من سد سبيل الفساد قبل وقوعه۔

فضل الصلاة :- قوله تعالى ان الحسنات يذهبن السيات، وقوله صلى الله عليه وسلم لمن صلى فى الجماعة بعد الذنب فان الله قد غفر لك ذنبك وقوله صلى الله عليه وسلم لو ان نهرا بباب احدكم يغتسل فيه كل يوم خمسا هل يبقى من درنه شئ؟ قالوا لا قال فذلك مثل الصلوات الخمس يمحوا الله بها الخطايا۔

وقوله صلى الله عليه وآله وسلم الصلوات الخمس والجمعة الى الجمعة ورمضان الى رمضان مكفرات لما بينهن اذا اجتنب الكبائر۔

اقول الصلاة جامعة للتنظيف والاخبات مقدسة للنفس الى عالم الملكوت، ومن خاصية النفس انها اذا اتصفت بصفة رفضت ضدها وتباعدت عنه، وصار

اس سے ایسی معدوم ہو جاتی ہے کہ کبھی اس کا نام بھی
اس میں نہ تھا، پس جو شخص ان نمازوں کو پورے طور پر
ادا کرے اور اچھی طرح پر وضو کرے اور ان کے وقت پر
ان کو پڑھے اور ان کے رکوع اور خشوع اور اذکار اور
اشکال کو پورے طور پر کرے اور اشباح سے ان کی
ارواح اور صورتوں سے ان کے معانی مقصود رکھے تو
ضرور وہ رحمت الٰہی کے عظیم الشان دریا میں غوطہ لگاتا
ہے اور خدا تعالےٰ اس کے گناہ مٹا دیتا ہے،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بندے میں اور اسکے
کافر ہونے میں نماز کو ترک کرنے کا فرق ہے"

میں کہتا ہوں نماز اسلام کے شعائر اور اسکی علامات
میں سب سے زیادہ عظیم الشان ہے جس کے جاتے رہنے
سے اسلام کے فقدان کا حکم دیا جا سکتا ہے کیونکہ نماز
میں اور اسلام میں بہت زیادہ لگاؤ اور اتحاد ہے نیز نماز
ہی اسلام کے معنی کو یعنی اللہ تعالےٰ کے سامنے سر جھکا دینے
کو خوب ثابت کرتی ہے اور جسکو نماز سے حصہ نہیں ملا تو اس کا
اسلام اسقدر باقی رہ گیا جسکا خدا تعالیٰ کے نزدیک کچھ اعتبار نہیں

ذلك منها كان لم يكن شيئا مذكورا
فمن ادى الصلوات على وجهها و
احسن وضوءهن وصلاهن لوقتهن
و اتم ركوعهن وخشوعهن واذكارهن
وهيأتهن، وقصد بالاشباح ارواحها
وبالصور معانيها، لابد انه يخوض
فى لجة عظيمة من الرحمة ويمحوالله
عنه الخطايا؛

قوله صلى الله عليه وآله و
بين العبد وبين الكفر ترك الصلاة

اقول الصلاة من اعظم شعائر
الاسلام وعلاماته التى اذا فقدت
ينبغي ان يحكم بفقده لقوة الملابسة
بينها وبينه، وايضا الصلاة هي
المحققة لمعنى اسلام الوجه لله
ومن لم يكن له حظ منها فانه لم
يبوء من الاسلام الا بما لا يعبأ به؛

نماز کے اوقات کا بیان

جبکہ نماز کا فائدہ یعنی دریائے شہود میں غوطہ لگانا
اور فرشتوں کی جماعت میں مل جانا بدون نماز پر مداومت
کے اور اس کے التزام اور اس کی کثرت کے حاصل
نہیں ہوتا، حتیٰ کہ لوگوں کے اثقال ان کے اوپر سے
ہٹ جائیں، اور یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ ان کو ایسا
حکم دیا جائے جس سے ضروری تدابیر کا ترک
کرنا اور امور طبعیہ سے خارج ہونا لازم آئے،
اس واسطے حکمت الٰہی کا مقتضیٰ ہوا کہ لوگوں
کو نماز کی محافظت اور اس کی مداومت

اَوْقَاتُ الصَّلٰوةِ

لما كانت فائدة الصلاة وهي
الخوض فى لجة الشهود والانسلاك
فى سلك الملائكة لا تحصل الا
بمداومة عليها وملازمة بها و
اكثار منها حتى تطرح عنهم اثقالهم
ولا يمكن ان يؤمروا بما يفضي
الى ترك الارتفاقات الضرورية و
الانسلاخ عن احكام الطبيعة
بالكلية اوجبت الحكمة الالهية
ان يؤمروا بالمحافظة عليها و

کا حکم زمانہ کے ہر ایک حصہ کے بعد دیا جائے تاکہ نماز
پڑھنے سے قبل اس کا انتظار کرنا اور اس کے لئے تیار
رہنا اور نماز پڑھ لینے کے بعد اس کے رنگ کا بقیہ
اور اس کے نور کا اثر نماز کے حکم میں شمار ہو اور غفلت
کے اوقات میں بھی نظر ذکر الٰہی کی طرف رہے اور دل
اللہ تعالےٰ کی طاعت میں لگا رہے، پس مسلمان کا
حال اس گھوڑے کا سا ہوتا ہے جو لمبی رسی سے بندھا
ہوتا ہے ایک دو قدم ادھر اُدھر چل کر پھر اپنے تھان
پر آرہتا ہے، اور نماز کی پابندی سے غفلت اور گناہوں
کی تاریکی دلوں کے اندر نہیں بیٹھتی، مداومتِ حقیقی
ممکن نہ ہونے کی صورت میں ایسی ہی مداومت ہو سکتی
ہے۔،

پس جب نماز کے اوقات کی تعیین کی ضرورت
ہوئی تو کوئی وقت ان چاروں وقتوں سے بہتر نہ تھا
جن میں روحانیت کا عالم ظہور میں ہوتا ہے اور ملائکہ کا
نزول ہوتا ہے اور بندوں کے اعمال خدا تعالےٰ کے
سامنے پیش کئے جاتے ہیں اور بندوں کی دُعائیں
قبول ہوتی ہیں، اور یہ چاروں اوقات ان سب
لوگوں کے نزدیک جو عالمِ بالا سے فیض حاصل
کرتے ہیں ایک مسلم امر کے مانند ہیں، لیکن
آدھی رات کے وقت سب لوگوں کو نماز
پڑھنے کے ساتھ مکلف کرنا ممکن نہیں ہے،
جیسا کہ ظاہر ہے اس واسطے فی الحقیقت نماز
کے اوقات تین ہوئے۔ صبح اور شام اور رات
کی تاریکی،

چنانچہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے " قائم کر نماز
کو سورج کے ڈھلنے سے رات کی تاریکی تک
اور صبح کو قرآن پڑھا کر کیونکہ صبح کے وقت
قرآن کا پڑھنا موجب حضورِ ملائکہ ہے "

التعهد لها بعد كل برهة من
الزمان ليكون انتظارهم للصلاة
وتهيؤهم لها قبل ان يفعلوها و
بقية لونها وصبابة نورها بعد
ان يفعلوها فى حكم الصلاة، و
تكون اوقات الغفلة مضمومة
بطمح بصر الى ذكر الله وتعلق
خاطر بطاعة الله، فيكون حال المسلم
كحال حصان مربوط باخية يستن
شرفا او شرفين، ثم يرجع الى
اخيته ويكون ظلمة الخطايا و
الغفلة لاتدخل فى جذر القلوب
وهذا هو الدوام المتيسر عند
ما امتنع الدوام الحقيقى، ثم
لما آل الامر الى تعيين اوقات
الصلاة لم يكن وقت احق بها
من الساعات الاربع التى تنتشر
فيها الروحانية وتنزل فيها
الملائكة ويعرض فيها على الله
اعمالهم ويستجاب دعاؤهم، و
هى كالامر المسلم عند جمهور اهل
التلقى من الملأ الاعلى، لكن وقت
نصف الليل لا يمكن تكليف الجمهور
به، كما لا يخفى، فكانت اوقات
الصلاة فى الاصل ثلاثة، الفجر
والعشى وغسق الليل، وهو قوله
تبارك وتعالى اقم الصلاة لدلوك
الشمس الى غسق الليل وقرآن
الفجر ان قرآن الفجر كان مشهودا

اور "الی غسق اللیل" اس واسطے فرمایا کہ فصل کے
نہ پائے جانے کی وجہ سے شام کی نماز حکماً شب کی تاریکی
سے مل جاتی ہے اور اسی وجہ سے ضرورت کے وقت
ظہر و عصر کو اور مغرب و عشاء کو ایک ساتھ پڑھنا درست
ہے، لیس ایک اصل ہے، اور دو نمازوں میں بہت
زیادہ فصل کرنا بھی درست نہیں ہے کہ محافظت
کے معنی ہی فوت ہو جائیں اور جو کچھ اس نے اول
بار نماز سے حاصل کیا تھا جاتا رہے، اور نہ ہی
بہت تھوڑا سا فصل رکھنا درست ہے کہ ان کو
معاش کے حاصل کرنے کی فرصت ہی نہ ملے، اور
اس امر میں ایک ایسی ظاہر محسوس حد مقرر کرنا ضروری
ہے جس کو سب خاص و عام معلوم کر لیا کریں اور
وہ کسی قدر زیادہ کر دینا ہے اس جزء کا جو اوقات
کے اندازہ کرنے میں عرب و عجم کے نزدیک مستعمل
ہو اور وہ بہت زیادہ بڑھائی ہوئی نہ ہو، اور
اس امر کے لئے چوتھائی دن کی مقدار ہی ہو سکتی
ہے کیونکہ چوتھائی دن میں تین ساعتیں ہوتی ہیں
اور دن کا اور رات کا بارہ حصوں میں تقسیم کرنا ایک
ایسا امر ہے جس پر تمام اقالیم صالحہ نے
اتفاق کیا ہے،

اور اہل زراعت اور تجارت اور اہل صنعت
وغیرہم کی اکثر یہ عادت ہے کہ صبح سے دوپہر تک
اپنے کاموں میں مشغول رہتے ہیں کیونکہ کسب
معاش کا یہی وقت ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
" اور ہم نے دن کو روزگار بنایا" اور اللہ تعالیٰ
فرماتا ہے " تاکہ تم اس کے فضل سے طلب کرو"
اور بہت سے اشغال ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے لئے
ایک طویل مدت درکار ہوتی ہے اور ایسے کاروبار
کے وقت میں سب لوگوں کا نماز کے لئے آمادہ ہونا اور

وانما قال الى غسق الليل لان صلاة
العشي ممتدة اليه حكما لعدم
وجود الفصل ولذلك جاز عند
الضرورة الجمع بين الظهر وا
العصر وبين المغرب والعشاء،
فهذا اصل، ولا يجوز ان يكون
الفصل بين كل صلاتين كثيرا
جدا فيفوت معنى المحافظة وا
ينسى ما كسبه اول مرة ولا
قليلا جدا، فلا يتفرغون لابتغاء
معاشهم، ولا يجوز ان يضرب
في ذلك الاحد ظاهرا محسوسا
يتبينه الخاصة والعامة، وهو
كثرة ما للجزء المستعمل عند
العرب والعجم في باب تقدير
الاوقات، وليست بالكثرة المفرطة
ولا يصلح لهذا الا ربع النهار فانه
ثلاث ساعات، وتجزية الليل
والنهار الى ثنتي عشرة ساعة امرا
جمع عليه اهل الاقاليم الصالحة
وكان اهل الزراعة والتجارة و
الصناعة وغيرهم يعتادون غالبا
ان يتفرغوا لاشغالهم من البكرة
الى الهاجرة فانه وقت ابتغاء
الرزق، وهو قوله تعالى وجعلنا
النهار معاشا، وقوله تعالى لتبتغوا
من فضله، واتصاف كثير من
الاشغال ينجر الى مدة طويلة،
ويكون التهيؤ للصلاة والتفرغ

اس کے لئے وقت نکالنا حرج عظیم ہے اور اسی واسطے
شارع نے نمازِ چاشت کو ساقط کردیا اور بغیر فرض
کئے اس کی طرف پوری رغبت دلائی اس وجہ سے
یہ بات ضروری ہوئی کہ دن کے نصف اخیر کی نماز
کے دو حصے کئے جائیں جن کے درمیان قریباً چوتھائی
دن کا فصل ہو اور وہ ظہر اور عصر کی نمازیں ہیں، اور
رات کی نماز کے بھی دو حصے کردیئے جائیں جن کے
درمیان اسی قدر فصل رہے اور وہ مغرب اور عشار
کی نمازیں ہیں، اور یہ بات بھی ضروری ہوئی کہ
بغیر ایسی ضرورت کے جس سے مفر ہی نہیں ایک
وقت کی دونوں نمازوں کو جمع نہ کیا جائے ورنہ وہ
مصلحت جس کا تعیینِ اوقات میں لحاظ رکھا گیا ہے
ضائع ہوجائے گی، اور یہ دوسری اصل ہے،
اور صالح ملکوں کے تمام باشندے اور معتدل
مزاج لوگ جو احکام میں مقصود بالذات ہیں ہمیشہ
علی الصبح بیدار ہو کر صبح کی روشنی سے رات کی
تاریکی تک اپنے کاروبار میں مصروف رہتے ہیں
اور نماز کے ادا کرنے کے لئے ایک تو وہ وقت
مناسب ہے جس میں انسان کا نفس معاشی مصروفیات
کے ان اثرات سے بری ہو جو یادِ الٰہی کو بھلا دیتے
ہیں تاکہ اللہ تعالےٰ کا ذکر ایک فارغ قلب کو پالے
پس اس میں جگہ کرلے اور نفس کے اندر پوری پوری
تاثیر کرلے، اس کی نسبت اللہ تعالےٰ فرماتا ہے
" اور صبح کو قرآن پڑھا کر کیونکہ صبح کے وقت
قرآن کا پڑھنا موجبِ حضورِ ملائکہ ہے "
اور ایک وہ وقت مناسب ہے جس میں آدمی
سونے کے قریب ہوتا ہے تاکہ اس وقت کی نماز
سارے دن کی کدورتوں کا کفارہ اور دل کے
زنگ کو دور کرنے والی ہوجائے، چنانچہ نبی صلے

لها من الناس اجمعهم في اثناء
ذلك حرجا عظيما، فلذلك
اسقط الشارع الضحى ورغب
فيها ترغيبا عظيما من غير
ايجاب، فوجب ان تشتق صلاة
العشي الى صلاتين بينهما نحو من
ربع النهار وهما الظهر والعصر
وغسق الليل الى صلاتين بينهما
نحو من ذلك وهما المغرب و
العشاء، ووجب ان لا يرخص
في الجمع بين كل من شقي الوقتين
الا عند ضرورة لا يجد منها بدا
والا لبطلت المصلحة المعتبرة في
تعيين الاوقات، وهذا اصل
آخر، وكان جمهور اهل الاقاليم
الصالحة والامزجة المعتدلة
الذين هم المقصودون بالذات
في الشرائع لا يزالون متيقظين
مترددين في حوائجهم من وقت
الاسفار الى غسق الليل، وكان
احق ما يؤدى فيه الصلاة وقت
خلو النفس عن الوان الاشغال
المعاشية المنسية ذكر الله
ليصادف قلبا فارغا فيتمكن منه
ويكون اشد تاثيرا فيه، وهو
قوله تعالى وقرآن الفجر ان قرآن
الفجر كان مشهودا، ووقت الشروع
في النوم ليكون كفارة لما مضى
وتصقيلا للصدا، وهو قوله صلى

اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "جس نے عشار کی نماز جماعت سے
پڑھی تو وہ شب کے نصف اول میں قیام کے برابر ہے
اور جس شخص نے عشار اور فجر کی نماز جماعت سے پڑھی تو
وہ پوری رات کے قیام کے برابر ہے"
اور ایک وہ وقت مناسب ہے جو لوگوں کے کاروبار
کا ہوتا ہے جیسے دن چڑھے کا وقت ہے تاکہ اس وقت
کی نماز دنیا کے اندر پورے انہماک کو ہلکا کر دے اور
اس کے واسطے تریاق کا کام دے، مگر اس وقت کی نماز کا
تمام لوگوں کو حکم نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اس وقت لوگوں
کی دو حالتیں ہوں گی یا تو وہ اپنے کاروبار کو چھوڑینگے
اور یا ان کو نماز ترک کرنا پڑیگی اور یہ ایک اور اصل ہے،
نیز تعیین اوقات کے باب میں اس سے بہتر کوئی بات
نہیں کہ اس طریق کو اختیار کیا جائے جو گذشتہ انبیاء مقربین
سے منقول ہے کیونکہ اس طریق کا اختیار کرنا ادائے طاعت
پر نفس کے لئے بہت بڑی تنبیہ کرنے والا ہے اور نفس کیلئے
اس امر پر ابھارنے والا ہے کہ لوگ عبادت میں ایک
دوسرے پر سبقت کریں اور لوگوں میں صالحین کے ذکر جمیل کا
باعث ہے، اس کی نسبت حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا تھا
"یہ آپ سے قبل گذرے ہوئے انبیار کا وقت صلوٰۃ ہے"
یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ نماز عشار کے بارے میں
حضرت معاذ کی روایت کردہ حدیث میں اس طرح آیا ہے
کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس عشار کو تم سے پہلے
کسی نے نہیں پڑھا" کیونکہ اس حدیث کو لوگوں نے مختلف
طور سے روایت کیا ہے پس بعض نے اس طرح سے کہا کہ
لوگوں نے نماز پڑھی اور سو گئے اور بعض نے اس طرح کہا کہ
اس نماز کو کوئی نہیں پڑھتا تھا مگر مدینہ میں، اور اسیطرح اور
اقوال ہیں پس ظاہر یہی ہے کہ یہ روایت بالمعنی کی قسم سے ہے
اور یہ ایک اور اصل ہے،
حاصل کلام یہ ہے کہ اوقات کے مقرر کرنے میں بہت سے
اعتبار سے بڑے بڑے راز ہیں، پس حضرت جبرئیل علیہ السلام بشکل انسان تشریف لائے اور ان حضرت صلی اللہ

الله عليه وسلم من صلى العشاء في
جماعة كان كقيام نصف الليل
الاول، ومن صلى العشاء والفجر
في جماعة كان كقيام ليلة، و
وقت اشتغالهم كالضحى ليكون
مهونا للانهماك في الدنيا وترياقا
له، غير ان هذا لا يجوز ان
يخاطب به الناس جميعا لانهم
حينئذ بين امرين، اما ان
يتركوا هذا او ذاك - وهذا اصل
آخر، وايضا لا احق في باب تعيين
الاوقات من ان يذهب الى المأثور
من سنن الانبياء المقربين من
قبل، فانه كالمنبه للنفس على
اداء الطاعة تنبيها عظيما والمهيج
لها على منافسة القوم والباعث
على ان يكون للصالحين فيهم ذكر
جميل وهو قول جبريل عليه
السلام، هذا وقت الانبياء من
قبلك لا يقال ورد في حديث
معاذ في العشاء ولم يصلها احد
قبلكم لان الحديث رواه جماعة،
فقال بعضهم ان الناس صلوا و
رقدوا، وقال بعضهم ولا يصليها
احد الا بالمدينة ونحو ذلك فالظاهر
انه من قبيل الرواية بالمعنى، وهذا
اصل آخر، وبالجملة ففي تعيين
الاوقات سر عميق من وجوه كثيرة
فتمثل جبريل عليه السلام وصلى

بالنبي صلى الله عليه وسلم وعلمه
الأوقات، ولما ذكرنا ظهر وجه
مشروعية الجمع بين الصلاتين
في الجملة، وسبب وجوب التهجد
والضحى على النبي صلى الله عليه و
سلم والأنبياء على ما ذكروا وكونها
نافلة للناس وسبب تأكيد أداء
الصلوات على أوقاتها والله أعلم.

ولما كان في التكليف بأن
يصلي جميع الناس في ساعة واحدة
بعينها لا يتقدمون ولا يتأخرون
غاية الحرج وسع في الأوقات
توسعة ما، ولما كان لا يصلح
للتشريع إلا المظنات الظاهرة
عند العرب غير الخفية على الأداني
والأقاصي جعل لأوائل الأوقات
وأواخرها حدودا مضبوطة محسوسة
ولتزاحم هذه الأسباب حصل
للصلوات أربعة أوقات، وقت
الاختيار وهو الوقت الذي يجوز
أن يصلي فيه من غير كراهية، و
العمدة فيه حديثان، حديث
جبريل فإنه صلى بالنبي صلى الله
عليه وسلم يومين، وحديث
بريدة ففيه أنه صلى الله عليه
وسلم أجاب السائل عنها بأن
صلى يومين، والمفسر منهما
قاض على المبهم، وما اختلف يتبع
فيه حديث بريدة لأنه مدني

علیہ وسلم کو نماز پڑھائی اور آپ کو نماز کے اوقات
کی تعلیم فرمائی، اور ہمارے بیان سے جمع بین الصلوتین
کے جواز کی وجہ فی الجملہ اور نمازِ تہجد اور نمازِ چاشت
کا نبی صلے اللہ علیہ وسلم و دیگر انبیاء پر واجب ہونے کا
سبب جیسا کہ علماء نے بیان کیا ہے اور دیگر لوگوں
کے لئے ان کا نفل ہونا اور نمازوں کو ان کے
اوقات میں ادا کرنے کی تاکید کا سبب ظاہر ہو گیا
واللہ اعلم،

اور چونکہ تمام لوگوں کو ایک ہی وقت میں نماز
پڑھنے کا حکم کرنے میں کہ نہ اس وقت سے پہلے
پڑھیں اور نہ اس کے بعد پڑھیں حرج عظیم تھا
اس واسطے اوقات کے اندر کسی قدر توسیع کر دی
گئی، اور جبکہ وہی قرائن جو عرب کے نزدیک ظاہر
تھے اور کسی ادنیٰ و اعلیٰ پر مخفی نہیں تھے تشریع
کی صلاحیت رکھتے تھے تو اوقات کے اوائل
اور ان کے اواخر کے لئے منضبط اور محسوس حدیں
مقرر کی گئیں اور ان اسباب کے مجتمع ہونے کی
وجہ سے نمازوں کے لئے چار قسم کے اوقات
حاصل ہوئے ان میں سے ایک وقت اختیار
کا ہے اور یہ وہ وقت جس میں نماز بلا کراہت
کے ادا ہو جاتی ہے اور اس میں زیادہ معتبر دو
حدیثیں ہیں، ایک تو حدیث جبرئیل ہے کہ انہوں
نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو دو روز تک نماز
پڑھائی، اور دوسری حدیث بریدہ ہے جس میں یہ
ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو جو
نماز کے اوقات دریافت کرتا تھا جواب دیا کہ وہ
دو روز تک ساتھ نماز پڑھے، اور ان دونوں حدیثوں
میں سے مفسر کا حکم مبہم پر ناطق ہے اور جس امر میں اختلاف ہوگا
اس میں بریدہ کی حدیث پر عمل کیا جائیگا کیونکہ وہ مدنی ہے

متأخر ہے، اور پہلی حدیث مکی ہے، متقدم ہے اور
اتباع متاخر ہی کا ہوا کرتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے
کہ مغرب کا آخر وقت شفق غائب ہونے سے پیشتر تک
ہے، اور کچھ بعید نہیں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے
دوسرے دن مغرب کی نماز تھوڑی ہی سی دیر کرکے
پڑھی ہو کیونکہ اس کا وقت کم ہوتا ہے پس راوی نے
خطاء اجتہادی کی وجہ سے یا غایت قلت کو بیان
کرنے کی غرض سے یہ کہہ دیا ہو کہ دونوں روز مغرب
کی نماز ایک ہی وقت میں پڑھی۔ واللہ اعلم ۔

اور بہت سی احادیث اس بات پر دلالت کرتی
ہیں کہ نماز عصر کا اخیر وقت تغیر آفتاب تک ہے اور
اسی پر فقہاء کا اتفاق ہے، پھر شاید مثلین اخیر وقت
مختار یا وقت مستحب کا بیان ہو، یا ہم یہ کہتے ہیں
کہ شاید شرع نے اولاً اس بات کی طرف نظر کی کہ
وقت عصر کے دو حصے کرنے سے مقصود یہ ہے
کہ ہر دو نمازوں میں بقدر چوتھائی دن کے فصل
ہو اس واسطے اس کا انتہائی اخیر وقت
یہ مقرر فرمایا ہو کہ ہر شئی کا سایہ مثلین تک پہنچ
جائے، پھر لوگوں کے حوائج اور اشغال سے ظاہر
ہوا کہ انتہاء وقت کو بڑھانا ضروری ہے، اور
نیز اس حد کے معلوم کرنے میں ایک قسم کا غور
کرنے اور سایۂ اصلی کو یاد رکھنے اور آلات رصد
کی ضرورت ہے،

اور مناسب یہ ہے کہ ایسے امور میں ان
چیزوں سے لوگوں کو خطاب کیا جائے جو
محسوس اور ظاہر ہوں اس واسطے اللہ تعالے
نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے دل میں اس بات کا
القاء فرمایا کہ انتہائے وقت عصر سورج کے جسم یا
اس کی روشنی کے تغیر کو گردانا جائے۔ واللہ اعلم،

متاخر والاول مكي متقدم وانما
يتبع الاخر فالاخر وذلك ان اخر
وقت المغرب هو ما قبل ان
يغيب الشفق ولا يبعد ان يكون
جبريل اخر المغرب في اليوم
الثاني قليلا لاجل القصر وقته
فقال الراوي صلى المغرب في يومين
في وقت واحد اما لخطأ في اجتهاده
او بيانا لغاية القلة والله اعلم،
وكثير من الاحاديث يدل على
ان اخر وقت العصر ان تتغير
الشمس وهو الذي اطبق عليه
الفقهاء فلعل المثلين بيان لاخر
الوقت المختار، والذي يستحب فيه
اونقول لعل الشرع نظر اولا
الى ان المقصود من اشتقاق العصر
ان يكون الفصل بين كل صلاتين
نحوا من ربع النهار فجعل الامد
الآخر بلوغ الظل الى المثلين، ثم
ظهر من حوائجهم واشغالهم ما
يوجب الحكم بزيادة الامد، و
ايضا معرفة ذلك الحد تحتاج
الى ضرب من التامل وحفظ
للفيئ الاصلي ورصد، وانما ينبغي
ان يخاطب الناس في مثل ذلك
بما هو محسوس ظاهر فنفث الله
في روعه صلى الله عليه وسلم ان
يجعل الامد تغير قرص الشمس
او ضوئها، والله اعلم، ووقت

اور ان چار وقتوں میں سے ایک وقت استحباب
کا ہے جس میں نماز کا پڑھنا اولیٰ ہوتا ہے اور وہ وقت
سب نمازوں کے لئے اول وقت ہے بجز عشار کی
نماز کے کہ اس کا اصل مستحب وقت اس کو دیر سے
پڑھنا ہے اس وضع طبعی کی وجہ سے جس کو ہم بیان
کر چکے ہیں اور وہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ
قول ہے " اگر میں اپنی امت پر دشوار نہ سمجھتا تو میں
ان کو عشار کی نماز کو دیر کر کے پڑھنے کا حکم دیدیتا"۔
اس کے علاوہ عشار کی نماز کو دیر سے پڑھنا خدا کی یاد
سے غافل کرنے والے اشغال سے باطن کو خوب
صاف کرتا ہے اور عشار کے بعد قصے کہانیوں میں پڑنے
کو ختم کرتا ہے، لیکن تاخیر کبھی جماعت میں کمی کا اور
نماز سے لوگوں کی بے رغبتی کا سبب بن جاتی ہے اور
ایسی تاخیر میں قلب موضوع ہے، پس اس وجہ سے
نبی صلے اللہ علیہ وسلم ایسا کرتے کہ جب لوگ کثرت سے
آجاتے تو جلدی کر کے نماز پڑھاتے اور جب کم ہوتے تو
دیر کر کے نماز پڑھاتے، اور موسم گرما میں ظہر کی نماز میں
تاخیر مستحب ہے اس کی نسبت نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا " جب گرمی کی شدت ہو تو ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھا
کرو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کی بھاپ ہے"۔

میں کہتا ہوں اسکے معنی یہ ہیں کہ اس عالم میں جو کچھ
کیفیاتِ مناسبہ اور منافرہ کا فیضان ہوتا ہے ان کا خزانہ
جنت اور دوزخ ہیں، اور کاسنی وغیرہ کے متعلق جو حدیث
آئی ہے اس کی بھی یہی تاویل ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا " فجر کی نماز اُجالے میں پڑھو کیونکہ اس سے اجر زیادہ
ہوتا ہے"۔

میں کہتا ہوں یہ ان لوگوں سے خطاب ہے جنکو جماعت کے
بہت کم ہونیکا خوف تھا کہ وہ روشنی ہونے تک انتظار کریں،
یا بڑی بڑی مساجد والوں سے خطاب ہے جنمیں ضعیف لوگ

الاستحباب الذى يستحب ان
يصلى فيه وهو اوائل الاوقات
الا العشاء فالمستحب الاصلى تاخيرها
لما ذكرنا من الوضع الطبيعى، وهو
قوله صلى الله عليه وسلم لو لا
ان اشق على امتى لامرتهم ان
يؤخروا العشاء، ولانه انفع
فى تصفية الباطن من الاشغال
المنسية ذكر الله واقطع لمادة
السمر بعد العشاء لكن التاخير
ربما يفضى الى تقليل الجماعة و
تنفير القوم، وفيه قلب الموضوع
فلهذا كان النبى صلى الله عليه و
سلم اذا أكثر الناس عجل واذا
قلوا اخر، والا الظهر الصيف، و
هو قوله صلى الله عليه وسلم
اذا اشتد الحر فابردوا بالظهر
فان شدة الحر من فيح جهنم

اقول معناه معدن الجنة و
النار هو معدن ما يفاض فى هذا
العالم من الكيفيات المناسبة و
المنافرة وهو تاويل ما ورد فى
الاخبار فى الهندبا وغيره، قوله صلى
الله عليه وسلم اسفروا بالفجر
فانه اعظم للاجر۔

اقول هذا خطاب لقوم خشوا
تقليل الجماعة جدا ان ينتظروا
الى الاسفار او لاهل المساجد
الكبيرة التى تجمع الضعفاء فا

اور لڑکے وغیرہ اکٹھے ہوتے ہیں جیسا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے "تم میں سے جو شخص لوگوں کو نماز پڑھائے تو وہ تخفیف کرے کیونکہ جماعت میں ضعیف بھی ہوتے ہیں" الحدیث، یا اس حدیث کے یہ معنی ہیں کہ صبح کی نماز کو اتنا طویل کرو کہ اسفار کے وقت ختم ہوا کرے اور ابو برزہ کی حدیث اس پر دلیل ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں اس وقت فارغ ہوتے تھے کہ آدمی اپنے پاس کے آدمی کو پہچان لیتا تھا، اور ساٹھ آیت سے سو آیت تک پڑھتے تھے پس اب اسفار کی حدیث میں اور غلس[1] کی حدیث میں کوئی منافات نہیں رہی، اور ان چار وقتوں میں سے ایک وقت ضرورت کا ہے اور یہ وہ وقت ہے کہ بغیر عذر کے اس وقت تک نماز کو مؤخر کرنا ممنوع ہے اسکے بارے میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے طلوعِ آفتاب سے پہلے صبح کی ایک رکعت پالی تو اس نے صبح کی نماز کو پالیا اور جس نے غروبِ آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالی تو اس نے عصر کی نماز کو پالیا" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ایسے تنگ وقت میں نماز پڑھنا منافق کی نماز ہے جو بیٹھا دیکھا کرتا ہے یہاں تک کہ جب آفتاب زرد ہو جاتا ہے" الحدیث، اور عبداللہ بن عباس کی حدیث بھی اسی قبیل سے ہے جس سے ظہر و عصر کا جمع کرنا اور مغرب و عشاء کا جمع کرنا ثابت ہے، اور وہ عذر جسکی وجہ سے تاخیر جائز ہے سفر، مرض اور بارش وغیرہ ہیں، اور عشاء کی نماز میں طلوعِ فجر تک تاخیر کرنا جائز ہے، واللہ اعلم،

اور ان چار وقتوں میں سے ایک وقت قضاء کا ہے جب اسکو نماز یاد آجائے، اور اس کے متعلق نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص کسی وقت کی نماز کو بھول جائے یا سو جائے تو جب اسکو وہ نماز یاد آئے پڑھ لے" میں کہتا ہوں ساری بات اسمیں یہ ہے کہ نفس نماز کو ترک کرنیکا عادی نہ ہو جائے، اور جو نماز کا فائدہ اس سے فوت ہو گیا ہے وہ اسکو مل جائے، اور علماء نے دانستہ نماز فوت کرنے کو بھی خود فوت

الصبيان وغيرهم كقوله صلى الله عليه وآله وسلم ايكم صلى بالناس فليخفف فان فيهم الضعيف الحديث او معناه طولوا الصلوة حتى يقع اخرها في وقت الاسفار لحديث ابي برزة كان ينفتل في صلاة الغداة حين يعرف الرجل جليسه ويقرأ بالستين الى المائة فلا منافاة بينه وبين حديث الغلس ووقت الضرورة وهو ما لا يجوز التاخير اليه الا بعذر، وهو قوله صلى الله عليه وسلم من ادرك ركعة من الصبح قبل ان تطلع الشمس فقد ادرك الصبح ومن ادرك ركعة من العصر قبل ان تغرب الشمس فقد ادرك العصر، وقوله صلى الله عليه وسلم تلك الصلاة المنافق يرقب الشمس حتى اذا اصفرت الحديث وهو حديث ابن عباس في الجمع بين الظهر والعصر وبين المغرب والعشاء، والعذر مثل السفر والمرض والمطر وفي العشاء الى طلوع الفجر والله اعلم، ووقت القضاء اذا ذكر، وهو قوله صلى الله عليه وسلم من نسي صلاة او نام عنها فليصلها اذا ذكرها ؛

اقول والجملة في ذلك ان لا تسترسل النفس بتركها وان يدرك ما فاته من فائدة تلك الصلاة، والحق القوم التفويت بالفوت

یہ دیکھ کر کہ اس میں کفارہ ادا کرنا اور بھی زیادہ ضروری ہے" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ابوذر کو وصیت فرمائی تھی جب ان پر ایسے سردار مقرر ہوں جو نماز کو بے جان کر کے پڑھتے ہوں" تو نماز کے وقت پر نماز پڑھا کرنا پھر اگر ان کے ساتھ بھی نماز کو پالے تو ان کے ساتھ پڑھ لینا پس وہ تیرے لئے نفل ہو جائے گی"

میں کہتا ہوں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز میں دو باتوں کا لحاظ کیا، ایک تو اس کا کہ نماز بندہ اور خدا تعالے کے درمیان وسیلہ ہے، اور دوسرے اس کا کہ نماز اسلام کے شعائر میں سے ہے جس کا تارک قابلِ ملامت ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میری امت ہمیشہ بخیر رہے گی جبتک کہ وہ مغرب کی نماز کو ستاروں کے گنجان ہونے تک دیر کر کے نہ پڑھیں گے"

میں کہتا ہوں اسمیں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حدود شرعیہ کے اندر سستی کرنا دین کے اندر تحریف اور بگاڑ کا سبب ہوتا ہے، خدا تعالے کا فرمان ہے "سب نمازوں کی محافظت کرو خاصکر درمیانی نماز کی" درمیانی نماز سے عصر کی نماز مراد ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے دو ٹھنڈک کے وقت کی نمازیں پڑھیں وہ جنت میں داخل ہوا" نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے عصر کی نماز ترک کر دی اس کا عمل ضائع ہو گیا" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس شخص کی عصر کی نماز جاتی رہی تو گویا اس کی اولاد اور مال غارت ہو گیا" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "منافقین پر فجر اور عشاء سے زیادہ کوئی نماز گراں نہیں ہوتی اور جو کچھ ان نمازوں کے اندر ہے اگر انکو معلوم ہوتا تو ان نمازوں کیلئے آتے خواہ انکو گھسٹنا ہی پڑتا"

میں کہتا ہوں ترغیب اور ترہیب کے لحاظ سے انہی تین نمازوں کا زیادہ تر اہتمام اس لئے کیا گیا ہے کہ ان نمازوں میں سستی اور غفلت کا مظنہ ہے

نظرا الى انه احق بالكفارة، ووصى صلى الله عليه وسلم ابا ذر اذا كان عليه امراء يميتون الصلاة صل الصلاة لوقتها، فان ادركتها معهم فصلها فانها لك نافلة.

اقول راعى في الصلاة اعتبارين اعتبار كونها وسيلة بينه وبين الله وكونها من شعائر الله يلام على تركها، قوله صلى الله عليه وسلم لاتزال امتي بخير ما لم يؤخروا المغرب الى ان تشتبك النجوم.

اقول هذا اشارة الى ان التهاون في الحدود الشرعية سبب تحريف الملة، قال الله تعالى حافظوا على الصلوات والصلاة الوسطى، والمراد بها العصر، قوله صلى الله عليه وسلم من صلى البردين دخل الجنة، قوله صلى الله عليه وسلم من ترك صلاة العصر حبط عمله، وقوله صلى الله عليه وسلم الذي تفوته صلاة العصر فكانما وتر اهله وماله، قوله صلى الله عليه وسلم ليس صلاة اثقل على المنافقين من الفجر والعشاء، ولو يعلمون ما فيهما لاتوهما ولو حبوا.

اقول انما خص هذه الصلوات الثلاث بزيادة الاهتمام ترغيبا وترهيبا لانها مظنة التهاون و

کیونکہ فجر اور عشاء کا وقت لوگوں کے سونے کا وقت ہوتا ہے خدا تعالےٰ کا یقین اور اس کا خوف رکھنے والا ہی اپنی آرام کی نیند اور غنودگی کے وقت اپنے بستر اور گدے سے اللہ تعالےٰ کے واسطے اٹھ سکتا ہے، اور عصر کا وقت پس وہ بازاروں کے قیام کا اور خرید و فروخت میں لوگوں کی مشغولیت کا وقت ہوتا ہے اور وہ وقت کسان لوگوں کے لئے نہایت ہی تھک جانیکا وقت ہوتا ہے،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "گنوار لوگ تمہاری مغرب کی نماز کا نام بدلنے میں تم پر غالب نہ آجائیں" اور ایک دوسری حدیث میں آیا ہے "عشاء کی نماز کا نام بدلنے میں تم پر غالب نہ آجائیں،

میں کہتا ہوں کسی شئی کا نام جو کتاب وسنت میں آیا ہے بدلکر کوئی اور نام رکھنا جو پہلے نام کے متروک ہونے کا سبب بنتا ہو مکروہ ہے کیونکہ ایسا کرنا لوگوں پر ان کے دین کو خلط ملط کرتا ہے اور کتاب آسمانی کو ان پر دشوار کردیتا ہے،

اذان کا بیان

جب صحابہ کو یہ بات معلوم ہوئی کہ جماعت ایک مقصود اور مؤکد چیز ہے اور ایک وقت اور ایک جگہ میں بغیر اعلام اور آگاہ کرنے کے اجتماع نہیں ہو سکتا تو انہوں نے اس شئی کے بارے میں باہم گفتگو کی جس سے اعلام حاصل ہو جائے، پس کسی نے آگ روشن کرنے کا ذکر کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوس کے ساتھ مشابہت ہونے کی وجہ سے نامنظور فرمایا اور کسی نے نرسنگہ بجانے کو کہا تو آپ نے مشابہت یہود کیوجہ سے اسکو رد کردیا، اور کسی نے ناقوس کیلئے کہا تو اس کو بھی نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے مشابہت نصاریٰ کیوجہ سے منظور نہیں کیا

التكاسل لان الفجر والعشاء وقت النوم لا ينتهض لله من بين فراشه ووطائه عند لذيذ نومه ووسنه الا مؤمن تقي، واما وقت العصر فكان وقت قيام اسواقهم واشتغالهم بالبيوع واهل الزراعة اتعب حالهم هذا ه

قوله صلى الله عليه وآله وسلم لا يغلبنكم الاعراب على اسم صلاتكم المغرب وفي حديث آخر على اسم صلاة العشاء

اقول يكره تسمية ما ورد في الكتاب والسنة مسمى شئ اسما آخر بحيث يكون ذريعة لهجر الاسم الاول لان ذلك يلبس على الناس دينهم ويعجم عليهم كتابهم

الأذان

لما علمت الصحابة ان الجماعة مطلوبة مؤكدة، ولا يتيسر الاجتماع في زمان واحد ومكان واحد بدون اعلام و تنبيه تكلموا فيما يحصل به الاعلام فذكروا النار فردها رسول الله صلى الله عليه وسلم لمشابهة المجوس، وذكروا القرن فرده لمشابهة اليهود، وذكروا الناقوس فرده لمشابهة النصارى، فرجعوا

پس بغیر کسی بات کو معین کئے سب لوگ اپنے گھروں کو واپس ہوگئے، اس اثنار میں عبداللہ بن زید نے اذان اور اقامت کو خواب میں دیکھا اور اس خواب کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا آپ نے سُن کر فرمایا خواب سچا ہے، اور یہ قصہ ان امور پر واضح دلیل ہے کہ احکام شرعیہ مصلحتوں کی بنا پر مقرر کئے جاتے ہیں اور اجتہاد کو بھی احکام میں دخل ہے، اور آسانی ایک اصلِ اصیل ہے اور دینی امور میں ان لوگوں کی مخالفت کرنا جو گمراہی میں بہت زیادہ بڑھ گئے ہیں شارع کو مطلوب ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی اور بھی خواب کے ذریعہ یا القار فی القلب کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی مراد پر کبھی مطلع ہو جاتا ہے لیکن لوگ اس کے مکلف نہیں ہو سکتے اور نہ اس ہیں سے شبہہ دور ہو سکتا ہے یہاں تک کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو برقرار رکھا ہو، اور حکمتِ الٰہی کا مقتضیٰ یہ ہوا کہ اذان میں صرف اعلام اور تنبیہ ہی نہ ہو بلکہ اس کے ساتھ اس کا شعائرِ دین میں سے ہونا بھی شمار کیا جائے اس طور پر کہ بے خبر لوگوں کے سروں پر اس کے الفاظ کا پکارنا اور تنبیہ کرنا تعظیمِ دین ہو اور لوگوں کا اس کو قبول کر لینا ان کے دینِ الٰہی کے تابع ہونے کی نشانی ہو، اس واسطے یہ بات ضروری ہوئی کہ اذان ذکر الٰہی سے اور شہادتین سے اور نماز کی طرف بلانے سے مرکب ہو، تاکہ جو چیز اس سے مقصود ہے اس کی وہ تصریح کرنے والی ہو،

اور اذان کے کئی طریقے مروی ہیں، ان میں سے سب سے صحیح طریقہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا طریقہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت میں اذان، ہر کلمہ کو دو دو مرتبہ کہنے سے اور اقامت ایک ایک مرتبہ

من غير تعيين، فاري عبد الله بن زيد الاذان والاقامة في منامه، فذكر ذلك للنبي صلى الله عليه وسلم فقال رؤيا حق وهذه القصة دليل واضح على ان الاحكام انما شرعت لاجل المصالح وان للاجتهاد فيها مدخلا وان التيسير اصل اصيل وان مخالفة اقوام تمادوا في ضلالتهم فيما يكون من شعائر الدين مطلوب وان غير النبي صلى الله عليه وآله وسلم قد يطلع بالمنام او النفث في الروع على مراد الحق، لكن لا يكلف الناس به ولا تنقطع الشبهة حتى يقرره النبي صلى الله عليه وسلم، واقتضت الحكمة الالهية ان لا يكون الاذان صرف اعلام وتنبيه، بل يضم مع ذلك ان يكون من شعائر الدين بحيث يكون النداء به على رءوس الخامل والنبيه تنويها بالدين، ويكون قبوله من القوم آية انقيادهم لدين الله فوجب ان يكون مركبا من ذكر الله ومن الشهادتين والدعوة الى الصلاة ليكون مصرحا بما اريد به،

وللاذان طرق اصحها طريقة بلال رضي الله عنه، فكان الاذان على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم مرتين مرتين والاقامة

کہنے سے ہوتی تھی مگر قد قامت الصلوٰۃ کو دوبارہ کہتے
تھے، اس کے بعد ابو محذورہ کا طریقہ ہے کہ ان کو نبی
صلے اللہ علیہ وسلم نے اذان میں انیس کلمات اور
اقامت میں سترہ کلمات سکھلائے، اور میرے
اذان کے کلمات ایسے ہیں جیسے قرآن کی قرأتیں
کہ سب شافی، کافی ہیں،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "پس
اگر صبح کی نماز ہے تو تجھے کہنا چاہئے الصلاۃ خیر
من النوم الصلوٰۃ خیر من النوم،

میں کہتا ہوں صبح کا وقت چونکہ سونے اور
غفلت کا وقت ہوتا ہے اور اس میں نہایت
قوی تنبیہ کی حاجت ہے اس واسطے ان کلموں کا
زیادہ کرنا مستحب ہوا،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص
اذان کہے وہی اقامت بھی کہے"،

میں کہتا ہوں اس میں وجہ یہ ہے کہ جب ایک
شخص نے اذان کی ابتدا کی تو اس کے مسلمان بھائیوں
پر ضروری ہوا کہ اس نے مباح منافع سے جو حاصل کرنا
چاہا ہے اس میں اس سے مزاحمت نہ کریں، جسطرح نبی علیہ
الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے "کوئی شخص اپنے بھائی کی
منگنی پر منگنی کا پیغام نہ بھیجے" اور فضائل اذان میں سے
یہ امور ہیں کہ وہ شعائر اسلام میں سے ہے اور اسکی وجہ سے
ملک دار الاسلام ہو جاتا ہے اسی وجہ سے نبی صلے اللہ علیہ
وسلم اگر کسی جگہ سے اذان کی آواز سُن لیتے تھے تو حملہ کرنے
سے رک جاتے تھے ورنہ اس کو غارت کر دیا کرتے تھے،
اور وہ نبوت کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے کیونکہ اس
سے اسلام کے بڑے عظیم الشان رکن پر اور اس عبادت پر
جو سب عبادتوں کی اصل ہے ترغیب ہوتی ہے، اور خدا تعالیٰ
کی رضامندی اور شیطان کی ناراضی جسقدر اس نیکی میں ہوتی ہے

مرة مرة غير انه كان يقول قد
قامت الصلاة قد قامت الصلاة،
ثم طريقة ابى محذورة علمه النبي
الله عليه وسلم الاذان تسع عشرة
كلمة والاقامة سبع عشرة كلمة
وعندى انها كاحرف القرآن، كلها
شاف كاف، قوله صلى الله عليه و
آله وسلم فان كان صلاة الصبح
قلت الصلاة خير من النوم الصلاة
خير من النوم،

اقول لما كان الوقت وقت
النوم والغفلة وكانت الحاجة الى
التنبيه القوى شديدة استحب
زيادة هذه اللفظة، قوله صلى الله
عليه وسلم من اذن فهو يقيم،

اقول سره انه لما شرع
فى الاذان وجب على اخوانه ان لا
يزاحموه فيما اراد من المنافع
المباحة بمنزلة قوله عليه
الصلاة والسلام لا يخطب الرجل
على خطبة اخيه، وفضائل الاذان
ترجع الى انه من شعائر الاسلام
وبه تصير الدار دار الاسلام، و
لهذا كان النبي صلى الله عليه وسلم
ان سمع الاذان امسك، والا اغار،
وانه شعبة من شعب النبوة لانه
حث على اعظم الاركان وام القربات
ولا يرضى الله ولا يغضب الشيطان
مثل ما يكون فى الخير المتعدى و

ہے جو دوسروں کی طرف متعدی ہو اور کلمۂ حق کے بلند ہونے
میں ہوتی ہے کسی اور چیز میں نہیں ہوتی، اسی کی نسبت
نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے" ایک فقیہ ہزار عابد سے
زیادہ شیطان پر سخت ہے"، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا" جب نماز کے لئے اذان ہوتی ہے تو شیطان پشت
پھیر کر بھاگتا ہے اور اس کا گوز نکل جاتا ہے"۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" موذن سب لوگوں سے
زیادہ بلند گردن والے ہوں گے"، اور آپ نے فرمایا" جہاں تک
موذن کی آواز جاتی ہے اس کی مغفرت کی جاتی ہے
اور جن وانس اس کی گواہی دیں گے"۔

میں کہتا ہوں جزا اور سزا کا معاملہ معانی کی
صورتوں کے ساتھ مناسبت اور ارواح کے اشباح
کے ساتھ تعلق پر مبنی ہے اس واسطے ضروری ہوا کہ
موذن کی عظمت وشان اس کی گردن اور آواز کے
اعتبار سے ظاہر ہو اور اللہ تعالے کی رحمت اس پر اسقدر
پھیلے جسقدر اسکا خدا تعالیٰ کیطرف بلانا لوگوں میں پھیلتا ہے۔

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جس شخص نے
طلب ثواب کی غرض سے سات سال تک اذان
دی تو اس کے لئے آگ سے رہائی لکھ دی گئی"۔ اور یہ اس
واسطے کہ اس نے اپنی صحتِ تصدیق کو ظاہر کیا، خدا تعالیٰ
کے لئے سات سال تک اذان دینے کی وہی شخص پابندی
کر سکتا ہے جس نے اپنے آپکو خدا تعالےٰ کے سپرد کر دیا ہو اور
اس واسطے کہ اس نے اپنے نفس کو اس قابل بنا لیا کہ
رحمتِ الٰہی اس پر پورے طور سے چھا جائے، خدا تعالیٰ
نے اس چرواہے کے حق میں جو پہاڑ کے ٹیلہ پر بکریاں چرایا تھا
فرمایا" میری اس بندی کیطرف دیکھو! اذان کہتا ہے اور نماز
پڑھتا ہے، وہ مجھ سے ڈرتا ہے میں نے اسکو بخش دیا اور اسکو جنت
میں داخل کیا"۔ خدا کا یہ فرمانا" وہ مجھ سے ڈرتا ہے" اس بات کی دلیل
ہے کہ اعمال کا اعتبار ان کے دواعی پر ہوتا ہے جو ان اعمال پر ابھارتے

اعلاء كلمة الحق، وهو قوله صلى
الله عليه وآله وسلم فقيه واحد
اشد على الشيطان من الف عابد،
وقوله صلى الله عليه وسلم اذا نودي
للصلاة ادبر الشيطان له ضراط۔

قوله صلى الله عليه وآله وسلم
المؤذنون اطول الناس اعناقا، و
قوله صلى الله عليه وآله وسلم
المؤذن يغفر له مدى صوته و
يشهد له الجن والانس۔

اقول امر المجازاة مبني على
مناسبة المعاني بالصور وعلاقة
الارواح بالاشباح، فوجب ان يظهر
نباهة شان المؤذن من جهة عنقه
وصورته وتتسع رحمة الله عليه
اتساع دعوته الى الحق۔

قوله صلى الله عليه وآله و
سلم من اذن سبع سنين محتسبا
كتبت له براءة من النار، وذلك
لانه مبين صحة تصديقه لا تتصور
المواظبة عليه لله الا ممن اسلم
وجهه لله ولانه امكن من نفسه
غاشية عظيمة من الرحمة الالهية
قوله الله في راعي غنم في راس شظية
انظروا الى عبدي هذا يؤذن ويقيم
الصلاة يخاف مني، قد غفرت له و
ادخلته الجنة، قوله يخاف مني"
دليل على ان الاعمال تعتبر بدواعيها
المنبعثة هي منها، وان الاعمال اشباح

اور دواعی ان اعمال کی ارواح ہیں پس خدا تعالیٰ سے
اس کا خوف کرنا اور اس کا اخلاص اس کی مغفرت کا سبب
ہو گیا، اور چونکہ اذان جو شعائر دین میں سے ہے اس لئے
مقرر کی گئی کہ اس کے ذریعہ لوگوں کا ہدایتِ الٰہیہ کا
قبول کر لینا پہچان لیا جائے اس واسطے اذان کے
جواب دینے کا لوگوں کو حکم دیا گیا تاکہ جواب دینے کی
اس کی تصریح ہو جائے جس کا حصول لوگوں کی جانب
سے مقصود ہے پس سننے والا ذکر اور شہادتین کا جواب
انہی الفاظ کے ساتھ دے اور دعوت کا جواب ان الفاظ
کے ساتھ دے جن میں گناہ سے باز رہنے کی اور نیکی کے
کرنے کی طاقت کی طلب خاص خدا سے ہو تاکہ اس
عبادت کے کرتے وقت فخر پیدا نہ ہو جو شخص دلی خلوص
سے ایسا کرے گا جنت میں داخل ہوگا کیونکہ ایسا کرنا قلبی
فرمانبرداری کی صورت ہے اور اپنی جان کو خدا تعالیٰ کے سپرد
کر دینا ہے، پھر اسکے بعد نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے واسطے دعا[1]
کرنے کا حکم دیا گیا تاکہ وہ آپکے دین کو قبول کرنے کی اور آپ کی
محبت اختیار کرنے کی حقیقت کو کامل کر دے، نبی صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا "اذان اور اقامت کے درمیان میں دعا نہیں رد کی جاتی"
میں کہتا ہوں اسوقت میں دعا کا رد نہ ہونا رحمت الٰہیہ کے
شمول اور دعا کرنے والے کیطرف سے تابعداری پائے جانے
کا سبب ہوتا ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بلال رات میں
اذان دیا کرتا ہے پس جبتک ابن ام مکتوم اذان نہ دے تم کھاؤ پیو"
میں کہتا ہوں امام کیلئے مستحب ہے کہ جب اسکو ضرورت
معلوم ہو تو دو مؤذن مقرر کر دے جن کی آواز لوگ پہچانتے
ہوں اور لوگوں کو یہ بتلا دے کہ ان میں سے فلاں مؤذن
رات میں اذان دیتا ہے پس جب تک دوسرا مؤذن اذان
نہ دے تم کھایا پیا کرو تاکہ جو شخص بیدار ہو چکا ہے
اور سحری کھا رہا ہے وہ پہلی اذان سے رک جائے
اور سونے والا نماز کے لئے اٹھ بیٹھے اور سحری کھائے ہو

وتلك الدواعي ارواح لها، فكان خوف
من الله واخلاصه له سبب مغفرته
ولما كان الاذان من شعائر الدين
جعل ليعرف به قبول القوم للهداية
الالهية امر بالاجابة لتكون مصرحة
بما اريد منهم فيجيب الذكر و
الشهادتين بهما ويجيب الدعوة
بما فيه توحيد في الحول والقوة
دفعا لما عسى ان يتوهم عند اقدامه
على الطاعة من العجب من فعل
ذلك خالصا من قلبه دخل الجنة،
لانه شبح الانقياد واسلام الوجه
لله وامر بالدعاء للنبي صلى الله عليه
وسلم تكميلا لمعنى قبول دينه
واختيار حبه، قوله صلى الله عليه
وآله وسلم لا يرد الدعاء بين
الاذان والاقامة ،

اقول ذلك لشمول الرحمة
الالهية ووجود الانقياد من الداعي
قوله صلى الله عليه وسلم ان بلالا
ينادي بليل فكلوا واشربوا حتى
ينادي ابن ام مكتوم ،

اقول يستحب للامام اذا راى
الحاجة ان يتخذ مؤذنين يعرفون
اصواتهما، ويبين للناس ان
فلانا ينادي بليل فكلوا واشربوا
حتى ينادي فلان ليكون الاول منهما
للقائم والمتسحر ان يرجعا، وللنائم
ان يقوم الى صلاته ويتدارك ما

[1] یعنی اللھم رب ھذہ الدعوۃ اخیر تک پڑھے ۱۲،

تو جلدی سے سحری کھالے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا "جب نماز کی اقامت ہو تو نماز کے لئے دوڑتے
ہوئے نہ آؤ بلکہ چلتے ہوئے آؤ"

میں کہتا ہوں اس میں اس بات کی طرف اشارہ
ہے کہ عبادات میں تکلف نہیں کرنا چاہیئے،

مساجد کا بیان

مسجد بنانے کی اور اس کے التزام کی فضیلت اور
مسجد میں نماز کے انتظار کی فضیلت کے اسباب یہ ہیں کہ
مسجد شعائر اسلام میں سے ہے، چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا "جب تم کسی مسجد کو دیکھو یا کسی مؤذن
کو اذان کہتے سنو تو پھر کسی کو قتل نہ کرو"

اور وہ نماز کی جگہ ہے، عابدوں کے اعتکاف کی
جگہ ہے اور رحمت نازل ہونے کی جگہ ہے اور کسی قدر
کعبہ کے مشابہ ہے، چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا "جو شخص اپنے گھر سے پاک ہو کر فرض نماز کے
لئے نکلا تو اس کا اجر ایسا ہے جیسے حج کرنے والے کا جو
حالتِ احرام میں ہو، اور جو شخص چاشت کی نماز کے لئے
گھر سے نکلا اور اس کا مقصود نماز پڑھنا ہی ہو تو اس کا
اجر عمرہ کرنے والے کے اجر کے برابر ہے" اور آپ نے
فرمایا "جب تمہارا جنت کے باغوں میں گذر ہوا کرے
تو اس میں چرا کرو، کسی نے پوچھا جنت کے باغ کیا ہیں؟
آپ نے فرمایا "مساجد" اور تمام کاروبار اور اہل و عیال سے
یکسو ہو کر اوقات نماز میں محض نماز کی خاطر مسجد کی طرف
متوجہ ہونا اس شخص کے اخلاصِ دین اور دل سے اپنے
رب کی اطاعت کی دلیل ہے چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا "جب ایک شخص نے وضو کیا اور
اچھے طور پر کیا پھر مسجد کی طرف خاص نماز ہی کے
لئے چلا تو اس کی وجہ سے ہر ہر قدم پر اس کا

فاته من سحوره، قوله صلى الله عليه
اذا اقيمت الصلاة فلا تاتوها تسعون
واتوها تمشون.

اقول هذا اشارة الى سد
التعمق في التنسك.

المساجد

فضل بناء المسجد وملازمته
وانتظار الصلاة فيه ترجع الى انه
من شعائر الاسلام، وهو قوله
صلى الله عليه وسلم اذا رأيتم
مسجدا او سمعتم مؤذنا فلا تقتلوا
احدا، وانه محل الصلاة معتكف
العابدين ومطرح الرحمة ويشبه
الكعبة من وجه، وهو قوله صلى الله
عليه وسلم من خرج من بيته متطهرا
الى صلاة مكتوبة فاجره كاجر الحاج
المحرم ومن خرج الى التسبيح الضحى لا
ينصبه الا اياه فاجره كاجر المعتمر، و
قوله صلى الله عليه وسلم اذا مررتم
برياض الجنة فارتعوا قيل وما
رياض الجنة؟ قال المساجد، وان
التوجه اليه في اوقات الصلاة من
بين شغله واهله لا يقصد الا
الصلاة معرف لاخلاصه في دينه و
انقيادة لربه من جذر قلبه، وهو
قوله صلى الله عليه وسلم اذا توضأ
فاحسن الوضوء ثم خرج الى المسجد
لا يخرجه الا الصلاة لم يخط خطوة

ایک درجہ بلند اور ایک گناہ کم ہوتا چلا جاتا ہے پھر جب وہ نماز پڑھنے لگتا ہے تو جب تک وہ اپنی نماز میں رہتا ہے اس کے لئے ملائکہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے خدا اس پر فضل کر، اے خدا اس پر رحم کر، اور تم میں سے جب تک کوئی نماز کا انتظار کرتا ہے نماز ہی میں رہتا ہے" اور مسجد کا بنانا اعلاء کلمۃ اللہ کی اعانت کرنا ہے،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جو شخص صبح کو یا شام کو مسجد میں جاتا ہے اللہ تعالےٰ جنت میں اس کی مہمانی کا سامان کرتا ہے خواہ وہ صبح کو جائے یا شام کو"

میں کہتا ہوں اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہر صبح وشام کو جانا بہیمیت کو ملکیت کے تابع کرنا ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جس شخص نے خدا کے لئے مسجد بنائی خدا اس کے لئے جنت میں ایک گھر بنائے گا"

میں کہتا ہوں اس میں راز یہ ہے کہ جزا بصورت عمل ہوتی ہے اور وضو جاتے رہنے سے انتظار کا ثواب اس لئے منقطع ہو جاتا ہے کہ اس وقت میں اس کی نماز کے لئے تیاری باقی نہیں رہتی، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی مسجد کو اور مسجد حرام کو زیادہ ثواب ہونے کی فضیلت چند وجوہ سے ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ ان مواضع میں خاص خاص فرشتے مقرر ہیں جو وہاں کے باشندوں کو گھیرے رکھتے ہیں اور جو وہاں آتا ہے اس کے لئے دعا کرتے ہیں،

اور ان وجوہ میں سے ایک یہ ہے کہ ان مواضع کا آباد کرنا اللہ تعالیٰ کے شعائر کی تعظیم ہے اور کلمۃ اللہ کو بلند کرنا ہے،

اور ان وجوہ میں سے ایک یہ ہے کہ ان مواضع میں آنا ائمہ دین کے حال کو یاد دلاتا ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم

الا رفعت له بها درجة وحط عنه بها خطيئة، فاذا صلى لم تزل الملائكة تصلي عليه ما دام في مصلاه، اللهم صل عليه اللهم ارحمه، ولا يزال احدكم في صلاة ما انتظر الصلاة، وان بناءه اعانة لاعلاء كلمة الحق.

قوله صلى الله عليه واله وسلم من غدا الى المسجد او راح اعد الله له نزله من الجنة كلما غدا او راح.

اقول هذا اشارة الى ان كل غدوة وروحة تمكن من انقياد البهيمية للملكية، قوله صلى الله عليه واله وسلم من بنى لله مسجدا بنى الله له بيتا في الجنة.

اقول سره ان المجازاة تكون بصورة العمل وانما انقضى ثواب الانتظار بالحدث لانه لا يبقى متهيئا للصلاة وانما فضل مسجد النبي صلى الله عليه وسلم والمسجد الحرام بمضاعفة الاجر لمعان، منها ان هنالك ملائكة موكلة بتلك المواضع يحفون باهلها ويدعون لمن حلها، ومنها ان عمارة تلك المواضع من تعظيم شعائر الله واعلاء كلمة الله، ومنها ان الحلول بها مذكر لحال أئمة الملة، قوله صلى الله عليه

نے فرمایا" سوائے تین مساجد کے کہیں کے لئے کجاوے نہ کسو، مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ اور میری یہ مسجد"

میں کہتا ہوں اہل جاہلیت ان مقامات کو اپنے زعم میں معظم سمجھتے تھے ان کی زیارت کرنے کے لئے اور برکت حاصل کرنے کے لئے سفر کرتے تھے، اور اس میں دین کی تحریف اور فساد ہے جو پوشیدہ نہیں ہے، پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس فساد کا دروازہ بند کر دیا تاکہ جو چیزیں شعائر الٰہی نہیں ہیں وہ شعائر میں نہ مل جائیں اور تاکہ یہ غیر اللہ کی عبادت کا ذریعہ نہ ہو جائے، اور میرے نزدیک حق بات یہ ہے کہ قبر اور اولیاء اللہ میں سے کسی کی عبادت گاہ اور کوہ طور سب کے سب ممنوع ہونے میں برابر ہیں، واللہ اعلم۔

مسجد کے آداب کے کئی طریقے ہیں، ان میں سے ایک مسجد کی تعظیم کا لحاظ رکھنا اور اپنے نفس کو اس بات کا پابند کرنا کہ دل میں متفرق خیالات نہ آئیں اور مسجد میں داخل ہونے کے بعد وہ مطلق العنان نہ رہے چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے جب کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پیشتر دو رکعت پڑھ لے" اور ان آداب میں سے ایک مسجد کو ان چیزوں سے جو ناپاک اور مکروہ ہیں پاک صاف رکھنا ہے، اس کے متعلق راوی کہتا ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے بنانے کا اور اس کو پاک صاف رکھنے کا اور معطر کرنے کا حکم دیا، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میری امت کے اجر میرے سامنے پیش کئے گئے یہاں تک کہ کوڑی کا اجر بھی جسکو کوئی شخص مسجد سے نکال دیتا ہے دکھایا گیا" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مسجد میں تھوکنا ایک خطا ہے اور اس کا کفارہ اسکو مٹی سے دبا دینا ہے"

وسلم لا تشد الرحال الا الی ثلاث مساجد المسجد الحرام والمسجد الاقصی ومسجدی هذا۔

اقول کان اهل الجاهلية يقصدون مواضع معظمة بزعمهم يزورونها ويتبركون بها، وفيه من التحريف والفساد ما لا يخفى، فسد النبي صلى الله عليه وسلم الفساد لئلا يلتحق غير الشعائر بالشعائر ولئلا يصير ذريعة لعبادة غير الله، والحق عندي ان القبر ومحل عبادة ولي من اولياء الله والطور كل ذلك سواء في النهي والله اعلم۔

وآداب المسجد :- ترجع الى معان منها تعظيم المسجد ومؤاخذة نفسه ان يجمع الخاطر ولا يسترسل عند دخوله، وهو قوله صلى الله عليه وسلم اذا دخل احدكم المسجد فليركع ركعتين قبل ان يجلس، ومنها تنظيفه مما يتقذر ويتنفر منه، وهو قول الراوي امر النبي صلى الله عليه وآله وسلم ببناء المسجد، وان ينظف ويطيب، وقوله صلى الله عليه وسلم عرضت على اجور امتي حتى القذاة يخرجها الرجل من المسجد، وقوله صلى الله عليه وسلم البزاق في المسجد خطيئة وكفارتها دفنها۔

اوران میں سے ایک عبادت کرنے والوں کے دل پراگندہ کرنے سے اور بازار کا سا شور وغل کرنے سے باز رہنا ہے، چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا تھا "اس تیر کا پھل اپنے ہاتھ میں رکھو"، اور آپ نے فرمایا "جو کوئی کسی شخص کو مسجد کے اندر اپنی گم شدہ چیز کے لئے آواز دیتا ہوا سُنے تو اس کو یہ کہنا چاہیئے: خدا تیری طرف اس کو واپس نہ کرے کیونکہ مسجدیں اس واسطے نہیں بنائی گئی ہیں" اور آپ نے فرمایا ہے "جب تم مسجد کے اندر کسی شخص کو خریدتا یا فروخت کرتا دیکھو تو کہدو کہ خدا تعالےٰ تیری تجارت میں نفع نہ دے" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے اندر اشعار پڑھنے سے شکار کرنے سے اور حدود قائم کرنے سے بھی منع فرمایا ہے،

میں کہتا ہوں کہ گم شدہ چیز کا تلاش کرنا یعنی اسکی طلب میں آواز بلند کرنا اس لئے ممنوع ہوا کہ وہ شور وغل ہے جس سے نماز پڑھنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں کے دل اُچاٹ ہوتے ہیں، اور اس کے مطلوب کے خلاف بددعا کرکے جس میں کہ اس کی ذلت بھی ہوتی ہے اسکو منع کرنا مستحب ہے، اور اس کی علت نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمائی کہ مسجدیں اس لئے نہیں بنائی گئی ہیں، یعنی وہ ذکر الٰہی اور نماز کے لئے بنائی گئی ہیں، اور مسجد کے اندر خرید وفروخت کرنا اس لئے ممنوع ہوا کہ مسجد بازار نہ بن جائے کہ لوگ اس میں معاملات کرنے لگیں پس اسکی حرمت جاتی رہے اور نمازیوں اور معتکفوں کو تشویش پیدا ہونے لگے، اور اشعار پڑھنے سے منع کرنے کی وجہ بھی یہی ہے جو ہم نے بیان کی اور یہ وجہ بھی ہے کہ اشعار پڑھنے میں ذکر الٰہی سے اعراض اور دوسروں کو اعراض کی ترغیب دینا پایا جاتا ہے، اور مسجد کے اندر شکار اور حدود کی اسلئے ممانعت ہوئی کہ اس میں گندگی، رونے اور پیٹنے اور شور وغل کے پیدا ہونے اور عبادت سے نمازیوں کے دل ہٹنے کا احتمال ہے البتہ وہ اشعار مستثنیٰ ہیں جن میں ذکر الٰہی ہو

ومنها الاحتراز عن تشويش العباد و هيئات الاسواق وهو قوله صلى الله عليه وسلم امسك بنصالها قوله صلى الله عليه وسلم من سمع رجلا ينشد ضالة في المسجد فليقل لا ردها الله اليك فان المساجد لم تبن لهذا، قوله اذا رايتم من يبيع او يبتاع في المسجد فقولوا لا اربح الله تجارتك، ونهى عن تناشد الاشعار في المسجد وان يستقاد في المسجد وان تقام فيه الحدود،

اقول اما نشد الضالة اى رفع الصوت بطلبها فلانه صخب ولغط يشوش على المصلين والمعتكفين ويستحب ان ينكر عليه بالدعاء بخلاف ما يطلبه ارغاما له، وعلله النبي صلى الله عليه وسلم بان المساجد لم تبن لهذا اى انما بنيت للذكر والصلاة، واما الشراء والبيع فلئلا يصير المسجد سوقا يتعامل فيه الناس فتذهب حرمته ويحصل التشويش على المصلين والمعتكفين، واما تناشد الاشعار فلما ذكرنا، ولان فيه اعراضا عن الذكر وحثا على الاعراض عنه واما القود والحدود فلانها مظنة للالواث والجزع والبكاء والصخب والتشويش على اهل المسجد، ويخص من الاشعار ما كان فيه الذكر و

مدح النبی صلی اللہ علیہ وسلم و غیظ الکفار لانہ غرض شرعی، وھو قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لحسان اللھم ایدہ بروح القدس، قولہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انی لا احل المسجد لحائض ولاجنب۔

اقول السبب فی ذلك تعظیم المسجد فان اعظم التعظیم ان لا یقربہ انسان الابطھارۃ وکان فی منع دخول المحدث حرج عظیم، ولا حرج فی الجنب والحائض ولانھما ابعد الناس عن الصلاۃ والمسجد انما بنی لھا، قولہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من اکل ھذہ الشجرۃ المنتنۃ فلا یقربن مسجدنا فان الملائکۃ تتاذی مما یتاذی منہ الانس۔

اقول ھی البصل او الثوم وفی معناہ کل منتن، ومعنی تتاذی تکرہ وتتنفر لانھا تحب محاسن الاخلاق والطیبات وتکرہ اضدادھا قولہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل احدکم المسجد فلیقل اللھم افتح لی ابواب رحمتك فاذا اخرج فلیقل اللھم انی اسالك من فضلك۔

اقول الحکمۃ فی تخصیص الداخل بالرحمۃ والخارج بالفضل ان الرحمۃ فی کتاب اللہ ارید بھا النعم النفسانیۃ والاخرویۃ کالولایۃ والنبوۃ، قال تعالی ورحمۃ ربك خیر مما یجمعون

اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی مدح ہو اور کفار کو غم وغصہ میں مبتلا کرنا ہو کیونکہ یہ غرض شرعی ہے، اسی لئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان کے لئے دعا کی تھی کہ "اے اللہ تو روح القدس سے اس کی تائید کر"۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کسی حائض اور جنبی کے لئے میں مسجد کو حلال نہیں رکھتا"۔

میں کہتا ہوں اس ممانعت کا سبب تعظیم مسجد ہے کیونکہ مسجد کی سب سے بڑی تعظیم یہ ہے کہ کوئی انسان بغیر طہارت کے اس میں داخل نہ ہو، اور بے وضو کو مسجد میں داخل ہونے سے منع کرنے میں بڑی دقت تھی، اور جنبی اور حائض کو منع کرنے میں کوئی دقت نہیں ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ان دونوں کو بہ نسبت دوسرے لوگوں کے نماز سے زیادہ بعد ہے اور مسجد نماز ہی کے لئے بنائی گئی ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس بدبودار درخت کو کھا کر کوئی شخص ہماری مسجد میں ہرگز نہ آئے کیونکہ جس چیز سے لوگوں کو ایذا ہوتی ہے اس چیز سے فرشتوں کو بھی ہوتی ہے"۔

میں کہتا ہوں اس بدبودار درخت سے مراد پیاز یا لہسن ہے اور ہر بدبودار چیز اسی حکم میں ہے، اور فرشتوں کو ایذا ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ اس سے کراہت کرتے ہیں اور نفرت کرتے ہیں کیونکہ فرشتے پاکیزہ اخلاق اور خوشبودار چیزوں کو پسند کرتے ہیں اور ان کی اضداد چیزوں کو ناپسند کرتے ہیں، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو اس کو یہ کہنا چاہئے:۔ اللھم افتح لی ابواب رحمتك، پھر جب مسجد سے نکلے تو یہ کہنا چاہئے:۔ اللھم انی اسالك من فضلك"

میں کہتا ہوں داخل ہونے والے کے لئے طلب رحمت کی تخصیص اور نکلنے والے کے لئے طلب فضل کی تخصیص میں حکمت یہ ہے کہ کتاب اللہ میں رحمت سے نفسانی اور اخروی نعمتیں مراد ہیں جیسے ولایت اور نبوت، خدا تعالے نے فرمایا "اور تیرے رب کی رحمت اس خیر سے جس کو وہ جمع کرتے ہیں بہتر ہے"

والفضل على النعم الدنيوية قال تعالیٰ ليس عليكم جناح ان تبتغوا فضلا من ربكم، وقال تعالى فاذا قضيت الصلاة فانتشروا في الارض و ابتغوا من فضل الله، ومن دخل المسجد انما يطلب القرب من الله والخروج وقت ابتغاء الرزق، قوله صلى الله عليه وسلم اذا دخل احدكم المسجد فليركع ركعتين قبل ان يجلس،

اقول انما شرع ذلك لان ترك الصلاة اذا دخل بالمكان المعد لها ترة وحسرة، وفيه ضبط الرغبة في الصلاة بامر محسوس، وفيه تعظيم المسجد قال النبي صلى الله عليه و سلم الارض كلها مسجد الا المقبرة والحمام، ونهى ان يصلي في سبعة مواطن في المزبلة والمقبرة والمجزرة وقارعة الطريق وفي الحمام وفي معاطن الابل وفوق ظهر بيت الله ونهى عن الصلاة في ارض بابل فانها ملعونة،

اقول الحكمة في النهي عن المزبلة والمجزرة انهما موضعا النجاسة و المناسب للصلاة هو التطهر والتنظف وفي المقبرة الاحتراز عن ان تتخذ قبور الاحبار والرهبان مساجد بان يسجد لها كالاوثان وهو الشرك الخفي او يتقرب الى الله بالصلاة

اور فضل سے دنیاوی نعمتیں مراد ہیں، اللہ تعالےٰ نے فرمایا ،،تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم اپنے رب کے فضل کو طلب کرو،، اور خدا تعالےٰ نے فرمایا ،،پس جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور خدا کے فضل کو طلب کرو،، اور جو شخص مسجد میں جاتا ہے تو وہ خدا تعالےٰ کا قرب تلاش کرتا ہے اور مسجد سے نکلنے کے بعد روزی تلاش کرنے کا وقت ہوتا ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ،،جب تم میں سے کوئی مسجد میں جائے تو وہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعت پڑھ لے،،

میں کہتا ہوں یہ اس وجہ سے مقرر کیا گیا کہ جو مکان نماز کے لئے بنایا گیا ہے اس میں داخل ہونے کے وقت نماز نہ پڑھنا بڑے خسارہ اور حسرت کی بات ہے اور اس میں ایک امر محسوس سے نماز کیطرف رغبت کا بھی انضباط ہو جاتا ہے اور اس میں مسجد کی تعظیم بھی ہوتی ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ،،تمام زمین نماز کی جگہ ہے بجز مقبرہ اور حمام کے،، اور سات جگہ میں نماز پڑھنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے:- کوڑی خانہ میں اور مقبرہ میں اور مذبح میں اور عام راستہ میں اور حمام میں اور اونٹو کے بندھنے کی جگہ میں اور خانہ کعبہ کی چھت پر اور بابل کی زمین میں نماز پڑھنے سے بھی منع فرمایا کیونکہ اس زمین پر خدا کی لعنت ہو چکی ہے،

میں کہتا ہوں کوڑی کی جگہ اور مذبح میں نماز پڑھنے سے منع کرنے میں حکمت یہ ہے کہ وہ دونوں نجاست کے مقام ہیں اور نماز کے لئے طہارت اور پاکیزگی مناسب ہے، اور مقبرہ میں نماز پڑھنے سے منع کرنے میں حکمت یہ ہے کہ بتوں کی طرح سے علماء اور اولیاء کی قبور کی لوگ پرستش شروع نہ کر دیں کیونکہ یہ شرک خفی ہے یا ان مقابر میں نماز پڑھنے کو زیادہ تقرب الی اللہ نہ سمجھنے لگیں

اور یہ شرک خفی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا بھی مفہوم ہے "یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنا لیا" اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سورج کے طلوع، استواء، اور غروب کے وقت نماز پڑھنے سے منع فرمانا اسی کی نظیر ہے کیونکہ ان اوقات میں کفار آفتاب کو سجدہ کرتے ہیں، اور حمام میں نماز پڑھنے سے منع کرنے کی حکمت یہ ہے کہ وہ لوگوں کے ستر برہنہ ہونے کی اور لوگوں کے آتے جاتے رہنے کی جگہ ہے پس یہ باتیں نمازی کو حضور قلب کے ساتھ مناجات کرنے سے روک دیں گی، اور اونٹوں کے باندھنے کے مواضع میں نماز پڑھنے سے منع کرنے میں حکمت یہ ہے کہ اونٹ عظیم الجثہ ہونے کی وجہ سے اور سختی کے ساتھ پکڑنے کی وجہ سے اور اس کی زیادہ جرأت کی وجہ سے انسان کو ایذا پہنچا سکتا ہے پس اس خیال سے اس جگہ نمازی کو حضور قلب حاصل نہ ہوگا بخلاف ان مواضع کے جہاں بکریاں باندھی جاتی ہیں، اور عام راستہ پر نماز پڑھنے سے منع کرنے میں حکمت یہ ہے کہ راہ چلنے والوں کی وجہ سے اس کا دل نماز میں نہ لگے گا اور چلنے والوں پر راستہ بھی تنگ ہو جائیگا اسکے علاوہ وہ درندوں کے گذرنے کا راستہ ہوتا ہے جیسا کہ وہاں اترنے سے صریح نہی وارد ہے، اور بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھنے سے منع کرنے میں حکمت یہ ہے کہ بلا ضرورت بیت اللہ کی چھت پر چڑھنا مکروہ ہے اور اس میں خانہ کعبہ کی بے حرمتی ہے اور اس حالت میں استقبال الی القبلہ ہونے میں بھی شک ہے۔ اور اس زمین میں جہاں خسف واقع ہونے یا پتھر برسنے کی لعنت ہو چکی ہو نماز پڑھنے سے منع کرنے میں حکمت یہ ہے کہ اس زمین کو حقیر سمجھنا مقصود ہے، اسکے علاوہ خدا تعالیٰ کا خوف... کہ یہ اسکے مقام غضب سے دور رہنا چاہیئے چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس جگہ روتے ہوئے جاؤ"

نمازی کے کپڑوں کا بیان

واضح ہو کہ لباس کا پہننا ایسی چیز ہے جس کی وجہ سے

في تلك المقابر وهو الشرك وهذا مفهوم قوله صلى الله عليه وسلم لعن الله اليهود والنصارى اتخذوا قبور انبيائهم مساجد، ونظيرها نهيه صلى الله عليه وسلم عن الصلاة في وقت الطلوع والاستواء والغروب لان الكفار يسجدون للشمس حينئذ وفي الحمام انه محل انكشاف العورات ومظنة الازدحام فيشغله ذلك عن المناجاة بحضور القلب، وفي معاطن الابل ان الابل لعظم جثتها وشدة بطشها وكثرة جراءتها كادت تؤذي الانسان فيشغله ذلك عن الحضور بخلاف الغنم، وفي قارعة الطريق اشتغال القلب بالمارين وتضييق الطريق عليهم ولانها ممر السباع كما ورد صريحا في النهي عن النزول فيها، وفوق بيت الله ان الترقي على سطح البيت من غير حاجة ضرورية مكروه هاتك لحرمته وللشك في الاستقبال حالئذ، وفي الارض الملعونة بنحو خسف او مطر الحجارة اهانتها والبعد عن مظان الغضب هيبة منه وهو قوله صلى الله عليه وسلم ولا تدخلوه الا باكين ◆

ثياب المصلى

اعلم ان لبس الثياب مما امتاز

انسان کو تمام بہائم سے امتیاز حاصل ہے، اور کپڑوں کا
پہننا انسان کے عمدہ حالات میں سے ہے اور اس میں
ایک طرح کی طہارت پائی جاتی ہے اور اس میں نماز کی
تعظیم ہوتی ہے اور اس سے اس مناجات کا جو خدا
تعالٰی کے روبرو ہوتی ہے ادب ثابت ہوتا ہے اور
لباس کا پہننا بذاتِ خود ایک واجب چیز ہے اس کو
نماز میں اس لئے شرط کر دیا گیا ہے تاکہ اس سے نماز کے
معنی کی تکمیل ہو جائے، شارع نے لباس کی دو حدیں مقرر
کی ہیں ایک تو وہ حد ہے جو ضروری ہے اور وہ نماز کے
صحیح ہونے کے لئے شرط ہے، اور ایک وہ حد ہے جو
مستحب ہے، پس پہلی حد مرد کے لئے پیشاب اور پائخانہ
کے مقام کا ستر کرنا ہے اور ان دونوں میں پیشاب کے مقام
کا ستر زیادہ ضروری ہے اور دونوں رانیں انہی کے ساتھ ملحق ہیں
اور عورت کیلئے تمام بدن کا ستر کرنا ہے کیونکہ نبی صلے اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا "حائض کی نماز بغیر اوڑھنی کے قبول نہیں ہوتی"
حائض سے بالغ عورت مراد ہے، اور دونوں رانوں کو شرمگاہ
کے ساتھ اس لئے ملحق کیا کہ ران محلِ شہوت ہے اور اسی
طرح عورت کا تمام بدن محل شہوت ہے اس واسطے اسکا
حکم وہی ہے جو دونوں شرمگاہوں کا حکم ہے، اور دوسری
حد یعنی لباس مستحب کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے
"تم میں سے کوئی شخص ایک کپڑے میں کہ اس میں سے اسکے
کاندھے پر کچھ نہ ہو نماز نہ پڑھے" اور فرمایا "جب کپڑا بڑا ہو
تو اس کے دونوں طرف ادھر ادھر ڈال لے"، اور اس میں
نکتہ یہ ہے کہ عرب اور عجم اور تمام وہ لوگ جن کے مزاج درست
اور انسانیت پر ہیں باوجودیکہ وہ اپنی وضع میں مختلف ہیں کہ
کوئی قبا پہنتا ہے، کوئی قمیص پہنتا ہے، کوئی حلہ پہنتا ہے
اور کوئی انکے علاوہ کچھ اور پہنتا ہے ان سب کی پوری ہیئت
اور ان سب کا پورا لباس وہی ہوتا ہے جس میں دونوں کاندھے
اور پشت کپڑے سے ڈھک جائیں،

به الانسان عن سائر البهائم و
هو احسن حالات الانسان، وفيه
شعبة من معنى الطهارة، وفيه
تعظيم الصلاة وتحقيق ادب
المناجاة بين يدي رب العلمين
وهو واجب اصلي جعل شرطا في
الصلاة لتكميله معناها وجعله
الشارع على حدين، حد لا بد منه
وهو شرط صحة الصلاة، وحد
هو مندوب اليه فالاول منه
السوءتان وهو آكدهما والحق
بهما الفخذان وفي المرأة سائر
بدنها لقوله صلى الله عليه وآله
وسلم لا تقبل صلاة حائض الا
بخمار، يعني البالغة لان الفخذ
محل الشهوة، وكذا بدن المرأة
فكان حكمها حكم السوأتين، و
الثاني قوله صلى الله عليه وسلم
لا يصلين احدكم في الثوب الواحد
ليس على عاتقه منه شئ، وقال
اذا كان واسعا فخالف بين طرفيه
والسر فيه ان العرب والعجم
وسائر اهل الامزجة المعتدلة
انما تمام هيئتهم وكمال زيهم
على اختلاف اوضاعهم في لباس
القباء والقميص والحلة وغيرها
ان يستر العاتقان والظهر، و
سئل النبي صلى الله عليه وسلم
عن الصلاة في ثوب واحد فقال

نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کا مسئلہ دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا

کیا ہر ہر شخص کے پاس دو دو کپڑے ہوتے ہیں؟ پھر حضرت عمرؓ سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا، جب خدا تعالےٰ وسعت دے تو وسعت کرو، جمع کیا ایک شخص نے الخ،

میں کہتا ہوں بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے حدِ اول کی بابت دریافت کیا گیا تھا، اور حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا قول حدِ ثانی کا بیان ہے، اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ آں حضرت سے اس حدِ ثانی کے بارے میں ہی سوال کیا گیا ہو جو مستحب ہے پس آپ نے دو کپڑوں کا حکم نہیں دیا کیونکہ دو کپڑوں کی شرط کے ساتھ حکم کرنے میں خواہ وہ استحباب کے لئے ہی شرط ہوں ایک طرح کا حرج ہے اور شاید اس وجہ سے دو کپڑوں کا حکم نہیں کیا ہو کہ جس شخص کو دو کپڑے میسّر نہ ہوں تو وہ اپنے دل میں کچھ کوتاہی پائے پس اس کوتاہی کی وجہ سے جو وہ اپنے خیال میں محسوس کرتا ہے اس کی نماز ہی نامکمل رہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ جانتے تھے کہ احکام کے مقرر کرنے کا وقت تو گذر گیا اور ان کو یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ نماز میں پورا لباس پہننا مستحب ہے اس واسطے انہوں نے اس کے موافق حکم کر دیا، واللہ اعلم،

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے بارے میں جو اس حالت میں نماز پڑھتا تھا کہ اسکے سر کے بال پیچھے کی جانب بندھے ہوئے تھے، فرمایا "اس شخص کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص شانے بندھے ہوئے حال میں نماز پڑھتا ہو"

میں کہتا ہوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے یہ بات بتلادی کہ خوبصورتی اور پورا لباس اور طریقِ ادب میں کمی کرنا کراہت کا موجب ہوتا ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس چادر کے متعلق جس پر نقش و نگار تھے فرمایا "اس نے اب مجھکو میری نماز سے ہٹا دیا" اور آپ نے حضرت عائشہ سے فرمایا "اس تصویر والے پردے کو اُتار ڈال اس واسطے کہ اس کی تصویریں میری نماز میں

او لكلكم ثوبان ثم سئل عمر رضى الله عنه فقال اذا اوسع الله فوسعوا جمع رجل الخ،

اقول الظاهر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم سئل عن الحد الاول وقول عمر رضى الله عنه بيان للحد الثانى، ويحتمل ان يكون السوال فى الثانى الذى هو مندوب فلم يامر بثوبين لان جريان التشريع ولو بالحد الثانى باشتراط الثوبين حرج ولعل من لا يجد ثوبين يجد فى نفسه فلا تكمل صلاته لما يجد فى نفسه من التقصير، وعرف عمر رضى الله عنه ان وقت التشريع انقضى ومضى وكان قد عرف استحباب اكمال الزى فى الصلاة فحكم على حسب ذلك، والله اعلم، قال صلى الله عليه وآله وسلم فى الذى يصلى ورأسه معقوص من ورائه انما مثل هذا مثل الذى يصلى وهو مكتوف

اقول نبه على ان سبب الكراهية الاخلال بالتجمل وتمام الهيئة وزى الادب، قوله صلى الله عليه وسلم فى خميصة لها اعلام انها الهتنى آنفا عن صلاتى، وفى قرام عائشة اميطى عنا قرامك هذا فانه لا يزال تصاويره تعرض

سامنے آتی رہتی ہیں، اور فروج[1] حریر کی نسبت فرمایا یہ لباس متقین کے لئے مناسب نہیں ہے،

میں کہتا ہوں نمازی کے لئے ضروری ہے کہ جو چیز اس کو نماز سے غافل کرے خواہ وہ اس چیز کی خوبصورتی کی وجہ سے غافل ہو یا نفس کے اترانے کی وجہ سے غافل ہو تو اس کو اپنے سے علیحدہ کردے تاکہ جو نماز سے مقصود ہے وہ پورا پورا حاصل ہو جائے، اور یہودی لوگ اپنے جوتے اور موزوں میں نماز پڑھنے کو مکروہ سمجھتے تھے اس واسطے کہ اس میں ایک طرح کی ترک تعظیم ہے اور کیونکہ لوگ بڑوں کے پاس حاضر ہوتے وقت جوتے اُتار دیتے ہیں اور اسی کے متعلق اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ "اپنے جوتے اُتار دے تو مقدس میدان طویٰ میں ہے" اور جوتے اور موزہ کے اندر ایک وجہ اور بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ موزے اور جوتوں سے انسان کے لباس کی تکمیل ہوتی ہے پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے یہود کی مخالفت کی وجہ سے قیاسِ اول کو ترک کیا اور قیاس ثانی کو ہمیشہ کیلئے جاری رکھا، چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہود کی مخالفت کرو اس لئے کہ وہ جوتے اور موزے پہنکر نماز نہیں پڑھتے" پس صحیح یہ ہے کہ جوتے پہنکر نماز پڑھنا اور ننگے پیروں نماز پڑھنا دونوں برابر ہیں، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز کے اندر سدل کرنے سے منع فرمایا ہے پس بعض نے سدل کے معنی یہ بتلائے کہ کپڑا اپنے اوپر لپیٹ لے اور اپنے ہاتھوں کو اس کے اندر داخل کرلے، اور عنقریب اس بات کا بیان آئیگا کہ بدن پر اس طرح کپڑا لپیٹنا کہ ہاتھ اندر رہیں لباس کی سب صورتوں سے بدتر ہے کیونکہ ہاتھوں کا کھلا رکھنا انسان کی اصل طبیعت اور اس کی عادت ہے اور یہ ہیئت اسکے مخالف ہے نیز اس میں ستر کے کھلنے کا ہر وقت احتمال ہے کیونکہ اکثر اوقات انسان کو کسی چیز کے پکڑنے میں ہاتھ باہر نکالنے کی ضرورت پڑتی ہے

في صلاتي و في فروج الحرير لا ينبغي هذا للمتقين ٭

اقول ينبغي للمصلي ان يدفع عن نفسه كل ما يلهيه عن الصلاة لحسن هيئته او لعجب النفس به تكميلا لما قصد له الصلاة و كان اليهود يكرهون الصلاة في نعالهم و خفافهم لما فيه من ترك التعظيم فان الناس يخلعون النعال بحضرة الكبراء، وهو قوله تعالى فاخلع نعليك انك بالواد المقدس طوى، وكان هنا وجه اخر وهو ان الخف و النعل تمام زي الرجل فلترك النبي صلى الله عليه و سلم القياس الاول وابد الثاني مخالفة لليهود، وهو قوله صلى الله عليه وسلم خالفوا اليهود فانهم لا يصلون في نعالهم و خفافهم، فالصحيح ان الصلاة متنعلا و حافيا سواء، ونهى النبي صلى الله عليه و سلم عن السدل في الصلاة، فقيل هو ان يلتحف بثوبه و يدخل يديه فيه وسيجيء ان اشتمال الصماء اقبح لبسة لانه مخالف لما هو اصل طبيعة الانسان و عادته من ابقاء اليدين مسترسلتين ولانه على شرف انكشاف العورة فانه كثيرا ما يحتاج الى اخراج اليدين للبطش

[1] یہ ایک قبا کی قسم ہے جو پیچھے سے شق ہوتا ہے، کسی نصرانی نے آپ کو ہدیۃً بھیجا تھا، یہ بعینہ وہ لباس ہے جس کو آجکل لوگ کوٹ کہتے ہیں جو تنگ آستینوں کا ہوتا ہے ۱۲

اوراس سے ضرور ستر کھل جائیگا، اور بعض نے سدل کے معنی یہ بتلائے کہ اپنے اوپر کپڑا ڈال لے اور اسکے دونوں جانب نہ ملائے اوراس سے بھی خوبصورتی اور تمام ہیئت میں خلل پیدا ہوتا ہے، اور تمام ہیئت سے ہماری مراد وہ لباس ہے جس کے متعلق عرف و عادت میں یہ کہا جا سکے کہ اس میں ضروری کپڑوں میں سے کوئی کپڑا کم نہیں ہے اور لوگوں کے لباس کی وضع جداگانہ ہے لیکن ہر طرح کے لباس میں تمام ہیئت ہوتی ہے جو تلاش کرنے سے معلوم ہو سکتی ہے۔ اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے تو عرب کے دستور کے موافق جو اس وقت میں لباس کے متعلق تھا حکم دیا ہے۔

فتنكشف، وقيل ارسال الثوب من غير ان يضم جانبيه وهو اخلال بالتجمل وتمام الهيئة وانما نعني بتمام الهيئة ما يحكم العرف والعادة انه غير فاقد ما ينبغي ان يكون له واوضاع لباسهم مختلفة ولكن في كل لبسة تمام هيئة يعرف بالسبر وقد بنى النبي صلى الله عليه وآله وسلم الامر على عرف العرب يومئذ

الحمد للہ حجۃ اللہ البالغہ حصہ اول کا ترجمہ تمام ہوا!